

﴿جِلْدِ اَوَّل﴾

فتاویٰ اسلامیہ

﴿کتاب العقائد کتاب الصلوة﴾

فتاویٰ

مفتی اشعوبہ العزیز بن عبد اللہ بن باز رحمۃ اللہ علیہ
فضیلۃ اشعوبہ محمد بن صالح العثیمین رحمۃ اللہ علیہ
فضیلۃ اشعوبہ عبد اللہ بن عبد الرحمن الجبرین
اول
"اللجنة الدائمة للإفتاء في الرياض سعودي عرب"

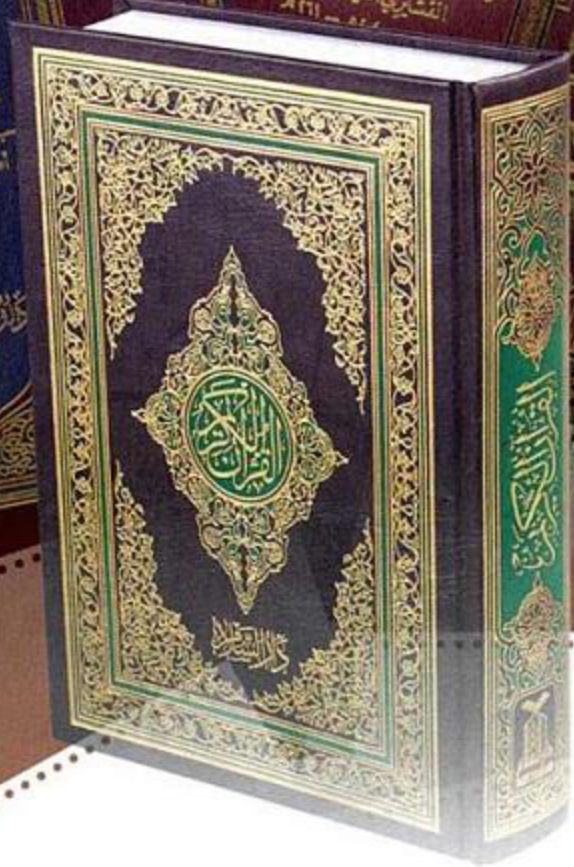
جمع وترتیب:

فضیلۃ اشعوبہ محمد بن عبد العزیز بن عبد اللہ بن باز رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ:

مولانا محمد خالد سیف رحمۃ اللہ علیہ

(اسلامی نظریات کو فیصلہ پاکستان)



WWW.IRCPK.COM





بجملہ حقوق اشاعت برائے دارالسلام مخزن ہیں

دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور
لندن • ہیوسٹن • نیویارک



ہیڈ آفس: پوسٹ بکس: 22743 الزیاض: 11416 سوئی عرب فون: 4043432 - 4033982 (00966 1)
فیکس: 4021659 ای میل: darussalam@naseej.com.sa بک شاپ فون: فیکس: 4614483

جدہ فون: 6712299 فیکس: 6173448 02 انٹرن فون: 8948106 03

ٹاربر فون: 5511293 فیکس: 5511294 (009716)

پاکستان: ① 50 نورمال نزدیم - لے - او کالج لاہور فون: 7232400 - 7240024 (0092 42)

فیکس: 7354072 ای میل: darussalampk@mail.com

② عمان مارکیٹ 'غفنی سٹریٹ' آڈو بازار لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703

لندن فون: 5202866 فیکس: 5217645 (0044 208)

ہیوسٹن فون: 7220419 فیکس: 7220431 (001 713) نیویارک فون: 7255925 (001 718)

Website: <http://www.dar-us-salam.com>



فتاویٰ اسلامیہ (جلد اول)

فتاویٰ
ماہنامہ شیخ عبدالعزیز بن عبدالمعز بن باز رحمۃ اللہ علیہ
فضیلۃ الشیخ محمد صالح العثیمین رحمۃ اللہ علیہ
فضیلۃ الشیخ عبدالقادر بن عبدالحمن الجبرین
اؤف
”الجزء الدائم للأفتاء والإرشاد مغوی حرب“

کتاب العقائد
ت
کتاب الصلوة

جمع و ترتیب:

فضیلۃ الشیخ محمد بن عبد العزیز بن عبد خداوند

ترجمہ:

مولانا محمد خالد سیف رحمۃ اللہ علیہ

(رشدی تنظیم، کراچی، پاکستان)

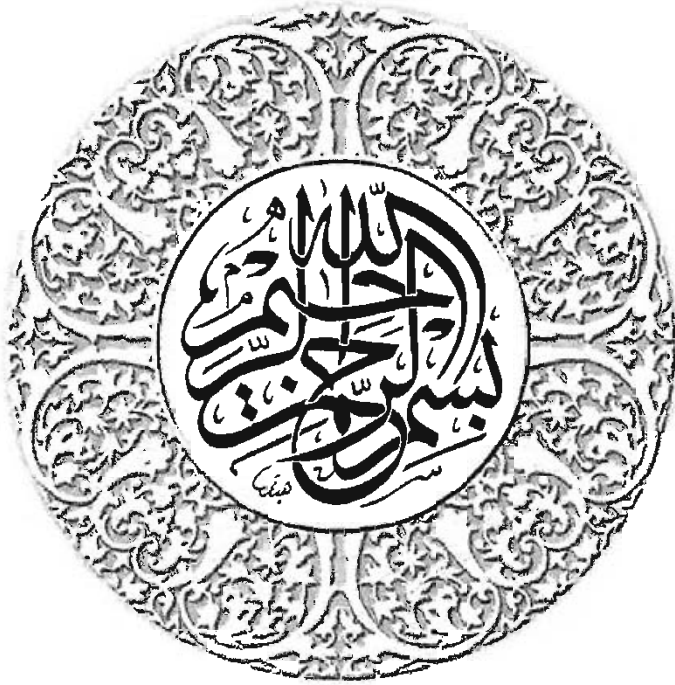
تعمیر:

ابوعبد اللہ محمد عبد الجبار

دار السلام

کتاب و سنت کی روشنی میں آگے و آگے
ریاض جنیدہ • شارعہ • لاہور
لندن • ہیوسٹن • نیویارک







فہرست مضامین فتاویٰ اسلامیہ (جلد اول)

54	مجمول تعویذوں اور منقروں کا حکم	19	عرض ناشر
55	شعبہ ہازوں اور مجمول لوگوں سے علاج کرانا جائز نہیں	21	مقدمہ
57	قرآن کے ساتھ علاج کا حکم	23	اسلام میں افتاء کی اہمیت
58	کتاب حن حصین اور حرز الجوشن وغیرہ	35	عقائد کے بیان میں
58	ایسی مسجدوں میں نماز کا حکم جن میں قبریں ہوں اور جو شخص مسجد میں نبی ﷺ کی قبر سے استدلال کرتا ہے اس کا جواب	36	جنوں کے لئے ذبح کرنے والے کا کوئی عمل توبہ کے بغیر قبول نہیں
61	قیامت بدترین لوگوں پر قائم ہوگی	37	مشرک کے ذبیحہ کو حلال سمجھنا
61	کیا حضرت اسماعیل علیہ السلام حطیم میں دفن ہیں؟	37	مشرک کی طرف سے حج اور اس کے لیے مغفرت کی دعا
61	رسول اللہ ﷺ اور صاحبین کی قبروں کو مسجد نبوی میں داخل کرنے کی حکمت	38	نبی ﷺ کے اس فرمان کا معنی کہ ”ایک کے سوا تمام فرقتے جہنم میں جائیں گے“
63	(كنت سمعه الذي يسمع به وبصره...) کے معنی	38	ارشاد باری تعالیٰ ﴿وان منكم الا وادها﴾ کے معنی
64	میت کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کا حکم	39	لوگ اپنی قبروں سے کس طرح انھیں گے
65	کیا ہندومت، بدھ مت اور سکھ مت دین ہیں؟	40	توکل کی حقیقت
66	فوت شدہ حکام کی سلامی کے لئے کھڑا ہونا	41	مساجد کے افتتاح کے لئے مجلسوں کا اہتمام
67	میت کی طرف سے صدقہ کرنا شرعاً جائز ہے	42	حضرت علی رضی اللہ عنہ بعد از وفات کسی کی مدد نہیں کر سکتے
67	قبروں کے ساتھ تبرک نہیں	43	قبر پر پھولوں کے گلستے رکھنا
68	① ذہنت کے لئے مجتہدوں کا استعمال ② نبی ﷺ کی قسم کھانے کا حکم	43	کبیرہ گناہوں کے مرتکب لوگوں کا انجام
69	کیا یہ درست ہے کہ میڈیکل کے ذریعہ یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ رحم میں کیا ہے؟	44	قبروں پر سجدہ اور ذبح کرنے کا حکم
70	انبیاء و مرسلین اور آسمانی کتابوں کی تعداد	45	مُردوں کے لئے ذبح کرنے کا حکم
71	میلاد النبی ﷺ کی محفل منعقد کرنا	46	منقروں، تعویذوں اور دموں کے کھنسنے کا حکم
72	قرآن مجید کی تلاوت کی اجرت جائز نہیں جب کہ تعلیم کی اجرت جائز ہے	48	غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا شرک اکبر ہے
76	کیا رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کیلئے خلافت کی	50	ممنوع اور جائز دم بھار
		52	تعویذ لٹکانے والے کا ذبیحہ
		53	تعویذوں کے لٹکانے کا حکم
		54	شعبہ ہازوں سے علاج کرانا

- 123 جنت میں دیدار الہی
- 124 مخالف اہل سنت کی امامت
- 125 جاوید گروں اور شیعہ باز صوفیوں سے سوال پوچھنا
- 127 غیر اللہ سے مدد مانگنے کا حکم
- 129 عورت قبروں کی زیارت نہ کرے
- 130 مسجد نبوی کی زیارت کے لئے سفر
- 130 حضرات انبیاء کرام علیہم السلام میں تفضیل
- 131 عورتوں کے لئے قبروں کی زیارت کیوں حرام ہے؟
- 131 عورت قبروں کی زیارت نہ کرے
- 132 آخرت میں کافر کا حساب
- 134 مومن کی آزمائش کے فائدے
- 136 قبر کو مسجد سے دور ہٹا دو
- 137 مقام جنت
- 138 قبر پر لکھنا
- 138 فوت شدگان کے لئے قرآن پڑھنا
- 139 ساگرہ کی تقریب منانا
- 140 یہود و نصاریٰ کے کفر کا اثبات اور انہیں کافر نہ کہنے والوں کی تردید
- 144 کرانا کاتبین کی تخلیق میں کیا حکمت ہے؟
- 145 کسی معین شخص کو شہید کہنا اور ---!
- 147 عید میلاد اور معراج کی محفلیں منعقد کرنا
- 149 تعویذ حرام ہیں خواہ وہ قرآن ہی سے لکھے ہوں
- 149 جنوں کا انسانوں کے ساتھ میل ملاپ
- 149 اہل فترت (دو نمبروں کے درمیان کے زمانہ کے لوگ)
- 150 اونچی قبر کا گرانا
- 151 ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کیوں کرتے ہیں؟
- 152 کسی میت کو مغفور و مرحوم کہنا جائز نہیں
- 152 عوام الناس کی زبانوں پر بعض مشہور کلمات
- 153 میت پر نماز وغیرہ کا صدقہ کرنا
- 153 دین میں سطحیت نہیں ہے
- 155 رزق اللہ کے ذمہ ہے
- 78 جس حجرہ میں قبریں ہوں، اس میں نماز جائز نہیں
- 79 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنوں سے ملاقات
- 79 ابلیس آج تک ہمارے درمیان زندہ ہے
- 80 جاوید کی حقیقت
- 80 اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اولیاء و صالحین کا وسیلہ
- 81 جب بھی صحت کی نگہداشت زیادہ ہوگی، وفیات کی تعداد کم ہوگی
- 84 زندوں اور مردوں کی طرف سے صدقہ اور قراءت قرآن
- 85 تعویذوں اور منتروں کی فروخت
- 87 کیا ابلیس فرشتوں میں سے تھا؟
- 88 نجومی اور کاہن سے سوال پوچھنا جائز نہیں
- 89 نبی کی قسم کھانا
- 90 تلاوت قرآن کی اجرت کا تقاضا کرنا
- 91 ظہور مہدی
- 92 بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استغاثہ، آپ کو پکارنا اور آپ پر درود پڑھنا
- 95 غیر اللہ کی قسم کھانا
- 96 بدعات
- 97 فاسق کے لئے رحم کی دعاء کرنا
- 97 غیر اللہ سے مدد مانگنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا
- 98 جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دین کے مطابق حکومت نہ کرے۔
- 99 حضرت علی رضی اللہ عنہ کیلئے ”صلی اللہ علیہ وسلم“ کے الفاظ استعمال کرنا جائز نہیں
- 99 جن کے لئے ذبح کرنے والا
- 100 کیا قبر میں میت میں زندگی لوٹ آتی ہے؟
- 108 عیسائیوں کے بارے میں اسلام کا موقف
- 118 ان مسجدوں میں نماز کا حکم جن میں قبریں ہوں
- 119 ﴿ان اللہ لا یغفر﴾ اور ﴿وانی لغفار﴾ میں تطہیق
- 120 قرآن کریم کی محکم و متشابہ آیات

- 174 بیرون ملک غیر مسلم خاندانوں کے ساتھ سکونت
- 175 کافروں کے ملکوں کی طرف سفر کا حکم
- 178 یسود و نصاریٰ کے تہواروں کی تعظیم جائز نہیں
- 178 میت کی وفات کے چالیس روز بعد محفل منعقد کرنا
- 179 ارشاد باری تعالیٰ: ﴿لَا تَتَوَلَّوْا فَوْمًا عَصِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ﴾ کا معنی
- 180 غیر مسلم کارکنوں کو اسلامی ممالک خصوصاً جزیرۃ العرب میں بلانا
- 182 اہل و عیال کے ساتھ سکونت کا حکم جب کہ وہ نماز نہ پڑھتے ہوں
- 182 غیر مسلمانوں سے میل جول سے دینی غیرت ختم ہو جاتی ہے
- 184 عید الام منانے کا حکم
- 185 کام کے افتتاح کے وقت فیئہ کاٹنا
- 185 غیر مسلمانوں کو صدقہ دینا
- 186 غیر مسلم خادمہ کے ساتھ میل جول
- 187 کافر کی نجاست معنوی ہے
- 187 ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ
- 187 حضرت زید رضی اللہ عنہ کے طلاق دینے کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نبی ﷺ کی شادی کے بارے میں شبہات کا ازالہ.....
- 190 نبی ﷺ پر زندگی میں ایک بار درود بھیجنا تو فرض ہے
- 190 وفات کے بعد نبی کریم ﷺ کو پکارنا اور آپ سے مدد مانگنا شرک اکبر ہے
- 191 نبی کریم ﷺ پر سلام کے وقت کھڑا ہونا
- 191 نبی ﷺ کی ذات گرامی پر سلام
- 191 کیا نبی ﷺ نور من نور اللہ تھے؟
- 192 کیا نبی کریم ﷺ علم غیب جانتے ہیں؟
- 194 کیا نبی کریم ﷺ میت کے پاس تشریف لاتے ہیں؟
- 194 رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر درود شریف
- 197 رسول اللہ ﷺ اور تعدد ازواج
- 197 نبی ﷺ کی محبت صرف ایک ہی رات کے لئے تو نہیں
- 155 کیا کفر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے؟
- 156 ڈاکٹروں سے علاج کی بابت اسلام کا موقف
- 156 تین مسجدوں کے علاوہ دیگر مساجد کی طرف شدر حال کا حکم
- 158 احکام شریعت پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے
- 158 سعادت و شقاوت کے معنی
- 160 عذاب قبر
- 161 علم غیب کا دعویٰ کرنے والا کاذب یا جاوہر گریا طاغوت ہے
- 161 نفسیاتی بیماریوں کا تعویذوں سے علاج نہیں کرنا چاہئے
- 161 امانت کے ساتھ قسم کھانا
- 162 شیطان خیالات کا علاج
- 162 فرشتوں کا گھر میں داخل ہونا
- 163 انبیاء کرام رضی اللہ عنہم کی صداقت کی دلیل
- 163 حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف اور ان پر لعنت کا حکم
- 164 رسول اور نبی میں فرق
- 164 جادو کا جادو سے توڑ
- 165 اہل فترت کا انجام
- 165 عز و شرف اور کعبہ کی قسم کھانا
- 166 عید میلاد منانے کا حکم
- 167 کفار کے ساتھ معاملہ
- 167 غیر مسلموں کی خدمت میں شراب پیش کر کے ان کی عزت افزائی کرنا
- 167 کافروں کے ساتھ تجارت
- 168 کافروں کے ساتھ مصافحہ اور سلام کا حکم
- 168 غیر اللہ سے استعاذہ کرنے والے کے پیچھے نماز اور دوستی کا حکم
- 170 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دینے والے کے ساتھ معاملہ
- 171 غیر مسلم خادمہ کو ملازم رکھنا
- 171 کیا کافر پڑوسی کو قربانی کے گوشت کا تحفہ دیا جاسکتا ہے؟
- 172 کافر کو سلام کرنا
- 173 ذمی کے ساتھ معاملہ کا مثالی طریقہ

236	کیونٹ مرتد ہیں	199	ہوتی چاہئے
238	فقہی مذاہب سے وابستگی	200	ازواج مطہرات میں سب سے افضل
239	علم کے بیان میں	200	نبی ﷺ کی ذات گرامی پر درود کے بجائے ”صلعم“ کے ساتھ اشارہ کرنا
240	میں کتابیں جمع تو کرتا ہوں لیکن پڑھتا نہیں	200	حضرت عیسیٰ علیہ السلام
240	میں استانی ہوں، کیا طالبات کے سوالات کے جوابات دے سکتی ہوں؟	200	کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں یا مردہ؟ اور اب وہ کہاں ہیں؟
241	اجتہاد و افتاء	201	حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانہ میں نازل ہوں گے
241	فتویٰ کے بارے میں خبر دینے میں کوئی حرج نہیں	203	حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کو کیوں آسمانوں پر اٹھایا گیا
242	شرعی علم کا حاصل کرنا	204	آپ کا نام مسیح کیوں؟
242	مذاہب اربعہ	213	فرقے اور مذاہب
242	علیٰ مجلس میں سلام کرنا	213	صیہونی تحریک کی طرف انتساب کے بارے میں شرعی فتویٰ (فقہی کونسل کی قرارداد)
243	فتویٰ دینے میں توقف کرنا	215	دہالی دعوت سلفی دعوت ہے اور ان افتراء پروازیوں میں کوئی صداقت نہیں
243	علم کے بغیر فتویٰ دینا	216	بدھ مت
244	ائمہ اربعہ نے اپنی تقلید کو لازم قرار نہیں دیا	216	شیعہ مذہب کی تقلید
245	ارض فندک کا قصہ	216	دہالی نبی ﷺ کی شفاعت کے منکر نہیں ہیں
245	کتاب سیرت ملک سیف بن ذی یزن	217	کیا بیٹا غیر اللہ کی عطاء ہے؟
246	جس کا کوئی استاد نہیں اس کا استاذ شیطان ہے	218	طریقہ شاذلیہ
246	جمعہ کے دن حدیث بیان کرنا	220	صوفیاء کے طریقے، خرق عادت واقعات اور شیطانی حالات
246	امتحانات میں دھوکا دینا بھی حرام ہے	224	نماز بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے
247	سفن فطرت	225	شاذلیہ وغیرہ صوفیوں کے طریقوں کی طرف نسبت
247	داڑھی کو کالا کرنا	227	صوفیاء کی مخصوص اصطلاح ”صاحب وقت“
248	موچھوں کو منڈوانا	227	کیا ولی کسی دوسرے انسان کی مدد کر سکتا ہے؟
248	رخساروں سے بالوں کو منڈانا	228	کمیونزم کی طرف انتساب کا حکم
249	داڑھی منڈانا اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بدلنا ہے	231	ہمایت کی طرف انتساب کا حکم
249	داڑھی منڈانے والے کا حکم	232	تاریانیت کی طرف انتساب کا حکم
250	موچھوں کو کاٹنا اور داڑھیوں کو بڑھانا	234	نظریہ ارتقاء اسلامی عقیدہ کے خلاف ہے
251	مرد کے لئے کمر، پنڈلیوں اور رانوں کے بالوں کا صاف کرنا	235	قومیت کی دعوت جاہلیت کی دعوت ہے
252	داڑھی کا مذاق اڑانا	236	صوفیہ کے پیچھے نماز کا حکم
253	رخساروں کے بالوں کو مونڈنا اور بحالت روزہ حجامت بنوانا		
253	مسواک اور دانتوں کا خون		

276	وضوء، تیمم اور غسل	254	بالوں کو چھوٹا اور لمبا کرنا
276	نماز یا تلاوت قرآن کے دوران وضوء کا ٹوٹ جانا	255	مردوں کے لئے سرمہ کا استعمال
277	عورت کو ہاتھ لگانے سے وضوء نہیں ٹوٹتا	255	داڑھی کو کالا کرنا
278	اونٹ کا گوشت کھانا	255	ابروؤں کے بالوں کو چھوٹا کرنا
279	وضوء کی دعائیں، کیا غسل، وضوء سے بھی کفایت کرتا ہے؟	256	شرعی داڑھی کے حدود اور داڑھی منڈانے کا حکم
280	اونٹ کے گوشت کے شوربے سے وضوء نہیں ٹوٹتا	256	داڑھی منڈانا
280	وضوء سے پہلے بسم اللہ پڑھنا	257	داڑھی منڈانا اور مونچھیں کترانا
281	نیند سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے	258	کتاب الطہارۃ
282	کیا سابقہ طہارت میں خشک کی بنا پر نماز کو دوہرایا جائے	260	مریض کی طہارت کے احکام
282	نیند سے بیدار ہو کر وضوء کئے بغیر نماز پڑھنا	264	مریض کس طرح طہارت حاصل کرے؟
283	پانی کی موجودگی میں تیمم	265	خشک نجاست نقصان دہ نہیں ہے
285	جو شخص کسی عضو کے دھونے یا مسح کرنے سے عاجز ہو	265	زخموں کی صفائی کے لئے اس خوشبو کا استعمال جس میں الکحل کی آمیزش ہو
286	تو وہ اس کے بجائے تیمم کرے	267	جس شخص کی ہوا مسلسل خارج ہوتی رہتی ہو
286	جائے نماز پر تیمم کرنا	267	پیشاب کا وسوسہ
286	عورت کے غسل جنابت اور غسل حیض کا طریقہ	268	وضوء میں وسوسہ
287	پہلے غسل کرو	268	جلہ کی طہارت کے بارے میں شک
288	جب احکام کا کوئی نشان نہ ہو	268	ہوا کا مسلسل خردج
289	جنبی انسان کا چیزوں کو ہاتھ لگانا	269	دھوپ سے طہارت حاصل نہیں ہوتی
290	غسل جنابت و حیض میں سر کی تکلیف کی وجہ سے مسح	270	نماز کے بعد کپڑوں میں نجاست کی موجودگی
290	پیشاب کے ساتھ منی کا خارج ہونا	270	سلسل البول کا مریض
291	مذی سے غسل واجب نہیں	271	نماز میں سگریٹ کا پاس ہونا اور وہ پانی جس میں کیراگر گیا ہو
291	جنبی کا دریا یا جوہڑ میں غسل کی نیت سے اترنا	271	کافر خادمہ کا کھانا پکانا اور کپڑے دھونا
292	مختلم پر غسل کب واجب ہوتا ہے؟	272	کھڑے ہو کر پیشاب کرنا
293	کیا صحرا میں رہنے والوں پر بھی وضوء اور غسل واجب ہے؟	272	پیشاب کی نجاست سے بچنے
293	ایک شخص حالت سفر میں جنبی ہے مگر پانی نہیں	273	جس شخص کا وضوء ٹوٹ جائے وہ نماز توڑ دے
294	ایک مرتبہ وضوء کر لو اور شیطان کی پیروی نہ کرو	273	خزیر کی کھال سے بنے ہوئے کوٹ
295	مریض کا پتھر کے فرش سے تیمم کرنا	274	جب نماز پڑھتے ہوئے کپڑے کی نجاست میں شک ہو
295	تمام میں وضوء کی صورت میں دل میں تسبیح پڑھے	275	کولونیا کو بطور خوشبو استعمال کرنا
296	شرم گاہ کا دھونا وضوء کا حصہ نہیں ہے	275	سر پر مندی رکھنے سے طہارت ختم نہیں ہوتی
296	شاہور کے نیچے بھی غسل درست ہے	276	مذی کا حکم

313	بہت باریک جراب پر مسح	296	تیم سے پڑھی ہوئی نمازوں کو دہرانا
314	کس قسم کے موزہ پر مسح جائز ہے؟	297	جب احتلام تو ہو لیکن تری موجود نہ ہو
315	موسم گرما میں عذر کے بغیر جرابوں پر مسح کرنا	297	شیطانی وسوسے
316	مدت مسح	298	یقین پر بنیاد دین کا ایک بہت بڑا اصول ہے
316	موزوں پر مسح کے وقت کی ابتداء	299	بوسہ سے وضوء نہیں ٹوٹتا
317	جرابوں پر مسح کے بعض احکام	299	جنبی قرآن مجید کی تلاوت نہیں کر سکتا
317	حیض اور نفاس	300	وضوء کے بعد اعضاء کو صاف کرنا
317	حج میں حیض اور نفاس والی عورت کے لئے طواف وداع	300	وضوء کرتے وقت چہرے اور ہاتھوں کو صابن سے دھونا
318	جب نفاس والی عورت چالیس دنوں سے پہلے پاک ہو جائے	301	کیا تیل بھی پانی کے اعضاء وضوء تک پہنچنے میں رکاوٹ ہے؟
318	حائضہ عورت سے مباشرت کا کفارہ	302	دانتوں میں کھانے کے ذرے اور وضوء
319	حائضہ کے لئے دعائیں پڑھنا	302	شیطان کی پھونک
320	حائضہ کے لئے کتب تفسیر کا مطالعہ	303	وضوء میں وسوسہ
320	ماہانہ معمول میں اضطراب	303	ہوا کے خارج ہونے میں شک
321	غسل کے بعد خون	304	اصل بقاء طہارت ہے
322	مانع حیض گولیوں کا استعمال	304	منی پاک ہے
322	حائضہ کے لئے مسجد سے لمحظہ حصوں میں داخلہ	305	پیشاب کے بعد خارج ہونے والا سفید مادہ
323	نفاس والی عورتوں کا گھروں سے باہر نکلنا	305	پانی کی موجودگی میں تیمم باطل ہے
323	جب نفاس والی عورت چالیس دنوں سے پہلے پاک ہو جائے	305	اونٹ کا گوشت ناقض وضوء ہے
324	جنین ساقط ہونے کی صورت میں عورت کے لئے احکام	306	کثرت گیس کا عارضہ
325	نفاس کی کم سے کم کوئی حد مقرر نہیں	307	وضوء میں تسلسل
325	جب حیض معمول سے زیادہ دنوں تک جاری رہے	308	پانی کی موجودگی میں تیمم جائز نہیں
325	طہارت کے بعد میٹھایا یا پیلا پانی کچھ نہیں	308	زکام اور تیمم
326	جب حیض نماز کے وقت شروع ہو	309	نیند میں منی کا خروج
327	جب جنین تیسرے مہینے ساقط ہو جائے	309	اس خارج ہونے والے مادہ کا کیا حکم ہے؟
330	نماز کے بیان میں اذان اور تکبیر	310	زخمی کس طرح غسل کرے؟
330	کیا تکبیر کے بعد دعاء ثابت ہے	310	مباشرت سے غسل کرنے کی حکمت
331	کام کی جگہ پر نماز کے لئے اذان	311	جنبی کا غسل کرنے سے پہلے سونا
331	کیا عورت اذان کہہ سکتی ہے؟ کیا اس کی آواز بھی پرہہ ہے؟	311	موزوں پر مسح
332	اذان کے بعد بلند آواز سے ذکر	311	وضوء کے بغیر پہنی ہوئی جرابوں کے ساتھ نماز
		312	بایاں پاؤں دھونے سے پہلے دائیں پاؤں میں جراب پہن لینا

- 352 حاملہ عورت سلس البول میں مبتلا ہو تو کیا نماز ترک کر دے؟
- 353 مسبوق (جس سے باجماعت نماز مکمل یا اس کا کچھ حصہ نکل چکا ہو) کی امامت کا حکم
- 353 منفرد کی امامت
- 354 منفرد کی اقتداء
- 354 جب پہلی صف میں جگہ نہ ہو تو؟
- 355 مقتدی نے امام کے ساتھ جو نماز پائی وہی اس کی نماز کا ابتدائی حصہ ہے
- 355 نماز کے بعد ہمیشہ مصافحہ کرنا
- 356 جلسہ استراحت واجب نہیں ہے
- 357 ہم نے اجتہاد سے غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھ لی
- 357 منفرد کے لئے جہری قرأت کا حکم
- 357 نمازی کے آگے سے گزرنا حرام ہے
- 358 طہارت خانوں کی چھتوں پر یا ان کے پاس نماز کا حکم
- 358 ایسی گھڑیوں کے ساتھ نماز کا حکم جن میں تصویریں یا صلیبیں ہوں
- 359 باریک کپڑے میں نماز کا حکم
- 359 ہوائی جہاز میں نماز کی کیفیت
- 360 کیا مسبوق وعاء استنشاح اور فاتحہ پڑھے؟
- 360 نماز میں ڈھانٹا ہاندھنے اور نیک لگانے کا حکم
- 361 تصویر پاس ہونے کی صورت میں نماز کا حکم
- 361 فرض ادا کرنے کے بعد دوسروں کی امامت
- 362 جب امام ایسے مسبوق کو اپنی جگہ کھڑا کر دے جس کی دو رکعات رہ گئی ہوں
- 362 تراویح پڑھنے والے امام کی اقتداء میں نماز عشاء
- 363 ایک شخص انفرادی طور پر نماز ادا کر رہا تھا کہ اس کے ساتھ.....
- 364 مسجد سے متصل سڑکوں پر بھی نماز جائز ہے
- 364 نفل پڑھنے والے کی اقتداء میں فرض پڑھنا
- 365 جمالت کی وجہ سے سورہ فاتحہ کا نہ پڑھنا
- 365 بوندا ہاندی کی وجہ سے مغرب و عشاء کی نمازوں کو
- 333 عورت بلا اقامت نماز پڑھے
- 333 نماز کی اقامت کے بعد کلام
- 333 جب منفرد اقامت کرنا بھول جائے
- 334 کیا اقامت کہنے والا امامت بھی کر داسکتا ہے؟
- 334 پیٹیکر پر اذان کے بعد مؤذن کا یہ کہنا کہ نماز پڑھو اللہ تمہیں ہدایت دے!
- 335 فجر کی پہلی اور دوسری اذان میں فرق
- 336 عورتوں کے لئے اقامت
- 336 مؤذن کو سننے والا کیا کہے
- 337 منفرد کے لئے اقامت لازم نہیں
- 338 منفرد کے لئے اذان و اقامت
- 338 مؤذن کے لئے حیعلتین میں دائیں بائیں دیکھنا
- 338 نماز کی کیفیت اور احکام
- 338 جو شخص امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو
- 339 نفل پڑھنے والوں کے پیچھے فرض پڑھنا
- 340 فوت شدہ نمازوں کی قضا کا طریقہ
- 340 جو توتوں کے ساتھ نماز پڑھنا
- 341 کچھ نمازوں میں قرأت جہری ہے اور کچھ میں نہیں
- 341 نماز میں رفع الیدین کے مقامات
- 342 مغرب کی نماز کو عشاء تک مؤخر کرنا
- 342 فرض نمازوں میں قنوت کا حکم
- 343 صف کے پیچھے منفرد کی نماز
- 344 حرم شریف میں نمازی کے آگے سے گزرنا
- 345 جہری نماز میں مقتدی کے لئے بھی سورت فاتحہ پڑھنا واجب ہے
- 346 دیر تک رونے سے نماز باطل نہیں ہوتی
- 347 بارش کی وجہ سے ظہر و عصر کی نمازوں کو جمع کیا لیکن.....
- 348 مقیم کی مسافر کے پیچھے نماز
- 349 جب نماز کے ادا کرنے یا نہ کرنے میں شک ہو
- 350 جب مقتدی سورہ فاتحہ پڑھنا بھول جائے
- 350 میرے خاندان کی کمائی حرام ہے
- 351 نمازی کے آگے سے گزرنے سے نماز نہیں ٹوٹی

384	سورہ کی قرأت	365	جمع کرنا
385	امام کی قرأت کے دوران نبی ﷺ پر درود بھیجنا	366	نماز میں وسوسوں کا علاج
386	نماز میں وسوسوں کا علاج	367	نماز میں دعاء
386	نماز میں ایسے باریک کپڑے پہننے کا حکم جن سے ستر پوشی نہ ہوتی ہو	368	تصویروں سے مزین مصلیٰ پر نماز کا حکم
388	نماز پڑھتے وقت جب میں سگریٹ	369	مسیبوق کے حوالہ سے زائد نماز کا حکم
389	اہل بدعت کے پیچھے نماز کا حکم	369	نمازی کے آگے سے گزرنا
389	شعبہ بازی سے علاج کرنے والے امام کے پیچھے نماز	370	نماز میں دوسرے
390	میرے چھوٹے بچے نماز پڑھتے ہیں اور میری بیوی نماز نہیں پڑھتی	371	وہ عمل جو جنس نماز سے نہ ہو تو اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے
391	مسجدوں میں بچوں کی نماز	371	امام بسم اللہ جہری پڑھتا ہے
391	دروازہ کھولنے کے لئے نماز توڑ دینا	371	نماز میں قرأت
391	نماز میں دستانے پہننے کا حکم	372	نماز صبح کے وقت سوتے رہنا
392	عذر کے بغیر دو نمازوں کو جمع کرنا	372	جوتے پن کر نماز پڑھنے کا حکم
392	ناہموار زمین پر نماز کا حکم	373	نماز میں کثرت حرکات
392	بحالت جنابت نماز پڑھ لینا	375	مدرک رکوع کی رکعت
392	جب نماز میں ہوا خارج ہو جائے	376	مقتدی کا بلند آواز سے پڑھنا
393	قبر پرستوں کے پیچھے نماز	376	نماز میں عدم خشوع کا علاج
393	مخالف نیت کے ساتھ امام کے پیچھے نماز	377	امام کی متابعت اختیار کی جائے
393	بارش اور تجارت کی وجہ سے مغرب و عشاء کی نمازوں کو جمع کرنا	377	آخری سجدہ کی طوالت
394	خالی جگہ پر کرنے کے لئے نماز میں چلنا	378	اس شخص کی نماز جس کے ستر کا بعض حصہ کھل گیا ہو
394	ایک وضوء کے ساتھ ایک سے زیادہ فرض نمازوں کو ادا کرنا	378	سوئے ہوئے شخص کی نماز
394	نماز میں رفع الیدین کے مقامات	379	نماز میں کثرت حرکات
395	جو شخص آخری تشہد میں امام کے ساتھ شریک ہو	381	عورت کا نماز میں اپنے ہاتھوں اور پاؤں کو بٹنگ کرنا
395	کپڑے کو ٹخنے سے نیچے لٹکانا گناہ ہے	381	نماز میں وسوسوں کا علاج
396	کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والے کی نماز	382	مقتدی کو سورہ فاتحہ ہر حال میں پڑھنی چاہیے
397	عذر کے بغیر نمازوں کو جمع کرنا	382	نماز کو توڑ دینا
398	جتازہ کے سوا ہر نماز کے لئے دعاء افتتاح ہے	383	نماز میں آنکھیں بند کرنا
398	مقتدی کو امام کی متابعت کرنی چاہئے	383	تشہد میں سبابہ انگلی کو حرکت دینا
399	مسجد کے ستونوں کے درمیان نماز	383	نماز میں بچوں کی صف کا حکم
		384	جب مقتدی آیت سجدہ پڑھے
		384	جو شخص اقامت یا فاتحہ بھول جائے اس کی نماز کا حکم
			مقتدی کے لئے جہری نماز میں فاتحہ کے علاوہ کسی اور

- 413 نماز میں قرأت کے درمیان دعاء کا حکم
- 414 نماز میں ہاتھ باندھنے کی جگہ
- 414 نمازی کے سترہ کی حدود
- 415 نماز میں جمائی لینا
- 416 نماز کے بعد کے اذکار
- 416 نماز کے بعد ایک ہی آواز کے ساتھ اجتماعی دعا
- 416 سنن رواتب اور فرائض کے بعد جہری طور پر دعاء کرنا
- 417 فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا
- 417 دائیں ہاتھ پر تسبیح پڑھنا افضل ہے
- 418 صرف دائیں ہاتھ پر تسبیح پڑھنا
- 418 فرض نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر درست ہے
- 419 نمازوں کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا سنت ہے
- 420 فرض نمازوں کے بعد سلام و مصافحہ
- 420 نماز میں سہو
- 420 جب چار رکعتوں والی نماز میں امام کو شک ہو کہ تین رکعات پڑھی ہیں یا چار؟
- 421 جس نے یہ سمجھتے ہوئے سجدہ کیا کہ امام سجدہ سو کر رہا ہے
- 422 نمازی کو جب سورہ فاتحہ کے پڑھنے کے بارے میں شک ہو
- 422 نماز میں دوسرے اور شکوک
- 423 جب مقتدی کو یہ شک ہو کہ اس نے التحیات پڑھا ہے یا نہیں!
- 423 سجدہ سو کب کیا جائے؟
- 423 سنت یہ ہے کہ امام کو سبحان اللہ کہہ کر یاد دلایا جائے
- 424 جب نمازی کو رکعات کی تعداد کے بارے میں شک ہو
- 425 جب نمازی کو یہ شک ہو کہ اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار؟
- 426 جب امام سورہ فاتحہ کی قرأت بھول جائے تو کیا کرے؟
- 426 جس نے شک کی حالت میں سجدہ سو نہ کیا
- 426 جب امام ایک رکعت زیادہ پڑھا دے اور سجدہ سو نہ کرے
- 399 جب امام وایک نستین پڑھے تو مقتدی کا.....
- 400 ایک سورہ کا تکرار اور ایک رکن کی دوسرے کی نسبت طوالت
- 400 نماز فجر میں قوت کا حکم
- 401 نماز میں ہاتھوں کو کھلا چھوڑنا خلاف سنت ہے
- 402 یہ بات صحیح نہیں
- 402 نماز میں تاخیر
- 402 عشاء کی نماز میں تاخیر
- 403 کیا میری نماز صحیح ہے؟
- 403 نیند کی وجہ سے نماز کو مؤخر کرنا
- 404 مسبوق، امام کے ساتھ جو پائے وہ اس کی نماز کا ابتدائی حصہ ہے۔
- 404 فوت شدہ نمازوں کی قضاء
- 404 جنبی جو غسل نہیں کرتا رہا
- 405 امام کو رکوع میں دیکھ کر ”ان اللہ مع الصابرين“ کہنا
- 405 مسبوق، امام کی زائد نماز کو شمار نہ کرے
- 406 جہری نماز میں قراءت کا بلند آواز سے نہ پڑھنا
- 406 نماز عصر کو بعد از مغرب پڑھنا
- 407 طلوع آفتاب کے بعد نماز فجر میں جہری قرأت
- 407 بوقت ضرورت نماز توڑ دینا
- 407 نماز کو باطل کرنے والی حرکات
- 408 کھٹکانے سے نماز باطل نہیں ہوتی
- 408 نماز میں دوسرے
- 409 مغرب کی نماز نہیں پڑھی تھی کہ عشاء کی جماعت کھڑی ہو گئی
- 410 رکوع سے سر اٹھانے کے بعد ہاتھوں کو باندھنا
- 410 غیر قبلہ رخ نماز
- 411 نیت کے الفاظ زبان سے ادا کرنا
- 411 میں کیا کروں؟
- 411 نماز کی نیت کو زبان سے ادا کرنا بدعت ہے
- 412 نماز میں بسم اللہ کو سری طور پر پڑھنا افضل ہے
- 412 کعبہ کے اندر نماز

441	نہیں	427	آپ کے لئے سجدہ سہولازم نہیں
441	تین رکعات وتر پڑھنے کی نیت کی پھر!۔	427	جب مقتدی سے سو ہو جائے
442	نماز تراویح میں قرآن مجید سے دیکھ کر پڑھنا	427	سجود تلاوت
443	وتر کا آخری وقت	427	سجود تلاوت کا حکم
443	قنوت کی دعائیں	428	سری نماز میں آیت سجدہ کی قرأت
444	وتر میں سورہ اخلاص پڑھنا واجب نہیں ہے	428	سجدہ تلاوت سنت ہے
444	خسوف و کسوف سے متعلق مسائل	429	اللہ تعالیٰ کے اسماء کے ذکر کے بعد سجدہ کرنا
446	جمعہ کے دو خطبوں کے درمیان دو رکعات پڑھنا	429	نماز میں ایسی سورہ کا حکم جس کی آخری آیت سجدہ ہو
447	اذان اول کے بعد نماز فجر	429	سجدہ تلاوت کی کیفیت
448	کیا کوئی نماز فائدہ بھی ہے؟	430	سجدہ تلاوت کے لئے تکبیر
448	نماز حاجت اور حفظ القرآن غیر شرعی ہیں	431	وہ اوقات جن میں نماز پڑھنا منع ہے۔
449	جب وتر پڑھتے ہوئے اذان فجر ہو جائے	431	ممانعت کے اوقات میں تہیۃ المسجد
449	سنتوں کے لئے جگہ تبدیل کرنا	432	اوقات ممانعت میں تہیۃ المسجد کی اجازت حرمین کی ساتھ
449	وتر کی قضاء		مخصوص نہیں ہے
450	اس وقت نماز کا حکم جب خطیب منبر پر خطبہ دے رہا ہو	432	نماز مغرب سے پہلے نفل
450	وتر کو دوبارہ پڑھنا جائز نہیں	433	وہ اوقات جن میں نماز پڑھنا منع ہے
450	نماز عشاء کے فوراً بعد وتر پڑھنا	434	ممانعت کے وقت نماز
451	سونے سے پہلے وتر پڑھنا	435	عصر کے بعد غروب آفتاب تک نماز نہیں
451	تہیۃ المسجد یا مؤذن کا جواب	435	مؤذن کی متابعت اور پھر تہیۃ المسجد
451	دعاء وتر میں رفع الیدین	435	اوقات ممنوعہ
452	نماز ضعیٰ وقت اور تعداد رکعات؟	436	نفل نماز
452	نماز ضعیٰ اور شفع و وتر کا وقت؟	436	میں فجر کی سنتیں ادا کر رہا تھا کہ مؤذن نے اذان شروع
452	عشاء کے بعد نماز قیام اللیل ہے		کر دی
453	جس شخص کا نماز کسوف میں دوسرا رکوع فوت ہو جائے؟	437	نماز کے بعد فجر کی سنتوں کی قضا
453	مطلق نفل نماز	437	سنن رواتب کا حکم
454	نفل نماز یا طواف؟	438	سنتیں پڑھنے کے لئے تکبیر کسی تھی کہ جماعت کھڑی
454	نماز باجماعت اور تارک نماز کا حکم		ہوگی
454	مناقضوں کے لئے سب سے دشوار عشاء اور صبح کی	438	ایک رات میں دوبارہ وتر نہیں
	نماز ہے	439	جس انسان نے رات کے ابتدائی حصہ میں وتر پڑھ لیا
455	حالت رکوع میں امام کا مقتدیوں کے لئے انتظار کرنا		ہوں اور پھر وہ ...
455	نماز کے ساتھ طے کے لئے جلد بازی کا مظاہرہ کرنا	440	نماز میں قنوت
456	بچوں کو صف میں کہاں کھڑا کیا جائے		انفرادی طور پر پڑھنے والے کو جبری قرأت کی ضرورت

- 486 میں نے چار سال پہلے ایک نماز چھوڑ دی تھی
- 487 تارک نماز کو نصیحت کرنا واجب ہے
- 488 یونیورسٹی کے ایام تعلیم میں نماز ترک کر دینا
- 489 جو شخص نماز نہیں پڑھتا اس کے روزہ کا حکم
- 489 نماز ترک کرنے اور دین کا مذاق اڑانے والے کی صحبت
- 492 کام میں مشغولیت تاخیر نماز کے لئے عذر نہیں ہے
- 492 عذر کے بغیر ترک جماعت جائز نہیں
- 493 نماز فجر میں نیند کا غلبہ
- 493 مسجد میں دو جماعتیں
- 494 مسجدوں کی بجائے سرکاری دفاتر ہی میں نماز پڑھ لینا
- 495 جس نے عرصہ دراز تک نماز کو چھوڑے رکھا، وہ اب
- کیسے قضاء دے؟
- 495 جو شخص خود تو نماز کے لئے مسجد میں چلا جاتا ہے لیکن بچوں....
- 495 تارک نماز، گھر میں نماز پڑھنے والے اور نماز کو لیٹ کر کے پڑھنے والے کے لئے حکم
- 496 خجالت و شرمندگی کی وجہ سے گھر میں نماز پڑھنا
- 497 نماز باجماعت ادا کر دینا خواہ امام تمہیں ناپسند ہو
- 498 منفرد کے لئے نماز توڑ کر جماعت میں شامل ہونا جائز ہے
- 498 جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو
- 499 متروکہ نمازوں کی قضاء لازم نہیں
- 499 کپڑوں کے میلا ہونے کے ہمارے نماز ترک کرنا امامت
- 499 بدعتی اور کپڑے کو نیچے لٹکانے والے کی امامت
- 501 امام کا رکوع میں انتظار کرنا
- 501 سگریٹ نوش امام کی امامت
- 502 عمامہ (پگڑی) کے بغیر امامت
- 503 جس امام کی قرأت کمزور ہو کیا وہ استغفیٰ دے دے؟
- ایک ہی ہفتہ میں بعض سورتوں کے بار بار پڑھنے کا حکم؟
- 505 اس شخص کی امامت کا حکم، جسے ہوا خارج ہونے کا شک ہو
- 506 ننگے سر امام کی امامت کا حکم
- 457 محکموں، اداروں اور کپنیوں میں نماز
- 458 دوسری جماعت کا حکم
- 459 نماز باجماعت واجب ہے
- 461 جو شخص آخری تشہد میں طے اس کی جماعت فوت ہوگئی
- 461 وہ صرف نماز جمعہ ہی باجماعت ادا کرتا ہے
- 462 صف کے دائیں طرف نمازیوں کی تعداد زیادہ ہونے میں کوئی حرج نہیں
- 463 صف کہاں سے شروع کی جائے؟
- 463 جو شخص لسن، پیاز یا گندنا کھائے
- 464 فجر اور عشاء کی نمازوں میں نمازیوں کی پڑتال
- 464 صبح کی نماز کے وقت سویا رہنا
- 465 فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دعاء
- 468 پبلک پارکوں میں نماز کا حکم
- 469 دوسری جماعت کا حکم
- 470 کیا امام کو دیکھنا واجب ہے؟
- 470 کیا عورتیں باجماعت نماز ادا کر سکتی ہیں؟
- 470 ایک موضوع حدیث جو کہ صحیح نہیں ہے
- 472 وہ طلوع آفتاب کے بعد نماز فجر ادا کرتا ہے
- 473 تارک نماز اور تارک جماعت
- 474 کیا تارک نماز کے بارے میں لوگوں کو بتانا جائز ہے؟
- 475 ایسا دوست جو نماز روزہ ادا نہیں کرتا، اس سے صلہ ریحی کی جائے یا نہیں؟
- 476 تارک نماز کافر ہے
- 483 جو نماز نہیں پڑھتا وہ کافر ہے
- 484 نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے میں نے اپنے بھائی کو کافر کہا
- 484 بے نمازوں کے ساتھ سکونت
- 485 تارک نماز کی مجلس اختیار کرنے کے بارے میں حکم
- 485 ❁ جو کبھی نماز پڑھتا اور کبھی چھوڑ دیتا ہے، کیا وہ بھی کافر ہے؟ ❁ کیا اس کی مسلمان بیوی اس کے لئے حلال ہے؟ ❁ کیا اسے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟
- 486 تارک نماز کو سلام کہنا
- 486 منقودوا لقتل کی بعض نمازوں کا ترک ہو جانا

521	جب مقیم، مسافر کے پیچھے نماز پڑھے	506	داڑھی منڈے کی امامت کا حکم
521	سفر میں سنن مؤکدہ	506	پاؤں کٹے ہوئے امام کی امامت کا حکم
521	ہوائی جہاز میں نماز	507	فاسق، جاہل اور بیوقوف وغیرہ کی امامت
522	سفر میں چار قسم کی رخصت ہے	507	قرأت میں لُحْن کرنے والے امام کے پیچھے نماز
523	ہوائی جہاز میں نماز	508	نماز کے بعد امام کا مقتدیوں کی طرف منہ کرنا
523	کیا ریاض سے خرچ جانا سفر شمار ہو گا؟	508	سگریٹ نوش کی امامت
523	وہ مسافت جس میں نماز قصر کی جاسکتی ہے!	509	فاتحہ کے بعد سنتہ
524	سفر سے پہلے اپنے ہی شہر میں قصر اور جمع کرنا	510	داڑھی منڈے کی امامت کا حکم
524	تعلیم کی وجہ سے نمازوں کو جمع کرنا	510	جب امام غلط قرأت کرتا ہو
525	مسافر جب کسی شہر میں پہنچ جائے تو کیا پھر بھی جمع اور قصر کرے؟	511	سگریٹ نوشی وغیرہ کرنے والے کی امامت
525	کیا مدت تعلیم کے دوران قصر اور جمع کیا جاسکتا ہے	512	ایسے امام کے پیچھے نماز جو قرأت اچھی نہ کرتا ہو
526	مریض کی نماز	512	رباعی نماز کی تین رکعات پڑھ لیں
526	مریض کس طرح نماز ادا کرے؟	513	جو شخص لوگوں کو بے وضو نماز پڑھا دے
527	قیام کی طاقت نہ ہونے کی صورت میں بیٹھ کر نماز پڑھنا	514	جب امام قرأت میں غلطی کرے
527	مریض کی جب کئی نمازیں فوت ہو جائیں تو کس طرح قضاء دے؟	514	جب امام قرأت میں غلطی کرے اور کوئی تصحیح کرنے والا بھی نہ ہو
527	نماز جمعہ و عیدین	514	سلسلہ البیول کے مریض کی امامت
527	خطبہ جمعہ میں دعاء	515	مسافر امام کا مقیم لوگوں کو نماز پڑھانا
528	کیا یہ شرط ہے کہ خطیب ہی نماز پڑھائے؟	515	قصر کے بغیر جمع کرنا
528	خطیب خطبہ جمعہ کے دوران بیمار ہو گیا اور وہ نماز نہ پڑھ سکا	515	مقیم کی امامت میں مسافر کی نماز
529	خطبہ کے دوران چھینک کا جواب	516	مسافروں کی مستقل امام کے پیچھے نماز
529	جمعہ کے دن کی بعض بدعات	516	دوسرے ملکوں میں مقیم فوجیوں کے لئے قصر و جمع کا حکم
531	کیا عورت کے لئے نماز جمعہ میں حاضر ہونا جائز ہے؟	517	اندرون شہر مسافر کے لئے جمع و قصر کا حکم
531	جس شخص کا جمعہ فوت ہو جائے وہ نماز ظہر ادا کرے	517	سفر میں نماز جمع کرنا
531	جب ایک آدمی خطبہ دے اور دوسرا نماز پڑھائے	518	سو کلو میٹر کی مسافت کا سفر
532	جمعہ کے دن پہلی اذان بدعت نہیں ہے	518	کیا دو سال کی مدت تک قیام کرنے والا مسافر قصر کرے؟
533	کیا شہر سے باہر کام کرنے والے مزارعین پر بھی جمعہ واجب ہے؟	519	مقیم طالب علم کے لئے تعلیمی پیریڈ کی وجہ سے نمازوں کو جمع کرنا
533	عید جمعہ کے دن میں	520	حاجی کے لئے نماز قصر کرنے کا حکم
	جس شخص کا جمعہ فوت ہو جائے وہ ظہر کی چار	520	جنگل میں نماز قصر کرنا
		520	متروکہ نمازوں کی جلد قضاء دو

541	تشریح میں امام کے ساتھ ملنا	534	رکعتیں پڑھے
542	خطبہ جمعہ کا غیر عربی زبان میں ترجمہ	535	مسافر کے لئے جمعہ واجب نہیں ہے
543	خطبہ جمعہ کے دوران ختیہ المسجد	535	بیرون ملک مقیم شخص دو سال سے جمعہ نہیں پڑھ رہا
545	کیا جمعہ کے لئے چالیس آدمیوں کا ہونا شرط ہے؟	536	جمعہ کے دن بیروسیاحت
545	جمعہ کے لئے نمازیوں کی تعداد	536	نماز جمعہ کے بعد کی سنتیں
545	عید کے دو خطبے اور ان کے درمیان بیٹھنا سنت ہے	537	جمعہ کی نماز فجر میں سورہ سجدہ اور انسان کی تلاوت
546	جنگلوں میں اور سفر میں نماز عید	537	نماز جمعہ ہر نیک و بد کے ساتھ واجب ہے
546	خوف کی وجہ سے جمعہ ساقط ہو جائے گا	538	جس نے نماز جمعہ کی ایک رکعت سے بھی کم پایا تو اس کا
547	یہ ترک جمعہ کے لئے عذر نہیں	538	جمعہ فوت ہو گیا
547	خطبہ جمعہ کے دوران بوقت دعاء ہاتھوں کو اٹھانا	538	جمعہ کے دن قبولیت دعاء کی گھڑی اور سورہ کف کی تلاوت
548	جمعہ کے دن سورہ کف کی تلاوت	538	جمعہ کے دن غسل سنت مؤکدہ ہے
548	جمعہ کے دن امام کی دعاء پر آمین کہنا	540	اس شخص کی نماز جمعہ جو مسافر کے حکم میں ہو
548	محلہ کی مسجد میں نماز ادا کرنا افضل ہے	540	جمعہ کے دن خطبہ کے وقت خاموش رہنا واجب ہے
549	عید کے دن کے مستحب افعال	541	جمعہ کے دن سینکڑوں پر قرآن مجید کی تلاوت



عرض ناشر

کتاب وسنت کا عالم اور احکام شریعت سے آگئی رکھنے والا جب کسی پیش آنے والے مسئلے کا حل شریعت کی روشنی میں پیش کرتا ہے تو اسے ”فتویٰ“ کہتے ہیں۔ گویا مشکل دینی احکام کے بارے میں دیئے جانے والے جواب کو ”فتویٰ“ اور جواب دینے والے کو ”مفتی“ کہتے ہیں۔

اسلام میں افتاء کی اہمیت محتاج بیان نہیں ہے۔ کسی کام کی اہمیت کا اندازہ اسی منصب پر مقرر کئے جانے والے کی شخصیت سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ امام حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”تبلغ وافتاء کے منصب پر سب سے پہلے اللہ تبارک و تعالیٰ نے خود کو فائز کیا“ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَسَيَسْأَلُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ﴾ (النساء/ ۱۲۷)

”اے پیغمبر لوگ تم سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ طلب کرتے ہیں۔ کہہ دیجئے کہ اللہ تمہیں ان کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔“

پھر انسانوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس منصب پر فائز کیا اور فرمایا:

﴿ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهْلِ قُلْ هِيَ مَوَاقِئُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ﴾ (البقرة/ ۱۸۹)

”لوگ آپ سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ لوگوں (کی عبادت) کے وقتوں اور حج کے موسم کے لیے ہے۔“

یوں یہ بات واضح ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے اس منصب جلیلہ پر فائز ہوئے اور وہ وحی الہی کی روشنی میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جس بات میں فتویٰ دے دیا کرتے تھے اس کے بعد اس کی روگردانی کسی مسلمان کا شیوہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اللہ نے اس بارے میں یہ فتویٰ دیا کہ:

﴿ مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ﴾ (النساء/ ۸۰)

”جس نے رسول کی فرماں برداری کی تو بے شک اس نے اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کی۔“

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس منصب پر فائز ہوئے اور افتاء کی تاریخ میں تقریباً 130 صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام اس فہرست میں ملتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد علمائے حق نے اس اہم ذمہ داری کو نبھایا ہے اور یہ علمائے حق اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ کتنا نازک معاملہ ہے۔ اس میں کس درجے کا علم اور تقویٰ کا حامل ہونا چاہیے، اس کی وضاحت اس روایت سے ہوتی ہے جو مسلم بن بسیر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

«مَنْ قَالَ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ فَلْيَتَّبِعُوا بَيْنَنَا فِي جَهَنَّمَ وَمَنْ أَفْتَى بِغَيْرِ عِلْمٍ كَانَ إِنْهُهُ عَلَيَّ مَنْ أَفْتَاهُ . . .»

”جس نے میری طرف کوئی ایسی بات منسوب کی جو میں نے کہی نہ ہو تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے اور جس شخص کو علم کے بغیر کوئی فتویٰ دیا گیا اس کا گناہ فتویٰ دینے والے کو ہو گا۔“

والسلام نے ان تمام امور کو پیش نظر رکھتے ہوئے فتاویٰ کی یہ کتاب مرتب کی ہے۔ اس میں شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمۃ اللہ علیہ، شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ عبداللہ بن عبدالرحمن الجبرین کے صادر کردہ فتوے جمع ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو علم میں جو جتنی عنایت کی وہ انہی کا خاصہ ہے۔ ان جید اور روشن ضمیر علماء کا وجود علم و کردار کا وہ مینارہ نور ہے جس کی ضیا پاشیوں سے ایک دنیا منور ہو رہی ہے۔

اس کتاب میں عقائد، طہارت، صلوٰۃ اور کتاب العلم کے مسائل جمع کئے گئے ہیں۔ علماء کرام نے پوچھے گئے مسائل کا خالص قرآن و حدیث کے حوالے سے جواب دیا ہے اور ان کے جوابات پوچھے گئے مسئلہ کو بہت احسن طریقے سے واضح کر دیتے ہیں۔

عربی زبان سے اردو میں ترجمے کی بھاری ذمہ داری معروف سکالر اور اسلامی نظریاتی کونسل کے ریسرچ آفیسر مولانا محمد خالد سیف نے نبھائی ہے۔ مولانا ایک کنہ مشق مترجم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک جید عالم دین بھی ہیں۔ انہوں نے جس خلوص دل، جانفشانی اور اردو زبان کے محاورے کو پیش نظر رکھ کر ترجمہ کیا وہ باعث صد تحسین ہے۔ اس ایڈیشن میں احادیث کی تخریج بھی کی گئی ہے۔ یہ ذمہ داری حافظ آصف اقبال کے سپرد کی گئی تھی اور وہ اپنے فرض سے کماحقہ عمدہ برآ ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام جملہ اہل علم کو جزائے خیر دے اور اس عظیم خدمت کو اپنے حضور قبولیت بخشے اور اسے ہمارے لیے توشہ آخرت بنائے۔



مقدمہ

یہ ہمارے جلیل القدر مشائخ --- رحمہم اللہ --- کے فتاویٰ اسلامیہ کا جزء اول ہے، جسے ہم طویل انتظار کے بعد دنیا بھر کے مسلمانوں کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

شرعی مسائل پر مبنی اس فتاویٰ کا یہ ایڈیشن ہی پہلا صحیح ایڈیشن ہے۔ اس سے پہلے بھی اگرچہ یہ کئی بار طبع ہوا مگر اس کی سابقہ تمام طباعت محض تجارتی مقاصد کے لئے اور غلطیوں اور تحریفات سے بھری ہوئی تھیں، جن میں سب سے مشہور طباعت دار العلم بیروت کی ہے، جو تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کے مقدمہ میں دار العلم کے مالک نے جھوٹ اور غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ اس نے ان فتاویٰ کی جمع و ترتیب کا کام سرانجام دیا اور اس سلسلہ میں بہت محنت کی ہے لیکن معلوم نہیں کہ اس نے جھوٹ سے کام کیا اور اپنی طرف ایک ایسے کام کی نسبت کیوں کی ہے، جسے اس نے سرانجام ہی نہیں دیا؟

اس فتاویٰ کی دوسری طباعت مکتبہ تراث اسلامی مصر کی ہے اور یہ دو جلدوں پر مشتمل ہے، اس مکتبہ کے مالکان نے اس کے اصلی نام ہی کو بدل دیا اور اسے ”فتاویٰ ہیئۃ کبار العلماء“ کے نام سے موسوم کر دیا تاکہ وہ یہ تاثر دے سکیں کہ یہ ”فتاویٰ اسلامیہ“ کے بجائے کوئی اور چیز ہے حالانکہ اسے اس نام سے موسوم کرنا کتاب کے مندرجات ہی کے خلاف ہے۔

ان دونوں اور دیگر طباعت میں غلطیوں کی کثرت کے کئی اسباب ہیں، جن میں سے سب سے اہم سبب یہ ہے کہ یہ مفتیان کرام اور مشائخ عظام --- رحمہم اللہ --- خصوصاً سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز حفظہ اللہ اور فتاویٰ کی کمیٹی کی نظر ثانی کے بغیر عمل میں آئی ہیں حالانکہ انہوں نے نظر ثانی کے بغیر طباعت و اشاعت کی اجازت نہیں دی ہے۔ اسی نظر ثانی ہی کی وجہ سے اسے طبع کرنے اور استفادہ کے لئے قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے میں ہم سے تاخیر ہوئی ہے۔

جن فتاویٰ کا تعلق سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز حفظہ اللہ سے تھا، آپ نے ان کی قراءت و تصحیح کا اہتمام فرمایا ہے، اسی طرح فتویٰ کمیٹی نے بھی اپنے فتاویٰ کی نظر ثانی کی ہے اور پھر انہوں نے بالآخر مجھے تحریری طور پر ان کی طباعت و اشاعت کی اجازت دی ہے۔ شیخ ابن باز حفظہ اللہ نے تو مجھے ایک ایسی تحریر بھی دی ہے، جس میں آپ نے اس کتاب کے مذکورہ بالا نسخوں کے استعمال سے منع کیا اور صرف اسی صحیح نسخہ کے استعمال کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔

سماحۃ الشیخ محمد بن العثیمین اور شیخ عبداللہ بن جبرین --- رحمہم اللہ --- تو کئی سال پہلے اپنے فتاویٰ پر نظر ثانی کا کام مکمل کر کے، طباعت و اشاعت کی اجازت فرما چکے تھے، ہاں البتہ مشائخ و اعمال کی کثرت کی وجہ سے سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز

ﷺ کی طرف سے اجازت ملنے میں تاخیر ہوئی، اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز فرمائے، اسلام اور مسلمانوں کو آپ سے فائدہ پہنچائے اور ملت اسلامیہ اور دین اسلام کی آپ کے ساتھ نصرت و اعانت فرمائے۔^①

مذکورہ بالا مفتیان کرام و مشائخ عظام کے فتاویٰ کے علاوہ اس مجموعہ میں فقہی کونسل کی بعض قراردادیں بھی شامل ہیں۔ فقہی کونسل کا اجلاس ہر سال مکہ مکرمہ میں پہلے ساحتہ الشیخ عبد اللہ بن حمید رحمۃ اللہ علیہ کے زیر صدارت اور پھر شیخ عبد العزیز بن باز رحمۃ اللہ علیہ کے زیر صدارت منعقد ہوتا رہا ہے۔

اس طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ میں نے ان فتاویٰ کو کئی سالوں میں مختلف مصادر و مآخذ، کتب اور رپورٹوں وغیرہ سے جمع کیا ہے، ان میں سے بعض فتاویٰ تاحال مخطوط اور خود حضرات علماء کرام کے پاس موجود تھے، میں نے جمع و ترتیب کے بعد ان حضرات علماء کرام کی خدمت میں انہیں پیش کیا، جن کے یہ فتاویٰ تھے اور انہوں نے خود ان کی تصحیح فرمائی ہے جیسا کہ میں نے ابھی ذکر کیا ہے، بہر حال دیگر تجارتی ایڈیشنوں کے برعکس یہ صحیح، ثقہ اور قابل اعتماد ایڈیشن ہے۔

آخر میں اللہ کریم، رب عرش عظیم سے دعاء ہے کہ وہ میرے اس عمل کو شرف قبولیت سے نوازے اور ہمارے ان مشائخ عظام کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ وہ لوگوں کو دین کا علم سکھانے اور جہالت دور کرنے کے سلسلہ میں کس قدر عظیم کوششیں فرما رہے ہیں۔

وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ، وَصَلَّى اللّٰهُ وَسَلَّم عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ

محمد بن عبد العزیز المسند

پوسٹ بکس نمبر: 4224 - ریاض 11491

① لیکن اب حضرت الشیخ رحمۃ اللہ علیہ اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی دینی خدمات قبول فرمائے اور انہیں اپنے خصوصی اجر و ثواب سے نوازے۔ (ناشر)



اسلام میں افتاء کی اہمیت

لغوی معنی: اسلام میں افتاء کی اہمیت پر روشنی ڈالنے سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ افتاء کے لغوی و شرعی معنی بیان کر دیئے جائیں: **الْفَتَاوَى** یا **الْفَتَاوَى** کا واحد **فَتْوَى** ہے۔ اس کا واحد **فَتْوَى** اور **فَتْوَا** بھی آتا ہے۔ فتویٰ سے مراد ہے: مَا أَفْتَى بِهِ الْفَقِيهَ یعنی فتویٰ وہ ہے جو کسی فقیہ کی جانب سے دیا جائے گویا یہ **أَفْتَى الْعَالِمُ إِذَا بَيَّنَّ الْحُكْمَ** "عالم نے فتویٰ دیا یا حکم بیان کیا" سے اسم مشتق^① ہے۔ یہ خالص عربی لفظ ہے جو بعض علماء لغت کے نزدیک **الْفَتْوَةُ** سے ماخوذ ہے اور جس کے معنی ہیں: کرم، سخاوت، مروت اور زور آوری۔ فتویٰ کو بھی فتویٰ اسی لئے کہتے ہیں کہ فتویٰ دینے والا مفتی اپنی فتوت یعنی سخاوت و مروت اور عالمانہ قوت سے کام لیتے ہوئے کسی دینی مسئلہ کا حل پیش کرتا ہے^② علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ:

«الْفُتْيَا وَالْفُتْوَى: الْجَوَابُ عَمَّا يُشْكِلُ مِنَ الْأَحْكَامِ وَيُقَالُ اسْتَفْتَيْتَ فَأَفْتَاكَ» (مفردات القرآن: ۲۷۳)

فتویٰ اور فتویا مشکل احکام کے بارے میں دیئے جانے والے جواب کو کہتے ہیں، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ میں نے اس سے فتویٰ دریافت کیا تو اس نے مجھے فتویٰ دیا۔

ابن الاثیر نے اسکے معنی کسی مسئلے کے بارے میں رخصت یا جواز پیش کرنے کے بتائے ہیں۔^③ بعض کے نزدیک فتویٰ دراصل **الْفَتْوَى** سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں **الْقَابِلُ الْقَوِيُّ** چونکہ کسی حادثہ یا واقعہ کے جواب میں پیش کئے جانے والے دینی مسائل کو مفتی اپنے دلائل سے قوت اور ثبوت مہیا کرتا ہے، اس لئے فتویٰ گویا مدلل ثبوت والا جواب ہوا۔^④ قرآن مجید میں بھی اس لفظ کے بہت سے مشتقات استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ﴾ (النساء/۱۲۷)

”(اے پیغمبر) لوگ تم سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ طلب کرتے ہیں کہہ دو کہ اللہ تمہیں ان کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے۔“

﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلْبَةِ﴾ (النساء/۱۷۶)

”(اے پیغمبر) لوگ تم سے فتویٰ طلب کرتے ہیں کہہ دو کہ اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں یہ فتویٰ دیتا ہے۔“

① لسان العرب و تاج العروس، ماہ (ف - ت - و) ② كشف الظنون ص ۱۲۸۔ ③ التلمیذ فی غریب الحدیث: ۱۹۹/۳ ④ كشف الظنون ص: ۱۲۸، دستور العلماء ۳: ۱۳، کتاب التعریفات ص: ۱۷۱

﴿أَفْتُونِي فِي رُءْيَايَ﴾ (یوسف ۱۲/۴۳)

”تم مجھے میرے خواب کی تعبیر بتاؤ۔“

﴿فَأَسْتَفِينَهُمْ أَهْمُ أَشَدُّ حَلْفًا أَمْ مَنْ حَلَقْنَا إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِنْ طِينٍ لَّازِبٍ﴾ (الصافات ۱۱/۳۷)

”ان سے پوچھو کہ ان کا بنانا مشکل ہے یا جتنی مخلوق ہم نے بنائی ہے ان کا؟“

یہ چند آیات کریمہ بطور مثال ذکر کی ہیں، ان کے علاوہ اس لفظ کے اور بھی بہت سے مشتقات قرآن مجید میں استعمال

ہوئے ہیں۔^①

اسی طرح بہت سی احادیث میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے، چنانچہ ایک مشہور حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ:

«الْإِنَّمُ مَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ وَإِنْ أَفْتَاكَ النَّاسُ وَأَفْتَوَكَ» (مسند احمد)

”گناہ وہ ہے جو تمہارے سینے میں کھلے خواہ لوگ تمہیں اس کے جواز کا فتویٰ دیں۔“

صحیح مسلم کی روایت میں الفاظ یہ ہیں:

«الْإِنَّمُ مَا حَاكَ فِي نَفْسِكَ وَكَرِهْتَ أَنْ يَطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ» (صحیح مسلم، مع شرح النووي،

تفسیر البر والائم ج: ۱۶، ص: ۱۱۱، دارالکتب العربی بیروت ۱۹۸۷ء)

”گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں کھلے اور تم اس بات کو ناپسند کرو کہ لوگوں کو اسکی اطلاع ہو۔“

مسند احمد کی ایک روایت میں الفاظ اس طرح آئے ہیں کہ:

«الْإِنَّمُ مَا حَاكَ فِي الْقَلْبِ وَتَرَدَّدَ فِي الصَّدْرِ وَإِنْ أَفْتَاكَ النَّاسُ وَأَفْتَوَكَ» (مسند احمد)

”گناہ وہ ہے جو دل میں کھلے اور سینے میں اس کے بارے میں تردد پیدا ہو خواہ لوگ تمہیں اس کے جواز اور

رخصت کا فتویٰ دیں۔“

شرعی معنی: علماء فقہ و اصول کے اقوال کے مطابق فتویٰ کے شرعی معنی اولہ شرعیہ کے تقاضے کے مطابق اللہ تعالیٰ کے

حکم کو بیان کرتا ہے، چنانچہ علامہ شاطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

«الْمُفْتِي قَائِمٌ فِي الْأُمَّةِ مَقَامَ النَّبِيِّ ﷺ لِأَنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْأَنْبِيَاءِ وَأَنَّ الْأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوْرُوا

دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا وَإِنَّمَا وَرَثُوا الْعِلْمَ» (الموافقات ج: ۴، ص: ۲۴۴)

”مفتی، امت میں نبی ﷺ کی نیابت کرتا ہے، کیونکہ علماء انبیاء کے وارث ہیں، جیسا کہ اس حدیث سے معلوم

ہوتا ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ علماء انبیاء ﷺ کے وارث ہیں اور حضرات انبیاء ﷺ نے انہیں

دینار یا درہم کا وارث نہیں بنایا بلکہ علم کا وارث بنایا ہے۔

مفتی تبلیغ احکام میں نبی اکرم ﷺ کا نائب ہے جیسا کہ درج ذیل احادیث شریفہ سے معلوم ہوتا ہے:

«لِيُبَلِّغَ الشَّاهِدُ الشَّاهِدَ» (صحیح بخاری، کتاب العلم، باب قول النبي ﷺ رب مبلغ أوعى من

سامع حدیث: ۲۷، ص: ۹۱، مکتبہ دارالسلام)

① دیکھئے ”المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم“ ص: ۵۱۲

”تم میں سے جو لوگ موجود ہیں ان لوگوں تک بھی یہ احکام پہنچادیں جو موجود نہیں ہیں۔“
 «بَلِّغُوا عَنِّيْ وَكُلُوْا آيَةً» (صحیح بخاری، کتاب أحادیث الأنبياء، باب ما ذكر عن بني اسرائيل،
 ح: ۳۴۶۱)

”میری طرف سے آگے پہنچاؤ خواہ وہ ایک آیت ہی ہو۔“
 «تَسْمَعُوْنَ وَيُسْمَعُ مِنْكُمْ وَيُسْمَعُ مِمَّنْ يَسْمَعُ مِنْكُمْ» (ابوداؤد، کتاب العلم، باب فضل نشر
 العلم، ح: ۳۶۵۹)

”تم میری احادیث کو سنتے ہو، تم سے بھی انہیں سنا جائے گا اور ان سے بھی جنہوں نے تم سے سنا ہوگا۔“
 یہ تمام احادیث اس بات پر دلالت کنتاں ہیں کہ مفتی گویا نبی ﷺ کے نائب اور قائم مقام کے فرائض سرانجام دیتا ہے۔

افتاء نویسی کی اہمیت: امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”افتاء ایک عظیم الشان، جلیل القدر اور بہت ہی شرف و فضل کا حامل عمل ہے کیونکہ مفتی در حقیقت وارث انبیاء ہے اور فرض کفایہ کو سرانجام دیتا ہے لیکن یہ الگ بات کہ اس سے غلطی بھی ہو سکتی ہے۔“^①

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ ”فاسق مفتی نہیں بن سکتا کیونکہ فتویٰ امور دین میں سے ہے اور امور دین کے بارے میں فاسق کا قول ناقابل قبول ہے۔“^② اسی طرح علامہ قرانی نے بھی لکھا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”کسی عالم کو اس وقت تک فتویٰ نہیں دینا چاہیے جب تک لوگ اسے اور وہ خود بھی اپنے آپ کو فتویٰ کا اہل نہ سمجھے۔“ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ جب تک کسی شخص کی علماء کے نزدیک اہمیت ظاہر اور ثابت نہ ہو وہ منصب افتاء کا اپنے آپ کو اہل نہ سمجھے، چنانچہ مختلف مکاتب فکر کی کتب فقہ میں اس مفہوم کی بہت سی عبارتیں موجود ہیں اور ان سے مقصود یہ ہے کہ لوگ فتویٰ دینے میں جلد بازی کا مظاہرہ نہ کریں۔ سلف صالح بھی اس سلسلے میں بے حد محتاط تھے، حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”سلف صالحین حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین رضی اللہ عنہم فتویٰ میں جلد بازی کو ناپسند فرماتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کی خواہش ہوتی تھی کاش اس کے بجائے کوئی دوسرا شخص فتویٰ دے دے، لیکن ان میں سے جب کوئی یہ محسوس فرماتا کہ اب اس کے لئے فتویٰ دینا فرض ہے تو وہ کتاب و سنت یا خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے قول کی روشنی میں اس کے حکم کو معلوم کرنے کے لئے پورے پورے اجتہاد سے کام لے کر فتویٰ دیتا۔“^③

حضرت عبداللہ بن مبارک نے عبدالرحمن بن ابی یعلیٰ کا یہ قول بیان فرمایا ہے کہ:

”میں نے مسجد نبوی میں ایک سو بیس حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دیدار کا شرف حاصل کیا اور دیکھا کہ ان کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ ان میں سے ہر محدث کی یہ خواہش ہوتی تھی کاش اس کی بجائے اس کا کوئی دوسرا بھائی افتاء کے فرض سے عمدہ برآ ہو۔“^④

① المجموع شرح المہذب ص: ۳۰، طبع ادارة الطباعة المنيرية ۱۳۳۳ھ۔ ② ردالمحتار حاشیہ- الدرالمختار ج: ۳ ص: ۳۱۸۔ ③ الفروق ج: ۲ ص: ۱۱۰۔ ④ اعلام الموقعین ج: ۱ ص: ۶۳، مکتبہ ابن تیمیہ القاہرہ۔

اسی طرح امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ابن ابی یعلیٰ کا یہ قول بیان فرمایا ہے، ہر آئینہ اس سے یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ سلف صالحین فتویٰ دینے میں کس قدر محتاط تھے لیکن اس پر بھی تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ طلبہ کو تعلیم دینا اور استفتاء کرنے والوں کو فتویٰ دینا فرض کفایہ ہے اور اگر کسی مسئلہ یا واقعہ کے پیش آنے کے وقت صرف ایک ہی ایسا شخص ہو جو اس کا جواب دے سکتا ہو تو پھر اس کے لئے جواب دینا فرض عین ہے اور اگر وہاں اس کے علاوہ کوئی اور شخص بھی اس کا اہل ہو تو پھر یہ دونوں کے لئے فرض کفایہ ہوگا۔^①

نبی صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت مفتی اعظم: حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تبلیغ و افتاء کے منصب پر جنہیں سب سے پہلے فائز ہونے کا شرف حاصل ہے، وہ خود سید المرسلین، امام المتقین، خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہیں۔ آپ وحی الہی کی روشنی میں فتویٰ دیا کرتے تھے اور اللہ احکم الحاکمین کے اس ارشاد پر عمل پیرا تھے کہ:

﴿ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ﴾ (ص ۸۶/۳۸)

”(اے پیغمبر) کہہ دو کہ میں تم سے اس کا صلہ نہیں مانگتا اور نہ میں تکلف کرنے والا ہوں۔“

آپ کے فتاویٰ جامع احکام اور فصل خطاب پر مشتمل تھے اور وجوب اتباع میں ثانی کتاب تھے کہ کسی مسلمان کے لئے ان سے روگردانی کی کوئی گنجائش نہیں ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَإِن نَّزَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴾ (النساء/۵۹)

”اور اگر کسی بات میں تمہارا اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں اللہ اور

اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو۔ یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا انجام (نتیجہ) بھی اچھا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جہاں تمام تنازعات اور معاملات میں اپنے اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے، وہاں یہ ادب بھی سکھایا ہے کہ وہ بے فائدہ سوال پوچھنے سے اجتناب کریں اور ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کریں کہ اگر ان کی حقیقتیں واضح کر دی جائیں تو بری لگیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰۤأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنَ أَشْيَاءَ إِن بُدِّ لَكُمْ سُؤَالُكُمْ وَإِن نَّسَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ بُدِّ لَكُمْ عَفَا اللَّهُ عَنْهَا وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴾ (المائدة/۱۰۱)

”مومنو! ایسی چیزوں کے متعلق مت سوال کرو کہ اگر (ان کی حقیقتیں) تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بری لگیں اور اگر قرآن کے نازل ہونے کے ایام میں ایسی باتیں پوچھو گے تو تم پر ظاہر بھی کر دی جائیں گی (اب تو) اللہ نے ایسی باتوں (کے پوچھنے) سے درگزر فرمایا ہے اور اللہ بخشنے والا دربار ہے۔“

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ:

﴿ ذَرُونِي مَا تَرَكَتُكُمْ فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَثْرَةُ سُؤَالِهِمْ وَاسْتِخْلَافُهُمْ عَلَيَّ

① فقہاء کرام کے اقوال کے لئے ملاحظہ فرمائیے: المجموع شرح المہذب ج: ۱، ص: ۲۵، البحر الرائق ج: ۶، ص: ۲۹۰، الفروق ج: ۲، ص: ۸۹، منسی الارادات ج: ۲، ص: ۲۵۷۔

أَنْبِيَاءَهُمْ» (مسند امام احمد بن حنبل ۲/۳۱۳)

”جب تک میں تمہیں چھوڑے رکھوں تم بھی مجھے چھوڑ دو کہ تم سے پہلے لوگوں کو سوالات کی کثرت اور انبیاء کرام سے اختلاف نے تباہ و برباد کر دیا تھا۔“

ایک اور صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوهَا وَحَدَّ حُلُودًا فَلَا تَعْتَدُوهَا وَحَرَّمَ أَشْيَاءَ فَلَا تَنْتَهِكُوهَا وَسَكَتَ عَنْ أَشْيَاءَ رَحْمَةً بِكُمْ غَيْرَ نِسْيَانٍ فَلَا تَسْأَلُوا عَنْهَا» (رزین بحوالہ جمع

الفوائد، ۱/۴۱، حدیث: ۲۷۲، المكتبة الاسلاميه، سمندري)

”بے شک اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر فرمائے ہیں، تم انہیں ضائع نہ کرو۔ کچھ حدود مقرر فرمائی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو۔ کچھ اشیاء کو حرام قرار دیا ہے ان کی خلاف ورزی نہ کرو اور کچھ اشیاء سے اس نے سکوت فرمایا ہے اور یہ بھولنے کی وجہ سے نہیں بلکہ تم پر رحمت کے پیش نظر ہے، لہذا ان کے بارے میں سوال نہ کرو۔“

ایک حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ:

«أَعْظَمُ الْمُسْلِمِينَ جُرْمًا مَنْ سَأَلَ عَنْ شَيْءٍ لَمْ يُحَرِّمْ فَحَرَّمَ مِنْ أَجْلِ مَسْأَلَتِهِ» (مسند امام

احمد ۱/۱۷۹)

”مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس نے کسی ایسی چیز کے متعلق سوال کیا جو حرام نہ تھی مگر اس کے سوال کرنے کی وجہ سے اسے حرام قرار دے دیا گیا۔“

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ان ارشادات پر سختی سے عمل کیا اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے صرف وہی سوالات پوچھے جو ناگزیر تھے اور جن کے پوچھنے کی انہیں واقعاً ضرورت تھی، چنانچہ قرآن و سنت کے صفحات شاہد ہیں کہ انہوں نے سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اصحاب کی طرح نہ تو بے معنی سوالات پوچھے اور نہ کسی کٹ جتنی سے کام لیا۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دل کے انتہائی پاکباز تھے، علم کے اعتبار سے بے حد گہرے، تکلف میں سب سے کم، بیان کے اعتبار سے سب سے حسین، ایمان میں سب سے پکے، بات کے سب سے سچے اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد تقرب الہی کے سب سے اونچے مقام پر فائز تھے۔ یہی لشکر ایمان، عسکر قرآن اور عباد الرحمن تھے جو رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کے بعد افتاء کے بلند منصب پر فائز ہوئے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور افتاء: حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض سے تو کثرت سے فتاویٰ منقول ہیں اور بعض کے فتاویٰ کی تعداد انتہائی قلیل ہے جب کہ ان میں سے بعض کے فتاویٰ کی تعداد کثرت و قلت کے درمیان ہے، بہر حال ان صحابہ کرام کی تعداد ایک سو تیس سے بھی کچھ زیادہ ہے جن کے فتاویٰ محفوظ ہیں۔

جن حضرات سے بکثرت فتاویٰ منقول ہیں، ان میں حضرت عمر فاروق، حضرت علی مرتضیٰ، عبد اللہ بن مسعود، صدیقہ کائنات ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ، زید بن ثابت، عبد اللہ بن عباس اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے اسماء گرامی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ امام ابن حزم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کے فتاویٰ کو اگر جمع کیا جائے تو ان سے ایک بہت ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے، چنانچہ ایک بہت بڑے امام و محدث ابو بکر محمد بن موسیٰ بن یعقوب نے امیر المؤمنین مامون کے

لئے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے فتاویٰ کو مرتب کیا تو وہ بیس کتابوں پر مشتمل تھے۔ امام ابو محمد بن حزم اور حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی باقاعدہ فہرست مرتب فرمائی ہے جو منصب افتاء پر فائز تھے نیز انہوں نے یہ بھی وضاحت فرمائی ہے کہ وہ فتویٰ نویسی میں کثرت، قلت یا توسط کے کس درجہ پر فائز تھے،^① بلکہ امام ابن حزم نے تو ان تابعین، تبع تابعین اور ائمہ دین رضی اللہ عنہم کی ایک مفصل فہرست بھی مرتب فرمادی ہے جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، بصرہ، کوفہ، شام، مصر اور دیگر علاقوں میں منصب افتاء پر فائز تھے۔^②

فتویٰ کون دے سکتا ہے؟ دین کا معاملہ چونکہ بے حد اہمیت کا حامل ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے علم کے بغیر دین کے بارے میں بات کرنے کو حرام قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَّنَ ۖ وَأَلَّا تُمَّ وَالْبَغْيَ ۖ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ سُلْطَانًا ۚ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا نَعْمُونَ ﴿۲۳﴾ ﴾ (الأعراف ۷/ ۳۳)

”کہہ دو کہ میرے رب نے تو بے حیائی کی باتوں کو ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو حرام کیا ہے اور اس کو بھی کہ تم کسی کو اللہ کا شریک بناؤ جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس کو بھی کہ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں کچھ علم نہیں۔“

اس آیت کریمہ میں اللہ نے محرمات کو چار مراتب میں تقسیم فرمایا ہے اور ان میں سے سب سے پہلے کم درجہ کی محرمات کو ذکر فرمایا ہے اور وہ ہیں ظاہر و پوشیدہ بے حیائی کی باتیں، اور ان کے بعد انہیں ذکر کیا ہے جن کی حرمت ان سے شدید ہے، اور وہ ہیں گناہ اور ناحق زیادتی کرنا اور پھر اسے ذکر کیا ہے جس کی حرمت ان سے بھی شدید ہے، اور وہ ہے اللہ کی ذات گرامی کے ساتھ شرک کرنا اور آخر میں اسے ذکر کیا ہے جس کی حرمت ان سب سے شدید تھی اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم کے بغیر بات کہنا خواہ وہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے اسماء، صفات اور افعال کے بارے میں کسی جائے یا اس کے دین و شریعت کے بارے میں، اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكُذِبَ ۚ هَذَا حَلَلٌ ۚ وَهَذَا حَرَامٌ ۚ لِنَفْسِكُمْ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ﴿۱۱۶﴾ مَتَّعٌ قَلِيلٌ ۚ وَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۱۷﴾ ﴾ (النحل ۱۱۶/ ۱۱۷)

”اور یونہی جھوٹ جو تمہاری زبان پر آجائے مت کہہ دیا کرو یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھنے لگو جو لوگ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں ان کا بھلا نہیں ہوگا (جھوٹ کا) فائدہ تو تھوڑا سا ہے، مگر (اس کے بدلے) ان کو عذاب الیم (مست) ہوگا۔“

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات اور افعال و احکام کے بارے میں علم کے بغیر بات کرنا حرام ہے۔ مفتی چونکہ اللہ تعالیٰ یا اسکے دین کے بارے میں بات بتاتا ہے لہذا اگر اسکی بات شریعت کے مطابق نہ ہو تو گویا

① جوامع السیرة، امام ابن حزم ص: ۳۱۹-۳۲۵۔ ادارہ احیاء السنہ گوجاکھ ضلع گوجرانوالہ، اعلام الموقعین، امام ابن قیم ج: ۱، ص: ۳۹-۴۲۔ ② ملاحظہ فرمائیے: الرسالة الثالثة، اصحاب الفتيا من الصحابة ومن بعدهم على مراتبهم في كثرة الفتيا، یہ رسالہ جوامع السیرة میں (۳۱۹-۳۳۵) شامل ہے۔

اس نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم کے بغیر بات کی ہے۔

ہاں البتہ اگر اس نے اجتہاد سے کام لیا ہو اور حق بات معلوم کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا ہو اور اس کے باوجود اس سے غلطی ہو گئی ہو تو پھر وہ اس وعید کا مصداق نہیں ہوگا اس کی خطا معاف ہوگی بلکہ اجتہاد کرنے کی وجہ سے اسے اجر و ثواب بھی ملے گا لیکن اسے یہ احتیاط ضرور کرنی چاہیے کہ جو بات وہ اپنے اجتہاد کی بنیاد پر کہہ رہا ہو اس کے بارے میں اسے کتاب و سنت سے کوئی نص نہ ملی ہو تو اس کے بارے میں اس طرح کے الفاظ استعمال نہ کرے کہ:

❶ اللہ تعالیٰ نے یہ حلال قرار دیا ہے۔

❷ اللہ تعالیٰ نے یہ حرام قرار دیا ہے۔

❸ اللہ تعالیٰ نے یہ واجب قرار دیا ہے۔

❹ اللہ تعالیٰ نے یہ مباح قرار دیا ہے۔

❺ اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے۔

اس مسئلہ میں ائمہ سلف کس قدر محتاط تھے اس کا اندازہ اس بات سے فرمائیے کہ امام مالک رحمہ اللہ جب کوئی مسئلہ اپنے اجتہاد اور رائے کی بنیاد پر بیان کرتے تو ساتھ ہی یہ آیت کریمہ تلاوت فرمادیا کرتے تھے کہ:

﴿إِن نَّظُنُّهُ إِلَّا ظَنًّا وَمَا نَحْنُ بِمُسْتَظْفِرِينَ﴾ (الحجراتہ ۴/۳۲)

”ہم اس کو محض ظنی خیال کرتے ہیں اور ہمیں یقین نہیں ہے۔“

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”جو شخص اپنے آپ کو منصب افتاء پر فائز کرے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ وجوہ قرآن، اسانید صحیحہ اور سنن کا عالم ہو“ آپ سے مروی ایک دوسری روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ ”فتویٰ دینا صرف اس آدمی کے لئے جائز ہے جو کتاب و سنت کا عالم ہو۔“

اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ سے بھی مروی ہے کہ ”اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں کسی شخص کے لئے اس وقت تک فتویٰ دینا حلال نہیں ہے جب تک وہ کتاب اللہ اور اس کے ناسخ و منسوخ، محکم و متشابہ، تاویل و تنزیل، مکی و مدنی سورتوں اور ان کے معانی و مطالب سے آگاہ نہ ہو۔ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ناسخ و منسوخ اور قرآن مجید ہی کی طرح حدیث سے متعلق دیگر امور سے آگاہ نہ ہو۔ اسے لغت و شعر کا بھی اس قدر علم ہو جو قرآن و سنت کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے، مختلف علاقوں کے اہل علم کے اختلاف کا بھی اسے علم ہو نیز اسے طبعی ملکہ بھی حاصل ہو، اگر اس میں یہ باتیں موجود ہوں تو وہ حلال و حرام کے بارے میں فتویٰ دے سکتا ہے اور اگر یہ موجود نہ ہوں تو اسے فتویٰ نہیں دینا چاہیے۔“^①

بہر حال اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں ایسی رائے کی بنیاد پر فتویٰ دینا حرام ہے جو کتاب و سنت کی نصوص کی مخالفت پر مبنی ہو یا نصوص نے جس رائے کو قبول کرنے کی شہادت نہ دی ہو، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَسْتَجِيبُونَكَ أَنَّهُمْ كَفَرُوا مِنَّا وَأَنْتَ لَمَّا كَفَرْتُمْ لَمْ يَنْبَغِ لَكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْهَادِينَ ۚ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ اتَّبَعَ هَوَاهُ بَغْيًا يُضِلُّهُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ (القصص ۲۸/۵۰)

”پھر اگر یہ تمہاری بات قبول نہ کریں تو جان لو کہ یہ صرف اپنی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں اور اس سے

زیادہ کون گمراہ ہوگا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش کے پیچھے چلے۔ بے شک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

حضرت داؤد علیہ السلام سے مخاطب ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يٰۤاٰدُوۡدُ اِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيۡفَةً فِى الْاَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَضِلُوۡنَ عَنْ سَبِيۡلِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيۡدٌ يَّمَسُوۡنَ اَيَّوۡمَ الْحِسَابِ ﴿٢٦﴾﴾ (ص ۳۸/۲۶)

”اے داؤد! ہم نے تم کو زمین میں بادشاہ بنایا ہے تو لوگوں میں انصاف کے فیصلے کیا کرو اور خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تمہیں اللہ کے رستے سے بھٹکا دے گی۔ جو لوگ اللہ کے رستے سے بھٹکتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب (تیار) ہے اس لئے کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا۔“

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہوتے ہوئے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ:

﴿ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلٰى شَرِيۡعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى الَّذِيۡنَ لَا يَعْلَمُوۡنَ ﴿١٨﴾ اِنَّهُمْ لَنُغۡنُوۡا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّاِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۡءُ بَعْضٍ وَّاللّٰهُ وِىٕ الْمُتَّقِيۡنَ ﴿١٩﴾﴾ (الجنات ۱۸/۱۹)

”پھر ہم نے تم کو دین کے کھلے رستے پر (قائم) کر دیا تو اسی (رستے) پر چلے چلو اور نادانوں کی خواہشوں کے پیچھے نہ چلنا، یہ اللہ کے سامنے تمہارے کسی کام نہیں آئیں گے اور ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں اور اللہ پر ہیز گاروں کا دوست ہے۔“

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے بھی علم کے بغیر فتویٰ دینے سے منع فرمایا ہے، چنانچہ مسلم بن یسار سے روایت ہے کہ

میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ قَالَ عَلَيَّ مَا لَمْ أَقُلْ فَلْيَبۡتَوُا بَيِّنَاتٍ فِى جَهَنَّمَ وَمَنْ أَقْبَىٰ بَغْيِيۡ بِغَيْرِ عِلْمٍ كَانَ اِنَّمُهُ عَلَيَّ مِّنْ اَفۡتَاۡهُ . . .» (أخرجه الحاكم في المستدرک، ۱/۱۰۳، ورواه الحافظ البيهقي في سننه الكبرى، ۱۰/۱۱۶)

”جس نے میری طرف کوئی ایسی بات منسوب کی جو میں نے کسی نہ ہو تو وہ اپنا گھر جہنم میں بنا لے اور جس شخص کو علم کے بغیر کوئی فتویٰ دیا گیا تو اس کا گناہ فتویٰ دینے والے کو ہوگا۔“

کتاب و سنت کے ان دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ فتویٰ صرف اس شخص کو دینا چاہیے جس میں مکمل اہلیت ہو۔ مکمل اہلیت سے کیا مراد ہے، اس کے بارے میں فقہاء کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال مختلف ہیں۔^① فقہ حنفی کے مطابق جو واقعہ ابھی تک پیش ہی نہ آیا ہو اس کے بارے میں فتویٰ دینا واجب نہیں ہے۔ فتویٰ میں تساہل کا ثبوت دینا یا اپنی خواہش نفس کی پیروی کرنا حرام ہے۔ فتویٰ صرف اسی شخص کو دینا چاہیے جو علما کے اقوال کو جانتا ہو اور اسے معلوم ہو کہ علماء کے ان اقوال کا مصدر و ماخذ کیا ہے، اگر کسی مسئلہ میں اقوال مختلف ہوں تو اسے اس قول کی دلیل بھی معلوم ہونی چاہیے جسے اس نے اختیار کیا ہو الغرض ہر اس بالغ عاقل مسلمان کے لئے فتویٰ دینا جائز ہے جو روایات کا حافظ، درایات سے واقف، طاعات کا

① تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے: البحر الرائق لابن نجيم ج: ۶، ص: ۲۸۹، مواہب الجليل مع التاج والاکلیل ج: ۶، ص: ۹۳-۹۵، المجموع للنووي ج: ۱، ص: ۳۲، روضة الناظر ج: ۲، ص: ۳۳۱، اعلام الموقعين ج: ۱، ص: ۳-۳۸، مکتبہ ابن تیمیہ، قاہرہ۔

محافظ اور شہوات و شہوات سے مجتنب ہو، خواہ مرد ہو یا عورت اور خواہ وہ بوڑھا ہو یا جوان^① اس مسئلہ میں فقہاء مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے ارشادات بھی قریباً قریباً اسی کے ہم معنی ہیں۔^② حافظ ابن قیم نے آداب فتویٰ و مفتی و مستفتی پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔^③

مفتی کا اپنے فتویٰ سے رجوع: حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر مفتی نے کوئی فتویٰ دیا ہو اور پھر وہ اپنے فتویٰ سے رجوع کرے اور مستفتی کو بھی اس کے رجوع کے بارے میں علم ہو جائے اور ابھی تک اس نے اس کے فتویٰ پر عمل نہ کیا ہو تو اس کے لئے ایک قول کے مطابق اس کے اس پہلے فتویٰ پر عمل کرنا حرام ہے جب کہ دوسرا قول یہ ہے کہ محض مفتی کے رجوع کی وجہ سے اس کے پہلے فتویٰ پر عمل کرنا حرام نہیں ہو گا بلکہ اسے چاہیے کہ اس کے متعلق کسی اور مفتی سے بھی فتویٰ طلب کرے اور اگر دوسرے مفتی کا فتویٰ اس کے پہلے فتویٰ کے مطابق ہو تو اس پر عمل کرے اور اگر وہ اس کے دوسرے فتویٰ کے مطابق فتویٰ دے اور کسی اور نے بھی اس کے اس دوسرے فتویٰ کے خلاف فتویٰ نہ دیا ہو تو پھر پہلے فتویٰ پر عمل کرنا حرام ہو گا اور اگر کسی شہر میں مفتی ہی ایک ہو تو پھر اس سے یہ پوچھ لے کہ اس نے اپنے پہلے فتویٰ سے رجوع کیوں کیا ہے؟ اگر اس کے رجوع کا سبب یہ ہو کہ اس نے اس مسئلہ میں کسی دوسرے قول کو اختیار کر لیا ہے جب کہ پہلا قول بھی درست ہے تو اس صورت میں پہلے فتویٰ پر عمل کرنا حرام نہ ہو گا اور اگر اس کے رجوع کا سبب یہ ہو کہ اس کا پہلا فتویٰ صحیح نہیں تھا اور اس میں اس سے غلطی ہو گئی ہے تو پھر اس کے مطابق عمل کرنا حرام ہے بشرطیکہ اس کے رجوع کا سبب یہ ہو کہ اس کا پہلا فتویٰ شرعی دلیل کے خلاف ہو اور اگر اس کا رجوع محض اس وجہ سے ہو کہ وہ اس کے مذہب کے خلاف ہے تو پھر مستفتی کے لئے اس کے مطابق عمل کرنا حرام نہیں ہو گا۔^④

کیا مستفتی کو پتانا ضروری ہے؟: اگر مفتی اپنے فتویٰ سے رجوع کر لے یا اس کے اجتہاد میں کوئی تبدیلی رونما ہو جائے تو کیا اس کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ مستفتی کو بھی اس کے بارے میں مطلع کرے؟ تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر مفتی کو یہ معلوم ہو کہ فتویٰ دینے میں اس سے غلطی ہو گئی ہے اور اس کا فتویٰ کتاب و سنت کی کسی ایسی نص کے خلاف ہے جس کے مقابلہ میں کوئی اور نص موجود نہیں ہے یا اس کا فتویٰ اجماع امت کے خلاف ہے تو اس صورت میں اسے چاہیے کہ وہ مستفتی کو مطلع کرے اور اگر اسے یہ معلوم ہے کہ اس کا فتویٰ صرف اس کے اپنے فقہی مذہب یا اپنے امام کے قول کے خلاف ہے تو اس صورت میں مستفتی کو مطلع کرنا واجب نہیں ہے۔^⑤

لیکن جیسا کہ ہم نے پہلے بھی عرض کیا مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ افتاء کی شرائط کو پورا کرتا ہو اور فتویٰ دینے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہو تاکہ وہ اس حدیث کا مصداق نہ ہو جسے علامہ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

① الفتاویٰ الہندیہ ج: ۳، ص: ۳۰۹-۳۱۰، البحر الرائق لابن نجیم ج: ۶، ص: ۲۹۱۔ ② ملاحظہ فرمائیے: التاج والاکلیل مع مواہب الجلیل ج: ۶، ص: ۹۱، المجموع للنووی ج: ۱، ص: ۲۵، کشف النعناع للمعموتی الخلیلی ج: ۶، ص: ۲۲۲۔ ③ اعلام الموقنین ج: ۴، ص: ۱۹۹-۳۳۰، مکتبہ ابن تیمیہ، القاہرہ۔ ④ اعلام الموقنین ج: ۴، ص: ۱۹۹-۳۳۰۔ ⑤ اعلام الموقنین ج: ۴، ص: ۱۹۹-۳۳۰، المجموع للنووی ج: ۱، ص: ۲۵-۳۶، مختصر الخواوی ص: ۳۲، قوانین الاحکام الشرعیۃ لابن جزئی المالکی ص: ۳۲۲، طبع دار العلم بیروت ۱۹۷۴۔

«يَخْرُجُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ رِجَالٌ - وَفِي رِوَايَةٍ - قَوْمٌ رُؤُوسٌ جُهَالٌ يُثْمُونَ النَّاسَ فَيَضِلُّونَ وَيُضِلُّونَ» (الفقيه والمتفقه، ۲/ ۱۵۲-۱۵۳، طبع اول، دارالإفتاء السعودية ۱۳۸۹ھ)

”آخر زمانے میں کچھ ایسے لوگ --- اور ایک روایت میں ہے کہ --- کچھ ایسے جاہل لوگ پیدا ہوں گے جو لوگوں کو فتویٰ دیں گے، مگر خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔“

اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد علامہ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ مسلمانوں کے امام و حاکم کو چاہیے کہ وہ مفتی حضرات کے حالات کا جائزہ لے، ان میں سے جو فتویٰ دینے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہو تو برقرار رکھے اور جو اس صلاحیت سے محروم ہو تو اسے فتویٰ دینے سے منع کر دے اور کہے کہ اگر وہ آئندہ باز نہ آیا تو اسے سزا دی جائے گی۔ اسی احتیاط کے پیش نظر خلفاء بنی امیہ کا یہ معمول تھا کہ وہ موسم حج میں مکہ مکرمہ میں مفتیوں کا تقرر کر دیتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ ان مفتیان کرام کے علاوہ کسی اور سے فتویٰ طلب نہ کیا جائے۔^①

علامہ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اس جگہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہ قول ذکر کیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا خوف اور علم کے ضائع ہونے کا خدشہ نہ ہو تا تو میں کسی کو بھی فتویٰ نہ دیتا۔ اسی طرح علامہ ابن نجیم نے ”شرح الروض“ کے حوالہ سے یہ ذکر کیا ہے کہ حاکم وقت کو چاہیے کہ وہ اپنے زمانے کے مشہور اہل علم سے یہ پوچھے کہ فتویٰ دینے کی صلاحیت سے کون بہرہ ور ہے تاکہ وہ ان لوگوں کو فتویٰ دینے سے منع کر دے جو اس صلاحیت سے محروم ہوں اور باز نہ آنے کی صورت میں انہیں سزا بھی دے۔ علامہ خطیب بغدادی، حافظ ابن قیم اور دیگر اہل علم نے بھی ائمہ کرام و فقہاء عظام کے ارشادات اس مسئلہ سے متعلق بیان فرمائے ہیں مگر اختصار کے پیش نظر سردست ہم انہی پر اکتفاء کرتے ہیں۔

افتاء و استفتاء کی تاریخ: افتاء و استفتاء کا سلسلہ چونکہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عہد ہی سے شروع ہوتا ہے اس لئے اس کی تاریخ بھی اتنی ہی قدیم ہے جتنی خود دین اسلام کی۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب کوئی مشکل مسئلہ درپیش ہوتا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتے کیونکہ آپ ہی مہبط وحی، شارح اسلام اور مرجع خلافت تھے۔

آپ کے بعد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس منصب پر فائز تھے، جن جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف لوگ رجوع کیا کرتے تھے ان میں سے مدینہ منورہ میں خلفاء راشدین کے علاوہ حضرت زید بن ثابت، حضرت ابی بن کعب، حضرت عبداللہ بن عمر اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مکہ مکرمہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کوفہ میں حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما بصرہ میں حضرت انس بن مالک اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما شام میں حضرت معاذ بن جبل اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہما اور مصر میں حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کے اسماء گرامی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ تاریخ کے صفحات میں قریباً ایک سو تیس حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسماء گرامی محفوظ ہیں جو مسند افتاء پر فائز تھے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد کے بعد جلیل القدر تابعین و تبع تابعین رضی اللہ عنہم منصب افتاء پر فائز رہے ان میں چند نمایاں شخصیتوں کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

- ① سعید بن مسیب
- ② سعید بن جبیر
- ③ عروہ بن زبیر
- ④ عکرمہ
- ⑤ مجاہد
- ⑥ عطاء
- ⑦ علقمہ بن قیس

۹ قاضی شریح ۱۰ یزید بن ابی حبیب ۱۱ لیث بن سعد رضی اللہ عنہم

یہ چند اسماء گرامی ہم نے ”شستہ نمونہ از خروارے“ ذکر کئے ہیں، تفصیل کے شائقین حافظ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”جوامع السیرة“ اور حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کی شہرہ آفاق کتاب ”اعلام الموقعین“ کی طرف رجوع فرمائیں۔

اگرچہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد میں بھی فتاویٰ کے سلسلے میں مجتہدین میں بعض مسائل میں اختلاف رائے موجود تھا لیکن تدوین فقہ کے دور میں اختلاف کی اس خلیج میں مزید وسعت پیدا ہو گئی اور اس کے نتیجے میں فقہاء دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ ان میں ایک اہلحدیث کا گروہ تھا جو کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فتاویٰ کی بنیاد پر فتویٰ دیتا تھا۔ اس گروہ میں علماء حجاز کی غالب اکثریت شامل تھی۔ دوسرا گروہ اہل الرائے کا تھا جو نصوص شرعیہ کی تشریح ان کے عقلی معنی و مفہوم کی روشنی میں کرنے پر زور دیتا تھا، اس گروہ میں فقہاء عراق کی غالب اکثریت شامل تھی۔

اس دور کے بعد فتاویٰ کا اجرا اجتہاد کے بجائے تقلید کی بنیاد پر ہونے لگا کیونکہ ایک تو خلافت اسلامیہ کی وحدت ختم ہو گئی، دوسرے ائمہ و فقہاء کے مقلدین مختلف گروہوں میں بٹ گئے، ایک خرابی یہ بھی پیدا ہوئی کہ نااہل لوگ اجتہاد کے مدعی بن بیٹھے یا صحیح اجتہاد کے اہل علماء کے صحیح مجتہدانہ فتاویٰ کو خلاف اسلام ثابت کر کے ان پر کفر کے فتوے لگانے لگے، اندھی تقلید کی وجہ سے جو ناگفتہ بہ صورت حال پیدا ہوئی اس کا شکوہ کرتے ہوئے سلطان العلماء عزبن عبدالسلام نے بجا فرمایا ہے کہ:

”یہ انتہائی تعجب انگیز بات ہے کہ فقہاء مقلدین کو اپنے امام کے ماخذ کے ضعف کا بھی علم ہوتا ہے اور اس

کے مداوا کی بھی کوئی صورت نہیں ہوتی لیکن اس کے باوجود وہ اپنے امام کی تقلید کرتے ہیں اور اپنے امام کی

تقلید اور مذہبی جمود کے باعث انہیں کتاب و سنت اور صحیح قیاس کو ترک کر دینے میں کوئی حجاب نہیں ہوتا بلکہ

کتاب و سنت کے واضح نصوص کو ترک کر دینے اور اپنے امام کی طرف سے دفاع کرنے کے لئے عجیب و غریب

بعید از قیاس اور باطل تاویلوں سے کام لیتے ہیں۔

لیکن الحمد للہ ہر دور میں اہل حق کا --- آلام و مصائب کا تختہ مشق بننے کے باوجود --- ایک ایسا مقدس گروہ بھی رہا

ہے، جنہوں نے اپنے افکار و نظریات اور اپنے فتاویٰ یا مسائل کی بنیاد قرآن و حدیث اور آراء الرجال کے بجائے ہمیشہ کتاب

اللہ، سنت رسول اللہ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فتاویٰ پر رکھی۔ سلف امت حضرات صحابہ کرام و تابعین کے بعد بھی

ہر دور میں ایسے بے شمار اساطین علم و فضل رہے جو حاملین کتاب و سنت کی اسی سلک موارید سے منسلک ہیں اور ان کی

کتب اور فتاویٰ کے مجموعوں سے آج بھی دنیا اکتساب ضیاء کر رہی ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل، حضرت امام بخاری، شیخ

الاسلام حافظ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد رشید حافظ ابن قیم، حافظ ابن حجر عسقلانی، شیخ الاسلام امام محمد بن عبدالوہاب، امام

قاضی محمد بن علی شوکانی اور دیگر ائمہ و فقہاء کرام رضی اللہ عنہم جو حیثہ شمار سے باہر ہیں اسی سلک سلف کے ترجمان ہیں۔ ادھر

برصغیر پاک و ہند میں حضرت شاہ ولی اللہ، ان کے صاحبزادگان گرامی اور نبیرہ عالی مقام حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نواب

والاجاہ حضرت نواب سید محمد صدیق حسن خاں، شیخ الکل حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی اور ان کے بے شمار

شاگردان رشید بالخصوص استاد پنجاب حضرت مولانا حافظ عبدالمنان محدث وزیر آبادی، حضرت علامہ شمس الحق محدث ڈیپالوی،

حضرت مولانا عبدالرحمن مبارکپوری وغیرہم کے اسماء گرامی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ برصغیر پاک و ہند کے ان علماء میں سے

جن کے فتاویٰ کو بطور خاص شرف پذیرائی حاصل ہوا ان میں سے شیخ الکل حضرت میاں سید نذیر حسین محدث دہلوی اور ان کا ”فتاویٰ نذیریہ“ شیخ الاسلام حضرت مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کا ”فتاویٰ ثنائیہ“ حضرت الامام مولانا عبدالجبار غزنوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کا ”مجموعہ فتاویٰ“ حضرت مولانا محمد اسماعیل سلطی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کا ”فتاویٰ سلفیہ“ حضرت مولانا حافظ عبداللہ محدث روپڑی اور حضرت العلام امام محمد محدث گوندلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے فتاویٰ کے مجموعے ہیں۔ اس وقت ان حضرات مفتیان کرام اور ان کے فتاویٰ کے مجموعوں کی تفصیلات و خصوصیات بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ یہ قلم برداشتہ چند باتیں فتاویٰ کے اردو ترجمہ کی تقریب اشاعت و طباعت کی مناسبت سے نوک قلم پر آگئی ہیں۔

یہ فتاویٰ برادر اور عظیم اسلامی ملک سعودی عرب کے حسب ذیل حضرات مفتیان کرام کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے:

● ساحتہ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمۃ اللہ علیہ ● فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح بن عثیمین حفظہ اللہ تعالیٰ

● فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن عبدالرحمن الجبرین حفظہ اللہ تعالیٰ

علاوہ ازیں اس میں دارالافتاء کی فتویٰ کمیٹی کے فتاویٰ اور فقہی کونسل کی قراردادیں بھی شامل ہیں۔

یہ مجموعہ فتاویٰ بھی مسلک سلف کا ترجمان ہے، اس میں بھی ایک ایک فتویٰ کا کتاب و سنت کی روشنی میں جواب دیا گیا ہے۔ فضیلۃ الشیخ محمد بن عبدالعزیز المسند حفظہ اللہ تعالیٰ ہم سب کے شکر یہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے مذکورہ بالا حضرات مفتیان کرام و شیوخ عظام کے فتاویٰ کے اس مجموعہ کو بہت ہی احسن انداز میں مرتب فرمایا۔ جَزَاهُ اللَّهُ عَنَّا وَعَنْ الْمُسْلِمِينَ خَيْرَ الْجَزَاءِ

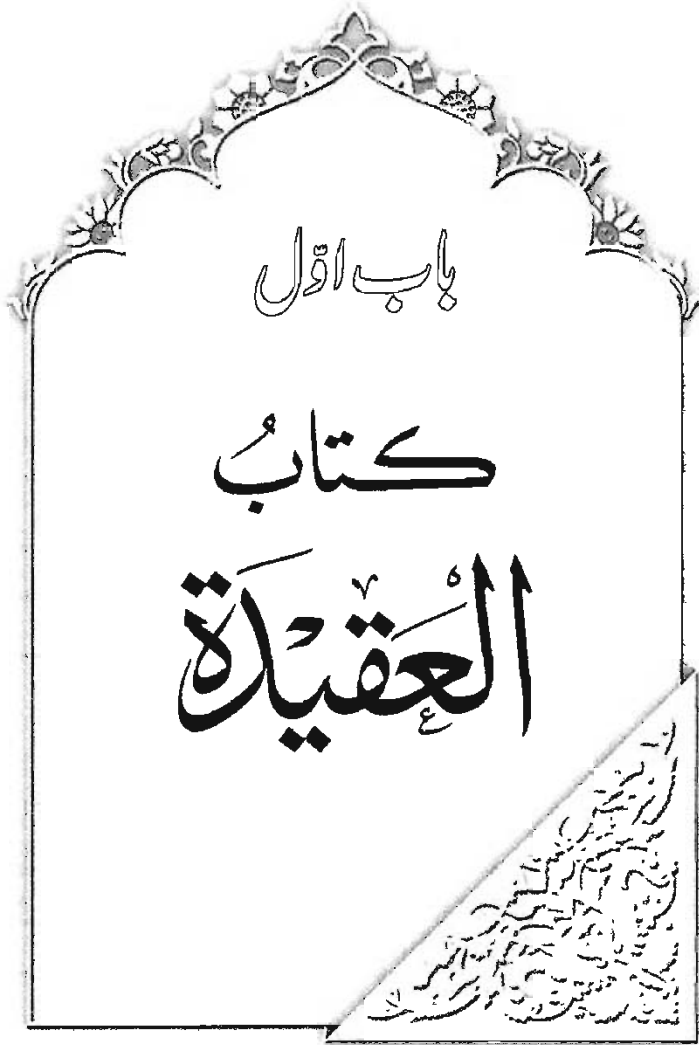
برادر کرم فضیلۃ الشیخ عبدالمالک مجاہد حفظہ اللہ تعالیٰ بھی ہم سب کے شکر یہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اردو قارئین کرام کے لئے اس عظیم مجموعہ فتاویٰ سے استفادہ کی راہیں آسان کیں اور اسے دارالسلام کی جمیل و جلیل روایت کے مطابق نہایت سلیقہ سے زیور طباعت سے آراستہ کرنے کا اہتمام فرمایا ہے۔

تَقَبَّلَ اللَّهُ مِنَّا وَمِنْكُمْ، وَصَلَّى اللَّهُ عَلَى مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ
وَسَلَّمَ

محمد خالد سیف

اسلام آباد ۲۰-۵-۱۳۱۸ھ / ۲۳-۹-۱۹۹۷م





جنوں کے لئے ذبح کرنے والے کا کوئی عمل توبہ کے بغیر قبول نہیں

الحمد لله رب العالمين و الصلاة و السلام على نبينا محمد و على آله و صحبه اجمعين - و بعد:

● بحوث العلمیہ والافتاء کی مستقل کمیٹی کے پاس یہ استفتاء آیا کہ ہمارے پاس صحراء میں کئی علماء آتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جو شخص کسی جن کے نام پر ذبح کرے تو اس کی نہ نماز قبول ہے اور نہ حج۔ میں نے جب ان کی یہ بات سنی تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کی کہ آئندہ میں جن کے لئے ذبح نہیں کروں گا، میں حج بھی کر چکا ہوں۔ علماء فرماتے ہیں تمہارا حج باطل ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا میرا حج واقعی باطل ہے یا صحیح ہے؟ اور اگر میرا حج باطل ہو گیا ہے تو کیا مجھے نیا حج کرنا پڑے گا؟

● کمیٹی نے اس سوال کا حسب ذیل جواب دیا:

جنت کے لئے ذبح کرنا اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے، اگر ایسا کرنے والا توبہ کے بغیر مر گیا تو وہ ابدی جہنمی ہو گا کیونکہ شرک کے ساتھ کوئی عمل قبول نہیں ہوتا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحِطَّ عَلَيْهِمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (الانعام ۸۸/۸۸)

”اور اگر وہ لوگ (یعنی انبیاء بھی) شرک کرتے تو جو عمل وہ کرتے تھے، سب ضائع ہو جاتے۔“

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے آپ کو اس گناہ عظیم سے توبہ کی توفیق بخشی کہ جس کی موجودگی میں کوئی عمل قبول نہیں ہوتا لہذا آپ دوبارہ حج کیجئے۔ اگر آپ کی توبہ سچی ہے تو توبہ کرنے والے سے اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ وہ گناہوں کو معاف فرما کر اس کی برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُونَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا ﴿٦٨﴾ يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخَلَّدُ فِيهِ مُهَكَمًا ﴿٦٩﴾ إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿٧٠﴾﴾ (الفرقان ۶۸/۷۰-۷۰)

”اور وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جاندار کو مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے، اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق (یعنی شریعت کے حکم) سے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہو گا۔ قیامت کے دن اس کو دو گنا عذاب ہو گا اور ذلت و خواری سے ہمیشہ اس میں رہے گا مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کئے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔“ اور توفیق تو اللہ تعالیٰ ہی دینے والا ہے۔ ((وصلی اللہ وسلم علی عبدہ

ورسولہ محمد وآلہ وصحبہ»

فتویٰ کمیٹی

مشرک کے ذبیحہ کو حلال سمجھنا

سوال جو شخص مشرک کے ذبیحہ کو حلال سمجھے اور اس کے لئے درج ذیل آیت سے استدلال کی کوشش کرے:

﴿فَقُلُوا وَمَا ذَكَرَ اسْمُ اللَّهِ حَلَالٌ وَإِنْ كُنْتُمْ بِشَايِكْتِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿١٧﴾﴾ (الانعام/۱۱۸)

”تو جس چیز پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیا جائے اگر تم اس کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو تو اسے کھا لیا کرو۔“

اور کہے کہ یہ آیت کریمہ محتاج تفسیر نہیں ہے اور کسی کی بات کو نہ سنے تو کیا وہ کافر ہو گا؟

جواب جو شخص شرک اکبر کے مرتکب مشرک کے ذبیحہ کو اللہ تعالیٰ کا نام لینے کی وجہ سے حلال قرار دے تو وہ خطا کار ہے لیکن وہ کافر نہیں کیونکہ یہاں یہ شبہ موجود ہے کہ شاید وہ اللہ کے نام کی وجہ سے اسے حلال قرار دے رہا ہو، البتہ

مذکورہ آیت سے اس کا استدلال درست نہیں ہے کیونکہ آیت کے عموم کو مشرک کے ذبیحہ کی حرمت پر اجماع نے خاص کر دیا ہے۔

فتویٰ کمیٹی

مشرک کی طرف سے حج اور اس کے لیے مغفرت کی دعاء

سوال ایک شخص جس نے زندگی بھر کبھی نماز پڑھی نہ روزہ رکھا اور جن، پتھر، درخت اور بتوں کے نام پر ذبح کرتا رہا

اور اسی حالت میں مر گیا تو کیا اس کے کسی رشتہ دار کے لئے اس کی طرف سے حج کرنا یا اس کے لئے مغفرت کی دعاء کرنا جائز ہے؟

جواب جو شخص سوال میں مذکور حالت کے مطابق مرا ہو، اسے شرک اکبر کا مرتکب سمجھا جائے گا اور ایسے شخص کی

طرف سے حج کرنا یا اس کے لئے بخشش کی دعاء کرنا جائز نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَا كَانَتْ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ ءَامَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولَىٰ قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا

تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿١١٣﴾﴾ (التوبة/۱۱۳)

”نبی اور مسلمانوں کو حق ہی نہیں پہنچتا کہ جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ مشرک دوزخی ہیں تو ان کے لئے بخشش

مانگیں، اگرچہ وہ ان کے قرابت دار ہی ہوں۔“

اور حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِسْتَأْذَنْتُ رَبِّي أَنْ أُرْوَرَ قَبْرَ أُمِّي فَآذِنَ لِي، وَاسْتَأْذَنْتُهُ أَنْ أَسْتَغْفِرَ لَهَا فَلَمْ يَأْذَنْ لِي»

(صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب استئذان النبی ربه فی زیارة قبر أمه، ح: ۲۲۵۸، ۲۲۵۹)

”میں نے اپنی ماں کی قبر کی زیارت کے لئے اللہ تعالیٰ سے اجازت طلب کی تو اس نے مجھے اجازت عطا فرمادی

اور میں نے مغفرت کی دعاء کرنے کی اجازت مانگی تو اس نے مجھے اس کی اجازت نہ دی۔“

فتویٰ سمیٹی

نبی ﷺ کے اس فرمان کا معنی کہ ”ایک کے سوا تمام فرقے جہنم میں جائیں گے۔“

سوال نبی ﷺ کے اس ارشاد میں امت سے کیا مراد ہے جس میں آپ یہ فرماتے ہیں کہ ”ایک کے سوا میری امت کے تمام فرقے جہنم رسید ہوں گے۔“ تو کیا یہ بہتر فرقے مشرکوں کی طرح ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے یا نہیں؟ اور جب ہم ”نبی کی امت“ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں تو کیا اس سے مراد آپ ﷺ کے فرمانبردار اور نافرمان سب مراد ہوتے ہیں یا اس سے صرف آپ کے فرمانبردار مراد ہوتے ہیں؟

جواب اس حدیث میں امت سے مراد امت اجابت ہے اور یہ امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی، ان میں سے بہتر فرقے منحرف اور بدعتی تو ہوں گے لیکن ملت اسلام سے خارج نہیں ہوں گے۔ بدعت اور انحراف کے باعث انہیں عذاب ہو گا الا یہ کہ کسی کو اللہ تعالیٰ معاف فرمادے اور اسے جنت میں پہنچا دے۔ صرف اہل سنت و جماعت کا ایک فرقہ نجات یافتہ ہے۔ اور اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق عمل کیا اور آپ کے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے کو اختیار کیا چنانچہ انہی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تھا:

«لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي قَائِمَةٌ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ وَلَا مَنْ خَدَلَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ» (صحیح بخاری، کتاب العلم، باب من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین، ح: ۷۱-۳۶۴۱، صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب قولہ ﷺ لا تزال طائفة...، ح: ۱۹۲۰)

”میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم اور غالب رہے گا، اس کی مخالفت کرنے والے اور اسے رسوا کرنے والے اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے حتیٰ کہ اللہ کا امر (قیامت) آجائے گا۔“

جو شخص اپنی بدعت کے باعث دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے تو اس کا تعلق امت دعوت سے ہے، امت اجابت سے نہیں اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنمی ہو گا اور اس مسئلہ میں راجح قول یہی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس حدیث میں امت سے مراد امت دعوت ہے اور اس میں وہ تمام افراد شامل ہیں جن کی طرف نبی ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا خواہ وہ مومن ہوں یا کافر اور ایک گروہ سے مراد جہنم سے نجات پانے والی امت ہے خواہ عذاب سے اس کا سابقہ پڑے یا نہ پڑے، اس کا انجام بہر حال جنت ہے۔

فرقہ ناجیبی کے سوا دیگر بہتر فرقے کافر اور ابدی جہنمی ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ امت دعوت، امت اجابت کی نسبت عام ہے یعنی جو شخص امت اجابت سے تعلق رکھتا ہے وہ امت دعوت میں سے بھی ہے لیکن امت دعوت کا ہر فرد امت اجابت میں سے نہیں ہے۔

فتویٰ سمیٹی

ارشاد باری تعالیٰ ﴿وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا﴾ کے معنی

سوال میں نے سورہ مریم کی آیات ۷۱-۷۲ کو پڑھا ہے جو کہ حسب ذیل ہیں:

﴿ وَإِنْ يَنْظُرْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿٧١﴾ ثُمَّ نُنزِلُ الَّذِينَ أَتَقَوْا وَنَدَّرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثْمًا ﴿٧٢﴾ ﴾ (مریم ۱۹/۷۱-۷۲)

”اور تم میں سے کوئی (شخص) نہیں جو جہنم پر وارد نہ ہو یہ تو ایک طے شدہ بات ہے جسے پورا کرنا تیرے رب کا ذمہ ہے پھر ہم پر ہیز گاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل پڑا ہوا چھوڑ دیں گے۔“
 میں ان آیات کریمہ خاص طور پر ان میں مذکور جہنم میں وارد ہونے کے معنی معلوم کرنا چاہتا ہوں؟

جواب رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے کہ اس ورود سے مراد پل صراط کے اوپر سے گزرنا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے جہنم کی چھت پر نصب فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور سب مسلمانوں کو جہنم سے محفوظ رکھے۔ جیسا کہ احادیث میں مذکور ہے کہ لوگ اپنے اعمال کے مطابق رفتار کے ساتھ اس کے اوپر سے گزر جائیں گے۔

شیخ ابن باز

لوگ اپنی قبروں سے کس طرح اٹھیں گے

سوال قیامت کے دن لوگ اپنی قبروں سے کس طرح اٹھیں گے، انبیاء، اقطاب اور ابدال کس طرح اٹھیں گے؟ اور سب سے پہلے کس کو لباس پہنایا جائے گا؟

جواب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی ریڑھ کی ہڈی سے دوبارہ پیدا فرمائے گا، اس سے لوگ ٹھیک اپنی شکل و صورت میں اسی طرح پیدا ہوں گے جس طرح دانے سے کھیتی اور کھلی سے کھجور پیدا ہوتی ہے، پھر وہ اپنی قبروں سے برہنہ پاؤں، برہنہ جسم اور غیر متنوع حالت میں اس طرح نکلیں گے گویا بکھری ہوئی ٹڈیاں ہوں یا بکھرے ہوئے پتنگے اور وہ راہ حشر سے نادانف نہ ہوں گے بلکہ بھٹ تیز سے بھی اپنی منزل کے بارے میں زیادہ آگاہ ہوں گے اور قبروں سے نکل کر اس طرح دوڑیں گے جیسے شکاری شکار کے جال کی طرف دوڑتے ہیں۔ سب سے پہلے ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کی قبر شق ہوگی، معقہ سے آفتاب بھی سب سے پہلے آپ ہی کو ہو گا۔ قبروں سے اٹھنے کے بعد جن کو سب سے پہلے لباس پہنایا جائے گا وہ خلیل الرحمن حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ اس دن سب لوگوں پر انتہائی گھبراہٹ اور خوف (دہشت) کی کیفیت طاری ہوگی حتیٰ کہ ہر نبی بھی ”نفسی نفسی“ پکار رہا ہو گا۔ جو شخص بھی القمر، المعارج اور القارح جیسی سورتوں میں آیات بعثت کو پڑھے گا تو اس کے سامنے مذکورہ باتوں میں سے بہت سی واضح ہو جائیں گی اور صحیحین میں حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

﴿إِنَّكُمْ مَحْشُورُونَ حُفَاةَ عُرَاةٍ عُرَاةٍ﴾ (صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ:

وانخذ الله ابراهيم خليلا، ح: ۳۳۴۹، صحیح مسلم، کتاب صفة الجنة، باب فناء الدنيا... ح: ۲۸۲۰)

”بلاشبہ تم برہنہ پاؤں، برہنہ جسم اور غیر متنوع حالت میں اٹھائے جاؤ گے!“

پھر آپ ﷺ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

﴿ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُمْ وَعَدَّا عَلَيْتَنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ ﴾ (الانبیاء ۲۱/۱۰۴)

”جس طرح ہم نے پہلے پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے (یہ) وعدہ (ہے) جس کا پورا کرنا ہم پر لازم ہے، ہم (ایسا) ضرور کرنے والے ہیں۔“

اور فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا اور میرے ساتھیوں میں سے کچھ لوگوں کو بائیں جانب لے جایا جائے گا تو میں کہوں گا ”یہ تو میرے ساتھی ہیں“ تو مجھ سے کہا جائے گا کہ یہ آپ کے بعد مرتد ہو گئے تھے، تو میں بھی نیک بندے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی طرح یہ کہوں گا:

﴿ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ﴾ (المائدة/۱۱۷)

”اور جب تک میں ان میں رہا ان (کے حالات) کی خبر رکھتا رہا....“

”صحیحین“ میں نبی ﷺ کی یہ حدیث بھی ہے کہ:

﴿إِنَّ النَّاسَ يَصْحَقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَاكُونُ أَوَّلَ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْأَرْضُ...﴾ (صحیح بخاری،

کتاب الخصومات، باب ما یذکر فی الاشخاص... ح: ۲۴۱۲)

”لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہوں گے اور سب سے پہلے میری زمین شق ہوگی۔“

صحیحین ہی میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا:

﴿إِنَّ النَّاسَ يَصْحَقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَاكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُنْبِقُ...﴾ (صحیح بخاری، کتاب التفسیر

باب ﴿وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا...﴾ ح: ۴۶۳۸)

”لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہوں گے اور میں بھی بے ہوش ہو جاؤں گا اور سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا۔“

ان دونوں حدیثوں کی تحقیق کے لئے ”شرح عقیدہ طحاوی“ کا وہ مقام دیکھئے جہاں امام طحاوی رحمہ اللہ نے لوگوں کے

قیامت کے دن کے حالات کو بیان فرمایا ہے۔

فتویٰ کمیٹی

توکل کی حقیقت

سوال اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر توکل کے یہ معنی نہیں کہ تیرا کی جانے بغیر آپ سونمگ پول میں چھلانگ لگا دیں یا مشق کئے بغیر کسی گیم میں حصہ لے کر اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال دیں، تو پھر سوال یہ ہے کہ توکل کی حقیقت کیا ہے؟ امید ہے مستفید فرما کر شکر یہ کا موقعہ بخشیں گے!

جواب توکل علی اللہ کا معنی یہ ہے کہ کام کو اللہ تعالیٰ وحدہ کے سپرد کر دیا جائے اور یہ واجب ہی نہیں بلکہ ایمان کا ایک اہم اصول ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴾ (المائدة/۲۳)

”اور اللہ ہی پر توکل رکھو بشرطیکہ صاحب ایمان ہو“

مطلوب و مقصود کے حصول کے لئے توکل ایک طاقتور معنوی سبب ہے لیکن مومن کو چاہئے کہ وہ اس کے ساتھ ساتھ دیگر ممکن اسباب کو بھی اختیار کرے خواہ ان کا تعلق عبادات سے ہو مثلاً دعاء، نماز، صدقہ اور صلہ رحمی وغیرہ یا ان کا تعلق مادیات سے ہو کہ قوانین فطرت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ان اسباب کو مسببات کے ساتھ ملا دیا ہے جیسا کہ ان مثالوں سے واضح ہوتا ہے، جنہیں سائل نے اپنے استفتاء میں ذکر کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی اقتداء کا بھی یہی تقاضا ہے کہ آپ

سب سے بہترن متوکل تھے اور آپ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر کمال درجہ کے توکل کے ساتھ ساتھ دیگر مناسب اسباب کو بھی اختیار فرمایا کرتے تھے۔ پس جو شخص دستیابی کے باوجود دیگر اسباب کو ترک کر دے اور محض توکل پر اکتفاء کرے تو اس کا یہ عمل رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مخالف ہے اور اس کے اس عمل کو شرعی توکل کی بجائے عاجزی یا کم ہمتی کہا جائے گا۔ (وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم)

فتویٰ کمیٹی

مساجد کے افتتاح کے لئے مجلسوں کا اہتمام

الحمد لله رب العالمين و الصلاة و السلام على نبينا محمد و على آله و صحبه اجمعين - وبعد!

● بحوث العلمیہ والافتاء کی فتویٰ کمیٹی کو اس سوال کا علم ہوا جو عزت مآب ڈائریکٹر جنرل کے نام ارسال کیا گیا ہے اور جس میں یہ پوچھا گیا ہے کہ ہمارے ہاں جب کوئی نئی مسجد بنائی جاتی ہے اور اس میں نماز شروع کرنے کا پروگرام بنتا ہے تو اس کے لئے مختلف شہروں سے لوگوں کو مدعو کیا جاتا ہے تاکہ وہ افتتاح مسجد کی تقریب میں شریک ہوں، تو اس مقصد کے لئے لوگوں کے آنے کا کیا شرعی حکم ہے؟ کیا حدیث:

«لَا تُشَدُّ الرَّحَالَ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ» (صحیح بخاری، کتاب فضل الصلاة في مسجد مكة

والمدينة، باب فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة، ح: ۱۱۸۹)

”تین مساجد کے علاوہ کسی طرف (تبرک کی غرض سے) سواریاں تیار کر کے (سامان سفر باندھ کر) مت جلیا جائے“

کی روشنی میں یہ فعل حرام ہو گا؟ اور اگر ایسا کرنا جائز ہے تو جواز کی دلیل کیا ہے؟ کیا وہ حدیث جس میں یہ ہے کہ ”بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم ﷺ کو دعوت دی کہ آپ ان کے گھر تشریف لا کر ایک کونے میں نماز پڑھیں تاکہ وہ اسے جائے نماز قرار دے لیں۔“ اس عمل کے جواز کی دلیل بن سکتی ہے؟ اور کیا اس سلسلہ میں قصہ مسجد ضرار سے یہ استدلال کیا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہاں جانے کے محض قصد و ارادہ سے منع نہیں فرمایا بلکہ اس لئے منع کیا کہ اس مسجد کو ضرر اور کفر کے لئے بنایا گیا تھا؟

● کمیٹی کا جواب حسب ذیل ہے:

مساجد کا افتتاح ان میں نماز پڑھنے اور ذکر الہی، تلاوت قرآن مجید، تسبیح و تحمید و تہلیل اور علوم شرعیہ کی تعلیم جیسے امور سے ہونا چاہئے، جو مسجد کے لئے باعث عظمت و رفعت شان ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فِي بُيُوتٍ أُذِنَ لِلَّهِ أَنْ تَرْفَعَ وَيَذْكُرَ فِيهَا أَسْمُهُمْ يُسَبِّحُ لَهُمْ فِيهَا بِالْعُدْوَةِ وَالْوَالِصَالِ ﴿٢٦﴾ رِجَالًا لَا ذُلَّةَ فِيهِمْ يَخْشَوْنَ اللَّهَ وَآقَرُوا الصَّلَاةَ وَيَأْتِيهِمُ الرِّزْقُ يَوْمَ تَنْقَلَبُ فِيهِ الْقُلُوبُ ﴿٢٧﴾ وَالْأَبْصَارُ ﴿٢٨﴾ لِيَجْزِيََهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢٩﴾﴾

(النور ۲۴/۳۸-۳۶)

”وہ قدیل ان گھروں میں (ہے) جن کے بارے میں اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بلند کئے جائیں اور وہاں اللہ کا

نام ذکر کیا جائے (اور) ان میں صبح و شام اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں ایسے لوگ جن کو اللہ کے ذکر اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ سوواگری غافل کرتی ہے نہ خرید و فروخت، وہ اس دن سے جب دل (خوف اور گھبراہٹ کے سبب) الٹ جائیں گے اور آنکھیں (اوپر چڑھ جائیں گی) ڈرتے ہیں تاکہ اللہ انکو انکے عملوں کا بہت اچھا بدلہ دے اور اپنے فضل سے زیادہ بھی عطا کرے اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے۔“

اس طرح کے وعظ و نصیحت اور مشورہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ مساجد کو آباد فرمایا کرتے تھے، آپ کے بعد خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم، تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ ہدایت کا بھی یہی طرز عمل رہا اور سراسر خیر و برکت اسی میں ہے کہ ان پاکباز لوگوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے مساجد کے افتتاح کے لئے انہی کی پیروی کریں اور مسجدوں کو عبادات اور ان کے ہم معنی شعائر اسلام سے آباد شاد رکھیں۔ نبی ﷺ سے اور آپ کی پیروی کرنے والے ائمہ ہدیٰ سے قطعاً یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے کبھی افتتاح مسجد کے موقع پر اس قسم کی تقریب کا اہتمام کیا ہو اور لوگوں کو اس میں شرکت کی دعوت دی ہو، جس طرح آج کل لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے اور وہ مسجد کی تعمیر کی تکمیل کے موقع پر مختلف شہروں سے آکر تقریب میں شریک ہوتے ہیں۔ اگر یہ عمل قابل ستائش ہوتا تو سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ اس کی طرف سبقت فرماتے، امت کیلئے اسے مسنون قرار دے دیتے اور آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور ائمہ ہدیٰ رضی اللہ عنہم اس کی پیروی کرتے اور اگر ایسا ہوا ہوتا تو وہ یقیناً منقول بھی ہوتا لہذا اس طرح کی محفلوں کا اہتمام درست نہیں ہے، اس طرح کی محفل میں شرکت کی دعوت کو قبول نہیں کرنا چاہئے اور نہ مالی امداد کی صورت میں ان محفلوں کے انعقاد میں تعاون کرنا چاہئے۔ سراسر خیر و بھلائی اتباع سلف میں اور سراسر شرور برائی ابتداء خلف میں ہے۔

یہ جو حدیث ہے کہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کو دعوت دی کہ آپ ان کے گھر تشریف لائیں اور ان کے مکان کے ایک حصہ میں نماز پڑھیں تاکہ وہ اسے اپنے نوافل وغیرہ کے لئے جائے نماز بنا لیں، تو یہ مردہہ تقریب افتتاح مسجد کی قطعاً دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ آپ ﷺ کو تقریب میں شرکت کے لئے نہیں بلکہ نماز کے لئے دعوت دی گئی تھی آپ نے اس نماز کے لئے سفر بھی نہیں کیا اور پھر اس محفل میں شرکت یا اس مسجد میں نماز کے لئے سفر اس حدیث کے عموم نہی میں داخل ہے جس میں آپ ﷺ نے تین معروف مساجد کے علاوہ دیگر مسجدوں کی طرف شد رحال (رخت سفرتار) کر کے جانے سے منع فرمایا ہے لہذا اس نو ایجاد عادت سے اجتناب کرنا چاہئے اور مسجدوں کے معاملات میں بھی اسی عمل پر اکتفاء کرنا چاہئے جو رسول اللہ ﷺ کے عہد اور آپ کے تابعدار ائمہ ہدیٰ کے دور میں تھا۔ (وصلی اللہ وسلم علی عبدہ ورسولہ محمد و آلہ وصحبہ)

فتویٰ کمیٹی

حضرت علی رضی اللہ عنہ بعد از وفات کسی کی مدد نہیں کر سکتے

سوال بحوث العلمیہ والافتاء کی فتویٰ کمیٹی کو یہ سوال موصول ہوا ہے۔ ”کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ مصائب کے وقت کسی کی مدد کر سکتے ہیں؟“

جواب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا اور وہ اپنے قاتل کی تدبیر کو معلوم نہ کر سکے اور نہ اپنے نفس سے اس مصیبت کو

دور کر سکے، تو یہ دعویٰ کیسے کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی وفات کے بعد کسی دوسرے کی مشکلات کو دور کر سکتے ہیں جب کہ وہ اپنی زندگی میں اپنی مشکل کو دور نہ کر سکے؟ پس جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یا فوت شدگان میں سے کوئی اور شخصیت نفع پہنچا سکتی ہے یا مدد کر سکتی یا نقصان کو دور کر سکتی ہے، تو وہ مشرک ہے کیونکہ یہ باتیں اللہ تعالیٰ کی خصوصیات میں سے ہیں تو جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ یہ خصوصیات کسی اور میں بھی ہیں یا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور سے مدد طلب کرے تو اس نے گویا اسے اپنا الہ بنا لیا جب کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِنْ يَمَسُّكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ يُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴾ (یونس ۱۰/۱۰۷)

”اور اگر اللہ آپ کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اس کو دور کرنے والا بھی کوئی نہیں اور اگر وہ آپ سے بھلائی کرنا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے فائدہ پہنچاتا ہے اور وہ بخشنے والا مہربان ہے۔“

فتویٰ کمیٹی

قبر پر پھولوں کے گلستے رکھنا

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَبَعْدُ:

✽ بحوث العلمیہ والافتاء کی فتویٰ کمیٹی کے علم میں یہ سوال آیا جو عزت مآب ڈائریکٹر جنرل سے پوچھا گیا تھا کہ گم نام فوجی کی قبر پر پھولوں کے گلستے رکھنے پر کیا وہ احکام منطبق ہوں گے، جو ان لوگوں کے عمل پر منطبق ہوتے ہیں جنہوں نے اپنے اولیاء و صلحاء کی اس قدر تعظیم کی حتیٰ کہ وہ عبادت کی صورت اختیار کر گئی؟

﴿جواب﴾ یہ عمل بدعت اور مردوں کے بارے میں غلو ہے اور تعظیم کے اعتبار سے ان کے صالحین کے ساتھ معاملہ سے مشابہت رکھتا ہے اور خدشہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ عمل ان کی قبروں پر قبے تعمیر کرنے، ان کے ذریعے تبرک حاصل کرنے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ انہیں معبود بنانے کا سبب بن جائے گا لہذا شرک کے سدباب کے لئے اسے ترک کر دینا فرض ہے۔ ((وصلی اللہ وسلم علی عبدہ ورسولہ محمد و آلہ وصحبہ))

فتویٰ کمیٹی

کبیرہ گناہوں کے مرتکب لوگوں کا انجام

﴿سوال﴾ جو لوگ زنا، قذف (تمت) یا چوری جیسے کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کر س اور احکام شریعت کے مطابق انہیں دنیا میں ان جرائم کی سزا نہ دی جاسکے اور وہ توبہ کئے بغیر مرتکب تو قیامت کے دن ایسے لوگوں کے بارے میں حکم الہی کیا ہو گا؟

﴿جواب﴾ اہل سنت و الجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان زنا، قذف (تمت) اور چوری جیسے کبیرہ گناہوں پر اصرار کی حالت میں مرتکب ہو تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے مطابق معاملہ کرے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے معاف فرمادے اور اگر چاہے تو اسے عذاب دے اور بالآخر اس کا انجام جنت ہو گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ (النساء/۴۸)

”بے شک اللہ اس گناہ کو نہیں بخشتے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا اور گناہ جس کو چاہے معاف کر دے۔“

صحیح اور متواتر احادیث سے یہ ثابت ہے کہ گناہ گار موحدین کو جہنم سے نکال لیا جائے گا۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے تو آپ نے فرمایا:

«أَتَبَايَعُونَنِي عَلَىٰ أَلَّا تُشْرِكُوا بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا تَزْنُوا وَلَا تَسْرِقُوا» (صحیح بخاری، کتاب الإیمان،

باب رقم: ۱۱، ح: ۱۸، ۳۸۹۲، ۳۸۹۳، ۳۹۹۹، ۴۸۹۴)

”کیا میری اس بات پر بیعت کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گے، بدکاری نہ کرو گے، چوری نہ کرو گے۔“

پھر آپ نے سورہ نساء کی مذکورہ بالا آیت کریمہ تلاوت کی اور فرمایا:

«فَمَنْ وَفَىٰ مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ فَهُوَ كَقَارِهِ لَهُ،

وَمَنْ أَصَابَ مِنْهَا شَيْئًا مِنْ ذَلِكَ فَسْتَرَهُ اللَّهُ فَهُوَ إِلَى اللَّهِ، إِنْ شَاءَ عَبْدُهُ وَإِنْ شَاءَ عَقْرَهُ

لَهُ» (بخاری، کتاب الإیمان، باب رقم: ۱۱، ح: ۱۸، ۳۸۹۲، ۳۸۹۳، ۳۹۹۹، ۴۸۹۴)

”جو تم میں سے اس بیعت کو پورا کرے گا تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، جو شخص ان میں سے کسی گناہ کا ارتکاب کرے اور اسے سزا مل جائے تو وہ سزا اس کے لئے کفارہ بن جائے گی اور جس نے ان میں سے کسی گناہ کا ارتکاب کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی کی تو وہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، اگر چاہے تو عذاب دے اور چاہے تو اسے معاف فرمادے۔“

فتویٰ کمیٹی

قبروں پر سجدہ اور ذبح کرنے کا حکم

سوال: قبروں پر سجدہ کرنے اور ذبح کرنے کا کیا حکم ہے؟

سوال

جواب: قبروں پر سجدہ کرنا اور ذبح کرنا زمانہ جاہلیت کی بت پرستی اور شرک اکبر ہے کیونکہ یہ دونوں کام عبادت ہیں اور

جواب

عبادت صرف اللہ وحدہ ہی کے لئے ہے۔ جو شخص غیر اللہ کی عبادت کرے وہ مشرک ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ إِنْ صَلَّيْتُمْ وَنَسَّيْتُمْ وَنَسَّيْتُمْ وَمَسَّيْتُمْ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٦﴾ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا

أَوَّلُ الْمَسْلُومِينَ ﴿١٦٧﴾﴾ (الأنعام/۱۶۲-۱۶۳)

”(اے پیغمبر!) کہہ دو کہ میری نماز، میری عبادت، میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین ہی کے لئے ہے

جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی بات کا حکم ملا ہے اور میں سب سے اول فرماں بردار ہوں“

اور فرمایا:

﴿إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكُوفَرَةَ ﴿١﴾ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَأَحْزَرَ ﴿٢﴾﴾ (الکوثر/۱-۲)

”اے محمد! ہم نے آپ کو کوثر (خیر کثیر) عطا فرمائی ہے، پس اپنے پروردگار کیلئے نماز پڑھا کرو اور قرمائی کیا کرو۔“ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ سجدہ اور ذبح کرنا عبادت ہے اور غیر اللہ کے لئے سجدہ کرنا اور ذبح کرنا شرک ہے۔ بے شک انسان جب سجدہ و ذبح کے لئے قبروں کا رخ کرتا ہے تو اس کا مقصود قبروں کی تعظیم و توقیر ہی ہوتی ہے۔ امام مسلم نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث ذکر فرمائی ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں:

«حَدَّثَنِي رَسُولُ اللَّهِ، بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ: لَعَنَ اللَّهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللَّهِ، لَعَنَ اللَّهُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَيْهِ، لَعَنَ اللَّهُ مَنْ أُوِيَ مُحَدِّثًا، لَعَنَ اللَّهُ مَنْ غَيَّرَ مَنَارَ الْأَرْضِ» (صحیح مسلم، الاضاحی، باب تحریم اللبیح لغیر اللہ تعالیٰ، ح: ۱۹۷۸، سنن نسائی، کتاب الاضاحی، باب من ذبح لغیر اللہ عزوجل، ح: ۴۴۲۲)

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے چار باتیں ارشاد فرمائیں:

① اللہ تعالیٰ اس پر لعنت فرمائے جو غیر اللہ کے لئے ذبح کرے۔

② اللہ تعالیٰ اس پر لعنت فرمائے جو اپنے والدین پر لعنت کرے۔

③ اللہ تعالیٰ اس پر لعنت فرمائے جو کسی بدعتی کو ٹھکانا دے اور

④ اللہ تعالیٰ اس پر بھی لعنت فرمائے جو زمین کے نشانات کو تبدیل کرے۔“

اسی طرح امام ابوداؤد نے سنن میں بطریق ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے مقام بوانہ میں اونٹ ذبح کرنے کی نذر مانی اور اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:

«هَلْ كَانَ فِيهَا وَتَنٌ مِنْ أَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ؟ قَالُوا: لَا، قَالَ: فَهَلْ كَانَ فِيهَا عَيْدٌ مِنْ أَعْيَادِهِمْ؟ قَالُوا: لَا، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَوْفِ بِنَذْرِكَ، فَإِنَّهُ لَا وَفَاءَ لِنَذْرِ فِي

مَعْصِيَةِ اللَّهِ» (سنن أبي داود، كتاب الأيمان، باب ما يؤمر به من الوفاء بالنذر، ح: ۳۳۱۳)

”کیا وہاں زمانہ جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت ہے جس کی پوجا کی جاتی ہو؟“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب دیا ”نہیں۔“ آپ نے فرمایا ”کیا وہاں زمانہ جاہلیت کا کوئی میلہ منعقد ہوتا ہے؟“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جواب دیا ”نہیں“ تو

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”اپنی نذر کو پورا کر لو کیونکہ اس نذر کو پورا نہیں کرنا چاہئے جس میں اللہ کی نافرمانی ہو۔“

ان مذکورہ آیات و احادیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص غیر اللہ کے نام پر ذبح کرے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے نیز ایسی جگہ بھی جانور کو ذبح کرنا حرام ہے جہاں کسی بت یا کسی بھی غیر اللہ کی تعظیم کی جاتی ہو یا وہاں اہل جاہلیت کا کوئی میلہ ٹھہلا منعقد ہوتا ہو خواہ ذبح کرنے والے کا مقصود رضائے الہی کا حصول ہو۔

فتویٰ کمیٹی

مردوں کے لئے ذبح کرنے کا حکم

• بحث علمیہ والا فتاء کی فتویٰ کمیٹی کے پاس یہ سوال آیا کہ میرے ملک میں بعض لوگ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں

اور ان کی ایک عادت یہ بھی ہے کہ ان میں سے جب کوئی انسان فوت ہو جاتا ہے تو وہ ایک مخصوص طریقہ سے اس کے لئے گائے، بکری یا کوئی اور پالتو جانور ذبح کرتے ہیں اور اس کا گوشت اپنے ارد گرد کے لوگوں بشمول مسلمانوں میں تقسیم کر دیتے ہیں لیکن مسلمان اس گوشت کو قبول کرنے سے انکار کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ حرام ہے تو پھر وہ مسلمانوں کو گائے وغیرہ زندہ جانور ہی دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جانور لے لو اور اسے اپنے طریقے سے ذبح کر لو تاکہ یہ اس میت کی طرف سے صدقہ ہو جو کہ غیر اللہ کی عبادت کرتا رہا ہے۔ سوال یہ ہے کیا اس جانور کو لے کر اسلامی طریقہ سے ذبح کر کے اس کے گوشت کو مسلمانوں میں تقسیم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کیا یہ عمل ان کے کام میں شرکت سمجھا جائے گا؟ (جزا کم اللہ خیراً)

جواب غیر اللہ کی عبادت کرنا اور مردوں، غائب لوگوں اور درختوں اور دیگر غیر اللہ کے نام کی نذر ماننا یا ان سے مدد طلب کرنا شرک ہے۔ وہ شخص بہت اچھا کرتا ہے جو گائے بکری وغیرہ کے اس گوشت کو قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے جسے غیر اللہ کے بیماری اپنے مردوں کے نام پر ذبح کرتے ہیں، ہاں البتہ اس زندہ گائے اور بکری کے لینے میں کوئی حرج نہیں جسے ان سے لے کر اسلامی طریقہ کے مطابق ذبح کر لیا جائے بشرطیکہ ذبح کے وقت کا مُردہ کی وفات کے وقت سے تعلق نہ ہو، نہ ان کی بدعت میں شرکت ہو اور نہ ذبح کرنے اور گوشت تقسیم کرنے سے مقصود میت پر صدقہ کرنا ہو جب کہ میت غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں میں سے ہو اور اگر مسلمان اس جانور کو اس کی موت کے وقت یا اس کے جنازہ کے لے جانے کے وقت ذبح کریں تو جائز نہ ہو گا کیونکہ اس میں ان کی بدعت میں شراکت ہوگی۔

((وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

فتویٰ کمیٹی

مذتروں، تعویذوں اور دموں کے لکھنے کا حکم

سوال کچھ لوگ مریضوں، مجنونوں اور نفسیاتی بیماریوں میں مبتلا لوگوں کے لئے قرآن و سنت کے کلمات کو بطور تعویذ لکھتے ہیں، ہم نے انہیں ایسا نہ کرنے کی نصیحت کی تو انہوں نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے کلمات کو بطور تعویذ لکھنا منع نہیں حالانکہ یہ ایسے لوگوں پر بھی تعویذ لکھا دیتے ہیں جو پاک نہیں ہوتے مثلاً حیض اور نفاس والی عورت، مجنون و مدہوش مرد اور چھوٹا بچہ جسے عقل ہوتی ہے نہ طہارت کا شعور، تو کیا ان تعویذوں وغیرہ کا لکھنا جائز ہے؟

جواب نبی کریم ﷺ نے قرآن مجید، اذکار اور دعاؤں کے ساتھ دم کی اجازت دی ہے بشرطیکہ اذکار اور ادعیہ میں شرک نہ ہو یا وہ ایسے کلام پر مشتمل نہ ہوں جن کا مفہوم واضح نہ ہو۔ کیونکہ عوف بن مالک سے مروی ہے کہ ہم زمانہ جاہلیت میں دم کیا کرتے تھے اور اس بارے میں جب ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا:

«اعْرِضُوا عَلَيَّ رِقَاقَكُمْ، لَا بَأْسَ بِالرِّقَى مَا لَمْ يَكُنْ فِيهِ شِرْكٌ» (صحیح مسلم، کتاب السلام،

باب لا بأس بالرقي ما لم يكن فيه شرك، ح: ۲۲۰۰)

”میرے سامنے اپنے دم پیش کرو، دم میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ شرک نہ ہو۔“

اس طرح کے دم کے بارے میں علماء کا اجماع ہے کہ یہ جائز ہے بشرطیکہ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اس میں تاثیر صرف اسی صورت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ پیدا فرمادے۔ گردن یا جسم کے کسی دوسرے عضو کے ساتھ باندھا جانے والا تعویذ اگر قرآن کے علاوہ کچھ اور ہو تو حرام ہے بلکہ شرک ہے۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، رَأَى رَجُلًا فِي يَدِهِ حَلْقَةً مِنْ صُفْرٍ، فَقَالَ: مَا هَذَا؟ قَالَ: مِنْ الْوَاهِنَةِ فَقَالَ: انزِعْهَا فَإِنَّهَا لَا تَزِيدُكَ إِلَّا وَهْنًا، فَإِنَّكَ لَوْ مُتَّ وَهِيَ عَلَيْكَ مَا أَفْلَحْتَ أَبَدًا»

(سنن ابن ماجہ، کتاب الطب، باب تعليق التمام، ح: ۳۵۳۱، مسند احمد ۴/۴۵۵)

”نبی ﷺ نے ایک شخص کے ہاتھ میں پیتل کا پھلہ دیکھا تو فرمایا یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ واہنہ (کنزوری) کی وجہ سے ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ”اسے اتار دے یہ تجھے کنزوری کے سوا اور کوئی فائدہ نہ دے گا۔ اگر اس پھلہ کو پینے ہوئے تجھے موت آگئی تو تو کبھی نجات نہ پائے گا۔“

مسند احمد ہی کی ایک اور روایت میں ہے کہ:

«مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيمَةً فَقَدْ أَشْرَكَ» (احمد فی المسند ۴/۱۵۴، وأبو يعلى في المسند رقم: ۱۷۵۹ والمحاکم

فی المستدرک ۴/۴۱۷)

”جس نے تعویذ لٹکایا اس نے شرک کیا۔“

امام احمد اور ابوداؤد نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث ذکر کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ:

«إِنَّ الرُّهْفِيَّ وَالتَّمَامِيَّ وَالتَّوَلَّيَةَ شِرْكٌ» (سنن أبي داود، کتاب الطب، باب في تعليق التمام،

ح: ۳۸۸۳، مسند احمد ۱/۳۸۱)

”جھاڑ پھونک، تعویذ اور حب کے اعمال شرک ہیں۔“

خواہ جو اس نے لٹکایا ہو وہ قرآنی آیات ہی ہوں، صحیح بات یہی ہے کہ قرآنی آیات کا لٹکانا بھی ممنوع ہے اور اس کے

تین اسباب ہیں:

- ① تعویذ لٹکانے کی ممانعت کے بارے میں احادیث عام ہیں، تخصیص کی کوئی دلیل نہیں ہے۔
- ② سد ذریعہ کے لئے اس کی ممانعت ہے کیونکہ اس سے غیر قرآن لٹکانے کا راستہ کھلتا ہے۔
- ③ لٹکائے جانے والے کلمات کی توہین ہوتی ہے کیونکہ آدمی انہیں قضاے حاجت، استنجاء اور جنسی عمل کے وقت بھی اپنے ساتھ لٹکائے ہوتا ہے۔

قرآن مجید کی سورت یا آیات کا پلٹ یا کانڈ پر لکھنا اور پھر اسے پانی یا زعفران وغیرہ کے ساتھ دھونا اور اسے برکت یا علمی استفادہ یا کسب مال یا صحت و عافیت وغیرہ کے حصول کی نیت سے پینا نبی ﷺ سے ثابت نہیں۔ آپ نے خود کبھی اپنے لئے ایسا کیا نہ کسی دوسرے انسان کے لئے اور نہ آپ نے اس کے لئے صحابہ رضی اللہ عنہم یا امت میں سے کسی کو اجازت دی حالانکہ اس وقت اس کے دوائی اور اسباب بھی موجود تھے، لہذا بہتر یہ ہے کہ اسے ترک کر دیا جائے اور صرف اسی پر اکتفاء کیا جائے، جو شریعت میں ثابت ہے یعنی قرآن کریم، اسماء حسنیٰ اور رسول اللہ ﷺ سے ثابت اذکار اور دعائیں اور

ایسے کلمات جن کے معنی واضح ہوں، جن میں شرک کا شائبہ نہ ہو اور ایسے طریقے سے قرب الہی کے حصول کی کوشش کرنی چاہئے جو اس نے خود مقرر فرمایا ہے تاکہ ثواب حاصل ہو سکے، اللہ تعالیٰ پریشانیوں کو دور فرمادے، غم و فکر سے نجات دے دے، علم نافع سے سرفراز فرمائے۔ ایک مسلمان کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مقرر کردہ طریقے ہی کافی ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام اور ارشادات کو کافی سمجھے تو وہ اسے غیر اللہ سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی تو توفیق عطا فرمانے والا ہے!

فتویٰ کمیٹی

غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا شرک اکبر ہے

سوال میرے خاندان میں تقرب کے حصول کے لئے اولیائے کرام کی قبروں پر بکریوں کے ذبح کرنے کا رواج ہے۔ میں نے انہیں اس سے روکا لیکن اس سے ان کے عناد میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے ساتھ شرک ہے تو وہ کہنے لگے کہ ہم اللہ کی اسی طرح عبادت کرتے ہیں جس طرح اس کی عبادت کا حق ہے، لیکن اگر ہم اولیاء کی زیارت کریں اور اپنی دعاؤں میں اللہ تعالیٰ سے یوں کہیں کہ اپنے فلاں دلی کے طفیل ہمیں شفاء عطا فرمایا ہماری فلاں مصیبت کو دور کر دے تو بھلا اس میں گناہ کی کون سی بات ہے؟ میں نے کہا کہ ہمارا دین واسطے کا دین نہیں ہے تو وہ کہنے لگے کہ ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دو.... میرا آپ سے سوال یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے علاج کے لئے آپ کون سا حل بہتر سمجھتے ہیں؟ ان کے مقابلہ میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟ میں اس بدعت کا کس طرح مقابلہ کروں؟ شکریہ!

جواب کتاب و سنت کے دلائل سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ غیر اللہ خواہ وہ اولیاء ہوں یا جن، بت ہوں یا دیگر مخلوقات، ان کے لئے ذبح کر کے تقرب حاصل کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک اور جاہلیت و مشرکین کے اعمال میں سے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمِمَّا يُؤْتِي رَبِّي الْعَالَمِينَ ﴿١٦٦﴾ لَا شَرِيكَ لِي وَلَا شَرِيكَ لَكُمْ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْكَافِرِينَ ﴿١٦٧﴾ ﴾ (الانعام ١٦٢/١٦٣)

”(اے پیغمبر!) کہہ دیجئے کہ میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین ہی کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا فرماں بردار ہوں۔“

”نسک“ کا معنی ذبح کرنا ہے۔ اس آیت میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ غیر اللہ کے لئے ذبح کرنا بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک ہے جس طرح غیر اللہ کے لئے نماز پڑھنا شرک ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكُوفَرَ ﴿١﴾ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَسِرْ ﴿٢﴾ ﴾ (الکوثر ١/٢)

”(اے محمد) ہم نے آپ کو کوفہ (ہمت بڑی خیر و برکت) عطا فرمائی ہے۔ سو (آپ اس کے شکر میں) اپنے پروردگار کے لئے نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے۔“

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنے رب کے لئے نماز ادا کریں اور اسی کے

لئے قربانی کریں جب کہ مشرکین غیر اللہ کو سجدہ کرتے اور غیر اللہ ہی کے نام پر ذبح کرتے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا لِيَاثَهُ﴾ (الإسراء ۱۷ / ۲۳)

”اور تمہارے پروردگار نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔“

نیز فرمایا:

﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ﴾ (البينة ۹۸ / ۵)

”اور ان کو حکم تو یہی ہوا تھا کہ اخلاص عمل کے ساتھ یکسو ہو کر اللہ کی عبادت کریں۔“

اس مضمون کی آیات بہت سی ہیں۔ ذبح کرنا عبادت ہے لہذا ضروری ہے کہ ذبح بھی صرف اللہ ہی کے نام پر کیا جائے۔ امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَعَنَ اللَّهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللَّهِ» (صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، باب تحریم الذبیح لغير الله وتعالیٰ ولعن

فاعله، ح: ۱۹۷۸)

”جو شخص غیر اللہ کے لئے ذبح کرے اللہ اس پر لعنت فرمائے۔“

رہی قائل کی یہ بات کہ میں اللہ تعالیٰ سے جتنی اولیاء یا بچاہ اولیاء یا جتنی بی بی یا بچاہ بنی سوال کرتا ہوں، تو یہ شرک تو نہیں لیکن جمہور اہل علم کے نزدیک بدعت اور وسیلہ شرک ضرور ہے کیونکہ دعاء عبادت ہے اور اس کی کیفیت تو قیضی امور سے تعلق رکھتی ہے۔ اور ہمارے نبی ﷺ سے یہ ثابت نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ مخلوق میں سے کسی کے حق یا جاہ کے ساتھ توسل شرعاً جائز ہے، لہذا کسی بھی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ وسیلہ کی کوئی ایسی صورت ایجاد کرے جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنَ بِهِ اللَّهُ﴾ (الشوریٰ ۴۲ / ۲۱)

”کیا ان کے وہ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے ایسا دین مقرر کیا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا۔“

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ أَحَدَثَ فِيهِ أَمْرًا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ» (صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب إذا

اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود: ۲۶۹۷، صحیح مسلم، کتاب الأفضیة، باب نقض الاحکام

الباطلة... ح: ۱۷۱۸)

”جس نے ہمارے اس دین (اسلام) میں کوئی ایسی نئی بات ایجاد کی جو اس میں نہ تھی تو وہ مردود ہے۔“

اس حدیث کی صحت پر امام بخاری اور مسلم کا اتفاق ہے۔ اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے جسے امام بخاری نے بھی اپنی ”صحیح“ میں تعلقاً ذکر فرمایا ہے کہ:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ» (صحیح مسلم، کتاب الأفضیة، باب نقض الاحکام

الباطلة... ح: ۱۷۱۸، صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب رقم: ۲۰)

”جس نے کوئی ایسا کام کیا جو ہمارے دین (اسلام) میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔“

رسول اللہ ﷺ کے فرمان ”رد“ کے معنی یہ ہیں کہ اسے کام کرنے والے کے منہ پر دے مارا جائے گا اور ہرگز ہرگز قابل قبول نہ ہوگا، لہذا مسلمانوں پر یہ فرض ہے کہ صرف اس کی پابندی کریں جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور اس سے اجتناب کریں جو بدعات لوگوں نے ایجاد کر رکھی ہیں۔ جس وسیلہ کی شریعت میں اجازت ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ اس کی صفات، اس کی توحید، اعمال صالحہ، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ ایمان، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت اور اس طرح کے دیگر نیکی اور بھلائی کے کاموں کے ساتھ وسیلہ ہے۔ (واللہ ولی التوفیق)

شیخ ابن باز

ممنوع اور جائز دم جھاڑ

سوال حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ:

«إِنَّ الرُّثْفِيَّ وَالتَّمَائِمَ وَالتَّوَلَّاتِ شِرْكًا» (سنن أبي داود، كتاب الطب، باب في تعليق التمام، ح: ۳۸۸۳، مسند احمد ۱/۳۸۱)

”جھاڑ پھونک، تعویذ اور حب کے اعمال شرک ہیں“

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

«كَانَ لِي خَالَ يَرْقِي مِنَ الْعُقْرَبِ فَنَهَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، عَنِ الرُّثْفِيَّ، قَالَ: فَاتَّأَهُ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّكَ نَهَيْتَ عَنِ الرُّثْفِيَّ وَأَنَا أَرْقِي مِنَ الْعُقْرَبِ فَقَالَ: مَنْ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَنْفَعَ أَخَاهُ فَلْيَفْعَلْ» (صحيح مسلم، كتاب السلام، باب استحباب الرقية من العين والنملة ... ح: ۲۱۹۹)

”میرا ایک ماموں بچھو کے کالے کیلئے دم کیا کرتا تھا، جب نبی ﷺ نے جھاڑ پھونک سے منع فرمایا تو وہ آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا: ”یا رسول اللہ ﷺ!“ آپ نے جھاڑ پھونک سے منع فرمایا ہے، اور میں بچھو کے کالے کا دم کرتا ہوں۔“ تو آپ نے فرمایا: ”اگر تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے تو اسے فائدہ پہنچانا چاہئے۔“

جھاڑ پھونک کے موضوع سے متعلق ممانعت اور جواز کی ان حدیثوں میں تطبیق کی کیا صورت ہوگی؟ اگر کوئی بیمار آدمی اپنے سینے پر قرآنی آیات والا تعویذ لٹکائے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

جواب جس جھاڑ پھونک سے منع کیا گیا ہے اس سے مراد وہ ہے جس میں شرک ہو یا غیر اللہ کے ساتھ توسل (وسیلہ پکڑنا) ہو یا ایسے مجہول الفاظ ہوں۔ جن کے معنی معلوم نہ ہوں، باقی رہے وہ دم جھاڑ جو ان سے پاک ہوں تو وہ شرعاً جائز اور شفاء کا ایک بڑا سبب ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لَا بَأْسَ بِالرُّثْفِيَّ مَا لَمْ يَكُنْ شِرْكًا» (صحيح مسلم، كتاب السلام، باب لا بأس بالرقى ... ح: ۲۲۰۰)

”جس دم جھاڑ میں شرک نہ ہو اس میں کوئی حرج نہیں۔“

نیز آپ نے فرمایا ہے:

«مَنْ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَنْفَعَ أَخَاهُ فَلْيَنْفَعْهُ» (صحیح مسلم، کتاب السلام، باب استحباب الرقية من العين والنملة ...، ح: ۵۷۲۹)

”جو شخص اپنے بھائی کو فائدہ پہنچا سکتا ہو اسے ضرور پہنچانا چاہئے۔“

ان دونوں حدیثوں کو امام مسلم نے اپنی ”صحیح“ میں بیان فرمایا ہے۔ نیز نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«لَا رُقِيَةَ إِلَّا مِنْ عَيْنٍ أَوْ حُمَةِ» (صحیح بخاری، کتاب الطب، باب من اکتوى أو كوى ...،

ح: ۵۷۰۵، و صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب لدليل على دخول طوائف ...، ح: ۲۲۰۰)

”دم جھاڑ نظر بد اور ڈسے جانے سے ہوتا ہے۔“

اس کے معنی یہ ہیں کہ ان دو باتوں ہی میں دم جھاڑ زیادہ بہتر اور زیادہ شفاء بخش ہوتا ہے اور نبی ﷺ نے خود دم کیا بھی ہے اور کرایا بھی ہے۔ باقی رہا مریضوں یا بچوں کے گلے میں تعویذ لٹکانا تو یہ جائز نہیں، جو تعویذ لٹکائے جائیں انہیں تمام، حرز اور جوامع کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور ان کے بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ یہ حرام اور شرک کی انواع و اقسام میں سے ایک ہیں کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ لَبَسَ تَمِيمَةً فَلَا أَتَمَّ اللَّهُ لَهُ، وَمَنْ تَعَلَّقَ وَدَعَةَ فَلَا وَدَعَ اللَّهُ لَهُ» (مسند احمد ۴/۱۵۴،

مجمع الزوائد ۵/۱۰۳، وابوعلی فی المسند رقم: ۱۷۵۹)

”جو شخص تعویذ پہنے اللہ اس کی مراد پوری نہ کرے اور جو شخص تپی (گھونگا) لٹکائے اللہ اسے آرام نہ دے۔“

نیز آپ نے فرمایا:

«مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيمَةً فَقَدْ أَشْرَكَ» (احمد فی المسند ۴/۱۵۶، والحاکم فی المستدرک ۴/۱۷، وفي

مجمع الزوائد ۵/۱۰۳)

”جس شخص نے تعویذ لٹکایا اس نے شرک کیا۔“

نیز فرمایا:

«إِنَّ الرُّقِيَّ وَالْتَمَامَ وَالنَّوْلَةَ شِرْكٌ» (سنن أبي داؤد، کتاب الطب، باب فی تعليق التمام، ح: ۳۸۸۳)

”جھاڑ پھونک، تعویذ اور حب کے اعمال شرک ہیں۔“

جو تعویذ قرآنی آیات اور جائز دعاؤں پر مشتمل ہوں، ان کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ حرام ہیں یا نہیں؟

صحیح بات یہ ہے کہ وہ بھی حرام ہیں اور اس کے دو سبب ہیں:

① مذکورہ احادیث کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر طرح کے تعویذ حرام ہیں خواہ وہ قرآنی آیات پر مشتمل ہوں یا غیر قرآنی کلمات پر!

② شرک کے سدباب کے لئے یہ بھی حرام ہیں کیونکہ اگر قرآنی آیات پر مشتمل تعویذوں کو جائز قرار دے دیا جائے تو ان میں دوسرے بھی شامل ہو کر معاملے کو مشتبہ بنا دیں گے اور ان تعویذوں کے لٹکانے سے شرک کا دروازہ کھل جائے گا۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ جو ذرائع شرک اور گناہوں تک پہنچانے والے ہوں، ان کا بند کر دینا قواعد

شریعت میں سے ایک بہت بڑا قاعدہ ہے اور توفیق عطا فرمانے والا تو اللہ ہی ہے!

شیخ ابن باز

تعویذ لکھانے والے کا ذبیحہ

سوال

جو شخص قرآن یا غیر قرآن کا تعویذ یا گرہ لگائے ہوئے دھاگے لکائے، اس کے ذبیحہ کا کیا حکم ہے؟

جواب

تمام تسمیہ کی جمع ہے اس سے مراد وہ سب کے سب، پتلی، گھونگا اور تعویذ ہیں جو بچوں، عورتوں اور حیوانوں وغیرہ کی گردنوں میں یا سینوں کے وسط پر یا بالوں میں لکائے جاتے ہیں تاکہ شر سے محفوظ رہا جائے اور جو ضرر نازل ہو چکا ہو اسے دور کیا جاسکے تو یہ منع ہے بلکہ شرک ہے کیونکہ نفع و نقصان صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے، اللہ کے سوا کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ:

«إِنَّ الرَّفِيَّ وَالتَّمَائِمَ وَالتَّوَلَّةَ شِرْكٌ» (سنن أبي داود، كتاب الطب، باب في تعليق التمانم، ح: ۳۸۸۳)

”جھاڑ بھونک، تعویذ اور حب کے اعمال شرک ہیں۔“

عبداللہ بن عکیم رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ:

«مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وَكَلَّ إِلَيْهِ» (سنن ترمذی، كتاب الطب، ما جاء في كراهية التعليق، ح: ۲۰۷۲، احمد

في المسند/ ۴، ۳۱۰، ۳۱۱)

”جو شخص کوئی چیز لکائے اسے اسی کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔“

حضرت ابو بشیر انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«أَنَّهُ كَانَ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، فَأَرْسَلَ رَسُولًا أَلَّا تَبْقَيْنَ فِي رَهْبَةٍ بَعِيرٍ قَلَادَةً مِنْ وَتَرٍ أَوْ قِلَادَةً

إِلَّا قَطَعْتَ» (صحيح بخاري، كتاب الجهاد والسير، باب ما قيل في الجرس... ح: ۳۱۰۵)

کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے جب آپ نے ایک قاصد کو بھیجا کہ کسی اونٹ کی گردن میں کوئی ایسی رسی باقی

نہ رہنے دی جائے (جو نظرد وغیرہ کے سلسلہ میں لوگ باندھ دیا کرتے تھے) مگر اسے کاٹ دیا جائے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹوں پر رسیوں کے لکھانے سے مطلقاً منع فرمایا ہے خواہ ان میں گرہیں

لگائی گئی ہوں یا نہ لگائی گئی ہوں، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان رسیوں کے کاٹ دینے کا حکم دیا کیونکہ زمانہ جاہلیت کے لوگ اونٹوں

پر رسیاں باندھتے، ان کی گردنوں میں ہار ڈالتے اور انہیں تعویذ پہناتے تھے تاکہ انہیں آفات اور نظرد سے محفوظ رکھ

سکیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان سب باتوں سے سختی سے منع فرما دیا اور ان چیزوں کے کاٹ دینے کا حکم دیا لہذا اگر کوئی

شخص یہ عقیدہ رکھے کہ ان تعویذوں اور منتروں، جنزروں میں حصول منفعت اور دفع مضرت کے سلسلہ میں ذاتی تاثیر ہے تو

وہ مشرک اور شرک اکبر کا مرتکب ہے، جس کی وجہ سے وہ ملت اسلامیہ سے خارج ہو جاتا ہے۔ والعیاذ باللہ۔ ایسے شخص کا

ذبیحہ کھانا حلال نہیں۔

جو شخص ان تعویذوں وغیرہ کو محض اسباب سمجھتا اور یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ نفع و نقصان کا اختیار اللہ تعالیٰ کے ہاتھ

میں ہے اور وہی اسباب سے نتائج پیدا کرتا ہے تو وہ شرک اصغر کا ارتکاب کرتا ہے کیونکہ یہ اسباب عادی ہیں نہ شرعی بلکہ

یہ وہی ہیں۔ ہاں! البتہ بعض علماء نے ایسے تعویذوں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے جو قرآنی آیات پر مشتمل ہوں، انہوں نے ان کے استعمال کی اجازت دی ہے اور ممانعت کی احادیث کو ایسے تعویذوں پر محمول کیا ہے جو غیر قرآنی ہوں لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ممانعت کی احادیث عام ہیں، نبی ﷺ سے قرآنی تعویذوں کی تخصیص ثابت نہیں ہے، سد ذریعہ کا بھی یہی تقاضا ہے کیونکہ پھر آدمی ایسے تعویذ بھی استعمال کرنے لگ جاتا ہے جو غیر قرآنی ہوں، قرآنی ہونے کی صورت میں قرآن مجید کی بے ادبی کا بھی احتمال ہے ہاں البتہ قرآنی تعویذ استعمال کرنے والے کے ذبیحہ کو کھایا جاسکتا ہے کیونکہ وہ اس میں تاثیر و برکت کا عقیدہ رکھتا ہے اور یہ عقیدہ اسے ملت اسلامیہ سے خارج نہیں کرتا اور پھر اس لئے بھی کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام اس کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔

فہمی کمیٹی

تعویذوں کے لٹکانے کا حکم

کیا قرآنی اور غیر قرآنی تعویذوں کے لٹکانے سے انسان کافر ہو جاتا ہے؟

سوال

لوگ جن تعویذوں کو استعمال کرتے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں:

جواب

① قرآنی آیات پر مشتمل تعویذ اور ② غیر قرآنی کلمات پر مشتمل تعویذ

اگر تعویذ قرآنی آیات پر مشتمل ہوں، تو ان کے بارے میں علماء سلف کے دو قول ہیں:

پہلا قول ”ایسے تعویذوں کو بھی استعمال کرنا جائز نہیں“ یہ ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ حدیفہ، عقبہ بن عامر اور ابن عکیم کا بھی بظاہر قول یہی ہے، تابعین کی ایک جماعت کا بھی یہی قول ہے، جن میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد بھی ہیں۔ امام احمد رضی اللہ عنہ کی ایک روایت کے مطابق اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی قول تھا۔ متاخرین نے بھی بڑے وثوق کے ساتھ اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ کیونکہ یہ قول اس حدیث پر مبنی ہے جسے امام احمد اور ابو داؤد وغیرہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوتے سنا کہ:

«إِنَّ الرُّشْفِيَّ وَالتَّمَامِيَّ وَالتَّوَلَّكَ سِرْكًا» (سنن أبي داود، كتاب الطب، باب في تعليق التمام،

ح: ۳۸۸۳، احمد في المسند ۱/۳۸۱، وابن ماجه في السنن رقم: ۳۵۷۶)

”جھاڑ پھونک، تعویذ اور حب کے اعمال شرک ہیں۔“

شیخ عبدالرحمن بن حسن آل شیخ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ یہی قول صحیح ہے اور اس کے تین سبب ہیں جو غور کرنے والے کے سامنے ظاہر ہو جاتے ہیں اور وہ یہ ہیں:

① ممانعت کی احادیث عام ہیں اور عام کو خاص کرنے والی کوئی حدیث نہیں ہے۔

② شرکیہ و بدعیہ تعویذات کا ذریعہ بند کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کو بھی ممنوع قرار دیا جائے۔

③ قرآنی آیات سے لکھے ہوئے تعویذات گلے میں ڈالنے والا لازمی طور پر قضاء حاجت اور استنجاء کی حالت میں بھی

انہیں اپنے ساتھ رکھے ہو گا اور اس طرح قرآنی آیات کی توہین اور بے ادبی ہوگی۔

دوسرا قول جواز کا ہے اور یہ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا قول ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی بظاہر یہی مردی

ہے۔ ابو جعفر باقر اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا بھی یہی قول ہے اور ممانعت کی حدیث کو انہوں نے ایسے تعویذوں پر محمول کیا ہے جو شریک ہوں کیونکہ حدیث کے الفاظ (إِنَّ الرُّفْيَ وَالنَّمَائِمَ وَالنَّوَلَةَ شُرُكٌ) عام ہیں۔

فتویٰ کمیٹی

شعبہ بازوں سے علاج کرانا

سوال کچھ لوگ بزم خود شعبہ بازی کے طبی طریقہ سے علاج کرتے ہیں، جب میں ان میں سے کسی کے پاس جاؤں تو وہ مجھے کہتا ہے کہ اپنا اور اپنی والدہ کا نام لکھو اور پھر کل ہمارے پاس آؤ اور پھر جب کوئی ان کے پاس جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ تجھے فلاں فلاں مصیبت آئی ہے اور اس کا علاج یہ ہے... ان میں سے کوئی یہ بھی کہتا ہے کہ میں کلام اللہ سے علاج کرتا ہوں، ایسے لوگوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے اور ان کے پاس جانے کا کیا حکم ہے؟

جواب جو شخص علاج میں ایسا طریقہ استعمال کرتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ جنوں سے خدمت لیتا اور علم غیب کا دعویٰ کرتا ہے لہذا ایسے شخص کے پاس جانا، اس سے سوال کرنا اور اس سے علاج کرانا جائز نہیں ہے کیونکہ اس طرح کے لوگوں کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ أَتَى عَرَافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَوةُ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً» (صحیح مسلم، کتاب

السلام، باب تحريم الكهانة واتبان الكهان، ح: ۲۲۳۰ واحمد في المسند، ۶۸/۴، ۳۸۰/۵)

”جس شخص نے کسی نجومی کے پاس جا کر کچھ پوچھا تو اس کی چالیس روز تک نماز قبول نہ ہوگی۔“

اور بھی بہت سی احادیث سے کاہنوں، نجومیوں اور جادوگروں کے پاس جانے اور ان سے سوال کرنے اور ان کی تصدیق کرنے کی ممانعت آئی ہے، چنانچہ آپ نے فرمایا:

«مَنْ أَتَى كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أَنْزَلَ عَلَى مُحَمَّدٍ ﷺ» (سنن أبي داود،

کتاب الطب، باب في الكهان، ح: ۳۹۰۴، وخرجه الترمذي في الجامع رقم: ۱۳۵، وابن ماجه في السنن

رقم: ۶۳۹، واحمد في المسند ۲/۴۰۸، ۴۷۶)

”جو شخص کسی کاہن و نجومی کے پاس کوئی سوال پوچھنے کے لئے جائے اور پھر اسکے جواب کی تصدیق بھی کرے تو اس نے اس شریعت کا انکار کیا جسے محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے۔“

جو شخص بھی کنکریاں مارنے یا گھونگھے اور سیپیاں استعمال کرنے یا زمین پر لکیریں کھینچنے یا مریض سے اس کے، اس کی ماں یا اس کے رشتہ داروں کے نام پوچھ کر علم غیب کا دعویٰ کرتا ہے تو یہ سب باتیں دلیل ہیں کہ وہ نجومیوں اور کاہنوں میں سے ہے، جن سے سوال کرنے اور جن کی تصدیق کرنے سے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

شیخ ابن باز

مجمول تعویذوں اور منتروں کا حکم

سوال استاد گرامی! میں نے راستہ میں ایک لکھا ہوا کاغذ دیکھا اور چاہا کہ اسے راستہ سے دور کر دوں تاکہ یہ پاؤں تلے پامال

نہ ہو لیکن جب اس پر نظر پڑی تو اس میں قرآنی آیات تھیں اور ساتھ ایک عبارت بھی لکھی ہوئی تھی، امید ہے کہ آپ مجھے اسکا کامل مفہوم سمجھائیں گے اور یہ بھی فرمائیں گے کہ اسکا کیا حکم ہے یعنی کیا یہ حلال ہے یا حرام؟ عبارت یہ تھی:

”اسے سونے کی انگوٹھی میں نقش کیا جائے، عود و عنبر کی خوشبو لگائی جائے اور مکمل طہارت پر پہنا جائے اور ایک ہفتہ تک ہر نماز کے بعد اللہ تعالیٰ کا ایک نام ۱۱۳۰ بار اس طرح پڑھے کہ ہر ماہ کے پہلے جمعہ کی نماز صبح سے شروع کرے اور جمعرات کو عشاء کی نماز کے بعد ختم کرے، اس کے بعد بقدر استطاعت ہر فرض نماز کے بعد دو اسم پڑھے، اس سے بہت عجیب و غریب اسرار ظاہر ہوں گے، جن کی قیمت کو بیان ہی نہیں کیا جاسکتا، آپ بھی ان کے اسرار کو اپنے بیٹے یا کسی بھی دوسرے شخص کے سامنے بیان نہ کیجئے تاکہ انہیں کوئی بند گان الہی کو نقصان یا ایذا پہنچانے کے لئے استعمال نہ کر سکے۔“

جواب سوال میں جو کچھ مذکور ہے اس کے مطابق عمل جائز نہیں ہے اور نہ اسے بطور نقش یا تعویذ استعمال کرنا ہی جائز ہے کیونکہ یہ نقش جہول ہے، ممکن ہے اس میں شریکیت کلمات بھی ہوں۔ اس میں وقت اور تعداد کا جو تعین کیا گیا ہے یہ بھی غیر شرعی ہے اس میں دو ناموں کا ذکر ہے لیکن یہ ذکر نہیں کہ وہ دو نام کون سے ہیں تو اس طرح کی سب باتیں حرام ہیں، ان کے مطابق عمل جائز نہیں، جو شخص ایسی باتوں میں مبتلا ہو اسے ان سے فوراً چھٹکارا حاصل کر لینا چاہئے، ان اذکار کو ترک کر دینا چاہئے۔ انگوٹھی کے نقش کو مٹا دینا چاہئے اور عود و عنبر کے ساتھ اسے خوشبو لگانا ترک کر دینا چاہئے اور آئندہ کے لئے ان سب باتوں سے توبہ کرنی چاہئے۔

فہمی کیٹی

شعبہ بازوں اور جہول لوگوں سے علاج کرانا جائز نہیں

سوال بعض لوگ اپنے مرگی کے مریض کو بعض عرب اطباء کے پاس لے جاتے ہیں اور یہ طبیب جنوں کو حاضر کرتے ہیں اور ان سے عجیب و غریب قسم کی حرکتیں صادر ہوتی ہیں۔ یہ مریض کو بھی کچھ عرصہ کے لئے چھپا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس پر جن یا جادو کا اثر ہے۔ ان کے علاج سے مریضوں کو بسا اوقات شفاء بھی مل جاتی ہے اور ان کے اس علاج کی اجرت بھی انہیں دی جاتی ہے، تو سوال یہ ہے کہ ان سے علاج کرانے کا کیا حکم ہے؟ نیز ایسے تعویذوں کے ساتھ علاج کا کیا حکم ہے جن میں قرآنی آیات لکھی جاتی ہیں اور انہیں پانی میں حل کر کے مریضوں کو پلایا جاتا ہے؟

جواب مرگی اور جادو کے مریض کا قرآنی آیات اور جائز دواؤں سے علاج جائز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ معالج کا عقیدہ اچھا ہو اور وہ شرعی امور کا پابند ہو۔ باقی رہا ان لوگوں سے علاج کرانا جو علم غیب کا دعویٰ کرتے یا جنوں کو حاضر کرتے، یا شعبہ باز اور جہول الخال ہوں اور ان کے علاج کی کیفیت بھی معلوم نہ ہو تو ان کے پاس جانا، ان سے سوال کرنا اور ان سے علاج کرانا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ آتَى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَوةُ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً» (صحیح مسلم، کتاب

السلام، باب تحريم الكهانة واتبان الكهان، ح: ۲۲۳۰ واحمد في المسند، ۶۸/۴، ۳۸۰/۵)

”جس شخص نے کسی نجومی کے پاس جا کر کچھ پوچھا تو چالیس روز تک اس کی نماز قبول نہ ہوگی۔“

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَتَى عَرَافًا أَوْ كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ ﷺ» (سنن أبي داود، كتاب الطب، باب في الكهان، ح: ۳۹۰۴، واخرجه الترمذي في الجامع رقم: ۱۳۵، وابن ماجه في السنن رقم: ۶۳۹، واحمد في المسند ۲/۴۰۸، ۴۷۶)

”جو شخص کسی نجومی یا کاہن کے پاس کوئی سوال پوچھنے کے لئے جائے اور پھر اس کے جواب کی تصدیق بھی کرے تو اس نے اس شریعت کا انکار کر دیا جسے محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے۔“

اس حدیث کو امام احمد اور اہل سنن نے جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اس موضوع کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں جو سب اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ نجومیوں اور کاہنوں سے سوال کرنا اور ان کی تصدیق کرنا حرام ہے۔ کاہنوں اور نجومیوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو علم غیب کا دعویٰ کرتے ہیں یا جنوں سے مدد لیتے ہیں یا ان کے اعمال اور تصرفات سے ایسا معلوم ہوتا ہو۔ انہی جیسے لوگوں کے بارے میں وہ مشہور حدیث وارد ہے جسے امام احمد اور ابو داؤد نے جید سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں:

«سُئِلَ النَّبِيُّ ﷺ، عَنِ النَّشْرَةِ فَقَالَ: هِيَ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ» (سنن أبي داود، كتاب الطب، باب في النشرة، ح: ۳۸۶۸)

”نبی کریم ﷺ سے ”نشرہ“ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا ”یہ شیطانی عمل ہے۔“ علماء نے ”نشرہ“ کے بارے میں لکھا ہے کہ اس سے مراد اہل جاہلیت کا جادو کے ذریعہ جادو کو دور کرنا ہے اور اس میں ہر وہ علاج بھی شامل ہے جس میں کاہنوں، نجومیوں، جھوٹے لوگوں اور شعیدہ بازوں سے مدد لی جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ تمام بیماریوں اور مرگی وغیرہ کی تمام قسموں کا شرعی طریقوں اور مباح وسائل سے علاج جائز ہے۔ اور انہی وسائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مریض پر قرآنی آیات اور شرعی دعائیں پڑھ کر دم کیا جائے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَا بَأْسَ بِالرُّقِيِّ مَا لَمْ يَكُنْ شِرْكًَا» (صحیح مسلم، كتاب السلام، باب لا باس بالرقي ...، ح: ۲۲۰۰)

”دم کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ شرک نہ ہو“

اور آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ:

«عِبَادَ اللَّهِ تَدَاوَوْا وَلَا تَدَاوَوْا بِحَرَامٍ» (سنن أبي داود، كتاب الطب، باب في الادوية المكروهة، ح: ۳۸۷۴)

”اللہ کے بندو! علاج کرو لیکن حرام کے ساتھ علاج نہ کرو۔“

آیات کریمہ اور شرعی دعاؤں کے صاف پلیٹ یا صاف کاغذوں پر زعفران سے لکھنے اور دھو کر مریضوں کو پلانے میں کوئی حرج نہیں، بہت سے سلف سے یہ ثابت ہے جیسا کہ علامہ ابن قیم رضی اللہ عنہ نے زاد المعاد وغیرہ میں لکھا ہے۔ لکھنے والے

کے لئے بھی ضروری ہے کہ خیر و استقامت میں معروف لوگوں میں سے ہو۔ واللہ ولی التوفیق۔

شیخ عبد العزیز بن باز

قرآن کے ساتھ علاج کا حکم

قرآن مجید کے ساتھ علاج کرنے اور تعویذ وغیرہ استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟

سوال

قرآن مجید کے ساتھ علاج جائز ہے کیونکہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں:

جواب

«انطلق نفر من أصحاب النبي ﷺ، في سفرة سافروها، حتى نزلوا على حى من أحياء العرب فاستصافوهم فأبوا أن يضيئوهم، فلدغ سيّد ذلك الحي، فسعوا له بكل شيء لا ينفعه شيء فقال بعضهم: لو أتيتهم هؤلاء الرهط الذين نزلوا لعلهم أن يكون عند بعضهم شيء فاتوهم فقالوا: يا أيها الرهط إن سيدنا لدغ، وسعينا له بكل شيء لا ينفعه شيء فهل عند أحد منكم من شيء؟ فقال بعضهم: نعم، والله إني لأرقي، ولكن استصفاكم فلم تضيئونا فما أنا برأقي حتى تجعلوا لنا جعلا، فصالحوهم على قطع من الغنم، فانطلق ينقل عليه ويقرا: الحمد لله رب العالمين، فكأنما نشط من عقال، فانطلق يمشي وما به قلبه قال: فأوفوهم جعلهم الذي صالحوهم عليه فقال بعضهم اقتسموا، فقال الذي رقى: لا تفعلوا حتى تأتي رسول الله ﷺ، فنذكر له الذي كان فننظر ما يأمرنا، فقدموا على النبي ﷺ، فذكروا له ذلك، فقال: وما يدريك أنها رقية، ثم قال: لقد أصبتم اقتسموا واضربوا لي معكم سهما» (صحيح بخاري، كتاب الاجارة، باب ما يعطى في الرقية على احياء العرب بفتاحة الكتاب، ح: ٢٢٧٦، صحيح مسلم، كتاب السلام، باب جواز اخذ الاجرة على الرقية بالقرآن والاذكار، ح: ٢٢٠١، وسنن أبي داود رقم: ٣٤١٨، واخرجه الترمذي في الجامع رقم: ٣٠٦٣، ٢٠٦٤ وابن ماجه في السنن رقم: ٢١٥٦، واحمد في المسند رقم: ٤٤، ١٠/٣)

”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سفر میں تھی حتیٰ کہ وہ ایک عرب قبیلے کے پاس سے گزرے تو انہوں نے ان سے (عربوں کے دستور کے مطابق) مطالبہ کیا کہ وہ ان کی مہمان نوازی کرس لیکن انہوں نے ان کی مہمان نوازی کرنے سے انکار کر دیا ادھر اس قبیلے کے سربراہ کو بچھونے ڈس لیا تو انہوں نے اس کے علاج کے لئے ہر کوشش کر دیکھی لیکن اسے کچھ فائدہ نہ ہوا تو بعض نے کہا کہ اس آنے والے قافلہ کے لوگوں سے پوچھ لیتے ہیں شاید ان کے پاس کوئی چیز ہو! تو وہ ان کے پاس آئے اور کہنے لگے اے قافلہ والو! ہمارے سردار کو بچھو نے ڈس لیا ہے اور ہم نے ہر جتن کر دیکھا ہے لیکن اسے کسی چیز سے فائدہ نہیں ہوا، کیا تم میں سے کسی کے پاس کوئی چیز ہے؟ ان میں سے ایک نے کہا ”اللہ کی قسم! میں دم کرتا ہوں لیکن بات یہ ہے کہ ہم نے تم سے مہمان نوازی کا مطالبہ کیا تو تم نے ہماری مہمان نوازی نہ کی لہذا میں تو اس وقت تک دم نہ کروں گا جب تک

تم اس کی مزدوری نہ دو گے۔

بکریوں کے ایک ریوڑ پر سمجھوتہ ہو گیا اور یہ شخص گیا اور اس نے اس کے پاس جا کر ”الحمد للہ رب العالمین“ کو پڑھنا اور اس کے ساتھ اسے دم کرنا شروع کر دیا تو وہ یوں ہو گیا گویا اسے رسی سے کھول دیا گیا ہو اور پھر بالآخر مکمل صحت یاب ہو گیا تو انہوں نے وہ مزدوری دے دی جس پر سمجھوتہ ہوا تھا۔ اب ان میں سے بعض نے کہا کہ ہم ان بکریوں کو تقسیم کر لیں لیکن جس نے دم کیا تھا اس نے کہا کہ نہیں ابھی تقسیم نہ کرو حتیٰ کہ ہم نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوں، یہ سارا واقعہ بیان کریں اور پھر دیکھیں گے کہ آپ کیا حکم دیتے ہیں۔ یہ سب لوگ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا: ”تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ دم ہے؟“ پھر فرمایا: ”تم نے ٹھیک کیا ہے، بکریوں کو آپس میں تقسیم کر لو اور ان میں میرا حصہ بھی رکھو۔“

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن مجید کے ساتھ علاج کرنا شرعاً جائز ہے لیکن علماء کے صحیح قول کے مطابق قرآن مجید کو بطور تعویذ استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔

فتویٰ کمیٹی

کتاب حصن حصین اور حرز الجوشن وغیرہ

سوال دم اور تعویذ اگر قرآن مجید سے ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ اگر میں اپنے ساتھ ”حصن حصین“ یا کتاب ”حرز الجوشن“ یا ”سبع عقود سلیمانیہ“ رکھوں تو اس کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ صحیح ہے کہ ان کتابوں کا اپنے پاس رکھنا نظرد اور حسد... وغیرہ سے بچاتا ہے؟ لوگ یہ بیان کرتے ہیں کہ ان کتابوں میں معوذات اور آیۃ الکرسی ہے۔ اگر کتابوں کو ہر وقت ساتھ نہ رکھا جائے تو کیا پھر بھی معوذات اور آیۃ الکرسی کا پڑھنا فائدہ دیتا ہے؟

جواب قرآن مجید اور ایسے اذکار اور دعاؤں کے ساتھ دم کرنا جائز ہے جو شریک نہ ہوں۔ تعویذ لکھنے اور انہیں بطور حرز کے استعمال کرنے کے بارے میں ہم ایک مفصل فتویٰ جاری کر چکے ہیں اسے ملاحظہ فرمائیں۔ کتاب ”حصن حصین“ ”حرز الجوشن“ اور ”سبع عقود“ وغیرہ کو بطور حرز استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ سوتے وقت آیۃ الکرسی کا پڑھنا نیز ”قل هو اللہ احد“ اور ”معوذتین“ کا پڑھنا مفید ہے۔

فتویٰ کمیٹی

ایسی مسجدوں میں نماز کا حکم جن میں قبریں ہوں اور جو شخص مسجد میں نبی ﷺ کی قبر سے استدلال کرتا ہے اس کا جواب۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ وَاٰلِهِ وَصَحْبِهِ - وَبَعْدُ

* بحوث العلمیۃ والافتاء کی فتویٰ کمیٹی کے علم میں یہ سوال آیا جو جناب ڈائریکٹر جنرل کی خدمت میں پیش ہوا تھا کہ ”آپ سے سوال ہے کہ اس مسجد میں نماز کا کیا حکم ہے جس میں قبر ہو؟ بعض علماء کہتے ہیں کہ ایسی مسجد میں نماز جائز نہیں

خواہ شہر میں اس کے علاوہ کوئی اور مسجد نہ ہو، ایسی مسجد میں نماز پڑھنے کی نسبت گھر میں نماز پڑھنے کا زیادہ ثواب ہے جب کہ بعض دیگر علماء یہ کہتے ہیں کہ ایسی مسجد میں نماز جائز ہے کیونکہ مسجد نبوی میں بھی تو رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی قبریں موجود ہیں۔ مجھے ان دونوں اقوال کی کوئی دلیل نہیں مل سکی اس لئے حقیقت اور دلیل سمجھنے کے لئے آپ کی خدمت میں یہ خط ارسال کر رہا ہوں۔ میں سینی گال کے دہماقی علاقے میں رہتا ہوں اور وہاں صرف ایک ہی مسجد ہے اور اس مسجد میں چار قبریں ہیں، تین قبریں تو مسجد سے باہر قبلہ والی دیوار کے ساتھ ہیں اور ایک قبر بالکل مسجد کے اندر ہے، مجھے اس مسئلہ کا قطعاً علم نہیں۔ براہ کرم آپ مجھے حقیقت اور دلیل سے آگاہ فرمائیں، مجھے چونکہ علم نہیں تھا اس لئے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ کے مطابق آپ کی طرف رجوع کر رہا ہوں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

جواب: اولاً: قبروں پر مسجدیں بنانا جائز نہیں اور نہ کسی ایسی مسجد میں نماز جائز ہے جو کسی قبر یا قبروں پر بنائی گئی ہو کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ مرض الوفا میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے چہرے مبارک سے چادر ہٹا کر فرمایا:

«لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ، يُحَدِّثُ مَا صَنَعُوا وَلَوْ لَا ذَلِكَ لَأُبْرِزَ قَبْرُهُ، غَيْرَ أَنَّهُ خَشِيَ أَنْ يُتَّخَذَ مَسْجِدًا» (صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ما یکرہ من اتخاذ المساجد علی القبور، ح: ۱۳۳۰، صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب النهی عن بناء المسجد... ح: ۵۲۹، وسنن نسائی رقم: ۷۰۴، واحمد فی المسند ۶۰۴/۵، وموطا امام مالک، کتاب قصر الصلاة فی السفر، رقم: ۸۵)

”یہود و نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا۔ آپ ﷺ ان کے نعل سے اپنی امت کو ڈرا رہے تھے اگر یہ بات نہ ہوتی تو آپ ﷺ کی قبر کو بھی نمایاں کر دیا جاتا، نمایاں اس لئے نہ کیا گیا کہ اسے مسجد نہ بنا لیا جائے۔“

حضرت جنید بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات سے پانچ دن قبل آپ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ:

«إِنِّي أَبْرَأُ إِلَى اللَّهِ أَنْ يَكُونَ لِي مِنْكُمْ خَلِيلٌ، فَإِنَّ اللَّهَ قَدْ اتَّخَذَنِي خَلِيلًا، كَمَا اتَّخَذَ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا، وَلَوْ كُنْتُ مَتَّخِذًا مِنْ أُمَّتِي خَلِيلًا لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا، أَلَا وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيهِمْ مَسَاجِدَ، أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ، فَإِنِّي أَنهَاكُمْ عَنْ ذَلِكَ» (صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب النهی عن بناء المسجد علی القبور... ح: ۵۳۲)

”میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس بات سے اظہار برأت کرتا ہوں کہ تم میں سے میرا کوئی خلیل ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنا لیا ہے جیسا کہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنا لیا تھا۔ اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو خلیل بناتا۔ خبردار! آگاہ رہو تم سے پہلے لوگ اپنے نبیوں اور ولیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیتے تھے مگر تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔“

رسول اللہ ﷺ نے جو قبروں پر مسجدیں بنانے سے منع فرمایا اور ایسا کرنے والوں پر لعنت فرمائی تو معلوم ہوا کہ یہ ایک کبیرہ گناہ ہے۔ مسجدوں پر قبریں بنانے اور ان میں نماز پڑھنے میں غلو فی الدین بھی ہے اور یہ شرک کا ذریعہ بھی ہے، اسی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ”آپ ﷺ ان کے فعل (کام) سے اپنی امت کو ڈرا رہے تھے اگر یہ بات نہ ہوتی تو آپ کی قبر کو بھی نمایاں کر دیا جاتا، نمایاں اس لئے نہ کیا گیا کہ اسے مسجد نہ بنایا جائے۔“

ثانیاً: جب کسی ایک یا زیادہ قبروں پر کوئی مسجد بنائی جائے تو اس کا گردینا واجب ہے کیونکہ اسے خلاف شریعت تعمیر کیا گیا ہے، اسے باقی رکھنا اور اس میں نماز پڑھنا گناہ پر اصرار ہے، غلو فی الدین اور جس کی قبر پر مسجد بنائی گئی ہے اس کی تعظیم میں اضافہ ہے اور یہ شرک کا ذریعہ ہے۔ والعیاذ باللہ، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا تَسْلُوا فِي دِينِكُمْ﴾ (النساء/ ۱۷۱)

”اپنے دین میں غلو نہ کرو۔“

اور نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فَإِنَّمَا أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ الْغُلُوُّ» (احمد فی المسند ۱/ ۳۴۷، والنحاكم فی

المستدرک، ۱/ ۴۶۶، وابن ماجہ فی السنن رقم: ۳۰۲۹)

”غلو سے بچو، تم سے پہلے لوگوں کو غلو ہی نے تباہ و برباد کیا تھا۔“

مسجد اگر قبر پر نہ بنائی گئی ہو بلکہ بعد میں میت کو مسجد میں دفن کیا گیا ہو تو اس صورت میں مسجد کو نہیں گرایا جائے گا بلکہ میت کو قبر سے نکال کر باہر مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا کیونکہ اس کا مسجد میں دفن کیا جانا ایک منکر بات ہے اور اس منکر کے ازالہ کی صرف یہی صورت ہے کہ اسے اس قبر سے نکال کر قبرستان میں دفن کر دیا جائے۔

ثالثاً: مسجد نبوی کو نبی ﷺ نے اللہ کے تقویٰ اور اس کی رضا کی بنیادوں پر تعمیر فرمایا تھا اور آپ کی وفات کے بعد آپ کو اس مسجد میں دفن نہیں کیا گیا تھا بلکہ آپ کی تدفین تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں عمل میں آئی تھی۔ آپ ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو انہیں بھی آپ کے ساتھ حجرہ میں دفن کیا گیا تھا اور پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو انہیں بھی حجرہ میں ہی دفن کیا گیا تھا اور اس وقت حجرہ مسجد نبوی میں شامل نہ تھا بلکہ اسے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے دور کے بعد مسجد میں داخل کیا گیا۔ لہذا اس مسجد میں نماز کی شرعی طور پر نہ صرف یہ کہ اجازت ہے بلکہ مسجد حرام کے بعد اس میں نماز سب سے افضل اور دیگر مسجدوں میں پڑھی گئی ایک ہزار نمازوں سے بہتر ہے اس کے برعکس ایسی مسجد جسے کسی قبر یا قبروں پر تعمیر کیا گیا ہو یا اس میں میت کو دفن کیا گیا ہو تو اس میں نماز پڑھنا حرام ہے۔

رابعاً: فرض نماز گھر میں پڑھنا جائز نہیں بلکہ آپ کو چاہئے کہ اپنے بعض مسلمان بھائیوں کے ساتھ مل کر باجماعت ادا کریں اور کسی ایسی مسجد میں ادا کریں جسے قبر پر نہ بنایا گیا ہو خواہ کھلی جگہ ہی پڑھ لیں اور آپ لوگوں کو چاہئے کہ اللہ کے حکم کے مطابق ایک مسجد بنائیں تاکہ اس میں باجماعت نماز پڑھی جاسکے اور اس کے مطابق عمل کر سکیں اور جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اس سے باز رہ سکیں۔ واللہ الموفق ((وصلی اللہ وسلم علی عبدہ ورسولہ

محمد وآلہ وصحبہ))

فتویٰ کمیٹی

قیامت بدترین لوگوں پر قائم ہوگی

سوال ہم اکثر یہ بات سنتے رہتے ہیں کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی، جب تک اسلام ساری زمین میں نہ پھیل جائے گا اور دوسری طرف ہم یہ بات سنتے ہیں کہ قیامت اس وقت قائم ہوگی جب زمین میں "لا الہ الا اللہ" کہنے والا کوئی شخص باقی نہ رہے گا، تو ان دونوں باتوں میں تطبیق کی کیا صورت ہوگی؟

جواب یہ دونوں قول صحیح ہیں۔ نبی ﷺ کی صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ حضرت عیسیٰ بن مریم ﷺ نازل ہو کر دجال کو قتل نہ کریں گے، آپ خنزیر کو قتل کریں گے، صلیب کو توڑیں گے، مال کی فراوانی ہو جائے گی اور جزیہ ختم ہو جائے گا اور وہ اسلام یا تلوار کے سوا اور کچھ قبول نہ کریں گے۔ ان کے زمانے میں اللہ تعالیٰ اسلام کے سوا دیگر تمام دینوں کو ختم کر دے گا اور سجدہ صرف اللہ وحدہ ہی کے لئے ہو گا۔ اس سے واضح ہوا کہ حضرت عیسیٰ ﷺ کے دور میں ساری زمین میں دین اسلام پھیل جائے گا اور اسلام کے سوا اور کوئی دین باقی نہ رہے گا اور یہ بھی رسول اللہ ﷺ کی متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ قیامت بدترین لوگوں پر قائم ہوگی۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ عیسیٰ ﷺ کی وفات اور سورج کے مغرب سے طلوع ہونے کے بعد ایک ایسی پاک ہوا بھیجے گا جو ہر مومن مرد اور عورت کی روح کو قبض کرے گی اور پھر اس کے بعد بدترین قسم کے لوگ باقی رہ جائیں گے اور ان پر قیامت قائم ہوگی۔

شیخ ابن باز

کیا حضرت اسماعیل علیہ السلام حطیم میں دفن ہیں؟

سوال کتاب السیر میں لکھا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حطیم (کعبہ) میں دفن ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر حضرت اسماعیل علیہ السلام حطیم میں مدفون ہیں تو پھر اس جگہ نماز کیسے جائز ہوگی؟

جواب یہ جو کہا گیا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حطیم میں مدفون ہیں تو یہ صحیح نہیں ہے، کسی حال میں بھی اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ ((وباللہ التوفیق۔ وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

فتویٰ کمیٹی

رسول اللہ ﷺ اور صاحبین کی قبروں کو مسجد نبوی میں داخل کرنے کی حکمت

سوال جب یہ معلوم ہے کہ مردوں کو مسجد میں دفن کرنا جائز نہیں اور جس مسجد میں قبر ہو اس میں نماز پڑھنا جائز نہیں تو پھر رسول اللہ ﷺ اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی قبروں کو مسجد نبوی میں داخل کرنے کی کیا حکمت ہے؟

جواب رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدًا» (صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ما یکرہ من اتخاذا المساجد علی القبور، ح: ۱۳۳۰، صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب النهی عن بناء المساجد... ح: ۵۳۱، وسنن نسائی رقم: ۷۰۴، واحمد فی المسند ۶۰۴/۵، وموطا امام مالک کتاب قصر الصلاة فی السفر، رقم: ۸۵)

”اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنالیا تھا۔“

اسی طرح یہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی صحیح حدیث سے ثابت ہے:

«ذَكَرْنَا لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ، كَيْسَةَ رَأَتْهَا بِأَرْضِ الْحَبَشَةِ وَمَا فِيهَا مِنَ الصُّوَرِ، فَقَالَ ﷺ: أَوْلَيْكَ إِذَا مَاتَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا، وَصَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّوَرِ، أَوْلَيْكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللَّهِ» (صحیح بخاری، کتاب الصلاة، باب تنبش قبور مشرکی... ح: ۴۲۷، ۴۳۴، ۱۳۴۱، ۳۸۷۸، و مسلم فی الصحیح رقم: ۵۲۸، والنسائی فی المجتبى ۴۱/۲ واحمد فی المسند ۵۱/۶ وأبو یعلیٰ فی المسند رقم: ۴۶۲۹، وابن خزيمة فی الصحیح رقم: ۷۹۰)

”حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک گرجا کا ذکر کیا جسے انہوں نے ارض حبشہ میں دیکھا تھا اور اس میں تصویریں بنی ہوئی تھیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ان لوگوں میں اگر کوئی نیک آدمی فوت ہوتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے اور اس میں یہ تصویریں بھی بناتے وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بدترین مخلوق ہیں۔“

حضرت جندب بن عبد اللہ بکلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ:

«إِنَّ اللَّهَ قَدْ اتَّخَذَنِي خَلِيلًا، كَمَا اتَّخَذَ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا، وَلَوْ كُنْتُ مَخَّخًا مِنْ أُمَّتِي خَلِيلًا، لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا، أَلَا وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيهِمْ مَسَاجِدَ، أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ، فَإِنِّي أَنهَاكُمُ عَنْ ذَلِكَ» (صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب النهي عن بناء المسجد على القبور... ح: ۵۳۲، والحاكم فی المستدرک ۲/۵۵۰)

”اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنا لیا ہے، جس طرح اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنا لیا تھا۔ اگر میں امت میں سے کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیل بناتا، تم سے پہلے لوگ اپنے نبیوں اور ولیوں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیتے تھے، خبردار! تم قبروں کو مسجدیں نہ بنانا، میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔“

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«أَنَّ نَهْيَ أَنْ تُجَصَّصَ الْقُبُورُ وَأَنْ يُقَعَّدَ عَلَيْهِ وَأَنْ يُبْنَى عَلَيْهِ» (صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب النهي عن تجصيص القبر والبناء عليه، ح: ۹۷۰)

”نبی کریم ﷺ نے قبر کو چونا گچ (پختہ) کرنے، اس پر بیٹھنے اور اس پر عمارت بنانے سے منع فرمایا ہے۔“

یہ احادیث اور اس مضموم کی دیگر احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قبروں پر مسجدیں بنانا حرام ہے اور ایسا کرنے والوں پر آپ ﷺ نے لعنت فرمائی ہے، اسی طرح یہ احادیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہیں کہ قبروں پر عمارتیں بنانا، قبے تعمیر کرنا اور انہیں چونا گچ کرنا حرام ہے کیونکہ یہ شرک اور غیر اللہ کی عبادت کے اسباب میں سے ہے جیسا کہ قدم و جدید دور کی تاریخ شاہد ہے لہذا دنیا بھر کے مسلمانوں پر یہ واجب ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے قبروں پر عمارت بنانے، قبروں کو مسجد بنانے، ان پر قبے تعمیر کرنے، انہیں چونا گچ کرنے اور ان پر چراغ جلانے سے جو منع فرمایا ہے، اس سے اور

دیگر کاموں سے اجتناب کریں، جن سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے اور اکثر لوگ جو کچھ کر رہے ہیں اس سے فریب خوردہ نہ ہوں کیونکہ حق تو مومن کی متاع گم شدہ ہے، وہ جب بھی اسے پاتا ہے لے لیتا ہے۔ اور حق کتاب و سنت کے دلائل سے معلوم ہوتا ہے، لوگوں کے آراء اور اعمال سے نہیں۔ اللہ کے رسول حضرت محمد ﷺ اور آپ کے صاحبین رضی اللہ عنہم کی تدفین مسجد میں عمل میں نہیں آئی تھی بلکہ ان مقدس ہستیوں کی تدفین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں ہوئی تھی۔

جب ولید بن عبد الملک کے عہد میں مسجد نبوی میں توسیع ہوئی تو پہلی صدی ہجری کے آخر میں حجرہ کو مسجد میں داخل کر دیا گیا لہذا ولید کا یہ عمل مسجد میں دفن کے حکم میں نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ اور صاحبین کو ارض مسجد کی طرف منتقل نہیں کیا گیا بلکہ مسجد میں توسیع کے پیش نظر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس حجرہ کو جس میں آپ مدفون تھے مسجد میں داخل کر دیا گیا لہذا یہ عمل کسی کے لئے قبروں پر عمارت بنانے کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتا یا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قبروں پر مسجدیں بنانا یا مسجدوں میں دفن کرنا جائز ہے کیونکہ یہ صحیح احادیث جو میں نے ابھی ذکر کی ہیں، ان سے ان سب باتوں کی ممانعت ثابت ہوتی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی صحیح سنت کے خلاف ولید کا عمل کسی کے لئے حجت نہیں ہے۔ (واللہ ولی التوفیق)

— شیخ ابن باز —

((كنت سمعہ الذی یسمع بہ و بصرہ)) کے معنی

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَحْدَهُ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ - وَبَعْدُ

* بحوث العلمیہ والافتاء کی فتویٰ کمیٹی کو ساتھ الرئیس العام کی خدمت میں پیش کئے گئے اس استفتاء کے بارے میں علم ہوا، جس میں یہ سوال پوچھا گیا ہے کہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے کیا معنی ہیں کہ ”جب میں اپنے بندے سے محبت کرتا ہوں تو اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں، جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں، جس سے وہ چلتا ہے؟“

جواب جب مسلمان فرائض کو ادا کرے، پھر تقرب الہی کے حصول کے لئے نفل عبادتوں کو بھی بجالانے کی مقدور بھر کوشش کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرنے لگتا ہے اور ہر کام میں اس کا معاون بن جاتا ہے، جب سنتا ہے تو سننے میں اسے اللہ کی مدد حاصل ہوتی ہے اور وہ خیر ہی کی بات سنتا ہے، حق ہی کو قبول کرتا ہے اور باطل اس سے دور ہو جاتا ہے اور جب وہ اپنی آنکھ اور دل سے دیکھتا ہے تو اللہ کے نور کے ساتھ دیکھتا ہے اور اس میں وہ اللہ کی تائید و توفیق کے ساتھ ہدایت و بصیرت پر ہوتا ہے اور وہ حق کو حق، اور باطل کو باطل دیکھتا ہے۔ جب کسی چیز کو پکڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوت کے ساتھ پکڑتا ہے اور اس کی یہ پکڑ حق کی حمایت کے لئے ہوتی ہے اور جب وہ چلتا ہے تو اس کی یہ چال اللہ تعالیٰ کی اطاعت، طلب علم یا اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے ہوتی ہے۔ مختصر یہ کہ اس کا اپنے ظاہری و باطنی اعضاء کے ساتھ عمل اللہ تعالیٰ کی ہدایت و قوت کا رہین منت ہوتا ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق میں حلول کر جاتا یا اپنی مخلوق میں سے کسی کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے۔ مزید راہنمائی ان کلمات سے ملتی ہے جو اس حدیث کے آخر میں آئے ہیں:

«وَلَكِنَّ سَأَلِنِي لِأَعْطِيْتَهُ، وَلَكِنَّ اسْتَعَاذَ بِي لِأَعِيذَكَهُ» (صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، ح: ۶۵۰۲)

”اگر میرا بندہ مجھ سے سوال کرے تو میں اسے ضرور دے دیتا ہوں اور اگر میرے ساتھ پناہ چاہے تو میں اسے ضرور پناہ دے دیتا ہوں۔“

بعض روایات میں جو یہ الفاظ آتے ہیں:

«فَبِيْ يَسْمَعُ وَيَبِيْ يُنْصِرُ» (فتح الباری، ۱۱/۴۱۸)

”وہ میرے ساتھ سنتا اور میرے ساتھ دیکھتا ہے۔“

تو اس میں حدیث کے ابتدائی حصہ سے جو مراد ہے اس کی وضاحت اور تصریح ہے کہ سائل کون ہے اور مسئول کون، مستعید (پناہ مانگنے والا) کون ہے اور معید (پناہ دینے والا) کون ہے۔ یہ حدیث قدسی ایک دوسری حدیث قدسی کی نظیر ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

«مَرَضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِي الْخ...» (مسند أحمد ۲/۴۰۴)

”میرے بندے میں بیمار ہوا لیکن تو نے میری بیماری پر سی نہ کی۔“ الخ!

ان دونوں حدیثوں میں آخری حصہ ابتدائی حصہ کی خود ہی شرح کرتا ہے لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ خواہشات کے پیجاری تشابہہ نصوص کے پیچھے پڑے رہتے ہیں، محکم سے اعراض کرتے ہیں اور اس طرح یہ سیدھے راستے سے بھٹک جاتے ہیں۔ (واباللہ التوفیق - وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم)

فتویٰ کینی

میت کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کا حکم

سوال کیا زیارت قبر کے وقت میت کے لئے سورہ فاتحہ یا قرآن مجید کا کوئی اور حصہ پڑھنا جائز ہے؟ اور کیا اس کا اسے فائدہ ہوتا ہے؟

جواب نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ قبروں کی زیارت فرمایا کرتے تھے اور مردوں کے لئے آپ دعائیں فرمایا کرتے تھے جو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سکھائیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ سے سیکھیں، چنانچہ ان دعاؤں میں سے ایک یہ بھی ہے:

«الْسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ بِكُمْ لِلْآحِقُونَ، نَسَأَلُ اللَّهَ لَنَا وَلَكُمْ الْعَافِيَةَ» (صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب ما يقال عند دخول

القبور والدعاء لاهلها، ح: ۹۷۵)

”اے (اس) بستی کے رہنے والے مومن اور مسلمانو! تم پر سلام! بے شک ہم بھی ان شاء اللہ تم سے عنقریب ملنے والے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے اور تمہارے لئے عافیت کی دعاء کرتے ہیں۔“

آپ ﷺ نے بار بار قبروں کی زیارت فرمائی لیکن یہ ثابت نہیں کہ آپ نے کبھی مردوں کے لئے سورت فاتحہ یا قرآن کی دیگر آیات کو پڑھا ہو۔ اگر یہ شرعی حکم ہوتا تو آپ ایسا کرتے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے اسے واضح فرماتے، انہیں ثواب کی رغبت دلاتے اور امت پر رحمت فرماتے اور اس طرح فریضہ تبلیغ کو بھی ادا فرماتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا آپ ﷺ کی شان یہ ہے:

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (التوبة ۱۲۸/۹)

”لوگو! تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں، تمہاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے اور تمہاری بھلائی کے بہت خواہش مند ہیں اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے اور مہربان ہیں۔“

جب آپ ﷺ نے وجود اسباب کے باوجود ایسا نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ یہ شرعی امر نہیں ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس بات کو جانتے تھے لہذا انہوں نے آپ کے نقش قدم کی پیروی کی اور زیارت قبور کے وقت مردوں کے لئے دعاء اور ان سے عبرت حاصل کرنے پر اکتفا کیا۔ اور یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے مردوں کے لئے کبھی قرآن پڑھا ہو، لہذا ثابت ہوا کہ مردوں کے لئے قرآن پڑھنا بدعت ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«مَنْ أَحَدَّثَ فِيهِ أَمْرَنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ» (صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب إذا اصطلحو علی صلح، ح: ۲۶۹۷، و صحیح مسلم، کتاب الاقضية، باب نقض الاحکام الباطلة، ح: ۱۷۱۸)

”جو شخص ہمارے اس دین (اسلام) میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو اس میں سے نہ ہو تو وہ (بات) مردود ہے۔“

فتویٰ کمیٹی

کیا ہندومت، بدھ مت اور سکھ مت دین ہیں؟

سوال مؤرخہ ۴ صفر کو جمعہ کی شام ٹیلی وژن سے عالم فطرت کے نام سے ایک پروگرام پیش کیا گیا، یہ پروگرام ہندوستان کے لوگوں کے بارے میں تھا۔ پروگرام پیش کرنے والے نے اس نشریہ کی ابتداء میں کہا: ”ہندوستان کو جو مختلف ادیان کا مذہب کہا جاتا ہے تو یہ بالکل درست ہے کیونکہ وہاں ہم ہندومت، بدھ مت اور سکھ مت الخ سب دین پاتے ہیں“ آپ کی خدمت میں گزارش ہے کہ وضاحت فرمائیں کیا یہ واقعی ادیان ہیں، جنہیں پروگرام پیش کرنے والے نے ادیان قرار دیا؟ کیا یہ ادیان بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ اور رسولوں کے ذریعہ لوگوں تک پہنچائے گئے ہیں؟

جواب ہر وہ طریقہ جس کے لوگ پیروکار ہوں اور اسے دین سمجھ کر سرانجام دیں، اسے دین کا نام دیا جاسکتا ہے خواہ وہ باطل ہو جیسے بدھ مت، بت پرستی، یہودیت، ہندومت، نصرانیت اور دیگر باطل ادیان۔ اللہ نے سورۃ الکافرون میں فرمایا:

﴿لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ﴾ (الکافرون ۶/۱۰۹)

”تمہارے لئے تمہارا دین ہے، میرے لئے میرا دین۔“

اس آیت میں بتوں کے پیچاریوں کے طریقے کو بھی دین کہا ہے، جبکہ دین حق صرف اسلام ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے:

﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ (آل عمران ۱۹/۳)

”دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔“

اور فرمایا:

﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ﴾ (آل عمران ۸۵/۳)

”اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہو گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔“

اور فرمایا:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَمَّتْ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (المائدہ ۳/۵)

”آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔“

اسلام یہ ہے کہ ماسوا اللہ کے بجائے صرف اور صرف اللہ وحدہ کی عبادت کی جائے، اس کے اوامر کی اطاعت اور نواہی کو ترک کیا جائے اور اس کی مقرر کردہ حدود کی پابندی کی جائے اور ہر اس چیز کے ساتھ ایمان لایا جائے، جس کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے فرمادی ہے، خواہ اس کا تعلق ماضی سے ہو یا مستقبل سے۔ ادیان باطلہ میں سے کوئی دین بھی ایسا نہیں جسے اللہ تعالیٰ نے نازل کیا اور اسے پسند کیا ہو بلکہ یہ سب بدعی اور غیر منزل ہیں۔ اسلام ہی تمام انبیاء کرام ﷺ کا دین ہے اگرچہ شریعتوں میں اختلاف ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَا جَا﴾ (المائدہ ۴۸/۵)

”ہم نے تم میں سے ہر ایک (فرقے) کے لئے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے۔“

شیخ ابن باز

فوت شدہ حکام کی سلامی کے لئے کھڑا ہونا

سوال جب کوئی حاکم یا سربراہ فوت ہوتا ہے تو حکومتی اداروں کے بعض ارکان مقتول پر غم و حزن کے اظہار کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور جب کسی عرب ملک کا سربراہ فوت ہوتا ہے تو اظہار غم اور سوگ کے لئے بعض اسلامی ملک اپنے بازاروں کو بند کر دیتے اور اپنے جھنڈوں کو سرنگوں کر دیتے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے جب کہ میت کے لئے نوحہ جائز نہیں اور یہ صورتیں تو نوحہ سے بھی بدتر ہیں؟

جواب آج کل لوگوں میں جو یہ رواج ہے کہ وہ شہداء یا عظیم لوگوں کی سلامی یا ان کی روحوں کی تعظیم و تکریم کے لئے خاموشی کے ساتھ کچھ دیر کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اپنے جھنڈوں کو سرنگوں کر دیتے ہیں تو یہ منکر اور نواجذ بدعی امور میں سے ہے، نبی کریم ﷺ، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سلف صالح کے دور میں ایسا کوئی رواج نہ تھا، یہ طریقہ آداب توحید اور اللہ کے لئے اخلاص تعظیم کے بھی منافی ہے، اپنے دین سے بعض جاہل مسلمان کفار کی پیروی اور ان کی قبیح عادات کی تقلید میں ایسا کرتے ہیں، اس طرح کے غلو کا اظہار کفار اپنے زندہ و مردہ سربراہوں اور عظیم لوگوں کے بارے میں کرتے ہیں اور ہمیں نبی کریم ﷺ نے ان کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے۔

اسلام نے فوت شدہ مسلمانوں کے جن حقوق کو بیان کیا ہے، وہ یہ ہیں کہ ان کے لئے دعاء کی جائے، ان کی طرف سے صدقہ کیا جائے، ان کی خوبیوں کا ذکر کیا جائے، ان کی برائیوں کے ذکر سے اجتناب کیا جائے۔ علاوہ ازیں اس طرح کے اور بھی بہت سے آداب ہیں جنہیں اسلام نے بیان کیا ہے اور مسلمانوں کو ترغیب دی ہے کہ وہ اپنے زندہ یا مردہ بھائیوں کے لئے ان آداب کی پابندی کریں۔ شہداء یا عظیم لوگوں کی سلامی کے لئے خاموشی کے ساتھ بطور سوگ کھڑا ہو جانا یقیناً ان آداب میں سے نہیں ہے، جن کی اسلام نے تعلیم دی ہے بلکہ اسلام کے اصول اس طرح کے آداب تعظیم کی نفی کرتے ہیں۔ (وباللہ التوفیق - صلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم)

فتویٰ کمیٹی

میت کی طرف سے صدقہ کرنا شرعاً جائز ہے

سوال کیا میت کی طرف سے صدقہ کا اجر و ثواب اسے ملتا ہے؟ کیا میت کی طرف سے صدقہ سے اس کے اعمال حسنة میں اضافہ ہوتا ہے؟

جواب میت کی طرف سے صدقہ کرنا ان امور میں سے ہے جو شرعاً جائز ہیں، خواہ یہ صدقہ مال کی صورت میں ہو یا دعاء کی صورت میں، امام مسلم نے ”صحیح“ میں، امام بخاری نے ”الادب المفرد“ میں اور اصحاب سنن نے اپنی کتابوں میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا مَاتَ ابْنُ آدَمَ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ: إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ» (صحیح مسلم، کتاب الوصیة، باب ما يلحق الإنسان من الثواب بعد وفاته، ح: ۱۶۳۱، وخرجه أبو داود في السنن رقم: ۲۸۸۰، والترمذي في الجامع رقم: ۱۳۷۶، والنسائي في المنجى ۶/۲۵۱، واحمد في المسند ۲/۳۷۲ والبخاري في الادب رقم: ۳۸)

”جب ابن آدم فوت ہوتا ہے تو اس کا عمل منقطع (ختم) ہو جاتا ہے البتہ تین طرح کا عمل باقی رہ جاتا ہے۔“

① صدقہ جاریہ ② علم نافع (مفید) اور ③ نیک اولاد جو اس کے لئے دعاء کرتی ہو

یہ حدیث اپنے عمومی مفہوم کے اعتبار سے اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صدقہ کا ثواب میت کو حاصل ہوتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں فرق نہیں فرمایا کہ صدقہ میت کی طرف سے وصیت کی وجہ سے ہو یا اس کی وصیت کے بغیر ہو لہذا یہ حدیث عام ہوگی اور ان دونوں حالتوں کیلئے شامل ہوگی۔ میت کیلئے دعار کے سلسلہ میں صرف اولاد کے ذکر کا کوئی مفہوم نہیں کیونکہ بہت سی صحیح احادیث سے مروی کیلئے دعار ثابت ہے جیسا کہ ان کی نماز جنازہ میں اور ان کی قبروں کی زیارت کے موقع پر دعار کی جاتی ہے اور اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں کہ میت کا کوئی قریبی عزیز دعار کرے یا کوئی اجنبی دعار کرے۔

فتویٰ کمیٹی

قبروں کے ساتھ تمبرک نہیں

سوال کیا میت کے لئے دعاء کی وجہ سے قبر کے پاس کھڑا ہونا یا بیٹھنا جائز ہے؟

جواب قبروں کی شرعی زیارت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ انسان عبرت و نصیحت حاصل کرے اور موت کو یاد کرے، اس سے یہ مقصود نہیں ہوتا کہ قبروں میں مدفون نیک لوگوں کے ساتھ تبرک حاصل کیا جائے، جب کوئی شخص قبرستان میں آئے تو اسے چاہئے کہ مدفون لوگوں کو سلام کہنے کے لئے یہ دعاء پڑھے:

«الْسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ، وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ بِكُمْ
لَلْآحِقُونَ، نَسْأَلُ اللَّهَ لَنَا وَلَكُمْ الْعَافِيَةَ» (صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب ما يقال عند دخول
القبور والدعاء لاهلها، ح: ۹۷۵)

”اے (اس) بستی کے رہنے والے مومنو اور مسلمانو! تم پر سلام! بے شک ہم بھی ان شاء اللہ تم سے عنقریب
ملنے والے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے اور تمہارے لئے عافیت کی دعاء کرتے ہیں۔“

اگر چاہے تو اس کے علاوہ دیگر مسنون دعائیں بھی پڑھ سکتا ہے لیکن وہ مردوں سے دعاء نہ کرے، نہ ان سے دفع
نقصان اور حصول منفعت کے لئے فریاد کرے کیونکہ دعاء تو عبادت ہے اور یہ صرف اللہ وحدہ کے لئے ہے، میت کے لئے
دعاء میں قبر کے پاس بیٹھنے یا کھڑا ہونے میں کوئی حرج نہیں لیکن تبرک یا استراحت کے لئے قبر کے پاس بیٹھنے یا کھڑا ہونے کی
اجازت نہیں کیونکہ قبر نہ مقام استراحت ہے اور نہ رہائش کی جگہ ہے کہ آدمی وہاں بیٹھے۔ میت کی تدفین کے بعد قبر کے
پاس دعاء کرے کہ اللہ تعالیٰ اسے ثابت قدم رکھے اور اس کی مغفرت فرمادے، کھڑا ہونا جائز ہے کیونکہ حدیث سے ثابت
ہے کہ نبی کریم ﷺ جب تدفین سے فارغ ہوتے تو قبر کے پاس کھڑے ہو جاتے اور فرماتے:

«إِسْتَعْفِرُوا لِأَخِيكُمْ وَاسْأَلُوا لَهُ التَّيْبَتِ فَإِنَّهُ الْآنَ يُسْأَلُ» (سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز، باب
الاستغفار عند القبر للميت في وقت الانصراف، ح: ۳۲۲۱ وانصرجه الحاكم، ۱/۱۲۹، والبيهقي، ۴/۵۶)
”اپنے بھائی کی مغفرت (بخشش) کے لئے دعاء کرو اور دعاء کرو کہ اللہ تعالیٰ اسے ثابت قدم رکھے، اس وقت
اس سے سوال پوچھتے جا رہے ہیں۔“

فتویٰ کمیٹی

① زینت کے لئے مجتسموں کا استعمال

② نبی ﷺ کی قسم کھانے کا حکم

سوال ① وہ مجتسمے جو گھروں میں عبادت کے لئے نہیں بلکہ صرف زینت کے لئے رکھے جائیں، ان کا کیا حکم ہے؟
سوال ② بعض لوگ نبی ﷺ اور اولاد نبی کی قسم کھاتے ہیں، ان کا قصد و ارادہ تو نہیں ہوتا لیکن عادتاً وہ اس طرح کی
قسم کھاتے ہیں تو کیا اس کا بھی محاسبہ ہو گا؟

جواب ① تصویروں یا حنوط شدہ جانوروں کو گھروں، دفنوں اور مجلسوں میں لٹکانا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے
ثابت شدہ ان احادیث کے عموم کا یہی تقاضا ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ گھروں وغیرہ میں تصویروں کا لٹکانا اور
مجتسموں کا رکھنا حرام ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے ساتھ شرک کا وسیلہ ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت خلق
کی مشابہت اور اس کے دشمنوں کے عمل کی پیروی ہے۔ حنوط شدہ جانوروں کو گھروں میں بطور زینت استعمال کرنے میں

مال کو ضائع کرنا، اللہ کے دشمنوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا اور مورتیوں اور مجسموں کے لٹکانے کے دروازہ کو کھولنا ہے اور ہماری مکمل ترین اسلامی شریعت نے ان تمام ذرائع کو بند کر دیا ہے جو شرک یا گناہوں کی طرف لے جاتے ہیں۔ (وباللہ التوفیق)

جواب ② کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ نبی ﷺ یا مخلوق میں سے کسی اور کی قسم کھائے۔ غیر اللہ کی قسم کھانا حرام اور شرک ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلَا يَخْلِفُ إِلَّا بِاللَّهِ أَوْ لِيَصُمْتُ» (صحیح بخاری، کتاب الشهادات، باب کیف

يستحلف، ح: ۲۶۷۹، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب النهی عن الحلف بغیر اللہ تعالیٰ، ح: ۱۶۶۶)

”جو شخص قسم کھانا چاہے، اسے چاہئے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی قسم کھائے یا پھر خاموش رہے۔“

اسی طرح آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

«مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللَّهِ فَقَدْ كَفَرَ أَوْ أَشْرَكَ» (جامع الترمذی، کتاب النذور والایمان، باب ما جاء في

أن من حلف بغير الله فقد أشرك، ح: ۱۵۳۵، وخرجه أبو داود في السنن رقم: ۳۲۵۱ واحمد في المسند

۲/۳۴، ۴۷، ۶۷، ۸۷، ۱۲۵، والحاكم في المستدرک ۱/۱۸، ۴/۲۹۷)

”جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر یا شرک کا ارتکاب کیا۔“

اس مضمون کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس بات پر تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا جائز نہیں لہذا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ غیر اللہ کی قسم سے اجتناب کرے اور ماضی میں اس نے جو غیر اللہ کی قسم کھائی یا دیگر گناہوں کا ارتکاب کیا، ان سے توبہ کرے، اللہ تعالیٰ کے پاس جو خیر و بھلائی اور اجر جزیل ہے اس کی رغبت اور اس کے غضب و عقاب سے پناہ حاصل کرنے کے لئے حق پر قائم رہے اور حق کی حفاظت کرے۔ وباللہ التوفیق!

فتویٰ کمیٹی

کیا یہ درست ہے کہ میڈیکل کے ذریعہ یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ رحم میں کیا ہے؟

سوال مجلہ ”العربی“ کے شمارہ ۲۰۵ صفحہ ۱۵ بحیرہ دسمبر ۱۹۷۵ء میں ایک سوال جواب کے نتیجہ میں یہ لکھا ہے کہ اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ انسان کو معلوم ہو سکتا ہے کہ جنین نر ہے یا مادہ؟ سوال یہ ہے کہ اس سلسلہ میں دین اسلام کا موقف کیا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو غیب کا علم ہے؟

جواب سب سے پہلے اس بات کو جان لیجئے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی رحم میں حمل کو جس طرح چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اور اسے اپنی مرضی و مشیت سے نر یا مادہ، کامل یا ناقص بنا دیتا ہے، اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا قطعاً کوئی تصرف اور اختیار نہیں ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ لَآ إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (آل عمران ۶/۳)

”وہی (اللہ) تو ہے جو (ماں کے) پیٹ میں جیسی چاہتا ہے تمہاری صورتیں بناتا ہے، اس غالب حکمت والے کے

سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔“

نیز فرمایا:

﴿لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ يَهَبُ لِمَن يَشَاءُ إِنِشَاءً وَإِن شَاءَ لَمَن يَشَاءَ
الذَّكُورَ ﴿٤٩﴾ أَوْ مَرُؤَهُمْ ذُكْرَانًا وَإِن شَاءَ وَيَجْعَلُ مَن يَشَاءَ عَقِيمًا إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ﴿٥٠﴾﴾
(الشوریٰ ۴۹-۵۰)

”تمام بادشاہت اللہ ہی کی ہے، آسمانوں کی بھی اور زمین کی بھی، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے، جس کو چاہتا ہے بیٹیاں عطا فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بیٹے عطا فرماتا ہے یا ان کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں عنایت فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد (بانجھ) رکھتا ہے یقیناً وہی جاننے والا (اور) قدرت والا ہے۔“

ان آیات میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اسی کی ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے حمل کو رحم میں نریا مادہ کی صورت میں پیدا فرماتا ہے اور جس طرح وہ چاہتا ہے اسے ناقص یا مکمل اور خوبصورت یا بدصورت پیدا فرماتا ہے، اس میں صرف اور صرف اسی کا تصرف و اختیار ہے، اس کے سوا اس میں کسی اور کی کوئی شراکت نہیں ہے لہذا یہ دعویٰ کرنا کہ شوہر یا ڈاکڑ یا کوئی فلسفی و حکیم، جنین کی جنس کو متعین کرنے کی طاقت رکھتا ہے، ایک جھوٹا دعویٰ ہے۔ شوہر زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتا ہے کہ عورت کے بچے پیدا کرنے کی عمر میں اس سے مباشرت کر کے حمل قرار پا جانے کی امید رکھے، کبھی اللہ تعالیٰ کی مرضی و مشیت کے مطابق اس کی یہ امید بر آتی ہے اور کبھی یہ امید پوری نہیں ہوتی، امید کے پورا نہ ہونے کے بھی کئی اسباب ہوتے ہیں۔ جن میں سے رحم میں خرابی یا بانجھ پن یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کی آزمائش حاصل قرار نہ پانے کے چند اہم اسباب ہیں، لیکن اسباب بھی بذات خود مؤثر نہیں ہوتے بلکہ یہ بھی اللہ کی مرضی و مشیت سے مؤثر بنتے ہیں۔ حمل قرار پانا ایک کوئی امر ہے۔ بندے کا اختیار صرف جنسی عمل ہے باقی اس کے نتیجے میں حمل قرار پانا یا نہ پانا اور حمل قرار پا جانے کی صورت میں اس کی تشریف و تکلیف اور تغیر و تدبیر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ جو شخص بھی اس ضمن میں لوگوں کے حالات، اقوال اور اعمال پر غور کرے گا تو اسے معلوم ہو گا کہ ان دعوؤں میں مبالغہ اور اقوال و افعال میں کذب و افتراء سے کام لیا گیا ہے اور یہ ان کی جہالت اور جدید علوم میں غلو اور اسباب کے بارے میں حد اعتدال سے تجاوز کی وجہ سے ہے اور جو شخص امور و معاملات کو ان کے صحیح تناظر میں دیکھے تو وہ تمیز کرے گا کہ ان میں سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص امور کون سے ہیں اور وہ امور کون سے ہیں جن کو اس نے اپنی مرضی و مشیت اور تدبیر سے مخلوق کے سپرد کر دیا ہے۔

فتویٰ کمیٹی

انبیاء و مرسلین اور آسمانی کتابوں کی تعداد

سوال انبیاء و مرسلین کی تعداد کتنی ہے؟ کیا ان میں سے بعض کے ساتھ عدم واقفیت کی وجہ سے عدم ایمان کفر شمار ہو گا؟ آسمان سے نازل ہونے والی کتابوں کی تعداد کتنی ہے؟ کیا کتابوں کی تعداد میں تفاوت ہے؟ اور کیوں؟

جواب مختلف احادیث میں یہ آیا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے اور ان میں سے

تین سو تیرہ رسول ہیں جیسا کہ یہ بھی وارد ہے کہ انبیاء کی تعداد آٹھ ہزار ہے، اس سلسلہ میں احادیث حافظ ابن کثیر کی مشہور کتاب ”تفسیر القرآن العظیم“ میں سورہ نساء کی آیت ﴿وَرَسُولًا لَم نَقُضْضُهُمْ عَلَيْنِكَ﴾ (اور بت سے پیغمبر ہیں جن کے حالات ہم نے تم سے بیان نہیں کئے) کی تفسیر میں مذکور ہیں، لیکن یہ احادیث کثرت کے باوجود ضعف سے خالی نہیں ہیں لہذا ہمتیہ ہے کہ اس میں توقف کیا جائے۔ ہر مسلمان پر یہ واجب ہے کہ جن انبیاء کرام ﷺ کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے نام لیا ہے ان پر تفصیلی اور جن کا نام نہیں لیا ان پر اجمالی ایمان رکھے، اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام میں تفریق کی وجہ سے یہودیوں کی مذمت کی کہ انہوں نے کہا تھا:

﴿وَيَقُولُونَ كُنَّا نؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ﴾ (النساء: ۱۵۰)

”اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے۔“

لیکن ہم ہر اس نبی اور رسول کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں، جسے اللہ تعالیٰ نے کسی بھی زمانے میں مبعوث فرمایا لیکن بات یہ ہے کہ ان کی شریعت ان کے اہل زمانہ اور ان کی کتاب ان کی امت و قوم کے لئے تھی۔ باقی رہی آسمانی کتابوں کی تعداد تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث میں ان کی تعداد ایک سو چار بیان کی گئی ہے جیسا کہ حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے تفسیر میں مذکورہ آیت کے تحت لکھا ہے لیکن اس بات کی صحت کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تورات، انجیل، زبور اور صحف ابراہیم و موسیٰ کا ذکر کیا ہے۔ ہم ان تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ بھی ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اور بھی بہت سی کتابیں نازل فرمائی ہیں، جن کا ہمیں علم نہیں ہے لہذا اس سلسلہ میں یہی کافی ہے کہ ہم ان سب کتابوں کی اجمالی طور پر تصدیق کریں۔ واللہ اعلم!

شیخ ابن جبرین

میلاد النبی ﷺ کی محفل منعقد کرنا

سوال کیا مسلمانوں کے لئے یہ جائز ہے کہ ۱۲ ربیع الاول کو نبی کریم ﷺ کے پیدائش کے دن کی مناسبت سے مسجد میں سیرت النبی ﷺ کی محفل منعقد کریں مگر دن کو عید کی طرح چھٹی نہ کریں؟ ہمارا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کچھ لوگ اسے بدعت حسنہ کہتے ہیں اور کچھ اسے بدعت غیر حسنہ کہتے ہیں؟

جواب مسلمانوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ ۱۲ ربیع الاول یا کسی اور تاریخ کو میلاد النبی ﷺ کی محفل منعقد کریں، اسی طرح کسی بھی دوسرے نبی کی محفل میلاد منعقد کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یوم پیدائش منانا دین میں نئی بدعت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں کبھی بھی اپنا یوم پیدائش نہیں منایا حالانکہ آپ دین کے مبلغ اور اپنے پروردگار کے طریقوں پر لوگوں کو چلانے والے تھے، نہ آپ ﷺ نے یوم پیدائش منانے کا حکم دیا، نہ خلفاء راشدین نے اسے منایا، نہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور نہ تابعین نے حالانکہ وہ خیر القرون کا دور تھا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ بدعت ہے اور بدعت کے بارے میں رسول اللہ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ أَحَدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ» (صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب إذا اصطالحوا على صلح...، ح: ۲۶۹۷، صحیح مسلم، کتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة...،

ح: (۱۷۱۸)

”جس نے ہمارے اس امر (دین) میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کی جو اس میں نہ تھی تو وہ مردود ہے۔“
 ”صحیح مسلم“ کی روایت میں ہے جسے امام بخاری نے بھی تعلیقاً مگر صحت کے وثوق کے ساتھ بیان کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ» (صحیح مسلم، کتاب الاقضية، باب نقض الاحکام الباطلة...، ح: ۱۷۱۸)

”جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا امر نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔“
 میلاد کی محفلیں منعقد کرنے کا حکم نبی کریم ﷺ نے نہیں دیا بلکہ یہ بعد کے لوگوں کی ایجاد ہے جس کی وجہ سے یہ مردود ہے۔ نبی ﷺ جمعہ کے خطبہ میں ارشاد فرمایا کرتے تھے:

«أَمَّا بَعْدُ: فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ وَخَيْرُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ وَشَرُّ الْأُمُورِ مُخَذَّنَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ» (صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب تخميف الصلاة والخطبة، ح: ۸۲۷، سنن ابن ماجه، کتاب السنة، باب اجتناب البدع والجدل، ح: ۴۵)

”بہترین بات اللہ کی کتاب ہے اور بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے اور سب سے زیادہ برے کام بدعات ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“

اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی ”صحیح“ میں روایت کیا اور امام نسائی نے جید سند کے ساتھ ان زائد الفاظ کو بھی بیان کیا کہ:

«وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ» (سنن نسائی، کتاب صلاة العیدین، باب كيف الخطبة، ح: ۱۵۷۹)

”اور ہر گمراہی جہنم میں لے جائے گی۔“

آپ ﷺ کا یوم پیدائش منانے کی ضرورت اس لئے بھی نہیں رہتی کہ آپ کی پیدائش سے متعلق واقعات کی تعلیم، نبی ﷺ کی سیرت سے متعلق اسباق میں ہوتی رہتی ہے، نیز مساجد و مدارس میں آپ کی اسلام سے قبل اور بعد کی حیات طیبہ کو بیان کیا جاتا ہے لہذا میلاد کی ایسی محفلیں منعقد کرنے کی ضرورت ہی نہیں، جن کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم نہیں دیا اور نہ ان کے انعقاد کی کوئی شرعی دلیل ہی موجود ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ ہی سے مدد چاہتے اور اس سے یہ دعاء کرتے ہیں کہ وہ تمام مسلمانوں کو ہدایت و توفیق عطا فرمائے کہ وہ سنت پر اکتفاء کریں اور بدعت سے بچیں۔

شیخ ابن باز

قرآن مجید کی تلاوت کی اجرت جائز نہیں جب کہ تعلیم کی اجرت جائز ہے

﴿مطالعہ﴾ ہمارے ہاں مغرب میں بعض حافظ بظاہر مال کمانے کے لئے تلاوت کرتے ہیں، جب بھی ان کے لئے محفل قائم کی جائے تو اس میں شرکت کرتے اور الفاظ پر غور اور احترام تلاوت کے بغیر قرآن مجید پڑھتے ہیں، اس طرح کی محفل میں حاضر ہونے سے ان کا بڑا مقصد اجرت لینا اور لوگوں سے صدقات و خیرات وصول کرنا ہوتا ہے، ان صدقات و خیرات کو جمع کر کے یہ آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں اور کسی فقیر و مسکین کو اس میں سے کچھ نہیں دیتے۔

سوال یہ ہے کہ اسلامی شریعت کی روشنی میں ان صدقات کا کیا حکم ہے، جسے یہ آپس میں تقسیم کرنے کے لئے جمع کرتے اور اس مقصد کے لئے تلاوت کو استعمال کرتے ہیں؟ میں نے ایک کتاب میں نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث پڑھی تھی کہ ”جس نے مال کمانے کے لئے قرآن استعمال کیا تو وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کا چہرہ ہڈی کی طرح ہو گا۔“ یعنی گوشت سے خالی ہو گا، تو کیا یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں؟ نیز یہ فرمائیں کہ اس آیت کریمہ: ﴿فَلْيَسْأَلْكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَنْبِئَةٍ﴾ کے کیا معنی ہیں؟

جواب اولاً: تلاوت قرآن محض عبادت اور ایک ایسا ذریعہ ہے، جس سے بندہ اپنے رب کا تقرب حاصل کرتا ہے اور عبادات کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ انہیں مسلمان محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے سرانجام دے اور ان کے ثواب کی اللہ تعالیٰ ہی سے امید رکھے، مخلوق سے اس کے صلہ و شکر یہ کی امید نہ رکھے، یہی وجہ ہے کہ سلف صالح کا محفلوں اور مجلسوں میں قرآن پڑھ کر اجرت وصول کرنے کا طریقہ نہ تھا، نہ ائمہ دین میں کسی سے منقول ہے کہ انہوں نے اس کا حکم دیا ہو یا اس کی رخصت دی ہو اور نہ ہی یہ ثابت ہے کہ ان میں سے کسی نے بھی تلاوت قرآن کی اجرت وصول کی ہو، نہ کسی خوشی کے موقع پر اور نہ کسی غم کے موقع پر، بلکہ وہ تو محض اللہ تعالیٰ سے حصول ثواب کی خاطر تلاوت کیا کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے بھی یہی حکم دیا ہے کہ جو شخص تلاوت کرے وہ اللہ تعالیٰ ہی سے سوال کرے، لوگوں سے سوال کرنے سے آپ نے منع فرمایا ہے۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کا گزر ایک قصہ گو کے پاس سے ہوا جو قرآن پڑھ کر سوال کر رہا تھا، آپ نے ”انا للہ وانا الیہ راجعون“ پڑھا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:

«مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَلْيَسْأَلِ اللَّهَ بِهِ، فَإِنَّهُ سَبَّحِيَّةٌ أَقْوَامٌ يَقْرَأُونَ الْقُرْآنَ يَسْأَلُونَ بِهِ النَّاسَ» (جامع الترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب من قرأ القرآن فليسال الله به... ح: ۲۹۱۷، ومسند

احمد، ۴/۴۳۲)

”جو شخص قرآن پڑھے تو وہ اللہ تعالیٰ ہی سے سوال کرے، عنقریب کچھ لوگ ایسے بھی آئیں گے جو قرآن پڑھ کر لوگوں سے سوال کریں گے۔“

باقی رہا قرآن کی تعلیم یا اس کے ساتھ دم کر کے اجرت لینا یا کوئی ایسا عمل جس کا نفع غیر قاری تک بھی پہنچے تو صحیح احادیث سے اس کا جواز ثابت ہے جیسا کہ حدیث ابوسعید میں ہے کہ ایک آدمی نے سورت فاتحہ کے ساتھ دم کر کے شفاء حاصل ہونے پر مریض سے بطور اجرت بکریوں کا ایک ریوڑ لیا تھا اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کی ایک عورت سے شادی کے لئے مریہ مقرر کیا کہ اسے جس قدر قرآن یاد ہے وہ عورت کو بھی یاد کرادے، لیکن جو شخص نفس تلاوت پر اجرت لیتا ہے یا تلاوت کرنے والوں کی ایک جماعت کو اجرت پر بلاتا ہے تو وہ سلف صالح کے اجماع کے خلاف کرتا ہے۔

ثانیاً: قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، مخلوق کے کلام پر اس کی فضیلت اسی طرح ہے، جس طرح خود اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں پر فضیلت حاصل ہے۔ تلاوت قرآن مجید تمام اذکار سے بہترین اور افضل ترین ہے لہذا تلاوت کرنے والے کو چاہئے کہ وہ باادب ہو کر، خشوع و خضوع اور اخلاص کے ساتھ، احسن انداز میں حسب قدرت معالیٰ پر غور کرتے ہوئے تلاوت کرے،

تلاوت کی بجائے دیگر اذکار کا مشغل اختیار نہ کرے، نہ تکلف و تصنع (بناوٹ) سے کام لے اور نہ ضرورت سے زیادہ آواز بلند کرے۔ جو لوگ تلاوت قرآن کی مجلس میں حاضر ہوں انہیں چاہئے کہ خاموشی کے ساتھ تلاوت کو سنیں اور معانی پر غور کریں، کوئی لغو کام کریں نہ تلاوت کے وقت دوسروں کے ساتھ باتیں کریں اور نہ قاری اور حاضرین مجلس کو تشویش میں ڈالیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۲۰۴﴾ وَأَذْكُرَ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ نَضْرِبُهَا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ ﴿۲۰۵﴾﴾ (الأعراف/۷-۲۰۴-۲۰۵)

”اور جب قرآن پڑھا جائے تو توجہ سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے اور اپنے پروردگار کو

دل ہی دل میں عاجزی اور خوف سے اور پست آواز سے صبح و شام یاد کرتے رہو اور (دیکھنا) غافل نہ ہونا۔“

حالیہ لوگ فکر و فہم کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں۔ ہر مکلف پر فرض ہے کہ وہ دین اور احکام شریعت کو اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ فہم و وسعت وقت کے مطابق سمجھنے کی کوشش کرے تاکہ خود عمل کر سکے اور دوسروں کی رہنمائی کر سکے۔ سب سے پہلے جسے سمجھنا، جس کی طرف مائل ہونا اور جس کی طرف دل سے متوجہ ہونا ضروری ہے، وہ اللہ کی کتاب ہے، قرآن کے جس مقام کو خود نہ سمجھ سکے، اس کے سمجھنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے استعانت (مدد طلب) کرے اور پھر حسب طاقت و قدرت علماء سے مدد لے اور اگر اس کے باوجود کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی بھی انسان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ مقدر بھر کوشش کے باوجود اگر کوئی شخص قرآن کو نہ سمجھ سکے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ تلاوت کرنا بھی چھوڑ دے، مقدر بھر کوشش کے باوجود نہ سمجھ سکتا معیوب نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«الْكَاهِرُ فِي الْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَّةِ، وَالَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهُ أَجْرَانِ» (صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرين، باب فضل الماهر بالقرآن والذي يتتبع فيه، ح: ۷۹۸، سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، باب ثواب القرآن، ح: ۳۷۷۹، مسند احمد ۶/۹۸، ۱۷۰، ۲۶۶)

”قرآن کا ماہر معزز و نیکوکار فرشتوں کے ساتھ ہو گا اور جو شخص قرآن پڑھتا ہے، اس میں اکتاہے اور وہ اس پر گراں گزرتا ہے تو اسے دو گنا اجر و ثواب ملتا ہے۔“

رابعا: فقیر کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضرورت کے مطابق صدقہ لے سکتا ہے، صدقہ کرنے والے کے لئے دعائے خیر کرنا مسنون ہے لیکن قرآن کی تلاوت کر کے اجرت لینا یا وعظ و نصیحت کر کے مال وصول کرنا یا برکت کی امید سے کسی کو مال دینا یا حصول برکت کے لئے کچھ لوگوں کو جمع کرنا جائز نہیں ہے، ابتدائی تین صدیوں میں جنہیں رسول اللہ ﷺ نے خیر القرون قرار دیا، مسلمانوں میں اس طرح کا قطعاً کوئی رواج نہ تھا۔

خامساً: ارشاد باری تعالیٰ:

﴿قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ﴾ (الفرقان ۲/۵۷)

”(اے پیغمبر!) کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس (کام) کی اجرت نہیں مانگتا“

کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو یہ حکم دیا کہ آپ اپنی قوم کو یہ بتادیں کہ آپ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ دین و شریعت کی جو تبلیغ کرتے ہیں اور انہیں توحید خالص اور دیگر تمام احکام اسلام کی دعوت دیتے ہیں تو اس پر ان سے کسی اجرت کا مطالبہ نہیں کرتے بلکہ آپ یہ کام اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت اور اس کی رضا کے حصول کے لئے کرتے ہیں اور اجر و ثواب کی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے یہ اعلان اس لئے بھی کروایا تاکہ آپ مشرکوں کے ان اوہام اور نظنوں کا ذبہ کا ازالہ فرمادیں کہ رسول انہیں اپنی اتباع کی اس لئے دعوت دیتا ہے کہ اس کے ذریعہ وہ مال کمانا چاہتا ہے یا قوم کی سربراہی چاہتا ہے لہذا آپ نے ان کے سامنے یہ واضح فرمادیا کہ آپ انہیں حق کی دعوت محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے دیتے ہیں۔

اسی طرح دیگر تمام انبیاء کرام ﷺ نے بھی اپنی اپنی قوموں کو جو دعوت دی تو اس پر لوگوں سے کسی قسم کی اجرت کا سوال نہیں کیا تھا۔ اس جواب کے پہلے فقرہ میں حدیث عمران بن حصین کے حوالہ سے یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ قرآن کو کمائی کا ذریعہ بنانا اور قرآن پڑھ کر لوگوں سے سوال کرنا منع ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ مانگنے والے کے منہ پر قیامت کے دن گوشت نہ ہو گا تو یہ وعید ہر اس شخص کے لئے ہے جو کسی اضطراری حالت کے بغیر لوگوں سے مانگتا ہے خواہ وہ قرأت قرآن کے حوالہ سے مانگے یا اس کے بغیر مانگے، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَزَالُ الْمَسْأَلَةُ بِأَحَدِكُمْ حَتَّى يَلْقَى اللَّهَ وَلَيْسَ فِي وَجْهِهِ مِرْعَةٌ لَحْمٍ» (صحیح مسلم،

کتاب الزکاة، باب کراهة المسألة للناس، ح: ۱۰۴۰، مسند احمد ۲/۱۵، ۸۸)

”سوال تم میں سے کسی ایک کے ساتھ چننا رہتا ہے حتیٰ کہ جب وہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا تو اس کے چہرے پر گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہ ہو گا۔“

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَسْأَلُ النَّاسَ حَتَّى يَأْتِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَيْسَ فِي وَجْهِهِ مِرْعَةٌ لَحْمٍ» (صحیح

بخاری، کتاب الزکاة، باب من سأل الناس تكثرا، ح: ۱۴۷۴، صحیح مسلم، کتاب الزکاة، باب کراهة

المسألة للناس، ح: ۱۰۴۰)

”آدمی لوگوں سے سوال کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب وہ قیامت کے دن آئے گا تو اس کے منہ پر گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہ ہو گا۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«مَنْ سَأَلَ النَّاسَ أَمْوَالَهُمْ تَكْثُرًا فَإِنَّمَا يَسْأَلُ جَمْرًا فَلْيَسْتَقِلَّ أَوْ لِيَسْتَكْثِرْ» (صحیح مسلم،

کتاب الزکاة، باب کراهة المسألة للناس، ح: ۱۰۴۱، سنن ابن ماجہ، کتاب الزکاة، باب من سأل عن ظهر

غنى، ح: ۱۸۳۸، مسند احمد، ۲/۲۳۱)

”جو شخص اپنے پاس زیادہ مال جمع کر لینے کی غرض سے، لوگوں سے سوال کرتا ہے تو وہ آگ کے انگاروں کا

سوال کرتا ہے، اب چاہے ان کو کم کر لے یا زیادہ کر لے۔“

جو آدمی لوگوں سے قرآن کے حوالہ سے مانگتا ہے، اگر فقیر ہے تو حدیث عمران کے مصداق ہے اور اگر صاحب دولت

ہے تو وہ ان تمام احادیث کے مصداق ہے۔ سوال میں مذکور حدیث کے الفاظ، ہمارے علم کی حد تک کسی صحیح حدیث میں نہیں ہیں۔ (واللہ اعلم)

فتویٰ کمیٹی

کیا رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کیلئے خلافت کی وصیت کی تھی؟

سوال ان لوگوں کے بارے میں کیا حکم ہے جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے خلافت کی وصیت کی لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کے خلاف سازش کی تھی؟

جواب شیعہ فرقہ کے سوا مسلمانوں کے دیگر فرقوں میں سے کسی کا بھی یہ قول نہیں ہے اور یہ ایک باطل قول ہے، رسول اللہ ﷺ کی احادیث صحیحہ سے اس کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں ملتا بلکہ بہت سے دلائل سے یہی ثابت ہے کہ آپ ﷺ کے بعد خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوں گے اللہ تعالیٰ ان سے اور دیگر تمام صحابہ کرام سے راضی ہوں لیکن رسول اللہ ﷺ سے اس مسئلہ میں کوئی نص صریح ثابت ہے، نہ آپ نے اس کے لئے کوئی قطعی وصیت فرمائی ہے ہاں البتہ آپ ﷺ کے کچھ ارشادات سے اس سلسلہ میں راہنمائی ضرور ملتی ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے مرض الوفا میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کی نماز میں امامت کرس، جب آپ ﷺ کے بعد امر خلافت کا ذکر ہوا تو فرمایا:

«يَأْتِي اللَّهُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَّا أَبَا بَكْرٍ» (صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب الاستخلاف، ح: ۷۲۱۷، ۵۶۶۶، انظر سلسله "الصحیحۃ ج: ۲، ح: ۶۹۰)

”اللہ تعالیٰ اور مومن، ابوبکر کے سوا ہر کسی کا انکار کرتے ہیں۔“

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی، بیعت کرنے والوں میں خود حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے، تمام صحابہ کرام کا اس بات پر اتفاق تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ان سب سے افضل ہیں۔ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہم میں ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی ﷺ کی حیات طیبہ ہی میں یہ کہا کرتے تھے:

«خَيْرٌ هَذِهِ الْأُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا أَبُو بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ عَثْمَانُ» (صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، باب فضل ابی بکر بعد النبی ﷺ، ح: ۳۶۵۵)

”نبی کریم ﷺ کے بعد اس امت کے سب سے بہترین انسان حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہیں۔“

نبی کریم ﷺ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس بات کی تائید فرماتے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی متواتر احادیث سے یہ ثابت ہے:

«خَيْرٌ هَذِهِ الْأُمَّةِ بَعْدَ نَبِيِّهَا أَبُو بَكْرٍ ثُمَّ عُمَرُ» (صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ،

باب: ...، ح: ۳۶۷۱)

”نبی کریم ﷺ کے بعد اس امت کے سب سے بہترین شخص ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور پھر ان کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہیں۔“

حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے:

«لَا أُوتِي بِأَحَدٍ يُفْضِلُنِي عَلَيْهِمَا إِلَّا جَلَدْتُهُ حَذَّ الْمُفْتَرِي»

”اگر میرے پاس کوئی ایسا شخص لایا گیا جو مجھے ابو بکرؓ اور عمرؓ سے افضل قرار دے تو میں اسے تہمت کی حد کے مطابق کوڑے لگاؤں گا“

حضرت علیؓ نے کبھی بھی یہ دعویٰ نہیں فرمایا تھا کہ وہ امت کے سب سے افضل انسان ہیں اور نہ کبھی یہ دعویٰ کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے خلافت کی وصیت فرمائی تھی اور نہ یہ کہا کہ صحابہ کرامؓ نے ان پر ظلم کیا اور ان سے ان کا حق چھین لیا تھا۔ حضرت فاطمہؓ کے انتقال کے بعد انہوں نے پہلی بیعت کی تاکید کے لئے دوبارہ بیعت کی تاکہ لوگوں کے سامنے اس بات کا اظہار کر سکیں کہ وہ جماعت ہی کے ساتھ ہیں اور حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کے بارے میں ان کے دل میں کوئی بات نہیں ہے۔ جب حضرت عمرؓ زخمی ہوئے اور انہوں نے اپنے بعد خلافت کے فیصلہ کے لئے عشرہ مبشرہ (وہ دس عظیم انسان جن کو زندگی میں ہی جنت کی خوشخبری دے دی گئی تھی) میں سے چھ آدمیوں کی مجلس شوریٰ بنادی اور حضرت علیؓ بھی ان میں سے ایک تھے تو حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ سے اس مسئلہ میں ان کی زندگی میں کوئی اختلاف کیا تھا نہ ان کی وفات کے بعد اور نہ یہ کہا کہ وہ ان سب سے افضل ہیں۔

ان سب دلائل کے ہوتے ہوئے کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف یہ جھوٹی بات منسوب کرے کہ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کے لئے خلافت کی وصیت کی تھی، جب کہ حضرت علیؓ نے خود کبھی اس کا دعویٰ نہیں کیا تھا، صحابہ کرامؓ میں سے بھی کبھی کسی نے اس کا دعویٰ نہیں کیا تھا بلکہ تمام صحابہ کرامؓ کا اجماع تھا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان ذی النورینؓ کی خلافت صحیح تھی، حضرت علیؓ کو بھی ان کی خلافت کے صحیح ہونے کا اعتراف تھا، آپ نے جہاد اور شوریٰ کے مسائل میں ان سے پورا پورا تعاون بھی کیا پھر صحابہ کرامؓ کے بعد تمام مسلمانوں کا بھی اس پر اجماع تھا، جس پر صحابہ کرامؓ کا اجماع تھا۔ لہذا اس کے بعد کسی فرد یا کسی جماعت کے لئے خواہ وہ شیعہ ہو یا کوئی اور یہ دعویٰ کرنا جائز نہیں کہ حضرت علیؓ وصی ہیں اور ان سے پہلے خلفاء کی خلافت باطل ہے۔ اسی طرح کسی کے لئے یہ کہنا بھی جائز نہیں کہ صحابہ کرامؓ نے حضرت علیؓ پر ظلم کیا اور ان کا حق چھین لیا کیونکہ یہ بات سب سے زیادہ باطل بات اور ان حضرات صحابہ کرامؓ کے بارے میں سوء ظن (برائمان) ہے، جن میں حضرت علیؓ بھی شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو اس بات سے پاک رکھا اور اس کی حفاظت فرمائی ہے کہ یہ کبھی ضلالت پر جمع ہو جائے۔ بہت سی احادیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بھی موجود ہے:

«لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي مَنْصُورِينَ» (جامع الترمذی، کتاب الفتن، باب ما جاء فی اهل الشام،

ح: ۲۱۹۲، سنن ابن ماجہ، کتاب السنۃ، باب اتباع سنۃ رسول اللہ ﷺ، ح: ۶)

”میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر کامیاب رہے گا۔“

لہذا یہ بات محال ہے کہ امت اپنے اشرف ترین دور میں باطل پر جمع ہو جائے کیونکہ شیعہ کے بقول حضرت ابو بکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کی خلافت باطل ہے حالانکہ اس طرح کی بات صرف وہی شخص کہہ سکتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان نہ ہو۔ جس شخص کو اسلام کے بارے میں ادنیٰ سی بھی بصیرت حاصل ہو وہ ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔

شیخ ابن باز

جس حجرہ میں قبریں ہوں، اس میں نماز جائز نہیں

سوال میں نے ان بعض لوگوں سے جھگڑا کیا جو قبرستان میں نماز کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں اور اس مسجد میں بھی نماز پڑھنا جائز قرار دیتے ہیں جس میں قریباً قبریں ہوں۔ میں نے صبح اور صریح احادیث کے ساتھ ان کے شبہات کا رد کیا لیکن انہوں نے میرے جواب میں یہ کہا کہ جب رسول اللہ ﷺ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں دفن ہوئے تو پھر وہ کہاں نماز پڑھتی تھیں؟ سوال یہ ہے کہ کیا آپ کی قبر شریف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کے اندر تھی یا باہر؟ نیز انہوں نے یہ بھی کہا کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مسجد حرام میں بھی نمازیں پڑھی ہیں حالانکہ وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ سیدہ ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور بعض انبیاء مدفون ہیں، تو کیا ان کی یہ بات صحیح ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، رسول اللہ ﷺ کی تدفین کے بعد حجرہ میں نماز پڑھتی رہیں اور مسجد حرام میں حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور بعض انبیاء کرام رضی اللہ عنہم کی قبریں ہیں؟

جواب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض الموت میں فرمایا:

«لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدًا» (صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ما یکرہ من اتخاذ المساجد علی القبور، ح: ۱۳۳۰، صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب النهی عن بناء المسجد...، ح: ۵۳۱)

”اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا تھا۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں:

«يُحَدَّثُ مَا صَنَعُوا، وَلَوْلَا ذَلِكَ لَأُبْرَزَ قَبْرُهُ وَلَكِنْ أَنْ يُتَّخَذَ مَسْجِدًا» (صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ما یکرہ من اتخاذ المساجد علی القبور، ح: ۱۳۳۰، صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب النهی عن بناء المسجد...، ح: ۵۲۹، ۵۳۱)

”آپ ﷺ کے اس بیان فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ آپ اپنی امت کو ایسا کرنے سے ڈرا رہے تھے، اگر یہ بات نہ ہوتی تو آپ کی قبر کو بھی نمایاں کیا جاتا لیکن آپ نے اس بات کو ناپسند فرمایا کہ آپ کی قبر کو مسجد بنایا جائے۔“

ایک روایت میں ہے:

«وَلَكِنْ خَشِيَ أَنْ يُتَّخَذَ مَسْجِدًا»

”آپ اس بات سے ڈرے کہ آپ کی قبر کو مسجد بنا لیا جائے۔“

بخاری کی روایت میں الفاظ یہ ہیں:

«غَيْرَ أَنِّي أَحْشَى أَنْ يُتَّخَذَ» (بخاری، الجنائز، باب ما یکرہ من اتخاذ المساجد...، ح: ۱۳۳۰)

”میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ میری قبر کو مسجد نہ بنا لیا جائے۔“

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ قبروں پر بنی ہوئی مسجدوں میں نماز پڑھنا ناجائز اور انہیں بنانا حرام ہے۔ سوال میں

سائل نے جو یہ پوچھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں دفن ہونے کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نمازیں کہاں پڑھا کرتی تھیں؟ اور کیا آپ کی قبر گھر کے اندر تھی یا باہر؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی ان صحیح احادیث کی راوی ہیں، جن میں رسول اللہ ﷺ نے قبروں کو مسجدیں بنانے سے منع فرمایا ہے اور یہ بھی اللہ عزوجل کی حکمت و مصلحت ہے کہ ان احادیث کی راوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں لہذا اس سے معلوم ہوا کہ وہ اس حجرہ میں قطعاً نمازیں نہ پڑھتی تھیں، جن میں قبریں تھیں کیونکہ اگر وہ اس حجرہ میں نماز پڑھتی تو ان احادیث کی مخالفت لازم آتی، جنہیں انہوں نے خود رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے اور یہ آپ کے شبانہ شان نہ تھا۔ باقی رہی یہ بات کہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا یا بعض انبیاء مسجد حرام میں مدفون ہیں، تو اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

فتویٰ کمیٹی

رسول اللہ ﷺ کی جنوں سے ملاقات

کیا یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنوں کے ساتھ ملاقات فرمائی تھی؟

سوال

ہاں یہ صحیح حدیث سے ثابت ہے، رسول اللہ ﷺ نے اس ملاقات کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی بتایا، انہیں ان کے آثار بھی دکھائے، چنانچہ تفسیر ابن کثیر میں ملاحظہ فرمائیے سورۃ احقاف کی آیت کریمہ:

جواب

﴿وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفْرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ﴾ (الاحقاف ۴۶/۲۹)

”اور جب ہم نے جنوں میں سے کئی شخص تمہاری طرف متوجہ کئے کہ قرآن سنیں.....“

کی تفسیر نیز سورۃ الرحمن اور سورۃ الجن کی تفسیر میں آپ کو اس سوال کا مفصل جواب مل جائے گا۔

فتویٰ کمیٹی

ابلیس آج تک ہمارے درمیان زندہ ہے

کیا ابلیس — لَعْنَةُ اللَّهِ — اب تک زندہ ہے یا مر گیا ہے؟ کیا جن بھی اپنے خردوں کو انسانوں کی طرح دفن

سوال

کرتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ابلیس نے مہلت طلب کی جو اسے دے دی گئی جیسا کہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ

جواب

میں ہے کہ:

﴿قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿۱۰۱﴾ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ﴿۱۰۲﴾﴾ (الحجر ۳۶/۳۷)

”ابلیس نے کہا اے میرے پروردگار مجھے اس روز تک کہ جب لوگ اٹھائے جائیں، مہلت دے۔ اللہ تعالیٰ

نے فرمایا کہ تجھ کو مہلت دی جاتی ہے۔“

چنانچہ وہ اس یوم معلوم تک زندہ ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے اس کی ہلاکت کا حکم دیا ہے اور وہ دنیا میں سب سے آخر میں مرنے والا ہو گا۔ جن ایسے ارواح ہیں جو جسموں سے بے نیاز ہیں، وہ فوت تو ہوتے ہیں لیکن ان کی تدفین ان کے حسب حال ہوتی ہے، ہمیں ان کی صورتوں کی کیفیت اور ان کی موت و تدفین کی حالت کا علم نہیں ہے کیونکہ ان کا تعلق

جنس بشر سے نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

شیخ ابن جریر

جادو کی حقیقت

سوال کیا جادو برحق ہے؟

جواب ہاں جادو کی حقیقت ہے اور وہ حقیقت یہ ہے کہ جادوگر شیطانوں کی عبادت و اطاعت کرتے ہیں اور شیاطین ان کے ارادوں کے مطابق ان کی مدد کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے شیطانوں کو ایسی طاقت و قدرت عطا فرمائی ہے جس سے وہ عجیب و غریب کام سرانجام دے سکتے ہیں۔

شیخ ابن جریر

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اولیاء و صالحین کا وسیلہ

سوال کیا مسلمان کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اولیاء و صالحین کا وسیلہ پیش کرے؟ مجھے بعض علماء کا یہ قول معلوم ہوا ہے کہ اولیاء کے ساتھ وسیلہ پکڑنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ دعاء تو اللہ تعالیٰ ہی سے ہوتی ہے۔ بعض علماء اس کے خلاف ہیں۔ اس مسئلہ میں شریعت کا حکم کیا ہے؟

جواب ولی ہر وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، اس سے ڈرے، اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے اسے بجالائے اور جس چیز سے منع کیا ہے اس سے رک جائے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١٠٦﴾ الَّذِينَ ءَامَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿١٠٧﴾﴾ (یونس ۱۰۶-۱۰۷)

”من رکھو کہ جو اللہ کے دوست ہیں ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے (یعنی) وہ لوگ جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے۔“

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے اولیاء کے ساتھ وسیلہ پکڑنے کی کئی قسمیں ہیں:

- ① انسان کسی زندہ ولی سے یہ مطالبہ کرے کہ وہ اس کے لئے کشاوگی رزق، بیماری سے شفاء یا ہدایت و توفیق کی اللہ تعالیٰ سے دعاء کرے تو یہ جائز ہے جیسا کہ بارش نہ ہونے کی وجہ سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ آپ بارش کے لئے دعاء فرمائیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے بارش کے لئے دعاء فرمائی، اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعاء کو شرف قبولیت سے نوازا اور بارش نازل فرمادی۔ اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے بارش کے لئے دعاء کروائی، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دعاء کی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دعاء پر آمین کہی۔ اس طرح کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اور بعد میں بھی مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے حصول منفعت یا دفع نقصان کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعاء کرنے کا مطالبہ کرتے رہے۔
- ② اللہ تعالیٰ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور اولیاء اللہ سے محبت کے وسیلہ سے دعاء کرے اور

جیسا کہ مذکورہ بالا آیت اس کی قطعی دلیل ہے اور وہ منسوخ بھی نہیں ہے۔ امید ہے کہ آپ اس مسئلہ کی مکمل وضاحت فرمائیں گے۔

جواب اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق کے بارے میں سنت یہ ہے کہ اس نے مسببات کو اسباب کے ساتھ مربوط کر دیا ہے، چنانچہ ایساو نسل کا مباشرت سے ربط ہے، فصل کے اگنے کا زمین میں بیج بونے اور اسے پانی کے ساتھ سیراب کرنے سے، جلانے کا تعلق آگ سے ہے اور غرق کرنے اور تر کرنے کا پانی سے۔ الغرض اسی طرح دیگر اسباب و مسببات ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾ (الانبیاء ۲۱/۳۰)

”اور تمام جاندار چیزیں ہم نے پانی سے بنائیں۔“

اور فرمایا:

﴿وَأَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً مُّجْتَابًا ﴿۱۹﴾ لِنُخْرِجَ بِهِ حَبًّا وَنَبَاتًا ﴿۲۰﴾ وَجَعَلْنَا آلِفَافًا ﴿۲۱﴾﴾ (النبا ۷۸/۱۶-۱۷)

”اور ہم نے چُردتے بادلوں سے موسلا دھار مینہ برسایا تاکہ اس سے اناج اور سبزہ پیدا کریں اور گھنے گھنے باغ“

اور فرمایا:

﴿وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبْرَكًا فَأَنْبَتْنَا بِهِ جَنَّاتٍ وَحَبَّ الْحَصِيدِ ﴿۱﴾ وَالنَّخْلَ بَاسِقَاتٍ لِّمَا طَلَعُ نَظِيدٍ ﴿۲﴾ رِزْقًا لِلْعِبَادِ وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذَلِكَ الْمُرْجُ ﴿۳﴾﴾ (ق ۵۰/۱۱-۹)

”اور آسمانوں سے برکت والا پانی اتارا اور اس سے باغ و بستان اگائے اور کھیتی کا اناج اور لمبی لمبی کھجوریں جن کا گابھا تہہ ہتہ ہوتا ہے (یہ سب کچھ) بندوں کو روزی دینے کے لئے (کیا ہے) اور اس (پانی) سے ہم نے شہر مردہ (یعنی زمین اقمادہ) کو زندہ کیا (بس) اسی طرح (قیامت کے روز) نکل پڑنا ہے۔“

اور فرمایا:

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنْكُم رِيْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَى قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ﴿۱۱﴾﴾ (الأنفال ۸۰/۱۱)

”اور تم پر آسمان سے پانی برسا دیا تاکہ تم کو اس سے (نملا کر) پاک کر دے اور شیطانی نجاست کو تم سے دور کر دے اور اس لئے بھی کہ تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور اس سے تمہارے پاؤں جمائے رکھے۔“

یہ اور اس طرح کی دیگر بہت سی آیات ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ نے مادی اسباب اور معنوی و مادی مسببات کو بیان کر کے ان میں ربط کو بیان فرمایا ہے یعنی اسباب کو مسببات کا سبب بنا دیا ہے اور دونوں کا تعلق اللہ تعالیٰ کے خلق اور قضاء و قدر سے ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے معنوی اسباب بھی پیدا فرمائے جب کہ وہ اسباب کے بغیر بھی مسببات کے پیدا کرنے پر قادر ہے لیکن اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ وہ اسباب ہی کے ساتھ مسببات کو پیدا کرتا اور وجود میں لاتا ہے اور اس میں مضر حکمت کو بھی وہی جانتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كَذَّبَتْ أَهْلَكْتُمْ مَائِنَهُمْ فَمُضِلَّتْ مِن لَّدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ ﴿۱﴾ أَلَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ إِنِّي لَكُرْمَتُهُ نَذِيرٌ ﴿۲﴾ وَإِنْ أَسْتَعْفِفُوا رِيْكُمْ فَمُضِلَّتْ مِن لَّدُنْ تَوْبُوا إِلَيْهِ يَنْصَبْكُمْ مِّنْعَا حَسَنًا إِلَيْهِ أَجَلٌ مُّسَمًّى وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ

فَضَلَّمُوا وَإِنْ تَوَلَّوْا فِإِنَّ أَحَافَ عَلَيْكُمْ عَذَابٌ يَوْمَ كَيْدٍ ﴿٣٠﴾ (ہود ۱۱/۳۰)

”یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں مستحکم ہیں اور اللہ حکیم و خبیر کی طرف سے یہ تفصیل بیان کر دی گئی ہیں۔ (وہ یہ) کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور میں اس کی طرف سے تم کو ڈرانے والا اور خوش خبری دینے والا ہوں اور یہ کہ اپنے پروردگار سے بخشش مانگو اور اس کے آگے توبہ کرو وہ تم کو ایک وقت مقرر تک متاع نیک سے بہرہ مندر کرے گا اور ہر صاحب بزرگی کو اس کی بزرگی (کی داد) دے گا اور اگر تم روگردانی کرو گے تو مجھے تمہارے بارے میں (قیامت کے) بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔“

اپنے نبی ہود علیہ السلام کے ذکر میں فرمایا کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا:

﴿وَيَقْوِمُوا اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا جُنُودَهُمْ﴾ (ہود ۱۱/۵۲)

”اور اے میری قوم! اپنے پروردگار سے بخشش مانگو پھر اس کے آگے توبہ کرو، وہ تم پر آسمانوں سے موسلا دھار بارش برسائے گا اور تمہاری طاقت پر طاقت بڑھائے گا اور (دیکھو) گناہ گار بن کر روگردانی نہ کرو۔“

اپنے نبی نوح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا تھا:

﴿يَقْوِمُوا إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٢﴾ أَنْ أَعْبُدُوا اللَّهَ وَأَتَّقُوهُ وَأَطِيعُوا ﴿٣﴾ يَعْفِرْ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى إِنَّ أَجَلَ اللَّهِ إِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٤﴾﴾ (نوح ۷۱/۴-۲)

”بھائیو! میں تمہیں کھلے طور پر نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میرا کہا مانو وہ تمہارے گناہ بخش دے گا۔ جب اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت آجاتا ہے تو تاخیر نہیں ہوتی کاش تم جانتے ہوتے۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے اپنی امتوں کو دعوت دیتے ہوئے کہا:

﴿قَالَتْ رَسُولُهُمْ أِنِّي لَأَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ سَأَلَ فَاطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَدْعُوكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ (ابراہیم ۱۶/۱۰)

”ان کے پیغمبروں نے کہا کیا (تم کو) اللہ (کے بارے) میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے؟ وہ تمہیں اس لئے بلاتا ہے کہ تمہارے گناہ بخش دے اور (فائدہ پہنچانے کے لئے) ایک مدت مقرر تک تم کو مہلت دے۔“

اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا ہے کہ منافقوں کی ایک جماعت نے اپنے ان بھائیوں کے بارے میں یہ کہا جو غزوہ احد میں مارے گئے تھے کہ:

﴿لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا﴾ (آل عمران ۳/۱۵۶)

”اگر وہ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے۔“

تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ کو حکم دیا کہ وہ فرمادیں کہ:

﴿لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَيْكُمْ مَضْجِعِهِمْ﴾ (آل عمران ۳/۱۵۴)

”اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن کی تقدیر میں مارا جانا لکھا تھا وہ اپنی اپنی قتل گاہوں کی طرف ضرور

نکل آتے۔“

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ قتل نفس اپنے سبب کا مرہون ہے اور ہر مقتول اپنے وقت مقرر کے مطابق فوت ہونے والا ہے، نہ کوئی اپنے مقررہ وقت سے پہلے فوت ہو سکتا ہے اور نہ بغیر سبب کے، اسی طرح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ وَأَنْ يُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ» (صحیح بخاری، کتاب الادب، باب من بسط له في الرزق لصلة الرحم، ح: ۵۹۸۵، صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب صلة الرحم، وتحريم قطعها، ح: ۲۵۵۷، وانخرجه أبو داود في السنن رقم: ۱۶۹۳)

”جو شخص اس بات کو پسند کرے کہ اسکے رزق میں کشاویں اور عمر میں درازی ہو تو وہ صلہ رحمی سے کام لے۔“

اگرچہ صحت کی حفاظت و نگہداشت کا جسمانی صحت اور بیماریوں کے مقابلہ میں خصوصی کردار ہے جیسا کہ مسائل نے کہا ہے لیکن یہ اللہ تعالیٰ کے اذن و تقدیر کے ساتھ ہے جیسا کہ یہ پہلے سے اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور وہ اس حفاظت و نگہداشت کو نتائج کا سبب بنا دیتا ہے جیسا کہ اسباب اور مسببات کی ترتیب اس کی قضاء و قدر کے مطابق پہلے سے اس کے علم میں ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ اسباب کا مسببات میں دخل ہے، اس اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سبب بنا دیا ہے اور اس اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ نے ان اسباب کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ وہ ان پر مسببات کو مرتب کر دے، اس کے یہ معنی نہیں کہ نتائج کے سلسلہ میں اسباب کی اپنی ذاتی اور مستقل تاثیر ہے بلکہ ان میں تاثیر اللہ تعالیٰ پیدا فرماتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ اسباب کو ان میں ودیعت کئے ہوئے خواص سے محروم کرنا چاہے تو وہ کر سکتا ہے جیسا کہ اس نے آگ سے جلانے کے خاصہ کو سلب کر لیا اور اس نے اس کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نہ جلایا بلکہ دیکتی اور بھڑکتی ہوئی آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ٹھنڈی اور سلامتی والی بن گئی۔ اسی طرح اس نے پانی سے غرق کر لینے کی صلاحیت کو سلب کر لیا اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم امن و سلامتی کے ساتھ دریا عبور کر گئی اور جب فرعون اور اس کے ساتھی اسی دریا سے گزرنے لگے تو اس نے پانی کو یہ صلاحیت واپس لوٹا دی اور انہیں غرق کر دیا تو قضاء و قدر کے اعتبار سے مسببات اپنے اسباب کے ساتھ مرہون ہیں حتیٰ کہ حفاظت اور عدم حفاظت کے باوجود انسانوں کی عمریں درازی و کمی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق ہیں لہذا مسائل کا یہ کہنا کہ حفاظت و نگہداشت کا عمروں کی درازی و کمی سے کوئی تعلق نہیں ہے علیٰ وجہ الاطلاق صحیح نہیں ہے کیونکہ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ان کا بھی دخل ہے۔ (وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم)

فتویٰ کمیٹی

زندوں اور مردوں کی طرف سے صدقہ اور قرأت قرآن

سوال کیا کسی شخص کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے زندہ والدین کی طرف سے صدقہ کرے؟ کیا وہ ان کی طرف سے قرآن مجید کی تلاوت بھی کر سکتا ہے؟ اور اگر ایسا کرنا جائز ہے تو کیا صدقہ و قرأت کے لئے صرف نیت ہی کافی ہوگی؟

جواب والدین اور دیگر لوگوں کی طرف سے صدقہ کرنا جائز ہے خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ اور اس کے لئے دل سے نیت

ہی کافی ہے، اگر زبان سے بھی یہ کہہ دے کہ ”اے اللہ! میرے والدین کی طرف سے اس صدقہ کو قبول فرما تو پھر بھی کوئی حرج نہیں۔ والدین، قریبی رشتہ داروں اور دیگر مسلمانوں کے لئے دعاء اور استغفار بھی مسنون ہے، قرآن مجید کی تلاوت اور اس کے ایصالِ ثواب کو اگرچہ بہت سے علماء نے جائز قرار دیا ہے لیکن یہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے لہذا اس کا کوئی اعتبار نہیں اس لئے عدمِ نصوص کی وجہ سے بہت سے علماء نے اس سے منع بھی کیا ہے لہذا کبھی کبھار ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

شیخ جبرین

تعویذوں اور منتروں کی فروخت

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ - وَبَعْدُ

سوال بحوث العلمیہ والافتاء کی فتویٰ کمیٹی کے سامنے یہ سوال آیا جسے وزارت داخلہ کے سیکرٹری کی طرف سے جناب عزت مآب ڈائریکٹر جنرل کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا اور وہ یہ ہے:

(ع - م - ز) نامی ایک شخص نے منصفہ ریاض کے امیر سے اجازت طلب کی ہے کہ اسے بازار میں تعویذوں اور منتروں کی بیچنے کی اجازت دی جائے کیونکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ادارے نے اس سے امیر کی طرف سے اجازت نامہ طلب کیا ہے اور امیر نے تجویز پیش کی ہے کہ اسے آپ کی طرف سے اجازت نامہ دیا جائے اور رخصت کے طالب سے یہ تسلی کر لی جائے کہ وہ ان قواعد و ضوابط کی پابندی کرے گا جو ہم وطنوں کو ناجائز نفع اندوزی سے بچاتے ہیں۔ امید ہے کہ آپ اس سلسلہ میں ہمارے ساتھ اتفاق فرمائیں گے اور کاروبار کے لئے شرائط کو پورا کرنے والے کو اجازت نامہ دینے کے امکانات پر غور فرمائیں گے؟

جواب قبل ازیں بھی یہ فتویٰ صادر کیا جا چکا ہے کہ قرآن مجید یا اذکار نبویہ وغیرہ کو کاغذ یا پلیٹ پر لکھنا اور پھربانی وغیرہ سے مناکر مریض کو پلانا تاکہ اسے بیماری سے شفا نصیب ہو منع ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے، خلفاء راشدین سے یا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایسا ثابت نہیں ہے، ہمارے علم کی حد تک ان میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا، ہر طرح کی خیر و بھلائی رسول اللہ ﷺ، خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پیروی میں ہے۔ مذکورہ فتویٰ کی مکمل عبارت حسب ذیل ہے:

نبی کریم ﷺ نے قرآن مجید، اذکار اور دعاؤں کے ساتھ دم کرنے کی اجازت دی ہے بشرطیکہ دم کے لئے کوئی ایسا کلمہ اختیار نہ کیا جائے جو شرکیہ ہو یا جس کا مفہوم سمجھ میں نہ آتا ہو کیونکہ میں عوف بن مالک سے مروی ہے:

«كُنَّا نَرَفِي فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ كَيْفَ تَرَى فِي ذَلِكَ؟ فَقَالَ: اغْرِضُوا عَلَيَّ زِقَاتِكُمْ لَا بَأْسَ بِالرُّؤْفَى مَا لَمْ تَكُنْ شِرْكَاً» (صحیح مسلم، کتاب السلام، باب لا بأس بالرؤفی ما لم

یکن فیہ شرک، ح: ۲۲۰۰، وخرجه أبوإد فی السنن رقم: ۳۸۸۶)

”ہم زمانہ جاہلیت میں دم کیا کرتے تھے اور اس بارے میں جب ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا: میرے سامنے اپنے دم پیش کرو، دم میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ شرکیہ نہ ہو“

اس طرح کے دم کے بارے میں علماء کا اجماع ہے کہ یہ جائز ہے بشرطیکہ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ اس میں تاثیر صرف

اس صورت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ پیدا فرمادے۔ گردن یا جسم کے کسی دوسرے عضو کے ساتھ باندھا جانے والا تعویذ اگر قرآن کے علاوہ کچھ اور ہو تو وہ حرام بلکہ شرک ہے کیونکہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، رَأَى رَجُلًا فِي يَدِهِ حَلَقَةً مِنْ صُفْرٍ فَقَالَ: مَا هَذَا؟ قَالَ: مِنَ الْوَاهِنَةِ فَقَالَ: انْزِعْهَا فَإِنَّهَا لَا تَزِيدُكَ إِلَّا وَهْنًا، فَإِنَّكَ لَوْ مِتَّ وَهِيَ عَلَيْكَ مَا أَفْلَحْتَ أَبَدًا» (سنن

ابن ماجہ، کتاب الطب، باب تعليق التمام، ح: ۳۵۳۱، ومسند أحمد، ۴/۴۵۵)

”نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کے ہاتھ میں پتیل کا جھلہ دیکھا تو فرمایا یہ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ واہنہ (کمزوری) کی وجہ سے ہے تو آپ نے فرمایا اسے اتار دے، یہ تجھے کمزوری کے سوا اور کوئی فائدہ نہ دے گا، اگر اس جھلہ کو پنے ہوئے تجھے موت آگئی تو تو کبھی نجات نہ پائے گا۔“

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے بیان کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيمَةً فَلَا أَمَّ اللَّهُ لَهُ، وَمَنْ تَعَلَّقَ وَدَعَةً فَلَا وَدَعَ اللَّهُ لَهُ» (مسند احمد، ۴/۱۵۴،

مجمع الزوائد، ۱۰۳/۵ وأبويعلى في المسند رقم: ۱۷۵۹)

”جو شخص تعویذ لٹکائے، اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری نہ کرے اور جو شخص سپی (گھونگا) لٹکائے، اللہ تعالیٰ اس کو آرام نہ دے۔“

مسند احمد ہی کی ایک اور روایت میں ہے کہ:

«مَنْ تَعَلَّقَ تَمِيمَةً فَقَدْ أَشْرَكَ» (احمد فی المسند، ۴/۱۵۴ وأبويعلى في المسند، رقم: ۱۷۵۹،
والحاكم في المستدرک، ۴/۴۱۷) «إِنَّ الرُّطِيَّ وَالتَّمَامِمْ وَالتَّوَلَّةَ شِرْكٌ» (سنن أبي داود، کتاب الطب، باب

تعليق التمام، ح: ۳۸۸۳، ومسند احمد، ۳۸۱۱)

”جس نے تعویذ لٹکایا اس نے شرک کیا۔“

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

«إِنَّ الرُّطِيَّ وَالتَّمَامِمْ وَالتَّوَلَّةَ شِرْكٌ» (سنن أبي داود، کتاب الطب، باب في تعليق التمام،

ح: ۳۸۸۳، احمد في المسند ۱/۳۸۱، وابن ماجه في السنن رقم: ۳۵۷۶)

”جھاڑ پھونک، تعویذ اور اعمال حب شرک ہیں۔“

خواہ اس نے جو لٹکایا ہے وہ قرآنی آیات ہی ہوں۔ صحیح بات یہی ہے کہ قرآنی آیات کا لٹکانا بھی ممنوع ہے اور اس کے

تین اسباب ہیں:

- ① تعویذ لٹکانے کی ممانعت کے بارے میں احادیث عام ہیں، تخصیص کی کوئی دلیل نہیں ہے۔
- ② سد ذریعہ کے لئے اس کی ممانعت ہے کیونکہ اس سے غیر قرآن کے لٹکانے کا راستہ کھلتا ہے۔
- ③ لٹکائے جانے والے کلمات کی توہین ہوتی ہے کیونکہ آدمی انہیں قضاء حاجت، استنجاء اور جنسی عمل کے وقت بھی اپنے ساتھ لٹکائے ہوتا ہے۔

قرآن مجید کی کسی سورت یا آیات کا پلیٹ یا کانڈ پر لکھنا اور پھر اسے پانی یا زعفران وغیرہ کے ساتھ دھونا اور اسے

برکت یا علمی استفادہ یا کسب مال (مال کمانے) یا صحت و عافیت وغیرہ کے حصول کی نیت سے پینا نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے خود کبھی اپنے لئے ایسا کیا اور نہ کسی دوسرے انسان کے لئے اور نہ آپ نے اس کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا امت میں سے کسی کو اجازت دی حالانکہ اس وقت اس کے دواعی اور اسباب بھی موجود تھے لہذا بہتر یہ ہے کہ اسے ترک کر دیا جائے اور صرف اسی پر اکتفاء کیا جائے جو شریعت میں ثابت ہے یعنی قرآن کریم، اسماء حسنیٰ اور رسول اللہ ﷺ سے ثابت اذکار و ادعیہ اور ایسے کلمات جن کے معنی واضح ہوں اور جن میں شرک کا شائبہ نہ ہو اور ایسے طریقے سے تقرب الہی کے حصول کی کوشش کرنی چاہئے جو اس نے خود فرمایا ہے تاکہ ثواب حاصل ہو سکے، اللہ تعالیٰ پریشانیوں کو دور فرمادے، غم و فکر سے نجات دے دے، علم نافع سے سرفراز فرمائے اور ایک مسلمان کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے مقرر کردہ طریقے ہی کافی ہیں اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام و ارشادات کو کافی سمجھے تو وہ اسے ماسوا اللہ سے بے نیاز کر دیتا ہے اور اللہ ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

ان دلائل کی بنیاد پر اس شخص کو تعویذوں اور منتروں کی فروخت کی اجازت نہیں ہونی چاہئے بلکہ اسے ان کے فروخت کرنے سے منع کرنا چاہئے۔ (وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم)

فتویٰ کمیٹی

کیا ابلیس فرشتوں میں سے تھا؟

سوال کیا ابلیس --- لعنہ اللہ --- فرشتوں میں سے ہے یا کسی دوسری جنس سے؟ اور اگر وہ کسی دوسری جنس سے ہے تو پھر ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ﴿۳۶﴾ إِلَّا إِبْلِيسَ ﴿۳۷﴾ ﴾ (الحجر ۱۵/۳۱-۳۰)

”ابلیس کے سوا تمام فرشتوں نے سجدہ کیا“ میں استثناء کی کیا توجیہ ہوگی؟

جواب واضح رہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے ایک جنس ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے نور سے پیدا فرمایا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ انہیں جو حکم دیا جاتا ہے اسے فوراً گزرتے ہیں۔ ابلیس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا کہ وہ جنوں میں سے تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ ﴿۵۰﴾ ﴾

(الکہف ۱۸/۵۰)

”اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس (نے نہ کیا) وہ جنت میں سے تھا تو اپنے پروردگار کے حکم سے باہر ہو گیا۔ (یعنی اس کی نافرمانی کی)۔“

حضرت آدم رضی اللہ عنہ کو جو اس نے سجدہ نہ کیا تو اس کا جواز یہ پیش کیا تھا کہ:

﴿ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ خَلَقَنِي مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ ﴿۷۶﴾ ﴾ (ص ۳۸/۷۶)

”تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے بنایا۔“

ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ﴿۷۳﴾ إِلَّا إِبْلِيسَ ﴾ (ص ۷۳-۷۴)

”تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا مگر شیطان نے۔“

میں اشتیاء منقطع ہے جیسے کہ کوئی یہ کہے جَاءَ الْقَوْمُ الْأَجْمَعُونَ ”گدھے کے سوا ساری قوم آئی“ بعض اہل علم یہ بھی کہتے ہیں کہ ابلیس لعنہ اللہ، جنس ملائکہ سے تھا لیکن اس نے نافرمانی کی اور جب ترمود عصیان (سرکشی اور نافرمانی) پر اصرار کیا تو قیامت تک اللہ تعالیٰ کی لعنت کا مستحق قرار پایا۔ (وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم)

فتویٰ کبیلی

نجومی اور کاہن سے سوال پوچھنا جائز نہیں

سوال میرے والد نفسیاتی مریض ہیں، ان کا مرض بہت طول اختیار کر گیا ہے، کئی بار ہم نے انہیں ہسپتال میں بھی داخل کروایا ہے، اب بعض قریبی رشتہ داروں نے یہ کہا کہ ہم اسے فلاں عورت کے پاس لے جائیں کہ وہ اس طرح کی بیماریوں کا علاج جانتی ہے۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ ہمیں اس عورت کو صرف مریض کا نام بتانا ہو گا اور وہ یہ بتا دے گی کہ ان کی بیماری کیا ہے اور اس کا علاج کیا ہے، سوال یہ ہے کہ اس عورت کے پاس جانا ہمارے لئے جائز ہے؟

جواب اس عورت اور اس جیسی دیگر عورتوں کے پاس جانا، ان سے سوال کرنا اور ان کی تصدیق کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ یہ عورتیں ان نجومیوں اور کاہنوں سے تعلق رکھتی ہیں جو علم غیب کے مدعی ہیں اور علاج کرنے اور خبریں بتانے میں یہ جنوں سے مدد لیتے ہیں اور صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَتَى عَرَّافًا فَسَأَلَ عَنْ شَيْءٍ لَمْ يُقْبَلْ لَهُ صَلَوةٌ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً» (صحیح مسلم، کتاب السلام، باب تحریم الکھانة واتبان الکھان، ح: ۲۲۳۰ واحمد فی المسند، ۶۸/۴، ۲۸۰/۵)

”جو شخص کسی نجومی کے پاس جا کر سوال کرے تو چالیس راتوں تک اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔“

یہ بھی رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا:

«مَنْ أَتَى عَرَّافًا أَوْ كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أَنْزَلَ عَلَى مُحَمَّدٍ ﷺ» (سنن أبي داود، کتاب الطب، باب فی الکھان، ح: ۳۹۰۴، وخرجه الترمذی فی الجامع رقم: ۱۳۵، وابن ماجہ فی السنن رقم: ۶۳۹، واحمد فی المسند ۲/۴۰۸، ۴۷۶)

”جو شخص کسی نجومی یا کاہن کے پاس جائے اور اس کی تصدیق کرے تو اس نے اس دین و شریعت کے ساتھ کفر کیا جسے محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے۔“

اس مفہوم کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں لہذا واجب ہے کہ ان لوگوں کا اور ان کے پاس آنے والوں کا انکار کیا جائے، نہ ان سے کوئی سوال پوچھا جائے، نہ ان کی تصدیق کی جائے بلکہ ان کا معاملہ حکمرانوں تک پہنچایا جائے تاکہ انہیں وہ سزا دی جائے جس کے یہ مستحق ہیں کیونکہ انہیں چھوڑنے اور حکام کو ان کے بارے میں مطلع نہ کرنے میں معاشرے کا نقصان ہے اور جاہل لوگوں کے دھوکا کھانے میں معاون بننا ہے کہ وہ دھوکا و فریب کی وجہ سے ان سے سوال بھی کریں گے اور ان کی تصدیق بھی کریں گے۔ اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

«مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ» (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون النهی عن المنکر . . . ح: ۴۹، واخرجه الترمذی فی السنن رقم: ۲۱۷۳، واحمد فی المسند، ۴۹/۳، ۵۲، ۵۳، ۵۴، والنسائی فی السنن رقم: ۵۰۱۱)

”تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے تو اسے ہاتھ سے مٹا دے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے سمجھائے اور اگر اس کی طاقت بھی نہ ہو تو دل سے برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔“

بلاشبک و شبہ حکمرانوں مثلاً امیر شہریا حکمہ امر بالمعروف یا عدالت میں ان کی شکایت زبان سے اس برائی کو روکنے کے مترادف ہو گی اور یہ نیکی اور تقویٰ میں تعاون ہو گا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق بخشے کہ وہ نیکی و سلامتی کو اختیار کریں اور ہر برائی سے بچیں۔

— شیخ ابن باز —

نبی کی قسم کھانا

سوال بعض لوگ نبی کی قسم کھاتے ہیں اور وہ اس کے عادی بن جاتے ہیں، ان کا عقیدہ تو نہیں ہوتا لیکن محض عادت کی وجہ سے یہ قسم کھا لیتے ہیں، تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب نبی کریم ﷺ یا مخلوقات میں سے کسی اور کی قسم کھانا منکر عظیم اور محرمات شرکیہ میں سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ وحدہ کے سوا اور کسی کے نام کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔ امام ابن عبد البر فرماتے ہیں اس بات پر اجماع ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔ صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور اسے شرک قرار دیا ہے جس طرح کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللَّهَ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ فَمَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللَّهِ أَوْ لِيَصْمُتْ» (صحیح مسلم، کتاب الایمان، ح: ۱۶۴۶، جامع الترمذی، کتاب النذور والایمان، باب ما جاء فی کراهیة الحلف بغیر الله، ح: ۱۵۳۴، مسند احمد ۷/۲)

”بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آباء کی قسم کھانے سے منع فرماتا ہے جو شخص قسم کھانا چاہے تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ کے نام کی قسم کھائے یا خاموش رہے۔“

ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں:

«فَلَا يَحْلِفُ إِلَّا بِاللَّهِ أَوْ لِيَسْكُتَ» (جامع الترمذی، کتاب النذور والایمان، باب ما جاء فی کراهیة الحلف بغیر الله، ح: ۱۵۳۴)

”اللہ تعالیٰ کی قسم کھائے یا خاموش رہے۔“

اسی کے بارے میں مزید نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللَّهِ فَقَدْ كَفَرَ أَوْ أَشْرَكَ» (جامع الترمذی، کتاب النذور والایمان، باب ما جاء فی

کراهية الحلف بغیر الله، ح: ۱۵۳۴، وأبرداود في السنن رقم: (۳۲۵۱)

”جس شخص نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر یا شرک کیا۔“

ایک اور صحیح حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

«مَنْ حَلَفَ بِالْأَمَانَةِ فَلَيْسَ مِنَّا» (سنن أبي داود، کتاب الایمان والنذور، باب کراهية الحلف بالامانة،

ح: ۳۲۵۳)

”جو شخص امانت کی قسم کھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“

اس باب میں بہت سی مشہور و معروف احادیث ہیں لہذا تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ صرف اللہ وحدہ کی قسم کھائیں۔ مذکورہ احادیث کے پیش نظر غیر اللہ کی قسم کھانا جائز نہیں، خواہ وہ کوئی بھی ہو، جو شخص اس کا عادی بن چکا ہو اسے اس سے اجتناب کرنا چاہئے، اپنے اہل و عیال اور دوستوں ساتھیوں کو بھی اس سے منع کرنا چاہئے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ» (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون النہی عن المنکر...، ح: ۷۸، واخرجه الترمذی في السنن رقم: ۲۱۷۳، واحمد في المسند، ۴۹/۳، ۵۲، ۵۳، ۵۴، والنسائي في السنن

رقم: ۵۰۱۱)

”تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے روکے اور

اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے (برا سمجھے) اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔“

غیر اللہ کی قسم کھانا شرک اصغر ہے اور اگر قسم کھانے والے کے دل میں یہ بات ہو کہ جس کی قسم کھائی جا رہی ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرح تعظیم یا عبادت کا مستحق ہے تو پھر یہ شرک اکبر ہو گا۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتے ہیں کہ وہ تمام مسلمانوں پر احسان فرمائے کہ وہ اس سے بچیں، سب کو دین کی سمجھ بوجھ عطا فرمائے اور اپنی ناراضی کے اسباب سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ﴿إِنَّهُ سَمِيعٌ قَرِيبٌ﴾

شیخ ابن باز

تلاوت قرآن کی اجرت کا تقاضا کرنا

سوال بہت سے مسلمان ملکوں میں ہم یہ مشاہدہ کرتے ہیں کہ قاریوں سے اجرت پر تلاوت کروائی جاتی ہے، سوال یہ ہے کہ قاری کے لئے قراءت کی اجرت لینا جائز ہے؟ کیا تلاوت کی اجرت دینے والا گناہ گار ہو گا؟

جواب قرآن مجید کی تلاوت خالص عبادت الہی اور تقرب الہی کے حصول کا ذریعہ ہے۔ تلاوت اور دیگر تمام عبادات کے لئے یہ ضروری ہے کہ انہیں مسلمان محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے سرانجام دے اور اسی سے ثواب کو طلب کرے، مخلوق سے اس کا بدلہ یا صلہ نہ چاہے، یہی وجہ ہے کہ سلف صالح سے مُردوں کے لئے یا محفلوں اور مجلسوں میں لوگوں سے اجرت لے کر قرآن پڑھانا ثابت نہیں ہے، نہ ائمہ دین میں سے کسی سے یہ ثابت ہے کہ انہوں نے اس کا حکم یا اس کی اجازت دی ہو اور نہ ہی ائمہ کرام میں سے کسی سے یہ ثابت ہے کہ اس نے تلاوت قرآن کی اجرت لی ہو بلکہ وہ

صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اور محض اس سے حصول ثواب کے لئے تلاوت کیا کرتے تھے، نبی کریم ﷺ نے بھی یہی حکم دیا ہے کہ جو شخص قرآن پڑھے وہ اللہ تعالیٰ سے مانگے، لوگوں سے سوال کرنے سے آپ نے منع فرمایا ہے۔ سنن ترمذی میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کا گزر ایک قصہ گو کے پاس سے ہوا جو قرآن پڑھ کر لوگوں سے مانگ رہا تھا، انہوں نے ”انا للہ وانا الیہ راجعون“ پڑھا اور پھر کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

«مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَلَيْسَ أَلِ اللَّهِ بِهِ، فَإِنَّهُ سَيَجِيءُ أَقْوَامٌ يَقْرءُونَ الْقُرْآنَ يَسْأَلُونَ بِهِ النَّاسَ» (جامع الترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب من قرأ القرآن فیسأل الله به ...، ح: ۲۹۱۷، ومسند احمد ۴/ ۴۳۲)

”جو شخص قرآن پڑھے تو وہ اللہ تعالیٰ ہی سے مانگے، کچھ لوگ ایسے آئیں گے جو قرآن پڑھ کر لوگوں سے مانگیں گے۔“

باقی رہا قرآن مجید کی تعلیم، یاد کرنے یا اس طرح کے کسی ایسے کام کی اجرت جس کا نفع قاری کے علاوہ کسی اور تک بھی پہنچنے والا ہو تو صحیح احادیث سے اس کا جواز ثابت ہے جیسا کہ حدیث ابوسعید میں ہے کہ انہوں نے سورہ فاتحہ کے ساتھ دم کر کے شفاء حاصل ہونے پر بکریوں کا ایک ریوڑ بطور اجرت لیا تھا۔ حدیث سہل سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک آدمی کے لئے شادی میں مہر ہی یہ مقرر کیا تھا کہ اسے جس قدر قرآن کریم یاد ہے وہ اپنی بیوی کو بھی یاد کرا دے، لیکن جو شخص نفس تلاوت پر اجرت لے یا اجرت پر کچھ لوگوں سے تلاوت کروائے تو وہ سنت اور سلف صالح ذوالفہمین کے اجماع کا مخالف ہے۔

فتویٰ کمیٹی

ظہور مہدی

سوال ظہور مہدی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا احادیث سے یہ ثابت ہے؟ امید ہے آپ وضاحت فرما کر شکر یہ کا موقعہ بخشیں گے؟

جواب امام مہدی کی آمد کے بارے میں بہت سی احادیث ہیں، جو متعدد طرق سے وارد اور جنہیں بہت سے ائمہ حدیث نے روایت کیا ہے۔ اہل علم کی ایک جماعت، جس میں چوتھی صدی کے عالم ابوالحسن آجری بھی شامل ہیں، نے یہ بات ذکر کی ہے کہ مہدی کی آمد کے بارے میں وارد احادیث تو اتر معنوی تک پہنچی ہوئی ہیں۔ علامہ سفارینی نے اپنی کتاب (لوامع الانوار البیہیہ) میں اور علامہ شوکانی نے اپنی کتاب ”التوضیح فی تواتر احادیث المسدی والد جلال والمسح“ میں یہی بات ذکر کی ہے۔ ان کی مشہور علامات بھی ہیں جو احادیث میں مذکور ہیں، جن میں سے سب زیادہ اہم یہ ہے کہ ظلم و ستم سے بھری ہوئی زمین کو وہ عدل و انصاف سے بھر دیں گے لیکن کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ یہ کہے کہ فلاں بن فلاں ہی مہدی ہے حتیٰ کہ اس میں وہ ساری علامات موجود نہ ہوں جن کا نبی کریم ﷺ نے صحیح احادیث میں ذکر فرمایا ہے اور جن میں سے اہم ترین علامت جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ظلم و ستم سے بھری ہوئی زمین کو عدل و انصاف سے بھر دینا ہے۔ (وصصلی اللہ علی

ہمنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

فتویٰ کمیٹی

بني كريم ﷺ کے ساتھ استغاثہ، آپ کو پکارنا اور آپ پر درود پڑھنا

سوال ① کیا نبی کریم ﷺ اپنی قبر شریف میں اس طرح زندہ ہیں کہ روح عنصری جسم و بدن میں موجود ہو اور آپ کی یہ زندگی دنیوی و حسی زندگی جیسی ہو؟ یا آپ کی زندگی اعلیٰ علیین میں اخروی و برزخی زندگی ہے کہ جس میں انسان مکلف نہیں ہوتا جس طرح آپ نے وفات کے وقت فرمایا بھی تھا کہ ((اللَّهُمَّ بِالرَّحْمَةِ الْاَعْلَى)) اور اب قبر میں آپ کا جسد منور بلا روح ہے جب کہ روح مبارک اعلیٰ علیین میں ہے اور روح پاک کا جسم اطہر کے ساتھ اتصال روز قیامت کو ہو گا جس طرح کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ﴾ ”اور جب روہیں (بدنوں سے) ملا دی جائیں گی؟“

جواب ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کی قبر میں برزخی زندگی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے اپنی نعمتوں کی صورت میں آپ کے اعمال صالحہ کی جو پوری پوری جزاء عطا فرمائی ہے، اس سے آپ مستفید ہوتے ہیں لیکن آپ کی روح مبارک جسم اطہر میں نہیں ہے جس طرح دنیا میں تھی اور نہ ہی روح کا جسم اطہر سے اس طرح اتصال ہے جس طرح قیامت کے دن ہو گا بلکہ اس وقت آپ ﷺ کی زندگی برزخی زندگی ہے، جو دنیوی زندگی اور اخروی زندگی کے درمیان کی ایک زندگی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ وفات پا گئے تھے جس طرح کہ آپ ﷺ سے پہلے سابقہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام بھی فوت ہو گئے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَإِنْ مِتَّ فَهُمْ الْخَالِدُونَ﴾ (الانبیاء ۲۱/۳۴)
 ”اور (اے پیغمبر!) ہم نے آپ سے پہلے کسی آدمی کو بقائے دوام نہیں بخشا جیسا کہ آپ فوت ہو جائیں تو کیا یہ لوگ ہمیشہ رہیں گے۔“

اور فرمایا:

﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿٢٦﴾ وَيَبْقَىٰ وَجْهَ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾ (الرحمن ۵۵/۲۶-۲۷)
 ”جو (مخلوق) زمین پر ہے سب کو فنا ہونا ہے اور تمہارے پروردگار ہی کی ذات (بابرکات) جو صاحب جلال و عظمت ہے باقی رہے گی۔“

اور فرمایا:

﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِلَيْهِمْ مَمْنُونٌ﴾ (الزمر ۳۹/۳۰)
 ”(اے پیغمبر!) آپ بھی فوت ہو جائیں گے اور وہ بھی فوت ہو جائیں گے۔“

مذکورہ بالا اور اس طرح کی دیگر آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو فوت کر دیا تھا اور اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کو غسل دیا، جنازہ (بصورت درود شریف) پڑھا اور آپ کو روضہ اطہر میں دفن کر دیا۔ اگر آپ کی زندگی دنیوی زندگی جیسی ہوتی تو آپ کے ساتھ یہ معاملات نہ کئے جاتے جو فوت شدہ انسانوں کے لئے مخصوص ہیں۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی وراثت کا مطالبہ کیا کیونکہ ان کا بھی یہی اعتقاد تھا کہ آپ

وفات پا گئے ہیں، یہ اعتقاد رکھنے میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی آپ کی مخالفت نہیں کی ہاں البتہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہ جواب ضرور دیا کہ حضرات انبیاء کرام صلی اللہ علیہم و آلہم و سلم کی وراثت ان کے وارثوں میں تقسیم نہیں ہوتی۔ آپ صلی اللہ علیہم و آلہم و سلم کی وفات کے بعد حضرات صحابہ کرام جمع ہوئے تاکہ آپ کے بعد آپ کے خلیفہ کا انتخاب کر لیں، چنانچہ خلیفہ اول کے طور پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب عمل میں آیا۔ صحابہ کرام کی طرف سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کرنا گویا ان کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہم و آلہم و سلم وفات پا چکے ہیں، اگر آپ کی زندگی اب بھی دنیوی زندگی جیسی ہوتی تو حضرات صحابہ کرام حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب نہ کرتے۔

حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے دور میں اور اس سے پہلے اور بعد میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جن فتنوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ان مشکل حالات میں وہ کبھی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہم و آلہم و سلم کی قبر شریف کی طرف نہیں گئے کہ آپ سے مشورہ کریں یا ان فتنوں اور مشکلات سے نکلنے کا طریقہ معلوم کریں۔ اگر آپ کی زندگی دنیوی زندگی جیسی ہوتی تو ان حالات میں وہ ضرور آپ صلی اللہ علیہم و آلہم و سلم سے مشورہ کرتے کیونکہ وہ اس بات کے شدید ضرورت مند تھے کہ کوئی انہیں ان مشکل حالات سے نکلنے کی سبیل بتائے یا راہ سمجھائے!

سوال ② کیا نبی کریم صلی اللہ علیہم و آلہم و سلم قبر شریف کے پاس ہر دعاء اور پکار کو سنتے ہیں یا خاص طور پر صرف درود شریف ہی کو سنتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

«مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي سَمِعْتُهُ» (رواہ البیہقی فی شعب الایمان، ۲/۲۱۸، ح: ۱۵۸۳)

”جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود بھیجے میں اسے سنتا ہوں“

نیز فرمائیے کیا یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف ہے یا موضوع؟

جواب اصل بات یہ ہے کہ مردے، زندہ انسانوں کی دعاء اور پکار کو نہیں سنتے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا أَنْتَ بِمَسْمُوعٍ مِّنَ الْقُبُورِ﴾ (فاطرہ ۲۲/۳۵)

”اور (اے پیغمبر!) آپ ان کو جو قبروں میں (مدفون) ہیں سنا نہیں سکتے۔“

کتاب و سنت صحیح سے یہ قطعاً ثابت نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہم و آلہم و سلم انسان کی ہر دعاء اور پکار سنتے ہیں کہ اسے آپ کی خصوصیت تسلیم کر لیا جائے بلکہ آپ سے صرف یہ ثابت ہے کہ آپ کی ذات گرامی پر صلوة و سلام پڑھنے والے کے صلوة و سلام کو آپ تک پہنچا دیا جاتا ہے خواہ کوئی آپ کی قبر شریف کے پاس پڑھے، یا دور پڑھے، دونوں حالتیں برابر ہیں۔ حضرت علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ انہوں نے دیکھا کہ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہم و آلہم و سلم کی قبر کے پاس ایک ”فرجہ“ میں آتا ہے اور اس میں داخل ہو کر دعاء کرتا ہے۔ آپ نے اسے منع کیا اور فرمایا کیا میں تمہیں وہ حدیث نہ سناؤں جسے میں نے اپنے باپ سے اور انہوں نے میرے دادا سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہم و آلہم و سلم نے فرمایا:

«لَا تَتَّخِذُوا قَبْرِي عَيْدًا وَلَا بِيُومِكُمْ قُبُورًا وَصَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ تَسْلِيمَكُمْ يَبْلُغُنِي أَيْنَ كُنْتُمْ»

(سنن أبي داود، كتاب المناسك، باب زيارة القبور، ح: ۲۰۴۲، ومسند احمد ۲/۳۶۷، واخرجه أبو يعلى في

المسند رقم: ۴۶۹)

”میری قبر کو عید اور اپنے گھروں کو قبریں نہ بنانا اور مجھ پر درود پڑھتے رہنا“ تم جہاں کہیں بھی ہو گے تمہارا

سلام مجھے پہنچ جائے گا۔“

یہ حدیث کہ ”جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے، اسے میں سن لیتا ہوں اور جو دور سے پڑھتا ہے اسے پہنچا دیا جاتا ہوں۔“ اہل علم کے نزدیک ضعیف ہے۔ ابو داؤد نے حسن سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو یہ روایت بیان کی ہے کہ

«مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللَّهُ عَلَيَّ رُوحِي حَتَّىٰ أُرَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ» (سنن ابی داؤد،

کتاب المناسک، باب زیارة القبور، ح: ۲۰۴۱)

”جو شخص بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو لوٹا دیتا ہے حتیٰ کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔“

اس میں یہ صراحت نہیں ہے کہ آپ ﷺ سلام بھیجنے والے کے سلام کو سنتے بھی ہیں بلکہ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ آپ اس وقت جواب دیتے ہوں گے، جب فرشتے آپ ﷺ کو سلام پہنچاتے ہوں گے اور اگر ہم یہ فرض بھی کر لیں کہ آپ سلام پڑھنے والے کے سلام کو سنتے ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ ﷺ دعاء اور پکار کو بھی سنتے ہیں۔

سوال ③ کیا ہر ضرورت کے لئے نبی کریم ﷺ سے دعاء یا فریاد کرنا اور مصائب و مشکلات کے وقت آپ ﷺ کی ذات گرامی سے قبر شریف کے قریب سے یا دور سے مدد مانگنا شرک قبیح ہے یا نہیں؟

جواب نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد آپ سے ضرورتوں کے پورا کرنے یا مشکلات کے خاتمہ کے لئے دعاء، فریاد یا مدد طلب کرنا شرک اکبر ہے جس سے انسان ملت اسلامیہ سے خارج ہو جاتا ہے خواہ کوئی دعاء اور فریاد قبر شریف کے پاس کرے یا دور سے، مثلاً یوں کہے: ”یا رسول اللہ! مجھے شفا عطا فرما دو۔“ ”یا رسول اللہ! میرے گمشدہ (عزیز) کو واپس لوٹا دو۔“ وغیرہ۔

سوال ④ قبر شریف کے پاس درود شریف کے کون سے صیغے افضل ہیں یعنی «الصلوة والسلام عليك يا رسول الله» یا «اللهم صل على محمد و آل محمد... الخ» کیا نبی کریم ﷺ اس آدمی کو دیکھتے ہیں جو آپ کی قبر شریف کے پاس آپ پر درود پڑھتا ہے؟ کیا نبی کریم ﷺ نے صحابہ عظام یا اولیاء کرام میں سے کسی کے سلام کا جواب دینے کے لئے کبھی اپنا دست مبارک اپنی قبر شریف سے باہر نکالا تھا؟

جواب (الف) ہمارے علم کی حد تک قبر شریف کے پاس پڑھنے کے لئے صلوة و سلام کے کوئی مخصوص الفاظ ثابت نہیں ہیں لہذا آپ ﷺ کی قبر شریف کی زیارت کے وقت یہ پڑھنا بھی جائز ہے کہ «الصلوة والسلام عليك يا رسول الله» یہ الفاظ اگرچہ خبر کے ہیں لیکن ان سے معنی طلب و انشاء کے ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ درود ابراہیمی «اللهم صل على محمد... الخ» پڑھ لیا جائے۔

(ب) کتاب و سنت صحیحہ سے یہ ثابت نہیں کہ نبی کریم ﷺ قبر شریف کی زیارت کرنے والے کو دیکھتے ہیں، اصل عدم روایت ہے الایہ کہ کتاب و سنت کی کسی دلیل سے ثابت ہو جائے۔

میت کے بارے میں اصل بات یہ ہے، خواہ وہ نبی ہو یا غیر نبی کہ، وہ قبر میں حرکت نہیں کر سکتا کہ ہاتھ کو آگے بڑھائے یا اس طرح کی کوئی بات کرے، یہ جو کہا گیا ہے کہ کسی سلام کرنے والے کے لئے نبی کریم ﷺ نے اپنا دست

مبارک قبر شریف سے باہر نکالا اور فرمایا کہ (اپنے دائیں ہاتھ کو آگے بڑھاؤ تاکہ تمہیں یہ سعادت نصیب ہو) تو یہ بات صحیح نہیں، یہ محض وہم و خیال ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ (وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم)

غیر اللہ کی قسم کھانا

سوال غیر اللہ کی قسم کھانے کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ شرک ہے یا نہیں؟
جواب کسی بھی فرشتے یا نبی یا ولی یا مخلوقات میں سے کسی بھی مخلوق کی قسم کھانا حرام ہے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کو ایک قافلہ میں دیکھا کہ وہ اپنے باپ کی قسم کھا رہے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سب قافلہ والوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

«أَلَا إِنَّ اللَّهَ عَزَّوَجَلَّ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ فَمَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللَّهِ أَوْ لِيَصُومُ» (صحیح مسلم، کتاب الایمان، ح: ۱۶۴۶، جامع الترمذی، کتاب النور والایمان، باب ما جاء فی کراهیة الحلف بغیر اللہ، ح: ۱۵۳۴)

”خبردار! لوگو! آگاہ رہو کہ اللہ عزوجل تمہیں اپنے آباء کی قسمیں کھانے سے منع فرماتا ہے۔ پس جو شخص قسم کھانا چاہے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کی قسم کھائے یا خاموش ہو جائے۔“
 حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ایک دوسری روایت میں ہے:

«مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلَا يَحْلِفُ إِلَّا بِاللَّهِ» (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب النهی عن الحلف بغیر اللہ تعالیٰ ح: ۱۶۴۶)

”جو شخص قسم کھانا چاہے تو وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی قسم کھائے۔“
 قریش چونکہ اپنے آباؤ اجداد کی قسمیں کھایا کرتے تھے اس لئے فرمایا:

«لَا تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ» (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب النهی عن الحلف بغیر اللہ تعالیٰ ح: ۱۶۴۶)

”اپنے آباء کی قسمیں نہ کھاؤ۔“

نبی کریم ﷺ نے غیر اللہ کی قسم کھانے سے منع فرمایا اور نبی کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ یہ حرمت پر دلالت کرتی ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے اس کا نام شرک رکھا ہے، چنانچہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ حَلَفَ بِشَيْءٍ دُونَ اللَّهِ فَقَدْ كَفَرَ أَوْ أَشْرَكَ» (مسند احمد، ۱/۴۷، ۲/۳۴)

”جس نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔“

ترمذی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا اور حسن قرار دیا اور امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللَّهِ فَقَدْ كَفَرَ أَوْ أَشْرَكَ» (ابوداؤد فی السنن، رقم: ۳۲۵۱، جامع الترمذی، کتاب

النور والایمان، باب ما جاء في ان من حلف بغير الله، ح: ۱۵۳۴)

”جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر کیا یا شرک کیا۔“

علماء نے اسے شرک اصغر پر محمول کیا ہے اور اسے ”كُفْرٌ ذُوْنٌ كُفْرٍ“ قرار دیا ہے یعنی یہ وہ کفر اکبر نہیں ہے جس کا ارتکاب کر کے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ ”والعیاذ باللہ“ لیکن یہ بہت بڑا کبیرہ گناہ ہے، اسی وجہ سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں، اللہ تعالیٰ کے نام کی جھوٹی قسم کھاؤں یہ مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ غیر اللہ کے نام کی سچی قسم کھاؤں۔“ اس کی تائید حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ حَلَفَ مِنْكُمْ فَقَالَ فِي حَلْفِهِ بِاللَّاتِ فَلْيَقُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَمَنْ قَالَ لِأَخِيهِ تَعَالَ أَقَامِرَكَ فَلْيَبْتَصِدْ» (صحیح بخاری، کتاب الایمان النور، باب لا یخلف باللات والعزی ولا بالطواغیت، ح: ۶۶۵۰، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب من حلف باللات والعزی ...، ح: ۱۶۶۷)

”جس نے قسم کھاتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ لات کی قسم! تو اسے اس کے بعد یہ کہنا چاہئے ”لا الہ الا اللہ“ اور جس نے اپنے بھائی سے یہ کہہ دیا کہ آئیے جو کھیلیں اسے صدقہ کرنا چاہئے۔“

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ جو مسلمان لات کی قسم کھا بیٹھے تو وہ اس کے بعد ”لا الہ الا اللہ“ پڑھ لے کیونکہ غیر اللہ کی قسم کھانا اس کمال توحید کے منافی ہے، جسے اختیار کرنا مسلمان کے لئے ضروری ہے۔ غیر اللہ کی قسم کھانے میں غیر اللہ کی تعظیم ہے اور یہ تعظیم یعنی قسم کھانا اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے مخصوص ہے۔ بعض احادیث میں جو آباء کی قسم کا ذکر آیا ہے تو اس کا تعلق ممانعت سے قبل، قریش کے اس معمول کے مطابق ہے، جس کے وہ زمانہ جاہلیت میں عادی تھے۔

فتویٰ کمیٹی

بدعات

محدثات الامور (بدعات) سے کیا مراد ہے اور اس کے کیا معنی ہیں؟

سوال

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد:

جواب

«إِيَاتِكُمْ وَمُخَدَّنَاتِ الْأُمُورِ» (مسند احمد، ۱۲۶/۴)

”اپنے آپ کو دین میں نئی باتوں سے بچاؤ“

سے مراد ہر وہ نئی بدعت ہے، جسے لوگوں نے دین اسلام میں ایجاد کر لیا ہو، خواہ اس کا تعلق عقائد سے ہو یا عبادات وغیرہ سے کہ یہ کتاب اللہ سے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح سنت سے ثابت نہ ہو مگر لوگوں نے اسے دین بنا لیا ہو اور اس کے ساتھ یہ سمجھتے ہوئے اللہ کی عبادت کرتے ہوں کہ یہ حکم شریعت ہے حالانکہ یہ حکم شریعت نہیں بلکہ یہ بدعت اور شریعت میں ممنوع ہوتا ہے مثلاً فوت شدہ صالحین یا عاصبین سے دعاء کرنا، قبروں پر مسجدیں بنانا، قبروں کے ارد گرد طواف کرنا، اہل قبور سے مدد طلب کرنا اور یہ گمان کرنا کہ وہ اللہ کے ہاں ان کے سفارشی ہیں اور حاجتوں کے پورا کرنے اور مشکلات کے

خاتمہ کے لئے وسیلہ ہیں، انبیاء و اولیاء کے ایام ولادت پر عرس منانا اور ان ایام میں محفلیں منعقد کرنا اور ان محفلوں میں ایسے کام کرنا جن کو یہ شب ولادت یا یوم ولادت یا ماہ ولادت کی مناسبت سے تقرب کے مخصوص کام قرار دیتے ہیں۔ الغرض اس طرح کی بے شمار بدعات و خرافات ہیں، جن کا اللہ تعالیٰ نے کوئی حکم دیا اور نہ یہ رسول اللہ ﷺ کی سنت سے ثابت ہیں۔ اس وضاحت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض بدعات تو شرک ہیں مثلاً مُردوں سے فریاد یا ان کے نام کی نذر نیاز اور بعض صرف بدعت ہیں، شرک نہیں مثلاً قبروں پر عمارتیں یا مسجدیں بنانا بشرطیکہ ان میں غلو کے ایسے کام نہ کئے جائیں جو شرک تک پہنچا دینے والے ہوں۔

فتویٰ کیٹی

فاسق کے لئے رحم کی دعاء کرنا

سوال میرا ایک رشتے دار فوت ہو گیا جو زندگی میں فاسق و فاجر تھا لیکن وہ نماز پڑھتا تھا، تو کیا وفات کے بعد اس کے لئے دعا کرنا اور دعاء کرنا جائز ہے؟

جواب ایسے شخص کے لئے دعاء کرنا اور دعا کرنا جائز ہے جب تک کہ اس نے دین اسلام کو اپنا دین سمجھا، شہادتین کا اقرار کیا، نمازیں پڑھیں اور دین کے ظاہری شعائر کو بجالاتا رہا تو وہ اپنے گناہوں اور برے اعمال کی وجہ سے دعاء کا زیادہ مستحق ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کسی مسلمان کی دعاء کو قبول کر کے اس کے گناہوں کو معاف فرمادے۔

شیخ ابن جبرین

غیر اللہ سے مدد مانگنے والے کے پیچھے نماز پڑھنا

سوال کیا اس شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے جو غیر اللہ سے مدد مانگتا اور اس طرح کے کلمات زبان سے ادا کرتا ہو کہ ”اے غوث! ہماری فریاد سن، اے پیر عبدالقادر جیلانی! ہماری مدد فرما۔“^① اگر ایسے امام کے علاوہ کوئی اور نہ ہو تو کیا میرے لئے گھر میں نماز پڑھنا جائز ہے؟

جواب مشرکوں کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے اور جو غیر اللہ سے فریاد کرتے اور اس سے مدد طلب کرتے ہیں وہ بھی مشرک ہیں، غیر اللہ سے استعاذہ خواہ وہ مردہ انسان ہوں یا بت یا جن وغیرہ، یہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات گرامی کے ساتھ

① جیسے ہمارے ہاں کئی لوگ یہ کہتے ہیں اور بعض خالموں نے تو اسے اپنی مسجدوں پر بھی لکھوا رکھا ہے کہ ”یا شیخ عبدالقادر جیلانی شینا اللہ“ (اے شیخ عبدالقادر جیلانی! ہمیں بھی اللہ کے لیے کچھ دیجئے!) برصغیر پاک و ہند کے اکثر مشرک لوگ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو ”غوث اعظم“ کہتے ہیں اور یہ صریحاً شرک ہے، اسی طرح یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں۔

امداد کن، امداد کن، از رنج و غم آزاد کن
در دین و دنیا شاد کن، یا شیخ عبدالقادر

یہ تمام شرکیہ اور کفریہ کلمات ہیں۔ والعیاذ باللہ! (مترجم)

شرک ہے ہاں البتہ کسی حاضر اور زندہ انسان سے مدولی جاسکتی ہے بشرطیکہ وہ تمہاری مدد کرنے کی قدرت رکھتا ہو جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں مذکور ہے کہ:

﴿فَاسْتَعْتَذَرَ آلَؤُى مِنْ شَيْعِنِهِ عَلَى الَّذِى مِنْ عَدُوِّهِ﴾ (القصص ۲۸/۱۵)

”جو شخص ان کی قوم میں سے تھا اس نے دوسرے شخص کے مقابلے میں جو موسیٰ (علیہ السلام) کے دشمنوں میں سے تھا، مدد طلب کی۔“

اگر کوئی مسلمان امام نہ ہو جس کی اقتداء میں نماز پڑھی جائے تو گھر میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ اگر تم مشرک امام سے پہلے یا بعد میں مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ نماز پڑھ سکتے ہو تو اس طرح پڑھ لو۔ اگر مسلمانوں میں یہ استطاعت ہو کہ مشرک امام کو معزول کر کے کسی مسلمان امام کو متعین کر دیں تو ان کے لئے ایسا کرنا فرض ہے کیونکہ یہ امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور اللہ تعالیٰ کی زمین میں اس کی شریعت کو قائم کرنا ہے، بشرطیکہ فتنہ کے بغیر ایسا کرنا ممکن ہو، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾

(التوبة ۹/۷۱)

”اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست (مددگار و معاون) ہیں نیکی اور بھلائی کے کام کرنے کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔“

اور نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُعَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أضعف الإيمان» (صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان کون النہی عن المنکر...، ح: ۴۹، وخرجه الترمذی فی السنن رقم: ۲۱۷۳، واحمد فی المسند، ۴۹/۳، ۵۲، ۵۳، ۵۴، والنسائی فی السنن ح رقم: ۵۰۱۱)

”تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے تو اسے چاہئے کہ ہاتھ سے مٹا دے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے (سمجھا دے) اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے (برا سمجھے) اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔“

جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دین کے مطابق حکومت نہ کرے۔

سوال وہ حکمران جو اللہ تعالیٰ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دیں کیا وہ کافر سمجھے جائیں گے اور اگر ہم یہ کہیں کہ نہیں وہ مسلمان ہیں تو پھر اس ارشاد باری تعالیٰ کے کیا معنی ہیں کہ:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ (المائدة ۴۴)

”جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔“

جواب اللہ تعالیٰ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے بغیر حکم دینے کی کئی قسمیں ہیں، جن کے اعتقاد و اعمال کے مطابق احکام مختلف ہیں۔ جو شخص بغیر ما نزل اللہ کا حکم دے اور کہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت سے بہتر ہے تو وہ تمام مسلمانوں کے نزدیک کافر ہے، اسی طرح وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی شریعت کے بجائے وضعی قوانین کو نافذ کرے اور ان وضعی

تو انہیں کے نفاذ کو جائز قرار دے، خواہ یہ اقرار بھی کرے کہ شرعی قوانین کو نافذ کرنا افضل ہے، تو وہ بھی کافر ہے کیونکہ اس نے اس کو حلال قرار دے دیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا تھا لیکن جو شخص خواہش نفس کی پیروی کرتے ہوئے یا رشوت کے لئے یا اپنے اور محکوم علیہ کے درمیان دشمنی کی وجہ سے یا دیگر اسباب کی وجہ سے بغیر ما نزل اللہ (اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کے خلاف) حکم دیتا ہے اور جانتا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے اور اس پر واجب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کے مطابق حکم دے، تو ایسے شخص کو کبیرہ گناہ کا مرتکب سمجھا جائے گا اور اس کے اس فعل کو کفر اصغر، ظلم اصغر اور فسق اصغر شمار کیا جائے گا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما طاؤس اور سلف صالح کی ایک جماعت سے یہ بات منقول اور اہل علم کے ہاں معروف ہے۔ واللہ ولی التوفیق!

شیخ ابن باز

حضرت علی رضی اللہ عنہ کیلئے ”علیہ السلام“ کے الفاظ استعمال کرنا جائز نہیں

سوال کتاب (عقد الدرر فی اخبار المنظر) پڑھتے ہوئے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول روایات کو بیان کرتے ہوئے مصنف یہ اسلوب اختیار کرتا ہے کہ: ”حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا...“ سوال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے انسان کے لئے ”علیہ السلام“ یا اس کے مشابہ الفاظ استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟

جواب حضرت علی کیلئے ”علیہ السلام“ کے الفاظ کی تخصیص کرنا جائز نہیں بلکہ آپ کے حق میں اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں ﷺ کے الفاظ استعمال کرنا مشروع ہے یا ”رضی اللہ عنہ“ کے الفاظ استعمال کئے جاسکتے ہیں۔ بطور خاص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے ”علیہ السلام“ یا ”کرم اللہ وجہہ“ کے الفاظ استعمال کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے لہذا افضل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے بھی وہی الفاظ استعمال کئے جائیں جو دیگر خلفاء راشدین کے لئے استعمال ہوتے ہیں اور ایسے الفاظ ان کے لئے بطور خاص استعمال نہ کئے جائیں جن کی کوئی دلیل نہیں ہے۔

شیخ ابن باز

جن کے لئے ذبح کرنے والا

سوال اس شخص کے لئے کیا حکم ہے جو ایسے شہر میں پروان چڑھا جہاں اسے صرف نماز یا زیادہ سے زیادہ ارکان خمسہ کا علم ہو سکا اور وہ ان کے مطابق عمل بھی کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ وہ جنوں کے نام پر ذبح کرتا اور بوقت ضرورت انہیں پکارتا بھی ہے لیکن نہیں جانتا کہ اسلامی شریعت نے اس سے منع کیا ہے۔ کیا وہ اپنی جہالت کی وجہ سے معذور ہے یا نہیں؟ کیا حقیقت حال بیان کرنے سے قبل اسے یہ کہا جاسکتا ہے کہ تو مشرک ہے؟

جواب توحید کا علم رکھنے والے جس شخص کو اس کا حال معلوم ہو اس کا یہ فرض ہے کہ وہ اسے یہ بتائے کہ جن وغیرہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا شرک اکبر ہے، اس سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ضرورتوں کے پورا کرنے کے لئے بھی جنوں کو پکارنا شرک اکبر ہے اور اس سے بھی انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے کیونکہ یہ دونوں

صورتیں عبادت کی ہیں لہذا ضروری ہے کہ یہ خالص اللہ ہی کے لئے ہوں، غیر اللہ کو ان میں شریک کرنا شرک اکبر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٤﴾ لَا شَرِيكَ لَمْ يَذَلِكِ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوْلَى الْمُسْلِمِينَ ﴿١٦٥﴾ قُلْ أَغْيَرَ اللَّهُ بَنِي رَبِّي وَهُوَ رُبُّ كُلِّ شَيْءٍ ﴿١٦٦﴾ ﴾ (الأنعام/ ۱۶۲-۱۶۵)

”اے پیغمبر! کہہ دیجئے کہ میری نماز، میری عبادت، میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین ہی کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اس بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے اول فرمانبردار ہوں، کئے کیا میں اللہ کے سوا اور پروردگار تلاش کروں اور وہی تو ہر چیز کا مالک ہے۔“

اور فرمایا:

﴿ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِن فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿١٠٦﴾ وَإِن يَمَسُّكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِلَىٰ هُوَ يُرَدُّكَ يُخَيِّرُ فَلَإِ رَادَّ لِفَضْلِهِ ﴿١٠٧﴾ ﴾ (يونس/ ۱۰۶-۱۰۷)

”اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کو نہ پکارنا جو نہ تمہارا کچھ بھلا کر سکے اور نہ کچھ بگاڑ سکے اگر ایسا کرو گے تو ظالموں میں ہو جاؤ گے اور اگر اللہ تم کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اس کا کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر تم سے بھلائی کرنی چاہئے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں۔“

اور فرمایا:

﴿ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَأَحْسِرْ ﴿٢﴾ ﴾ (الکوثر/ ۱۰۸-۲)

”اپنے پروردگار کے لئے نماز پڑھا کرو اور قربانی کیا کرو۔“

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لَعَنَ اللَّهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللَّهِ» (صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، باب تحريم الذبح لغير الله تعالى ولعن فاعله، ح: ۱۹۸۷)

”اللہ تعالیٰ اس شخص پر لعنت کرے جو غیر اللہ کے لئے ذبح کرے۔“

اگر ایسا شخص جنوں کے لئے ذبح کرنے اور ضرورتوں کے پورا کرنے کے لئے انہیں پکانے پر اصرار کرے تو وہ شرک اکبر کا مرتکب مشرک ہو گا۔ کتاب و سنت کے دلائل کے بعد اس کا کوئی عذر قابل قبول نہ ہو گا اور اس کو شرک اکبر کا مرتکب کافر و مشرک کہا جائے گا۔

فتویٰ کمیٹی

کیا قبر میں میت میں زندگی لوٹ آتی ہے؟

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ - وَبَعْدُ

سوال: بحوث العلمیہ والافتاء کی فتویٰ کمیٹی کے علم میں یہ سوال آیا جو ساحتہ الرئیس العام کی خدمت میں پیش ہوا تھا کہ میں نے علماء اسلام سے سنا ہے کہ مردہ قبر میں زندہ ہو جاتا ہے اور وہ فرشتوں کے سوال کا جواب دیتا ہے اور اگر اس میں

کفر اور دنیا کی زندگی میں اسلام پر عدم استقامت ثابت ہو تو اسے عذاب دیا جاتا ہے۔ مبادی اسلام کے شناسا ہونے کی حیثیت سے مجھے قرآن کریم سے کوئی ایسی واضح دلیل نہیں ملتی جس سے یہ معلوم ہو کہ قبر میں سوال و جواب اور عذاب ہوتا ہے بلکہ ارشاد باری تعالیٰ تو یہ ہے:

﴿يَأْتِيهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿٢٧﴾ أَرْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَةً ﴿٢٨﴾ فَأَدْخِلِي فِي عَبْدِي ﴿٢٩﴾ وَأَدْخِلِي جَنَّتِي ﴿٣٠﴾﴾
(الفجر ۹۸/۲۷-۳۰)

”اے اطمینان پانے والی روح! اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل، تو اس سے راضی۔ وہ تجھ سے راضی، تو میرے (ممتاز) بندوں میں شامل ہو جا اور میری بہشت میں داخل ہو جا۔“
میرے ناقص فہم کے مطابق جسم سے نکلنے کے بعد روح اپنے رب کے پاس جا پہنچتی ہے، میں نہیں سمجھتا کہ روح قبر میں اپنے جسم کے ساتھ مل جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے مستفید ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالُوا رَبَّنَا آمَنَّا آتَيْنَاكَ آيَاتِنَا وَأُحْيَيْتَنَا وَأَيُّتِنَا ﴿١١﴾﴾ (الغافر ۴۰/۱۱)

”وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہم کو دو دفعہ بے جان کیا اور دو دفعہ جان بخشی۔“

میں اس آیت سے یہ سمجھتا ہوں کہ دو دفعہ کی موت سے مراد وقت نطفہ اور جسم سے جان کے خروج کے وقت کی موت ہے جس طرح کہ دو دفعہ کی زندگی سے مراد شکم مادر اور بعثت کے وقت کی زندگی ہے۔ اس آیت میں قبر کے سوال و جواب اور عذاب کی طرف اشارہ نہیں ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالُوا يَا بُولُوكِنَّا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَرْقَدِنَا ﴿٥٢﴾﴾ (یس ۳۶/۵۲)

”وہ (کافر) کہیں گے (اے ہے) ہمیں ہماری خوابگاہوں سے کس نے (جگایا) اٹھایا۔“

اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کفار (اپنی قبروں میں سوئے ہوئے ہوں گے اور نیند تو عذاب کے منافی ہے، آخر میں امید ہے کہ مجھے اس سوال کا شافی جواب ملے گا جیسا کہ آپ کے جوابات ہمیشہ شافی ہی ہوتے ہیں۔

جواب

کمیٹی نے اس کا یہ جواب دیا:

اولاً: احکام شرعیہ کے دلائل جیسے قرآن کریم سے ہوتے ہیں ایسے ہی رسول اللہ ﷺ کی صحیح ثابت شدہ سنت سے بھی ہوتے ہیں خواہ وہ قولی ہو یا فعلی یا تقریری کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم عام ہے کہ آپ ہمارے پاس جو بھی نصوص کتاب و سنت لے کر آئیں ہم ان کو لے لیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ﴿٧﴾﴾ (الحشر ۵۹/۷)

”جو چیز تم کو رسول (ﷺ) دیں لے لو اور جس سے منع کرس (اس سے) باز رہو۔“

کیونکہ آپ خواہش نفس سے بات نہیں فرماتے تھے بلکہ وحی الہی کی روشنی میں ہمارے لئے احکام شریعت بیان فرماتے تھے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا يَطَّلِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ﴿٢﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ﴿١﴾ عَلَّمَكَ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ﴿٥﴾﴾ (النجم ۵۳/۵-۳)

”اور وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔ یہ (قرآن) تو اللہ کا حکم ہے جو ان کی طرف بھیجا جاتا ہے۔ ان کو بڑی قوتوں والے نے سکھایا۔“

نبی ﷺ جو کچھ بھی لے کر آئے اس کا اتباع کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان اور اس کی محبت کی دلیل ہے اور اس کے نتیجہ میں رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنے والے سے اللہ تعالیٰ بھی محبت فرماتا اور اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۳۱﴾ (آل عمران ۳۱/۳)

”(اے پیغمبر لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ بھی تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ﴾ (آل عمران ۳۲/۳)

”(اے پیغمبر!) کہہ دیجئے (لوگو!) اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو، اگر وہ نہ مانیں تو اللہ بھی کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔“

اور فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَزَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴾ (النساء ۵۹/۴)

”مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں اللہ اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو، یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا انجام و نتیجہ بھی اچھا ہے۔“

اور فرمایا:

﴿ مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ﴾ (النساء ۸۰/۴)

”جو شخص رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو بلاشبہ اس نے اللہ کی فرمانبرداری کی اور جو نافرمانی کرے تو اسے پیغمبر تمہیں ہم نے ان کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔“

اس طرح کی قرآن کریم کی بہت سی آیات ہیں جن میں ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کریں، آپ کا اتباع کریں اور جو کچھ آپ سے ثابت ہے اسے لے لیں اور اس کے مطابق عمل کریں۔ رسول اللہ ﷺ کی سنت صحیحہ حجت ہے اور اس سے عقیدہ و عمل کے احکام ثابت ہوتے ہیں، جس طرح آیات قرآن حجت ہیں اور ان سے بھی عربی زبان کے قواعد کے تقاضوں کے مطابق اور عربوں کے اپنی زبان کو سمجھنے کے طریقوں کے مطابق صراحتاً اور استنباطاً احکام ثابت ہوتے ہیں۔

ثانیاً: عقلی طور پر کافروں کے لئے عذاب قہر ممکن ہے، قرآن کریم سے بھی یہ ثابت ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَحَاقَ بِمَالِ فِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾ النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۴۶﴾ (غافر ۴۵/۴۶)

”اور آل فرعون کو سخت عذاب نے آگھیرا (یعنی آتش جنم کہ صبح و شام اس کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اور جس روز قیامت برپا ہوگی (حکم ہو گا کہ) آل فرعون کو سخت عذاب میں داخل کرو۔“
یہ آیت کریمہ قبر میں آگ کے عذاب کے اثبات کے لئے واضح دلیل ہے کہ ایک تو اس میں صبح و شام کا ذکر ہے اور قیامت کے دن کوئی صبح و شام نہ ہوگی اور آیت کریمہ کے آخر میں جو یہ فرمایا:

﴿ وَيَوْمَ نَقُومُ السَّاعَةَ أَذْجُلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ ﴾ (صافر ۴۰/۴۶)

”اور جس روز قیامت برپا ہوگی (حکم ہو گا کہ) آل فرعون کو سخت عذاب میں داخل کرو۔“

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قیامت سے قبل انہیں کم تر درجہ کا عذاب ہو رہا ہے اور وہ ہے آگ کے سامنے پیش کیا جانا اور وہ عذاب قبر ہی ہے اور جزاء کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم و عدل میں فرعون، آل فرعون اور دیگر سب کافر برابر ہیں، اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَذَرَهُمْ حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ ﴿۱۵﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۱۶﴾

﴿ وَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابًا دُونَ ذَلِكَ وَلَٰكِن آكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۷﴾ ﴾ (الطور ۴۵/۴۷)

”پس ان کو چھوڑ دو یہاں تک کہ وہ روز جس میں وہ بے ہوش کر دیئے جائیں گے، سامنے آجائے جس دن ان کا کوئی داؤ (مکرو فریب) کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ ان کو (کس سے) مدد پہنچے گی اور یقیناً ظالموں کے لئے اس کے سوا اور عذاب (سزا) بھی ہے لیکن ان میں کے اکثر نہیں جانتے۔“

یہ آیت کریمہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ کافروں کو قیامت سے پہلے کمتر عذاب ہوتا ہے۔ یہاں عذاب عام ہے ان کو دنیا میں ہونے والا عذاب بھی مراد ہو سکتا ہے اور وہ عذاب بھی مراد ہو سکتا ہے جو انہیں قبروں میں ہو گا اور قبروں سے اٹھائے جانے کے بعد پھر انہیں عذاب اکبر ہو گا۔ احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نماز میں عذاب قبر سے پناہ مانگتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اس کا حکم دیتے۔ یہ بھی حدیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ ایک مرتبہ جب آپ ﷺ نے نماز کسوف پڑھائی اور لوگوں کو خطبہ دیا تو فرمایا ”لوگو! اللہ تعالیٰ سے عذاب قبر سے پناہ چاہو۔“ اسی طرح ایک مرتبہ آپ نے بقیع الغرقہ میں اللہ تعالیٰ سے تین بار عذاب قبر سے پناہ مانگی جب کہ ایک صحابی کی میت کے لئے قبر کھودی جا رہی تھی۔ اگر عذاب قبر ثابت نہ ہوتا تو آپ ﷺ خود اس سے اللہ کی پناہ مانگتے نہ صحابہ کرام کو اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنے کا حکم دیتے۔ نبی کریم ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ يَسْتَبِئُ اللَّهُ الَّذِينَ ءَامَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ﴿۱۷﴾ ﴾ (ابراہیم ۱۴/۲۷)

”اللہ تعالیٰ مومنوں (کے دلوں) کو (صحیح اور) سچی بات سے دنیا کی زندگی میں بھی مضبوط رکھتا ہے اور آخرت میں بھی (مضبوط رکھے گا) اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو گمراہ کر دیتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔“

سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قبر میں سوال کے وقت مومن کو ثابت قدم رکھتا اور کافر کو رسوا کر دیتا ہے۔ مومن کو صحیح جواب کی توفیق ملتی اور قبر میں نعمتوں سے نوازا جاتا ہے، جب کہ کافر ذلیل و خوار ہوتا، جو اب میں تردد کا شکار ہوتا اور پھر قبر میں عذاب سے دوچار ہوتا ہے، چنانچہ اسے حدیث براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے عنقریب بیان کیا جائے گا۔

عذاب قبر کی دلیلوں میں سے ایک حدیث وہ بھی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر دو قبروں کے پاس سے ہوا تو آپ نے فرمایا:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، مَرَّ بِقَبْرَيْنِ فَقَالَ: إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ، أَمَا أَحَدُهُمَا فَكَانَ لَا يَسْتَرُّ مِنَ الْبَوْلِ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ يَمْشِي بِالتَّمِيمَةِ، فَدَعَا بِجَرِيدَةٍ رَطْبَةٍ فَشَقَّهَا نِصْفَيْنِ وَعَرَزَ عَلَى كُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَةً، وَقَالَ: لَعَلَّهُ يُخَفَّفُ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَسْبَسَا» (صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب ما جاء في غسل البول، ح: ۲۱۸، واخرجه الترمذي في السنن، رقم: ۷۰، وابن ماجه في السنن، رقم: ۳۴۷، ۳۴۹)

”ان دو قبروں والوں کو عذاب ہو رہا ہے اور عذاب بھی کسی ایسے بڑے گناہ کی وجہ سے نہیں ہو رہا (جس سے بچنا ان کے لیے محال تھا) ان میں سے ایک پیشاب سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کرتا تھا۔“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تروتازہ شاخ منگوائی اور اسے دو حصوں میں کر کے ہر ایک قبر پر ایک ایک حصہ گاڑ دیا اور فرمایا ہو سکتا ہے جب تک یہ شاخیں خشک نہ ہوں ان سے عذاب میں تخفیف کر دی جائے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متواتر احادیث سے یہ ثابت ہے کہ قبر میں میت سے سوال ہوتا ہے اور پھر وہ اپنے عقیدہ و عمل کے مطابق نعمت یا عذاب سے دوچار ہوتا ہے، ان متواتر احادیث کی موجودگی میں عذاب قبر کے بارے میں شک کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں رہتی، عذاب قبر کے بارے میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بھی قطعاً کوئی اختلاف نہیں تھا، تمام اہل سنت و جماعت بھی عذاب قبر کے قائل ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک مشہور حدیث وہ بھی ہے جسے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم بقیع الغرقد میں ایک جنازہ میں تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لے آئے اور آپ بیٹھ گئے، قبر کھودی جا رہی تھی اور ہم اس قدر خاموش اور بے حس و حرکت بیٹھے تھے گویا کہ ہمارے سروں پر پرندے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا:

«أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ» (اخرجه احمد في المسند، ۴/ ۲۸۷، ۲۹۵)

”میں عذاب قبر سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔“

پھر فرمایا کہ:

«إِنَّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ إِذَا كَانَ فِي انْقِطَاعٍ مِنَ الدُّنْيَا، وَإِقْبَالٍ مِنَ الْآخِرَةِ، نَزَلَ إِلَيْهِ مَلَائِكَةٌ مِنَ السَّمَاءِ بِنُضِّ الْوُجُوهِ كَأَنَّ وُجُوهُهُمْ الشَّمْسُ، مَعَهُمْ كَفَنٌ مِنْ أَكْفَانِ الْجَنَّةِ وَحَنُوطٌ مِنَ حَنُوطِ الْجَنَّةِ، حَتَّى يَجْلِسُوا مِنْهُ مَدَّ الْبَصَرِ، ثُمَّ يَجِيءُ مَلَكُ الْمَوْتِ عَلَيْهِ السَّلَامُ حَتَّى يَجْلِسَ عِنْدَ رَأْسِهِ، فَيَقُولُ أَيُّهَا النَّفْسُ الطَّيِّبَةُ أَخْرَجِي إِلَى مَغْفِرَةٍ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ، قَالَ: فَتَخْرُجُ تَسْبِيْلُ كَمَا تَسْبِيْلُ الْقَطْرَةُ مِنْ فِي السَّقَاءِ، فَيَأْخُذُهَا، فَإِذَا أَخَذَهَا لَمْ يَدْعُوهَا فِي يَدِهِ طَرْفَةً عَيْنٍ حَتَّى يَأْخُذُوهَا فَيَجْعَلُوهَا فِي ذَلِكَ الْكَفَنِ وَفِي ذَلِكَ الْحَنُوطِ، وَيَخْرُجُ مِنْهَا كَأَطْيَبِ نَفْحَةٍ مِنْكَ وَجَدْتَ عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ، قَالَ فَيُصْعَدُونَ بِهَا فَلَا يَمُرُّونَ بِهَا عَلَى مَلَأٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِلَّا قَالُوا: مَا هَذَا الرُّوحُ الطَّيِّبُ؟

فَيَقُولُونَ: فَلَانُ بْنُ فَلَانٍ بِأَحْسَنِ أَسْمَائِهِ الَّتِي كَانُوا يُسَمُّونَهُ بِهَا فِي الدُّنْيَا حَتَّى يَسْتَهْوَأَ بِهَا إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا فَيَسْتَفْتِحُونَ لَهُ فَيَفْتَحُ لَهُمْ، فَيَسْئِعُهُ مِنْ كُلِّ سَمَاءٍ مَقْرُبُوهَا إِلَى السَّمَاءِ الَّتِي تَلِيهَا، حَتَّى يَنْتَهَى بِهِ إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ، فَيَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: اكْتُبُوا كِتَابَ عَبْدِي فِي عَلَيِّنَ، وَأَعِينُوهُ إِلَى الْأَرْضِ فَإِنِّي مِنْهَا خَلَقْتَهُمْ وَفِيهَا أَعِيدُهُمْ وَمِنْهَا أَخْرَجْتَهُمْ تَارَةً أُخْرَى، قَالَ فَتَعَادُ رُوحُهُ فِي جَسَدِهِ، فَإِتْيَانُهُ مَلَكَانِ فَيُجْلِسَانِهِ، فَيَقُولَانِ لَهُ: مَنْ رَبُّكَ؟ فَيَقُولُ: رَبِّي اللَّهُ فَيَقُولَانِ لَهُ مَا دِينُكَ؟ فَيَقُولُ دِينِي الْإِسْلَامُ فَيَقُولَانِ لَهُ: مَا هَذَا الرَّجُلُ الَّذِي بُعِثَ فِيكُمْ؟ فَيَقُولُ: هُوَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَيَقُولَانِ لَهُ مَا عِلْمُكَ؟ فَيَقُولُ قَرَأْتُ كِتَابَ اللَّهِ فَأَمَنْتُ بِهِ وَصَدَّقْتُ، فَيُنَادِي مَنَادٌ فِي السَّمَاءِ: أَنْ صَدَقَ عَبْدِي، فَأَفْرَشُوهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَالْبُسُوهُ مِنَ الْجَنَّةِ وَافْتَحُوا لَهُ بَابًا إِلَى الْجَنَّةِ، قَالَ فَيَأْتِيهِ مِنْ رُوحِهَا وَطَيْبِهَا وَيَفْسُخُ لَهُ فِي قَبْرِهِ مَدَّ بَصَرِهِ، قَالَ: وَيَأْتِيهِ رَجُلٌ حَسَنُ الْوَجْهِ، حَسَنُ الثِّيَابِ، طَيِّبُ الرَّيْحِ، فَيَقُولُ: أَبْشِرْ بِالَّذِي يَسُرُّكَ، هَذَا يَوْمُكَ الَّذِي كُنْتَ تُوعَدُ فَيَقُولُ لَهُ: مَنْ أَنْتَ فَوْجُكَ الْوَجْهُ يَجِيءُ بِالْخَيْرِ؟ فَيَقُولُ: أَنَا عَمَلُكَ الصَّالِحِ، فَيَقُولُ: رَبِّ أَقِمِ السَّاعَةَ حَتَّى أَرْجِعَ إِلَى أَهْلِي وَمَالِي وَقَالَ: وَإِنَّ الْعَبْدَ الْكَافِرَ إِذَا كَانَ فِي انْقِطَاعٍ مِنَ الدُّنْيَا وَإِقْبَالٍ مِنَ الْآخِرَةِ، تَرَلَّ إِلَيْهِ مِنَ السَّمَاءِ مَلَائِكَةٌ سُودُ الْوُجُوهِ مَعَهُمُ الْمُسُوحُ، فَيُجْلِسُونَ مِنْهُ مَدَّ الْبَصَرِ، ثُمَّ يَجِيءُ مَلَكُ الْمَوْتِ حَتَّى يَجْلِسَ عِنْدَ رَأْسِهِ فَيَقُولُ: أَيُّهَا النَّفْسُ الْحَبِيئَةُ أَخْرَجِي إِلَيَّ سَخَطَ مِنَ اللَّهِ وَغَضَبَ، قَالَ فَتَفَرَّقَ فِي جَسَدِهِ، فَيَنْتَزِعُهَا كَمَا يَنْتَزِعُ السَّقُودُ مِنَ الصُّوفِ الْمَبْلُوطِ فَيَأْخُذُهَا، فَإِذَا أَخَذَهَا لَمْ يَدْعُوهَا فِي يَدِهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ حَتَّى يَجْعَلُوهَا فِي تِلْكَ الْمُسُوحِ، وَيَخْرُجُ مِنْهَا كَأَنَّ رِيحَ جَنَّةٍ وَجَدَتْ عَلَيَّ وَجْهَ الْأَرْضِ، فَيَصْعَدُونَ بِهَا، فَلَا يَمُرُّونَ بِهَا عَلَى مَلَأٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِلَّا قَالُوا مَا هَذَا الرُّوحُ الْحَبِيئُ؟ فَيَقُولُونَ: فَلَانُ بْنُ فَلَانٍ، بِأَفْجَحِ أَسْمَائِهِ الَّتِي كَانَ يُسَمَّى بِهَا فِي الدُّنْيَا حَتَّى يَنْتَهَى بِهِ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، فَيُسْتَفْتَحُ لَهُ فَلَا يَفْتَحُ لَهُ، ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ﴿لَا تَفْتَحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْغِيَاطِ﴾ فَيَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: اكْتُبُوا كِتَابَهُ فِي سَجِينِ، فِي الْأَرْضِ السُّفْلَى فَتَطْرَحُ رُوحُهُ طَرْحًا، ثُمَّ قَرَأَ ﴿وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيحٍ﴾ ﴿٣١﴾ فَتَعَادُ رُوحُهُ فِي جَسَدِهِ وَيَأْتِيهِ مَلَكَانِ، فَيُجْلِسَانِهِ، فَيَقُولَانِ لَهُ: مَنْ رَبُّكَ؟ فَيَقُولُ: هَاهُ هَاهُ، لَا أَدْرِي، فَيَقُولَانِ لَهُ: مَا دِينُكَ؟ فَيَقُولُ: هَاهُ هَاهُ لَا أَدْرِي، فَيَقُولَانِ لَهُ: مَا هَذَا الرَّجُلُ الَّذِي بُعِثَ فِيكُمْ فَيَقُولُ: هَاهُ هَاهُ، لَا أَدْرِي، فَيُنَادِي مَنَادٌ مِنَ السَّمَاءِ: أَنْ كَذَبَ فَأَفْرَشُوا لَهُ مِنَ النَّارِ، وَافْتَحُوا لَهُ بَابًا إِلَى النَّارِ، فَيَأْتِيهِ مِنْ حَرِّهَا وَسَمُومِهَا، وَيَضِيقُ عَلَيْهِ قَبْرُهُ حَتَّى تَخْتَلِفَ فِيهِ أَضْلَاعُهُ، وَيَأْتِيهِ رَجُلٌ قَبِيحُ الْوَجْهِ، قَبِيحُ الثِّيَابِ، مُنْتِنُ الرَّيْحِ، فَيَقُولُ: أَبْشِرْ بِالَّذِي يَسُوءُكَ، هَذَا يَوْمُكَ

الَّذِي كُنْتَ تُوعَدُ، فَيَقُولُ: مَنْ أَنْتَ فَوَجَّهَكَ الْوَجْهَ يَجِيءُ بِالشَّرِّ؟ فَيَقُولُ: أَنَا عَمَلُكَ الْحَيِّثُ، فَيَقُولُ: رَبِّ لَا تُقِمِ السَّاعَةَ» (اخرجه احمد ۴/ ۲۸۷، ۲۹۵)

”مومن بندہ جب آخرت کی طرف آ رہا اور دنیا سے جا رہا ہوتا ہے تو اس کے پاس ایسے فرشتے آتے ہیں جن کے چہرے سورج کی طرح چمک رہے ہوتے ہیں، ان کے پاس جنت کے کفن اور جنت کی خوشبوئیں ہوتی ہیں، وہ اس کے پاس آ کر، جہاں تک اس کی نظر جاتی ہے، بیٹھ جاتے ہیں اور فرماتے ہیں ”اے پاک روح! آ اللہ کی مغفرت اور رضامندی کی طرف!“ تو وہ روح اس طرح جسم سے باہر آ جاتی ہے، جس طرح مشکینے کے منہ سے پانی کا قطرہ آسانی سے باہر آ جاتا ہے۔ ملک الموت (موت کا فرشتہ) اسے پکڑ لیتا ہے لیکن یہ فرشتے اس کے ہاتھ میں لمحہ بھر بھی نہیں رہنے دیتے حتیٰ کہ اسے پکڑ لیتے اور جنت کے کفن میں لپیٹ کر جنت کی خوشبو میں بسا دیتے ہیں۔ اس روح سے ایسی پاکیزہ خوشبو نکلتی ہے جیسی کہ زمین کی کسی اعلیٰ اور پاکیزہ ترین کستوری کی خوشبو ہو، فرشتے اس روح کو لے کر اوپر چڑھ جاتے ہیں اور فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے بھی ان کا گزر ہوتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ پاکیزہ روح کس کی ہے؟ فرشتے کہتے ہیں کہ یہ فلاں بن فلاں کی روح ہے، اس خوبصورت نام کے ساتھ اس کا ذکر کرتے ہیں جو دنیا میں اس کا سب سے اچھا اور خوبصورت نام ہوتا ہے، حتیٰ کہ اسے لے کر آسمان تک جا پہنچتے ہیں اور آسمان کے دروازہ پر دستک دیتے ہیں تو دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ ہر آسمان کے ملائکہ مقربین اگلے آسمان تک الوداع کرنے کے لئے اس کے ساتھ جاتے ہیں حتیٰ کہ اس آسمان تک پہنچ جاتے ہیں، جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہے۔ اللہ عزوجل ارشاد فرماتے ہیں ”میرے بندے کے نامہ اعمال کو علیین میں لکھ دو۔“ اسے زمین کی طرف لوٹا دو، میں نے انہیں زمین سے پیدا کیا، زمین میں لوٹاؤں گا اور دوبارہ پھر زمین ہی سے انہیں نکالوں گا، چنانچہ اس کی روح کو اس کے جسم میں لوٹا دیا جاتا ہے، اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو اسے بٹھالیتے ہیں اور وہ اس سے پوچھتے ہیں ”تیرا رب کون ہے؟“ یہ جواب دیتا ہے کہ ”میرا رب اللہ ہے“ فرشتے پوچھتے ہیں ”تیرا دین کیا ہے؟“ یہ جواب دیتا ہے ”میرا دین اسلام ہے۔“ فرشتے پوچھتے ہیں ”وہ آدمی کون ہیں جنہیں تمہاری طرف بھیجا گیا تھا؟“ یہ جواب دیتا ہے ”وہ اللہ کے رسول ہیں۔“ فرشتے پوچھتے ہیں تمہیں کیسے علم ہوا؟ تو یہ کہتا ہے ”میں نے اللہ کی کتاب کو پڑھا، اس پر ایمان لایا اور اس کی میں نے تصدیق کی۔“ آسمانوں سے ایک منادی (اعلان کرنے والا) یہ اعلان کرتا ہے ”میرے بندے نے سچ کہا ہے، اس کے لئے جنت کا بستر بچھا دو۔“ جنت کی طرف اس کے لئے ایک دروازہ کھول دو،“ آپ نے فرمایا ”اس سے جنت کی پاکیزہ ہوائیں اور خوشبوئیں اس کے پاس آنا شروع ہو جاتی ہیں اور تاحد نظر اس کی قبر کو کشادہ کر دیا جاتا ہے، اس کے پاس ایک آدمی آتا ہے جس کا چہرہ بہت خوبصورت، جس کا لباس بہت خوبصورت اور جس کی خوشبو بہت پاکیزہ ہوتی ہے اور وہ کہتا ہے تمہیں بشارت ہو اس چیز کی جس سے تم خوش ہو جاؤ، یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا، یہ مرد مومن پوچھتا ہے تم کون ہو؟ تمہارا چہرہ وہ ہے جو خیر لایا ہے۔ یہ جواب دیتا ہے کہ میں تمہارا عمل صالح ہوں۔ یہ کہتا ہے

”اے میرے رب قیامت قائم کر دے تاکہ میں اپنے اہل اور مال کے پاس لوٹ جاؤں۔“

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا جب کافر آدمی دنیا سے جا رہا اور آخرت کی طرف آرہا ہوتا ہے تو اس کے پاس ایسے فرشتے آتے ہیں جن کے چہرے کالے سیاہ ہوتے ہیں اور ان کے پاس ٹاٹ ہوتے ہیں، وہ اس کے پاس تاحد نظر بیٹھ جاتے ہیں، پھر حضرت ملک الموت تشریف لاتے، اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتے اور فرماتے ہیں: ”اے خبیث روح! اللہ کی ناراضی اور اس کے غضب کی طرف، یہ سن کر روح اس کے جسم میں منتشر ہو جاتی ہے، ملک الموت اس کے جسم سے روح کو اس طرح کھینچ لیتے ہیں، جس طرح گیلی روئی سے سح کو کھینچ لیا جائے، ملک الموت پکڑ لیتے ہیں تو فرشتے لحو بھر کے لئے اسے ان کے ہاتھ نہیں رہنے دیتے حتیٰ کہ اسے ان ٹائوں میں لپیٹ دیتے ہیں اور اس سے ایسی انتہائی سخت بدبو خارج ہوتی ہے کہ اس سے بڑھ کر روئے زمین پر اور کوئی بدبو نہ ہوگی، فرشتے اسے لے کر اوپر چڑھ جاتے ہیں اور فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے بھی گزرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ یہ خبیث روح کس کی ہے؟“ فرشتے بتاتے ہیں کہ یہ فلاں بن فلاں ہے، دنیا کے اس کے بدترین ناموں سے اس کا تعارف کرواتے ہیں حتیٰ کہ وہ اسے لے کر آسمان دنیا تک جا پہنچتے ہیں، دستک دیتے ہیں مگر اس کے لئے آسمان دنیا کے دروازے کو نہیں کھولا جاتا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی:

﴿لَا تُفْسِحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلْبِغَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْفَيْسِطِ﴾ (الأعراف ۷/۴۰)

”ان کے لئے نہ آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ بہشت میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے نکل جائے۔“

اللہ عزوجل اس کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے کہ اس کے نامہ اعمال کو سبب یعنی زمین کی نچلی تہہ میں لکھ دو چنانچہ وہاں سے اس کی روح کو نیچے پھینک دیا جاتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی:

﴿وَمِنْ بَشَرِكَ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا حَرَمُونَ السَّمَاءَ فَتَخَطَفُهُ الطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ﴾ (الحج ۲/۳۱)

”اور جو شخص (کسی کو) اللہ کے ساتھ شریک مقرر کرے تو وہ گویا ایسا ہے جیسے آسمان سے گر پڑے پھر اس کو پرندے اچک لے جائیں یا اس کو ہوا کسی دور جگہ اڑا کر پھینک دے۔“

چنانچہ اسکی روح بھی اسکے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے، اسکے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو اسے بٹھا لیتے اور اس سے پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے: ”ہائے افسوس! میں نہیں جانتا۔“ پھر وہ پوچھتے ہیں ”تیرا دین کیا ہے؟“ تو وہ جواب دیتا ہے: ”ہائے افسوس! میں نہیں جانتا۔“ پھر وہ پوچھتے ہیں ”یہ آدمی کون ہیں جنہیں تمہاری طرف بھیجا گیا تھا؟“ تو وہ جواب دیتا ہے کہ ”ہائے افسوس! میں نہیں جانتا۔“ تو آسمان سے ایک منادی کرنے والا یہ اعلان کرتا ہے کہ اس نے جھوٹ بولا ہے۔ اس کیلئے جنم کا بستری بچھا دو، جنم کی طرف اس کا ایک دروازہ کھول دو، تو جنم کی حرارت اور گرم ہوا اس کے پاس آتی ہے اور اسکی قبر تنگ ہو جاتی ہے حتیٰ کہ اسکی پسلیاں ایک دوسری میں داخل ہونے لگتی ہیں۔ اسکے پاس ایک آدمی آتا ہے جس کا چہرہ بہت برا، جس کا لباس

ہمت برا اور جس کی بدبو ہمت بری ہوتی ہے اور وہ کتا ہے کہ ”تمہیں بشارت ہو اس بات کی جو تمہیں ہمت بری لگے۔“ یہ ہے تمہارا وہ دن جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ ”یہ پوچھتا ہے ”تم کون ہو؟“ تمہارا چہرہ وہ چہرہ ہے جو برائی لاتا ہے“ وہ جواب دیتا ہے کہ میں تیرا ضیث عمل ہوں۔ یہ کتا ہے کہ اللہ قیامت قائم نہ کرنا۔“

مثلاً: عقلی طور پر یہ بات محال بھی نہیں ہے کہ فرشتے قبروں میں مُردوں سے سوال کریں اور مُردے ان کو جواب دیں اور پھر مُردوں کو ان کے اعمال کے مطابق پورا پورا بدلہ دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت اور کائنات میں اس کے عجائبات کے اعتبار سے یہ کچھ بعید نہیں کہ مومنوں کو ان کی قبروں میں نعمتوں سے نوازا جائے اور کافروں کو عذاب دیا جائے کہ جو بھی کائنات پر گہری نظر ڈالے گا تو اسے معلوم ہو گا کہ کائنات میں اسی کی مشیت جاری و نافذ ہے۔ اس کی قدرت جامع اور کامل ہے اس نے مخلوق کو نہایت اعلیٰ تدبیر کے ساتھ مستحکم و استوار کیا اور جس کو پیدا کیا عجیب نرالے انداز میں پیدا فرمایا ہے۔ ان تمام امور پر غور کرنے سے نصوص صحیح میں وارد مُردوں سے سوال اور پھر ان کے جواب کے مطابق ان سے رحمت یا عذاب کے مسئلہ پر عقیدہ رکھنا آسان ہو جائے گا۔ ان نصوص سے ثابت ہے کہ دفن کے بعد اللہ تعالیٰ مُردے میں اس کی روح لوٹا دیتا ہے تاکہ اسے وہ برزخی زندگی حاصل ہو جو دنیوی زندگی اور قیامت کے بعد کی اخروی زندگی کے درمیان ایک واسطہ ہے۔ دو زندگیوں کے درمیان کی یہ زندگی ہی انسان کو اس قابل بناتی ہے کہ سوال سن سکے اور اس کا جواب دے سکے اور پھر اس میں راحت و نعمت یا عذاب و سزا کا احساس بھی پیدا کرتی ہے۔ اس سلسلہ میں احادیث پہلے بیان کی جا چکی ہیں۔ تدبیر و خلق کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے ایسے ایسے کمالات ہیں کہ انسانی عقلیں اپنی کوتاہی کی وجہ سے ان کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور نہ انہیں محال سمجھتی ہیں بلکہ انہیں ممکن سمجھتی ہیں، اگرچہ ان کے اسباب و علل کے بارے میں حیران، ان کی کمنہ و حقیقت کے معلوم کرنے اور ان کے مقصود و مطلوب کی معرفت حاصل کرنے سے عاجز و درماندہ ہیں۔ انسان جب کسی چیز سے عاجز آ جائے اور کوئی معاملہ اس سے مخفی رہے تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو عاجز و قاصر سمجھے اور اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت اور قدرت پر شک نہ کرے۔

فتویٰ کمیٹی

عیسائیوں کے بارے میں اسلام کا موقف

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ - وَبَعْدُ

بحوث العلمیہ“ والاقاء کی فتویٰ کمیٹی کے علم میں یہ سوال آیا جو سماحۃ الرئیس العام کی خدمت میں پیش ہوا تھا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَبْتَغِ عِوَاذَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ﴾ (آل عمران ۸۵/۳)

”اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہو گا تو وہ (دین) اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔“

اور فرمایا:

﴿إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ (آل عمران ۱۹/۳)

”یقیناً دین (حق) تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔“

اور فرمایا:

﴿ لَيْسُوا سَوَاءً مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ ﴾ (آل عمران ۱۱۳)

”یہ سب ایک جیسے نہیں ہیں، ان اہل کتاب میں کچھ لوگ (اللہ کے حکم پر) قائم بھی ہیں جو رات کے وقت اللہ کی آیتیں پڑھتے ہیں....“

اور فرمایا:

﴿ لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ ﴾ (المائدة/۵/۸۲)

”(اے پیغمبر) تم دیکھو گے کہ مومنوں کے ساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے یہودی اور مشرک ہیں....“

میں چونکہ عیسائیوں کے ساتھ مل جل کر کام کرتا ہوں اور بعض سے میرے گہرے مراسم بھی ہیں لیکن بسا اوقات اس موضوع پر بحث مباحثہ شروع ہو جاتا ہے۔ کیا دین اسلام عیسائیوں کا اعتراف کرتا ہے یا نہیں؟ اسلام کا عیسائیوں کے بارے میں کیا موقف ہے؟ میرے یہ عیسائی دوست اپنے موقف کی تائید میں قرآن کریم کی اس طرح کی آیات کا حوالہ بھی دیتے ہیں، جن کی طرف میں نے سطور بالا میں ابھی اشارہ کیا ہے۔ عیسائی حضرات جن آیات کا حوالہ دیتے ہیں یہ ان میں سے چند ایک بطور مثال ہیں، اس سے تمام آیات کا حصر مقصود نہیں ہے۔

اپنے فاضل علماء کرام سے امید ہے کہ وہ مجھے کافی دشانی جواب سے سرفراز فرمائیں گے۔ امید ہے کہ جواب مفصل، مسکت، دلائل و براہین سے مدلل اور اسلوب بیان سہل اور دلنشین ہو گا۔ کیا ان آیات میں سے کوئی منسوخ تو نہیں؟ کیونکہ عیسائی ہمارے خلاف بات کرتے ہوئے یہ بھی کہتے ہیں کہ ان آیات میں تناقض و تعارض ہے! اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ حد درجہ کی قلبی وابستگی نے مجھے یہ سطور لکھنے پر مجبور کیا ہے اس لئے امید ہے کہ جامع جواب سے سرفراز فرمائیں گے؟

جواب حضرت انبیاء و مرسلین علیہم السلام جن شریعتوں کو لے کر آئے ان سب کے اصول ایک ہیں۔ انہی اصولوں کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی نازل کی اور انہی کے مطابق ان پر اپنی کتابیں نازل فرمائیں۔ سابقہ انبیاء علیہم السلام نے اپنے ماننے والوں کو یہ بھی وصیت فرمائی کہ وہ بعد میں آنے والے نبیوں پر ایمان بھی لائیں اور ان کی تائید و حمایت بھی کریں اور بعد میں آنے والے نبی اپنی امتوں کو یہ وصیت کرتے رہے کہ وہ سابقہ انبیاء کرام کی تصدیق بھی کریں۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے پاس سے جو کچھ لے کر آئے اس کا نام دین اسلام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْنَاكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِءَ وَتَخضعنَّ لَهُ قَالُوا أَأَقْرَبُكُمْ عَلَىٰ ذٰلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَأَقْرَبُنَا قَالَ فَأَشهدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشّٰهِدِينَ ﴿٨١﴾ فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ﴿٨٢﴾ أَفَغَيَّرَ دِينَ اللَّهِ يَجفونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرجعونَ ﴿٨٣﴾ قُلْ ءَامَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ عَلَىٰ إِبْرٰهِيْمَ وَإِسْمٰعِيْلَ وَإِسْحٰقَ وَيَعقوبَ وَالْآسَاطِطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَالنَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿٨٤﴾ وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِينَ ﴿٨٥﴾ ﴾ (آل

عمران ۸۵-۸۱)

”اور جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور دانائی عطا کروں، پھر تمہارے پاس کوئی پیغمبر آئے جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرے تو تمہیں ضرور اس پر ایمان لانا ہو گا اور اس کی مدد کرنی ہوگی اور (عہد لینے کے بعد) پوچھا کہ بھلا تم نے اقرار کیا اور اس اقرار پر میرا ذمہ لیا (یعنی مجھے ضامن ٹھہرایا)؟ انہوں نے کہا (ہاں) ہم نے اقرار کیا۔ (اللہ نے) فرمایا کہ تم (اس عہد و پیمانے کے) گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ تو جو اس کے بعد پھر جائیں، وہ بدکردار ہیں۔ کیا یہ (کافر) اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کے طالب ہیں؟ حالانکہ سب اہل آسمان و زمین خوشی یا زبردستی سے اللہ کے فرماں بردار ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو کتاب ہم پر نازل ہوئی اور جو صحیفے ابراہیم اور اسمعیل اور اسحاق اور یعقوب علیہم السلام اور ان کی اولاد پر اترے اور جو کتابیں موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام اور دوسرے انبیاء کو پروردگار کی طرف سے ملیں سب پر ایمان لائے۔ ہم ان پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اس (اللہ واحد) کے فرماں بردار ہیں اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہو گا تو وہ (دین) اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔“

اور فرمایا:

﴿عَمَّا مَنَّ الرَّسُولُ بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ رُسُلِهِ﴾ (البقرة ۲/۲۸۵)

”رسول اس کتاب پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نازل ہوئی، ایمان رکھتے ہیں اور مومن بھی سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم اس کے پیغمبروں کے درمیان کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے۔“

اور فرمایا:

﴿وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَانِهِمْ بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ وَإِنَّا لَهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ﴾ (المائدة ۵/۴۶)

”اور ان پیغمبروں کے بعد انہیں کے نقش قدم پر ہم نے عیسیٰ بن مریم کو بھیجا جو اپنے سے پہلے کی کتاب تورات کی تصدیق کرتے تھے اور ان کو انجیل عنایت کی جس میں ہدایت اور نور ہے اور تورات کی جو اس سے پہلی (کتاب) ہے تصدیق کرتی ہے اور پرہیزگاروں کو راہ بتاتی اور نصیحت کرتی ہے۔“

نیز ارشاد ربانی ہے:

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيِّمًا عَلَيْهِ﴾ (المائدة ۵/۴۸)

”اور (اے پیغمبر!) ہم نے آپ کی طرف سچی کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان (سب) کی محافظ و نگہبان بھی۔ پس جو حکم اللہ نے نازل فرمایا ہے اس کے مطابق ان کے درمیان فیصلہ کرنا“

اور فرمایا:

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْقُوْنَ عَنْ كَثِيرٍ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ ﴿١٥﴾ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿١٦﴾﴾ (المائدة/ ١٥-١٦)

”اے اہل کتاب! یقیناً تمہارے پاس ہمارے رسول (آخر الزماں) آگئے ہیں، جو کچھ تم کتاب (الہی) میں سے چھپاتے تھے، وہ اس میں سے بہت کچھ تمہیں کھول کر بتا دیتے ہیں اور بہت سی باتوں سے درگزر فرماتے ہیں، بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آچکی ہے، جس سے اللہ اپنی رضا پر چلنے والوں کو نجات کے رستے دکھاتا ہے اور اپنے حکم سے اندھیروں میں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا اور ان کو سیدھے رستے پر چلاتا ہے۔“

اور فرمایا:

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَىٰ فِتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ أَنْ تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِن بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٦﴾﴾ (المائدة/ ١٩)

”اے اہل کتاب پیغمبروں کے آنے کا سلسلہ جو (ایک عرصے تک) منقطع رہا تو (اب) تمہارے پاس ہمارے پیغمبر آگئے ہیں جو تم سے (ہمارے احکام) بیان کرتے ہیں تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا سو (اب) تمہارے پاس خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا آگیا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

اور فرمایا:

﴿رَأَىٰ قَالَ عِيسَىٰ ابْنُ مَرْيَمَ بَنِي إِسْرَائِيلَ بِرُوحِهِ بِرُوحِهِ قَالَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنَ اللَّهِ يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْقُوْنَ عَنْ كَثِيرٍ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ ﴿١٥﴾﴾ (المائدة/ ١٥)

”اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا اے بنی اسرائیل میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں (اور) جو (کتاب) مجھ سے پہلے آچکی ہے (یعنی) تورات اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے، جن کا نام احمد ہو گا، ان کی بشارت سنا تا ہوں (پھر) جب وہ (مبشر رسول) ان لوگوں کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تو ان لوگوں نے کہا یہ تو صریح جادو ہے۔“

اور فرمایا:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِيْهِ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ﴿١٥﴾﴾ (الانبیاء/ ٢١/٢٥)

”اور جو پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے بھیجے ان کی طرف وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس تم میری ہی عبادت کرو۔“

ان مذکورہ آیات کے علاوہ اور بھی بہت سی آیات ہیں جو عام اور خاص دونوں طرح سے اس بات پر دلالت کرتی ہیں

کہ انبیاء کرام علیہم السلام شریعت کے جو اصول لائے وہ سب ایک تھے مثلاً: صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرنا، اس کے ساتھ اس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں، یومِ آخرت اور قضاء و قدر کے ساتھ ایمان لانا اور نماز، زکوٰۃ اور روزے کو بجا لانا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ انہوں نے یہ دعاء کی تھی:

﴿رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾
(ابراہیم ۱۴/۳۷)

”اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد میدان (مکہ) میں جہاں کھیتی نہیں تیرے عزت (وادب) والے گھر کے پاس لایا ہے، اے پروردگار! (میں نے یہ اس لیے کیا ہے) تاکہ یہ نماز پڑھیں۔“

نیز فرمایا:

﴿رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي﴾ (ابراہیم ۱۴/۴۰)

”اے پروردگار مجھ کو (ایسی توفیق عنایت) کر کہ نماز پڑھتا رہوں اور میری اولاد کو بھی توفیق بخش۔“

اور فرمایا:

﴿وَأَذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا ﴿۵۴﴾ وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا ﴿۵۵﴾﴾ (مریم ۱۹/۵۴-۵۵)

”اور کتاب میں اسماعیل کا بھی ذکر کرو وہ وعدہ کے سچے اور (ہمارے) پیچھے ہوئے نبی تھے اور اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا کرتے تھے اور اپنے پروردگار کے ہاں پسندیدہ (دیرگزیدہ) تھے۔“

اور فرمایا:

﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ وَأَخِيهِ أَنْ تَبَوَّءَا لِقَوْمِكَ مِعْرَضًا لِيُؤْتِيَاكَ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ الْوَعْدَ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ﴾ (يونس ۱۰/۸۷)

”اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ اپنے لوگوں کے لئے مصر میں گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو قبلہ (یعنی مسجدیں) ٹھہراؤ اور نماز پڑھو۔“

حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿فَسَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيحْيَىٰ﴾ (آل عمران ۳/۳۹)

”وہ ابھی عبادت گاہ میں کھڑے نماز ہی پڑھ رہے تھے کہ فرشتوں نے آواز دی کہ (زکریا) اللہ تمہیں یحییٰ کی بشارت دیتا ہے۔“

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:

﴿قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ﴿۲۱﴾ وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿۲۲﴾﴾ (مریم ۱۹/۳۰-۳۱)

”عیسیٰ نے کہا میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے۔ اور میں جہاں ہوں (اور جس حال میں ہوں) مجھے صاحب برکت کیا ہے اور جب تک زندہ ہوں مجھے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم فرمایا ہے۔“

روزے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿يَأْتِيهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لِمَآكُمْ تَقْوَىٰ﴾ (البقرة ۱۸۳/۲)

”مومنو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پر ہیزگار بنو۔“

ہاں البتہ ان تمام شریعتوں کا عبادات کی کیفیات اور فروع کی تفصیلات میں ضرور اختلاف تھا جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے:

﴿لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا﴾ (المائدہ ۴۸/۵)

”ہم نے تم میں سے ہر ایک (فرق) کے لئے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے۔“

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«الْأَنْبِيَاءُ أَوْلَادُ عَالَمَاتٍ دِيْنُهُمْ وَاحِدٌ وَأَمَهَا تَهُمْ شَتَّىٰ» (صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ...، ح: ۳۴۴۳، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فضائل عیسیٰ علیہ السلام، ح: ۲۳۶۵)

”انبیاء علاقائی بھائی ہیں، جن کا دین ایک اور مائیں مختلف ہیں۔“

تو جو لوگ حضرات انبیاء و مرسلین ﷺ کی لائی ہوئی شریعتوں کے اصول کے ساتھ ایمان لائیں تو اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو جاتا ہے اور ان کے لئے سعادت و فلاح لکھ دیتا ہے، انہی کی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں تعریف فرمائی ہے اور انہی کی ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ نے اپنی سنت میں ستائش فرمائی ہے اور جو لوگ انبیاء کرام کی لائی ہوئی شریعتوں کے بعض اصولوں پر ایمان لائیں اور بعض کے ساتھ کفر کریں تو انہیں سمجھایا جائے گا کہ وہ تمام انبیاء کرام ﷺ کے ساتھ کفر کر رہے ہیں کیونکہ تمام انبیاء کا دین ایک ہے اور بعض کا دین بعض کی تصدیق کرتا ہے۔ انبیاء کرام ﷺ کے ساتھ کفر کرنے والوں کا انجام جہنم ہے جو بدترین ٹھکانا ہے، ایسے لوگوں کی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی سنت میں مذمت فرمائی ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَن يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَن يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا ﴿١٥﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ حَقًّا وَأَعْتَدْنَا لِلْكَٰفِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿١٦﴾ وَالَّذِينَ ءَامَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمُ أَجْرَهُم وَكَانَ اللَّهُ عَظِيمًا رَّحِيمًا ﴿١٧﴾﴾ (النساء/۱۵-۱۷)

”جو لوگ اللہ سے اور اس کے پیغمبروں سے کفر کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے پیغمبروں میں فرق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور ایمان اور کفر کے درمیان سے ایک راہ نکالنی چاہتے ہیں، وہ بلاشبہ کافر ہیں اور کافروں کے لئے ہم نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور ان میں سے کسی میں فرق نہ کیا (یعنی سب کو مانا) ایسے لوگوں کو وہ

(اللہ) عنقریب ان (کی نیکیوں) کے صلے عطا فرمائے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“
اسی وجہ سے اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ہمیں یہ خبر دی ہے کہ یہودی اور عیسائی اہل کتاب سب حکم میں برابر نہیں ہیں بلکہ ان میں سے کچھ لوگوں کی اللہ تعالیٰ نے تعریف کی ہے اور کچھ کی مذمت، تعریف ان کی کی ہے جنہوں نے اس حکم الہی کی اطاعت اختیار کی کہ:

﴿ قُولُوا ءَامَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنزِلَ اِلَيْنَا وَمَا اُنزِلَ اِلَىٰ اٰبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَاَلْسَباطِ وَمَا اُوْتِيَ مُوسٰى وَعِيسٰى وَمَا اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَمْ مُسْلِمُوْنَ ﴾
(البقرہ ۲/۱۳۶)

”کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو (کتاب) ہماری طرف اتاری گئی اس پر اور جو (صحیفے) ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل کئے گئے، ان پر اور جو (کتابیں) موسیٰ اور عیسیٰ کو عطا ہوئیں، ان پر اور جو پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے ملیں ان (سب) پر (ایمان لائے) ہم ان پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اسی (اللہ واحد) کے فرماں بردار ہیں۔“
اسی طرح ان کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ:

﴿ وَاِنَّ مِنْ اٰهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا اُنزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَا اُنزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ لَا يَشْتَرُوْنَ بِعٰبِدَتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا اَوْلٰئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴾ (آل عمران ۳/۱۹۹)

”اور بعض اہل کتاب ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور اس (کتاب) پر جو تمہاری طرف نازل کی گئی ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کے آگے عاجزی کرتے ہیں اور اللہ کی آیتوں کے بدلے تھوڑی سی قیمت نہیں لیتے، یہی لوگ ہیں جن کا صلہ ان کے پروردگار کے ہاں (تیار) ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔“
اسی طرح اہل کتاب میں سے بعض عیسائیوں کے بارے میں یہ بھی فرمایا کہ:

﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قَتِيْبِيْنَ وَرُهْبٰنًا وَاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴾ ﴿۸۷﴾ وَاِذَا سَمِعُوا مَا اُنزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ رَجَعُوْا اَعْيُنُهُمْ تَفِيْضًا مِّنَ الدَّمْعِ وَمَا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا ءَاْمَنَّا فَاكْتَبْنَا مَعَ الشّٰهِيْدِيْنَ ﴿۸۸﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبَّنَا مَعَ الْقَوِيْمِ الضّٰلِّيْحِيْنَ ﴿۸۹﴾ فَاكْتَبَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنَّتٍ تَجْرٰى مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاِذْ ذٰلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۰﴾ (المائدہ ۵/۸۵-۸۶)

”یہ اس لئے کہ ان میں عالم بھی ہیں اور مشائخ بھی اور وہ تکبر نہیں کرتے اور جب اس (کتاب) کو سنتے ہیں جو (سب سے آخری) رسول (محمد ﷺ) پر نازل ہوئی تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں، اس لئے کہ انہوں نے حق بات پہچان لی اور وہ (اللہ کی بارگاہ میں) عرض کرتے ہیں کہ اے پروردگار! (ہم ایمان لے آئے ہیں تو ہمیں بھی (حق کی) گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے اور ہمیں کیا ہوا ہے کہ اللہ پر اور اس حق بات پر جو ہمارے پاس آئی ہے، ایمان نہ لائیں اور ہم امید رکھتے ہیں کہ پروردگار ہم کو نیک

بندوں کے ساتھ (ہشت میں) داخل کرے گا تو اللہ نے ان کے اس کئے کے عوض انہیں (ہشت کے) باغ عطا فرمائے جن کے نیچے سرس بہ رہی ہیں وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور نیکو کاروں کا یہی صلہ ہے۔“
یہود و نصاریٰ کی ایک جماعت کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

﴿مِنَ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ ءَاتَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ ﴿١١٦﴾ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَهُمْ كَرِيمُونَ ﴿١١٧﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنَجْتَنِبُكَ مِنَ الضَّالِّينَ ﴿١١٨﴾ وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَن يُكْفَرُوهُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ﴿١١٩﴾﴾ (آل

عمران ۳/۱۱۳-۱۱۵)

”ان اہل کتاب میں کچھ لوگ (حکم اللہ پر) قائم بھی ہیں جو رات کے وقت اللہ کی آستیں پڑھتے اور (اس کے آگے) سجدے کرتے ہیں (اور) اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتے اور اچھے کاموں کا حکم دیتے اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور نیکوں پر لپکتے ہیں اور یہی لوگ نیکو کار ہیں اور وہ جس طرح کی نیکی کریں گے، اس کی ناکدوری نہیں کی جائے گی اور اللہ پر ہمیشہ گاروں کو خوب جانتا ہے۔“

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہودیوں اور عیسائیوں دونوں گروہوں کے ان لوگوں کی مذمت بھی بیان فرمائی ہے جنہوں نے منافقت اختیار کی، بعض رسولوں پر ایمان لائے اور بعض کے ساتھ کفر کیا، واضح ہونے کے باوجود حق کو چھپایا، کلمات کو ان کی جگہ سے بدل دیا، شریعتوں کے اصول و فروع میں اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کیں اور اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد و پیمانے توڑ دیئے، چنانچہ ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَفَنظَمُونَ أَنْ يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلِمَ اللَّهِ ثُمَّ خَلَّ فَوْقَهُ مِنْ بَعْدِ مَا عَقِلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٥﴾ وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ ءَامَنُوا قَالُوا ءَامَنُوا وَإِذَا خَلَا بِبَعْضِهِمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٧٦﴾ أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسْرُونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿٧٧﴾ وَمِنْهُمْ أُمِّيُونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِي وَإِنَّهُمْ إِذَا يُنظَنُونَ ﴿٧٨﴾ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُمُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْتُمُونَ ﴿٧٩﴾﴾ (البقرة ۲/۷۵-۷۹)

” (مومنو!) کیا تم امید رکھتے ہو کہ یہ لوگ تمہارے (دین کے) قائل ہو جائیں گے (حالانکہ) ان میں سے کچھ لوگ اللہ کے کلام (یعنی تورات) کو سنتے پھر اس کے سمجھ لینے کے بعد اس کو جان بوجھ کر بدل دیتے رہے ہیں۔ اور یہ لوگ جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جس وقت آپس میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں جو بات اللہ نے تم پر ظاہر فرمائی ہے وہ تم ان کو اس لئے بتائے دیتے ہو کہ (قیامت کے دن) اسی کے حوالے سے تمہارے پروردگار کے سامنے تم کو الزام دیں، کیا تم سمجھتے نہیں؟ کیا یہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ جو کچھ یہ چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں، اللہ کو (سب) معلوم ہے۔ اور بعض ان میں ان پڑھ ہیں کہ اپنے خیالات باطل کے سوا (اللہ کی) کتاب سے واقف ہی نہیں اور وہ صرف ظن سے کام لیتے ہیں، تو ان لوگوں پر افسوس ہے جو اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے

(آئی) ہے تاکہ اس کے عوض تھوڑی سی قیمت (یعنی دنیوی منفعت) حاصل کریں، ان پر افسوس ہے اس لئے (بے اصل باتیں) اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں اور (پھر) ان پر افسوس ہے اس لئے کہ ایسے کام کرتے ہیں۔“

اور فرمایا:

﴿وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي وَعَزَّرْتُمُوهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿١٢﴾﴾ فِيمَا نَقَضْتُمْ مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَى خَائِبِينَ مِنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ فَأَعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٣﴾﴾ مِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرِيءُ أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللَّهُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿١٤﴾﴾ (المائدة/ ١٢-١٤)

”اور اللہ نے بنی اسرائیل سے اقرار لیا اور ان میں ہم نے بارہ (۱۲) سردار مقرر کئے پھر اللہ نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہو گے اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ گے اور ان کی مدد کرو گے اور اللہ کو قرض حسد دو گے تو میں تم سے تمہارے گناہ دور کر دوں گا اور تم کو ایسے باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں، پھر جس نے اس کے بعد تم میں سے کفر کیا تو وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا پس ان لوگوں کے عہد توڑ دینے کے سبب ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ یہ لوگ کلمات (کتاب) کو اپنی جگہ سے بدل دیتے ہیں اور جن باتوں کی ان کو نصیحت کی گئی تھی، ان کا بھی ایک حصہ فراموش کر بیٹھے اور تھوڑے آدمیوں کے سوا ہمیشہ تم ان کی (ایک نہ ایک) خیانت کی خبر پاتے رہتے ہو تو ان کو معاف کرو اور (ان سے) درگزر کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اور جو لوگ (اپنے تین) کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں ہم نے ان سے بھی عہد لیا تھا مگر انہوں نے بھی اس نصیحت کا جو ان کو کی گئی تھی ایک حصہ فراموش کر دیا تو ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کے لئے دشمنی اور کینہ ڈال دیا اور جو کچھ وہ کرتے رہے اللہ تعالیٰ عنقریب ان کو اس سے آگاہ کرے گا۔“

اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ان لوگوں کی بھی مذمت بیان کی جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے اور پھر اپنے علماء اور مشائخ کو اللہ تعالیٰ کے سوا اپنے معبود ٹھہرا لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ان افتراء پر دازیوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قَنَلَهُمُ اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَهُمْ بَأْسُهُمْ وَتُصَدِّقَهُمُ الْكُفْرُ ﴿٢١﴾﴾ اتَّخَذُوا أَحْبَابَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا لَّا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهُ عَمَّا

يُشْرِكُونَ ﴿٢١﴾ (التوبة ٢٠-٣١)

”اور یہود نے کہا عذیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا مسیح اللہ کا بیٹا ہے، یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں، پہلے کافر بھی اسی طرح کی باتیں کیا کرتے تھے، یہ بھی انہی کی ریس کرنے لگے ہیں، اللہ ان کو ہلاک کرے، یہ کہاں نیکے پھرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے علماء و مشائخ اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے سوا معبود بنا لیا حالانکہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اللہ واحد کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ پاک ہے ان چیزوں سے جنہیں یہ لوگ اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔“

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ان لوگوں کی بھی مذمت کی ہے، جنہوں نے کفر کے ساتھ ساتھ یہ گمان بھی کیا کہ جنت تو صرف انہیں لوگوں کے لئے وقف ہے، ان کے سوا کوئی اور اس میں داخل نہ ہو سکے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس گمان کی تکذیب کی اور بیان فرمایا کہ حقیقت میں کون لوگ اہل جنت ہیں، چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿ وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا أَوْ نَصْرِيًّا ذَلِكَ آمَانُهُمْ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١١١﴾ بَلْ مَن آسَأَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرٌ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١١٢﴾ (البقرة ١١١-١١٢)

”اور (یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا بہشت میں ہرگز کوئی نہیں جائے گا، یہ ان لوگوں کے خیالات باطل ہیں (اے پیغمبران سے) کہہ دیجئے کہ اگر سچے ہو تو دلیل پیش کرو، ہاں جو شخص اللہ کے آگے گردن جھکا دے (یعنی ایمان لے آئے) اور وہ نیکو کار بھی ہو تو اس کا صلہ اس کے پروردگار کے پاس ہے اور ایسے لوگوں کو (قیامت کے دن) نہ کسی طرح کا خوف ہو گا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔“

اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ان لوگوں کی بھی مذمت بیان فرمائی ہے، جنہوں نے ناحق انبیاء اور صالحین کو قتل کیا اور کہا کہ ہمارے دل پردے میں ہیں، حضرت مریم علیہا السلام پر بہتان عظیم باندھا، حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو قتل کرنے کا دعویٰ کیا، سود اور لوگوں کے اموال کو ناجائز طریقے سے کھایا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ تین خداؤں میں سے ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب لوگوں کو کافر قرار دیا ہے اور ان کے باطل گمانوں کی تردید فرمائی اور انہیں «عَذَابُ الْيَوْمِ» کی دھمکی دی۔

اسی طرح اور بھی بہت سی آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کی ایک جماعت کی تعریف کی ہے اور ان کے ایسے اوصاف بیان کئے ہیں جن کی وجہ سے وہ تعریف کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ سعادت اور ابدی نعمتوں کی کامرائیوں سے سرفراز ہوں گے اور اسی طرح باقی لوگوں کی مذمت بیان کی ہے اور ان کے ان کرتوتوں کا ذکر کیا ہے جن کی وجہ سے وہ اللہ کی ناراضی، لعنت اور عذاب الیم کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

اس ساری تفصیل سے معلوم ہوا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے بارے میں اسلام کا موقف عدل و انصاف پر مبنی ہے۔ ان کے حالات بیان کرتے ہوئے ان کی تعریف و تنقیص کے اعتبار سے کتاب و سنت کی نصوص میں کوئی تناقض نہیں ہے کیونکہ جن کی اسلام نے تعریف کی ہے ان میں اور جن کی مذمت کی ہے ان میں بہت واضح فرق ہے۔ کیونکہ جو لوگ اس رسول نبی امی ﷺ کی پیروی کرتے ہیں جسے یہ اپنے ہاں تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں جو انہیں نیکی کا حکم دیتا اور برائی سے منع کرتا ہے، جو ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال قرار دیتا ہے، ناپاک چیزوں کو حرام ٹھہراتا ہے اور ان پر پڑے

ہوئے بوجھ اور طوق (بیزیاں) اتار پھینکتا ہے اور اس آیت پر یہ عمل کرتے ہیں کہ:

﴿يَتَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا بِأَلَلِهِمْ وَرَسُولِهِمْ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لِيَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ الَّذِي نَزَّلَ مِنَ الْقَوْلِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لِيَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ الَّذِي نَزَّلَ مِنَ الْقَوْلِ﴾ (النساء/۱۳۶)

”مومنو! اللہ پر، اس کے رسول پر اور جو کتاب اس نے اپنے پیغمبر (آخر الزماں) پر نازل کی ہے اور جو کتابیں اس سے پہلے نازل کی تھیں، سب پر ایمان لاؤ۔“

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت نے ڈھانپ لیا اور وہ اللہ کی تعریف کے مستحق قرار پائے اور یہی لوگ کامیاب ہیں لیکن اس کے برعکس جنہوں نے تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ کفر کیا یا بعض کے ساتھ ایمان لے آئے اور بعض کے ساتھ کفر کیا، تورات اور انجیل میں تحریف کی، تو ایسے لوگوں کی اللہ تعالیٰ نے مذمت کی ہے۔ یہ لوگ عذاب الہی کے مستحق، جہنمی اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں لہذا اس میں کوئی تاقص نہیں کہ جو لوگ مدح و ثناء کے مستحق تھے ان کی قدر و منزلت کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں ان کے حسب مراتب عزت دی گئی اور دیگر لوگوں کی بری سیرت و کردار کی وجہ سے مذمت کی گئی۔ ان کے عقیدہ کی خرابی اور اس میں آئے دن ہونے والی تبدیلی کو بیان کیا اور بتایا کہ ان کے علماء و مشائخ نے ان کے دین میں جو تبدیلی پیدا کر دی تھی، اسے انہوں نے ہدایت و بصیرت کے بغیر قبول کر لیا تو قرآن مجید کی ان لہجوں میں نسخ نہیں ہے، کیونکہ ان میں کوئی باہمی تعارض بھی نہیں ہے بلکہ بعض آیات بعض دیگر کی تائید و تصدیق کرتی ہیں۔

جو شخص اس مسئلہ کی مزید تفصیل و وضاحت چاہے، اسے کتاب اللہ و سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرنا چاہئے کیونکہ جو شخص آیات قرآنی، صحیح احادیث رسول اور صحیح تاریخی واقعات پر غور کرے گا، عصیت سے پاک ہو گا اور خواہش نفس کی پیروی نہ کرے گا تو اس کے سامنے حق واضح ہو جائے گا اور اسے راہ راست پر چلنے کی توفیق و ہدایت مل جائے گی۔ (اوصالی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم)

فتویٰ کمیٹی

ان مسجدوں میں نماز کا حکم جن میں قبریں ہوں

کیا ایسی مسجدوں میں نماز جائز ہے جن میں قبریں موجود ہوں؟

سوال

جن مسجدوں میں قبریں ہوں ان میں نماز نہ پڑھی جائے بلکہ ضروری ہے کہ قبروں کو اکھاڑ کر مدفون لوگوں کی ہڈیوں کو عام قبرستانوں میں دفن کر دیا جائے، دیگر قبروں کی طرح ہر میت کے لئے الگ الگ قبر کھودی جائے اور اس میں اسے دفن کر دیا جائے۔ مسجدوں میں قبروں کا باقی رکھنا جائز نہیں خواہ وہ کسی ولی کی قبر ہو یا کسی اور شخصیت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور ایسا کرنے کی وجہ سے یہودیوں اور عیسائیوں کی مذمت کی ہے، چنانچہ آپ نے فرمایا:

«لَعَنَ اللَّهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ» (صحیح بخاری، کتاب الجنائز،

باب ما یکرہ من اتخاذ المساجد علی القبور، ح: ۱۳۳۰)

”اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ پر لعنت فرمائے کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا تھا۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ آپ ﷺ کے یہ بات فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ آپ اپنی امت کو ایسا کرنے سے ڈرا رہے تھے۔ حضرت ام سلمہ اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ کو جب ایک گرجا کے بارے میں بتایا کہ اس میں تصویریں اور فلاں فلاں چیزیں تھیں تو آپ نے فرمایا:

«إِنَّ أَوْلِيكَ إِذَا كَانَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا وَصَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّوْرَ، أَوْلِيكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» (بخاری، الصلاة، باب هل نبش قبور مشرکي، ح: ۴۲۷، ۴۳۴، ۱۳۴۱، ومسلم، رقم: ۵۲۸، ونسائي ۴۱/۲، واحمد ۵۱/۶)

”ان لوگوں میں سے جب کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا تو یہ اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے اور اس میں تصویریں بناتے، قیامت کے دن یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں ساری مخلوق میں سے بدترین لوگ ہوں گے۔“

نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

«أَلَا وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيهِمْ مَسَاجِدَ، أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ فَإِنِّي أَنهَاكُمُ عَنْ ذَلِكَ» (صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب النهي عن بناء المسجد...، ح: ۵۳۲، والحاكم في المستدرک ۵۵۰/۲)

”خبردار آگاہ رہو کہ تم سے پہلے لوگ اپنے نبیوں اور ولیوں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیتے تھے، تم قبروں کو مسجدیں نہ بناؤ میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کو مسجدیں بنانے سے منع فرمایا ہے۔

یہ بات معلوم ہے کہ جو شخص کسی قبر کے پاس نماز پڑھتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے اسے مسجد بنا لیا ہے اور جو کوئی کسی قبر پر نماز پڑھنے کے لئے عمارت بنائے، اس نے بھی گویا قبر کو مسجد بنا دیا جب کہ فرض یہ ہے کہ قبروں کو مسجدوں سے دور رکھا جائے اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی کی تعمیل میں ان میں قبریں نہ بنائی جائیں تاکہ ہم اس لعنت سے محفوظ رہ سکیں، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبروں پر مسجدیں بنانے والوں پر پڑتی ہے کیونکہ جب کوئی شخص کسی ایسی مسجد میں نماز پڑھے گا جس میں قبریں ہوں گی تو شیطان اس کے لئے میت سے دعاء کرنے یا اس سے مدد طلب کرنے یا اس کے لئے نماز پڑھنے یا اسے سجدہ کرنے جیسے اعمال کو مزین کرے گا، جس کی وجہ سے وہ شرک اکبر میں واقع ہو جائے گا اور پھر چونکہ یہ یہودیوں اور عیسائیوں کا طرز عمل ہے اور ہمارے لئے یہ واجب ہے کہ ہم ان کی مخالفت کریں اور ان کے برے طریقے اور عمل سے دور رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے!

شیخ ابن باز

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ﴾ اور ﴿وَإِنِّي لَعَفَّارٌ﴾ میں تطبیق

آیت کریمہ:

﴿سَلِّ﴾

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ (النساء/۴۸)

”یقیناً اللہ اس گناہ کو نہیں بخشتے گا کہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرایا جائے اور اس کے سوا اور جو گناہ جس کو چاہے

معاف کر دے“

اور آیت کریمہ:

﴿ وَإِنِّي لَعَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ ﴾ (طہ ۲۰/۸۲)

”اور جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور عمل صالح کرے اور پھر سیدھی راہ پر چلے اس کے گناہ میں ضرور بخش

دینے والا ہوں“

میں تطبیق کیسے ہوگی، کیا ان میں تعارض نہیں ہے؟

ان دو آیتوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ پہلی آیت اس شخص کے بارے میں ہے جو شرک پر مرے اور

﴿ جواب ﴾

توبہ نہ کرے تو اسے اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرے گا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن أَنْصَارٍ ﴾

(المائدہ ۵/۷۲)

”جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرے گا، اللہ تعالیٰ نے اس پر بہشت کو حرام کر دیا ہے اور اس کا ٹھکانا دوزخ

ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔“

اور فرمایا:

﴿ وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَمْعَلُونَ ﴾ (الانعام ۶/۸۸)

”اور اگر وہ (یعنی انبیاء علیہم السلام) بھی شرک کرتے تو جو وہ عمل کرتے تھے سب ضائع ہو جاتے۔“

دوسری آیت کریمہ ان لوگوں کے حق میں ہے جو توبہ کر لیں، اسی طرح حسب ذیل آیت کریمہ:

﴿ قُلْ يٰٓعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيَّ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ

هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴾ (الزمر ۳۹/۵۳)

”اے پیغمبر! میری طرف سے لوگوں کو کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے

اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا، اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے (اور) وہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔“

کے بارے میں علماء کا اتفاق ہے کہ یہ بھی توبہ کرنے والوں کے بارے میں ہے اور توبہ کی توفیق عطا فرمانے والا بھی تو

اللہ ہی ہے۔

شیخ ابن باز

قرآن کریم کی محکم و متشابہ آیات

﴿ سوال ﴾ قرآن کریم کی محکم اور متشابہ آیات کون سی ہیں؟ قرآن کریم کی تمام آیات کو محکم ہی کیوں نہ بنا دیا گیا تاکہ لوگ

حق کے سوا اور کوئی تاویل کر ہی نہ سکتے؟

﴿ جواب ﴾ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن کریم کی تعریف میں اللہ تعالیٰ نے تین اوصاف ذکر فرمائے ہیں:

① قرآن سارے کا سارا محکم ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ ﴾ (یونس ۱/۱۰)

”یہ اس کتاب کی آیات ہیں جو حکمت و دانش سے لبریز ہے۔“

اور فرمایا:

﴿ كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ﴾ (ہود ۱/۱۱)

”یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں مستحکم ہیں۔“

② دوسری صفت یہ کہ قرآن کریم تشابہ ہے جیسا کہ ارشاد ہے:

﴿ اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُتَشَابِهًا ﴾ (الزمر ۳۹/۲۳)

”اللہ نے نہایت اچھی باتیں نازل فرمائی ہیں (یعنی) کتاب (جس کی آیتیں باہم) ملتی جلتی ہیں۔“

یہ حکم عام ہے جو سب قرآن کو شامل ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن محکم ہے۔ اپنے اخبار، احکام اور الفاظ کے اعتبار سے نہایت مستحکم ہے اور یہاں تشابہ کے معنی یہ ہیں کہ کمال، عمدگی، تصدیق اور ہم آہنگی کے اعتبار سے قرآن کے بعض مقام بعض دیگر سے مشابہت رکھتے ہیں۔ قرآن کریم کے احکام و اخبار میں قطعاً کوئی تناقض نہیں ہے بلکہ سارے کا سارا قرآن ایک دوسرے مقام کی تصدیق بھی کرتا ہے اور اس کی سچائی کی شہادت بھی دیتا ہے، جہاں انسان کو بظاہر کوئی تعارض محسوس ہو وہاں تدبر اور غور و فکر سے کام لینا چاہئے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْفُرْقَةَ أَنْ وَلَوْ كَانُوا مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ﴾ (النساء ۴/۸۲)

”بھلا یہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کا (کلام) ہوتا تو اس میں (بہت سا) اختلاف پاتے۔“

③ قرآن کا تیسرا وصف یہ بیان ہوا ہے کہ اس کی بعض آیات محکم اور بعض تشابہ ہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ ﴾ (آل عمران ۳/۷)

”وہی تو ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی جس کی بعض آیتیں محکم ہیں (اور) وہی اصل کتاب ہیں اور بعض تشابہ ہیں۔“

یہاں محکم سے مراد وہ آیات ہیں جن کے معنی واضح اور ظاہر ہیں کیونکہ اس کے مقابل یہاں الفاظ یہ ہیں ﴿ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ ﴾ اور ایک لفظ کی تفسیر اس کے بالقابل استعمال ہونے والے لفظ ہی سے معلوم ہو سکتی ہے، یہ تفسیر کا ایک اہم قاعدہ ہے جو مفسر کے سامنے رہنا چاہئے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿ فَأَنْفِرُوا اثَابٍ أَوْ أَنْفِرُوا أَجْمِيعًا ﴾ اس میں لفظ ”ثبات“ کے سمجھنے میں انسان کو مشکل محسوس ہوتی ہے لیکن جب ہم اس کے بالقابل استعمال ہونے والے الفاظ ﴿ أَوْ أَنْفِرُوا أَجْمِيعًا ﴾ کو دیکھتے ہیں تو یہ مشکل دور ہو جاتی ہے اور بات سمجھ میں آ جاتی ہے کہ ثبات کے معنی متفرق اور الگ الگ کے ہیں۔ اسی اصول کے مطابق جب ہم اس آیت کریمہ:

﴿ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ ﴾ (آل عمران ۳/۷)

”جس کی بعض آیتیں محکم ہیں (اور) وہی اصل کتاب ہیں اور بعض تشابہ ہیں۔“

پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ محکم سے مراد وہ آیات ہیں جن کے معنی بالکل واضح اور غیر مشتبہ ہیں کہ انہیں

عام و خاص سبھی لوگ جانتے ہیں جیسے ﴿وَأَقِنُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ﴾ جیسی آیات جن کے معنی بالکل ظاہر ہیں۔ اسی طرح قرآن کریم کی بعض آیات تشابہات ہیں، جن سے مراد ایسی آیات ہیں جن کے معنی بہت سے لوگوں کے لئے مخفی ہیں کہ ان کے معنی اللہ تعالیٰ اور راسخ فی العلم علماء ہی جانتے ہیں جیسا کہ فرمایا:

﴿وَأَخْرَجْنَا مَثَلَهُمْ فِي آيَاتِنَا لِيَتَذَكَّرَ الَّذِينَ يَخْتَفُونَ ۚ وَمَا يَكْتُمُونَ إِلَّا اللَّهَ ۗ وَالرَّسُوحُونَ فِي الْعِلْمِ﴾ (آل عمران ۷/۳)

”اور بعض تشابہ ہیں تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ تشابہات کا اتباع کرتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور مراد اصلی کا پتہ لگائیں حالانکہ مراد اصلی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ علم میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں۔“

یہاں قراءت کے بارے میں ائمہ سلف کے دو قول ہیں۔ ایک قول تو یہ ہے کہ الا اللہ پر وقف کیا جائے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں وقف نہ کیا جائے بلکہ وصل کے ساتھ یعنی اسے آگے ملا کر پڑھا جائے۔ بہر حال یہاں دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔

سائل نے جو یہ پوچھا ہے کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ سارے قرآن کو محکم کیوں نہ بنایا گیا اور اس کی بعض آیات کو تشابہ کیوں بنایا گیا ہے؟ اس کا جواب دو طرح سے ہے ایک یہ کہ معنی عام کے اعتبار سے قرآن سارے کا سارا محکم ہے جیسا کہ ہم نے جواب کے آغاز میں ذکر کیا حتیٰ کہ اس آیت کریمہ کے حوالہ سے بھی قرآن محکم ہے اور وہ اس طرح کے جب ہم تشابہ کا محکم کے ساتھ ملا کر جائزہ لیں گے تو اس کے معنی بھی واضح اور ظاہر ہو جائیں گے اور اس طرح سارا قرآن ہی محکم ہو گا۔

دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ آیات کو تشابہ قرار دیا ہے، جن کے سمجھنے کے لئے تدبیر، غور و فکر اور انہیں محکم کی طرف لوٹانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک خاص حکمت کے پیش نظر تشابہ بنایا ہے اور وہ حکمت ہے ابتلاء، امتحان اور آزمائش کہ بعض لوگ ان آیات تشابہات کو فتنہ کا ذریعہ بنا لیتے ہیں اور ان کے حوالہ سے قرآن پر طعن و تشکیک کا الزام ٹھہراتے ہیں حالانکہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے بیان فرمائے ہوئے احکام شریعت یا اس کی آیات شریعت مثلاً قرآن میں سے کچھ تشابہ ہیں اسی طرح اس کی کوئی و قدری آیات میں سے بھی بعض تشابہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے امتحان کے لئے بعض اشیاء کا حکم دیتا ہے تاکہ وہ آزمائے کہ بندے اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں یا نہیں جیسا کہ اس نے اہل سبت پر ہفتہ کے دن مچھلی کے شکار پر پابندی عائد کر کے ان کی آزمائش کی تھی اور اس میں بھی ان کی آزمائش تھی کہ ہفتہ کے دن سطح آب پر بڑی کثرت سے مچھلیاں نمودار ہوتی تھیں اور ہفتہ کے علاوہ باقی دنوں میں نمودار نہیں ہوتی تھیں لیکن وہ لوگ اس آزمائش میں صبر نہ کر سکے اور شکار کے لئے انہوں نے معروف و مشہور حیلہ اختیار کر لیا کہ جمعہ کے دن جال لگا لیا تاکہ اس میں مچھلیاں پھنس جائیں اور اتوار کو ان کا شکار کر لیں لیکن اس حیلہ سازی پر اللہ تعالیٰ نے انہیں سزا دی، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بھی آزمائش کی، چنانچہ ملاحظہ فرمائیے، آیت کریمہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَتَّبِعْكُمْ اللَّهُ وَإِن يَنسُئْ مِنْ الصَّيْدِ فَسَأَلَهُ آيَاتِكُمْ وَرِمَاكُمْ لِعَلَّمَ اللَّهُ مَنْ يَخَافُ بِالْحَيَاتِ﴾

(المائدہ/۹۴)

”مومنو! کسی قدر شکار سے جن کو تم ہاتھوں اور نیروں سے پکڑ سکو اللہ تمہاری آزمائش کرے گا (یعنی حالت احرام میں شکار کی ممانعت سے) تاکہ معلوم کرے کہ اس سے عاقبتاً کون ڈرتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آزمائش کی، حالت احرام میں شکار سہولت کے ساتھ ان کی دسترس میں تھا لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے صبر کیا اور اللہ تعالیٰ کے اس حرام قرار دیئے شکار کو ہاتھ بھی نہ لگایا۔ اسی طرح آیات قرآنیہ میں بھی بعض تشابہ اشیاء ہوتی ہیں جن میں بظاہر تعارض اور ایک دوسرے مقام کی تکذیب ہوتی ہے لیکن راسخ فی العلم لوگ جانتے ہیں کہ ان آیات میں تطبیق کی کیا صورت ہے لیکن اہل فتنہ و شران آیات کی وجہ سے یہ کہنے لگتے ہیں کہ قرآن مجید میں تعارض اور تناقض ہے:-

﴿ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَبَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ ﴾ (آل عمران ۷/۸)

”تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہوتی ہے وہ اس میں سے ان آیتوں کی پیروی کرتے ہیں جو باہم مختلف معنوں کی متحمل ہوتی ہیں، وہ لوگ فتنہ کے متلاشی ہوتے ہیں اور ان آیات کی حقیقت معلوم کرنا چاہتے ہیں حالانکہ ان کی حقیقت تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔“

— شیخ ابن عثیمین —

جنت میں دیدار الہی

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:



﴿إِنَّكُمْ تَرَوْنَ رَبَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَالْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبُكَرِ . . . لَا تَضَامُونَ فِي رُؤْيَيْهِ﴾ (صحیح بخاری، کتاب مواقیب الصلاة، باب فضل صلاة العصر، ح: ۵۵۴، صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب اثبات رؤية المومنین في الآخرة ربهم سبحانه وتعالى، ح: ۱۸۳)

”تم قیامت کے دن اپنے رب کا اسی طرح دیدار کرو گے جس طرح تم چودھویں رات کے چاند کو دیکھتے ہو.... دیدار الہی کے سلسلہ میں تم ظلم نہیں کئے جاؤ گے“

سوال یہ ہے کیا قیامت کے دن دیدار الہی حق ہے؟ کیا نہ کوہ بالا حدیث صحیح ہے؟ کیا دیدار الہی سب لوگوں کو ہو گیا صرف مومنوں کو؟ بعض راویان حدیث کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رات کے آخری ٹلٹ میں آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے کیا یہ حدیث صحیح ہے؟

﴿جواب﴾ یہ حدیث صحیح و ثابت اور اس بات کی دلیل ہے کہ مومنوں کو یقیناً اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو گا، جس طرح وہ چاہے گا اور کافر دیدار الہی سے محروم ہوں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُورُونَ ﴾ (المطففين ۱۵/۸۳)

”بے شک یہ لوگ اس روز اپنے پروردگار (کے دیدار سے) اوٹ اور حجاب میں ہوں گے۔“

بہت سی احادیث سے یہ ثابت ہے کہ مومنوں کو جنت میں دیدار الہی کی سعادت میسر ہوگی جیسا کہ قرآن کریم سے

بھی یہ ثابت ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَجُودٌ يَوْمَئِذٍ نَّاصِرَةٌ ﴿٢٢﴾ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿٢٣﴾﴾ (الصیامہ ۷۵/۲۲-۲۳)

”اس روز بہت سے منہ رونق دار ہوں گے (اور) اپنے پروردگار کے محو دیدار ہوں گے؟“

اور فرمایا:

﴿عَلَىٰ الْأَرْكَانِ يَنْظُرُونَ ﴿٢٢﴾﴾ (المطففين ۸۳/۲۳)

”اور تختوں پر (بیٹھے ہوئے) دیکھ رہے ہوں گے۔“

رؤیت باری کی حقیقت کے باوجود اس کی کیفیت کو ہم نہیں جانتے کیونکہ دار آخرت کو دنیا پر قیاس کیا جاسکتا ہے، نہ غیب کو حاضر پر۔ اور ہمیں چاہئے کہ صرف اپنے علم کے مطابق بات کریں۔

② نزول باری تعالیٰ کے بارے میں صحیح احادیث موجود ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يُنزَلُ رَبَّنَا إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرِ فَيَقُولُ: هَلْ مِنْ دَاعٍ فَأَسْتَجِيبُ لَهُ، هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ فَأَغْفِرُ لَهُ، هَلْ مِنْ تَائِبٍ فَأَتُوبُ عَلَيْهِ؟» (صحیح بخاری، کتاب التَّجَهُّد، باب الدعاء والصلاة من آخر الليل، ح: ۱۱۴۵ و فی مقام آخر، رقم: ۶۳۲۱، ۷۴۹۴، صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرين، باب الترغيب في الدعاء ...، ح: ۷۵۸)

”جب رات کا آخری حصہ باقی رہ جاتا ہے تو ہمارا رب آسمان دنیا پر نزول فرماتا اور ارشاد فرماتا ہے کہ ہے کوئی دعاء کرنے والا کہ میں اس کی دعاء کو شرف قبولیت سے نوازوں؟ ہے کوئی معافی مانگنے والا کہ میں اسے معاف کر دوں؟ ہے کوئی توبہ کرنے والا کہ میں اس کی توبہ کو قبول کر لوں؟“

لیکن یہ نزول امور غیب میں سے ہے، ہم اس پر ایمان تو رکھتے ہیں لیکن اس کی کیفیت کے بارے میں بحث نہیں کریں گے۔ اس حدیث سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوا کہ رات کا آخری حصہ افضل ہے، اس میں نماز، دعاء اور توبہ واستغفار مستحب ہے اور یہ قبولیت کا وقت ہے!

شیخ ابن جریر

مخالف اہل سنت کی امامت

سوال کیا کسی ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے جس کا عقیدہ اہل سنت و الجماعت کے عقیدہ کے مخالف ہو۔ مثلاً اشعری وغیرہ کے پیچھے؟

جواب زیادہ درست بات یہ معلوم ہوتی ہے..... واللہ اعلم..... کہ جس شخص کو ہم مسلمان سمجھیں اس کے پیچھے نماز پڑھنا بھی صحیح ہے اور جس کو مسلمان نہ سمجھیں اس کے پیچھے نماز بھی صحیح نہیں۔ اہل علم کی ایک جماعت کا یہی قول ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ جو شخص یہ کہے کہ گناہ گار کے پیچھے نماز درست نہیں تو یہ قول مرجوح ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے امراء کے پیچھے نماز ادا کرنے کی رخصت دی ہے اور امراء میں سے اکثریت نافرمانوں کی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت انس رضی اللہ عنہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے حجاج کے پیچھے نمازیں پڑھیں حالانکہ وہ بہت بڑا ظالم تھا۔

حاصل کلام یہ کہ ایسے بدعتی کے پیچھے نماز جائز ہے جس کی بدعت اسے دائرہ اسلام سے خارج نہ کرے اور ایسے فاسق کے پیچھے بھی جس کا فسق اسے دائرہ اسلام سے خارج نہ کرے لیکن جب لوگ ایک جگہ جمع ہوں تو بہتر یہ ہے کہ صاحب سنت و جماعت اور کسی افضل آدمی کو امام بنایا جائے۔

شیخ ابن باز

جادوگروں اور شعبہ باز صوفیوں سے سوال پوچھنا

سوال یمن کے بعض علاقوں میں کچھ ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو سادات (شاہ صاحب) کہلاتے ہیں، یہ لوگ شعبہ بازی اور کئی ایسے کام کرتے ہیں جو دین کے منافی ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ انہیں لوگوں کے پیچیدہ اور مشکل امراض کے علاج کی قدرت حاصل ہے اور اس کی دلیل کے طور پر اپنے ہی جسموں میں بسا اوقات نخر چھو لیتے ہیں یا اپنی زبانوں کو کاٹ کر بغیر تکلیف کے انہیں دوبارہ جوڑ لیتے ہیں، ان میں سے کچھ لوگ نماز پڑھتے ہیں اور کچھ نہیں پڑھتے۔ یہ اپنے لئے تو یہ جائز قرار دیتے ہیں کہ کسی دوسرے خاندان میں شادی کر لیں لیکن کسی دوسرے شخص کو اپنے خاندان میں شادی کی اجازت نہیں دیتے۔ مریضوں کے لئے دعاء کرتے ہوئے کہتے ہیں یا اللہ، یا فلاں۔۔۔۔۔ یہاں اپنے آباء و اجداد میں سے ایک شخص کا نام لیتے ہیں۔۔۔۔۔ ماضی میں لوگ ان کی بے حد تعظیم کرتے اور انہیں غیر معمولی انسان سمجھتے تھے بلکہ انہیں مقربین بارگاہ الہی اور رجال اللہ کے نام سے موسوم کرتے تھے، اب لوگ ان کے بارے میں مختلف رائے رکھتے ہیں، کچھ تو ان کے مخالف ہیں خاص طور پر نوجوان اور بعض طالب علم ان کی مخالفت کرتے ہیں اور کچھ لوگ بدستور ان سے وابستگی رکھتے ہیں خصوصاً بڑی عمر کے لوگ اور غیر طالب علم۔۔۔۔۔ آنجناب سے امید ہے کہ اس مسئلہ کی حقیقت کو بیان فرمائیں گے؟

جواب مذکورہ بالا اور اس طرح کے لوگ ان صوفیاء میں سے ہیں جن کے اعمال منکر اور جن کے تصرفات باطل ہیں اور یہ ان نجومیوں میں سے ہیں جن کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا ہے:

«مَنْ أَتَى عَرَاْفًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ لَمْ تَقْبَلْ لَهُ صَلَوةَ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً» (صحیح مسلم، کتاب

السلام، باب تحریم الکھانة واتبان الکھان، ح: ۲۲۳۰ واحمد فی المسند، ۶۸/۴، ۳۸۰/۵)

”جس نے کسی نجومی کے پاس جا کر کوئی سوال پوچھا تو اس کی چالیس راتوں تک نماز قبول نہ ہوگی۔“

اس لئے کہ یہ لوگ علم غیب کا دعویٰ کرتے اور جنوں سے خدمت لیتے ہیں اس لئے اس حدیث شریف کے پیش نظر ان لوگوں کے پاس جانا اور ان سے سوال پوچھنا جائز نہیں ہے، اسی طرح نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ:

«مَنْ أَتَى كَاهِنًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أَنْزَلَ عَلَى مُحَمَّدٍ ﷺ» (سنن أبي داود،

کتاب الطب، باب فی الکھان، ح: ۳۹۰۴، وخرجه الترمذی فی الجامع رقم: ۱۳۵، وابن ماجه فی السنن

رقم: ۶۳۹، واحمد فی المسند ۲/۴۰۸، ۴۷۶)

”جو شخص کسی کاهن کے پاس جائے اور اس کی بات کی تصدیق کرے تو اس نے اس دین و شریعت کے ساتھ

کفر کیا جسے محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہے۔“

ایک دوسری روایت میں کاهن کے ساتھ نجومی کا لفظ بھی ہے۔ ان کا غیر اللہ کو پکارنا اور غیر اللہ سے فریاد کرنا یا یہ گمان

کرنا کہ ان کے آباؤ اجداد اس کائنات میں تصرف رکھتے یا مریضوں کو شفاء دیتے یا مرنے اور غائب ہونے کے باوجود دعاء کو سنتے ہیں تو یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے ساتھ کفر اور مشرکین کا عمل ہے۔ فرض ہے کہ ان کا انکار کیا جائے، ان کے پاس جایا جائے نہ ان سے سوال پوچھا جائے اور نہ ان کی تصدیق کی جائے کیونکہ ایک طرف ان کے اعمال کاہنوں اور نجومیوں کے اعمال ہیں تو دوسری طرف ان مشرکین کے اعمال ہیں جو غیر اللہ کے پجاری ہیں، غیر اللہ سے استغاثہ کرتے ہیں، اللہ کو چھوڑ کر جنوں، فوت شدگان اور دیگر غیر اللہ سے مدد مانگتے ہیں جن کی طرف یہ اپنے آپ کو منسوب کرتے اور انہیں آباؤ اجداد قرار دیتے ہیں یا اسی قسم کے دیگر لوگوں سے یہ مدد مانگتے ہیں جن کے بارے میں ان کا گمان یہ ہے کہ انہیں ولایت و کرامت حاصل ہے۔ یہ تمام اعمال شعبہ بازوں، کاہنوں اور نجومیوں کے اعمال ہیں، ہماری شریعت مطہرہ ان اعمال سے نہایت سختی سے منع کرتی ہے۔

باقی رہے ان کے یہ تصرفات کہ یہ اپنے ہی جسم میں منجھریو ست کر لیتے یا اپنی زبان کو کاٹ کر پھر درست کر لیتے ہیں تو یہ صرف فریب کاری اور لوگوں کو دھوکا دینا ہے کیونکہ یہ سب کچھ اس سحر اور جادوگری کی کرشمہ سازی ہے، نصوص کتاب و سنت نے جسے حرام ٹھہرایا اور جس سے بچنے کی ازحد تلقین فرمائی ہے لہذا کسی بھی عقل مند کو ان کی شعبہ بازیوں سے فریب خوردہ نہیں ہونا چاہئے، یہ تو اس طرح کی بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرعون کے جادوگروں کے بارے میں فرمائی ہے کہ:

﴿يَحْيِلُ الْيَوْمِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنهَاتَسْحَىٰ﴾ (طہ ۲۰/۶۶)

”تو ناگمان ان کی رسیاں اور لاشیاں موسیٰ کے خیال میں ایسے آنے لگیں کہ وہ (میدان میں ادھر ادھر) دوڑ رہی ہیں۔“

تو ان لوگوں نے جادوگری، شعبہ بازی، کمانت اور اس کے ساتھ ساتھ شرک اکبر یعنی غیر اللہ سے استغاثہ، غیر اللہ سے استغاثہ، علم غیب کے دعویٰ اور کائنات میں تصرف کے دعویٰ کو یکجا کر لیا ہے اور یہ تمام شرک اکبر اور صریح کفر کی قسمیں ہیں اور شعبہ بازی کے وہ اعمال ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ نیز دعویٰ علم غیب ہے حالانکہ بجز اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے کوئی شخص علم غیب نہیں جانتا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (النمل ۲۷/۶۵)

”اے پیغمبر! کہہ دیجئے کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں، اللہ کے سوا غیب کی باتیں نہیں جانتے۔“

ان کے حالات جاننے والے تمام مسلمانوں پر یہ فرض ہے کہ وہ ان کا انکار کریں، ان کے سوء تصرف کو بیان کریں اور بتائیں کہ یہ منکر ہے اور ان کے اعمال شرکیہ و کفریہ ہیں نیز یہ شعبہ بازی، کمانت، نجومیت اور دعویٰ علم غیب پر مشتمل ہیں اور یہ تمام باتیں ضلالت، گمراہی، کفر اور باطل کی قسمیں ہیں، ان اعمال سے اور ان اعمال کے کرنے والوں سے دور رہنا فرض ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ اپنی بچیوں کا دوسروں کو رشتہ نہیں دیتے، جب کہ دوسروں سے رشتہ لے لیتے ہیں تو یہ بھی جہالت و ضلالت کی بات ہے جس کی کوئی وجہ نہیں، جس کی کوئی شرعی اصل نہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوْبًا وَّعَسَاۤىِٕلَ لِتَعَارَفُوْۤا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ

أَلْقَنَكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿٧٦﴾ (الحجرات ۱۳/۴۹)

”لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو شناخت کرو (اور) اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا (اور) سب سے خبردار ہے۔“

یہ لوگ خواہ سادات سے ہوں یا بنی ہاشم سے ہوں، انہیں یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اپنی بچیوں کا رشتہ دوسروں کے لئے حرام قرار دیں بلکہ ان کا یہ فعل منکر اور رسول اللہ ﷺ کے عمل کے مخالف ہے کیونکہ آپ نے اپنی بھوپھی زاد بہن حضرت زینب اسدیہ رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کر دی تھی، فاطمہ بنت قیس قرشیہ رضی اللہ عنہا کی شادی اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے کر دی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی شادی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کر دی تھی، جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بنی ہاشم سے نہیں بلکہ بنی عدی میں سے ہیں۔ اس طرح کے بے شمار واقعات ان کے اس طرز عمل کو باطل قرار دیتے اور ثابت کرتے ہیں کہ یہ اپنے اسلاف کے عمل کے بھی مخالف ہیں لہذا ضروری ہے کہ انہیں نصیحت کی جائے، اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت سے انہیں ڈرایا جائے اور انہیں حکم دیا جائے کہ وہ اپنے ان تمام اعمال سے توبہ کریں جن میں انہوں نے شریعت مطہرہ کی مخالفت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اور ان سب کو ہدایت عطا فرمائے!

— شیخ ابن باز —

غیر اللہ سے مدد مانگنے کا حکم

سوال ایک آدمی ایسے لوگوں میں رہ رہا ہے، جو غیر اللہ سے مدد مانگتے ہیں تو کیا اس کے لئے ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے؟ کیا اس کے لئے واجب ہے کہ انہیں چھوڑ کر کہیں اور چلا جائے؟ کیا ان لوگوں کا یہ شرک غلیظ ہے اور ان سے دوستی حقیقی کافروں سے دوستی کی طرح ہے؟

جواب جن لوگوں کے درمیان آپ رہ رہے ہوں، اگر ان کا حال اسی طرح ہے جس طرح آپ نے بیان کیا ہے کہ وہ غیر اللہ سے استغاثہ کرتے ہیں اور وہ مردوں، غائب لوگوں، درختوں، پتھریا ستاروں وغیرہ سے مدد مانگتے ہیں تو یہ لوگ شرک اکبر کے مرتکب مشرک ہیں، جس کی وجہ سے یہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں، جس طرح کفار سے دوستی جائز نہیں ان سے بھی جائز نہیں، ان کے پیچھے نماز بھی جائز نہیں، ان میں رہنا سہنا اور اقامت اختیار کرنا بھی جائز نہیں، سوائے اس شخص کے جو دلیل کے ساتھ انہیں حق کی طرف دعوت دے اور امید رکھے کہ یہ لوگ اس کی دعوت کو قبول کر لیں گے اور اس کے ہاتھوں ان کے حالات کی دینی اعتبار سے اصلاح ہو جائے گی، اگر ایسی صورت حال نہ ہو تو پھر ان کو چھوڑ کر ایسے لوگوں میں جا شامل ہونا واجب ہے، جن کے ساتھ یہ اسلام کے اصول و فروع کے مطابق عمل کر سکے اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کا احیاء کر سکے اور اگر ایسے لوگ بھی میسر نہ ہوں تو پھر تمام فرقوں کو چھوڑ دے خواہ اسے مشکلات کا سامنا کرنا پڑے جیسا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُونَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ، عَنِ الْخَيْرِ وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ مَخَافَةَ أَنْ أَقَعَ فِيهِ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّا كُنَّا فِي جَاهِلِيَّةٍ وَشَرٌّ فَجَاءَنَا اللَّهُ بِهَذَا الْخَيْرِ فَهَلْ بَعْدَ هَذَا

الْخَيْرِ مِنْ شَرِّ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَقُلْتُ: فَهَلْ بَعْدَ هَذَا الشَّرِّ مِنْ خَيْرٍ؟ قَالَ: نَعَمْ وَفِيهِ دَخْنٌ قُلْتُ: وَمَا دَخْنُهُ؟ قَالَ: قَوْمٌ يَهْدُونَ بِغَيْرِ هَدْيٍ تَعْرِفُ مِنْهُمْ وَتُنْكِرُ فَقُلْتُ: فَهَلْ بَعْدَ ذَلِكَ الْخَيْرِ مِنْ شَرِّ؟ قَالَ: نَعَمْ دُعَاةٌ عَلَى أَبْوَابِ جَهَنَّمَ مَنْ أَجَابَهُمْ إِلَيْهَا قَذَفُوهُ فِيهَا، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ صِفْهُمْ لَنَا قَالَ: نَعَمْ هُمْ مِنْ جَلْدَتِنَا وَنَكَلَمُونَ بِاللَّسِنَاتِ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ فَمَا تَأْمُرُنِي إِنْ أَدْرَكَنِي ذَلِكَ؟ قَالَ: تَلْزِمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَإِمَامَهُمْ فَقُلْتُ: فَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُمْ جَمَاعَةً وَلَا إِمَامًا قَالَ: فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرْقَ كُلَّهَا وَلَوْ أَنْ تَعْصَى عَلَى أَصْلِ شَجَرَةٍ حَتَّى يُدْرِكَكَ الْمَوْتُ وَأَنْتَ عَلَى ذَلِكَ (صحیح بخاری، کتاب الفتن، کیف الامر إذا لم تكن جماعة، ح: ۷۰۸۴)

”لوگ رسول اللہ ﷺ سے خیر کے بارے میں پوچھتے اور میں اس خوف کی وجہ سے شر کے بارے میں سوال کرتا کہ مبادا اس میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔ میں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! ہم جاہلیت اور شر میں مبتلا تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس خیر سے سرفراز فرما دیا تو کیا اس خیر کے بعد شر ہو گا؟“

آپ نے فرمایا: ”ہاں“

میں نے عرض کیا: ”کیا اس شر کے بعد خیر ہو گی؟“

آپ نے فرمایا: ”ہاں لیکن اس میں کچھ کمزوری ہو گی۔“

میں نے عرض کیا: ”کمزوری کیا ہو گی؟“

آپ نے فرمایا: ”یہ لوگ میری سنت کے بغیر عمل کریں گے اور میری ہدایت کے بغیر ہدایت طلب کریں گے ان کی کچھ باتیں اچھی ہوں گی اور کچھ باتیں بری ہوں گی۔“

میں نے عرض کیا: ”کیا اس خیر کے بعد شر ہو گا؟“

آپ نے فرمایا: ”ہاں، جہنم کے دروازوں پر کھڑے داعی ہوں گے جو ان کی دعوت کو قبول کرے گا اسے جہنم رسید کر دیں گے!“

میں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! ان کی کچھ نشانیاں بیان فرما دیجئے۔“

آپ نے فرمایا: ”وہ لوگ ہم ہی میں سے ہوں گے اور ہماری بولی ہی بولتے ہوں گے۔“

میں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! اگر میں ان حالات کو پا لوں تو میرے لئے کیا حکم ہے؟“

آپ نے فرمایا: ”مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام کے ساتھ مل کر رہو۔“

میں نے عرض کیا: ”اگر مسلمانوں کی جماعت اور امام ہی نہ ہو؟“

آپ نے فرمایا: ”پھر سب فرقوں کو چھوڑ دو، خواہ تمہیں درخت کی کھال چبا کر گزارہ کرنا پڑے حتیٰ کہ اسی حالت میں تمہیں موت آجائے۔“ (وصلی اللہ علی نبینا محمد والہ وصحبہ وسلم)

فتویٰ کمیٹی

مسجد نبوی کی زیارت کے لئے سفر

سوال نبی کریم ﷺ کی قبر اور دیگر اولیاء و صالحین کی قبروں کے لئے سفر کیا حکم ہے؟
جواب علماء کے صحیح قول کے مطابق رسول اللہ ﷺ یا کسی بھی دوسرے انسان کی قبر کی زیارت کے قصد سے سفر کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«لَا تُسَدُّ الرَّحَالَ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ، الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَسْجِدِي هَذَا وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى» (صحیح بخاری، کتاب فضل الصلاة في مسجد...، باب مسجد بيت المقدس، ح: ۱۱۹۷، ۱۹۹۵، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فضل المساجد الثلاثة، ح: ۱۳۹۷)

”تین مسجدوں کے سوا اور کسی کی طرف شدرحال کر کے نہ جایا جائے۔ مسجد حرام، میری یہ مسجد اور مسجد اقصیٰ۔“

جو شخص مدینہ سے دور ہو اور وہ نبی کریم ﷺ کی قبر شریف کی زیارت کا ارادہ کرے تو اسے چاہئے کہ وہ مسجد نبوی کی زیارت کے لئے سفر کا ارادہ کر لے تو اس طرح اسے تجا رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف کی زیارت بلکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، شہداء اور اہل بقیع کی قبروں کی زیارت کا موقعہ بھی مل جائے گا۔

اگر مسجد نبوی اور قبر شریف دونوں کی زیارت کی نیت کر لے تو پھر بھی جائز ہے کیونکہ بسا اوقات جو چیز مستقلاً جائز نہ ہو تو تجا جائز ہو جاتی ہے البتہ شدرحال کر کے صرف قبر شریف کی زیارت کی نیت جائز نہیں ہاں البتہ جو شخص قریب ہو اسے شدرحال کی ضرورت نہیں اور نہ اس کا قبر شریف کی طرف جانا سفر کلامائے گالند اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ شدرحال کے بغیر نبی ﷺ اور صاحبین کی قبروں کی زیارت سنت و قرنت ہے، اسی طرح شہداء، اہل بقیع اور ہر جگہ مدفون مسلمانوں کی قبروں کی بغیر شدرحال کے زیارت سنت و قرنت ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«زُورُوا الْقُبُورَ فَإِنَّهَا تُذَكِّرُكُمْ الْآخِرَةَ» (صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب استئذان النبي ﷺ، ح: ۹۷۶)

”قبروں کی زیارت کیا کر دینے تمہیں آخرت یاد دلاتی ہیں۔“

اور نبی ﷺ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قبروں کی زیارت کے وقت پڑھنے کے لئے یہ دعا سکھایا کرتے تھے:

«السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ بِكُمْ لِلْحَقِيقُونَ، نَسْأَلُ اللَّهَ لَنَا وَلَكُمْ الْعَافِيَةَ» (صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب ما يقال عند دخول القبور والدعاء لاهلها، ح: ۹۷۵)

”اے (اس) بستی کے رہنے والے مومن اور مسلمانو تم پر سلام! بے شک ہم بھی ان شاء اللہ تم سے عنقریب ملنے والے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے اور تمہارے لئے عافیت کی دعا کرتے ہیں۔“

شیخ ابن باز

حضرات انبیاء کرام ﷺ میں تفضیل

ارشاد باری تعالیٰ:

سوال

﴿ تِلْكَ أَرْسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ﴾ (البقرة ۲/۲۵۳) ﴿ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ ﴾ (البقرة ۲/۱۳۶) میں ہم کس طرح تطبیق دیں گے؟

ارشاد باری تعالیٰ:

جواب

﴿ تِلْكَ أَرْسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ﴾ (البقرة ۲/۲۵۳)

”یہ پیغمبر (جو ہم وقتاً فوقتاً بھیجتے رہے ہیں) ان میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔“

اس ارشاد باری تعالیٰ کی طرح ہے کہ:

﴿ وَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَىٰ بَعْضٍ ﴾ (الإسراء ۱۷/۵۵)

”اور ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔“

بے شک بعض انبیاء اور رسل بعض دیگر سے افضل ہیں۔ رسل، انبیاء سے افضل ہیں اور اولوالعزم پیغمبروں و سروں سے افضل ہیں۔ اولوالعزم پیغمبر پانچ ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی دو آیتوں میں کیا ہے۔ ان میں سے ایک تو سورۃ احزاب کی یہ آیت ہے کہ:

﴿ وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ ابْنِ مَرْيَمَ ﴾

(الأحزاب ۳۳/۷)

اور دوسری سورۃ شوریٰ کی یہ آیت ہے کہ:

﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ ﴾

(الشوریٰ ۴۲/۱۳)

گویا یہ پانچ اولوالعزم پیغمبر ہیں حضرت محمد ﷺ، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ ﷺ یہ پانچ پیغمبر دیگر تمام سے بلاشبہ افضل ہیں۔

جہاں تک اس آیت کریمہ کا تعلق ہے کہ:

﴿ كُلُّ ءَامِنٌ بِاللَّهِ وَمَلَيْكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ ﴾ (البقرة ۲/۲۸۵)

”یہ سب اللہ اور اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اس کے پیغمبروں کے درمیان کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے۔“

تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم ایمان کے اعتبار سے ان میں فرق نہیں کرتے بلکہ اس بات پر ہم ایمان رکھتے ہیں کہ یہ سب اللہ کے سچے پیغمبر ہیں لیکن اب واجب الاجاب صرف اور صرف رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے کیونکہ آپ کی شریعت نے سابقہ تمام شریعتوں کو منسوخ کر دیا ہے یعنی ایمان تو تمام پیغمبروں پر ہو کہ وہ سب اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر تھے

لیکن رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے بعد آپ کی شریعت نے تمام سابقہ دینوں اور شریعتوں کو منسوخ کر دیا ہے اور اب سب لوگوں پر یہ فرض ہے کہ وہ صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی مدد کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے ساتھ اب سابقہ تمام دینوں کو منسوخ کر دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ يَتَّبِعُوا النَّاسَ فِي رَسُولِ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ فَمَا مَنِ الْمُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيُّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يُوْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴾ (الأعراف/ ۷/ ۱۵۸)

”اے محمد ﷺ! کہہ دیجئے اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا ہوں (یعنی اس کا رسول ہوں) (وہ) جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی زندگانی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے پس تم اللہ پر، اس کے رسول پیغمبر امی پر جو اللہ پر اور اس کے تمام کلام پر ایمان رکھتے ہیں، ایمان لاؤ اور ان کی پیروی کرو تاکہ ہدایت پاؤ“

رسول اللہ ﷺ کے دین کے سوا سابقہ تمام ادیان اگرچہ منسوخ ہیں لیکن تمام رسولوں پر ایمان لانے اور انہیں حق جاننے کے سوا چارہ کار نہیں۔

— شیخ ابن عثیمین —

عورت قبروں کی زیارت نہ کرے

سوال: عورت کے لئے قبروں کی زیارت کا کیا حکم ہے؟

سوال

جواب: عورتوں کے لئے قبروں کی زیارت جائز نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے، اس لئے بھی کہ عورتیں فتنہ میں جلد مبتلا ہو جاتی ہیں اور ان میں صبر کم ہوتا ہے۔ لہذا ان پر یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا احسان ہے کہ ان کے لئے قبروں کی زیارت کو حرام قرار دے دیا تاکہ نہ خود فتنہ میں مبتلا ہوں اور نہ دوسروں کو فتنہ میں مبتلا کر سں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے حال کی اصلاح فرمائے! آمین!!

— شیخ ابن باز —

عورتوں کے لئے قبروں کی زیارت کیوں حرام ہے؟

سوال: عورتوں کے لئے قبروں کی زیارت کی حرمت کا سبب یا علت کیا ہے؟

سوال

جواب: اولاً: رسول اللہ ﷺ نے جو یہ فرمایا:

«لَعَنَ اللَّهُ ذَاكِرَاتِ الْقُبُورِ» (سنن ترمذی، کتاب الصلاة باب ما جاء في كراهية ان يتخذ على القبر

مسجدا، ح: ۳۲۰، وسنن کبری بیہقی ۷۸/۲)

”اللہ تعالیٰ قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائے۔“

تو اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لئے اس کی شدید ممانعت ہے۔ اسی طرح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے تعزیت کے لئے جب کچھ لوگوں کی زیارت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَوْ بَلَغَتْ مَعَهُمُ الْكُدَاءَ» یعنی «أَذْنَى الْمَقَابِرِ» مَا رَأَيْتِ الْجَنَّةَ... الخ (سنن أبي داود،

کتاب الجنائز، باب التعزية، ح: ۳۱۲۳، والنسائي في المجتبى ۲۷/۳ واحمد في المسند/۲، ۱۶۸، ۱۶۹)

”اگر تو ان کے ساتھ مقام کداء (یعنی قبرستان کا قریب ترین مقام) تک بھی جاتی تو جنت کو نہ دیکھ سکتی....“

ثانیاً: اس کی علت اس حدیث میں موجود ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ جب کچھ عورتیں جنازے کے ساتھ نکلیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«فَأَرَجِعْنَ مَا زُورَاتٍ غَيْرَ مَا جُورَاتٍ فَإِنَّكُمْ تَفْتِنَنَّ الْحَيَّ وَتُوذِينَ الْمَيِّتَ»

”تم واپس لوٹ جاؤ، اگر تم جنازے کے ساتھ آئیں تو تمہیں گناہ ہو گا۔ اجر و ثواب نہیں ملے گا کیونکہ تم زندہ

کو فتنہ میں ڈال دیتی ہو اور مردہ کو تکلیف پہنچاتی ہو۔“ گویا آپ نے اس کے دو سبب بیان فرمائے:

① عورتیں زندہ انسانوں کے لئے فتنہ ہیں، عورت سراپا پردہ ہے، اس کا اجنبی مردوں کے سامنے آنا اور نمائیاں ہونا فتنے میں مبتلا کرنے اور جرائم کی طرف لے جانے کا باعث ہے۔

② عورتوں میں چونکہ صبر کم ہوتا ہے، ان کا دل نرم ہوتا ہے، یہ آلام و مصائب کو برداشت نہیں کر سکتیں اس لئے خدشہ ہے کہ قبروں کے پاس جا کر یہ نوحہ شروع کر دیں، بلند آواز سے سوگ کا اظہار کریں اور میت کے محاسن کو بیان کرنا شروع کر دیں اور یہ سب باتیں شرعاً حرام ہیں۔^①

شیخ ابن جریر

آخرت میں کافر کا حساب

سوال مرد مومن کے حساب کا وقت روز قیامت ہے، اگر اس نے اچھے عمل کئے تو اچھا انجام اور اگر برے عمل کئے تو برا انجام ہو گا، لیکن سوال یہ ہے کہ کافر سے حساب کیوں کہ اس سے تو ان احکام پر عمل پیرا ہونے کا مطالبہ ہی نہیں جن پر عمل کرنے کا مومن سے مطالبہ ہے؟

جواب یہ سوال غلط فہمی پر مبنی ہے کیونکہ کافر سے بھی وہی مطالبہ ہے جو مومن سے ہے لیکن دنیا میں وہ اس کا پابند نہیں ہے، کافر سے اس کے مطالبہ کی دلیل یہ ہے کہ:

① عورتوں کا زیارت کے نقطہ نظر سے قبرستان جانے کو علمائے محققین نے جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ مردوں کے ساتھ اختلاط اور بے پردگی نہ ہو۔ دوسرے وہ وہاں جا کر جرز جرز اور اس قسم کی غیر شرعی حرکات کا ارتکاب نہ کریں۔ اس لئے ممانعت کی احادیث یا تو ضعیف ہیں جسے مذکورہ بالا فتویٰ میں جو تین حدیثیں نقل ہوئی ہیں۔ یہ تینوں سنداً ضعیف ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ (احکام الجنائز و بدعھا، ص: 236، ضعیف النسائی، حدیث: 1880، و مسند ابویعلیٰ بہ تحقیق حسین سلیم اسد، ج: 7، ص: 109) یا پھر ان کا تعلق زیارت قبور کی اجازت دینے سے پہلے سے ہے، بعد میں جب زیارت قبور کی اجازت دے دی گئی تو اس اجازت میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی مذکورہ شرط کے ساتھ ﷻ

﴿لَا أَصْحَبَ إِلَيْهِمْ﴾ فِي جَنَّتٍ يَسْأَلُونَ ﴿٤١﴾ عَنِ الْمُتَجَرِّبِينَ ﴿٤٢﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرٍ ﴿٤٣﴾ قَالُوا لَوْ نَدِينُ الْمُصَلِّينَ ﴿٤٤﴾ وَلَوْ نَدِينُكَ نَطْمِئُنَّ مَعَ الْخَافِضِينَ ﴿٤٥﴾ وَكُنَّا نَكْذِبُ بِبُيُوتِ الْدِينِ ﴿٤٦﴾
(المدثر ٧/٤٦٣٩)

”مگر وہ اپنی طرف والے (نیک لوگ) کہ وہ باغ ہائے بہشت میں (ہوں گے اور) پوچھتے ہوں گے (یعنی آگ میں جلنے والے) گناہ گاروں سے کہ تم دوزخ میں کیوں پڑے؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور نہ فقیروں کو کھانا کھلاتے تھے اور اہل باطل کے ساتھ مل کر (حق سے) انکار کرتے تھے اور روزِ جزاء کو جھٹلاتے تھے۔“

اگر نماز نہ پڑھنے اور مسکینوں کو کھانا نہ کھلانے کی وجہ سے وہ متاثر نہ ہوتے تو وہ اس کا ذکر کیوں کرتے؟ یہ آیات اس بات کی دلیل ہیں کہ فروعِ اسلام کے ترک پر بھی کفار سے مواخذہ ہو گا اور جیسے نقلی دلیل سے یہ ثابت ہوا، عقلی دلیل سے بھی ثابت ہوا ہے اور وہ یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ دینی واجبات میں کوتاہی پر اپنے مومن بندے کا مواخذہ کرے گا تو اس کوتاہی پر اپنے کافر بندے سے باز پرس کیوں نہ کرے گا؟ بلکہ میں تو یہاں یہ بھی کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ نے کافر کو کھانے، پینے اور جس جس نعمت سے بھی نوازا اس کا حساب ہو گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ ءَامَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعَمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَءَامَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَءَامَنُوا ثُمَّ اتَّقَوْا وَءَامَنُوا وَأَحْسَنُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ (المائدہ ٥/٩٣)

”جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان پر ان چیزوں کا کچھ گناہ نہیں جو وہ کھا چکے جب کہ انہوں نے پرہیز کیا اور ایمان لائے اور نیک کام کئے پھر پرہیز کیا اور نیکو کاری کی اور اللہ نیکو کاروں کو دوست رکھتا ہے۔“

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ مومنوں نے جو کچھ کھایا اس کا انہیں کچھ گناہ نہیں لیکن کافروں نے جو کچھ کھایا اس کا انہیں گناہ ہو گا۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ ءَامَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾
(الأعراف ٧/٣٢)

”پوچھو تو کہ جو زینت (دآرائش) اور کھانے (پینے) کی پاکیزہ چیزیں اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہیں ان کو حرام کس نے کیا ہے؟ کہہ دو کہ یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کے لئے ہیں اور قیامت کے دن خاص انہی کا حصہ ہوں گی۔“

نیز ارشاد ہے:

﴿قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ ءَامَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ (الأعراف ٧/٣٢)

”کہہ دو کہ یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کے لئے ہیں۔“

شامل ہوں گی۔ اس لئے جن روایات میں ممانعت ہے، بشرطِ صحت، ان کا تعلق ان عورتوں سے ہو گا جو جوعِ فروع کرنے والی ہوں گی۔ دوسری عورتوں کے لئے جواز ہو گا، کیونکہ تذکیرِ بلائِ خرقہ کی وہ بھی اسی طرح ضرورت مند ہیں جس طرح مرد ہیں۔ (واللہ اعلم)

یہ جملہ اس بات کی دلیل ہے کہ غیر مومن کو دنیا کی ان چیزوں سے مستفید ہونے کا حق حاصل نہیں ہے یعنی شرعی حق ہاں البتہ امر کوئی کے اعتبار سے حق حاصل ہے، یعنی اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اس دنیا کو پیدا فرمایا اور اس سے کافر نے بھی فائدہ اٹھایا ہے تو اس کا انکار ممکن نہیں ہے لیکن یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کافر سے اس کا حساب لیا جائے گا جو اس نے کھایا اور پہنا تو جیسا کہ یہ نقلی دلیل سے ثابت ہوتا ہے، عقلی دلیل سے بھی یہ ثابت ہے کہ عاصی و کافر جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایمان نہیں لاتا یہ اس کی نعمتوں کو کیوں استعمال کرتا ہے؟ عقلی طور پر یہ اس بات کا کیسے حق دار ہو سکتا ہے کہ ان چیزوں سے فائدہ اٹھائے، جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر انعام کیا ہے؟ یہ بات جب واضح ہو گئی تو اس سے خود بخود معلوم ہو گیا کہ کافر سے بھی روز قیامت اس کے عمل کا حساب لیا جائے گا لیکن اس کا حساب مومن کی طرح نہیں ہو گا کیونکہ مومن کا حساب تو بہت آسان ہو گا۔ اللہ تعالیٰ مرد مومن سے خلوت میں ملاقات فرمائے گا، اس سے اپنے گناہوں کا اقرار کروائے گا اور بندہ جب اپنے گناہوں کا اعتراف کر لے گا تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ ارشاد فرمائے گا:

«قَدْ سَتَرْتَهَا عَلَيْكَ فِي الدُّنْيَا وَأَنَا آخِفُهَا لَكَ الْيَوْمَ» (صحیح بخاری، کتاب الادب، باب ستر

المؤمن علی نفسه، ح: ۶۰۷۰)

”میں نے دنیا میں تیرے ان گناہوں پر پردہ ڈالا اور آج انہیں معاف کرتا ہوں۔“

اور کافر کا حساب اس طرح ہو گا والعیاذ باللہ کہ اس سے گناہوں کا اقرار بھی کروایا جائے گا اور سب لوگوں کے سامنے اسے ذلیل و خوار بھی کیا جائے گا۔

﴿وَيَقُولُ الْأَشْهَدُ هَتَوْلَاءَ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ﴾

(ہود ۱۱/۱۸)

”گواہ کہیں گے کہ یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار پر جھوٹ بولا تھا، سن رکھو کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔“

شیخ ابن عثیمین

مومن کی آزمائش کے فائدے

سوال اللہ تعالیٰ اپنے ان مومن بندوں پر جو کثرت سے اس کی عبادت بجالاتے ہیں، بیماریوں اور آزمائشوں کا کیوں بوجھ ڈالتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کے نافرمان اس زندگی کی آسائشوں سے بھرپور استفادہ کرتے ہیں؟

جواب اس سوال کے دو پہلو ہیں:

① اعتراض کا پہلو اور ② استرشاد (راہنمائی طلب کرنے) کا پہلو

اگر یہ سوال بطور اعتراض ہے تو یہ سائل کی جہالت کی دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کو ہماری عقلیں نہیں پا سکتیں جیسا کہ روح کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَسَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾

(الاسراء ۱۷/۸۵)

”اور آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہہ دیجئے کہ وہ میرے پروردگار کا ایک امر ہے اور تم لوگوں کو (ہمت ہی) کم علم دیا گیا ہے۔“

یہ روح جو ہمارے اپنے جسم میں ہے، جو ہمارا مادہ حیات ہے، ہم اس کو نہیں جانتے۔ تمام دانشور، فلسفی اور متکلم و حکیم اس کی تحدید و کیفیت سے عاجز و درماندہ ہیں، یہ روح جو مخلوقات میں ہمارے سب سے زیادہ قریب ہے، اس کے بارے میں جب ہم صرف یہی جانتے ہیں جو کتاب و سنت میں مذکور ہوا ہے، تو دیگر مخلوقات کے بارے میں جو ہمارا علم ہے، وہ کس قدر ہوگا؟ اس کا اندازہ آپ خود لگا لیجئے؟ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا حاکم، سب سے عظیم، سب سے جلیل اور سب سے بڑی قدرت والا ہے، ہم پر فرض ہے کہ اس کے فیصلوں کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں، اس کی کوئی و تدری قضاء کو سرسرس تسلیم کر لیں کیونکہ ہم اس کی حکمتوں اور مصلحتوں کے ادراک سے عاجز و قاصر ہیں لہذا اس پہلو سے اس سوال کے جواب میں ہم صرف یہ کہیں گے کہ اس میں جو حکمتیں اور مصلحتیں ہیں، ان کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے جو بہت علم والا، بہت حکمت والا، بہت قدرت والا اور بے حد و حساب عظمت والا ہے۔

اس سوال کے دوسرے پہلو --- راہنمائی --- کے اعتبار سے اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ مومن کی آزمائش ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی جس آزمائش سے مسلمان کو تکلیف ہو، اس کے دو بڑے فائدے ہیں (۱) ایک تو اس آدمی کے ایمان کی آزمائش ہوتی ہے کہ اس کا ایمان سچا ہے یا متزلزل ہے؟ صادق الایمان مومن، اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر پر صبر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کا طالب ہوتا ہے اور اس سے اس کے لئے آزمائش آسان ہو جاتی ہے۔ ایک عابدہ خاتون کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ اس کی انگلی کٹ گئی یا زخمی ہو گئی لیکن اس نے کسی تکلیف یا جزع فرع کا اظہار نہ کیا، جب اس سے اس بارے میں پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا کہ ”اس تکلیف پر اجر کی حلاوت نے اس پر صبر کی تلخی کو بھلا دیا۔“ مومن چونکہ اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کی امید رکھتا ہے لہذا وہ اس کے فیصلوں کے سامنے سراطاعت خم کر دیتا ہے۔

اس کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے صابر بندوں کی بہت زیادہ تعریف کی ہے اور بتایا ہے کہ وہ ان کے ساتھ ہے، وہ انہیں بغیر حساب کے اجر و ثواب سے نوازے گا۔ صبر وہ بلند و بالا مرتبہ ہے جسے صرف صبر کرنے والا ہی حاصل کر سکتا ہے لہذا اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کی اس لئے بھی آزمائش کرتا ہے تاکہ وہ صابریں کے درجہ کو پالیں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جو ایمان، تقویٰ اور خشیت کے سب سے عظیم مرتبہ پر فائز تھے، دو آدمیوں جتنا بخار ہوتا اور بوقت نزع بھی آپ ﷺ کو بہت تکلیف ہوئی اور یہ سب اس لئے تھا کہ آپ کا مرتبہ صبر مکمل ہو جائے کیونکہ آپ تمام صابریں کے سردار اور ان سب سے بڑھ کر صبر کا مظاہرہ فرمانے والے تھے۔ اس سے آپ کے سامنے وہ حکمت واضح ہو جاتی ہے، جس کے پیش نظر اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کی آزمائش فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نافرمانوں، فاسقوں، فاجروں اور کافروں کو جو بے پناہ صحت و عافیت اور رزق سے نوازتا ہے، تو یہ اس کی طرف سے استدراج ہے۔ نبی کریم ﷺ کی صحیح حدیث ہے:

«إِنَّ الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ» (صحیح مسلم، کتاب الزهد، باب الدنيا سجن المؤمن

وجنة الكافر، ح: ۵۶۲۹)

”دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے۔“

کافروں کو یہ نعمتیں اس لئے ملتی ہیں تاکہ ان کے حصے کی تمام نعمتیں انہیں جلدی سے دنیا ہی میں دے دی جائیں اور روزِ آخرت ان کے حصہ میں عذاب الہی کے سوا اور کچھ نہ ہو، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَلَّذِينَ أُذْهِبَتْ طَبَعُ بَيْتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمْ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ يُعْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنتُمْ تَفْسُقُونَ﴾ (الأحقاف ۲۰/۴۶)

”اور جس دن کافر آگ کے سامنے کئے جائیں گے (تو کہا جائے گا کہ) تم اپنی دنیا کی زندگی میں لذتیں حاصل کر چکے اور ان میں متمتع ہو چکے ہو، آج تم کو ذلت کا عذاب ہے (یہ اس کی سزا ہے) کہ تم زمین میں ناحق غرور کیا کرتے تھے اور اس کی کہ بدکرداری کرتے تھے۔“

حاصل کلام یہ کہ یہ دنیا کافروں کے لئے ہے لیکن ان کے ساتھ استدراج کیا جاتا ہے اور جب وہ اس دنیائے آسائش سے آخرت کی طرف منتقل ہوں گے تو وہاں عذاب الہی ان کے انتظار میں ہو گا۔ العیاذ باللہ۔ اور یقیناً وہ عذاب انہیں بہت سخت محسوس ہو گا کیونکہ ایک طرف تو اس میں عبرت اور سزا کا پہلو ہو گا تو دوسری طرف دنیا کی نعمتوں اور آسائشوں سے محرومی کا احساس!

مومن کی دنیا میں آزمائش کا مذکورہ بالا دو فائدوں کے ساتھ ایک تیسرا فائدہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مومن اس دنیا سے بہتر گھر کی طرف منتقل ہوتا ہے یعنی وہ دکھوں اور مصیبتوں کے گھر سے خوشیوں اور مسرتوں کے گوارے کی طرف جاتا ہے تو اس کی خوشی دو چند ہو جاتی ہے، اس کے آلام و مصائب کا دور ختم ہو جاتا اور ابدی و سرمدی نعمتوں اور کامرائیوں کے دور کا آغاز ہو جاتا ہے۔

شیخ ابن عثیمین

قبر کو مسجد سے دور ہٹا دو

سوال ایک شخص نے مسجد بنوائی اور اپنے خاندان کو وصیت کی کہ اس کی قبر مسجد میں بنائی جائے، چنانچہ وہ فوت ہوا تو اسے مسجد میں قبلہ کے سامنے دفن کیا گیا، اب قبر اور مسجد کے درمیان ایک میٹر کا فاصلہ ہے، امید ہے اس مسئلہ میں آپ ہماری راہنمائی فرمائیں گے؟

جواب اس قبر کو اکھاڑ دینا اور میت کو مسجد سے دور شہر کے قبرستان میں دفن کرنا فرض ہے کیونکہ مسجد میں قبر کی موجودگی شرک کا ذریعہ ہے اور خاص طور پر جب قبر قبلہ کی طرف ہو تو اس کی حرمت اور ذریعہ شرک ہونے میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے کیونکہ اس طرح صاحب قبر کی عبادت ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں اصول وہ حدیث ہے جسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

«قَاتَلَ اللَّهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ» (صحيح بخاري، كتاب الصلاة،

باب رقم: ۵۵، ح: ۴۳۷، صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب النهي عن بناء المسجد

على القبور، ح: ۵۳۰)

”اللہ تعالیٰ یہودیوں اور عیسائیوں پر لعنت فرمائے کہ انہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا تھا۔“

ایک دوسری حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَجْلِسُوا عَلَى الْقُبُورِ وَلَا تُصَلُّوا إِلَيْهَا» (صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب النهی عن الجلوس علی القبر والصلاة علیه، ح: ۹۷۲، سنن أبي داود، کتاب الجنائز، باب فی کراهیة القعود علی القبور، ح: ۳۲۲۹)

”قبروں پر بیٹھو نہ ان کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔“

صحیح مسلم ہی میں یہ حدیث بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيهِمْ مَسَاجِدَ، أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ فَإِنِّي أَنهَاكُمُ عَنْ ذَلِكَ» (صحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب النهی عن بناء المسجد...، ح: ۵۳۲)

”تم سے پہلے لوگ اپنے نبیوں اور ولیوں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا کرتے تھے، خبردار تم مسجدوں کو قبریں نہ بنانا، میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔“

((وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

فتویٰ کمیٹی

مقام جنت

سوال جب جنت کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر ہے تو سوال یہ ہے کہ پھر وہ اس کائنات میں کہاں ہے، جسے آسمانوں اور زمین نے بھر رکھا ہے؟

جواب جو اب سے قبل یہاں ایک بات کا سمجھنا ضروری ہے کہ جو کچھ کتاب اللہ میں مذکور ہے یا جو کچھ رسول اللہ ﷺ کی صحیح سنت سے ثابت ہے، وہ حق ہے اور یہ ممکن نہیں کہ وہ امر واقع کے خلاف ہو، امر واقع و محسوس بھی حق ہے، اس کا انکار بھی ممکن نہیں اور جو چیز کتاب و سنت سے ثابت ہو وہ بھی حق ہے، اس کا انکار بھی ممکن نہیں اور دونوں حق باتوں میں اس طرح کا کبھی تعارض نہیں ہو سکتا کہ اسے دور ہی نہ کیا جاسکے، چنانچہ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ جنت کا عرض آسمان و زمین کی طرح ہے اور دوسری آیت میں ہے کہ اس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے۔ لارب! یہ ارشاد باری تعالیٰ حق ہے، ایک یہودی نے بھی نبی کریم ﷺ سے یہ سوال کیا تھا کہ اگر جنت آسمانوں اور زمین کے عرض کے برابر ہے تو پھر جہنم کہاں ہے؟ اس کے جواب میں نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا:

«إِذَا جَاءَ اللَّيْلُ فَأَيْنَ يَكُونُ النَّهَارُ؟» (مسند احمد، ۷۵/۴، مستدرک حاکم، ۱/۱۱۴)

”جب رات آتی ہے تو پھر دن کہاں ہوتا ہے؟“

پھر سائل کی یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کہ اس کائنات میں صرف آسمان اور زمین ہی ہے، اس کائنات میں آسمان و زمین بھی ہیں اور کرسی و عرش بھی۔ نبی کریم ﷺ نماز میں رکوع سے سر اٹھانے کے بعد ایک یہ دعا بھی پڑھا کرتے تھے کہ:

«مِلَّةَ السَّمَوَاتِ وَمِلَّةَ الْأَرْضِ وَمِلَّةَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدَ» (صحیح مسلم، کتاب الصلاة،

باب ما يقول إذ ارفع رأسه من الركوع، ح: ٤٧٦، واخرجه ترمذي في السنن، رقم: ٣٤٢١)

”اے اللہ! تیری تعریف آسمانوں کے بقدر، زمین کے بقدر اور اس کے بعد ہر اس چیز کے بقدر جو تو چاہے۔“
آسمانوں اور زمین کے علاوہ بھی عالم ہے جسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، ہم صرف اسی قدر جانتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھایا ہے، بتا دیا ہے، مثلاً عرش، کرسی اور پھر عرش الٰہی تو تمام مخلوقات سے اعلیٰ ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اس پر مستوی ہے جس طرح کہ اس کے جلال و عظمت کے لائق ہے۔

شیخ ابن عثیمین

قبر پر لکھنا

سوال کیا قبر پر لوہے کی پلیٹ یا پتھر وغیرہ کی لوح رکھنا اور اس پر آیات قرآنی کے ساتھ ساتھ میت کا نام اور تاریخ وفات لکھنا جائز ہے؟

جواب میت کی قبر پر لکھنا جائز نہیں خواہ قرآنی آیات ہوں یا کچھ اور ہو، لوہے کی پلیٹ پر لکھنا جائز ہے نہ گزری یا پتھر کی تختی یا کسی اور چیز پر کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ:

«نَهَى أَنْ تُجَصَّصَ الْقَبْرُ، وَأَنْ يُفَعَّدَ عَلَيْهِ، وَأَنْ يُبْنَى عَلَيْهِ» (صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب

النهي عن تجصيص القبر والبناء عليه، ح: ٩٧٠)

”قبر کو پختہ بنایا جائے، اس پر بیٹھا جائے اور اس پر عمارت بنائی جائے۔“

اور ایک روایت میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی منع فرمایا کہ:

«وَأَنْ يُكْتَبَ عَلَيْهِ» (جامع الترمذی، کتاب الجنائز، باب ما جاء في كراهية تجصيص القبور والكتابة

عليها، ح: ١٠٥٢)

”قبر پر لکھا جائے۔“

فوت شدگان کے لئے قرآن پڑھنا

سوال کیا میت کے لئے اس طرح قرآن پڑھنا کہ اس کے گھر میں قرآن کریم کے نسخے رکھ دیئے جائیں اور پھر اس کے پڑوسی اور دیگر مسلمان دوست احباب آئیں اور ان میں سے ہر ایک، ایک پارہ تلاوت کرے اور تلاوت کر کے چلا جائے اور اسے اس کا کوئی معاوضہ بھی نہ دیا جائے اور پھر قرأت سے فراغت کے بعد میت کے لئے دعاء کی جائے اور قرآن پڑھنے کا ثواب اسے پہنچایا جائے، تو کیا تلاوت اور دعاء میت تک پہنچتی ہے؟ اور اس کا ثواب پہنچتا ہے یا نہیں؟ امید ہے آپ جواب سے سرفراز فرما کر شکر یہ کا موقعہ بخشیں گے؟

جواب اس طرح کے عمل بے اصل (بے دلیل) ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ قطعاً ثابت نہیں کہ انہوں نے اس طرح مردوں کے لئے قرآن پڑھا ہو بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ» (صحیح مسلم، کتاب الأفضية، باب نقض الاحكام

(الباطلة، ح: ۱۷۱۸)

”جس نے کوئی ایسا عمل کیا جو ہمارے امر (دین) کے خلاف ہو تو وہ (عمل) مردود ہے۔“

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ أَحَدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ» (صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب إذا اصطحوا على صلح ... ح: ۲۶۹۷، صحیح مسلم، کتاب الاقصیة، باب نقض الاحکام الباطلة، ح: ... ۱۷۱۸)

”جو شخص ہمارے اس دین (اسلام) میں کوئی ایسی چیز پیدا کرے جو اس میں سے نہ ہو تو وہ (چیز) مردود ہے۔“

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر جمعہ کے خطبہ میں یہ فرمایا کرتے تھے کہ:

«أَمَّا بَعْدُ فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ وَخَيْرُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ، وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحَدَّثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ» (صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، ح: ۸۶۷، سنن ابن ماجہ، کتاب السنة، باب اجتناب البدع والجدل، ح: ۴۵)

”حموشا کے بعد! سب سے بہترین بات اللہ کی کتاب ہے اور سب سے بہترین طریقہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔“

سب سے بدترین امور بدعات ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“

صحیح سند کے ساتھ یہ الفاظ بھی ثابت ہیں کہ:

«وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ» (سنن نسائی، کتاب الصلاة العیدین کیف الخطبة، ح: ۱۵۷۹)

”ہر گمراہی جہنم میں لے جائے گی۔“

فوت شدگان کی طرف سے صدقہ کرنا اور ان کے لئے دعا کرنا ان کے لئے منفعت بخش ثابت ہوتا ہے اور اس پر تمام

مسلمانوں کا اجماع ہے کہ صدقہ اور دعاء کا ثواب انہیں ملتا ہے۔ وباللہ التوفیق، واللہ المستعان۔

شیخ ابن باز

ساگرہ کی تقریب منانا

سوال ہمارے ملک مصر میں یہ رواج ہے کہ جب کوئی شخص اپنی عمر کا ایک سال مکمل کر لیتا ہے تو وہ ایک تقریب کا اہتمام کرتا ہے جسے تقریب ساگرہ کا نام دیا جاتا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ شرعی طور پر یہ تقریب منانا ناجائز ہے، تو کیا یہ واقعی ناجائز ہے اور اگر دعوت طے تو کیا اس طرح کی تقریب میں شرکت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ امید ہے آپ مستفید فرما کر شکر یہ کا موقعہ بخشیں گے!

جواب یہ ایک برا رواج اور بدترین بدعت ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم نہیں دیا، عیدیں عبادت کی طرح تو قیسی ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ اہل مدینہ زمانہ جاہلیت میں دو عیدیں منایا کرتے تھے، جن میں وہ کھیلا کودا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے ان دو عیدوں کی بجائے عید الفطر اور عید الاضحیٰ کو مقرر کر دیا جو کہ ہمارے لئے شرعی عیدیں ہیں۔ ہماری شریعت میں چونکہ عید میلاد کا کوئی ذکر مذکور نہیں، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ سلف میں سے بھی کسی نے اس کو نہیں

منایا لہذا اس طرح کی تقریب کا اہتمام کرنا، اس میں شرکت کرنا، تقریب کا اہتمام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنا اور انہیں سالگرہ کی مبارک باد دینا جائز نہیں ہے کیونکہ اس طرح امر منکر (برے کام) کی اعانت اور اس کی تائید و حمایت ہوتی ہے۔

شیخ ابن جریر

یہود و نصاریٰ کے کفر کا اثبات اور انہیں کافر نہ کہنے والوں کی تردید

سوال یورپ کی ایک مسجد میں ایک واعظ نے اپنے درس میں یہ بیان کیا کہ یہود و نصاریٰ کو کافر کہنا جائز نہیں، جیسا کہ آپ جانتے ہیں یورپ میں مساجد میں آنے والے مسلمانوں کی علمی استعداد بہت کم ہے، اس لئے ہم ڈرتے ہیں کہیں یہ بات مشہور نہ ہو جائے لہذا امید ہے کہ آپ اس مسئلہ پر مفصل روشنی ڈالیں گے؟

جواب اس آدمی کی یہ بات ضلالت و گمراہی بلکہ کفر ہے کیونکہ یہود و نصاریٰ کو تو خود اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کافر قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قَالَتْهُمْ اللَّهُ أَنْ يُؤْفَكُونَ ﴿٣١﴾ أَخَذُوا أَحْسَابَهُمْ وَرَهْبَتَهُمْ أَوْبَآبًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَمَا أُمَرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَجِدًا لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٣٢﴾ (التوبة ٩/ ٣١-٣٠)

”اور یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے، یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں پہلے کافر بھی اس طرح کی باتیں کیا کرتے تھے، یہ بھی انہیں کی ریس کرنے لگے ہیں، اللہ ان کو ہلاک کرے یہ کہاں بٹکے بھرتے ہیں۔ انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے سوا رب بنا لیا حالانکہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ اللہ واحد کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔“

ان آیات سے معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ مشرک ہیں، جب کہ کئی دیگر آیات میں اللہ تعالیٰ نے انہیں واضح طور پر کافر قرار دیا ہے۔ مثلاً:

﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ﴾ (المائدة ٥/ ١٧)

”جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ عیسیٰ ابن مریم اللہ ہیں، وہ بے شک کافر ہیں۔“

﴿ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ ﴾ (المائدة ٥/ ٧٣)

”وہ لوگ کفر ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تین میں سے تیسرا ہے۔“

﴿ لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ﴾

(المائدة ٥/ ٧٨)

”جو لوگ بنی اسرائیل میں کافر ہوئے ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی۔“

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ﴾ (البقرة ۹۸/۶)

”جو لوگ کافر ہیں (یعنی) اہل کتاب اور مشرک وہ دوزخ کی آگ میں (پڑیں گے)“

چنانچہ اس موضوع کی بہت سی آیات اور احادیث ہیں، جو شخص ان یہود و نصاریٰ کے کفر کا انکار کرے جو حضرت محمد ﷺ پر ایمان نہیں لائے بلکہ انہوں نے آپ کی تکذیب کی تو وہ اللہ کی تکذیب کرتا ہے اور اللہ کی تکذیب کفر ہے۔ جو شخص یہود و نصاریٰ کے کفر میں شک کرے، اس کے اپنے کافر ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ سبحان اللہ! یہ شخص ان کو کیوں کافر قرار نہیں دیتا جب کہ یہ تثلیث کے قائل ہیں اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں کافر قرار دیا ہے، یہ ان کو کافر کیوں قرار نہیں دیتا جب کہ یہ حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ فقیر ہے اور ہم دولت مند ہیں؟ تعجب ہے یہ شخص ایسے لوگوں کو کیوں کافر قرار نہیں دیتا جو اللہ تعالیٰ کے لئے ایسے برے اوصاف بیان کرتے ہیں جو سراسر سب و شتم اور عیب ہیں۔

میں اس شخص کو یہ دعوت دیتا ہوں کہ یہ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں توبہ کرے اور یہ ارشاد باری تعالیٰ پڑھے:

﴿وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ﴾ (القلم ۶۸/۹)

”یہ لوگ چاہتے کہ آپ نرمی اختیار کریں تو یہ بھی نرم ہو جائیں۔“

لیکن کفر کے بارے میں ان سے کوئی نرمی نہ کی جائے اور سب کے سامنے بر ملا بیان کرنا چاہئے کہ یہ لوگ کافر ہیں، جنہی ہیں اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يَسْمَعُ بِي يَهُودِيٌّ وَلَا نَصْرَانِيٌّ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ - أَيُّ أُمَّةِ الدَّعْوَةِ - ثُمَّ لَا يَتَّبِعُ مَا جِئْتُ بِهِ، أَوْ قَالَ لَا يُؤْمِنُ بِمَا جِئْتُ بِهِ إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ» (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب وجوب الایمان بوسالۃ نبینا...، ح: ۱۵۳)

”اس ذات اقدس کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میرے بارے میں امت --- یعنی امت دعوت --- میں سے کوئی یہودی اور عیسائی نے اور پھر وہ اس کی اتباع نہ کرے جو دین لے کر میں آیا ہوں --- تو وہ جنہی ہو گا۔“

اس بات کے کہنے والے کو چاہئے کہ وہ اس زبردست افتراء پر دازی سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرے، صریحاً اعلان کرے کہ یہود و نصاریٰ کافر ہیں، جنہی ہیں اور ان پر فرض ہے کہ اس نبی امی حضرت محمد ﷺ پر ایمان لائیں، جن کا تذکرہ تورات و انجیل میں بھی لکھا ہوا ہے، جو انہیں نیکی کا حکم دیتے، برائی سے روکتے، ان کے لیے پاک چیزوں کو حلال ٹھہراتے اور ناپاک کو حرام قرار دیتے ہیں اور اس بوجھ اور بیڑوں کو اتار بھیجتے ہیں جو ان پر پڑی ہوئی ہیں۔ جو لوگ آپ پر ایمان لائے، آپ کی عزت کی، آپ کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جسے آپ پر اتارا گیا تو یہی لوگ کامیاب ہیں۔ وہ آپ ﷺ ہی کی ذات گرامی ہے جن کے بارے میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے بشارت سنائی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

﴿يَبْنَؤُا سُرَّهٖ بِلِإِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ الْوَرَىٰهِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولِي يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ﴾ (الصف ۶۱/۶)

”اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں (اور) جو (کتاب) مجھ سے پہلے آچکی ہے (یعنی) تورات اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے، جن کا نام احمد ہو گا، ان کی بشارت سنا تا ہوں، (پھر) جب وہ ان لوگوں کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تو کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔“

جب ان کے پاس آگئے، کون؟ وہ احمد ﷺ جن کی آمد کی حضرت عیسیٰ ﷺ نے بشارت سنائی تھی اور آئے بھی کھلی نشانوں کے ساتھ تو انہوں نے کہا کہ یہ تو صریح جادو ہے، اسی سے ہم ان عیسائیوں کے دعویٰ کی تردید کرتے ہیں جنہوں نے کہا کہ حضرت عیسیٰ ﷺ نے جن کی آمد کی بشارت دی وہ احمد ہیں محمد نہیں ہیں کیونکہ عیسیٰ ﷺ کے بعد صرف محمد ﷺ ہی تشریف لائے ہیں اور حضرت محمد ﷺ ہی احمد ﷺ ہیں، یہ تو اللہ نے حضرت عیسیٰ ﷺ کی طرف الہام کیا تھا کہ وہ حضرت محمد ﷺ کا اسم پاک احمد سے ذکر کریں کیونکہ احمد، حمد سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ آپ تمام لوگوں سے بڑھ کر اپنے رب کی حمد بیان فرمانے والے ہیں جب کہ احمد کو اسم فاعل سے تفضیل کا صیغہ مان لیا جائے اور اگر اسے اسم مفعول سے تفضیل کا صیغہ مانیں تو پھر اس کے معنی یہ ہوں گے کہ آپ ﷺ اپنے کامل اوصاف کے باعث تمام مخلوق میں سب سے زیادہ قابل ستائش ہیں گویا آپ حمد کے اکمل صیغہ احمد کے اعتبار سے حاد بھی ہیں اور محمود بھی! میں تو یہ بھی کہوں گا کہ اگر کوئی شخص یہ گمان کر لے کہ زمین میں اسلام کے سوا کوئی اور بھی دین ہے، جسے اللہ قبول فرمائے گا تو وہ کافر ہے، اس کے کفر میں کوئی شک نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ (آل عمران ۸۵/۳)

”اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہو گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہو گا۔“

نیز فرمایا:

﴿أَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (المائدة: ۳/۵)

”آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔“

لہذا میں تیسری بار پھر یہ کہتا ہوں کہ اس شخص کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرنی چاہئے اور لوگوں کے سامنے کھل کر اس بات کا اعلان کرنا چاہئے کہ یہود و نصاریٰ کافر ہیں کیونکہ ان پر حجت تمام ہو چکی ہے، اللہ کا پیغام ان تک پہنچ چکا ہے لیکن انہوں نے محض عناد کی وجہ سے کفر کو اختیار کیا ہے۔

یہودیوں کو مغضوب علیہم اسی لئے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے حق کو جاننے کے باوجود اس کی مخالفت کی اور نصاریٰ کو ضالین اسی لئے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے حق کا ارادہ تو کیا مگر اس سے بھٹک گئے اور اب ان سب نے حق کو جان اور پہچان تو لیا ہے لیکن دانستہ اس کی مخالفت کر رہے ہیں، جس کی وجہ سے یہ سب غضب الہی کے مستحق ٹھہرے ہیں۔ میں ان تمام یہودیوں اور عیسائیوں کو یہ دعوت دیتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام رسولوں کے ساتھ ایمان لائیں اور حضرت محمد ﷺ کی پیروی کریں کیونکہ ان کی اپنی کتابوں میں بھی انہیں یہی حکم دیا گیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَكْتَسِبَهَا الَّذِينَ يُشْكِرُونَ وَيُؤْتُونَكَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٥٦﴾ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِالرَّسُولِ النَّبِيِّ الْأَخِي الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْنُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَاَلَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٥٧﴾ ﴾ (الأعراف/ ١٥٦-١٥٧)

”اور میری رحمت ہر ایک چیز کو شامل (یعنی ہر چیز پر چھائی ہوئی) ہے، میں اس (رحمت و بھلائی) کو ان لوگوں کے لئے لکھ دوں گا جو پرہیز گاری کرتے اور زکوٰۃ دیتے اور ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں وہ جو (محمد) رسول (اللہ) کی، جو نبی امی ہیں، پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ انہیں اچھے (سُکّی) کے کام کرنے کا حکم دیتے ہیں اور برے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو ان کے لئے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں اور ان پر سے بوجھ اور طوق جو ان کے (سر) پر (اور گلے میں) تھے اتارتے ہیں، تو جو لوگ ان پر ایمان لائے اور ان کی رفاقت کی اور انہیں مدد دی اور جو نور ان کے ساتھ نازل ہوا ہے، اس کی پیروی کی، وہی مراد پانے والے ہیں:

﴿ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأَخِي الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥٨﴾ ﴾ (الأعراف/ ١٥٨)

(اے محمد ﷺ!) کہہ دیجئے کہ لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا ہوں (یعنی اس کا رسول ہوں) (وہ) جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی زندگانی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے پس تم اللہ پر اور اس کے رسول پیغمبر امی پر جو اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام کلام پر ایمان رکھتے ہیں، ایمان لاؤ اور ان کی پیروی کرو تاکہ ہدایت پاؤ۔“

یہود و نصاریٰ کو چاہئے کہ حضرت محمد ﷺ پر ایمان لا کر دو گنا اجر و ثواب حاصل کر لیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ثَلَاثَةٌ لَهُمْ أَجْرَانِ: رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنَ بِنَبِيِّهِ وَأَمَّنَ بِمُحَمَّدٍ ﷺ» (صحیح بخاری، کتاب العلم، باب تعلیم الرجل أمته واهله، ح: ٩٧، صحیح مسلم، کتاب الايمان، باب وجوب الايمان برسالة نبينا... ح: ١٥٤)

”تین آدمیوں کو دو گنا اجر و ثواب ملتا ہے ان میں سے ایک آدمی وہ ہے جو اہل کتاب سے ہو اور پہلے وہ اپنے نبی پر ایمان لایا ہو اور پھر حضرت محمد ﷺ کے ساتھ بھی ایمان لایا ہو۔“ (الحدیث)

میں یہاں تک لکھ پایا تھا کہ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ”الاتحاد“ کے مصنف نے ”باب حکم المرتد“ میں لکھا ہے کہ: ”یا وہ اسے کافر نہ سمجھے جو اسلام کے سوا کسی اور دین کو اختیار کرے جیسے عیسائی ہیں یا ان کے کفر میں شک کرے یا ان کے مذہب کو صحیح قرار دے تو وہ بھی کافر ہے۔“

انہوں نے شیخ الاسلام (ابن تیمیہ رحمہ اللہ) کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ:

”جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ گرجے اللہ کے گھر ہیں اور ان میں اللہ تعالیٰ کی عبادت ہوتی ہے اور یہود و نصاریٰ جو کچھ کرتے ہیں، یہ اللہ کی عبادت اور اس کی اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہے یا اللہ اس سے خوش ہوتا اور اسے پسند کرتا ہے یا اللہ تعالیٰ نے گرجے کھولنے اور ان کے دین کی اقامت میں ان کی مدد کی ہے اور ان کا یہ طرز عمل قربت و طاعت الہی ہے، تو وہ کافر ہے۔“

انہوں نے ایک اور جگہ بھی لکھا ہے کہ:

”جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ اہل ذمہ کی ان کے کنیسوں میں زیارت تقرب الہی کے حصول کا ذریعہ ہے تو وہ مرتد ہے۔“

ان حوالہ جات سے ہمارے اس موقف کی تائید ہوتی ہے، جسے ہم نے اس جواب کے شروع میں ذکر کیا ہے اور اس امر میں قطعاً کوئی اشکال نہیں ہے۔ (واللہ المستعان)

— شیخ ابن عثیمین —

کرانا کا تین کی تخلیق میں کیا حکمت ہے؟

سوال اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے کرانا کا تین فرشتوں کو مقرر فرمایا ہے، جو ہم بولتے اور سنتے ہیں وہ سب کچھ لکھ لیتے ہیں تو سوال یہ ہے کہ ان فرشتوں کے پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ تو سب کچھ جانتا ہے اور اس سے ہماری کوئی ظاہری اور باطنی بات پوشیدہ نہیں ہے؟

جواب اس طرح کے امور کی حکمت کبھی ہمیں معلوم ہو جاتی ہے اور کبھی معلوم نہیں ہوتی کیونکہ بہت ساری چیزیں ایسی ہیں جن کی حکمت ہمیں معلوم نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے روح کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

﴿وَيَسْتَلْزِمُنَاكَ عَيْنَ الرُّوحِ قَلِيلَ الرُّوحِ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (الإسراء: ۸۵/۱۷)

”اور تم سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں، کہہ دو کہ وہ میرے پروردگار کا امر ہے اور تم لوگوں کو (بہت ہی) کم علم دیا گیا ہے۔“

اسی طرح اگر کوئی شخص مثلاً یہ پوچھے کہ اونٹ کو اس طرح پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے؟ اور گھوڑے کو اس طرح گدھے کو اس طرح اور آدمی کو اس طرح پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے؟ یا اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ظہر، عصر اور عشاء کی نمازوں کی چار چار رکعات فرض قرار دینے میں کیا حکمت ہے؟ انہیں آٹھ یا چھ رکعات کیوں مقرر نہیں کر دیا گیا؟ تو ہمیں سچی بات یہ ہے کہ ان کی حکمت کا علم نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بہت سے کوئی اور شرعی امور ایسے ہیں جن کی حکمت ہم سے مخفی ہے۔ اگر اشیاء مخلوقہ یا اشیاء مشروءہ کی حکمت ہمیں معلوم ہو جائے تو یہ زائد فضل، علم اور خیر ہے اور اگر ان کی حکمت معلوم نہ ہو سکے تو یہ کمی یا نقص کی بات نہیں ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ ہمارے ساتھ کرانا کا تین مقرر کرنے میں کیا حکمت ہے؟ تو اس میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تمام اشیاء کو ایک نظم کے ساتھ ترتیب دیا اور اس نظم کو نہایت عمدگی و خوبی کے ساتھ مضبوط و مستحکم کیا ہے حتیٰ

کہ انسانوں کے اقوال و افعال کے لکھنے کے لئے اس نے کراماً کا تین کو مقرر فرما دیا ہے حالانکہ وہ علام الغیوب تو ہمارے کرنے سے بھی پہلے ہمارے اقوال و افعال کو جانتا ہے لیکن یہ سارا نظام اس بات کا مظہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کمال و درجہ کی اہمیت دی ہے اور اس نے کائنات کے نظام کو کمال طریقے سے ترتیب دیا ہے۔ واللہ اعلم۔

شیخ ابن عثیمین

کسی معین شخص کو شہید کہنا اور ---!

سوال میں نے صحابی جلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث پڑھی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ

«مَا تَعُدُّونَ الشَّهِيدَ فِيكُمْ؟ قَالُوا: يَارَسُولَ اللَّهِ مَنْ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَهُوَ شَهِيدٌ قَالَ: إِنَّ شُهَدَاءَ أُمَّتِي إِذَا لَقِلِيلٌ، قَالُوا: فَمَنْ يَارَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: مَنْ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَهُوَ شَهِيدٌ، وَمَنْ مَاتَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَهُوَ شَهِيدٌ، وَمَنْ مَاتَ فِي الطَّاعُونَ فَهُوَ شَهِيدٌ، وَمَنْ مَاتَ فِي الْبَطْنِ فَهُوَ شَهِيدٌ وَالْغَرِيقُ شَهِيدٌ» (صحيح مسلم، كتاب الامارة، باب بيان الشهداء، ح: ۱۹۱۵)

”تم شہداء کن کو سمجھتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جائے وہ شہید ہے۔“ آپ نے فرمایا ”پھر تو میری امت کے شہداء بہت کم ہوں گے۔“ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر شہداء کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل ہو جائے وہ شہید ہے، جو اللہ کے راستے میں فوت ہو جائے وہ بھی شہید ہے، جو طاعون سے فوت ہو وہ بھی شہید ہے، جو پیٹ کی بیماری سے فوت ہو وہ بھی شہید ہے اور جو پانی میں غرق ہو جائے وہ بھی شہید ہے۔“

تو کیا وہ شخص جو نشہ کی حالت میں ہو اور پانی میں غرق ہو جائے، وہ بھی شہید ہے؟ کیونکہ حدیث میں غرق ہونے والے کو شہید بتایا گیا ہے۔ امید ہے جواب سے مستفید فرمائیں گے۔

سوال کا جواب دینے سے پہلے میں اس بات کی طرف توجہ مبذول کرانا پسند کرتا ہوں کہ اس دور میں بہت سے لوگوں کے ہاں شہید کے لفظ کے استعمال کا رواج بہت عام ہو گیا ہے حتیٰ کہ جو شہادت کا اہل نہیں ہوتا اسے بھی لوگ شہید کہنا شروع کر دیتے ہیں حالانکہ یہ حرام ہے کیونکہ شہید صرف اسے ہی کہنا چاہئے جس کے شہید ہونے کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت دی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہادت دینے کی دو قسمیں ہیں:

① آپ کسی معین شخص کے بارے میں یہ شہادت دیں کہ وہ شہید ہے، جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم احد پہاڑ پر چڑھے اور اس وقت آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر، حضرت عمرو اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم بھی تھے، پہاڑ پر لرزہ طاری ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أُثْبِتُ أَحَدًا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ نَبِيٌّ وَصِدِّيُّ، وَشَهِيدَانِ» (صحيح بخاري، كتاب فضائل اصحاب النبي

ﷺ، باب قول النبی ﷺ لو كنت متخذًا خليلاً، ح: ٣٦٧٥، سنن أبي داؤد، كتاب السنة، باب في الخلفاء، ح: ٤٦٥١، ومسند احمد، ٥/٣٣١، ٣٣٨

”احد! ساکن رہو! تم پر اس وقت ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔“

تو جسے نبی کریم ﷺ شہید قرار دیں، آپ ﷺ کی تصدیق و اتباع میں ہم بھی اسے شہید کہیں گے۔

② جنہیں نبی کریم ﷺ علی وجہ العموم شہید قرار دیں، جیسا کہ اس حدیث میں ہے جس کی طرف سائل نے اشارہ کیا ہے کہ وہ شخص جو کہ اللہ کے راستہ میں مقتول ہو وہ شہید ہے؟ جو اللہ کے راستہ میں فوت ہو تو وہ بھی شہید ہے، جو غرق ہو جائے وہ بھی شہید ہے اور اسی طرح کے دیگر شہداء جنہیں شہادت عامہ کے اعتبار سے شہید کہا گیا ہے۔ اس قسم کے اعتبار سے کسی معین شخص کے بارے میں ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ شہید ہے، ہم یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ جس شخص کا یہ وصف ہو وہ شہید ہے، لیکن کسی معین شخص کو بطور خاص نہیں کہہ سکتے کہ وہ شہید ہے کیونکہ شہادت وصف اور چیز ہے اور شہادت عین اور ہے، اسی لئے حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی ”صحیح“ میں ایک باب کا عنوان ہی اس طرح قائم فرمایا ہے کہ ”بَابُ لَا يُقَالُ فَلَانٌ شَهِيدٌ“ یہ نہ کہا جائے کہ فلاں شخص شہید ہے اور انہوں نے نبی ﷺ کے ان الفاظ سے استدلال کیا ہے کہ:

«اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يُجَاهِدُ فِي سَبِيلِهِ» (صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسير، باب رقم: ٧٧، دارالسلام)

”اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس کے راستہ میں کون جہاد کرتا ہے؟“

نیز یہ کہ:

«وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَنْ يَكْتُمُ فِي سَبِيلِهِ» (صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسير، باب رقم: ٧٧، دارالسلام)

”اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس کی راہ میں کسے زخم لگتا ہے؟“

پھر آپ نے اس عنوان کے تحت وہ مشہور اور طویل حدیث بیان فرمائی ہے جس میں اس آدمی کا قصہ مذکور ہے جو ایک غزوہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا اور وہ بہت بہادر اور دلیر تھا اور کسی بھی دشمن کو وار کئے بغیر جانے نہ دیتا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کی تعریف کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

«إِنَّ الرَّجُلَ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَمَّا يَبْدُو لِلنَّاسِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ» (صحیح بخاری،

کتاب الجہاد والسير، باب لا يقال فلان شهيد، ح: ٢٨٩٨)

”آدمی اہل جنت کے سے کام کرتا رہتا ہے جیسا کہ لوگوں کو بظاہر نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں وہ جہنمی ہوتا ہے۔“

امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ استدلال بالکل واضح ہے کیونکہ نبی ﷺ کے ارشاد کہ ”اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس کے راستہ میں کون جہاد کرتا ہے۔“ سے معلوم ہوتا ہے کہ ظاہر حال کبھی باطنی حال کے خلاف بھی ہوتا ہے اور اخروی احکام ظاہر کے نہیں بلکہ باطن کے مطابق ہوں گے۔ امام بخاری نے اس باب کے تحت جو واقعہ بیان فرمایا ہے وہ بالکل ظاہر ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک شخص نے اس کے حالات کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ آخر میں اس شخص نے خودکشی کر لی تھی لہذا ہم لوگوں کے ظاہر حال کے مطابق ان پر اخروی احکام منطبق نہیں کر سکتے اور نصوص کو ہم عموم پر رکھیں گے لیکن یہ

اللہ بہتر جانتا ہے کہ یہ شخص اس نص کے مصداق ہے یا نہیں۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ”فتح الباری فی شرح صحیح البخاری“ میں ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے غزوات کے بیان میں کہتے ہو کہ فلاں شخص شہید ہے اور فلاں شخص شہید فوت ہوا حالانکہ ہو سکتا ہے کہ اس کی سواری نے اسے گرا دیا ہو لہذا تم یہ نہ کہا کرو بلکہ اس طرح کہا کرو جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

«مَنْ مَاتَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ قُتِلَ فَهُوَ شَهِيدٌ» (صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب الشهداء، ح: ۱۹۱۵، مسند احمد، ۲/۵۲۲)

”جو شخص اللہ تعالیٰ کے راستہ میں فوت ہو یا قتل ہوا وہ شہید ہے۔“

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے، لہذا ہم کسی کو نص کے مطابق ہی شہید کہیں گے یعنی اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی معین شخص کو شہید قرار دیا ہے تو ہم بھی اسے شہید کہیں گے اور اگر آپ نے شہادت کو علی العموم فرمایا ہے تو ہم بھی اسے عموم ہی پر رکھیں گے، لہذا سائل کا جو یہ سوال ہے کہ ایک شخص جو نشہ کی حالت میں غرق ہوا تو کیا وہ شہید شمار ہو گا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس طرح غرق ہونے والے کسی معین شخص کو ہم شہید نہیں کہہ سکتے خواہ غرق ہوتے وقت اس نے شراب پی تھی یا نہیں پی تھی، وہ نشہ میں تھا یا نشہ میں نہیں تھا۔

نشہ کی مناسبت سے یہاں یہ ذکر کرنا بھی بے جا نہ ہو گا کہ شراب پینا کبیرہ گناہوں میں سے ہے، ہر عاقل مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اسے چھوڑ دے اور اس سے اجتناب کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ترک کر دینے کا حکم دیا ہے، اگر کوئی شخص شراب پیئے حتیٰ کہ اسے نشہ ہو جائے تو اسے کوڑے لگائے جائیں گے، اگر پھر پیئے تو پھر کوڑے لگائے جائیں گے، اگر پھر پیئے تو تیسری بار کوڑے لگائے جائیں گے اور اگر چوتھی بار بھی پیئے تو بعض اہل علم کے بقول اسے قتل کر دیا جائے گا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور بعض اہل علم یہ کہتے ہیں کہ نہیں اسے قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ حدیث منسوخ ہے جس میں قتل کرنے کا حکم ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی کوڑے لگنے سے باز آ جائے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا اور اگر شراب نوشی اس قدر کثرت سے پھیل جائے کہ بار بار سزا کے باوجود بھی لوگ اس سے باز نہ آئیں تو پھر اس کی سزا قتل ہے۔

شیخ ابن عثیمین

عید میلاد اور معراج کی محفلیں منعقد کرنا

سوال کچھ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے دن دعوت و محفل کا انعقاد کرتے اور اس میں مہمانوں کو مدعو کرتے ہیں جو اکٹھے ہو کر قرآن مجید، سیرت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دعائیں پڑھتے ہیں، اسی طرح یہ لوگ اسراء و معراج کے موقع پر بھی اسی طرح کرتے، صدقہ کرتے اور کھانا کھلاتے ہیں، تو سوال یہ ہے کہ کیا یہ فعل جائز ہے یا حرام ہے؟

جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت یقیناً ہر مسلمان پر فرض ہے بلکہ اس وقت تک ایمان ہی مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کسی کو اپنی اولاد، اپنے والدین، اپنی جان اور تمام لوگوں سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے محبت نہ ہو، اسی

طرح بلاشک و شبہ آپ کی محبت و تعظیم کا یہ بھی تقاضا ہے کہ آپ ﷺ کی شریعت کا اتباع اور آپ کی سنت کی پیروی کی جائے، آپ سے پیش قدمی نہ کی جائے اور آپ کی لائی ہوئی شریعت میں کوئی ایسی چیز داخل نہ کی جائے جو شریعت میں سے نہ ہو کیونکہ کوئی شخص اگر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے کوئی ایسا طریقہ اختیار کرتا ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی زبانی اپنے بندوں کے لئے مقرر نہ کیا ہو تو وہ درحقیقت رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر نعوذ باللہ یہ الزام لگاتا ہے کہ آپ نے دین کو ادھورا چھوڑا ہے حالانکہ کوئی مسلمان ایسا سوچ بھی نہیں سکتا، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے امت کو بدعات سے بچنے کی تلقین فرمائی اور ارشاد فرمایا:

«إِنَّا كُنْمُ وَمُحَدَّثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ بَدْعَةٍ ضَلَالَةٌ» (مسند احمد، ۱۲۶/۴، ۱۲۷)

”اپنے آپ کو بدعات سے بچاؤ کیونکہ ہر بدعت ضلالت و گمراہی ہے۔“

آپ ﷺ نے حکم دیا کہ آپ کی سنت اور آپ کے بعد آنے والے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کیا جائے۔ لاریب! نبی کریم ﷺ کی تعظیم عبادت ہے لیکن اگر آپ کی تعظیم اس طریقے سے کی جائے جو سنت سے ثابت نہیں تو پھر یہ تعظیم بدعت بن جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت کے دن کو عید کے طور پر منانا، اس دن محفلوں کا انعقاد کرنا، صدقہ کرنا اور دعوتوں کا اہتمام کرنا بلاشک و شبہ بدعت ہے۔ ایک مرد مومن کے شایان شان صرف یہ بات ہے کہ وہ صرف اسی بات پر عمل کرے جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو کیونکہ دین میں جو نئی بات ایجاد کر لی جائے، رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور جس سے آپ نے منع فرمایا ہے اس میں خیر کا کوئی پہلو نہیں، اگر اس میں خیر کا کوئی پہلو ہو تا تو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم یقیناً اور سب سے بڑھ کر اس کا اہتمام فرماتے۔

عید میلاد کی بدعت تو چوتھی صدی ہجری میں شروع ہوئی۔ پہلی تین افضل صدیوں میں اس کا نام و نشان نہ تھا۔ اگر عید میلاد حق ہوتی تو ابتدائی صدیوں کے مسلمان بھی یقیناً اس کا ہم سے بڑھ کر اہتمام فرماتے۔ اگر آپ حب رسول ﷺ کے دعوے میں پچے ہیں تو آپ کی اتباع کیجئے کیونکہ آپ کی اتباع اور پیروی ہی سراپا خیر و بھلائی ہے لہذا مسلمان بھائی! آپ ﷺ کی پیروی کو اختیار کیجئے اور ان بدعات کو ترک کر دیجئے۔

تجرب ہے کہ بعض لوگ اس بدعت کا اس قدر شدید اہتمام کرتے ہیں گویا یہ سب سے بڑا واجب اور فرض ہو لیکن نبی ﷺ سے ثابت شدہ صحیح سنتوں کے بارے میں بے حد سستی کا مظاہرہ کرتے ہیں لہذا اس طرز عمل سے اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہوئے کہنا چاہئے کہ ”سمعنا وأطعنا“ امام مالک رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ اس امت کے آخر دور کی اصلاح بھی صرف اور صرف اسی چیز سے ممکن ہوگی جس سے اس امت کے ابتدائی دور کی اصلاح ہوئی تھی۔

اسی طرح معراج کے بارے میں بھی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا قرون مشہود لہما بالخیر کے مسلمانوں میں سے کسی سے بھی یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے معراج کی مناسبت سے کسی محفل کا انعقاد کیا ہو، اگر اس کا تعلق شریعت سے ہوتا تو رسول اللہ ﷺ اسے ضرور بیان فرمادیتے بلکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور باقی امت کو بھی اس کی ضرور دعوت دیتے۔

یہ بھی قطعاً ثابت نہیں کہ نبی ﷺ کی ولادت باسعادت بارہ ربیع الاول کے دن یا رات کو ہوئی ہو اور نہ یہ ثابت ہے کہ معراج ۳۷ رجب کو ہوا۔ بعض علماء نے ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت ۱۲ کو نہیں بلکہ ۹ ربیع الاول کو ہوئی۔ اسی طرح معراج کے بارے میں بھی مشہور بات یہ ہے کہ ربیع الاول میں ہوا، قرین قیاس یہی بات معلوم ہوتی ہے اگرچہ یہ بھی

محل نظر ہے، تاہم کسی صحیح روایت سے یہ ثابت نہیں کہ معراج رجب میں ہوا یا رمضان میں یا ربیع الاول میں؟ گویا معراج اور میلاد کی یہ بدعت کسی بنیاد پر استوار نہیں ہے، نہ شرعی اعتبار سے اور نہ تاریخی طور پر، لہذا عقل و نقل دونوں کا تقاضا ہے کہ ان محفلوں کے انعقاد سے اجتناب کیا جائے۔

شیخ ابن عثیمین

تعویذ حرام ہیں خواہ وہ قرآن ہی سے لکھے ہوں

سوال تعویذوں کے لٹکانے، سینے پر رکھنے یا نکیے کے نیچے رکھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ یاد رہے یہ سوال ان تعویذوں کے بارے میں ہے جو صرف قرآنی آیات پر مشتمل ہوں؟

جواب صحیح بات یہ ہے کہ تعویذوں کو استعمال کرنا حرام ہے خواہ وہ قرآنی آیات اور احادیث نبویہ ہی پر مشتمل ہوں کیونکہ یہ نبی ﷺ سے ثابت نہیں ہے اور ہر وہ چیز جو آنحضرت ﷺ سے ثابت نہ ہو وہ لغو اور غیر معتبر شمار ہوگی۔ مسبب الاسباب تو اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہے اور تعویذ جب نہ شرعاً سبب ہیں اور نہ ان کا سبب ہونا، تجربہ، حس اور واقع سے ثابت ہے لہذا یہ جائز نہیں کہ ہم ان کے سبب ہونے کا اعتقاد کر لیں راجح قول کے مطابق تعویذ حرام ہیں خواہ وہ قرآن مجید کے الفاظ ہوں یا کوئی اور ہاں البتہ اگر کوئی انسان کسی تکلیف میں مبتلا ہو تو اسے چاہیے کہ کسی سے دم کروالے جس طرح کہ حضرت جبریل ﷺ نبی ﷺ کو دم کیا کرتے تھے اور جس طرح رسول اللہ ﷺ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دم کر دیا کرتے تھے۔ شریعت سے بس دم ہی ثابت ہے۔ (تعویذ نہیں)

شیخ ابن عثیمین

جنوں کا انسانوں کے ساتھ میل ملاپ

سوال جب ہم جنوں کے بارے میں لکھتے یا گفتگو کرتے ہیں تو کیا وہ ہماری باتیں سنتے ہیں؟ کوئی دعا یا استعاذہ ہے جو اس موقع پر پڑھ لیا جائے؟

جواب ہاں جن انسانوں سے میل ملاپ رکھتے اور ان کی گفتگو کو سنتے ہیں اور جب وہ انسانوں پر تسلط حاصل کر لیں تو ان میں پیوست بھی ہو جاتے ہیں جیسا کہ واقعات سے معلوم ہوتا ہے۔ ہاں بہت سی دعائیں یا قرآن مجید کی آیات اور سورتیں ایسی ہیں کہ ان کے پڑھنے سے انسان جنوں کے شر سے محفوظ رہتے ہیں۔ مثلاً ”معوذتین“ (قرآن مجید کی آخری دو سورتیں) اور آیت الکرسی وغیرہ۔

شیخ ابن جبرین

اہل فترت

(دو عہدوں کے درمیان کے زمانہ کے لوگ)

سوال قرآن مجید سے پہلے کی آسمانی کتابوں میں تحریف ہو چکی ہے لیکن بعد میں جو نسلیں آئیں جنہیں یہ علم نہ تھا کہ

ان میں تحریف ہو چکی ہے، انہوں نے ان کے مطابق عمل کیا تو روز قیامت اللہ تعالیٰ کے ہاں ان نسلوں سے کیسے معاملہ ہوگا؟

جواب کچھ لوگ تو وہ تھے جنہوں نے اپنے قصد و ارادہ سے تحریف کی، بعض سزاؤں کو کالعدم قرار دے دیا اور بعض میں تبدیلی کر دی تو ایسے لوگوں کو تو دو گنا گناہ ہو گا۔ ایک گناہ تحریف کی وجہ سے اور دوسرا اپنے بعد میں آنے والوں کو گمراہ کرنے کی وجہ سے۔ کچھ لوگوں نے یہ جانتے ہوئے بھی کہ ان کتابوں میں تحریف ہو چکی ہے، ان کے مطابق عمل کیا اور صحیح جاننے کے باوجود تحریف کو برقرار رکھا تو انہیں تحریف شدہ احکام کے مطابق عمل کرنے کی وجہ سے گناہ ہو گا۔ کچھ لوگ جاہل اور ناخواندہ (ان پڑھ) تھے جنہوں نے صحیح کی تحقیق و تلاش کے بغیر ہی ان تحریف شدہ شرعی احکام کے مطابق عمل کیا تو ایسے لوگوں کو بھی کچھ گناہ ہو گا..... اور اگر ان کے سامنے حق کو پہچاننے کا کوئی ذریعہ نہیں اور نہ کوئی ایسا شخص ہی ہے جس سے وہ پوچھ سکیں تو ان لوگوں کے احکام اہل فترت کے سے ہوں گے، جن کا آخرت میں امتحان ہو گا جس سے مومن مصدق واضح ہو جائیں گے۔ واللہ اعلم۔

شیخ ابن جریر

اوپنی قبر کا گرانا

سوال میرے بھائی کا انتقال ہوا تو ہمارے ایک قریبی رشتہ دار نے اس کی قبر کو سطح زمین سے اونچا بنا دیا اور اس پر قرآن مجید کی آیات لکھوا دی ہیں تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے۔ کیا اس عمارت کو گرانا جائز ہے؟

جواب احادیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ قبر پر عمارت بنائی جائے یا اسے چونا گچ کیا جائے یا اس پر لکھا جائے۔ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ:

«أَنْ لَا تَدْعَ قَبْرًا مُشْرِفًا إِلَّا سَوَّيْتَهُ» (صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب الامر بتسوية القبر، ح: ۹۶۹، سنن أبي داود، کتاب الجنائز، باب في تسوية القبر، ح: ۳۲۱۸، جامع الترمذی، کتاب الجنائز، باب ما جاء في تسوية القبر، ح: ۱۰۴۹)

”ہر اونچی قبر کو برابر کر دو۔“

یعنی اونچی قبر کو بھی دیگر قبروں کی طرح ہموار کر دو اور شاید اس ممانعت کا سبب یہ ہے کہ اونچی اور نمایاں قبر اپنی طرف توجہ مبذول کروائے گی اور صاحب قبر کے بارے میں فتنہ میں مبتلا کرنے کا سبب بنے گی۔ جاہل لوگ سمجھیں گے کہ یہ کسی ولی یا نیک بزرگ کی قبر ہے اور اس سے انہیں تعلق خاطر پیدا ہو گا تو وہ قبر کو مسجد بنا کر یہاں نماز پڑھیں گے حالانکہ حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ حکم یہ ہے کہ قبر کو صرف ایک باشت اونچا رکھا جائے اور وہ بھی اس لئے تاکہ یہ معلوم ہو کہ یہ قبر ہے اور اس پر کوئی بیٹھے نہ اسے کوئی اپنے قدموں سے پامال کرے۔

شیخ ابن جریر

ہم اللہ تعالیٰ کی عبادت کیوں کرتے ہیں؟

سوال ہم طالب علم درس کی ایک مجلس میں بحث مباحثہ کر رہے تھے کہ ایک صاحب نے سوال کیا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی عبادت کیوں کی جاتی ہے؟ ایک ساتھی نے اس کا یہ جواب دیا کہ ہم اللہ کی عبادت اس کے عذاب کے خوف اور اس کی رحمت کی امید کی وجہ سے کرتے ہیں اور اس کی دلیل اس نے یہ پیش کی کہ عبادت کے لوازم میں یہ ہے کہ جن باتوں کے کرنے کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے، انہیں ہم بجالائیں اور جن سے انہوں نے منع کیا ہے، ان سے رک جائیں۔ ایسا کرنے ہی سے اللہ تعالیٰ کی عبادت ہوگی اور اسی عبادت ہی پر جزاء کا انحصار ہو گا اور اسی کی ہم رغبت کرتے اور خوف کھاتے ہیں۔ یہ سن کر ایک دوسرے طالب علم نے کہا کہ ہم اللہ کی عبادت اس کی ذات کے لئے کرتے ہیں، اس نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے، صرف وہی عبادت کا مستحق ہے لہذا ہم جنت و جہنم سے بے نیاز ہو کر اس کی عبادت کرتے ہیں، فرض کریں کہ اگر جنت اور جہنم نہ ہو تو کیا اس کی عبادت نہ کی جائے گی؟ الغرض اس طرح اس نے پہلے قول کی زبردست تردید کی اور اسے ایک قول ”منکر“ قرار دیا۔

سوال یہ ہے کہ ان میں سے کون سا قول صحیح ہے؟ کیا آداب علم و تعلم میں سے یہ بھی ہے کہ بغیر دلیل کے قول رد کر دیا جائے یا اپنے موقف کے خلاف قول کو کسی دلیل کے بغیر رد کر دیا جائے، اس طرح کے امور و مسائل میں زیادہ بحث مباحثے کا کیا حکم ہے؟ جزاکم اللہ خیر الجزاء

جواب بعض روایات میں یہ آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں حساب کے وقت ایک آدمی کو حاضر کر کے یہ پوچھے گا کہ تو نے میری عبادت کیوں کی؟ وہ بندہ عرض کرے گا کہ ”اے اللہ! میں نے جنت اور اس کی ابدی نعمتوں کے بارے میں سنا تو راتوں کو بیدار رہا، دنوں کو تیری عبادت میں مشغول رہا اور پیاسا رہا کہ جنت میں داخل ہونے کے شوق اور نعیم مقیم اور ثواب عظیم کے حصول کی خواہش تھی۔“ اللہ تعالیٰ یہ سن کر فرمائے گا۔ ”یہ ہے میری جنت جا اس میں داخل ہو جا، تیری ہر تمنا و خواہش کو پورا کر دیا جائے گا۔“ اللہ ایک اور بندے کو بلائے گا اور اس سے فرمائے گا کہ ”تو نے میری عبادت کیوں کی؟“ وہ جواب دے گا کہ ”میں نے جہنم اور اس کے عذاب، اس کی عبرت ناک سزاؤں، اس کی زنجیروں اور بیڑیوں (طوقوں) اور اس کے آلام و مصائب کے بارے میں سنا تو میں نے جہنم اور اس کی سزاؤں اور اس کے عذابوں سے بچنے کے لئے رات کے آرام اور دن کے چین کو توجہ دیا اور خوب خوب مشقتیں برداشت کیں۔“ اللہ تعالیٰ یہ جواب سن کر ارشاد فرمائے گا۔ ”میں نے تجھے جہنم سے بچالیا جا تو جنت میں داخل ہو جا، تیری ہر خواہش پوری ہوگی۔“ پھر اللہ تعالیٰ ایک اور بندے کو بلائے گا اور اس سے فرمائے گا کہ ”بندے تو نے میری عبادت کی؟“ وہ بندہ عرض کرے گا۔ ”اللہ میں نے تیری صفات، تیرے جلال، تیری کبریائی، تیری نعمتوں اور نوازشوں کو پہچان لیا تھا تو میں نے تیری ملاقات کے شوق اور تیری محبت کی خاطر تیری عبادت کی۔ مخلوق پر اپنے فضل و انعام اور کمال صفات اور عظیم جلال کے باعث تو ہی عبادت و تعظیم کا مستحق ہے۔“ اللہ رب ذوالجلال فرمائے گا ”میں یہ موجود ہوں، تو میرا دیدار کر لے، میں نے تجھے بے پایاں اجر و ثواب سے نوازا اور تیری تمام خواہشوں اور تمناؤں کو پورا کر دیا۔“

اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ جواب دینے میں دونوں حق پر ہیں لیکن وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی عبادت اس لئے کرتا

ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہے اور وہ جانتا ہے کہ وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے، وہ اہل تقویٰ و اہل مغفرت ہے، وہ اپنے بندے کا خالق و منعم حقیقی ہے، وہی فضل و کرم اور ثناء حسن کا مالک ہے، جو اس احساس و ادراک کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کرے گا، اسے یقیناً ثواب زیادہ ہوگا۔ (واللہ واسع عظیم)

شیخ ابن جریر

کسی میت کو مغفور و مرحوم کہنا جائز نہیں

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى عَبْدِهِ وَرَسُولِهِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ - أَمَا بَعْدُ
 آج کل اخبارات و جرائد میں فوت شدہ لوگوں کی وفات کے کثرت سے اعلانات اور فوت شدگان کے قریبی رشتہ داروں سے کثرت سے اظہار تعزیت ہونے لگا ہے۔ تعزیت کرتے ہوئے لوگ فوت شدہ آدمی کے لئے مغفور اور مرحوم کے الفاظ استعمال کرتے ہیں یا اس طرح کے دیگر الفاظ کہ مثلاً وہ جنتی ہے تو جس شخص کو اسلام کے امور و عقائد کا ذرہ بھر بھی علم ہے، وہ جانتا ہے کہ کسی کا جنتی ہونا یا نہ ہونا اور مغفور و مرحوم ہونا یا نہ ہونا ان امور میں سے ہے، جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ اہل سنت و الجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ سوائے اس کے جس کے لئے قرآن میں نص ہو، کسی دوسرے کو جنتی یا جہنمی کہنا جائز نہیں ہے۔ مثلاً ابولہب کے بارے میں قرآن میں نص ہے کہ وہ جہنمی ہے یا یہ کہ مثلاً رسول اللہ ﷺ نے دس صحابہ کرام کو جنت کی بشارت دی، اس طرح کسی کو مغفور یا مرحوم کہنا بھی گویا اس کے جنتی ہونے کی شہادت دینا ہے لہذا ان کے بجائے یہ الفاظ استعمال کرنا چاہئیں۔ ”غفر اللہ لہ“ (اللہ اسے معاف فرما دے) یا ”رحمہ اللہ“ (اللہ تعالیٰ اس کے حال پر رحم فرمائے) یا اس طرح کے الفاظ جو میت کے لئے دعاء پر مشتمل ہوں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ ہم سب کو سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم)

شیخ ابن باز

عوام الناس کی زبانوں پر بعض مشہور کلمات

سوال ہم نے بعض کلمات عوام کی زبان سے سنے ہیں اور خدشہ ہے کہ کہیں ان میں شرک سرایت نہ کر گیا ہو۔ یہ کلمات اس طرح کے ہیں کہ ((مَا صَدَقْتُ عَلَى اللَّهِ)) میں اللہ تعالیٰ کی تصدیق نہیں کرتا۔۔۔۔۔ یا ((اللَّهُ لَا يَقُولُهُ)) اللہ تعالیٰ ایسا نہ کہے۔۔۔۔۔ وغیرہ، تو اس طرح کے کلمات استعمال کرنے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ (جزاکم اللہ خیراً)

جواب اس طرح کے کلمات قصد و ارادہ کے بغیر عوام الناس کی زبانوں پر آجاتے ہیں اور وہ اس طرح کے کلمات استعمال کرنے سے کسی حرام بات کا اعتقاد نہیں رکھتے۔ چھوٹے بچے، بڑوں سے اس طرح کے کلمات سیکھ لیتے ہیں لیکن ان کلمات کے معانی ضرور قابل اعتراض ہیں لہذا انہیں بالکل استعمال نہیں کرنا چاہئے کیونکہ پہلے جملہ میں اللہ تعالیٰ کی تصدیق کی نفی ہے جب کہ مومن اللہ تعالیٰ کی بھی تصدیق کرتا ہے اور ان تمام باتوں کی بھی جن کی اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے لہذا اس کے بجائے یوں کہنا چاہئے کہ اگر ”اس طرح ہو گیا یا وہ آگیا تو میں سچا نہیں ہوں گا“ اور اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اس چیز کے حصول میں میں جھوٹا ہو سکتا ہوں تاآنکہ وہ حاصل ہو جائے۔ اسی طرح دوسرے جملہ میں گویا اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی

کو پابند کرتا ہے کہ وہ اس طرح نہ کہے گویا کہ وہ وقوع کی نفی مراد لیتے ہیں، یعنی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے وقوع پذیر نہ کرے یا وہ اس طرح وجود میں نہ آئے۔ اس لیے یہ کہنا کہ ”لَا قَدْرَ لِلَّهِ“ (اللہ ایسا نہ کرے) اس میں بھی خطرناکی کا پہلو ہے۔ اگر اس کی جگہ وہ اللہ سے دعاء کرے کہ وہ اس کو واقع کرے اور نہ اسے پیدا کرے، تو زیادہ محتاط اور محفوظ بات ہے۔

شیخ ابن جبرین

میت پر نماز وغیرہ کا صدقہ کرنا

سوال کیا میت پر نماز، روزے اور قرآن کا صدقہ کرنا صحیح ہے؟

جواب ہاں یہ صحیح ہے کہ انسان میت کے لئے نماز، روزہ، خیرات، قرأت قرآن اور ذکر وغیرہ کا صدقہ کرے بشرطیکہ وہ مسلمان ہو اور اگر وہ کافر ہو تو پھر کسی چیز کا تبرع کرنا بھی جائز نہیں مثلاً اگر کوئی بے نماز انسان فوت ہو جائے تو اس کے گھر والوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اس کے لئے استغفار کریں یا اس کے لئے کسی بھی نیک عمل کا تبرع کریں، لیکن یاد رہے کہ اس طرح کے اعمال صالحہ کا تبرع کرنا کوئی مستحب امر نہیں ہے بس یوں کہہ سکتے ہیں کہ جائز ہے۔ اور افضل یہ ہے کہ اس کے لئے دعاء کرے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِذَا مَاتَ ابْنُ آدَمَ انْقَطَعَ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ: صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ، أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ، أَوْ وَالدِّ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ» (صحیح مسلم، کتاب الوصیة، باب ما يلحق الانسان من الثواب بعد وفاته، ح: ۱۶۴۱، سنن أبي داود، کتاب الوصایا، باب ما جاء في الصدقة عن الميت، ح: ۲۸۸۰، والترمذي في الجامع، رقم: ۱۳۷۶، والنسائي في المجتبى، ۲۵۱/۶ والبخاري في الادب، رقم: ۳۸ واحمد في المسند، ۳۷۲/۲)

”جب کوئی ابن آدم فوت ہو جاتا ہے تو تین طرح کے (اعمال کے) سوا اس کے تمام اعمال منقطع ہو جاتے ہیں۔ (۱) صدقہ جاریہ (۲) علم نافع (۳) وہ نیک اولاد جو اس کے لئے دعاء کرتی ہو۔“

شیخ ابن عثیمین

دین میں سطحیت نہیں ہے

سوال اس شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے جو یہ کہتا ہے کہ داڑھی منڈانا یا تنگ لباس پہننا معمولی باتیں ہیں، ان کا دین کے اصول سے کوئی تعلق نہیں ہے یا ایسی باتیں کرنے والوں سے وہ ہنسی مذاق کرتا ہے؟

جواب یہ کلام خطرناک اور منکر عظیم ہے، دین میں کوئی سطحیت نہیں ہے بلکہ دین تو عقل، صلاح اور اصلاح پر مبنی ہے، دین کے مسائل اصول و فروع میں تقسیم ہیں۔ داڑھی اور کپڑوں کا مسئلہ دین کے فروعی مسائل میں سے ہے اصول میں سے نہیں ہے لیکن دین کی کسی بھی بات کو سطحیت سے تعبیر نہیں کرنا چاہئے کیونکہ خدشہ ہے کہ جو شخص ازراہ نقص و استہزاء ایسی بات کہتا ہے، وہ کہیں مرتد ہی نہ ہو جائے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ يَا آللهِ وَيَا أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَسُولِيُّ كَسَبْتُ سَثْرَهُمْ ذُوقُوا ۖ لَا تَعْنَدُوا ۗ قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ ۗ ﴾

(التوبة ۹/۶۶۶۵)

”اے پیغمبر! کہہ دیجئے کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنسی کرتے تھے، بہانے مت بناؤ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔“

رسول اللہ ﷺ نے چونکہ یہ حکم دیا ہے کہ داڑھی کو بڑھایا جائے اور مونچھوں کو کٹوایا جائے اور تمام امور میں آپ کی اطاعت اور آپ کے امر و نہی کی تعظیم واجب ہے۔ امام ابو محمد بن حزم نے ذکر فرمایا ہے کہ اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ داڑھی کو بڑھانا اور مونچھوں کو کٹوانا فرض ہے اور بلائک و شبہ سعادت، نجات، عزت، کرامت اور اچھی عاقبت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہی میں ہے اور ہلاکت، نقصان اور برا انجام اس بات میں ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی جائے۔ کپڑے کو ٹخنوں سے اونچا رکھنا فرض ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الْإِزَارِ فَهُوَ فِي النَّارِ» (صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب ما اسفل

من الكعبين فهو في النار، ح: ۵۷۸۷)

”تہند کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو گا وہ (تہند سے ڈھانپا ہوا حصہ) جہنم میں ہو گا۔“

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«ثَلَاثَةٌ لَا يَكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يَزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ:

الْمُسْبِلُ إِزَارَهُ وَالْمَتَّانُ فِيمَا أُعْطِيَ، وَالْمُنْفِقُ سَلْعَتَهُ بِالْحَلْفِ الْكَاذِبِ» (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان غلط تحریم اسباب الازار... ح: ۱۰۶، وأبو داود في السنن، رقم: ۴۰۸۷)

”قیامت کے دن تین آدمیوں سے اللہ تعالیٰ کلام فرمائے گا نہ ان کی طرف (نظر رحمت سے) دیکھے گا، نہ انہیں

پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہو گا۔ ① اپنے تہند کو نیچے لٹکانے والا ② دے کر احسان

جناتے والا اور ③ جھوٹی قسم کھا کر اپنا سودا بیچنے والا۔“

رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی بھی ہے:

«لَا يَنْظُرُ اللَّهُ إِلَى مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خَيْلَاءً» (صحیح بخاری، کتاب اللباس، ح: ۵۷۱۳)

”اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف دیکھے گا نہیں جو تلبیر و فخر کی وجہ سے اپنا کپڑا (ٹخنے سے نیچے) لٹکائے۔“

اس لئے ہر مسلمان پر یہ فرض ہے کہ وہ اپنے کپڑوں کو ٹخنوں سے اونچا رکھے خواہ وہ قمیص ہو یا تہند، شلوار ہو یا

پاجامہ اور ٹخنوں سے نیچے نہ لٹکائے، افضل یہ ہے کہ کپڑا نصف پنڈلی اور ٹخنے کے درمیان ہو، اگر کپڑے کو ازراہ تلبیر و فخر

لٹکایا تو گناہ بہت زیادہ ہو گا اور اگر کپڑا محض غفلت و سستی کی وجہ سے لٹک گیا تو یہ بھی امر منکر ہے، اس سے بھی آدمی گناہ

گار ہو گا لیکن تکبر کی نسبت اسے گناہ کم ہو گا لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کپڑے کو (ٹخنے سے) نیچے لٹکانا وسیلہ تکبر ضرور

ہے اگرچہ آدمی گمان یہی کرے کہ وہ تکبر کی وجہ سے ایسا نہیں کر رہا اور پھر حدیث میں وعید عام ہے لہذا اس مسئلہ میں

تساؤل سے ہرگز کام نہیں لینا چاہئے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جو نبی کریم ﷺ کی خدمت میں یہ عرض کیا:

«إِنَّ إِزَارِي يَسْتَرْخِي إِلَّا أَنْ أَتَعَاهَدَهُ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ إِنَّكَ لَسْتَ

مِمَّنْ يَفْعَلُهُ خِيْلًا» (سنن أبي داود، كتاب اللباس، باب ما جاء في اسبال الازار، ح: ٤٠٨٥)

”کوشش کے باوجود میرا تہبند (ٹخنے سے) نیچے لٹک جاتا ہے“ اور نبی ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ”آپ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو ازراہ تکبر ایسا کرتے ہیں۔“

تو یہ اس شخص کے حق میں ہے جس کا حال صدیق اکبر جیسا ہو یعنی جس کا کپڑا بغیر تکبر کے لٹک گیا ہو اور اس کے باوجود وہ کوشش کرتا ہو کہ اپنے کپڑے کو اونچا رکھے اور جو شخص قصد و ارادہ سے اپنے کپڑے کو ٹخنوں سے نیچا رکھے تو وہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرح نہیں ہے کپڑوں (شلوار، پینٹ، پاجامہ اور تہبند وغیرہ کو ٹخنوں) سے نیچے لٹکانے میں مذکورہ بالا وعید کے ساتھ ساتھ اسراف بھی ہے اور کپڑوں کے نجاست سے آلودہ ہونے کا اندیشہ بھی نیز عورتوں کے ساتھ مشابہت بھی ہے لہذا مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس سے بچائے۔ (والله ولي التوفيق، والمهادى الى سواء السبيل)

— شیخ ابن باز —

رزق اللہ کے ذمہ ہے

سوال میں نے ان لوگوں سے سنا ہے جنہوں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے کہ رزق اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے ذمہ ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور صحیح اسلام کے راستہ پر چلے تو وہ اپنے اوپر اور نیچے سے کھائے گا اور اس کے پاس رزق ایسی جگہ سے آئے گا جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگی، لیکن سوال یہ ہے کہ پھر انسان بعض علاقوں میں بھوک اور قحط سالی کی وجہ سے مرتے کیوں ہیں؟ کیا ان علاقوں میں اللہ تعالیٰ نے رزق کا ذمہ نہیں اٹھایا، یا یہ ذمہ اطاعت کے ساتھ مشروط ہے؟

جواب بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کے لئے رزق کا ذمہ اٹھایا ہے اور اسی نے اسباب مہیا فرمائے ہیں لیکن وہ اپنے بندوں— خواہ مومن ہوں— کی آزمائش بھی کرتا رہتا ہے تاکہ یہ ظاہر کر دے کہ ان میں کون صبر کرنے والے ہیں اور کون بے صبرے ہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی نے اسباب رزق کو آسان بنا کر مہیا فرمایا ہے اور اس نے انسان کو صنعت و حرفت، کمائی کے طور طریقے اور طلب رزق کے انداز بھی تعلیم فرمائے ہیں۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ قوت و ملکہ کو استعمال نہ کرے تو وہ کوتاہی کا مرتکب ہے اور اس کے بارے میں خدشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر بھوک، افلاس اور تکلیف کو مسلط کر دے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کبھی کبھی گناہوں، کفر اور ترک واجبات کی وجہ سے بھی مختلف علاقوں پر قحط مسلط کر دیتا ہے اور پھر جانور وغیرہ بھی اس کی پلیٹ میں آجاتے ہیں۔

— شیخ ابن جریر —

کیا کفر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے؟

سوال ہم جانتے ہیں کہ اس دنیا میں حاصل ہونے والی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے تو سوال یہ ہے کیا کفر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے؟ یا پھر اس کے بارے میں ہم کیا کہیں؟

جواب اس بات پر ایمان لانا فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل کے ساتھ جسے چاہے ہدایت عطا فرماتا ہے اور اپنے عدل کے ساتھ جسے چاہے گمراہ کر دیتا ہے۔ دنیا میں کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے کوئی و قدری ارادے کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی، اس میں کفر و ایمان اور اطاعت و معصیت بھی داخل ہے، جو اللہ چاہے صرف وہی ہوتا ہے اور جو وہ نہ چاہے، وہ نہیں ہوتا، اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بھی قدرت و اختیار عطا کیا ہے، جس کے ساتھ وہ اعمال خیر و شر کو اختیار کر سکتے ہیں اور اعمال خیر بجالانے والے کو ثواب اور اعمال شر اختیار کرنے والے کو عذاب ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر اپنا یہ فضل و کرم فرمایا ہے کہ انہیں ہدایت سے نوازا اور محض اپنے فضل و کرم سے ان کے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف متوجہ کر دیا، کافروں کو اس نے ذلیل و رسوا کیا اور اپنے عدل و حکمت سے ان کے نفسوں، ان کی خواہشوں اور ان کے دشمنوں کو چھوڑ دیا اور تمہارا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ کفر اللہ تعالیٰ کے کوئی ارادہ اور بندے کی اپنی اس قدرت سے پیدا ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کی ہے، اسے حاصل شدہ اختیار و استطاعت ہی کی وجہ سے سزا ملے گی اگرچہ اس کے اختیار و استطاعت سے پہلے اللہ خالق و مالک کی قدرت و ارادہ مقدم ہے۔

— شیخ ابن جبرین —

ڈاکٹروں سے علاج کی بابت اسلام کا موقف

ڈاکٹروں سے علاج کرانے کے بارے میں اسلام کا کیا موقف ہے؟

سوال

حدیث میں آیا ہے کہ:

جواب

«مَا أَنْزَلَ اللَّهُ دَاءً إِلَّا أَنْزَلَ لَهُ شِفَاءً» (صحیح بخاری، کتاب الطب، باب ما انزل الله داء إلا انزل له

شفاء، ح: ۵۶۷۸)

”اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نہیں اتاری مگر اس کی شفا بھی اتاری ہے۔“

جس نے اسے جان لیا، اس نے جان لیا اور جس نے نہ جانا، اس نے نہ جانا۔ ڈاکٹروں نے ان دواؤں کے تجزیے کئے اور ان کتابوں سے استفادہ کیا ہے، جنہیں علماء فن نے لکھا تھا طب، علم کے بہت سے فنون میں سے ایک فن ہے، عمد نبوت سے پہلے اور بعد میں بھی ہر دور میں اس فن کے کچھ لوگ متخصص (Specialist) رہے ہیں، جنہوں نے دواؤں کی ترکیب اور ہر دوا کے خواص اور کیفیت استعمال کو خوب جان لیا اور ساتھ ہی اعتقاد یہ رکھا کہ یہ اسباب شفاء ہیں، مسبب الاسباب اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہے لہذا فن طب کی تعلیم حاصل کرنے اور اس کے ساتھ علاج کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ سائل کو چاہئے کہ وہ مزید معلومات کے لئے کتاب ”الطب النبوی“ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ، ”الطب النبوی“ علامہ ذہبی رحمہ اللہ اور ”الآداب الشرعیۃ“ ابن مفلح کی اور کتاب تسبیل المنافع“ وغیرہ کا مطالعہ کرے۔

— شیخ ابن جبرین —

تین مسجدوں کے علاوہ دیگر مساجد کی طرف شدر حال کا حکم

ہمارے ہاں ایک مسجد ہے جس کا نام ”مسجد معاذ بن جبل“ ہے اور وہ ”مسجد الجند“ کے نام سے مشہور ہے۔ ہر

سوال

سال ماہ رجب کے ایک جمعہ کو بہت سے مرد اور عورتیں اس مسجد کی زیارت کے لئے آتے ہیں۔ کیا یہ عمل مسنون ہے؟ اور آپ کی اس سلسلہ میں اے فضیلۃ! شیخ! کیا نصیحت ہے؟

جواب اولاً تو یہ عمل غیر مسنون ہے کیونکہ یہ قطعاً ثابت نہیں ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب یمن بھیجا تو انہوں نے وہاں کوئی مسجد بنوائی ہو، جب یہ ثابت نہیں تو پھر اس مسجد کو حضرت معاذ کی مسجد کہنا دعویٰ بغیر دلیل کے ہے اور ہر وہ دعویٰ جو بلا دلیل ہو وہ غیر مقبول ہے۔

ثانیاً: اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے وہاں کوئی مسجد بنوائی تھی تو اس مسجد کی طرف شدرحال (کامل تیاری) کر کے جانا شرعی حکم نہیں ہے بلکہ تین مسجدوں کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف شدرحال کر کے جانے کی ممانعت آئی ہے چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«لَا تُشَدُّ الرَّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ: الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَمَسْجِدِي هَذَا، وَالْمَسْجِدِ الْأَقْصَى» (صحیح بخاری، کتاب الصلاة فی المسجد، باب مسجد بیت المقدس، ح: ۱۱۹۷، صحیح

مسلم، کتاب الحج، باب فضل المساجد الثلاثة، ح: ۱۳۹۷)

”تین مسجدوں یعنی (۱) مسجد حرام (۲) مسجد نبوی اور (۳) مسجد اقصیٰ کے سوا کسی اور مسجد کی طرف شدرحال نہ کیا جائے۔“

ثالثاً: اس عمل کی ماہ رجب میں تخصیص بھی بدعت ہے کیونکہ ماہ رجب میں نماز یا روزے کی کسی خاص عبادت کا قطعاً کوئی حکم نہیں ہے بلکہ رجب کا حکم بھی وہی ہے جو دیگر حرمت والے مہینوں کا ہے۔ یاد رہے حرمت والے مہینے رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم ہیں، انہی مہینوں کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرْمٌ﴾ (التوبة ۳۶/۹)

”اللہ کے نزدیک مہینے گنتی میں بارہ ہیں (یعنی) اس روز سے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ ان میں سے چار مہینے ادب کے ہیں۔“

لیکن یہ ثابت نہیں کہ رجب میں نماز یا روزے وغیرہ کی کسی خاص عبادت کا حکم ہو، لہذا نبی کریم ﷺ سے ثبوت کے بغیر اگر کوئی انسان اس مہینے کو کسی عبادت کے لئے مخصوص کرتا ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کے مطابق بدعتی ہے:

«عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمُهْدِيِّينَ مِنْ بَعْدِي، تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِدِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحَدَّثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحَدَّثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ» (مسند احمد، ۱۲۶/۴، ۱۲۷)

”میری اور میرے بعد ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرو اور اسے مضبوطی سے تھام لو اور اپنے آپ کو (دین میں) نئے نئے کاموں سے بچاؤ کیونکہ (دین میں) ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“

یمن میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے نام سے منسوب مسجد کی طرف جانے والے بھائیوں کی خدمت میں میری نصیحت یہ

ہے کہ وہ اس کام سے باز آجائیں اور اس میں اپنی جانوں کو ہلکان کریں نہ اپنے مالوں کو کھپائیں؛ جو اللہ تعالیٰ سے انہیں دور کرنے کا سبب ہے۔ اور دوسری نصیحت یہ ہے کہ وہ اپنی ہمتوں اور توانائیوں کو ان کاموں کے سرانجام دینے میں صرف کریں جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہیں اور ایک مرد مومن کے لئے بس کتاب و سنت ہی کافی ہے۔

شیخ ابن عثیمین

احکام شریعت پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہے

سوال ایک شخص یہ کہتا ہے کہ بعض احکام شریعت نظر ثانی کے محتاج ہیں اور ضرورت ہے کہ ان میں مناسب تبدیلی کر دی جائے کیونکہ وہ عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔ مثال کے طور پر وہ میراث کا ایک اصول بیان کرتا ہے جس میں یہ حکم ہے کہ آدمی کو دو عورتوں کے برابر حصہ دیا جائے۔ اس طرح کے شخص کے بارے میں حکم شریعت کیا ہے؟

جواب وہ احکام شریعت جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے اپنی کتاب کریم یا اپنے رسول امین ﷺ کی زبانی بیان فرمایا مثلاً احکام میراث، نماز پچگانہ، زکوٰۃ اور روزہ وغیرہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے واضح فرما دیا ہے، اس پر ساری امت کا اجماع ہے کہ کسی کو ان پر اعتراض کرنے اور ان کو بدلنے کا حق حاصل نہیں ہے کیونکہ شریعت کے یہ حکم احکام جس طرح نبی کریم ﷺ کے زمانے میں تھے، آپ کے بعد قیامت تک یہ اسی طرح رہیں گے۔ انہی محکم احکام میں سے ایک حکم یہ ہے کہ مرد کو عورت پر فضیلت دی گئی ہے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی کتاب کریم میں اسے واضح طور پر بیان فرمایا اور تمام علماء اسلام کا اس بات پر اجماع ہے لہذا اعتقاد و ایمان کے ساتھ اس پر عمل کرنا واجب ہے اور جو شخص یہ گمان کرے کہ اس حکم الہی کی بجائے کوئی اور حکم زیادہ موزوں ہے تو وہ کافر ہے اور جو شخص حکم الہی کی مخالفت کو جائز قرار دے وہ بھی کافر ہے کیونکہ وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ اور اجماع امت پر معترض ہے۔ اگر یہ معترض مسلمان ہے تو حاکم وقت پر فرض ہے کہ اس سے توبہ کر دئے اگر وہ شخص توبہ کر لے تو بہتر و گنہگار ہوئے اور اسلام سے مرتد ہونے کی وجہ سے اسے قتل کرنا واجب ہو جائے گا کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ» (صحیح بخاری، کتاب الجہاد والسير، باب لا يعذب بعذاب الله، ح: ۳۰۱۷،

وأبو داود، رقم: ۴۳۵۱، وابن ماجہ فی السنن، رقم: ۲۵۳۵، ومسند احمد ۱/۲۸۲)

”جو شخص اپنے دین کو بدل لے تو اسے قتل کر دو۔“

ہم اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے دعاء کرتے ہیں کہ وہ سب کو گمراہ کن قتلوں اور شریعت مطرہ کی مخالفت سے محفوظ رکھے۔

شیخ ابن باز

سعادت و شقاوت کے معنی

سوال میں اس سعادت و شقاوت کے معنی کو واضح طور پر معلوم کرنا چاہتا ہوں، جسے اللہ تعالیٰ انسان کے لئے اس وقت لکھ دیتا ہے، جب وہ ابھی شکم مادر ہی میں ہوتا ہے نیز اس میں اور درج ذیل آیات میں کس طرح تطبیق ہوگی:

﴿ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى ﴿٥﴾ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى ﴿٦﴾ فَسَنبَرُهُ لِلْيسْرَى ﴿٧﴾ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَى ﴿٨﴾ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى ﴿٩﴾ فَسَنبَرُهُ لِلْعُسْرَى ﴿١٠﴾ ﴾ (اللیل ۹۲/۵-۱۰)

جواب وہ سعادت اور شقاوت جسے اللہ تعالیٰ انسان کے لئے اس وقت لکھتا ہے جب وہ شکم مادر میں ہوتا ہے، اسے تو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال قبل بھی لکھا تھا۔ جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ: «فَإِنَّ اللَّهَ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى حِينِ خَلْقِ الْقَلَمِ قَالَ لَهُ: أَكْتُبُ قَالَ: رَبِّ وَمَاذَا أَكْتُبُ؟ قَالَ: أَكْتُبُ مَا هُوَ كَاتِبٌ فَجَرَى فِي تِلْكَ السَّاعَةِ بِمَا هُوَ كَاتِبٌ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ» (سنن ابی داود، کتاب السنۃ، باب فی القدر، ح: ۴۷۰۰، وسنن الترمذی، کتاب القدر، ح: ۲۱۵۵)

”اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے جب قلم کو پیدا فرمایا تو اس سے کہا لکھ! قلم نے عرض کیا: ”اے میرے رب میں کیا لکھوں؟“ ”اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو کچھ ہونے والا ہے اسے لکھ دے تو قلم نے اسی وقت وہ سب کچھ لکھ دیا جو قیامت تک ہونے والا تھا۔“

قلم نے جو کچھ لکھا اس میں انسانوں کی سعادت و شقاوت (کامیابی) بھی ہے اور یہ ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى ﴿٥﴾ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى ﴿٦﴾ فَسَنبَرُهُ لِلْيسْرَى ﴿٧﴾ وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَى ﴿٨﴾ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى ﴿٩﴾ فَسَنبَرُهُ لِلْعُسْرَى ﴿١٠﴾ ﴾ (اللیل ۹۲/۵-۱۰)

”تو جس نے (اللہ کے راستے میں مال) دیا اور پرہیزگاری کی اور نیک بات کو بچ جانا اس کو ہم آسان طریقے کی توفیق دیں گے اور جس نے بخل کیا اور بے پرواہ بنا رہا اور نیک بات کو جھوٹ سمجھا اسے سختی میں پہنچائیں گے۔“

کیونکہ بندے کا یہ فعل سعادت یا شقاوت کا سبب بنتا ہے، بندے پر فرض ہے کہ اسے ادا کرے جو اللہ تعالیٰ نے اس پر فرض کیا ہے یعنی اس کے حکم کی اطاعت بجالائے، نبی سے اجتناب کرے، خیر کی تصدیق کرے، بخل و استغناء اور اللہ تعالیٰ کی خبر کی تکذیب سے باز رہے۔ نبی کریم ﷺ نے جب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے یہ حدیث بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی جنت یا جہنم میں جگہ کو لکھ رکھا ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! کیا اس تحریر پر توکل کرتے ہوئے ہم عمل کرنا چھوڑ نہ دیں؟“ تو آپ ﷺ فرمایا:

«اعْمَلُوا فَعَلَّ مَيْسَرٌ لِمَا خَلَقَ لَهُ» (صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب فیسر للعیسری، ح: ۴۹۴۹)

”عمل کرو! ہر ایک کے لئے اسے آسان کر دیا جائے گا جس کے لئے وہ پیدا ہوا ہے۔“ پھر آپ ﷺ نے

ذکورہ بالا آیات کی تلاوت فرمائی۔

جب انسان کو توفیق ملے، وہ سلامتی کی روش کو اختیار کرے، امر کو بجالائے، نبی کو ترک کر دے، جس کی تصدیق فرض ہے، اس کی تصدیق کرے تو اسے آسانی کی توفیق میسر آجائے گی اور یہ اس بات کی دلیل اور عنوان ہوگی کہ وہ اہل سعادت میں سے ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے اہل سعادت کو اہل سعادت کے سے عملوں کی توفیق مل جاتی ہے اور اگر صورت حال اس کے برعکس ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ شقی ہے۔۔ والعیاذ باللہ۔۔ کیونکہ اس کے لئے اہل شقاوت کے عمل کو آسان بنا دیا گیا ہے۔

عذاب قبر

کیا عذاب قبر صرف روح کے ساتھ خاص ہے یا جسم کو بھی ہوتا ہے؟

سوال

عذاب قبر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ کتاب اللہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

جواب

﴿وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُو أَيْدِيهِمْ آخِرِ جُورِ أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُؤْمِنُونَ﴾
﴿تَجَزَّوْنَ عَذَابَ الْهَوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ﴾
(الأنعام ۹۳/۶)

”اور کاش تم ان ظالم (یعنی مشرک) لوگوں کو اس وقت دیکھو جب موت کی تختیوں میں (بتلا) ہوں اور فرشتے ان کی طرف (عذاب کے لئے) ہاتھ بڑھا رہے ہوں (اور کہہ رہے ہوں) کہ نکالو اپنی جانیں، آج تم کو ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی، اس لئے کہ تم اللہ پر جھوٹ بولا کرتے تھے اور اس کی آیتوں سے سرکشی کیا کرتے تھے۔“

نیز فرمایا:

﴿الْأَنَارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ﴾
(المؤمن ۴۰/۴۶)

”آتش جنم کہ صبح و شام اس کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اور جس روز قیامت برپا ہوگی (حکم ہو گا کہ) آل فرعون کو سخت عذاب میں داخل کر دو۔“

وہ احادیث بے شمار ہیں جن میں عذاب قبر کا ذکر ہے انہی میں سے ایک وہ مشہور حدیث بھی ہے جسے ہر خاص و عام جانتا اور نمازی نماز پڑھتے ہوئے یہ دعاء کرتا ہے۔

«أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيحِ الدَّجَالِ» (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب الدعاء قبل السلام، ح: ۸۳۲، صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب ما يستعاذ منه في الصلاة، ح: ۵۸۹)

”اے اللہ! میں عذاب جنم سے، عذاب قبر سے، زندگی و موت کے فتنے سے اور دجال کے فتنے سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔“

عذاب قبر اصل میں تو روح پر ہوتا ہے لیکن کبھی جسم پر بھی ہوتا ہے خصوصاً اس وقت جب دفن کے بعد آدمی سے اس کے رب، دین اور نبی کے بارے میں سوال ہوتے ہیں، اس وقت اس کے جسم میں روح کو لوٹا دیا جاتا ہے لیکن روح کی جسم میں یہ واپسی برزخی ہوتی ہے اور اس کا جسم کے ساتھ اس طرح کا تعلق نہیں ہوتا جس طرح دنیوی زندگی میں ہوتا ہے۔ روح کی جسم میں اس واپسی کے بعد میت سے اس کے رب، اس کے دین اور اس کے نبی کے بارے میں سوال ہوتا ہے، کافر یا منافق اس کا جواب یہ دیتا ہے:

«هَاهُ هَاهُ لَا أَدْرِي سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ شَيْئًا فَقُلْتُهُ فَيَضْرِبُ بِمِزْزِيَةٍ مِنْ حَدِيدٍ فَيَصْبِحُ

صَبِيحَةٌ تَسْمَعُهَا كُلُّ شَيْءٍ إِلَّا الْإِنْسَانَ وَلَوْ سَمِعَهَا الْإِنْسَانُ لَصَعِقَ ۝ صحیح البخاری،

کتاب الجنائز ح ۱۳۳۸، ۱۳۸۰

”ہائے ہائے! مجھے معلوم نہیں میں نے لوگوں کو ایک بات کرتے ہوئے سنا تو میں بھی اسی طرح کھتا رہا۔ اس کے بعد اسے لوہے کے ایک گرز کے ساتھ مارا جاتا ہے کہ وہ چیخ اٹھتا ہے اس کی اس چیخ و پکار کو انسانوں اور جنات کے سوا ہر چیز سنتی ہے، اگر انسان اسے سن لے تو بے ہوش ہو جائے۔“

شیخ ابن عثیمین

علم غیب کا دعویٰ کرنے والا کاہن یا جادوگر یا طاغوت ہے

سوال جو شخص علم غیب کا دعویٰ کرے اس کا کیا حکم ہے؟ غیب کی وہ کون سی قسمیں ہیں جنہیں جاننے کا انسان کو شوق

ہوتا ہے؟

جواب جو شخص علم غیب کا دعویٰ کرے وہ کاہن یا جادوگر یا طاغوت ہے کیونکہ علم غیب کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی

نہیں جانتا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ﴾ (الانعام/۶۷/۵۹)

”اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔“
غیب سے مراد مستقبل کے واقعات، موت اور عمر وغیرہ کا علم ہے۔

شیخ ابن جبرین

نفسیاتی بیماریوں کا تعویذوں سے علاج نہیں کرنا چاہئے

نفسیاتی بیماریوں کے علاج کے لئے کیا تعویذ استعمال کرنا جائز ہے؟

سوال تعویذ استعمال کرنا جائز نہیں کیونکہ حدیث میں اسکی ممانعت آئی ہے ہاں البتہ قرآن مجید، دعاؤں اور اذکار مانورہ

جواب

(احادیث میں مذکور و تحائف) کے ساتھ دم کرنا جائز ہے، نیز نفسیاتی بیماریوں کے علاج کے لئے کثرت ذکر، اعمال صالحہ، شیطان سے استعاذہ اور گناہوں اور گناہ گاروں سے دوری اختیار کرنا چاہئے۔ یہ تمام امور موجب راحت ہوں گے اور ان سے طمانینت و حیات سعیدہ حاصل ہوگی۔

شیخ ابن جبرین

امانت کے ساتھ قسم کھانا

سوال کیا اللہ تعالیٰ کی امانت کے ساتھ قسم کھانا جائز ہے؟ اور اس شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے جو شطرنج

اور چوسر (اور کیرم بورڈ اور لڈو وغیرہ) کھیلتا ہے؟

جواب امانت کے ساتھ قسم کھانا جائز نہیں ہے۔ بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ حَلَفَ بِالْأَمَانَةِ فَلَيْسَ مِنَّا» (سنن أبي داود، کتاب الإيمان، باب كراهية الحلف بالامانة، ح: ۳۲۵۳)

”جو شخص امانت کی قسم کھائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“

شطنج کھیلنا حرام ہے جیسا کہ علماء اسلام کا اس پر اجماع ہے، اسی طرح چو سراور لڈو (اور کیرم بورڈ وغیرہ) بھی ایسے کھیل ہیں جو مسلمان کو اللہ کے ذکر سے روکتے اور اس کا وقت ضائع کرتے ہیں جب کہ عقل مند آدمی اپنے وقت کو اس طرح کے فضول کاموں میں ضائع نہیں کرتا۔

— شیخ ابن جبرین —

شیطانی خیالات کا علاج

سوال بسا اوقات میرے دل میں ایسے خیالات آتے ہیں کہ مجھے ڈر محسوس ہوتا ہے کہیں بے دین ہی نہ ہو جاؤں مجھے کیا کرنا چاہئے؟ کیا اس طرح کے خیالات کی وجہ سے گناہ ہو گا؟

جواب یہ خیالات اور افکار پریشان اس شیطان کی طرف سے ہیں، جو لوگوں کے دلوں میں اس لئے وسوسے ڈالتا ہے تا کہ مسلمان کو حیران و پریشان کر دے۔ جب تم اس طرح کے خیالات محسوس کرو تو اللہ تعالیٰ سے پناہ چاہو اور غیبی امور کے بارے میں سوچنا چھوڑ دو، امور صفات و کائنات کے بارے میں بھی سوچنا ترک کر دو تا کہ یقین کمزور نہ ہو۔

— شیخ ابن جبرین —

فرشتوں کا گھروں میں داخل ہونا

سوال کیا یہ صحیح ہے کہ فرشتے اس کمرے میں داخل نہیں ہوتے جس کی دیواروں پر تصویریں لٹکائی گئی ہوں؟

حدیث صحیح میں آیا ہے کہ:

«إِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَا تَدْخُلُ فِيهَا كَلْبٌ وَلَا صُورَةٌ» (بخاری، بدء الخلق، باب إذا قال احدكم آمین والملائكة في السماء، ح: ۳۲۲۴، ومسلم، اللباس، باب تحريم تصوير صورة...، ح: ۲۱۰۶)

”فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔“

بعض روایات میں آیا ہے:

«إِلَّا رَقْمًا فِي تَوْبٍ» (صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب من كره العقود علي الصور، ح: ۵۹۵۸)

”الایہ کہ کپڑے پر نقش و نگار ہوں۔“

حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، دَخَلَ عَلَى عَائِشَةَ وَقَدْ سَتَرَتْ فُرْجَةَ فِي بَيْتِهَا بَسْتَرٍ فِيهِ صُورَةٌ فَغَضِبَ وَلَمْ يَدْخُلْ حَتَّى نَزَعَتْهُ وَسَقَّتْ مِنْهُ وَسَادَةً أَوْ وَسَادَتَيْنِ مَبْهُودَتَيْنِ» (صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب ما وطئ من التصاوير، ح: ۵۹۵۴)

نبی کریم ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ انہوں نے گھر میں ایک سوراخ پر ایک ایسا پردہ لٹکا رکھا ہے جس میں تصویر ہے تو آپ اس سے ناراض ہو گئے اور گھر میں داخل نہ ہوئے حتیٰ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اسے اتار دیا اور اسے پھاڑ کر اس سے ایک یاد دیکھے بنا دیئے۔

اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ اگر تصویر کی بے حرمتی ہوتی ہو، پاؤں تلے پامال ہوتی ہو اور اس کے اوپر بیٹھا جاتا ہو تو پھر جائز ہے اور جس کی ممانعت ہے وہ اس صورت میں ہے کہ تصویر کو باقاعدہ دیوار پر آویزاں کیا گیا ہو۔ تصویر میں قباحت کے کئی پہلو ہیں، اللہ تعالیٰ کی صفت خلق میں مشابہت ہے، جن کی تصویریں ہوں ان کی تعظیم اور ان کے بارے میں غلو کا پہلو ہے یا پھر اس سے مصوروں کی تعظیم و مدح لازم آتی ہے اور مصور ہونا اللہ تعالیٰ کی خصوصیات میں سے ہے۔

— شیخ ابن جریر —

انبیاء کرام علیہم السلام کی صداقت کی دلیل

حضرات انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی صداقت کی کیا دلیل ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ان کی کس طرح مدد فرمائی؟

سوال

اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی صداقت پر بہت سے دلائل قائم فرمائے اور ایسے ایسے معجزات سے ان کی مدد فرمائی جس سے انسانیت دنگ رہ گئی، قوموں نے اپنے انبیاء کو ان کی صداقت اور ان کے جذبہ ہمدردی و خیر خواہی سے بھی پہچانا کہ ان کے اخلاق حسنہ، ان کے اعمال صالحہ، ان کی زبانیں راست باز، اور وہ امانت و دیانت کے پیکر تھے اور چہروں کی بشاشت و طلاقت اس پر مستزاد! اللہ ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ نبوت و رسالت کا مستحق کون تھا؟ انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں سے بہترین تھے اور تمہارا رب جو چاہتا پیدا فرماتا اور منتخب کرتا ہے۔ جو شخص اس مسئلہ کی مزید تفصیل معلوم کرنا چاہے اسے تاریخ، تفسیر، سیرت النبی ﷺ، معجزات اور دلائل نبوت کی ان کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے جو حضرات علماء کرام نے تصنیف فرمائی ہیں۔ انہوں نے ان کتابوں میں تفصیلات بیان فرمائی ہیں۔

جواب

— شیخ ابن جریر —

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف اور ان پر لعنت کا حکم

مشاجرات صحابہ کے بارے میں اہل سنت و الجماعت کا کیا موقف ہے؟ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی

سوال

ایک پر لعنت کرنے کا کیا حکم ہے؟

اہل سنت مشاجرات صحابہ کے بارے میں توقف سے کام لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک مجتہد تھا جس کا اجتہاد درست تھا اسے دو گنا ثواب ملے گا اور جس کا درست نہ تھا اسے بھی اجتہاد کرنے کا ثواب ضرور ملے گا اور اس کی غلطی معاف ہوگی۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب سے کتاب و سنت کے صفحات لبریز ہیں لہذا ہم ان سب کو عادل سمجھتے اور سب کو رضی اللہ عنہم کہتے ہیں۔ ہم ان رافضیوں سے اظہار برأت کرتے ہیں جو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دشنام دیتے یا ان پر لعنت کرتے ہیں۔ جو شخص حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی پر بھی طعن کرے یا لعنت کو جائز سمجھے وہ خود بھی گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنے والا ہے۔ ہم اس سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

جواب

شیخ ابن جریر

رسول اور نبی میں فرق

سوال کیا رسول اور نبی میں کوئی فرق ہے؟

جواب ہاں! فرق ہے۔ اہل علم فرماتے ہیں نبی وہ ہوتا ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے شریعت کی وحی توکی ہو لیکن اس کی تبلیغ کا اسے حکم نہ دیا ہو بلکہ وحی صرف اس لئے نازل کی ہو تاکہ وہ خود عمل کرے، اس پر تبلیغ کی پابندی نہیں ہوتی۔ اور رسول وہ ہوتا ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے شریعت کی وحی نازل کی ہو اور اسے حکم ہو کہ وہ اس کے مطابق خود بھی عمل کرے اور اس کی تبلیغ بھی کرے۔ ہر رسول نبی بھی ہوتا ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔ انبیاء علیہم السلام کی تعداد رسولوں سے بہت زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بعض رسولوں کا قرآن مجید میں ذکر فرمایا ہے اور بعض کا ذکر نہیں فرمایا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَك بِتَايِبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ (المؤمن ۷۸/۴۰)

”اور البتہ تحقیق ہم نے آپ سے پہلے (بہت سے) پیغمبر بھیجے ان میں کچھ تو ایسے ہیں جن کے حالات ہم نے آپ سے بیان کر دیئے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جن کے حالات بیان نہیں کئے اور کسی پیغمبر کا مقدور نہ تھا کہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی نشانی لائے۔“

اس آیت کی بنیاد پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن مجید میں جس قدر بھی انبیاء علیہم السلام مذکور ہیں وہ سب رسول ہیں۔

شیخ ابن عثیمین

جادو کا جادو سے توڑ

سوال میرے ایک دوست کی بیوی پر جادو ہو گیا اور کسی بھی دواء سے اسے فائدہ نہ ہوا تو ہمیں ایک آدمی نے ایک ایسے شخص کا پتہ بتایا جو جادو کا علاج جادو سے کرتا ہے تو کیا اس شخص کو گناہ ہو گا جو دوسروں کو فائدہ پہنچانے کے لئے تو جادو سے کام لیتا ہے مگر اس سے وہ کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا؟ اور کیا اپنی بیوی کے علاج کے لئے اس جادوگر کے پاس جانے کی وجہ سے میرے دوست کو گناہ ہو گا؟

جواب سب سے پہلے میں یہ بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جادو اکبر محرمات میں سے ہے بلکہ اگر جادوگر اپنے جادو کے سلسلہ میں شیطانی احوال سے مدد لیتا ہو یا جادو اسے شرک تک پہنچاتا ہو تو پھر یہ کفر بھی ہے۔ جادو کا سیکھنا بھی کفر ہے لہذا اس سے دور رہنا اور اس سے بچنا فرض ہے تاکہ انسان کفر میں مبتلا ہو کر ملت اسلامیہ ہی سے خارج نہ ہو جائے۔ مسحور (جس پر جادو کیا گیا ہو) سے مسحور کرنے کے دو طریقے ہیں (۱) مباح دعاؤں اور قرآنی آیات سے اسے دور کیا جائے یہ جاتز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں اور اس سلسلہ میں سب سے بہتر یہ ہے کہ مسحور کو ﴿فَلْأَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿فَلْأَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھ کر دم کیا جائے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ جادو کا جادو سے علاج کیا جائے، اس مسئلہ میں سلف و خلف

میں اختلاف رہا ہے۔ بعض علماء نے اس کی اجازت دی ہے کیونکہ اس سے مسور سے شرکا ازالہ ہو جاتا ہے اور بعض نے جادو سے علاج کی اجازت نہیں دی۔ نبی کریم ﷺ سے نشرہ کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا ”یہ شیطان کا عمل ہے اور عمل شیطان جادو ہی ہوتا ہے۔“ مباح دعاؤں کے ساتھ علاج میں کوئی حرج نہیں۔ جو شخص جادو میں مبتلا ہو جائے اسے صبر کرنا چاہئے اور قرآن مجید اور مباح دعاؤں کو کثرت سے پڑھنا چاہئے تاکہ اللہ تعالیٰ اسے شفاء عطا فرمادے۔

جادو کی تصدیق کی دو قسمیں ہیں:

- ① یہ ماننا کہ اس کی تاثیر ہے اس میں کوئی حرج نہیں کہ یہ ایک امر واقع ہے۔
- ② یہ کہ اس کا اقرار کرے اور اسی پر اطمینان رضامندی کرے، یہ حرام اور ناجائز ہے۔

شیخ ابن عثیمین

اہل فترت کا انجام

سوال جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول حضرت عیسیٰ ﷺ کی وفات ① کے بعد سے ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ کی بعثت سے قبل تک کا زمانہ پایا ہے ان کا انجام کیا ہو گا؟ کیا انہیں اہل فترت شمار کیا جائے گا؟

جواب صحیح بات یہ ہے کہ اہل فترت کی دو قسمیں ہیں:

- ① جن پر حجت قائم ہو گئی اور (انہوں نے) حق کو پہچان بھی لیا لیکن اپنے آباء و اجداد کی پیروی کی تو ایسے لوگوں کا کوئی عذر قابل قبول نہ ہو گا اور یہ جہنم رسید ہوں گے۔
 - ② لیکن جن لوگوں پر حجت قائم نہ ہو سکی تو ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، ہمیں ان کے انجام کا علم نہیں کیونکہ شارع ﷺ سے اس بارے میں کوئی نص موجود نہیں ہے۔
- اور جس کے بارے میں دلیل صحیح سے یہ ثابت ہو جائے کہ وہ جنسی ہے تو وہ بلاشبہ جہنم رسید ہو گا۔

شیخ ابن عثیمین

عز و شرف اور کعبہ کی قسم کھانا

سوال کیا عز و شرف اور کعبہ کی قسم کھانا جائز ہے؟

جواب غیر اللہ کی قسم کھانا جائز نہیں بلکہ یہ شرک ہے کیونکہ کسی چیز کی قسم کھانے کے معنی اس کی تعظیم کے ہیں اور مخلوق کی تعظیم جائز نہیں۔ شروع اسلام میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کعبہ کی قسم کھایا کرتے تھے تو نبی ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ کعبہ کی بجائے رب کعبہ کی قسم کھایا کرو۔ عز و شرف اور حسب و نسب یا باپ دادا وغیرہ کی قسم کھانا غیر اللہ کی قسم ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سیاہ رات میں سیاہ پتھر پر سیاہ چوٹی کی آہٹ سے بھی زیادہ مخفی طریقے سے اس امت میں

① قرآن اور حدیث کے قطعی نصوص و دلائل کے مطابق ابھی تک حضرت عیسیٰ ﷺ کی وفات نہیں ہوئی بلکہ انہیں زندہ آسمان پر اٹھالیا گیا تھا لہذا ان کے لیے یہاں وفات کی بجائے ”رفع سماء“ کے الفاظ استعمال کرنا چاہئیں۔ حیات صحیح کے مسئلہ کی تفصیل معلوم کرنے کے لیے ملاحظہ فرمائیے مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کی شہرہ آفاق کتاب ”شہادۃ القرآن“

شرک سرایت کر جائے گا مثلاً تم کسی خاتون سے یہ کہو کہ تمہاری زندگی کی قسم یا یہ کہو کہ میری زندگی کی قسم، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے زندگی کی قسم کو بھی شرک قرار دیا۔

شیخ ابن جریر

عید میلاد منانے کا حکم

میلاد کی عیدوں کا منانے کا کیا حکم ہے؟

سوال

میلاد کی عیدوں کے منانے کی شریعت مطہرہ میں کوئی اصل نہیں ہے بلکہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی روشنی میں بدعت ہے کہ:

جواب

«مَنْ أَحَدَّثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ» (صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب إذا اصطلموا علی صلح ... ح: ۲۶۹۷، صحیح مسلم، کتاب الافضیة، باب نقض الاحکام الباطلة، ح: ۱۷۱۸)

”جو ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔“

اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں جسے امام بخاری رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی ”صحیح“ میں تعلقاً مگر جزم اور یقین کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ» (صحیح مسلم، کتاب الافضیة، باب نقض الاحکام الباطلة، ح: ۱۷۱۸)

”جو کوئی ایسا عمل کرے جو ہمارے حکم کے مطابق نہ ہو تو وہ (عمل) مردود ہے۔“

اور یہ سب جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں کبھی بھی اپنا یوم میلاد نہیں منایا، نہ کبھی اس کا حکم دیا اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کو یہ سکھایا۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے کبھی بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم میلاد نہیں منایا حالانکہ انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا سب سے زیادہ علم بھی تھا اور انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب لوگوں سے زیادہ محبت بھی تھی، وہ آپ کی اتباع اور پیروی کے بھی شدید حریص تھے لہذا اگر عید میلاد النبی منانے کا شریعت میں کوئی حکم ہوتا تو وہ یقیناً اسے بڑھ چڑھ کر مناتے، اسی طرح ابتدائی فضیلت والی صدیوں میں علماء کرام میں سے کسی نے بھی اسے منایا نہ منانے کا حکم دیا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عید میلاد النبی کا اس شریعت سے قطعاً کوئی تعلق نہیں، جسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر دنیا میں تشریف لائے تھے۔ ہم اللہ تعالیٰ اور تمام مسلمانوں کو گواہ بنا کر کہتے ہیں کہ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید میلاد کو منایا ہوتا تو ہم بھی اسے ضرور ضرور مناتے اور لوگوں کو اس کے منانے کی دعوت بھی دیتے کیونکہ محمد اللہ! ہم آپ کی سنت کے اتباع اور آپ کے امر و نہی کی تعظیم کے شدید حریص ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور تمام مسلمانوں بھائیوں کیلئے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں حق پر ثابت قدم رکھے اور ہر اس کام سے محفوظ رکھے جو شریعت مطہرہ کے خلاف ہو۔ ((اللَّهُ جَوَادٌ كَرِيمٌ))

شیخ ابن باز

کفار کے ساتھ معاملہ

غیر مسلموں کی خدمت میں شراب پیش کر کے ان کی عزت افزائی کرنا

سوال کیا ایک مسلمان کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے غیر مسلم ساتھیوں کی عزت افزائی کے لئے ان کی خدمت میں ایسا کھانا پینا پیش کرے جو دین اسلام میں حرام ہو؟

جواب اسلام رواداری، آسانی اور سہولت کا دین ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ عدل و اکرام اور دیگر اسلامی آداب کا دین بھی ہے لیکن جس شخص کی عزت افزائی کی جارہی ہو اگر وہ کافر ہو تو عزت افزائی کرنے والے کے مقصد کے مختلف ہونے سے اور جس سے وہ اس کی عزت افزائی کرنا چاہتا ہے، اس کے مختلف ہونے سے حکم بھی مختلف ہو گا، اگر عزت افزائی کا (کوئی) شرعی مقصد ہے، مثلاً: وہ کافر کے ساتھ مراسم پیدا کر کے اسے اسلام کی دعوت دینا چاہتا ہے تاکہ اسے کفر و ضلالت سے بچالے تو یہ ایک پاکیزہ مقصد ہے۔

شریعت کے مقررہ قواعد میں سے ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ دسائل کا حکم ان کے مقاصد کے اعتبار سے ہوتا ہے، اگر مقصد واجب ہو تو وہ وسیلہ بھی واجب ہو جاتا ہے اور اگر مقصد حرام ہو تو وسیلہ بھی حرام ہو گا۔ اگر کافر کی عزت افزائی کا مقصد شرعی نہ ہو اور ترک عزت کا کوئی نقصان بھی نہ ہو تو اس کی عزت کرنا جائز ہے لیکن اس کی خدمت میں حرام کھانا پینا مثلاً خنزیر کا گوشت یا شراب پیش کرنا جائز نہیں کیونکہ اس عزت افزائی میں اس کی اطاعت اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے اور اس کے حق کو اللہ تعالیٰ کے حق پر مقدم قرار دینا ہے جب کہ ایک مسلمان پر فرض یہ ہے کہ وہ اپنے دین کو مضبوطی سے تھامے۔ اجنبی ممالک میں اپنے دین پر عمل کرنے کے بہت اچھے اثرات و نتائج ظاہر ہوتے ہیں، اس طرح مسلمان قول و عمل کے اعتبار سے دین کا داعی بن جاتا ہے۔

فتویٰ کمیٹی

کافروں کے ساتھ تجارت

سوال کیا کافر کے ساتھ تجارت جائز ہے خصوصاً جب کہ ہمیں ان کی مصنوعات کی ضرورت بھی ہو؟

جواب ان شاء اللہ بوقت ضرورت کفار کی بنائی ہوئی چیزوں کے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں، جس طرح کہ ہم عصر حاضر میں کافر حکومتوں کے ساتھ معاملہ کر کے ان کی مصنوعات مثلاً گاڑیاں، لباس، سامان آرائش و زیبائش، گھریلو استعمال کی اشیاء اور برتن وغیرہ خریدتے ہیں اور یہ ضرورت ہمیں مجبور کرتی ہے کہ ہم ان کے ساتھ ضروری قواعد و ضوابط، شرائط، قیمت کی ادائیگی، سامان کو وصول کرنے یا بھیجنے وغیرہ پر اتفاق کر لیں اور ان تمام امور کو طے کر لیں جن کی ایک خریدار کو ضرورت ہوتی ہے۔

شیخ ابن جبرین

کافروں کے ساتھ مصافحہ اور سلام کا حکم

سوال کیا کافروں کے ساتھ مصافحہ کرنا اور انہیں پہلے سلام کرنا جائز ہے؟ اگر وہ ہمیں سلام کہیں تو ہم ان کو کیسے جواب دیں؟

جواب کفار و مشرکین، یہود و نصاریٰ، بت پرست اور دہریے سب نجس (پلید) ہیں، جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بتایا ہے لہذا ان کا اکرام، احترام، مجالس میں عزت افزائی، ان کے احترام میں کھڑا ہونا اور انہیں پہلے سلام کرنا یا صبح بخیر اور شب بخیر وغیرہ کہنا جائز نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«لَا تَبْدَأُوا الْيَهُودَ وَلَا النَّصَارَىٰ بِالسَّلَامِ وَإِذَا لَقِيتُمْهُمْ فِي الطَّرِيقِ فَاصْطَرُّوهُمْ إِلَىٰ

أَضْبَاقِهِ» (صحیح مسلم، کتاب السلام، باب النهی عن ابتداء اهل الكتاب بالسلام...، ح: ۲۱۶۷، سنن أبي داود، کتاب الادب، باب في السلام على اهل الذمّة، ح: ۵۲۰۵ وجامع الترمذی حدیث: ۲۷۰۰)

”یہود و نصاریٰ کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو اور جب انہیں راستہ میں ملو تو انہیں تنگ راستہ کی طرف مجبور کرو۔“

اور اگر وہ ہمیں سلام کریں تو ہمیں جواب میں صرف یہ کہنا چاہئے ”وعلیکم“ (تم پر بھی) کافروں کے ساتھ مصافحہ، معانقہ اور ان کے ہاتھوں کو بوسہ دینا جائز نہیں۔

شیخ ابن جریر

غیر اللہ سے استغاثہ کرنے والے کے پیچھے نماز اور دوستی کا حکم

الحمد لله والصلاة والسلام على رسوله وآله وصحبه وبعد!

بحوث علیہ وافتاء کی مستقل کمیٹی کو ایک شخص کی طرف سے یہ سوال موصول ہوا ہے کہ:

سوال ایک شخص ایسے لوگوں کے ساتھ رہتا ہے، جو غیر اللہ سے استغاثہ کرتے ہیں تو کیا اس کے لئے ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے؟ کیا ان سے قطع تعلق کرنا واجب ہے؟ کیا ان کا شرک غلیظ ہے؟ کیا ان سے دوستی حقیقی کافروں سے دوستی کی طرح ہے؟

جواب کمیٹی نے اس سوال کا حسب ذیل جواب دیا:

جن لوگوں کے ساتھ آپ رہ رہے ہیں، اگر ان کا حال اسی طرح ہے جس طرح آپ نے ذکر کیا ہے کہ وہ غیر اللہ سے یعنی مردوں سے یا زندہ مگر غائب لوگوں سے یا درختوں، پتھروں اور ستاروں وغیرہ سے فریاد کرتے ہیں، تو وہ ایسے شرک اکبر کے مرتکب مشرک ہیں، جو انہیں ملت اسلامیہ سے خارج کر دیتا ہے، ایسے لوگوں سے دوستی جائز نہیں، جس طرح کہ کافروں سے دوستی جائز نہیں ہے، نہ ان کے پیچھے نماز جائز ہے، نہ ان سے معاشرت جائز ہے اور نہ ان کے ساتھ مل جل کر رہنا جائز ہے، ہاں البتہ اس شخص کے لئے جائز ہے جو دلیل و برہان کے ساتھ انہیں حق کی طرف دعوت دے اور امید

رکھے کہ وہ اس کی دعوت کو قبول کر لیں گے اور اس کے ہاتھوں ان کی دینی اصلاح ہو جائے گی، بصورت دیگر واجب یہ ہے کہ ان سے قطع تعلق کر لے اور دوسرے لوگوں سے مل جائے اور ان کے ساتھ اسلام کے اصول و فروع اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کے احیاء کے لئے تعاون کرے اور اگر ایسے لوگ موجود نہ ہوں تو یہ تمام فرقوں سے الگ تھلگ ہو جائے خواہ سختی ہی کا سامنا کرنا پڑے کیونکہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

«كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُونَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ، عَنِ الْخَيْرِ وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ خَشْيَةً أَنْ أَقَعَ فِيهِ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، إِنَّا كُنَّا فِي جَاهِلِيَّةٍ وَشَرٌّ فَجَاءَنَا اللَّهُ بِهَذَا الْخَيْرِ فَهَلْ بَعْدَ هَذَا الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَقُلْتُ: أَبْعَدَ هَذَا الشَّرِّ مِنْ خَيْرٍ؟ قَالَ: نَعَمْ وَفِيهِ دَخْنٌ، قُلْتُ: وَمَا دَخْنُهُ؟ قَالَ: قَوْمٌ يَسْتَوْنَ بغيرِ سُنَّتِي وَيَهْدُونَ بِغيرِ هَدْيِي تَعْرِفُ مِنْهُمْ وَتَنْكِرُ فَقُلْتُ: فَهَلْ بَعْدَ ذَلِكَ الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ؟ قَالَ: نَعَمْ دَعَاةٌ إِلَى أَبْوَابِ جَهَنَّمَ مَنْ أَجَابَهُمْ إِلَيْهَا قَذَفُوهُ فِيهَا، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ صِفْهُمْ لَنَا قَالَ: نَعَمْ هُمْ مِنْ جِلْدَتِنَا وَيَتَكَلَّمُونَ بِأَلْسِنَتِنَا قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ فَمَا تَأْمُرُنِي إِنْ أَدْرَكْتَنِي ذَلِكَ؟ قَالَ: تَلْزِمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَإِمَامَهُمْ فَقُلْتُ: فَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُمْ جَمَاعَةً وَلَا إِمَامًا؟ قَالَ: فَاعْتَرِلْ تِلْكَ الْفِرْقَ كُلَّهَا وَلَوْ أَنْ تَعَصَّ عَلَى أَصْلِ شَجَرَةٍ حَتَّى يُدْرِكَكَ الْمَوْتُ وَأَنْتَ عَلَى ذَلِكَ» (صحيح بخاري،

كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الاسلام، ح: ۳۶۰۶، ۷۰۷۴)

”لوگ رسول اللہ ﷺ سے خیر کے بارے میں سوال کیا کرتے تھے مگر میں آپ سے شر کے بارے میں پوچھتا تھا تاکہ اس میں مبتلا نہ ہو جاؤں، میں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! ہم جاہلیت اور شر میں مبتلا تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس خیر سے نواز دیا تو کیا اس خیر کے بعد بھی شر ہو گا؟“ فرمایا: ”ہاں!“ میں نے عرض کیا: ”کیا اس شر کے بعد پھر خیر ہو گا؟“ فرمایا: ”ہاں! لیکن اس میں کچھ کدورت ہوگی۔“ میں نے عرض کیا: ”کدورت سے کیا مراد ہے؟“ فرمایا: ”میری سنت چھوڑ کر ادوروں کے طور طریق پر چلیں گے، میری ہدایت سے ہٹ کر دوسروں کی چال اختیار کر لیں گے، کچھ باتیں ان کی اچھی پاؤ گے کچھ بری۔“ میں نے عرض کیا: ”کیا اس خیر کے بعد پھر شر ہو گا؟“ فرمایا: ”ہاں! ان کے بعد ایسے لوگ ہوں گے جو جہنم کے دروازوں کی طرف دعوت دینے والے ہوں گے، جو شخص ان کی بات پر لبیک کہے گا، یہ اسے جہنم رسید کر دیں گے۔“ میں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! ان کی کچھ نشانیوں بیان فرمادیں؟“ فرمایا: ”یہ لوگ ہمیں سے ہوں گے اور ہماری بولیاں بولتے ہوں گے۔“ میں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! اگر میں اس طرح کے حالات دیکھوں تو میرے لئے کیا حکم ہے؟“ فرمایا: ”مسلمانوں کی جماعت اور ان کے امام سے وابستہ ہو جانا۔“ میں نے عرض کیا: ”اگر اس وقت کوئی جماعت اور امام ہی نہ ہو؟“ تو آپ نے فرمایا: ”پھر ان تمام فرقوں کو چھوڑ دینا خواہ ایسا کرنے میں یہ حال ہو جائے کہ درخت کی جڑ چبا کر وقت کاٹا پڑے، پھر بھی ان سے الگ رہو یہاں تک کہ موت آجائے۔“ وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دینے والے کے ساتھ معاملہ

سوال جو آدمی اصحاب ثلاثہ (ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم) کو گالی دے، اس کے ساتھ معاملہ کس طرح ہونا چاہئے؟

جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس امت کے سب سے بہترین افراد تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں ان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ (التوبة ۹/۱۰۰)

”جن لوگوں نے سبقت کی (یعنی سب سے پہلے ایمان لائے) مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی اور جنہوں نے نیکو کاری کے ساتھ ان کی پیروی کی اللہ ان سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں اور اس نے ان کے لئے باغات تیار کئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں (اور) ہمیشہ ان میں رہیں گے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔“

نیز فرمایا:

﴿لَمَّا رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَبَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا﴾ (الفتح ۴۸/۱۸)

”(اے پیغمبر!) جب مومن درخت کے نیچے آپ کی بیعت کر رہے تھے تو یقین طور پر اللہ ان سے خوش ہوا اور جو (صدق و غلوص) ان کے دلوں میں تھا وہ اس نے معلوم کر لیا تو ان پر تسکین (تسلی) نازل فرمائی اور (جرات ایمانی کے بدلے) انہیں جلد فتح عنایت کی۔“

اس طرح کی اور بھی بہت سی آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعریف کی اور ان سے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم ان سابقین میں سرفہرست ہیں اور ان میں شامل ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غائبانہ بیعت لی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آپ کے حق میں شہادت اور آپ پر اعتماد کا اظہار تھا، اس طرح آپ کی بیعت دوسروں کی نسبت زیادہ قوی تھی۔ دیگر بہت سی احادیث میں بھی اجمال اور تفصیل کے ساتھ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے فضائل و مناقب موجود ہیں اور ان کے ساتھ دیگر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی جنت کی بشارت دی گئی اور انہیں گالی دینے سے منع کیا گیا ہے، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿وَلَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَوْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا مَا أَدْرَكَ مُدًّا أَحَدِهِمْ وَلَا

نَصِيفَةً﴾ (صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم، لو كنت متخذًا ...، ح: ۳۱۷۳، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب تحريم سب الصحابة رضي الله عنهم، ح: ۲۵۴۰،

”میرے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کو گالی نہ دینا۔ تم میں سے کوئی شخص اگر احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کرے تو ان کے ایک دریا نصف مد^① (کے ثواب کو بھی) نہیں پاسکتا۔“

جو شخص رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) خصوصاً اصحاب ثلاثہ حضرات ابوبکر و عمر و عثمان (رضی اللہ عنہم) کو سب و شتم کرے تو اس سے اس کے بارے میں یقیناً باز پرس ہوگی کیونکہ اس نے کتاب و سنت کی مخالفت کی ہے اور وہ اس مغفرت سے یقیناً محروم ہوگا جس کا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے جو ان کی اتباع کریں گے، ان کے لئے مغفرت کی دعاء کریں گے اور یہ دعاء کریں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دل میں کسی بھی مومن کے لئے کینہ و حسد پیدا نہ کرے۔ اصحاب ثلاثہ اور دیگر صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی شان میں گستاخی کرنے والے کو سمجھایا جائے، حضرات صحابہ (رضی اللہ عنہم) کے فضائل و مناقب سے آگاہ کیا جائے، ان کے درجات سے اسے مطلع کیا جائے اور بتایا جائے کہ اسلام میں انہیں کس قدر عظمت و استقامت حاصل ہے۔ اگر اس کے بعد وہ شخص توبہ کر لے تو وہ ہمارا دینی بھائی ہے اور اگر وہ اسی طرح حضرات صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کی شان میں گستاخی کرے تو بقدر امکان سیاست شرعیہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسے گستاخی سے باز رکھنا ضروری ہے۔ جو شخص ہاتھ یا زبان سے اسے باز نہ رکھ سکے تو وہ دل ہی میں اسے برا سمجھے اور جیسا کہ حدیث صحیح سے ثابت ہے یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

فتویٰ کمیٹی

غیر مسلم خادمہ کو ملازم رکھنا

سوال میں نے گھر میں اپنی بیوی کی مدد کے لئے ایک خادمہ بلانے کے لئے بیرون ملک خط لکھا تو مجھے جواب آیا کہ یہاں سے کوئی مسلمان خادمہ ممکن نہیں تو سوال یہ ہے کہ کیا یہ جائز ہے کہ میں کسی غیر مسلم خادمہ کو بلا لوں؟

جواب جزیرۃ العرب میں کسی بھی غیر مسلم خادمہ یا خادمہ ڈرائیور یا کسی بھی کارکن کو بلانا جائز نہیں کیونکہ نبی ﷺ نے حکم دیا تھا کہ یہود و نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکال دیا جائے۔ آپ نے حکم دیا تھا کہ یہاں صرف مسلمان ہی باقی رہیں اور وفات کے وقت آپ ﷺ نے یہ وصیت بھی فرمائی تھی کہ تمام مشرکوں کو یہاں سے نکال دیا جائے۔

کافر مردوں اور عورتوں کے یہاں بلانے میں خطرہ ہے کہ اس سے یہاں مسلمانوں کے عقائد، اخلاق اور ان کی اولاد کی تربیت پر برا اثر پڑے گا۔ لہذا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت اور شرک و فساد کے خاتمہ کے لئے ضروری ہے کہ ہم ان غیر مسلم خادموں سے اجتناب کریں۔ (واللہ ولی التوفیق)

شیخ ابن باز

کیا کافر پڑوسی کو قربانی کے گوشت کا تحفہ دیا جاسکتا ہے؟

سوال کیا قربانی کے گوشت میں کافر پڑوسی کا بھی حصہ ہے یا نہیں؟

① مد ایک بیانا ہے جس کی مقدار اہل عراق کے نزدیک دو رطل اور اہل حجاز کے نزدیک ایک اور تہائی رطل ہے، جب کہ ایک رطل بارہ اوقیہ یا چالیس توسلے کے برابر ہوتا ہے۔

جواب مسلمان کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے کافر پڑوسی کی دلجوئی اور اس کی تالیف قلب کے لئے اسے قربانی کے گوشت کا تحفہ دے، حق پڑوس کا بھی یہ تقاضا ہے اور شرعاً اس کی ممانعت کی کوئی دلیل بھی نہیں، اس ارشاد باری تعالیٰ کے عموم کے مطابق بھی یہ جائز قرار پاتا ہے کہ:

﴿لَا يَنْهَىٰكُمْ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوا فِي الدِّينِ وَلَا يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِينِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ (الممتحنة ۸/۶۰)

”جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا، ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے اللہ تم کو منع نہیں کرتا، اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔“
فتویٰ کمیٹی کی طرف سے اس مسئلہ میں پہلے بھی حسب ذیل فتویٰ جاری ہو چکا ہے کہ:

”ہمارے لئے یہ جائز ہے کہ ہم کسی کافر ذمی اور قیدی کو قربانی کا گوشت کھلائیں۔ فقر، قربت، پڑوس یا تالیف قلب کے لئے کسی بھی کافر کو قربانی کا گوشت دینا جائز ہے کیونکہ قربانی کے جانور کو ذبح یا تحریر کرنا تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے تقرب کے حصول کے لئے ہے اور اس کے گوشت کے بارے میں افضل یہ ہے کہ ایک ٹلٹ خود کھائے، ایک ٹلٹ رشتہ داروں، پڑوسیوں اور دوستوں کو تحفہ دے اور ایک ٹلٹ فقیروں میں صدقہ کر دے، اس میں اگر کمی بیشی ہو جائے یا کسی ایک قسم میں ہی سارا گوشت صرف کر دے تو پھر بھی کوئی حرج نہیں، اس میں کافی نجاش ہے البتہ کسی حربی کافر کو قربانی کا گوشت نہیں دینا چاہئے کیونکہ اس کی دلجوئی اور حوصلہ افزائی کے بجائے اس کی کمزوری و ذلت اور رسوائی مقصود ہے۔“

حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے عموم کے پیش نظر دیگر نفل صدقات کیلئے بھی یہی حکم ہے:

﴿لَا يَنْهَىٰكُمْ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوا فِي الدِّينِ وَلَا يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِينِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ (الممتحنة ۸/۶۰)

﴿إِنَّمَا يَنْهَىٰكُمْ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوا فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوا كُمْ مِنْ دِينِكُمْ وَظَنَّهُمْ حِلًّا بِإِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَقُولُوا هُمْ مِنْ بَنِيكُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ (الممتحنة ۹۸/۶۰)

”جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا، ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے اللہ تم کو منع نہیں کرتا۔ اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ انہی لوگوں کے ساتھ تم کو دوستی رکھنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں اوروں کی مدد کی تو جو لوگ ان (لوگوں) سے دوستی کریں گے وہی ظالم ہیں۔“

نبی ﷺ نے اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اپنی مشرک ماں کے ساتھ مالی طور پر صلہ رحمی کر سکتی ہیں۔

فتویٰ کمیٹی

کافر کو سلام کہنا

ان دنوں جب ہم مشرق و مغرب کے مختلف ممالک میں جاتے ہیں، جن کے باشندوں کی غالب اکثریت مختلف

سوال

مذہب سے تعلق رکھنے والے غیر مسلموں کی ہے، وہ ہمیں جہاں بھی ملتے ہیں تو سلام کہتے ہیں تو اس سلسلہ میں ہم پر کیا واجب ہے؟

جواب رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«لَا تَبَدُّوْا الْيَهُودَ وَلَا النَّصَارَى بِالسَّلَامِ وَإِذَا لَقِيتُمْهُمْ فِي الطَّرِيقِ فَاضْطَرُّوْهُمْ إِلَىٰ أَضْيَقِهِ» (صحیح مسلم، کتاب السلام، باب النهی عن ابتداء اهل الكتاب بالسلام...، ح: ۲۱۶۷)

”یہود و نصاریٰ کو پہلے سلام نہ کرو اور جب راستہ میں انہیں ملو تو تنگ راستہ کی طرف انہیں مجبور کر دو۔“

اسی طرح آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

«إِذَا سَلَّمَ عَلَيْكُمْ أَهْلُ الْكِتَابِ فَقُولُوا وَعَلَيْكُمْ» (صحیح بخاری، کتاب الاستئذان، باب کیف الرد علی اهل الذمۃ بالسلام، ح: ۶۲۵۸، و صحیح مسلم، رقم: ۲۱۶۳)

”جب اہل کتاب تمہیں سلام کہیں تو انہیں جواب میں صرف یہ کہو ”وعلیکم“

اہل کتاب سے مراد اگرچہ یہود و نصاریٰ ہیں لیکن بقیہ کفار کا حکم بھی اس مسئلہ میں یہی ہے کیونکہ ان میں اور دیگر کافروں میں فرق کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ کافر کو مطلقاً پہلے سلام نہ کہا جائے اور اگر وہ سلام کے تو واجب ہے کہ جواب میں صرف ”وعلیکم“ کہا جائے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے اور اس کے بعد یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ تمہارا کیا حال ہے؟ بچوں کا کیا حال ہے؟ جیسا کہ بعض اہل علم مثلاً شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی اجازت دی ہے، خصوصاً جب کہ اسلامی مصلحت کا یہ تقاضا بھی ہو مثلاً اسے اسلام کی رغبت دینا، اسلام سے اسے مانوس کرنا تاکہ وہ دعوت اسلام قبول کر لے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَحَدِّ لَّهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ (النحل ۱۶/۱۲۵)

”(اے پیغمبر!) لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے مناظرہ کرو۔“

نیز فرمایا:

﴿وَلَا تَجِدُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ (العنکبوت ۲۹/۴۶)

”اور اہل کتاب سے جھگڑا (بحث مباحثہ) نہ کرو مگر ایسے طریق سے کہ نہایت اچھا ہو، ہاں جو ان میں سے بے انصافی کریں.....“

شیخ ابن باز

ذی کے ساتھ معاملہ کا مثالی طریقہ

سوال ذی کے ساتھ معاملہ کے لئے مثالی طریقہ کیا ہے؟ کیا ہم اس سے عام معاملہ ہی کریں گے یا اس کی کوئی خاص نوعیت ہوگی؟

جواب ذمی کے ساتھ مسلمانوں کے معاملہ کا مثالی طریقہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ ذمہ کی وفا کی جائے جیسا کہ ان آیات و احادیث سے ثابت ہے جن میں ایفاء عمد، حسن سلوک اور عادلانہ معاملہ کا حکم ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يَنْهَىٰ عَنْهُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوا فِي الدِّينِ وَلَا يُخْرِجُوهُ مِنْ دِينِكُمْ أَنْ يَبْرُوهُمُ وَيُقَسِّطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾ (الممتحنة: ۸/۶۰)

”جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے اللہ تم کو منع نہیں کرتا، اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔“

ذمی سے بات اچھے انداز سے کی جائے، عموماً احسان کیا جائے الایہ کہ شریعت نے اس سے منع کر دیا ہو مثلاً یہ کہ اسے پہلے سلام نہ کیا جائے، مسلمان خاتون سے اس کی شادی نہ کی جائے، کسی مسلمان کی وراثت سے اسے حصہ نہ دیا جائے اور اسی طرح کے دیگر امور جن کی ممانعت کے بارے میں نص وارد ہے۔ اس موضوع کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے علامہ ابن قیم جوزیہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”احکام اہل الذمۃ“ اور اہل علم کی دیگر کتب۔

فتویٰ کمیٹی

بیرون ملک غیر مسلم خاندانوں کے ساتھ سکونت

سوال ایک سائل یہ سوال کرتا ہے کہ جو شخص تعلیم حاصل کرنے کے لئے بیرون ملک جائے کیا اس کے لئے یہ جائز ہے کہ زیادہ بہتر انداز میں زبان سیکھنے کے لئے کسی غیر مسلم خاندان کے ساتھ سکونت اختیار کر لے؟

جواب غیر مسلم خاندان کے ساتھ سکونت اختیار کرنا جائز نہیں کیونکہ اس طرح کفار کے اخلاق اور ان کی عورتوں کی وجہ سے طالب علم کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے لہذا یہ ضروری ہے کہ طالب علم کی رہائش اسباب فتنہ سے دور ہو لیکن یہ سب کچھ اس قول کی بنیاد پر ہے کہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے کفار ممالک میں سفر کر کے جانا طلبہ کے لئے جائز ہو لیکن صحیح بات یہ ہے کہ کافروں کے ملک میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے جانا بھی جائز نہیں الایہ کہ انتہائی شدید ضرورت ہو اور طالب علم صاحب علم و بصیرت ہو اور اسباب فتنہ سے دور رہنے والا ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

«لَا يَقْبَلُ اللَّهُ مِنْ مُشْرِكٍ عَمَلًا بَعْدَ مَا أَسْلَمَ حَتَّى يُفَارِقَ الْمُشْرِكِينَ» (سنن نسائی، کتاب الزکاة، باب من سأل بوجه الله عزوجل، ح: ۲۵۶۹، و سنن ابن ماجہ، کتاب الحدود، باب المرتد عن دینہ، ح: ۲۵۳۶)

”مسلمان ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کسی کے عمل کو قبول نہیں کرتا حتیٰ کہ وہ مشرکوں سے الگ ہو جائے۔“

اس حدیث کو امام نسائی نے بسند جمید روایت کیا ہے اور امام ابوداؤد، نسائی اور ترمذی نے بسند صحیح حضرت جریر بن عبداللہ یحییٰ بن یزید کی روایت کو ذکر کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَنَا بَرِيٌّ مِنْ كُلِّ مُسْلِمٍ يُقِيمُ بَيْنَ الْمُشْرِكِينَ» (سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب النهی عن قتل من اعتصم بالسجود، ح: ۲۶۴۵، و سنن ترمذی، کتاب السیر، باب ما جاء فی کراهیة المقام بین اظہر المشرکین، ح: ۱۶۰۴)

”میں ہر اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکوں میں مقیم ہو۔“

اس مفسوم کی اور بھی بہت سی آیات و احادیث ہیں۔ لہذا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اہل شرک کے ملکوں میں سفر سے اجتناب کرے الایہ کہ انتہائی شدید ضرورت ہو۔ مسافر صاحب علم و بصیرت ہو اور اس کا مقصود دعوت الی اللہ ہو تو پھر یہ صورت مستثنیٰ ہے کیونکہ اس میں خیر عظیم کا پہلو ہے کہ آدمی مشرکوں کو اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دے، انہیں اللہ تعالیٰ کی شریعت کی تعلیم دے، تو ایسا شخص محسن ہو گا اور علم و بصیرت کے باعث خطرات سے دور بھی رہے گا۔ (واللہ المستعان)

شیخ ابن باز

کافروں کے ملکوں کی طرف سفر کا حکم

سوال بعض ادارے اخبارات میں اعلان کر کے مسلمان نوجوانوں کو یہ دعوت دیتے ہیں کہ وہ موسم گرما کی تعطیلات مغربی ممالک میں گزاریں تاکہ وہ اس طرح انگریزی زبان بھی اچھی طرح سیکھ سکیں؟

جواب اس سوال کا جواب دینے کے لئے، ہم اس موضوع سے متعلق فضیلۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز حفظہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات ذیل میں نقل کرتے ہیں:

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَحَدَهُ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ، نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِهِ
وَأَصْحَابِهِ وَاتَّبَاعِهِ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ - أَمَّا بَعْدُ

اللہ تعالیٰ نے اس امت کو بے پایاں نعمتوں سے نوازا، بے شمار منفرد خصوصیات سے سرفراز فرمایا اور اسے بہترین امت بنا دیا ہے، جسے لوگوں کے لئے پیدا کیا گیا (میدان میں لایا گیا) ہے، جو نیکی کا حکم دیتی، برائی سے منع کرتی اور اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر ایمان رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ان نعمتوں میں سے عظیم ترین نعمت اسلام ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے شریعت اور دستور حیات کے طور پر پسند فرمایا اور اس کے ساتھ اس نے اپنے بندوں پر اپنی نعمتوں کا اتمام اور اپنے دین کی تکمیل فرمادی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (المائدة/۵/۳)

”آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔“

لیکن اس نعمت کبریٰ کی وجہ سے دشمنان اسلام مسلمانوں سے حسد کرنے لگے، ان کے دل کینے اور غصے سے بھر گئے اور اس دین اور دین والوں سے عداوت و دشمنی کرنے لگے اور یہ خواہش کرنے لگے اے کاش! وہ مسلمانوں کو اس نعمت سے محروم کر دیں جیسا کہ ان کے دلوں میں آنے والے خیالات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

﴿وَذُأَلَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً﴾ (النساء/۴/۸۹)

”وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح وہ خود کافر ہیں (اسی طرح) تم بھی کافر ہو کر (سب) برابر ہو جاؤ۔“

اور فرمایا:

﴿يَتَأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةَ مَن دُونِكُمْ لَا يَأْتُونَكُمُ خَبْرًا وَلَا دُؤًا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ
الْبَغْضَاءُ مِن أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١١٨﴾﴾ (آل
عمران ۱۱۸/۳)

”مومنو! اپنے (اہل ایمان کے) علاوہ کسی (غیر مذہب کے آدمی) کو اپنا رازدار نہ بنانا۔ یہ لوگ تمہاری بربادی
(اور فتنہ گری کرنے) میں کسی طرح کو تباہی نہیں کرتے اور چاہتے ہیں کہ (جس طرح ہو) تمہیں تکلیف پہنچے،
ان کی زبانوں سے تو دشمنی ظاہر ہو ہی چکی ہے اور جو (کہنے) ان کے سینوں میں مخفی ہیں وہ کہیں زیادہ ہیں اگر
تم عقل رکھتے ہو تو ہم نے تم کو اپنی آیتیں کھول کھول کر سنادی ہیں۔“

اور فرمایا:

﴿إِن يَشْفِقُوا كُفْرًا لَّكُمُ الْعَذَابُ وَسَبَطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَأَلْسِنَهُمْ بِالسُّوءِ وَوَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ ﴿٢٠٦﴾﴾
(الممتحنہ ۲/۶۰)

اگر یہ کافر تم پر قدرت پالیں تو تمہارے دشمن ہو جائیں اور ایذا رسانی کے لئے تم پر ہاتھ بھی چلائیں اور
زبانیں (بھی) اور یہ چاہتے ہیں کہ تم کسی طرح کافر ہو جاؤ۔“

اور فرمایا:

﴿وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُوكُم حَتَّىٰ يَرُدُّوكُم عَن دِينِكُمْ إِن مَّا سَطَمُوا ﴿٢١٧﴾﴾ (البقرہ ۲/۲۱۷)
”اور یہ لوگ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر وہ طاقت رکھیں تو تم کو تمہارے دین سے پھیر
دیں۔“

ایسی بہت سی آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر مسلمانوں سے عداوت رکھتے ہیں اور اپنے مقاصد کو عملی جامہ
پنانے میں کوئی دقیقہ فردگذاشت نہیں کرتے اور اس کے لئے وہ مخفی اور ظاہر ہر قسم کے اسباب و وسائل اختیار کرتے
ہیں، انہی وسائل میں سے یہ بھی ہے جو مختلف یورپین ادارے اخبارات میں اعلانات کے ذریعہ مسلمان نوجوانوں کو دعوت
دیتے ہیں کہ وہ موسم گرما کی تعطیلات یورپ اور امریکہ کے مختلف علاقوں میں گزاریں تاکہ وہ اس طرح انگریزی زبان میں
اچھی طرح مہارت حاصل کر لیں اور پھر اس طرح وہ آنے والے لوگوں کے تمام اوقات کا باقاعدہ ایک پروگرام مرتب کر
لیتے ہیں۔ یہ پروگرام کچھ اس طرح کے نکات پر مشتمل ہوتا ہے:

① کسی انگریز کافر خاندان میں طالب علم کے قیام کا بندوبست حالانکہ اس میں بہت سے قابل اعتراض پہلو ہیں۔
② جس شہر میں قیام ہو وہاں موسیقی، ڈرامہ اور تھیٹر وغیرہ کی محفلوں میں شرکت۔ اور رقص میں ایک دوسرے سے
مقابلہ بازی۔

③ ڈانس اور رقص و سرود کی محفلوں میں شرکت۔

④ انگریز لڑکیوں کے ساتھ ڈسکو ڈانس کی محفلوں میں شرکت۔

⑤ ایک انگریزی شہر میں لہو و لعب کے پروگرامز کی جو فہرست جاری کی گئی تو اس میں حسب ذیل تفریحی انتظامات تھے:
(شہینہ محفلیں، ڈسکو ڈانس، کلاسیکل موسیقی، ماڈرن موسیقی، سینما ہال اور ڈرامہ ہال کے پروگرام، روایتی انگلش

ہوئیں وغیرہ)

- انگریزی اداروں کے مسلمان نوجوانوں کو اس طرح کے پروگرام میں شرکت کی دعوت دینے سے جو اغراض و مقاصد ہیں وہ بہت خطرناک ہیں اور ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:
- ① اس سے مسلمان نوجوانوں کو جاوہ مستقیم سے ہٹا کر گمراہ کرنا مقصود ہے۔
 - ② نوجوانوں کے اخلاق کو خراب کرنا اور اسباب و وسائل مہیا کر کے انہیں اخلاقی بے راہ روی اور انارکی میں مبتلا کرنا ہے۔
 - ③ مسلمانوں کے عقیدے میں تشکیک پیدا کرنا ہے۔
 - ④ مسلمان نوجوانوں کو مغربی تہذیب پر فریفتہ کرنا اور اس کا دلدادہ بنانا ہے۔
 - ⑤ اسے مغرب کے بدترین اخلاق و عادات کا عادی بنانا ہے۔
 - ⑥ دین اور دینی آداب و احکام سے دور ہٹانا ہے۔

⑦ مسلمان نوجوانوں کی اس انداز سے تربیت کرنا کہ ان پروگراموں سے فارغ ہو کر جب وہ اپنے ملکوں کو جائیں تو مغرب، اس کے افکار و نظریات اور اس کے طرز بود و باش کے مبلغ اور داعی بن کر جائیں۔

یہ اور اس طرح کے اور بہت سے اغراض و مقاصد ان دشمنان اسلام کے پیش نظر ہوتے ہیں، جن کے حصول کے لئے یہ اپنے تمام وسائل اور بے شمار ظاہری و مخفی اسالیب و ذرائع اختیار کرتے ہیں۔ مسلمان ملکوں کے نوجوانوں کو اپنے دام فریب میں پھنسانے کے لئے یہ لوگ اپنے ان دعوتی اداروں کے عربی نام بھی رکھ لیتے ہیں تاکہ بڑی عیاری اور ہوشیاری و چالاکی کے ساتھ مسلمان نوجوانوں کو گمراہ کر سکیں۔ اس لئے میں اپنے اس ملک کے مسلمان بھائیوں کو خصوصاً اور دیگر تمام عالم اسلام کے مسلمان بھائیوں کو عموماً تلقین کرتا ہوں کہ وہ ان اداروں کے دام فریب میں نہ پھنسیں۔ ان سے حد درجہ محتاط رہیں، ان کی کسی دعوت کو قبول نہ کریں کیونکہ ان کے یہ سارے پروگرام ایک بیٹھا زہر ہیں۔ یہ دشمنان اسلام کی دسیہ کاریاں ہیں جن سے مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں کو فتنوں میں مبتلا کر کے، ان کے دین و عقیدہ میں تشکیک پیدا کر کے انہیں بے دین بنا دیا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس میں ان کے بارے میں یہ فرمایا ہے:

﴿وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ﴾ (البقرة ۱۲۰/۲)

”اور آپ سے نہ تو یہودی کبھی خوش ہوں گے اور نہ عیسائی یہاں تک کہ آپ ان کے مذہب کی پیروی اختیار کر لیں۔“

میں امور طلبہ کے منتظمین کو بھی بطور خاص یہ نصیحت کروں گا کہ وہ اپنے بچوں کی حفاظت کریں اور انہیں اس قسم کے بیرونی سفر کی قطعاً اجازت نہ دیں کیونکہ اس میں ان کے دین، اخلاق اور ملک کی خرابی کے کئی پہلو ہیں جیسا کہ ہم نے قبل ازیں بیان کیا ہے۔ یہ حضرات بچوں کی راہنمائی کریں کہ وہ اپنے ہی شہروں کے تفریحی مقامات پر جو کہ بجز اللہ بہت ہیں موسم گرما کی تعطیلات بسر کرنے کا پروگرام بنائیں، اس سے مطلوب و مقصود بھی حاصل ہو جائے گا اور ہمارے نوجوان ان خطرات، مشکلات، صعوبات اور برے نتائج و اثرات سے بھی محفوظ رہیں گے، جو اجنبی ممالک میں جانے سے پیش آتے ہیں۔ اللہ عزوجل سے دعاء ہے کہ وہ ہمارے ملک، دیگر تمام اسلامی ممالک اور ہمارے تمام نوجوانوں کو ہر بری اور ناپسندیدہ

بات سے بچائے، دشمنوں کے مکرو فریب سے انہیں محفوظ رکھے، ان کے مکرو فریب کو ناکام و نامراد بنائے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے حکمرانوں کو بھی یہ توفیق بخشے کہ وہ اس قسم کے جھوٹے پروپیگنڈے اور خطرناک اعلانات پر پابندی لگائیں نیز انہیں توفیق بخشے کہ وہ انسانوں، اپنے علاقوں اور شہروں کی بہتری کے کام کر سکیں، اللہ تعالیٰ ہی کارساز و قادر ہے۔

وَصَلَّى اللَّهُ وَسَلَّم عَلَى عَبْدِهِ وَرَسُولِهِ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَأَتْبَاعِهِ بِإِحْسَانٍ
إِلَى يَوْمِ الدِّينِ

شیخ ابن باز

یسود و نصاریٰ کے تہواروں کی تعظیم جائز نہیں

سوال گھانا میں بعض مسلمان یسود و نصاریٰ کے تہواروں کی تو بہت تعظیم کرتے ہیں مگر اپنے تہواروں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ جب یسود و نصاریٰ کی کسی عید کا وقت آتا ہے تو اس کی مناسبت سے اسلامی مدارس میں تعطیل کر دیتے ہیں لیکن مسلمانوں کی عید کے وقت وہ مدارس میں تعطیل نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اگر وہ یسود و نصاریٰ کی عیدوں کو منائیں گے تو اس طرح وہ دین اسلام کو قبول کر لیں گے۔ شیخ محترم! آپ یہ وضاحت فرمادیں کیا ان کا یہ عمل صحیح ہے یا نہیں؟

جواب سنت یہ ہے کہ مسلمانوں کے دینی اسلامی شعاہز کا اظہار کیا جائے اور ترک اظہار رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مخالف ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد یہ ہے کہ:

«عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمُهَدِّدِينَ» (سنن أبي داود، كتاب السنة، باب في لزوم السنة، ح ٤٦٠٧، وسنن ترمذي، رقم: ٢٦٧٦ وابن ماجه، رقم: ٤٢، ومسند احمد، ٤/١٢٦، ١٢٧)

”تم میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرو۔“

مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کافروں کی عیدوں میں شرکت کرے، ان کی عیدوں کے موقع پر فرحت و مسرت کا اظہار کرے اور اپنے دینی اور دنیوی کاموں کو روک دے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ مشابہت ہے جو کہ حرام ہے اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ» (سنن أبي داود كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، ح: ٤٠٣١، ومسند احمد، ح: ٥٠/٢، ٩٢)

”جو کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کرے وہ انہی میں سے ہے۔“

ہم نصیحت کرتے ہیں کہ آپ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب ”اقتضاء الصراط المستقیم“ کا مطالعہ کریں، وہ اس موضوع سے متعلق بے حد مفید کتاب ہے۔ (وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ وسلم)

فتویٰ کمیٹی

میت کی وفات کے چالیس روز بعد محفل منعقد کرنا

سوال عیسائیوں اور یہودیوں کی تقلید میں یہاں امریکہ میں مسلمانوں میں بھی یہ رواج پیدا ہو گیا ہے کہ وہ میت کی

وفات کے چالیس دن بعد ایک دینی محفل منعقد کرتے ہیں۔ کیا چالیسویں کی اس محفل کا انعقاد اسلامی شریعت کے مطابق ہے؟ کیا اس کے جواز کی کوئی دلیل ہے؟

جواب رسول اللہ ﷺ سے یہ قطعاً ثابت نہیں، نہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اور نہ سلف صالح سے کہ میت کی وفات کے وقت، یا ایک ہفتہ بعد، یا چالیس دن بعد یا ایک سال بعد کسی محفل کا اہتمام کیا جائے۔ بلکہ یہ بدعت اور ایک بدترین عادت ہے۔ یہ قدیم مصریوں اور دیگر کافروں میں ایک رواج تھا لہذا جو مسلمان اس قسم کی محفلوں کا انعقاد کرتے ہیں انہیں سمجھانا چاہئے اور اس کی حقیقت بتانا چاہئے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کریں، دین میں بدعات سے اجتناب کریں اور کافروں کی مشابہت سے بچیں۔ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«بُعِثْتُ بِالسَّيْفِ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ حَتَّى يُعْبَدَ اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَجُعِلَ رِزْقِي تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِي وَجُعِلَ الذَّلُّ وَالصُّغَارُ عَلَى مَنْ خَالَفَ أَمْرِي وَمَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ» (مسند احمد، ۲/۵۰)

”مجھے قیامت سے پہلے تلوار کے ساتھ بھیجا گیا ہے، حتیٰ کہ اللہ وحدہ لا شریک کی عبادت کی جائے اور میرا رزق میرے نیزے کی انی کے نیچے رکھ دیا گیا ہے، ذلت و رسوائی اس شخص کا مقدر ہے جو میرے حکم کی مخالفت کرے اور جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہیں میں سے ہے۔“

امام حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ذکر کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«الْتَرَكِبَنَّ سُنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَفِرَاعًا بِفِرَاعٍ حَتَّى لَوْ أَنَّ أَحَدَهُمْ دَخَلَ جَحْرًا ضَبًّا لَدَخَلْتُمُوهُ» (مسند حاکم، کتاب الفتن والملاحم، ح: ۸۴۰۴، واصلہ فی الصحیحین، خرجه البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل، ح: ۳۴۵۶)

تم باشت بہ باشت اور قدم بقدم پہلے لوگوں کے طریقوں کو اختیار کرو گے (یعنی جس طرح باشت باشت کے اور ہاتھ ہاتھ کے برابر ہوتا ہے) حتیٰ کہ اگر ان میں سے کوئی سانڈے کی بل میں داخل ہوا تھا تو تم بھی اس میں داخل ہو گے۔“

شیخ ابن باز

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ﴾ کا معنی

سوال ارشاد باری تعالیٰ: ﴿لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ﴾ ”ان لوگوں سے جن پر اللہ غصے ہوا ہے دوستی نہ کرو۔“ کے کیا معنی ہیں؟ ان کے ساتھ دوستی کے کیا معنی ہیں؟ کیا ان کے پاس جانا، بات چیت اور گفتگو کرنا اور ان کے ساتھ ہنسنا بھی دوستی ہے؟

جواب اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو یہودیوں اور ان جیسے دیگر کافروں کے ساتھ دوستی رکھنے سے منع فرمایا ہے ان کے ساتھ دوستی، محبت، اخوت اور نصرت جائز نہیں اور نہ یہ جائز ہے کہ انہیں دلی دوست بنا لیا جائے خواہ یہ مسلمانوں سے برسرِ پیکار نہ بھی ہوں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا

ءَابَآءَهُمْ أَوْ أَبْنَآءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُوْلَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْاِيْمَانَ
وَآيَدَهُمْ بِرُوحٍ مِّنْهُ ﴿۲۲﴾ (المجادلة ۵۸/۲۲)

”جو لوگ اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں تم ان کو اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے خواہ وہ ان کے باپ، بیٹے یا بھائی یا خاندان ہی کے لوگ ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان (پتھر پر لکیری طرح) تحریر کر دیا ہے اور فیض غیبی سے ان کی مدد کی ہے۔“
اور فرمایا ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ ءَامَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بَطٰنَةً مِّنْ دُوْۤىكُمْ لَا يٰۤاَلُوْنَكُمْ حَبٰۤلًا وَّدُوْا مَا عٰنَيْتُمْ فَاَنْتُمْ مِّنْ اَلْبَعۡضَةِ مِمَّنْ اَفۡوَاهِهِمْ وَمَا تُخۡفِيۡ صُدُوْرُهُمْ اَكۡبَرُ فَاَدۡبٰۤىنَا لَكُمْ الْاَلْبٰۤىتُ اِنۡ كُنْتُمْ تَعۡقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾﴾ (آل عمران ۱۱۸/۳)

”مومنو! اپنے (اہل ایمان کے) علاوہ کسی غیر (مذہب کے آدمی) کو اپنا راز دار نہ بنانا، یہ لوگ تمہاری بربادی (اور فتنہ انگیزی کرنے) میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرتے اور چاہتے ہیں کہ (جس طرح ہو سکے) تمہیں تکلیف پہنچے ان کی زبانوں سے تو دشمنی ظاہر ہو ہی چکی ہے اور جو (کہنے) ان کے سینوں میں مخفی ہیں وہ کہیں زیادہ ہیں اگر تم عقل رکھتے ہو تو ہم نے تم کو اپنی آیتیں کھول کھول کر سنا دی ہیں۔ دیکھو تم ایسے (صاف دل) لوگ ہو کہ ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہو حالانکہ وہ تم سے دوستی نہیں رکھتے۔“

اسی طرح اس مفسوم کی کتاب و سنت میں اور بھی بہت سے نصوص ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس بات سے منع نہیں کیا کہ وہ غیر حربی کافروں کے ساتھ نیکی کریں، یا مباح منافع کا ان کے ساتھ تبادلہ کریں یا ان کے ساتھ خرید و فروخت کریں یا ان کے تحفوں کو قبول کریں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يَتَّخِذُكُمُ اللّٰهُ عِيْنَ الَّذِيْنَ لَمۡ يَمُنُّوْا بِاللّٰهِ وَكَلِمَتُكُمۡ مِّنۡ دِيۡنِكُمۡ اَنْ تَبَرُّوْهُمۡ وَتُقْسَطُوْا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يَهۡبِطُ الْمَظۡطَبِيْنَ ﴿۹۸﴾ اِنَّمَا يَتَّخِذُكُمُ اللّٰهُ عِيْنَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْكُمْ فِي الدِّيۡنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنۡ دِيۡنِكُمۡ وَظَنُّوْهُمۡ اَعۡلٰنَ اٰخِرٰجِكُمۡ اَنْ تَوَلَّوْهُمۡ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ فَاُوْلٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۹﴾﴾ (الممتحنة ۶۰/۹۸)

”جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا، ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے اللہ تم کو منع نہیں کرتا، اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ انہی لوگوں کے ساتھ تمہیں دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے تم سے تمہارے دین کے بارے میں لڑائی کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکلنے میں اوروں کی مدد کی تو جو لوگ ان (لوگوں) سے دوستی کریں گے وہی ظالم ہیں۔“

فتویٰ کمیٹی

غیر مسلم کارکنوں کو اسلامی ممالک خصوصاً جزیرۃ العرب میں بلانا

کیا غیر مسلم کارکنوں کو بلانا جائز ہے؟

سوال

﴿جواب﴾

اس میں کچھ شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے یہ حکم دیا تھا کہ مشرکوں کو جزیرۃ العرب سے نکال دیا جائے، یہود و نصاریٰ کے جزیرۃ العرب سے نکال دینے کا بھی آپ نے حکم دیا اور فرمایا کہ:

«لَا تُخْرِجَنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ حَتَّى لَا أَدْعَ إِلَّا مُسْلِمًا» (صحیح مسلم، کتاب الجهاد والسير، باب اخراج اليهود والنصارى من جزیرۃ العرب، ح: ۱۷۶۷، وأبوداود، کتاب

الامارة، باب في اخراج اليهود من جزیرۃ العرب، ح: ۳۰۳۰، ترمذی، رقم: ۱۶۰۶، ۱۶۰۷)

”میں یہود و نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے نکال دوں گا حتیٰ کہ یہاں صرف مسلمان ہی باقی رہ جائیں گے۔“

احادیث اس بات پہ دلالت کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی خواہش یہ تھی کہ جزیرۃ العرب میں صرف مسلمان ہی رہیں کیونکہ عیسائیوں اور دیگر کفار کے جزیرۃ العرب میں موجود ہونے کے بہت سے خطرات ہیں۔ اسی جزیرہ سے اسلام کا آغاز ہوا اور یہاں سے اسلام اطراف و اکناف عالم میں پھیل گیا اور پھر بالآخر اسلام ہمیں لوٹ آئے گا جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ایمان سمٹ کر مدینہ کی طرف اس طرح آ جائے گا جس طرح سانپ سمٹ کر اپنی بل کی طرف آ جاتا ہے۔ غیر مسلمانوں کو جزیرۃ العرب میں بلانے کے بہت زیادہ خطرات ہیں اور نہ بھی ہوں تو کیا یہ خطرہ کم ہے کہ انہیں بلانے والا ان سے الفت و محبت کا اظہار کرے گا، ان کی طرف مائل ہو گا، ممکن ہے اس کے دل میں بھی ان کی محبت رچ بس جائے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا يَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ﴾ (المجادلة ۲۲/۵۸)

”جو لوگ اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں، تم ان کو اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان ہی کے لوگ ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان (پتھر پر لکیر کی طرح) تحریر کر دیا ہے اور فیض نبی سے ان کی مدد کی ہے۔“

اس بات کا بھی امکان ہے کہ اس کے سامنے حق و باطل میں اشتباہ پیدا ہو جائے اور وہ انہیں اپنا بھائی سمجھنے لگ جائے اور شیطان کے برکادے میں آکر کہے کہ یہ ہمارے انسانی بھائی ہیں حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ حقیقی اخوت ایمانی اخوت ہے، دین کا اختلاف ہو تو پھر کوئی اخوت نہیں حتیٰ کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی خدمت میں جب حضرت نوح علیہ السلام نے یہ عرض کیا:

﴿رَبِّ إِنِّي مِنْ أَهْلِ وَاإِنِّ وَعَدَدَكَ الْحَقُّ وَأَنْتَ أَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ﴾ (ہود ۱۱/۴۵)

”میرے پروردگار! میرا بیٹا بھی میرے گھر والوں میں سے تھا (تو اس کو بھی نجات دے) تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بہتر حاکم ہے۔“

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّكُمْ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ﴾ (ہود ۱۱/۴۶)

”وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں تھا۔“

نبی کریم ﷺ نے بھی مومن اور کافر کے درمیان ہر قسم کے تعلق کو منقطع کر دیا ہے حتیٰ کہ آپ نے فرمایا:

«لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ وَلَا الْكَافِرُ الْمُسْلِمَ» (صحیح بخاری، کتاب الفرائض، باب لا یرث المسلم، ... ح: ۶۷۶۴، صحیح مسلم، کتاب الفرائض، باب لا یرث المسلم، ... ح: ۱۶۱۴، أبو داود، کتاب الفرائض، رقم: ۲۹۰۹، والترمذی، کتاب الفرائض، رقم: ۲۱۰۷)

”مسلمان کافر کا اور کافر مسلمان کا وارث نہیں ہو سکتا۔“

جب صورت حال یہ ہے تو پھر غیر مسلموں سے میل جول رکھنا، انہیں اپنے ملکوں میں بلانا، انہیں اپنے کاموں میں شریک کرنا، ان کے ساتھ کھانا پینا اور ان کے پاس آنا جانا مسلمانوں کے دلوں سے غیرت کو ختم کر دے گا حتیٰ کہ وہ ان لوگوں سے محبت کرنے لگیں گے، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوِّيْكُمْ اَوْلِيَاءَ تَلْفُوْكُمْ اِلَيْهِمْ بِالْمُودَةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ﴾ (الممتحنہ ۱/۶۰)

”مومنو! اگر تم میری راہ میں لڑنے اور میری خوشنودی طلب کرنے کے لئے نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، تم ان کو دوستی کے پیغام بھیجتے ہو اور وہ (دین) حق سے جو تمہارے پاس آیا ہے منکر ہیں۔“

شیخ ابن عثیمین

اہل و عیال کے ساتھ سکونت کا حکم جب کہ وہ نماز نہ پڑھتے ہوں

سوال جب آدمی اپنے اہل و عیال کو نماز کا حکم دے لیکن وہ اس کی بات نہ سنیں تو کیا وہ ان کے ساتھ سکونت اختیار کرے اور مل جل کر رہے یا گھر سے نکل جائے؟

جواب اگر یہ اہل و عیال بالکل نماز نہ پڑھیں تو وہ کافر ہیں، دائرہ اسلام سے خارج ہیں، ان کے ساتھ سکونت اختیار کرنا جائز نہیں۔ اس آدمی پر واجب ہے کہ وہ انہیں دعوت دیتا رہے، الحاح و زاری کے ساتھ اور بار بار دعوت دیتا رہے شاید اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرمادے۔ تارک نماز کافر ہے۔ والعیاذ باللہ! کتاب و سنت کے دلائل، اقوال صحابہ اور صحیح نقطہ نظر کے مطابق یہی بات صحیح ہے کہ تارک نماز کافر ہے۔

فتویٰ کمیٹی

غیر مسلموں سے میل جول سے دینی غیرت ختم ہو جاتی ہے

سوال میں اردن کے ایک ایسے گھر میں مقیم ہوں، جس کے رہنے والوں کی اکثریت عیسائی بھائیوں پر مشتمل ہے۔ ہم ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر کھاتے پیتے ہیں۔ تو کیا میری نماز باطل ہے؟ اور میری اقامت ان کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟

جواب آپ کے اس سوال کے جواب سے پہلے میں ایک ضروری بات کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں اور امید ہے کہ یہ بات آپ کی زبان پر تصدوارادہ کے بغیر آئی ہوگی اور وہ یہ کہ آپ نے کہا ہے کہ ”میں عیسائی بھائیوں کے ساتھ

رہتا ہوں۔“ تو بات یہ ہے کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان کبھی بھی اخوت کا رشتہ قائم نہیں ہو سکتا کیونکہ اخوت تو ایسا اخوت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ ﴾ (الحجرات ۱۰/۴۹)

”مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔“

اگر اختلاف دین کی وجہ سے قرابت نسب ختم ہو سکتی ہے، تو اختلاف دین اور عدم قرابت کی وجہ سے اخوت کیسے باقی رہ سکتی ہے؟ جب حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا ”میرے پروردگار! میرا بیٹا بھی میرے گھر والوں میں سے تھا (تو اس کو بھی نجات دے) تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بہتر حاکم ہے۔“ تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں یہ فرمایا تھا کہ ”وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں تھا کیونکہ اس کے عمل اچھے نہ تھے۔“

مومن اور کافر کے درمیان کبھی بھی اخوت نہیں ہو سکتی بلکہ مومن پر فرض یہ ہے کہ وہ کسی بھی کافر کو دوست نہ بنائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْفُونَ لَهُم بِالْمُودَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ ﴾ (الممتحنة ۱/۶۰)

”مومنو! اگر تم میری راہ میں لڑنے اور میری خوشنودی طلب کرنے کے لیے نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم ان کو دوستی کے پیغام بھیجتے ہو اور وہ (دین) حق سے جو تمہارے پاس آیا ہے، منکر ہیں۔“

اللہ کے دشمن کون ہیں؟ اللہ کے دشمن کافر ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَائِيلَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ ﴾ (البقرة ۹۸/۲)

”جو شخص اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے پیغمبروں کا اور جبرئیل اور میکائیل کا دشمن ہو تو ایسے کافروں کا اللہ دشمن ہے۔“

نیز فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضُهُمْ يَتَوَلَّوْكُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴾ (المائدة ۵۱/۵)

”اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ جو ان کو دوست بنائے گا وہ بھی انہی میں سے ہو گا بے شک اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

لہذا کسی بھی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی بھی کافر کو خواہ وہ عیسائی ہو یا یہودی، مجوسی ہو یا ملحد کبھی بھی اپنا بھائی قرار دے۔ اے بھائی! آئندہ کسی غیر مسلم کو بھائی کہنے سے اجتناب کیجئے۔

اب اپنے سوال کا جواب ملاحظہ کیجئے جو یہ ہے کہ آپ کو غیر مسلموں کے ساتھ مل جل کر رہنے سے پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ غیر مسلموں سے میل جول آپ کے دل سے دینی غیرت کو نکال دے گا اور ممکن ہے کہ ان کی محبت و مودت آپ کے دل میں پیدا ہو جائے جب کہ ارشاد باری تعالیٰ یہ ہے کہ:

﴿ لَا يَصِدُّ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا

ءَابَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ
وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ
وَرَضُوا عَنَّا أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٢٢﴾ (المجادلة ٥٨/٢٢)

”جو لوگ اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں، تم ان کو اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے، خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان کے لوگ ہوں۔ یہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان (پتھر کی لکیر کی طرح) تحریر کر دیا ہے اور فیض نبی سے ان کی مدد کی ہے اور وہ ان کو بہشوں میں جن کے نیچے نہیں ہمہ رہی ہیں داخل کرے گا، ہمیشہ ان میں رہیں گے اللہ ان سے خوش اور وہ اللہ سے خوش، یہی گروہ اللہ کا لشکر ہے (اور) سن رکھو کہ اللہ ہی کا لشکر مراد حاصل کرنے والا ہے۔“

فتویٰ کمیٹی

عید الامن منانے کا حکم

سوال ہمارے ہاں ہر سال ۲۱ مارچ کو عید الامن کے نام سے ایک خاص عید منائی جاتی ہے، جس میں سب لوگ شریک ہوتے ہیں۔ سوال یہ ہے کیا یہ عید منانا اور اس موقع پر تحائف پیش کرنا حلال ہے یا حرام ہے؟

جواب شرعی عیدوں کے سوا باقی تمام عیدیں ایجاد بندہ اور بدعت ہیں اور عمد سلف صالح میں یہ عیدیں معروف نہ تھیں۔ بسا اوقات ان عیدوں کی ایجاد کا سراغ غیر مساموں کے سر بھی ہوتا ہے تو اس طرح ان میں بدعت کے ساتھ ساتھ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ مشابہت کا پہلو بھی ہے۔ شرعی عیدیں اہل اسلام میں معروف ہیں اور وہ عید الفطر، عید الاضحیٰ اور ہفتہ وار عید۔۔۔۔۔۔ جمعۃ المبارک۔۔۔۔۔۔ ہیں۔ ان تین کے سوا اسلام میں اور کوئی عید نہیں ہے اور جو ایجاد کر لی گئی ہیں، وہ مردود ہیں اور اللہ تعالیٰ کی شریعت کی رو سے باطل ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«مَنْ أَحَدَّثَ فِيهِ أَمْرًا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ» (صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا علی صلح ... ح: ۲۶۹۷، صحیح مسلم، کتاب الافضیة، باب نقض الاحکام الباطلة، ح: ...: ۱۷۱۸)

”جو کوئی ہمارے اس دین میں ایسی بات ایجاد کرے جو اس میں نہ ہو تو وہ مردود ہے۔“

لہذا مسائل نے جس عید کا ذکر کیا اور جسے عید الامن کے نام سے موسوم کیا، اس میں عید کے شعائر، خوشیوں اور مسرتوں کا اظہار اور تحائف کا تبادلہ وغیرہ جائز نہیں ہے۔

ہر مسلمان پر یہ فرض ہے کہ وہ اپنے دین ہی کو باعث عزت و فخر سمجھے اور اس دین قیم کے سلسلہ میں جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے پسند فرمایا ہے، انہی حدود کی پابندی کرے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے متعین فرمادی ہیں یعنی دین میں اپنی طرف سے کمی بیشی نہ کرے اور نہ ہر کس و ناکس کے پیچھے بے سوچے سمجھے اندھا دھند چل پڑے۔ مسلمان کی شخصیت اور اس کی زندگی شریعت الہی کے تابع ہونی چاہئے تاکہ وہ لوگوں کے پیچھے چلنے والا نہ ہو بلکہ لوگ اس

کے پیچھے چلنے کے لئے مجبور ہوں، وہ لوگوں کو اپنے لئے نمونہ نہ سمجھے بلکہ لوگ اسے اپنا آئیڈیل قرار دیں کیونکہ بحمد اللہ ہماری شریعت ہر اعتبار سے کامل ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضَيْتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا ﴾ (المائدة: ۳)

”آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔“

کیا ماں کا صرف یہی حق ہے کہ سال میں ایک مرتبہ اس کے نام کی عید منائی جائے اور بس! نہیں بلکہ ماں کا اس کی اولاد پر حق اس سے بہت زیادہ ہے۔ ماں کا یہ حق ہے کہ اولاد اس کی خدمت ہر وقت اور ہر جگہ بجالائے اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں۔ بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی لازم نہ آتی ہو۔۔۔ کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کرے۔

شیخ ابن عثیمین

کام کے افتتاح کے وقت فیتہ کاٹنا

سوال بعض لوگوں میں یہ رواج ہے کہ وہ اپنے مختلف منصوبوں اور سکیموں کی افتتاحی تقریبات میں فیتہ کاٹتے ہیں، بعض مسلمان فیتہ کاٹنے سے پہلے بسم اللہ پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے کام میں برکت کی دعاء بھی کرتے ہیں، کیا یہ مسلمانوں کا کوئی قدیمی رواج ہے یا یہ محض غیروں کی تقلید ہے؟ کیا اسلامی عہد میں اسلامی سکیموں کے افتتاح کے موقعہ پر اس طرح فیتہ کاٹنے کا کوئی رواج تھا؟

جواب اس عادت و رواج کی مجھے کوئی اصل معلوم نہیں اور نہ ہی اس میں کوئی فائدہ ہے۔ سابقہ زمانوں میں مسلمانوں میں اس کا قطعاً کوئی رواج نہ تھا۔ یہ محض غیر مسلم ملکوں کی اندھی تقلید ہے۔ اسلام نے کام شروع کرنے سے قبل جو طریقہ تعلیم فرمایا ہے، وہ یہ ہے کہ استخارہ کر لیا جائے، خیر و برکت کے حصول اور اللہ تعالیٰ سے منصوبہ و سکیم کی کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہونے کی دعا کرنی جائے اور پھر محنت، توجہ اور خلوص سے کام کرنا چاہئے۔ قریب و بعید کے ساتھ یکساں سلوک کرے، ملاوٹ، ظلم اور دھوکے سے بچے، امانت میں خیانت نہ کرے اور کام کاج میں اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کی امید رکھے۔ مسلمانوں کو نفع پہنچانے کی کوشش کرے اور عبادت کو ادا کر کے، تقرب الہی کے حصول کو اختیار کر کے اور محرمات کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کے حق کو بھی ادا کرے، تو اس سے امید ہے کہ منصوبے اور سکیمیں کامیابی سے ہمکنار ہوں گی اللہ تعالیٰ کاروبار میں برکت پیدا فرمائے گا، لوگوں میں بھی اس کی شہرت ہوگی اور وہ اس سے معاملہ کرنے کے خواہش مند ہوں گے اور اسے نفع اور خیر و برکت حاصل ہوگی۔ (واللہ الموفق)

شیخ ابن جبرین

غیر مسلموں کو صدقہ دینا

سوال کیا غیر مسلموں کو صدقہ دینا جائز ہے؟

جواب کافروں کو زکوٰۃ دینا تو جائز نہیں اور نفل صدقہ دینا مکروہ ہے کیونکہ اس طرح کفر پر ان کی اعانت ہے اور فرمان

باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَىٰ آلَائِكُمْ وَالْعَدُوِّنَ﴾ (المائدہ ۵/۲)

”اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کیا کرو۔“

لیکن اس طرح اگر غیر مسلم کے مسلمان ہونے کی امید ہو تو پھر اسے صدقہ دینے میں کوئی حرج نہیں، اسی طرح اگر کافر کے بھوک سے مرنے کا ڈر ہو تو پھر بھی اس کی جان بچانے کے لئے اس پر صدقہ کرنا جائز ہے تاکہ اسے اسلام کی خوبیوں کا بھی پتہ چل جائے۔

شیخ ابن جریر

غیر مسلم خادمہ کے ساتھ میل جول

سوال ہمارے گھر میں غیر مسلم خادمہ ہے تو کیا گھر کی خواتین کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اس سے میل جول رکھیں اور مل جل کر کھاپی لیں؟

جواب اس میں کوئی حرج نہیں اور علماء کے صحیح قول کے مطابق مسلم خواتین کے لئے غیر مسلم عورت سے پردہ کرنا فرض نہیں ہے لیکن یہ فرض ہے کہ اس سے اس طرح معاملہ نہ کریں جس طرح ایک مسلمان عورت سے کیا جاتا ہے بلکہ اس سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق اپنے دل میں بغض رکھیں:

﴿فَدَكَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لَقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءُؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحَدُّهُ﴾ (الممتحنہ ۴/۶۰)

”(اے اہل ایمان!) ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی ذات میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے جب انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ ہم تم سے اور ان (بتوں) سے جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو بے تعلق (بیزار) ہیں اور تمہارے (معبودوں کے کبھی) قائل نہیں (ہو سکتے) اور جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ، ہم میں تم میں ہمیشہ کھلم کھلا عداوت اور دشمنی رہے گی۔“

اگر یہ غیر مسلم خادمہ اسلام قبول نہ کرے تو گھر والوں کو چاہئے کہ اسے اس کے ملک میں واپس بھیج دیں کیونکہ یہ جائز نہیں کہ اس جزیرۃ العرب میں کوئی یہودی، عیسائی یا کوئی غیر مسلم، خواہ وہ مرد ہو یا عورت رہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے یہ وصیت فرمائی ہے کہ انہیں جزیرۃ العرب سے نکال دیا جائے اور ویسے بھی ان کے بجائے الحمد للہ مسلمان مرد اور عورتیں ہی کافی ہیں، ہمیں ان کی ضرورت ہی نہیں۔ مسلمانوں میں ان کا وجود خطرے سے خالی نہیں کیونکہ ان کی وجہ سے مسلمانوں کے عقائد و اخلاق کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے لہذا جزیرۃ العرب کے تمام مسلمانوں پر یہ فرض ہے کہ وہ یہاں خدمت اور کام کاج کے لئے صرف مسلمانوں ہی کو بلائیں تاکہ نبی کریم ﷺ کی وصیت پر عمل ہو سکے اور اخلاق و عقائد کی اس خرابی سے بچا جاسکے، جو ان کی موجودگی کی وجہ سے مسلمان مردوں اور عورتوں میں پیدا ہو سکتی ہے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ مسلمانوں کو غیر مسلموں سے بے نیاز کر دے اور ان کے شر سے محفوظ رکھے۔ (إِنَّهُ جَوَادٌ كَرِيمٌ)

شیخ ابن باز

کافر کی نجاست معنوی ہے

سوال ہم کچھ ایسے لوگوں کے ساتھ کام کرتے ہیں جو بے دین ہیں، آگ اور گائے کی پوجا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو ناپاک اور نجس قرار دیا ہے، تو سوال یہ ہے کہ ان کی نجاست کی ماہیت کیا ہے؟ کیا ہم ان سے دور رہیں، مصافحہ بھی نہ کریں اور جب وہ ناپاک ہیں تو پھر ان کے ساتھ مل کر کام کس طرح کریں؟ جن چیزوں کو وہ ہاتھ لگاتے ہیں کیا وہ ناپاک ہو جاتی ہیں؟ یاد رہے کہ یہ لوگ تجارتی مراکز میں کام کرتے ہیں اور عوام کے ساتھ ان کا میل جول ہے۔ امید ہے اس مسئلہ میں آپ مستفید فرمائیں گے؟

جواب ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ ﴾ (التوبة ۲۸/۹)

”شُرک تو پلید ہیں۔“

اور منافقین کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿ فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ إِنَّهُمْ رِجْسٌ ﴾ (التوبة ۹۵/۹)

”سوان کی طرف التفات نہ کرنا یہ ناپاک ہیں۔“

لیکن ان کی یہ نجاست معنوی نجاست ہے اور اس سے مراد ان کا ضرر، شر اور فساد ہے، اگر ان کے جسم صاف ہوں تو انہیں حسی طور پر نجس قرار نہیں دیا جاسکتا لہذا ان کے پنے ہوئے کپڑے پنے جاسکتے ہیں بشرطیکہ وہ پاک ہوں الا یہ کہ وہ کپڑے جو شرم گاہوں کے قریب استعمال ہوتے ہوں اور یہ پیشاب سے پرہیز نہ کرتے ہوں اور خصوصاً وہ لوگ جن کا ختنہ بھی نہ ہوا ہو تو ان کے کپڑے استعمال کرنا جائز نہ ہوگا، اسی طرح اگر وہ کسی نجاست میں ملوث ہوں مثلاً خنزیر کے پکانے یا شراب وغیرہ بنانے میں تو پھر یہ نجس ہوں گے لیکن ان سے مصافحہ کرنے اور ان کی بنی ہوئی چیزوں کے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ یہ معلوم ہو کہ وہ چیزیں پاک ہیں، چنانچہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کفار کی بنی ہوئی چیزوں اور ان کے بنے ہوئے کپڑے کو استعمال فرمایا کرتے تھے۔ اشیاء میں اصل تو طہارت اور پاکیزگی ہے۔

شیخ ابن جبرین

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ

حضرت زید رضی اللہ عنہ کے طلاق دینے کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے

نبی ﷺ کی شادی کے بارے میں شہادت کا ازالہ

سوال حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے شادی کا کیا قصہ ہے، جن سے بعد میں نبی ﷺ نے شادی کر لی تھی؟ شادی کیسے ہوئی اور پھر کیوں ختم ہو گئی؟ بعض عرب ملکوں میں ہم نے بعض لوگوں سے یہ سنا ہے کہ نبی ﷺ کو

حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے عشق ہو گیا تھا اور اس سلسلہ میں میں نے جو باتیں سنی ہیں، میرا ضمیر اجازت نہیں دیتا کہ میں انہیں لکھوں لہذا براہ کرم صحیح صورت حال پر روشنی ڈالیں؟

جواب زید بن حارثہ بن شراحیل کلبی، رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ نے انہیں آزاد کر کے اپنا متبنی بنا لیا تھا جس کی وجہ سے انہیں زید بن محمد کہا جاتا تھا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا:

﴿ اَدْعُوهُمْ لِأَسْمَائِهِمْ ﴾ (الاحزاب ۳۳/۵)

”مومنو! لے پا لکھو (منہ بولے بیٹوں) کو ان کے (اصلی) باپوں کے نام سے پکارا کرو۔“

تو اس آیت کے نزول کے بعد لوگوں نے انہیں زید بن حارثہ کہنا شروع کر دیا اور حضرت زینب سے مراد زینب بنت جحش بن رباب اسدیہ ہیں، ان کی والدہ کا نام امیمہ بنت عبدالمطلب ہے جو کہ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی تھیں۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے شادی کا قصہ یہ ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے یہ شادی کر دوائی تھی کیونکہ زید آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام اور متبنی تھے، آپ نے زید کی شادی کی بات کی تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں حسب و نسب کے اعتبار سے اس سے بہتر ہوں لیکن اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی:

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَىٰ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلًّا مُّبِينًا ﴾ (الاحزاب ۳۳/۳۶)

”اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی امر مقرر کر دیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہ ہو گیا۔“

تو اس آیت کے نزول کے بعد اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول اللہ ﷺ کی خواہش کے احترام میں حضرت زینب نے زید سے شادی کو منظور کر لیا اور ایک سال کے قریب حضرت زید کے ساتھ رہیں، پھر ان دونوں میاں بیوی کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے، حضرت زید نے رسول اللہ کی خدمت میں ان کی شکایت کی کیونکہ زید اگر نبی ﷺ کے آزاد کردہ غلام اور متبنی تھے تو زینب آپ ﷺ کی پھوپھی امیمہ کی بیٹی تھیں، زید نے طلاق دینے کی خواہش کا اظہار کیا لیکن نبی ﷺ نے حکم دیا کہ طلاق نہ دو بلکہ صبر کرو حالانکہ آپ کو وحی الہی سے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ زید طلاق دے دیں گے اور زینب آپ کے حوالہ عقد میں آجائیں گی لیکن آپ کو خدشہ محسوس ہوا کہ لوگ طعنہ دیں گے کہ آپ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے شادی کر لی ہے کیونکہ اس طرح کی شادی زمانہ جاہلیت میں ممنوع تھی اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے مخاطب ہو کر فرمایا:

﴿ وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَخُفِيَ فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ ﴾ (الاحزاب ۳۳/۳۷)

”اور جب تم اس شخص سے جس پر اللہ نے احسان کیا اور تم نے بھی احسان کیا (یہ) کہتے تھے کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دے اور اللہ سے ڈر اور آپ اپنے دل میں وہ بات چھپاتے تھے، جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا

اور آپ لوگوں سے ڈرتے تھے حالانکہ اللہ ہی اس کا زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس سے ڈریں۔“
یعنی اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے کہ آپ اپنے جی میں اس بات کو چھپا رہے تھے، جسے اللہ تعالیٰ نے آپ کو معلوم کروا دیا تھا کہ زید اپنی بیوی کو طلاق دے دیں گے اور پھر زینب سے آپ کی شادی ہوگی تاکہ آپ حکم الہی کے سامنے سراطعت جھکاتے ہوئے، اس کی حکمت و مصلحت کے مطابق زینب سے شادی کر لیں لیکن آپ لوگوں کی باتوں اور الزام تراشیوں سے ڈرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس سے ڈریں لہذا آپ لوگوں کی باتوں کی پرواہ کئے بغیر اس بات کا کھلم کھلا اعلان فرما دیجئے جو زید اور زینب رضی اللہ عنہما سے ان کی شادی کی بابت بذریعہ وحی بتا دیا گیا ہے۔
حضرت زید نے جب طلاق دے دی اور عدت گزر گئی تو نبی ﷺ نے حضرت زینب کو شادی کا پیغام بھیجا تو اللہ تعالیٰ نے خود ہی ولی اور گواہوں کے بغیر اپنے پیغمبر کی حضرت زینب سے شادی کر دی، بلاشبہ نبی ﷺ تمام مومنوں کے ولی ہیں بلکہ ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ﴾ (الأحزاب ۶/۳۳)

”پیغمبر نبی ﷺ مومنوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں۔“

زمانہ جاہلیت میں جو لے پالک بنانے کی عادت تھی اللہ تعالیٰ نے اسے باطل کر دیا اور مسلمانوں کے لئے یہ حلال قرار دے دیا کہ وہ اپنے لے پالکوں کی بیویوں کے ساتھ ان کے طلاق دینے یا ان کے فوت ہو جانے کی صورت میں شادی کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر رحمت فرمائی اور ان سے حرج کو دور کرنے کے لئے یہ حکم دیا۔

یہ جو بیان کیا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے زینب کو پس پردہ سے دیکھا تو اس سے ان کی محبت آپ کے دل میں گھر کر گئی، آپ کو ان سے عشق ہو گیا، حضرت زید رضی اللہ عنہ کو اس کا علم ہو گیا تو انہوں نے اپنے آپ پر نبی کریم ﷺ کو ترجیح دی اور زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی تاکہ نبی کریم ﷺ ان سے نکاح کر لیں تو یہ باتیں کسی بھی صحیح سند سے ثابت نہیں، ویسے بھی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی شان اس سے بہت اونچی، ان کے نفس عقیف، ان کے اخلاق کریمانہ اور ان کا مقام و مرتبہ اس قسم کی باتوں سے بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہوتا ہے اور پھر نبی کریم ﷺ نے خود اپنی پھوپھی زاد زینب کا رشتہ حضرت زید کے لئے طلب کیا تھا، اگر آپ کے دل میں حضرت زینب کے بارے میں ایسی کوئی بات ہوتی تو آپ شروع ہی میں یہ رشتہ زید کی بجائے اپنے لئے طلب فرما لیتے خصوصاً جبکہ شروع میں حضرت زینب نے اس سے انکار بھی کر دیا تھا اور آپ اس وقت راضی ہوئیں جب اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمانہ جاہلیت کی عادات کو ختم کرنے کے لئے ایک تدبیر اور فیصلہ تھا اور لوگوں کے لئے اس میں تخفیف اور رحمت کا پہلو تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَمَّا قَضَىٰ زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ﴿٧٧﴾ مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلُ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَّقْدُونًا ﴿٧٨﴾ الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَحْشُونَكُمْ وَلَا يَحْشُونَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ﴿٣٩﴾ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٥١﴾﴾ (الأحزاب ۳۳/۴۰-۴۱)

”پھر جب زید اس سے اپنی حاجت پوری کر چکا (یعنی اس کو طلاق دے دی) تو ہم نے اس (مطلقہ خاتون) کا آپ سے نکاح کر دیا تاکہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے ساتھ نکاح کرنے کے بارے میں کوئی تنگی نہ رہے جب وہ ان سے اپنی حاجت پوری کر چکے ہوں (یعنی طلاق دے دیں) اور اللہ تعالیٰ کا حکم واقع ہو کر رہنے والا تھا۔ نبی ﷺ پر کسی ایسے کام میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر کر دیا ہو۔ جو انبیاء کرام پہلے گزر چکے ہیں ان کے معاملے میں بھی اللہ تعالیٰ کا یہی دستور رہا ہے۔ اور اللہ کا حکم ایک قطعی طے شدہ فیصلہ ہوتا ہے۔ (یہ اللہ تعالیٰ کا دستور ہے ان لوگوں کے لیے) جو اللہ کے پیغامات (جو ان کے توں) پہنچاتے اور اسی سے ڈرتے رہے اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے اور اللہ ہی حساب لینے کے لیے کافی ہے۔ محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔“

فتویٰ کمیٹی

نبی ﷺ پر زندگی میں ایک بار درود بھیجنا تو فرض ہے

سوال بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نبی کریم ﷺ پر ایک بار درود بھیجنا فرض ہے اور باقی مستحب ہو گا، اس مسئلہ کی وضاحت فرمادیں؟

جواب یقیناً نبی ﷺ کی ذات گرامی پر صلوة و سلام بھیجنا فرض ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ سے ثابت ہے کہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (الأحزاب ۳۳/۵۶)

”مومنو! تم بھی پیغمبر پر درود اور سلام بھیجا کرو۔“

اصول یہ ہے کہ امر و وجوب کے لئے ہوتا ہے اور جب آیت کریمہ سے تکرار کا وجوب ثابت نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ زندگی بھر میں کم از کم ایک بار درود پڑھنا تو فرض ہے اور بار بار پڑھنا مستحب ہے کیونکہ بہت سی احادیث میں درود کی ترغیب دی گئی ہے ہاں البتہ ان مقامات میں درود شریف پڑھنا واجب ہو گا جہاں درود پڑھنا احادیث میں واجب قرار دیا گیا ہے۔ ((وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

فتویٰ کمیٹی

وفات کے بعد نبی کریم ﷺ کو پکارنا اور آپ سے مدد مانگنا شرک اکبر ہے

سوال کیا نبی کریم ﷺ کو کسی حاجت کے لئے پکارنا یا آلام و مصائب میں آپ سے مدد مانگنا، آپ کی قبر شریف کے قریب یا دور سے پکارنا شرک قبیح ہے یا نہیں؟

جواب نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد آپ کو پکارنا آپ سے فریاد کرنا اور حاجتوں کے پورا کرنے اور مشکلات کے ازالہ کے لئے آپ سے مدد طلب کرنا شرک اکبر ہے، جس سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، خواہ کوئی آپ کی قبر شریف کے پاس سے آپ کو پکارے یا دور سے مثلاً یوں کہے کہ: ”یا رسول اللہ مجھے شفاء عطا فرما دیجئے۔“ یا میرے غائب کو

واپس لوٹا دیجئے وغیرہ تو یہ شرک ہے۔

فتویٰ کمیٹی

نبی کریم ﷺ پر سلام کے وقت کھڑا ہونا

سوال

کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لوگوں کو نبی کریم ﷺ پر سلام کے موقع پر کھڑا ہونے سے منع کیا کرتے تھے؟

جواب

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی پر سلام کے وقت کھڑا ہونے کی مطلقاً عادت نہ تھی، وہ آپ کی قبر کی زیارت کے وقت کھڑا ہوتے نہ کسی دوسرے وقت اور نہ ان کا یہ معمول تھا کہ جب بھی مسجد نبوی میں آئیں تو کھڑے ہو کر سلام بھی پڑھیں ہاں البتہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ وہ جب سفر سے واپس آتے تو مسجد نبوی میں داخل ہوتے اور نماز سے فراغت کے بعد رسول اللہ ﷺ کی قبر شریف کے پاس آتے اور سلام پڑھتے۔
(وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم)

فتویٰ کمیٹی

نبی ﷺ کی ذات گرامی پر سلام

سوال

جب سلام بدعت حسنة ہے تو کیا لوگوں کو نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی پر سلام کرنے سے منع کرنا چاہئے؟

جواب

نہیں! رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی اور دیگر حضرات انبیاء کرام رضی اللہ عنہم پر صلوة و سلام پڑھنا بدعت حسنة نہیں ہے، جیسا کہ سائل نے اپنے سوال میں ذکر کیا ہے بلکہ یہ حکم شریعت ہے جیسا کہ اولہ شرعیہ سے یہ ثابت ہے لہذا لوگوں کو صلوة و سلام سے منع نہیں کرنا چاہئے الا یہ کہ کسی ایسے طریقے سے پڑھا جائے جو سلف صالح، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے عہد میں معروف نہ ہو مثلاً جیسا کہ مؤذن اذان کے بعد جبری آواز میں پڑھے یا کچھ لوگ مخصوص اوقات میں جمع ہو کر صلوة و سلام پڑھیں تو یہ سلف صالح سے ثابت نہیں ہے تو اس انداز سے پڑھنا بدعت ہو گا جب کہ مطلق صلوة و سلام پڑھنا حکم شریعت ہے۔ (وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم)

فتویٰ کمیٹی

کیا نبی ﷺ نور من نور اللہ تھے؟

سوال

کیا حضرت محمد ﷺ کا نور اللہ کے نور میں سے تھا یا کسی اور نور سے تھا؟

جواب

نبی کریم ﷺ کو جو نور حاصل تھا اس سے مراد نور رسالت و ہدایت ہے، اس نور سے اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کی آنکھوں کو چاہا ہدایت سے سرفراز فرمایا اور بے شک نور رسالت و ہدایت اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكَلِمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَائِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بآيَاتِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلَىٰ حَكِيمٍ مُّبِينٍ ﴿٥١﴾ وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحَنَا مِنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ

وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا نَهْدِي بِهِءَ مَنْ نَشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٥١﴾ صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ أَلَا إِلَى اللَّهِ تَصِيرُ الْأُمُورُ ﴿٥٢﴾ (الشورى ٤٢/٥١-٥٢)

”اور کسی آدمی کے لئے ممکن نہیں کہ اللہ اس سے بات کرے مگر الہام (کے ذریعے) سے یا پردے کے پیچھے سے یا کوئی فرشتہ بھیج دے تو وہ اللہ کے حکم سے جو اللہ چاہے القاء کرے۔ بے شک وہ عالی مرتبہ (اور حکمت والا ہے اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرف روح القدس کے ذریعے سے (قرآن) بھیجا ہے، آپ نہ تو کتاب کو جانتے تھے اور نہ ایمان کو لیکن ہم نے اس کو نور بنایا ہے کہ اس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور بے شک (اے محمد ﷺ!) تم سیدھا راستہ دکھاتے ہو (یعنی اللہ کا راستہ جو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کا مالک ہے دیکھو! سب کام اللہ کی طرف لوٹیں گے اور وہی ان میں فیصلہ کرے گا۔“

رسول اللہ ﷺ کو یہ نور ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا ہے، آپ نے اس کا آئینہ خاتم الاولیاء سے نہیں کیا جیسا کہ بعض طغرائی لوگ یہ گمان کرتے ہیں۔

باقی رہا آپ کا جسم مبارک تو وہ خون، گوشت اور ہڈیوں ہی سے بنا ہوا تھا، قانون فطرت کے مطابق اپنے ماں باپ کے گھر آپ کی ولادت باسعادت ہوئی، ولادت باسعادت سے قبل آپ کی تخلیق نہیں ہوئی اور جو یہ روایت کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کے نور کو پیدا فرمایا، یا جو یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے چہرہ کے نور سے ایک مٹھی پکڑی اور فرمایا یہ مٹھی بھر نور محمد ﷺ ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے اس مٹھی کی طرف دیکھا تو اس سے قطرے گرنے لگ گئے اور اس ہر قطرے سے اللہ تعالیٰ نے ایک نبی پیدا فرمایا یا تمام مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے نور محمدی سے پیدا کیا تو یہ روایات نبی ﷺ سے قطعاً ثابت نہیں ہیں۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے ”مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ رحمہ اللہ جلد ۱۸ صفحہ ۳۶۶ اور بعد کے صفحات۔ ((وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

فتویٰ کمیٹی

کیا نبی کریم ﷺ علم غیب جانتے ہیں؟

کیا نبی کریم ﷺ حاضر و ناظر ہیں یعنی علم غیب جانتے ہیں کہ آپ کے نزدیک حاضر و غائب یکساں ہوں؟

سوال

امور غیب کے بارے میں اصل بات یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، ارشاد باری

جواب

تعالیٰ ہے:

﴿ وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يُعَلِّمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنَ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظِلْمٍ إِلَّا رُطْبٌ وَلَا يَأْمُرُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿٥٩﴾ (الأنعام/٥٩)

”اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں، جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اسے جنگلوں اور دریاؤں کی سب چیزوں کا علم ہے اور کوئی پتا نہیں جھڑتا مگر وہ اس کو جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی ہری یا سوکھی چیز نہیں ہے مگر کتاب روشن میں (لکھی ہوئی) ہے۔“

اور فرمایا:

﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ﴾ (النمل ۲۷/۶۵)

”اے پیغمبر! کہہ دیجئے کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ کے سوا غیب کی باتیں نہیں جانتے اور نہ یہ جانتے ہیں کہ کب (زندہ کر کے) اٹھائے جائیں گے۔“

ہاں البتہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے غیب کی جس بات پر چاہتا ہے مطلع فرما دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿عَلَّمَ الْغَيْبَ فَلَا يَظْهَرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا﴾ (الجن ۷۲/۲۶-۲۷)

”وہی غیب کی بات جاننے والا ہے اور کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا ہاں جس پیغمبر کو پسند فرمائے تو اس کو غیب کی باتیں بتا دیتا اور اس کے آگے اور پیچھے نگہبان مقرر کر دیتا ہے۔“

اور فرمایا:

﴿قُلْ مَا كُنْتُ بِدَعَاٍ مِنَ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ إِنِ أُنِيعَ إِلَّا مَا يُوْحَىٰ إِلَيَّ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ﴾ (الأحزاب ۹/۴۶)

”کہہ دیجئے کہ میں کوئی انوکھا رسول نہیں آیا اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا؟ میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی آتی ہے اور میرا کام تو صاف صاف (کھلم کھلا) ڈرانا ہے۔“

بطریق ام العلاء ایک طویل حدیث میں ہے کہ:

«لَمَّا تَوَفَّيَ عُمَرَانُ بْنُ مَطْعُونٍ أَدْرَجَنَا فِي أَثْوَابِهِ، فَدَخَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، فَقُلْتُ: رَحْمَةُ اللَّهِ عَلَيْكَ أَبَا السَّائِبِ، شَهَادَتِي عَلَيْكَ لَقَدْ أَكْرَمَكَ اللَّهُ عَزَّوَجَلَّ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: وَمَا يَدْرِيكَ أَنَّ اللَّهَ أَكْرَمَهُ؟ فَقُلْتُ لَا أَدْرِي بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: أَمَّا هُوَ فَقَدْ جَاءَهُ الْيَقِينُ مِنْ رَبِّهِ، وَإِنِّي لَأَرْجُو لَهُ الْخَيْرَ، وَاللَّهُ مَا أَدْرِي وَأَنَا رَسُولُ اللَّهِ مَا يُفْعَلُ بِي، فَقُلْتُ: وَاللَّهِ لَا أُرْكَئِي بَعْدَهُ أَحَدًا أَبَدًا» (صحيح بخاري، كتاب

الجنَّة، باب الدخول على الميت بعد الموت إذا ادرج في اكلته، ح: ۱۲۴۳، ۲۶۸۷، ۳۹۲۹، ۷۰۰۳)

”جب حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اور ہم نے انہیں کفن پہنا دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے کہا اے ابو سائب! (حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی کنیت) اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت فرمائے میری آپ کے بارے میں گواہی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عزت بخشی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا ”تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عزت بخشی ہے؟ میں نے عرض کیا: ”میرے ہاں باپ آپ پر شاعر مجھے تو معلوم نہیں۔“ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”عثمان کے پاس ان کے رب کی طرف سے یقین آیا اور مجھے ان کے بارے میں خیر کی امید ہے اور اللہ کی قسم! مجھے بھی یہ معلوم نہیں کہ میرے

ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا حالانکہ میں اللہ کا رسول ہوں۔“ میں نے عرض کیا: ”واللہ! اس کے بعد میں کبھی بھی کسی کو پاک قرار نہ دوں گی۔“

ایک دوسری روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ:

«مَا أَذْرِي وَأَنَا رَسُولُ اللَّهِ مَا يُفْعَلُ بِهِ» (صحیح بخاری، کتاب التعبیر، باب العين الجارية

فی المنام، ح: ۷۰۱۸

”مجھے نہیں معلوم کہ اسکے ساتھ کیا سلوک ہو گا حالانکہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔“

اور بہت سی احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے انجام سے مطلع فرما کر انہیں جنت کی بشارت بھی سنادی تھی۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی مشہور حدیث میں ہے کہ جب حضرت جبریل نے نبی ﷺ سے قیامت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا:

«مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ» (صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب سؤال جبریل النبی ﷺ

عن الایمان... ح: ۵۰، صحیح مسلم، کتاب الایمان، ح: ۸)

”اس کے بارے میں سائل کو مسؤل سے زیادہ علم نہیں ہے“

پھر آپ نے جبریل رضی اللہ عنہ کو قیامت کی چند نشانیوں کے بارے میں ضرور بتلایا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو بس اتنا علم غیب تھا جتنا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معلوم کروا دیا تھا، اسی کے بارے میں آپ نے بوقت ضرورت بتایا، غیب کے باقی امور جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہیں بتایا، ان کے بارے میں آپ ﷺ کو علم نہ تھا۔

فتویٰ کمیٹی

کیا نبی کریم ﷺ میت کے پاس تشریف لاتے ہیں؟

کیا نبی کریم ﷺ میت کے پاس خود بنفس نفیس تشریف لاتے ہیں یا آپ کی صورت دکھائی جاتی ہے؟

سوال

نبی ﷺ کی تشریف آوری ان غیبی امور میں سے ہے جو تو قیفی ہیں، ان کا علم صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بتائے لہذا کسی نص شرعی کے بغیر ان امور میں غور و خوض کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ کسی بھی آیت یا حدیث سے قطعاً ثابت نہیں ہے کہ آپ ﷺ خود بنفس نفیس یا آپ کی صورت میت کے پاس تشریف لاتی ہے۔ ہاں البتہ یہ ضرور ثابت ہے کہ قیامت کے دن لوگ آپ کے پاس جمع ہو کر یہ درخواست کریں گے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے پاس ان کی سفارش کریں یا قیامت کے دن سے متعلق اس طرح کی دیگر باتیں جو نبی ﷺ سے ثابت ہیں اور جو آپ کے خصائص میں سے ہیں۔

فتویٰ کمیٹی

رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر درود شریف

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحَدَهُ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ - اَمَّا بَعْدُ
اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو تمام جنوں اور انسانوں کی طرف بشیر و نذیر، داعی الی اللہ اور سراج

مشر بننا کر مبعوث فرمایا نیز آپ کو ہدایت، رحمت، دین حق اور اس شخص کے لئے دنیا و آخرت کی سعادت بنا کر مبعوث فرمایا جو آپ پر ایمان لائے، آپ سے محبت کرے اور آپ کے نقش راہ کی پیروی کرے۔ آپ نے پیغام رسالت کو پہنچا دیا، امانت کو ادا فرما دیا، امت کی خیر خواہی فرمائی اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اس طرح جہاد کیا جس طرح جہاد کرنے کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بہترین، احسن اور اکمل جزا سے سرفراز فرمائے!

رسول اللہ ﷺ کی اطاعت، آپ کے امر کی فرمانبرداری اور آپ کے نبی سے اجتناب، اسلام کے اہم فرائض میں سے ہے اور آپ کی رسالت کا یہی مقصود ہے۔ آپ کی نبوت و رسالت کی شہادت کا تقاضا ہے کہ آپ سے محبت کی جائے، آپ کی اتباع کی جائے، ہر مناسبت اور آپ کے ذکر خیر کے موقع پر آپ کی ذات گرامی پر درود بھیجا جائے کہ اس طرح آپ ﷺ کا کچھ حق بھی ادا ہو گا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہماری طرف مبعوث فرما کر ہم پر جو احسان عظیم فرمایا، اس کا کچھ شکر بھی ادا ہو جائے گا۔

حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی پر درود شریف پڑھنے کے بہت سے فوائد ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ موافقت ہو جاتی ہے نیز اس کے فرشتوں کے ساتھ بھی موافقت ہو جاتی ہے؛ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (۱۶)

(الأحزاب ۳۳/۵۶)

”اللہ اور اس کے فرشتے پیغمبر پر درود بھیجتے ہیں۔ مومنو! تم بھی پیغمبر پر درود اور سلام بھیجا کرو۔“

درود شریف پڑھنے سے بے حد اجر و ثواب ملتا ہے، دعاء کی قبولیت کی امید ہو جاتی ہے، درود شریف پڑھنے سے برکت حاصل ہوتی ہے اور نبی ﷺ کی محبت میں دوام، اضافہ اور ترقی ہو جاتی ہے۔ درود شریف پڑھنے سے بندے کو ہدایت اور اس کے دل کو زندگی نصیب ہوتی ہے۔ جو انسان بکثرت درود شریف پڑھے گا اور آپ کا کثرت سے ذکر کرے گا، اس کے دل میں نبی ﷺ کی محبت کو غلبہ حاصل ہو جائے گا حتیٰ کہ اس کے دل میں آپ کے ارشادات کے بارے میں کوئی تعارض اور آپ کے لئے ہوئے دین و شریعت کے بارے میں کوئی شک باقی نہ رہے گا۔

بہت سی احادیث مبارکہ سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے درود شریف پڑھنے کی بہت ترغیب دلائی ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ عَشْرًا» (صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب الصلاة علی

النبي ﷺ بعد النشہد، ح: ۴۰۸، اخروجه احمد فی المسند، ۳۷۲/۲، والنسائی فی السنن، ح: ۱۲۹۷)

”جو شخص مجھ پر ایک بار درود پڑھے گا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قُبُورًا وَلَا تَجْعَلُوا قَبْرِي عَيْنًا، وَصَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِي

حَيْثُمَا كُنْتُمْ» (سنن ابی داؤد، کتاب المناسک، باب زیارة القبور، ح: ۲۰۴۲، ومسنند أحمد، ۳۶۷/۲)

”اپنے گھروں کو قبریں نہ بنانا اور میری قبر کو میلہ نہ بنانا اور مجھ پر درود پڑھتے رہنا، تمہارا درود مجھے پہنچ جائے گا“

خواہ تم کہیں بھی ہو۔“

نیز آپ نے فرمایا:

«رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ ذُكِرَتْ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيَّ» (جامع الترمذی، کتاب اللعوات، باب رَغِمَ أَنْفُ

رجل ذکرت عنده... ح: ۳۵۴۵، ومسند احمد ۲/۲۵۴)

”اس شخص کی ناک خاک آلودہ ہو جس کے پاس میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے۔“

شریعت کا حکم ہے کہ نبی ﷺ پر تشہد میں، خطبوں میں، دعاؤں میں، استغفار میں، اذان کے بعد، مسجد میں داخل ہوتے وقت، مسجد سے نکلنے وقت، آپ کے ذکر خیر کے وقت اور دیگر مواقع پر درود شریف پڑھا جائے۔ جب کسی کتاب، تصنیف، رسالہ یا مقالہ میں آپ ﷺ کا اسم گرامی آئے تو اس کے ساتھ درود شریف لکھنے کی بے حد تاکید ہے جیسا کہ سابقہ دلائل سے ثابت ہوتا ہے اور پھر درود شریف کے الفاظ پورے لکھنے چاہئیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو درود پڑھنے کا حکم دیا ہے تو اس سے مراد مکمل درود ہے، قارئین کو بھی چاہئے کہ وہ جب بھی آپ ﷺ کا کسی کتاب یا رسالہ میں اسم پاک پڑھیں تو درود شریف بھی پڑھیں۔ درود شریف لکھنے ہوئے صلوة و سلام کے مکمل الفاظ لکھنے چاہئیں اور صرف کلمہ (ص) یا (صلعم) یا اس طرح کے دیگر رموز پر اکتفاء نہیں کرنا چاہئے جیسا کہ بعض اہل قلم اور مصنفین کی یہ عادت ہے کیونکہ اس طرح اللہ تعالیٰ کے ارشاد: «صَلُّوا عَلَيَّ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا» کی مخالفت لازم آئے گی۔ (ص) یا (صلعم) لکھنے سے مقصود حاصل نہ ہو گا اور صلوة و سلام کے مکمل الفاظ یعنی صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے میں جو فضیلت ہے وہ بھی ختم ہو جائے گی۔ رموز انداز میں درود لکھنے کو بسا اوقات قارئین سمجھ بھی نہیں سکتے، اسی لئے اہل علم نے اسے مکروہ قرار دیا اور اس سے اجتناب کی تلقین کی ہے۔

حافظ ابن الصلاح رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”علوم الحدیث“ جو ”مقدمہ ابن الصلاح“ کے نام سے معروف ہے، کے نوع نمبر

۲۵ میں جو کتابت حدیث اور کیفیت ضبط کتابت کے بارے میں ہے۔ لکھا ہے کہ:

”رسول اللہ ﷺ کے ذکر خیر کے موقع پر آپ کی ذات گرامی پر نہایت التزام کے ساتھ درود شریف لکھا جائے اور آپ ﷺ کے اسم گرامی کے بار بار آنے کی وجہ سے بار بار درود شریف لکھنے سے اکتانا نہیں چاہئے، یہ ایک بہت بڑا فائدہ ہے جسے حدیث کے طالب علم اور لکھنے والے فوراً حاصل کر لیتے ہیں۔ جو شخص درود شریف لکھنے میں غفلت کرے گا وہ ایک عظیم ترین سعادت سے محروم ہو جائے گا۔ کثرت سے درود شریف لکھنے والوں کے لئے ہم نے بڑے اچھے اچھے خواب دیکھے ہیں۔ آدمی جب درود شریف کے الفاظ لکھتا ہے تو یہ ایک دعاء ہے، جسے وہ کتاب یا رسالہ میں ثبت کر رہا ہوتا ہے، یہ کلام نہیں جسے وہ روایت کر رہا ہو لہذا اگر اصل کتاب میں، جس سے وہ نقل کر رہا ہو درود شریف کے الفاظ مکمل نہ بھی لکھے ہوں تو اسے چاہئے کہ ان پر اکتفاء نہ کرے بلکہ درود شریف کے الفاظ مکمل لکھے۔“

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی کے لئے بھی ثناء کے الفاظ ”عزوجل، تبارک و تعالیٰ“ اور اسی طرح کے دیگر الفاظ

بھی مکمل لکھے حافظ ابن الصلاح رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ صلوة و سلام کے لکھنے میں دو تقصوں سے اجتناب کرنا چاہئے ایک تو صوری نقص یعنی صلوة و سلام کے مکمل الفاظ نہ لکھے بلکہ دو حرفوں کے ساتھ محض اشارہ پر اکتفاء کرے اور دوسرا

معنوی نقص اور وہ یہ کہ صرف صلوٰۃ لکھے اور سلام نہ لکھے۔ جزہ کنانی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں حدیث لکھتے ہوئے جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی آتا تو صرف ”صلی اللہ علیہ“ لکھتا اور ”وسلم“ نہ لکھتا تو خواب میں مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”کیا بات ہے تم مجھ پر پورا درود کیوں نہیں بھیجتے؟“ فرماتے ہیں اس کے بعد پھر میں نے ایسا کبھی نہ کیا بلکہ پورا درود شریف لکھا یعنی ”صلی اللہ علیہ وسلم“۔ حافظ ابن الصلاح فرماتے ہیں کہ ”میرے نزدیک تو یہ مکروہ ہے کہ صرف ”علیہ السلام“ پر اکتفاء کیا جائے۔“ واللہ اعلم۔ یہ ابن الصلاح رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا خلاصہ ہے۔

علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ”فتح المغیث فی شرح النبیۃ الحدیث للعراقی“ میں فرماتے ہیں کہ ”اے کاتب اس بات سے اجتناب کرو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر صلوٰۃ و سلام کے لئے رمز و اشارہ سے کام لو اور دو حرفوں پر اکتفا کرو تو اس طرح یا تو صوری طور پر نقص ہو گا یا معنوی طور پر، جس طرح کسائی اور جاہل ابناء عجم کی اکثریت کا معمول ہے اور عام طلبہ بھی اس طرح کرتے ہیں کہ وہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے (ص) یا (صم) یا (صلم) لکھ دیتے ہیں۔ تو اس طرح نقص کتابت کی وجہ سے اجر بھی کم ملے گا اور یہ خلاف اولیٰ بھی ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”تدریب الراوی فی شرح تقریب النوادی“ میں لکھا ہے کہ ہر وہ جگہ جہاں شریعت نے درود پڑھنے کا حکم دیا ہے وہاں صرف صلوٰۃ یا صرف سلام پر اکتفاء کرنا مکروہ ہے جیسا کہ ”شرح مسلم وغیرہ“ میں ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ((صلوا علیہ وسلموا تسلیما.....)) ایک یا دو حرف کے ساتھ رمز و اشارہ پر اکتفاء بھی مکروہ ہے مثلاً یوں لکھا جائے ”صلعم“ بلکہ صلوٰۃ و سلام کو مکمل لکھنا چاہئے۔

ہر مسلمان، قاری اور کاتب کو میری وصیت یہ ہے کہ وہ اس بات کو حاصل کرے جو افضل ہو، اس کی جستجو کرے جس میں اجر و ثواب زیادہ ہو اور اس سے دور رہے جس سے اس کا عمل باطل یا ناقص ہو۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اپنی رضا کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ((انہ جواد کریم)) (او صلی اللہ و سلم علی نبینا محمد وآلہ و صحبہ)

شیخ ابن باز

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تعدد ازواج

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد عورتوں سے شادی کرنے میں کیا حکمت تھی؟

سوال

اللہ تعالیٰ ہی کی حکمت بالغہ ہے، اس نے اپنی حکمت کے تحت سابقہ شریعتوں میں بھی اور ہمارے نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں بھی مردوں کو یہ اجازت دی ہے کہ وہ ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کر سکتے ہیں۔ تعدد ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا خاصہ نہ تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی دو بیویاں تھیں۔ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کی نانوںے بیویاں تھیں۔ ایک بار اس امید سے آپ ایک رات میں ان سب کے پاس گئے کہ ان میں سے ہر ایک ایک بچے کو جنم دے گی جو بڑے ہو کر اللہ کے راستہ میں جہاد کریں گے۔

جواب

تعدد ازواج شریعت میں کوئی نئی بات ہے نہ یہ عقل و فطرت کے تقاضا کے خلاف ہے بلکہ یہ عین حکمت و مصلحت کے تقاضا کے مطابق ہے۔ اعداد و شمار سے ثابت ہے کہ عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہوتی ہے اور بسا اوقات مرد میں

اس قدر قوت و طاقت ہوتی ہے، جس کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک سے زیادہ عورتوں سے شادی کرے تاکہ وہ حرام کے بجائے حلال طریقے سے اپنی خواہش نفس کو پورا کر سکے۔ بسا اوقات عورت کو حیض و نفاس جیسے امراض کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے مرد اپنی جنسی خواہش کی تکمیل نہیں کر سکتا اب دو ہی صورتیں باقی ہوتی ہیں یا تو اس کے پاس دوسری بیوی ہو یا وہ حرام کاری کا ارتکاب کرے، شریعت اس صورت میں تعدد ازواج ہی کی حمایت کر سکتی ہے تو تعدد ازواج جب عقلی، فطری اور شرعی طور پر جائز ہے، سابقہ انبیاء کرام کا عمل بھی اس کے مطابق ہے اور کبھی اس کی شدید ضرورت و حاجت بھی پیش آجاتی ہے تو پھر اس میں تعجب کی کون سی بات ہے اگر ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ نے ایک سے زیادہ شادیاں کی ہیں!

آنحضرت ﷺ کی ان تعدد ازواج کے بارے میں علماء نے اور بھی کئی حکمتیں اور مصلحتیں بیان فرمائی ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ آپ ﷺ اس طرح اپنے اور بعض قبائل کے درمیان تعلقات کو مضبوط و مستحکم کرنا چاہتے تھے تاکہ ان مضبوط روابط کی وجہ سے اسلام کو تقویت حاصل ہو، اس سے اسلام کی نشر و اشاعت میں مدد ملے کیونکہ رشتہ مصاہرت سے اخوت، محبت اور الفت کے جذبات میں اضافہ ہوتا ہے۔ دوسری مصلحت یہ ہے کہ آپ ﷺ بعض بیوہ خواتین کو سہارا اور ان کے فوت شدہ شوہروں کا نعم البدل مہیا کرنا چاہتے تھے تاکہ ان کی دلجوئی کی جاسکے اور ان کے مصائب کو کم کیا جاسکے، اس طرح آپ ﷺ نے امت کے لئے یہ سنت قائم کی کہ وہ ان خواتین سے احسان کا سلوک کرتے ہوئے انہیں اپنے حوالہ عقد میں لے لیں جن کے شوہر جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے ہوں۔ تیسری مصلحت نسل انسانی میں اضافہ اور امت کی تعداد کو بڑھانا مقصود تھا تاکہ آنے والی نسل دین کی نصرت اور نشر و اشاعت کے پرچم کو تھام سکے۔

نبی ﷺ کے تعدد ازواج کے پس پردہ محض جذبہ شہوت کارفرمانہ تھا، اس کی ایک بہت بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا کسی بھی دوسری کنواری یا چھوٹی عمر کی خاتون سے شادی نہیں کی بلکہ دیگر تمام ازواج مطہرات شوہر دیدہ تھیں، اگر تعدد ازواج سے آپ ﷺ کا مقصود محض جنسی جذبہ کی تسکین ہوتا تو آپ یقیناً کنواری خواتین سے شادیاں فرماتے خصوصاً ہجرت کے بعد جب کہ آپ ﷺ کو بہت سی فتوحات حاصل ہو گئی تھیں، اسلامی ریاست قائم ہو گئی تھی، مسلمانوں کی تعداد میں بہت اضافہ اور انہیں بہت شوکت و قوت حاصل ہو گئی تھی اور ہر قبیلہ آپ ﷺ سے رشتہ مصاہرت کا خواہش مند بھی تھا اور وہ چاہتا تھا کہ آپ ﷺ اس میں ضرور شادی کریں لیکن آپ ﷺ نے ایسا نہ کیا بلکہ آپ ﷺ نے بلند ترین مقاصد اور اعلیٰ ترین اغراض کے پیش نظر شادیاں کیں جیسا کہ ازواج مطہرات میں سے ایک ایک کے حالات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ نیز اگر آپ ﷺ کا مقصد محض جنسی جذبہ کی تسکین ہوتا تو آپ ﷺ یہ شادیاں شباب (جوانی) و قوت کے دور میں کرتے حالانکہ اس دور میں آپ ﷺ کے پاس ایک ہی زوجہ کریمہ یعنی خدیجہ بنت خویلد تھیں جو آپ ﷺ سے عمر میں بھی بڑی تھیں اور اگر یہ بات ہوتی تو آپ ﷺ ازواج مطہرات سے عدل و انصاف کا معاملہ بھی نہ فرماتے کیونکہ وہ حسن و جمال کے اعتبار سے ایک دوسری سے مختلف تھیں لیکن آپ ﷺ کی سیرت مطہرہ سے جو بات معلوم ہوتی ہے، وہ ازواج مطہرات کے مابین کمال درجے کا عدل و انصاف ہے جو آپ ﷺ کے کمال عفت، امانت، عمد شباب و کبر سن ہر حال میں کمال حفاظت و صیانت، پاک دامنی اور بلندی اخلاق پر دلالت کنال ہے اور اس بات کا بین ثبوت کہ آپ ﷺ نے تمام حالات میں حد درجہ استقامت کا ثبوت دیا جس کے آپ ﷺ کے دشمن بھی قائل تھے۔

فتویٰ کمیٹی

نبی ﷺ کی محبت صرف ایک ہی رات کے لئے تو نہیں ہونی چاہئے

سوال میلاد النبی منانے کا کیا حکم ہے؟ براہ کرم تفصیل سے جواب دیجئے، آج کل اس موضوع پر بہت گفتگو ہو رہی ہے یہ قطعاً ثابت نہیں کہ نبی ﷺ نے کبھی اپنا یوم میلاد منایا ہو یا کسی اور کا یوم میلاد منایا ہو اور بہترین طریقہ تو حضرت محمد ﷺ ہی کا طریقہ ہے، جب آپ ﷺ نے اس رات کو نہیں منایا تو معلوم ہوا کہ اس رات کی دوسری راتوں پر کوئی فضیلت نہیں ہے اور اگر اسے کوئی فضیلت حاصل بھی ہے تو یہ صرف اس رات کی فضیلت ہے جس میں آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی نہ کہ بعد میں آنے والے سالوں کی ہر اس رات کو فضیلت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دین کی تکمیل فرمادی ہے اور نبی ﷺ نے مکمل دین کو امت تک پہنچا دیا ہے، اگر اس رات کے منانے کا کوئی شرعی حکم ہوتا یا سنت ہوتا اور آپ ﷺ نے اسے بیان نہ فرمایا، اس رات کو خود منایا، نہ منانے کا حکم دیا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا نخواستہ آپ ﷺ کے زمانہ میں دین ناقص تھا اور جس بات کا امت تک پہنچانا آپ ﷺ پر فرض تھا، آپ نے اسے امت سے چھپایا۔ دوسری طرف صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَحَدَّثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ» (صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب إذا اصطلحو
 علی صلح ... ح: ۲۶۹۷، صحیح مسلم، کتاب الاقضية، باب نقض الاحکام الباطلة، ح: ۱۷۱۸)

”جو ہمارے اس دین میں کوئی ایسی نئی بات پیدا کرے جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔“

بلاشک و شبہ اس رات کو منانا ایک ایسا عمل ہے جو رسول اللہ ﷺ کے بعد شروع ہوا ہے، یہ دین میں اپنی طرف سے اضافہ ہے اور دین سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے لہذا یہ بدعت ہے اور ہر بدعت ضلالت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس رات کو نبی ﷺ نے منایا، نہ خلفاء راشدین نے اور نہ بعد کے ائمہ دین نے اس رات کو منایا۔ اس رات کو منانے کا آغاز چوتھی صدی ہجری میں بعض رافضیوں نے کیا تھا اور اس سے ان کا مقصد زمانہ جاہلیت کی بعض عادتوں کا احیاء تھا، مسلمانوں کو گمراہ کرنا تھا، اس دور کے بہت سے لوگوں نے اس رات کو منانا شروع کر دیا اگرچہ جمہور اس کے خلاف تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی محبت ہر مسلمان پر فرض ہے اور یہ بھی فرض ہے کہ یہ محبت سارے سال میں صرف ایک رات کے لیے نہ ہو بلکہ ہمیشہ کے لیے ہو اور آپ ﷺ کی محبت کا تقاضا ہے کہ آپ کی اطاعت کی جائے، آپ کے نقش قدم پر چلا جائے، جو شخص ایسا کرے گا وہ آپ کی امت اور آپ کے فرمانبرداروں میں سے ہو گا اور جو شخص عبادت کے لئے کوئی ایسا طریقہ اختیار کرے جو آپ ﷺ نے مقرر نہ فرمایا ہو تو اس نے آپ کی سنت اور آپ کے طریقہ کی مخالفت کی اور دین میں ایسا اضافہ کیا جو اس میں سے نہیں ہے۔ میلاد رات، نزول وحی کی رات، معراج کی رات، ہجرت کی رات اور غزوہ بدر کی رات سے افضل تو نہیں ہے، ان سب راتوں میں مسلمانوں کو نفع و خیر حاصل ہوا تھا اور یہ کسی ایک سے بھی ثابت نہیں کہ اس نے ان میں سے کسی رات کو کبھی منایا ہو، یا اسے بیداری و شب زندہ داری کے لئے مخصوص کیا ہو، حالانکہ وہ اس امت کے سلف تھے، اچھا نمونہ تھے، وہ لوگ اچھا نمونہ نہیں ہیں جو اپنے ان اسلاف کے طریقہ کی مخالفت کریں۔

شیخ ابن جریر

ازواجِ مطہرات میں سب سے افضل

نبی ﷺ کی ازواجِ مطہرات میں سب سے افضل کون ہیں؟

سوال

نبی ﷺ کی ازواجِ مطہرات کو خصوصی امتیاز و فضیلت حاصل ہے، وہ سب اہمات المؤمنین ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس نام سے موسوم فرمایا ہے۔ ان میں اسلام میں سبقت کے اعتبار سے حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا افضل ہیں جب کہ علم و فہم اور مسلمانوں کو نفع پہنچانے کے اعتبار سے سب سے افضل حضرت عائشہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا ہیں۔ باقی ازواجِ مطہرات کو بھی شرف و فضیلت حاصل ہے، جس کا انکار صرف رافضی وغیرہ ہی کرتے ہیں۔ ہم رافضیوں اور ان کے پیروکاروں کے عقائد سے اظہارِ برأت کرتے ہیں۔ ہم مسائل کو مشورہ دیں گے کہ وہ عقیدہ واسطیہ کی شرح مثلاً: ((الکواشف الجليلة والاسئلة والاجوبة الاصولية، التنبیہات السنیة، اور المروضة الندیة)) اور عقائد کی دیگر کتب مثلاً ”معارض القبول“ وغیرہ کا مطالعہ کریں۔

— شیخ ابن جبرین —

نبی ﷺ کی ذاتِ گرامی پر درود کے بجائے ”صلعم“ کے ساتھ اشارہ کرنا

کیا نبی ﷺ کی ذاتِ گرامی پر صلوة و سلام کے بجائے حرف ”ص“ یا ”صلعم“ کے ساتھ اشارہ کرنے میں کوئی حرج ہے؟

سوال

رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی پر صلوة و سلام کے الفاظ استعمال کرنے کی بجائے ان حروف کے ساتھ اشارہ کرنا غلط ہے، اگرچہ متاخرین کی کتابوں میں اس کا بکثرت استعمال ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ صلوة و سلام کے الفاظ مکمل طور پر لکھے جائیں تاکہ قاری بھی اسے پڑھ سکے اور کاتب بھی لکھنے کا اجر و ثواب حاصل کر سکے اور قاری بھی ثواب حاصل کر سکے، رمز کی صورت میں قاری یا تو اسے پڑھے گا ہی نہیں یا رمز ہی کے ساتھ پڑھے گا۔

جواب

— شیخ ابن جبرین —

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِهِ وَآلِهِ وَصَحْبِهِ - وَبَعْدُ

بحوثِ علمیہ و الافتاء کی مستقل کمیٹی کو ایک سائل کی طرف سے حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں سوالات موصول ہوئے جن کے کمیٹی نے جوابات دیئے، یہ سوالات و جوابات حسب ذیل ہیں:

کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں یا مردہ؟ اور اب وہ کہاں ہیں؟

کیا حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام زندہ ہیں یا مردہ؟ زندہ یا مردہ ہیں تو اس وقت کہاں ہیں؟ کتاب و سنت سے اس

سوال

کی کیا دلیل ہے؟

حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام زندہ ہیں اور اب تک فوت نہیں ہوئے، یہودیوں نے آپ کو قتل کیا نہ پھانسی دی

جواب

بلکہ ان کو ان کی سی صورت معلوم ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں بدن و روح سمیت آسمانوں پر زندہ اٹھایا تھا اور اب وہ آسمانوں ہی میں ہیں، اس کی دلیل حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہے، جو یہودیوں کی افتراء پر دازیوں کے جواب میں ہے کہ:

﴿فَمَا نَقَّضْنَاهُمْ مِنْهُمْ قِيَمَتَهُمْ وَكُفَّرْنَاهُمْ بِآيَاتِ اللَّهِ وَقَتَلْنَاهُمُ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَتَّىٰ وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٥٨﴾ وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ حَلَّىٰ مَرْيَمَ بِهَتْنًا عَظِيمًا ﴿١٥٩﴾ وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَىٰ ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا أَنْبَاءُ الظُّلُمِ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ﴿١٦٠﴾ بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٦١﴾﴾ (النساء/ ١٥٥-١٥٨)

”لیکن انہوں نے عہد کو توڑ ڈالا تو ان کے عہد توڑ دینے اور اللہ کی آیتوں سے کفر کرنے اور انبیاء کو ناحق مار ڈالنے اور یہ کہنے کی وجہ سے کہ ہمارے دلوں پر پردہ پڑا ہوا ہے (نہیں) بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان کے دلوں پر مر لگا دی ہے سو چند آدمیوں کے سوا کوئی ایمان نہیں لاتا اور ان کے انکار کرنے اور مریم پر بہتان عظیم باندھنے اور یہ کہنے کے سبب کہ ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح کو جو اللہ کے پیغمبر (کہلاتے) تھے قتل کر دیا ہے (اللہ نے ان کو ملعون کر دیا) اور انہوں نے عیسیٰ کو قتل نہیں کیا اور نہ انہیں سولی پر چڑھایا بلکہ ان کو ان کی سی صورت معلوم ہوئی اور جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ ان کے حال سے شک میں پڑے ہوئے ہیں اور پیروی ظن کے سوا ان کو اس کا مطلق علم نہیں اور انہوں نے عیسیٰ کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھایا اور اللہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔“

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا نہ سولی چڑھایا بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمانوں پر زندہ اٹھایا تھا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر رحمت اور ان کی عزت افزائی تھی تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ان نشانیوں میں سے ایک نشانی بن جائیں جسے اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے عطا فرمادیتا ہے۔ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا وجود اول سے آخر تک سراپا آیات الہی ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ﴾ ”بلکہ اللہ نے ان کو اپنی طرف اٹھایا“ میں ”اضراب“ کا تقاضا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بدن بمعہ روح کے اوپر اٹھایا تاکہ یہودیوں کے اس گمان کی تردید ہو سکے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ کو سولی پر چڑھایا اور قتل کیا ہے کیونکہ قتل و صلب تو اصل میں بدن ہی کے لئے ہوتا ہے اور اگر صرف روح ہی کو اٹھایا گیا ہوتا تو یہ ان کے دعویٰ قتل و صلب کے منافی نہ ہوتا۔ محض روح کے رفع سے یہودیوں کے بہتان کی تردید نہ ہو سکتی تھی کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام جسم و روح دونوں سے تعبیر ہیں، ان میں سے کسی ایک پر بغیر قرینہ کے حضرت عیسیٰ کا اطلاق نہیں ہو سکتا اور یہاں کوئی قرینہ نہیں ہے اور پھر روح و بدن سمیت اٹھانا ہی اللہ تعالیٰ کے کمال عزت، حکمت و کرم اور نصرت و تائید کا تقاضا ہے جیسا کہ اس آیت کے اختتام پر ان الفاظ ﴿وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾ کا بھی یہی تقاضا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانہ میں نازل ہوں گے

اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں تو کیا وہ آخری زمانہ میں نازل ہوں گے، لوگوں کے درمیان فیصلے کریں گے اور

سوال

رسول اللہ ﷺ کے دین کی پیروی کریں گے؟ اس کی دلیل کیا ہے؟ اور جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانہ میں ہرگز نازل نہیں ہوں گے اور نہ لوگوں میں فیصلے کریں گے تو ہم اس کی تردید کس طرح کریں؟

جواب ہاں! اللہ کے نبی حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام آخر زمانہ میں نازل ہوں گے، لوگوں میں عدل کے ساتھ فیصلے کریں گے اور اس سلسلہ میں ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کی شریعت کی پیروی کریں گے، صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ ختم کر دیں گے اور صرف اسلام ہی قبول کریں گے اور ان کے نزول کے بعد وفات سے پہلے تمام اہل کتاب یہود و نصاریٰ ایمان لے آئیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِن مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا﴾
(النساء/۱۵۹)

”اور اہل کتاب سب کے سب صبح پر اس کی موت سے پہلے ضرور ایمان لائیں گے اور قیامت کے دن وہ ان پر گواہ ہوں گے۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ تمام اہل کتاب یہود و نصاریٰ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی وفات سے پہلے ان پر ایمان لے آئیں گے اور یہ اس وقت کی بات ہے جب وہ آخر زمانہ میں حاکم و عادل اور داعی اسلام کی حیثیت سے نازل ہوں گے، جیسا کہ اس کا ذکر اس حدیث میں آئے گا جو آپ کے نزول پر دلالت کرتی ہے۔

اس آیت کے یہی متعین معنی ہیں، یہ آیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہودیوں کے موقف اور یہودیوں کے ان کے ساتھ طرز عمل کے سلسلہ میں ہے، نیز اس میں یہ بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کس طرح نجات دی اور ان کے دشمنوں کے مکرو فریب کو کس طرح دور کر دیا لہذا آیت کریمہ:

﴿وَإِن مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا﴾
(النساء/۱۵۹)

میں دونوں مجبور ضمیروں کا مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے، بہت سی صحیح اور متعدد سندوں سے مروی اور حد تواتر تک پہنچی ہوئی حدیثوں سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھایا اور وہ آخر زمانے میں حاکم و عادل کی حیثیت سے نازل ہوں گے اور مسیح و جال کو قتل کریں گے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے رفع اور آخر زمانہ میں نزول کی بکثرت سندوں سے مروی احادیث ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی متواتر احادیث ہیں جو ابو ہریرہ، ابن مسعود، عثمان بن ابی العاص، ابوامامہ، نواس بن سمرعان، عبداللہ بن عمرو بن عاص اور حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ ان میں آپ کے نزول اور نزول کی جگہ کا ذکر ہے۔ الخ

انہی احادیث میں سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک یہ حدیث بھی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَيُؤْمِنَنَّ أَنْ يَنْزَلَ فِيكُمْ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا مُّسْطَطًا فَيَكْسِرَ الصَّلِيبَ وَيَقْتُلَ الْخَنزِيرَ وَيَضَعُ الْجِزْيَةَ وَيَفِيضَ الْمَالَ حَتَّى لَا يَقْبَلَهُ أَحَدٌ» (صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبياء، باب نزول عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام، ح: ۳۴۴۸، و صحیح مسلم، کتاب الایمان،

باب نزول عیسیٰ ابن مریم حاکما بشریعة... ح: ۱۵۵، واخرجه الترمذی فی السنن، ح: ۲۲۳۳، و احمد فی المسند، ۵۳۸/۲)

”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! قریب ہے کہ تم میں ابن مریم حاکم و عادل کی حیثیت سے نازل ہوں گے، جو صلیب کو توڑ دیں گے، خنزیر کو قتل کر دیں گے، جزیہ ختم کر دیں گے اور مال کی اس قدر فراوانی ہو جائے گی کہ اسے کوئی قبول کرنے والا نہ ہو گا۔“

یہ حدیث بیان کرنے کے بعد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر چاہو تو اس کی تصدیق میں یہ آیت پڑھ لو:

﴿وَإِن مِّنْ أَهْلِ آلٍ لَّا يُؤْمِنُونَ بِهِ قَبْلَ مَوْعِدِهِ﴾ (النساء/۴/۱۵۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيكُمْ وَإِمَامُكُمْ مِنْكُمْ؟» (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب

نزول عیسیٰ بن مریم حاکما بشریعة... ح: ۱۵۵)

”تمہارا کیا حال ہو گا جب تم میں ابن مریم نازل ہوں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہو گا۔“

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک صحیح حدیث میں ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا

کہ: «لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلَيَّ الْحَقَّ ظَاهِرِينَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، قَالَ فَيَنْزِلُ عَيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيَقُولُ آمِنُواهُمْ: تَعَالَ صَلِّ لَنَا فَيَقُولُ: لَا إِنْ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ أُمَّرَاءَ تَكْرِمَةَ اللَّهِ هَذِهِ الْأُمَّةُ» (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب نزول عیسیٰ ابن مریم حاکما بشریعة... ح: ۱۵۶)

”میری امت کا ایک گروہ حق پر لڑتا، قیامت کے دن تک غالب رہے گا، آپ نے فرمایا عیسیٰ بن مریم صلی اللہ علیہ وسلم نازل ہوں گے تو ان کا امیر کہے گا آئیے ہمیں نماز پڑھائیں تو وہ فرمائیں گے نہیں تم میں سے بعض، بعض پر امیر ہیں یہ اس امت کو اللہ تعالیٰ نے اعزاز بخشا ہے۔“

یہ احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت عیسیٰ آخر زمانے میں نازل ہوں گے، ہمارے نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے مطابق عمل کریں گے اور بلاشک و شبہ ان کے نزول کے زمانہ میں جو امام نماز پڑھائے گا، وہ امت محمدیہ کا فرد ہو گا۔ حضرت عیسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزول اور ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ حضرت عیسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کسی نئی شریعت کو لے کر نازل نہیں ہوں گے، اول و آخر حکم اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو ارادہ کرتا ہے اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہے، کوئی اس کے حکم کو ٹال نہیں سکتا اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔

حضرت عیسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو کیوں آسمانوں پر اٹھایا گیا

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب تمام انبیاء صلی اللہ علیہم وسلم سے افضل ہیں تو ان کے بجائے حضرت عیسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں آسمانوں پر اٹھایا گیا؟ اور اگر حضرت عیسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقتاً آسمانوں پر اٹھایا گیا ہے تو دیگر انبیاء صلی اللہ علیہم وسلم کے بجائے خاص طور پر حضرت

عیسیٰؑ ہی کو کیوں آسمانوں پر اٹھایا گیا؟

جواب اللہ تعالیٰ کی رحمت اور علم ہر چیز سے وسیع ہے، اس نے ہر چیز کا قوت و غلبہ کے ساتھ احاطہ کر رکھا ہے، اس کی حکمت بالغہ، اس کا ارادہ نافذہ اور اس کی قدرت کاملہ ہے۔ اس نے اپنے جن بندوں کو چاہا انبیاء و رسل کے طور پر منتخب کر کے بشیروندیز بنا کر مبعوث فرما دیا۔ بعض کو بعض پر درجات میں فضیلت دی اور اپنے فضل و رحمت سے ہر ایک کو نمایاں امتیازات سے سرفراز فرمایا۔ حضرت ابراہیم اور حضرت محمدؐ کو خلت سے نوازا۔ ہر نبی کو ان کے زمانے کے مناسب حال آیات و معجزات عطا کئے تاکہ ان کی امت کے سامنے حجت تمام ہو جائے، ان سب امور میں اس کی حکمت و عدل کار فرما ہے۔ اس کے فیصلے کو کوئی ٹال نہیں سکتا، وہ عزیز و حکیم اور لطیف و خبیر ہے۔

ہر انفرادی فضیلت موجب انفضیلت نہیں ہے، حضرت عیسیٰؑ کو جو زندہ آسمانوں پر اٹھانے کی خصوصیت سے نوازا تو یہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ و حکمت کے مطابق ہے، اس کے یہ معنی نہیں کہ اس سے آپ تمام رسولوں سے افضل ہو گئے اور ابراہیمؑ، محمدؐ اور نوحؑ سے بھی آگے بڑھ گئے کیونکہ ان انبیاء کرامؑ کو جن خصوصیات و امتیازات سے نوازا گیا، ان کی وجہ سے وہ یقیناً حضرت عیسیٰؑ سے افضل ہیں۔ ان فضیلتوں کا انحصار اللہ تعالیٰ کی مرضی و مشیت پر ہے، وہ جس طرح چاہتا ہے تدبیر فرماتا ہے، وہ جو کرتا ہے اس کے بارے میں اس سے باز پرس نہیں کی جاسکتی کیونکہ اس کا علم بھی کمال اور اس کی حکمت بھی کمال ہے اور پھر ان فضیلتوں سے عمل و عقیدہ کا تعلق نہیں ہے بلکہ ان مسائل پر غور کرنے والا بسا اوقات حیرانی و پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے، ریب و تشکیک کا اس پر غلبہ ہو جاتا ہے۔ مرد مومن کا شیوہ یہ ہوتا ہے کہ وہ احکام الہی کے سامنے سراطاعت خم کر دیتا ہے اور عقیدہ و عمل سے متعلق امور میں کوشش کرتا ہے، حضرات انبیاء و مرسلین کا یہی منہج ہے اور خلفاء راشدین اور امت کے ہدایت یافتہ اسلاف کا یہی طریق ہے۔

آپ کا نام مسیح کیوں؟

سوال حضرت عیسیٰ ابن مریم کا نام مسیح کیوں پڑا ہے؟

جواب حضرت عیسیٰ بن مریم کا نام مسیح اس لئے ہے کہ آپ جب بیماری میں مبتلا کسی مریض کے جسم پر مسح کرتے یعنی ہاتھ پھیرتے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے صحت یاب ہو جاتا تھا۔ بعض سلف نے کہا کہ اس کی وجہ تسمیہ دعوت دین کے لئے زمین میں کثرت سے سیروسیاحت ہے۔ ان دونوں قولوں کے مطابق مسیح بمعنی مسح ہے۔ اس سلسلہ میں ایک قول یہ ہے کہ اس نام کی وجہ یہ ہے کہ آپ مسیح القدیم تھے۔ یعنی آپ کے قدم پورے زمین پر لگتے تھے (ہمارے قدموں کی طرح) ان میں ایسا حصہ نہیں تھا جو کہ زمین پر نہیں لگتا۔ ایک قول اس نام کے متعلق یہ ہے کہ آپ کو برکت سے نوازا گیا اور یہ نام ”مسح بالبرکۃ“ کے محاورہ سے مشتق ہے اور ایک قول یہ ہے کہ آپ کو گناہ سے پاک کر کے بنا دینے کی وجہ سے یہ نام پڑا۔ ان معنوں کے اعتبار سے مسیح بمعنی مسح ہے لیکن پہلا سبب سب سے زیادہ واضح ہے، واللہ اعلم! بہر حال اس مسئلہ سے عقیدہ و عمل کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

سوال ان سوالات کے ساتھ کچھ ایسی نصوص بھی ہیں جن سے قادیانی، حضرت عیسیٰؑ کی وفات اور تدفین پر استدلال کرتے ہیں۔ امید ہے آپ ان نصوص کی وضاحت بھی فرمائیں گے اور یہ بھی کہ ہم ان کا کیا جواب دیں؟

پہلی آیت

﴿مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُتِمَّتْ صِدْقَتُهُ كَمَا
يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ أَنْظُرُوا﴾ (المائدہ/۵/۷۵)

”مسح ابن مریم تو صرف (اللہ کے) پیغمبر تھے۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے تھے اور ان کی والدہ (مریم اللہ کی) ولی (اور سچی فرماں بردار) تھیں۔ دونوں (انسان تھے اور) کھانا کھاتے تھے۔“

﴿جواب﴾ اس آیت سے مقصود ان لوگوں کی تردید ہے جنہوں نے کہا تھا:

﴿إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾ (المائدہ/۵/۷۲)

”مریم کے بیٹے (عیسیٰ) مسح اللہ ہیں۔“

نیز جنہوں نے یہ کہا تھا:

﴿إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ﴾ (المائدہ/۵/۷۳)

”کہ اللہ تین میں سے تیسرا ہے۔“

تو اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ عیسیٰ مسح ﷺ رب یا اللہ نہیں ہیں کہ ان کی عبادت کی جائے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے نبوت و رسالت سے سرفراز فرمایا تھا، وہ بھی انہی رسولوں کے مانند ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں، ان کی اجل محدود ہے۔ لیکن اس آیت نے یہ نہیں بتایا ہے کہ وہ فوت کب ہوں گے؟ ہاں البتہ کتاب و سنت کے ان دلائل سے جو ہم قبل ازیں بیان کر آئے ہیں، یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ انہیں زندہ آسمانوں پر اٹھایا گیا تھا اور وہ عنقریب حاکم و عادل کی حیثیت سے نازل ہوں گے، آخر زمانہ میں نزول اور لوگوں میں حکومت کرنے کے بعد پھر وفات پائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا ہے کہ عیسیٰ اور ان کی والدہ ﷺ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے، جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ دونوں اللہ نہیں تھے کیونکہ انہیں تو اپنی زندگی کی حفاظت کے لئے کھانا کھانے کی ضرورت تھی، جب کہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی فرد، صمد اور غنی مطلق ہے، اس کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی بارگاہ کا محتاج ہے اور وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔

اس آیت کریمہ کا سیاق و سباق بھی اس معنی کی تائید کرتا ہے، چنانچہ اس سے پہلے یہ ذکر ہے کہ:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾ (المائدہ/۵/۷۲)

”بلاشبہ وہ لوگ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ مسح ابن مریم ہی ہے۔“

نیز یہ ذکر ہے کہ:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ﴾ (المائدہ/۵/۷۳)

”وہ لوگ (بھی) کافر ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تین میں سے تیسرا ہے۔“

اور اس کے بعد کی آیات میں دین میں غلو سے منع کیا گیا ہے، غیر اللہ کی عبادت کا انکار کیا گیا ہے، جو شخص ایسا کرے یا دیکھ کر سکوت اختیار کرے اور اس سے منع نہ کرے اس پر لعنت کی گئی ہے نیز اس کی وضاحت سورہ الانعام کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے:

﴿قُلْ أَضْرِبُوا أَيْدِيَكُمْ وَأَعْيُنَكُمْ عَنِ السُّكُوتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُهُمْ وَلَا يُطْعَمُ﴾ (الانعام/۱۴)

”اے پیغمبر! کہہ دیجئے کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کسی (اور) کو مددگار بناؤں کہ (وہی) تو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی (سب کو) کھانا دیتا ہے اور خود کسی سے کھانا نہیں لیتا۔“

دوسری آیت

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ﴾
(الفرقان ۲۵ / ۲۰)

”اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں، سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔“
اس آیت سے مقصود ان لوگوں کی تردید ہے، جنہوں نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کا انکار کیا تھا اور کہا کہ رسول تو فرشتوں میں سے ہوتا ہے، انسانوں میں سے نہیں، تو اس کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رسولوں کے بارے میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی سنت یہ رہی ہے کہ انہیں انسانوں ہی میں سے منتخب کیا جاتا ہے۔ اس آیت میں حضرت عیسیٰ ﷺ کی اجل کی تحدید کو بیان نہیں کیا گیا جب کہ دیگر آیات و احادیث نے یہ بیان کیا ہے کہ آپ کو آسمانوں پر زندہ اٹھالیا گیا پھر آپ آخر زمانے میں نازل ہوں گے اور پھر وفات پائیں گے جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔

تیسری آیت

﴿وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ﴾ (الانبیاء ۲۱ / ۸)

”اور ہم نے ان کے ایسے جسم نہیں بنائے تھے کہ کھانا نہ کھائیں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے۔“

جواب یہ آیت اس بات کی قطعاً دلیل نہیں ہے کہ یہودیوں نے جب حضرت عیسیٰ ﷺ کے قتل و سولی کی سازش کی تو وہ فوت ہو گئے بلکہ اس آیت میں تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرات انبیاء و مرسلین ﷺ جن میں حضرت عیسیٰ ﷺ بھی شامل ہیں، ایسے جسم نہ تھے جو کھانا نہ کھاتے ہوں بلکہ دیگر انسانوں کی طرح حضرات انبیاء کرام ﷺ بھی کھانا کھایا کرتے تھے۔ دوسری بات اس آیت میں یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ دنیا میں ہمیشہ رہنے والے بھی نہ تھے۔ اہل سنت کا اسی پر ایمان ہے کہ دیگر رسولوں کی طرح حضرت عیسیٰ ﷺ بھی ایک دن فوت ہوں گے لیکن کتاب و سنت کے دیگر دلائل سے یہ ثابت ہے کہ عیسیٰ ﷺ موت کا جام اس وقت نوش فرمائیں گے جب وہ آخر زمانے میں حاکم عادل کی حیثیت سے نازل ہوں گے، صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کر دیں گے جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔

چوتھی آیت

﴿وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلشَّيْءِ لَبَدِيلًا﴾ (الاحزاب ۳۳ / ۶۲)

”اور تم اللہ کی عادت میں تغیر و تبدل نہ پاؤ گے۔“

جواب یہ جملہ اگرچہ عام ہے مگر ان آیات و معجزات نے اسے خاص کر دیا، جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کے ہاتھوں ظہور کروایا اور جو ان کی قوموں کے لئے ان کی نبوت کی دلیل تھے۔ مثلاً موسیٰ ﷺ کے عصا مارنے سے دریا میں بارہ خشک راستے بن جانا، حضرت عیسیٰ ﷺ کا اللہ تعالیٰ کے حکم سے برص و جذام کے مریضوں کو صحت یاب اور مردوں کو زندہ کرنا اور دیگر معجزات جو بکثرت ہیں اور مشہور و معروف ہیں، اسی طرح حضرت عیسیٰ ﷺ کا زندہ آسمانوں پر اٹھانا اور صدیوں

تک انہیں زندہ باقی رکھنا اور آخر زمانے میں انہیں نازل کرنا بھی انہیں خوارق عادات میں سے ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو عطا فرمائیں اور اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔

پانچویں آیت

﴿إِنَّ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ﴾ (الزخرف ۴۳/۵۹)

”وہ تو ہمارے ایسے بندے تھے جن پر ہم نے فضل کیا اور بنی اسرائیل کیلئے ان کو (اپنی قدرت کا) نمونہ بنا دیا۔“

جواب اس آیت کریمہ سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں رسالت سے نوازا، وہ رب یا اللہ نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت کی ایک نشانی ہیں، خیر و بھلائی کے سلسلہ میں ایک ایسا اعلیٰ نمونہ ہیں، جس کی پیروی کی جائے اور جس کے نقش قدم پر چلا جائے۔ اپنے معنی و مفہوم کے اعتبار سے یہ آیت پہلی آیت ہی کے مانند ہے۔ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر کی کوئی تحدید نہیں ہے بلکہ اس کا بیان اور اس کی تحدید ہمیں دیگر نصوص کتاب و سنت سے ملتی ہے جیسا کہ قبل ازیں یہ بیان کیا جا چکا ہے۔

چھٹی آیت

﴿قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾ (المائدہ ۱۷/۵)

”(ان سے) کہہ دو کہ اگر اللہ، عیسیٰ بن مریم کو اور ان کی والدہ کو اور جتنے لوگ زمین میں ہیں، سب کو ہلاک کرنا چاہے تو اس کے آگے کس کی پیش چل سکتی ہے؟“

جواب اس آیت کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے کہ ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾ ”جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ عیسیٰ بن مریم اللہ ہیں، وہ بے شک کافر ہیں“ تو گویا ﴿قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا﴾ کہہ کہ ان لوگوں کی تردید کی جارہی ہے، جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اللہ ہونے کا دعویٰ کیا اور بیان یہ کیا جا رہا ہے کہ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ تو اللہ تعالیٰ کی دیگر مخلوق کی طرح اس کے دو ضعیف بندے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ انہیں، ان کی والدہ کو اور زمین کی تمام مخلوقات کو ہلاک کرنا چاہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس طرح سب کو یکجا ہلاک نہیں کیا بلکہ اپنی حکمت و مصلحت سے ہر ایک کی موت کے اوقات مقرر کر دیئے اور یہ بھی اس کی حکمت و مصلحت ہی سے ہوا کہ یہودیوں نے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کی سازش کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمانوں پر زندہ اٹھایا اور اب تک زندہ رکھا ہوا ہے حتیٰ کہ وہ آخر زمانے میں نازل ہوں گے، لوگوں میں حضرت محمد ﷺ کی شریعت کے مطابق فیصلے کریں گے اور پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ انہیں فوت کرے گا جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔

ساتویں آیت

﴿وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ ذَاتِ الْعُرْوَةِ الْمَعِينَةِ﴾ (المؤمنون ۲۳/۵۰)

”اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ اور ان کی ماں کو اپنی نشانی بنایا تھا اور ان کو ایک اونچی جگہ پر جو رہنے کے لائق تھی اور جہاں آب و ہوا (کا چشمہ) تھا، پناہ دی تھی۔“

جواب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی باپ کے بغیر حضرت مریم علیہا السلام کے بطن سے ولادت ہوئی بلکہ ان کی یہ ولادت کوئی سنت ہی کے خلاف تھی، جس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں اور بھی بہت سے معجزات سے سرفراز فرمایا جو اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت کی دلیل ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو ایک ایسی اونچی جگہ جو سبز و شاداب تھی، رہنے کے لائق بھی تھی اور جہاں صاف و شفاف پانی بھی تھا، پناہ دی تھی، اس سے فلسطین کا بیت المقدس کا علاقہ مراد ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ان پر نعمت و رحمت تھی اور جیسا کہ عرض کیا یہ ربوہ یا مقام بلند فلسطین کا ایک علاقہ تھا اس سے مراد پاکستان کا شہر نہیں ہے، یہ واقعہ ہمارے نبی کریم حضرت محمد ﷺ کی ولادت باسعادت سے پانچ سو سال سے بھی زیادہ عرصہ پہلے کا ہے نہ کہ آپ کی ہجرت کے بارہ سو سال سے بھی زیادہ عرصہ بعد کا، تو جو شخص ربوہ سے مراد پاکستان (کے قادیانیوں) کا شہر مراد لے یا تاویل کرتے ہوئے کہے کہ ابن مریم سے مراد مرزا غلام احمد ہے تو وہ اس آیت میں تحریف کرتا ہے، اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتا ہے اور تاریخی حقائق کا انکار کرتا ہے۔

آٹھویں آیت

﴿ إِذْ قَالَ اللَّهُ يٰعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ خُذْ بِذَاتِ الْكُرْسِيِّ فَثَبَّطْهُ وَارْفَعْكَ إِلَىٰ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ وَارْفَعْكَ إِلَىٰ مَطَهِرٍ ۚ ﴾ (آل عمران ۴۳/۵۵)

”اس وقت اللہ نے فرمایا کہ عیسیٰ میں تمہاری دنیا میں رہنے کی مدت پوری کر کے تم کو اپنی طرف اٹھالوں گا اور تمہیں کافروں (کی صحبت) سے پاک کر دوں گا۔“

جواب قادیانیوں نے اس آیت سے جو یہ استدلال کیا ہے کہ ماضی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو چکی ہے، تو یہ سلف سے منقول اس آیت کی تفسیر کے خلاف ہے کیونکہ انہوں نے اس کی تفسیر یہ کی ہے کہ اس کے معنی اللہ تعالیٰ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زمین سے لینا، آسمان پر زندہ اٹھانا اور کافروں سے نجات دینا ہے۔ اسی تفسیر ہی سے اس آیت اور کتاب و سنت کے ان تمام صحیح نصوص میں تطبیق کی صورت ممکن ہے جو اس بات پر دلالت کناں ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر زندہ اٹھالیا گیا ہے، وہ آخر زمانے میں نازل ہوں گے اور ان کے نزول کے موقع پر تمام اہل کتاب اور دیگر سب لوگ ان پر ایمان لے آئیں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں جو توفیٰ بمعنی وفات منقول ہے تو اس روایت کی سند صحیح نہیں کیونکہ وہ منقطع ہے۔ آپ سے اسے روایت کرنے والے علی بن ابی طلحہ ہیں، جنہوں نے آپ کو دیکھا نہ ان کا آپ سے سماع ثابت ہے، اسی طرح وہب بن منبہ یمانی سے توفیٰ کی تفسیر جو وفات سے منقول ہے تو اس روایت کی سند بھی صحیح نہیں ہے اسے محمد بن اسحاق نے وہب سے، ایک ایسے شخص کے واسطے سے روایت کیا ہے جو غیر متمم ہے لیکن ایک تو ابن اسحاق نے اس روایت کو عنعنہ سے بیان کیا ہے اور وہ مدلس ہے لہذا اس کی معنعن روایت قبول نہیں اور دوسرے یہ راوی جسے غیر متمم کہا گیا یہ مجہول ہے، پھر اس تفسیر کو اگر درست مان بھی لیا جائے تو اس کے معنی زیادہ سے زیادہ یہ ہوں گے کہ توفیٰ کے معنی میں ایک یہ بھی احتمال ہے کیونکہ توفیٰ کے یہاں کئی معنی بیان کئے گئے ہیں۔ اس کے ایک معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زمین سے جسم و روح کے ساتھ پکڑ لیا اور پھر انہیں اپنی طرف زندہ اٹھالیا۔ دوسرے اس کے معنی یہ کئے گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر نیند طاری کر کے انہیں اوپر اٹھالیا اور پھر رفع کے بعد اور آخر زمانہ میں نزول کے بعد انہیں فوت کرے گا کیونکہ اوپر ترتیب کی متقاضی نہیں ہوتی، یہ صرف دو امور کو جمع کرنے کی متقاضی ہوتی ہے۔

اصول یہ ہے کہ جب ایک آیت کے معنی کے بارے میں اقوال مختلف ہوں تو اس قول کو اختیار کرنا واجب ہوتا ہے جو دیگر ظاہر دلائل سے ہم آہنگ ہوتا کہ تمام دلائل میں تطبیق پیدا ہو جائے اور تشابہ کو محکم کی طرف لوٹا دیا جائے، چنانچہ راسخ فی العلم علماء کا یہی معمول ہوتا ہے ہاں البتہ کج روی اختیار کرنے والوں کی راہ دوسری ہوتی ہے کہ وہ فتنہ و تاویل کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے شر سے محفوظ رکھے۔

نویں آیت

﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ﴾ (المائدہ/۱۱۷)

”اور جب تک میں ان میں رہا ان (کے حالات) کی خبر رکھتا رہا، جب تو نے مجھے دنیا سے اٹھالیا تو تو ان کا نگران تھی۔“

جواب اس آیت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت قبل از رفع سماء یا بعد از رفع اور آخر زمانہ میں نزول سے قبل پر استدلال تو فی کی موت سے تفسیر برہنی ہے جیسا کہ قبل ازیں آٹھویں آیت پر کلام کرتے ہوئے بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ تفسیر صحیح نہیں ہے اور سلف کی بیان کردہ تفسیر کے خلاف ہے اور اسی تفسیر کو اختیار کرنے ہی سے کتاب و سنت کے تمام صحیح دلائل میں تطبیق ممکن ہے۔

دسویں آیت

﴿وَأَوْصِنِي بِالْزَكَاةِ وَالزَّكَاةُ مَا دُمْتُ حَيًّا﴾ (مریم/۳۱)

”اور جب تک زندہ رہوں مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا ارشاد فرمایا ہے۔“

جواب اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر فرمایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ماں کی گود میں جو کلام کیا تھا اس میں ایک یہ جملہ بھی تھا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انہیں یہ حکم دیا ہے کہ وہ جب تک زندہ رہیں نماز پڑھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے رہیں، اس میں نہ تو ان کی زندگی کی تحدید ہے اور نہ ان کی وفات کے وقت کا بیان ہے۔ اس کا ذکر تو ان آیات میں ہے جو قبل ازیں بیان کی جا چکی ہیں اور اصول یہ ہے کہ جملہ نصوص کو متصل پر محمول کیا جاتا ہے، بعض کو بعض سے الگ نہیں کیا جاتا اور نہ محض تشابہ آیات ہی کو لے کر اس طرح کوئی فیصلہ کیا جاتا ہے کہ آیات محکمات کو چھوڑ دیا جائے کیونکہ یہ سب آیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور بعض آیات بعض دیگر کی وضاحت اور تصدیق کرتی ہیں۔

گیارہویں آیت

﴿وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا﴾ (مریم/۳۳)

”اور جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں گا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا مجھ پر سلام اور رحمت ہے۔“

جواب یہ آیت بھی پہلی آیت ہی کی طرح ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ تمام حالات میں انہیں امن و سلامتی حاصل رہے گی، اس میں نہ تو ان کی مدت حیات کو بیان کیا گیا ہے اور نہ ان کے وقت وفات کا ذکر ہے۔ مدت حیات اور وقت وفات کے لئے ان دیگر نصوص کی طرف رجوع کرنا واجب ہے جن میں اس کا ذکر ہے جیسا کہ قبل ازیں اس کا

بیان ہو چکا ہے۔

بارہویں آیت

﴿ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿٢٠﴾ أَمْوتُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾

(النحل ۱۶/۲۰-۲۱)

”اور جن لوگوں کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کوئی چیز بھی تو نہیں بنا سکتے بلکہ خود ان کو (دوسروں کی طرح) بنایا گیا ہے (وہ) لاشیں ہیں بے جان!“

جواب اس آیت میں تو ان لوگوں کی تردید کی گئی ہے، جنہوں نے غیر اللہ یعنی ملائکہ حضرت عزیر، حضرت عیسیٰ، لات، عزیٰ، منات وغیرہ کی عبادت کی اور بیان کیا گیا ہے کہ یہ تو کچھ بھی نہیں کر سکتے حتیٰ کہ مکھی تک بھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ یہ تو خود مخلوق ہیں، مرہوب ہیں، ایک دن فوت ہونے والے ہیں اور ہمیشہ زندہ رہنے والے نہیں ہیں لیکن دوسرے دلائل سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اب تک زندہ ہیں اور پھر آخر زمانے میں نازل ہوں گے اور لوگوں کے درمیان حضرت محمد ﷺ کی شریعت کے مطابق فیصلے کریں گے اور پھر فوت ہوں گے۔

تیرہویں آیت

﴿ قُلُوا ءَامَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا مِن دُونِ إِلَهِنَا مِن رَّبِّهِمْ لَا نُنْفَرُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿١٣٦﴾ ﴾

(البقرة ۲/۱۳۶)

”کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو (کتاب) ہماری طرف اتاری گئی اس پر اور جو (صحیفے) ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد کی طرف نازل کئے گئے ان پر اور جو (کتبیں) موسیٰ اور عیسیٰ کو عطا ہوئیں ان پر اور جو اور پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے ملیں ان پر (سب پر ایمان لائے) ہم ان پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اس (اللہ وحدہ) کے فرماں بردار ہیں۔“

جواب اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر اور جو کچھ ان پر ان کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا ہے، اس پر ایمان لانا چاہئے اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ تمام انبیاء کرام علیہم السلام اور ان پر نازل کردہ صحیفوں اور کتابوں پر وجوب ایمان کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں کرتا۔ اس آیت کریمہ میں درحقیقت یہود و نصاریٰ کی تردید ہے، جو یہ کہتے تھے کہ یہودی یا عیسائی بن جاؤ ہدایت پا جاؤ گے، جیسا کہ اجمالی طور پر اس آیت کریمہ میں بھی ان کی تردید ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ سے یہ فرمایا:

﴿ قُلْ بَلْ مَلَأَ بَرَہِمَ حَنِيئًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٣٥﴾ ﴾ (البقرة ۲/۱۳۵)

”اے پیغمبر ان سے (کہہ دیجئے) (نہیں) بلکہ (ہم) دین ابراہیم اختیار کئے ہوئے ہیں جو ایک اللہ کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔“

اس آیت کے یہ معنی نہیں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام میں موت و حیات کے اعتبار سے کوئی تفریق نہیں ہے کیونکہ سیاق آیت سے ایسی کوئی راہنمائی نہیں ملتی بلکہ اگر راہنمائی ملتی ہے تو وہ جو ہم نے ذکر کی ہے۔ نیز انبیاء کرام علیہم السلام

نے بھی ایسی کوئی دعوت نہیں دی تھی لہذا اس کے یہ معنی بیان کرنا آیت کے سیاق کے خلاف اس کی معنوی تحریف ہوگی۔ اگر بالفرض ﴿لَا تُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ﴾ کو اگر عموم پر محمول کر لیا جائے کہ جنس موت و حیات کے اعتبار سے انبیاء کرام ﷺ میں کوئی فرق نہ ہو تو یہ بات امر واقع اور حقیقت کے خلاف ہوگی کیونکہ موت و حیات کی صفات، انواع و اقسام، زمان و مکان اور عمر کی درازی و کمی کے اعتبار سے حضرات انبیاء کرام ﷺ میں بہت فرق تھا، اسی فرق ہی میں سے ایک یہ بات بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ ﷺ کی حیات کو بہت طول دے دیا گیا، زندگی بسر کرنے کے لئے جگہ بھی بدل دی گئی اور اس طویل ترین زندگی کے بعد وہ وفات پائیں گے اور جیسا کہ دیگر بہت سے امور میں وہ اپنے انبیاء بھائیوں سے مختلف ہیں، اس موت و حیات کے مسئلہ میں بھی ان سے مختلف ہیں جیسا کہ سابقہ نصوص سے یہ ثابت ہوتا ہے۔

چودھویں آیت

﴿تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾

(البقرة ۲/۱۴۱)

”یہ جماعت گزر چکی، ان کے لیے وہ جو انہوں نے کیا (یعنی ان کے اعمال ان کے کام آئیں گے) اور تمہارے لیے وہ جو تم نے کیا اور جو عمل وہ کرتے تھے ان کی پر سش تم سے نہیں ہوگی۔“

جواب اس آیت کا مقصود یہ ہے کہ ہر انسان کو اس کے اپنے عمل کی جزا دی جائے گی۔ کسی دوسرے کے عمل کے بارے میں اس سے پر سش ہوگی نہ کسی دوسرے سے اس کے بارے میں سوال ہو گا جیسا کہ دوسری آیت میں اس طرح فرمایا:

﴿كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ﴾ (الطور ۲۱/۵۲)

”ہر شخص اپنے اعمال میں پھنسا ہوا ہے۔“

نیز فرمایا:

﴿وَلَا يُزَادُ وَازِدَةً وَذُودَ أُخْرَى﴾ (الأنعام ۱۶۴/۶)

”اور کوئی شخص کسی (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔“

لہذا ہر شخص کو خیر کے کمانے اور شر سے بچنے کے لئے کوشش کرنی چاہئے اور اسے یہ نہیں چاہئے کہ اپنے آپ کو کسی غیر سے متعلق کر کے اس پر فخر کرے یا اس کی قربت یا صلہ رحمی یا دنیا میں اس کی تعظیم کرنے کی وجہ سے یہ امید کر بیٹھے کہ وہ قیامت کے دن کے عذاب سے نجات پالے گا۔

حضرت عیسیٰ ﷺ اگرچہ امت ماضیہ کے عموم میں داخل ہیں لیکن کتاب و سنت کے دلائل سے ان کی یہ تخصیص ثابت ہو چکی ہے کہ انہیں آسمانوں پر زندہ اٹھالیا گیا، وہ اب تک زندہ موجود ہیں اور آخر زمانہ میں نازل ہوں گے جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے اور یہ اسلامی شریعت کا مشہور و معروف اصول ہے کہ نصوص خاصہ کی روشنی میں نصوص عامہ کی تخصیص کر دی جاتی ہے، چنانچہ ان نصوص خاصہ میں سے ایک نص یہ بھی ہے۔

پندرہویں آیت

﴿وَمَا قَلْبُوهٗ بِقَيِّنَا ﴿۱۵۷﴾ كَلَّ رَفَعَهُ اللهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿۱۵۸﴾﴾ (النساء ۴/۱۵۷-۱۵۸)

”اور انہوں نے عیسیٰ کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انکو اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔“

تیز ایک دوسری نص یہ ہے کہ:

﴿وَأَنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لِيُؤْمِنُوا بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِدًا﴾

(النساء/ ۱۵۹)

”اور کوئی اہل کتاب نہیں ہو گا مگر ان (عیسیٰ علیہ السلام) کی موت سے پہلے ان (عیسیٰ علیہ السلام) پر ایمان لے آئے گا اور وہ (عیسیٰ علیہ السلام) قیامت کے دن ان (اہل کتاب) پر گواہ ہوں گے۔“

جواب ان دونوں آیتوں کے بارے میں پہلی، دوسری، تیسری اور چوتھی آیت پر کلام کے ضمن میں گفتگو پہلے ہو چکی ہے۔ مختصر یہ کہ قادیانیوں نے اپنے اس گمان کے اثبات کے لئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو کر دفن ہو چکے ہیں، مختلف قرآنی آیات سے جو استدلال کیا ہے اس کی نوعیت کچھ اس طرح کی ہے:

① آیات عموم کی حامل ہیں، جنہیں دیگر آیات و احادیث نے خاص کر دیا ہے جو اس بات پر دلالت کنال ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا گیا اور وہ اب تک زندہ ہیں حتیٰ کہ آخر زمانہ میں نازل ہوں گے اور قرآنی شریعت کے مطابق فیصلے کریں گے لیکن قادیانیوں نے تخصیص آیات کی بجائے عموم ہی کو لیا ہے اور یہ اسلامی اصول و قواعد کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔

② قادیانیوں کا استدلال ان مجمل آیات سے ہے جن کی ان دیگر نصوص نے تفصیل بیان کر دی ہے کہ اس تفصیل کو اخذ کرنا فرض ہے لیکن قادیانیوں نے اپنے زعم باطل کی تائید و حمایت کے لئے مجمل آیات ہی کا سہارا لیا اور محکم کو ترک کر دیا جن سے ان مجمل آیات کی تفسیر و توضیح ہوتی تھی۔ جن لوگوں کے دلوں میں کجی اور نفاق ہو ان کی یہی روش ہوتی ہے کہ وہ نصوص کتاب و سنت میں سے صرف تشابہات کی پیروی کرتے ہیں تاکہ قنہ برپا کریں اور تشابہ نصوص کی تاویل اپنی خواہشات کے مطابق کریں۔

③ کچھ کلمات کی تفسیر میں انہوں نے ایسے آثار پر اعتماد کیا ہے، جن کی سلف کی طرف نسبت صحیح نہیں ہے جیسا کہ ہم نے قبل ازیں آٹھویں آیت:

﴿إِذْ قَالَ اللَّهُ يَعْصِيَنِي إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ﴾ (آل عمران ۳/ ۵۵)

کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے بیان کیا ہے۔ یہ لوگ ان آثار سے بہت خوش ہیں کہ یہ ان کی خواہشوں کے مطابق ہیں۔ عامۃ المسلمین کو انہوں نے فریب دینے کی کوشش کی ہے اور انہوں نے ان آثار کی سندوں کی طرف یا تو جہالت کی وجہ سے یا پھر دھوکہ و فریب اور اپنے باطل عقائد کی ترویج و اشاعت کی وجہ سے دیکھا ہی نہیں اور یہ سب کچھ ان کی کج روی اور قنہ گری کی علامت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ ءَأَمَّنَّا بِهِ - كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ﴾ (آل عمران ۳/ ۷)

”وہی تو ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی جس کی بعض آیتیں محکم ہیں (اور) وہی اصل کتاب ہیں اور بعض تشابہہ ہیں تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے، وہ تشابہات کی پیروی کرتے ہیں تاکہ قنہ برپا کریں اور مراد

اصلی کا پتہ لگائیں حالانکہ مراد اصلی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ علم میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لائے۔ یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو عقل مند ہی قبول کرتے ہیں۔“

((واللہ الموفق للصواب و صلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ و صحبہ و سلم))

فتویٰ کمیٹی

میرزا عبداللہ بن تعود، عبداللہ بن غدیان، نائب چیئرمین کمیٹی: عبدالرزاق عقیلی، چیئرمین: عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز۔

فرقے اور مذاہب

صیہونی تحریک کی طرف انتساب کے بارے میں شرعی فتویٰ (فقہی کونسل کی قرارداد)

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَمَنِ اهْتَدَىٰ بِهَدَاهِ -
أَمَّا بَعْدُ

فقہی کونسل نے اپنے پہلے اجلاس منعقدہ مکہ مکرمہ مؤرخہ ۱۰ شعبان ۱۳۹۸ ہجری بمطابق ۱۹۷۸ء کو ماسونی (صیہونی) تحریک اور اس کی طرف منسوب ہونے والوں کا جائزہ لیا کہ اس کے بارے میں اسلامی شریعت کا کیا حکم ہے؟ کونسل کے ارکان نے اس خطرناک تنظیم کا مکمل جائزہ لیا اور قدیم و جدید دور میں اس کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا اس کا مطالعہ کیا، اس تحریک کے ارکان، قائدین اور اس سے وابستہ لوگوں نے اس سے متعلق جو دستاویزات، کتب، مقالات اور مجلات وغیرہ طبع کئے، ان کا بھی خوب دقت نظر سے مطالعہ کیا، اس مطالعہ سے کونسل کے سامنے اس تحریک کی جو ناقابل تردید صورت واضح ہوئی وہ حسب ذیل ہے:

① ماسونی ایک خفیہ تحریک ہے، جو زمان و مکان کے حالات کے مطابق کبھی تو ظاہر ہو جاتی ہے اور کبھی زیر زمین چلی جاتی ہے لیکن اس کے حقیقی مبادیات جس پر یہ تنظیم استوار ہے، وہ تمام حالات میں ہی مخفی ہیں حتیٰ کہ سوائے ان خواص الخواص کے وہ اس تنظیم کے ارکان سے بھی مخفی رکھے جاتے ہیں، جو مختلف تجربوں کے بعد اونچے عمداں پر فائز کئے جاتے ہیں۔

② یہ تنظیم ناواقف لوگوں کو دھوکا و فریب میں مبتلا کرنے کے لئے روئے زمین میں پھیلے ہوئے اپنے بعض ارکان کا بعض کے ساتھ جس ظاہری اساس پر رابطہ استوار کرتی ہے، وہ بزم خود انسانی اخوت کی اساس ہے، جس کی بنیاد پر تمام لوگ عقائد، فرقوں اور مذہبوں کی تیز کے بغیر اس تنظیم میں داخل ہو سکتے ہیں۔

نوٹ: حیات مسیح کے مسئلہ کی تفصیل کے لئے مطالعہ فرمائیے، حضرت مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ کی نہایت علمی و تحقیقی اور شاہکار کتاب ((شہادۃ القرآن باعلیٰ النداء بان المسیح رفع حیا الی السماء))

- ③ یہ تنظیم جن لوگوں کو اپنے مقاصد کی خاطر اپنے ساتھ ملانا ضروری سمجھتی ہے، انہیں ذاتی منفعت کے نام پر دھوکا دے کر اپنی طرف کھینچ لیتی ہے اور دعویٰ یہ کرتی ہے کہ ہر ماسونی بھائی دنیا بھر کے ہر دوسرے ماسونی بھائی کی مدد کے لئے ہر وقت تیار ہے جو کہ اس کی تمام ضرورتوں، مقاصد اور مشکلات میں مدد کرے گا، سیاسی اغراض و مقاصد میں بھی اس کی بھرپور تائید و حمایت کرے گا، اگر کسی مشکل میں مبتلا ہو تو اس مشکل سے نکلنے کے لئے اس کا پورا پورا ساتھ دے گا، الغرض ہر حال میں وہ اس کا ساتھ دے گا خواہ یہ حق پر ہو یا باطل پر، خواہ یہ ظالم ہو یا مظلوم، اگرچہ بظاہر یہ تاثر دیتے ہیں کہ وہ صرف حق پر ہونے کی صورت میں مدد کرتے ہیں، باطل پر ہونے کی صورت میں مدد نہیں کرتے لیکن یہ تو ان کا وہ بڑا جال ہے، جس میں وہ دنیا کے بڑے بڑے معاشرتی مراکز سے لوگوں کو شکار کرتے (پھنسا لیتے) ہیں اور ان سے خاطر خواہ مالی عطیات بھی وصول کرتے ہیں۔
- ④ جب کوئی نیا ممبر اس تنظیم میں داخل ہوتا ہے تو دہشت گردی کے مخصوص اسرار و رموز پر مبنی تصویروں سے مزین ایک تقریب کا اہتمام کیا جاتا ہے، جس سے اس نئے ممبر کو یہ باور کرانا مقصود ہوتا ہے کہ اگر اس نے اس تحریک کی تعلیمات کی خلاف ورزی کی تو اسے بھی دہشت گردی کا نشانہ بنایا جاسکتا ہے نیز اسے یہ بھی سمجھایا جاتا ہے کہ اس تک احکام حسب مراتب درجہ بدرجہ تحریک سے وابستہ لوگوں کی طرف سے پہنچیں گے۔
- ⑤ سادہ لوح ارکان کو اپنی دینی عبادات کے ادا کرنے کی آزادی دی جاتی ہے۔ تنظیم ان کے مناصب اور ذمے داریوں سے اپنے مخصوص مفادات کی حد تک فائدہ اٹھاتی ہے، تاہم ملاحظہ یا جو الحاد کے لئے کام کر رہے ہوتے ہیں، ان کے مراتب میں بتدریج اضافہ ہوتا ہے لیکن پہلے وہ ان کو تجربات اور بار بار کے ان امتحانات سے گزارتی ہے جو کہ تنظیم ان کی استعداد کے مطابق اپنے اہداف و مقاصد اور خطرناک منصوبوں کو بروئے کار لانے کے لیے لیتی ہے۔
- ⑥ اس تحریک کے سیاسی اغراض و مقاصد ہیں، دنیا میں جو بھی بڑے بڑے سیاسی و فوجی انقلابات اور خطرناک تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں، ان کے پس پردہ اس تحریک کا ظاہر یا مخفی ہاتھ کار فرما ہے۔
- ⑦ اپنی اصلی اور تنظیمی بنیاد کے اعتبار سے یہ ایک یہودی تحریک ہے، یہ یہودیوں ہی کا ایک بین الاقوامی اور بہت بڑا مخفی ادارہ ہے، اس کی تمام سرگرمیاں صیونیت ہی کی منظر ہیں۔
- ⑧ اپنے حقیقی اور خفیہ اغراض و مقاصد کے اعتبار سے یہ تنظیم دنیا بھر کے تمام ادیان کے خلاف ہے اور انہیں صفحہ ہستی سے مٹا دینا چاہتی ہے، جب کہ اس کا خاص ہدف اسلام ہے۔ فرزندان اسلام کے دلوں سے اسلام کی محبت و عقیدت کو نکال دینا اس کا اولین ٹارگٹ ہے۔
- ⑨ اس تحریک کی اولین کوشش یہ ہوتی ہے کہ ایسے لوگوں کو اپنے ساتھ شامل کرے جو مالی، سیاسی، معاشرتی، علمی یا کسی بھی دوسری حیثیت سے بہت اعلیٰ مقام پر فائز ہوں تاکہ ان لوگوں کے اثر و سوز سے یہ فائدہ اٹھا سکے۔ جن لوگوں کی معاشرہ میں کوئی حیثیت نہ ہو انہیں اپنے ساتھ شامل کرنے میں اسے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ اس کی مکمل خواہش یہ ہوتی ہے کہ دنیا کے بادشاہوں، سربراہوں اور حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر فائز شخصیتوں کو اپنے ساتھ ملائے۔
- ⑩ اس تحریک کی کئی شاخیں ہیں، لوگوں کو دھوکا دینے یا لوگوں کی نظریں ہٹانے کے لئے انہیں مختلف ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے اس سے اس تحریک کا مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر کسی جگہ ماسونی تحریک زیر عتاب آجائے تو اس کے

دیگر دفاتر اور برانچیں جو اور اور ناموں سے موسوم ہیں، وہ بدستور سرگرم عمل رہیں، چنانچہ ان میں سے لائسنز آرگنائزیشن، روٹری کلب اور لیونز وغیرہ کے نام بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ ان تمام تنظیموں کے اغراض و مقاصد بے حد خبیث اور اسلام کے قواعد و تعلیمات کے بالکل منافی ہیں۔

ناقابل تردید دلائل و براہین سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ماسونی تحریک کا بین الاقوامی یہودی صیہونی تحریک سے بے حد گہرا تعلق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسئلہ فلسطین سے متعلق عرب ممالک کے تمام حکمرانوں اور سربراہوں کی کوششوں کو اس نے کامیابی سے سبوتاژ کیا اور اس مسئلہ سے متعلق صرف اس بات کی تائید و حمایت کی جو بین الاقوامی یہودی و صیہونی تحریک کے مفاد میں تھی۔

ان حالات اور بہت سی دیگر تفصیلی معلومات کی بنیاد پر جو ہمیں ماسونی تحریک کی سرگرمیوں، خطرات، خبیث دجل و فریب اور خطرناک اغراض و مقاصد کے بارے میں موصول ہوئی ہیں، فقہی کونسل ماسونی (Freemasonic) تحریک کو اسلام اور مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ خطرناک تحریک شمار کرتی ہے۔ جو شخص اس تحریک کی حقیقت اور اس کے اغراض و مقاصد کو جانتے ہوئے اس میں داخل ہو وہ دائرہ اسلام سے خارج کافر اور مسلمانوں کا دشمن ہے۔ (واللہ ولی التوفیق)

چیمبرمین: عبداللہ بن حمید، سربراہ سپریم کورٹ (سعودی عرب)، وائس چیمبرمین: محمد علی المحرکان، سیکرٹری جنرل رابطہ عالم اسلامی، ارکان: ① عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز، ڈائریکٹر جنرل ادارات بحوث علمیہ و افتاء و دعوة و ارشاد، سعودی عرب ② محمد محمود الصواف۔

وہابی دعوت سلفی دعوت ہے اور ان افتراء پردازوں میں کوئی صداقت نہیں

سوال یہ جو پروپیگنڈہ کیا گیا ہے کہ امام شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کے پیروکاروں نے جب جزیرۃ العرب پر قبضہ کیا اور مدینہ منورہ پہنچے تو انہوں نے مسجد نبوی میں واقع روضہ شریف میں اپنے گھوڑے باندھ دیئے تھے، کیا یہ صحیح ہے؟

جواب یہ بات بالکل صحیح نہیں ہے بلکہ یہ جھوٹ اور حق کی مخالفت ہے۔ مشہور بات یہ ہے کہ امام محمد بن عبدالوہاب کے پیروکاروں نے جب مدینہ منورہ پر قبضہ کیا تو انہوں نے یہاں سلفی دعوت کی نشرو اشاعت کا کام کیا۔ اس توحید کی حقیقت کو بیان کیا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تھا اور جس شرک اکبر میں اکثر لوگ مبتلا ہو چکے تھے اس کی انہوں نے تردید کی مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے استغاثہ، آپ سے مدد طلب کرنا، بقیع میں مدفون صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اہل بیت اور اولیاء سے استغاثہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور دیگر شہداء احد سے استغاثہ کی انہوں نے تردید کی اور لوگوں کو اسلام کی حقیقت بتائی اور اس وقت حجاز وغیرہ میں جن بدعات و خرافات کا دور دورہ تھا، ان کی انہوں نے مذمت کی۔ اس کے علاوہ اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ انہوں نے قبر شریف یا روضہ کی توہین کی یا یہ کہتا ہے کہ انہوں نے معاذ اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اولیاء اللہ میں سے کسی کی شان میں گستاخی کی تو وہ جھوٹ بولتا، افتراء پردازی کرتا، خلاف واقعہ اور خلاف حقیقت بات کرتا ہے۔ کتب تاریخ ان دلائل سے بھری پڑی ہیں جو ہماری بات کی شہادت دیتی اور افتراء پردازوں کے جھوٹ کو طشت ازبام کرتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی دین میں تفقہ اور ثابت قدمی عطا فرمائے کہ ہم اس سے ملاقات کے دن تک اس

کہ دین سے وابستہ رہیں۔ مجھے اور آپ کو لغزشوں سے محفوظ رکھے، وہی کارساز و قادر ہے۔ ہم اللہ عزوجل سے یہ بھی دعاء کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے تمام علماء اور تمام داعیان ہدایت کو معاف فرمائے، ہمیں اور آپ کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، ہم سب کو حق کے سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق سے نوازے اور باطل کو سمجھنے اور اس سے بچنے کی توفیق سے سرفراز فرمائے۔ انہ ولی ذلک والقادر علیہ واللہ الموفق!

شیخ ابن باز

بدھ مت

کیا بدھ مت کی بھی کوئی کتاب ہے؟

سوال

ہمارے علم کے مطابق بدھ مت کے ماننے والوں کے پاس کوئی آسمانی کتاب نہیں ہے بلکہ یہ بت پرستوں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان میں سے اگر کوئی یسویت یا عیسائیت یا مجوسیت کو اختیار کر لے تو اس کے لئے اس دین کا حکم ہو گا جس کو اس نے اختیار کر لیا ہو۔ ((واللہ الموفق!))

شیخ ابن باز

شیعہ مذہب کی تقلید

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عبادات و معاملات کو صحیح طریقے سے ادا کرنے کے لئے ایک مسلمان کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ مشہور مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کی تقلید کرے لیکن مذہب شیعہ امامیہ اور شیعہ زیدیہ ان چاروں مذاہب میں سے نہیں ہیں، تو آپ کی خدمت میں گزارش ہے کیا آپ اس رائے سے علی الاطلاق اتفاق کرتے ہیں کہ چاروں مذاہب میں سے کسی ایک کی تقلید تو کی جائے لیکن مذہب شیعہ امامیہ و اثنا عشریہ کی تقلید نہ کی جائے؟

ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اگر وہ خود کتاب و سنت سے احکام اخذ کر سکتا ہو تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اتباع کرے اور اگر وہ خود احکام اخذ نہیں کر سکتا تو جب اسے دین میں کوئی مشکل پیش آئے تو وہ اہل علم سے پوچھ لے اور کوشش کرے کہ جو زیادہ بڑا عالم ہو اس سے بالمشافہ یا خط و کتابت کے ذریعہ استفسار کرے۔

کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مذہب شیعہ امامیہ یا شیعہ زیدیہ یا ان جیسے دیگر مبتدعین (اہل بدعت) مثلاً خوارج، معتزلہ اور جہمیہ وغیرہ کی تقلید کرے، البتہ مشہور مذاہب اربعہ میں سے کسی کی طرف انتساب میں کوئی حرج نہیں جب کہ وہ تعصب سے کام نہ لے اور اس مذہب کی وجہ سے دلیل کی مخالفت نہ کرے۔

فتویٰ کمیٹی

وہابی نبی ﷺ کی شفاعت کے منکر نہیں ہیں

کیا وہابی رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کے منکر ہیں؟

سوال

ہر اس عقل مند انسان سے یہ بات مخفی نہ ہو گی، جس نے امام شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے پیروکاروں کی

جواب

سیرتوں کا مطالعہ کیا ہو گا کہ وہ اس قول سے بری ہیں کیونکہ حضرت الامام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتابوں خصوصاً ”کتاب التوحید“ اور ”کشف الشبہات“ میں یہ لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت فرمائیں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے پیروکار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے منکر نہیں بلکہ وہ دیگر انبیاء، ملائکہ اور مومنوں کی شفاعت کو بھی مانتے ہیں، جس طرح کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ذکر فرمایا ہے، کتاب و سنت کے دلائل کے پیش نظر سلف صالح کا بھی یہی مسلک تھا اس سے یہ واضح ہوا کہ شیخ اور ان کے پیروکاروں کے حوالہ سے جو یہ پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے منکر ہیں، یہ سب سے بڑی باطل اور اللہ تعالیٰ کے راستہ سے روکنے والی بات ہے اور داعیان دین پر سراسر ایک جھوٹا الزام۔ ہاں البتہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے پیروکاروں نے اس بات کا انکار کیا ہے کہ فوت شدگان وغیرہ سے شفاعت طلب کی جائے۔ ہم اپنے لئے بھی اور تمہارے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے ہر اس چیز سے عافیت و سلامتی چاہتے ہیں جو اسے ناراض کرنے والی ہو۔ ((واللہ الموفق!))

شیخ ابن باز

کیا بیٹا غیر اللہ کی عطاء ہے؟

سوال کیا بیٹا مرشد عطاء کرتا ہے؟ کیا مرشد رزق میں کمی بیشی کرتا ہے؟ جو شخص یہ اعتقاد رکھے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور نے بیٹا دیا ہے یا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور رزق میں کمی بیشی کر سکتا ہے تو وہ مشرک ہے اور اس کا شرک زمانہ جاہلیت کے عربوں کے شرک سے بھی بڑا ہے کیونکہ عربوں وغیرہ سے جب زمانہ جاہلیت میں یہ پوچھا جاتا تھا کہ انہیں آسمان و زمین سے رزق کون دیتا ہے؟ یا مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ کون نکالتا ہے؟ تو وہ کہتے تھے کہ یہ سب کاظم اللہ کرتا ہے۔ وہ اپنے معبودان باطلہ کی عبادت اس لئے کرتے تھے کہ ان کا گمان یہ تھا کہ یہ انہیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَرَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَمِيتِ وَيُخْرِجُ الْمَمِيتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ أَفَلَا لَتَقُون ﴿٦٠﴾ ﴾ (یونس ۱۰/۳۱)

”(ان سے) پوچھو کہ تم کو آسمان اور زمین سے رزق کون دیتا ہے یا (تمہارے) کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے اور بے جان سے جان دار کون پیدا کرتا ہے اور جان دار سے بے جان کون پیدا کرتا ہے اور دنیا کے کاموں کا انتظام کون کرتا ہے؟ جھٹ کہہ دیں گے کہ ”اللہ“ تو پھر پوچھئے کہ تم (اللہ سے) ڈرتے کیوں نہیں۔“

اور فرمایا:

﴿ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ ﴿٦١﴾ ﴾ (الزمر ۳۹/۳)

”اور جن لوگوں نے اس کے سوا دوست بنائے ہیں (وہ کہتے ہیں کہ) ہم ان کو اس لئے پوجتے ہیں کہ ہم کو اللہ کا مقرب بنا دیں، تو جن باتوں میں یہ اختلاف کرتے ہیں، اللہ ان میں ان کا فیصلہ کر دے گا۔ بے شک اللہ اس

شخص کو جو جھوٹا ناشکرا ہے ہدایت نہیں دیتا۔“

نیز فرمایا:

﴿أَمَّنْ هَذَا الَّذِي يَرْفُقُكَ إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُ﴾ (المک ۶۷/۲۱)

”بھلا اگر وہ اپنا رزق بند کر لے تو کون ہے جو تم کو رزق دے؟“

سنت سے یہ ثابت ہے کہ دینا یا نہ دینا یہ صرف اللہ وحدہ کا اختیار ہے جیسا کہ حضرت الامام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی ”صحیح“ کے (باب الذکر بعد الصلاة) میں بیان کیا ہے کہ مغیرہ بن شعبہ کے کاتب ورا بیان کرتے ہیں کہ مغیرہ بن شعبہ رحمہ اللہ نے حضرت معاویہ رحمہ اللہ کے نام خط لکھوایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد یہ دعاء پڑھا کرتے تھے:

«لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، أَلْهَمَ لِمَا مَنَعَ لِمَا أُعْطِيَ، وَلَا مُعْطِي لِمَا مَنَعَتْ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ» (صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء بعد الصلاة، ح: ۶۳۳۰، و صحیح مسلم، کتاب

المساجد، باب استحباب الذکر بعد الصلاة، و بیان صفتہ، ح: ۵۹۳)

”اللہ کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں ہے، وہ اکیلا ہے کوئی اس کا ساتھی نہیں، اسی کا سارا ملک ہے اور اسی

کی سب تعریف ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ! جو تو عطاء فرمائے اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جو

تو نہ دے اس کا کوئی دینے والا نہیں اور کسی دولت مند کو اس کی دولت (تیری پکڑ سے) نہیں بچا سکتی۔“

امام مسلم نے بھی اپنی ”صحیح“ میں اسی طرح ذکر فرمایا ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ اولاد تو اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو عطاء فرماتا ہے لیکن اس بندے کے اپنے اللہ سے دعاء کرنے کی وجہ سے اس کی اولاد کے رزق میں وسعت عطاء فرمادیتا ہے، جس طرح سورۃ ابراہیم سے واضح ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعاء کی اور اللہ تعالیٰ نے اسے قبول فرمایا۔ سورۃ مریم و انبیاء میں ہے کہ زکریا علیہ السلام نے اپنے رب سے دعاء کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاء کو بھی شرف قبولیت سے نوازا۔ اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ:

«مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ وَيُسْتَأْ لَهُ فِي أَجَلِهِ فَلْيَصِلْ رَحْمَتَهُ» (صحیح بخاری، کتاب

الادب، باب من بسط له في الرزق لصلوة الرحم، ح: ۵۹۸۵، و صحیح مسلم، کتاب البر والصلوة، باب

صلوة الرحم، و تحريم قطعها، ح: ۲۵۵۷)

”جس شخص کو یہ بات پسند ہو کہ اس کے رزق میں وسعت اور اس کی عمر میں درازی ہو تو اسے صلہ رحمی

سے کام لینا چاہئے۔“

فتویٰ کمیٹی

طریقہ شاذلیہ

سوال: بحوث العلمیہ والا فقاء کی فتویٰ کمیٹی کے سامنے یہ سوال پیش کیا گیا جو عزت مآب ڈائریکٹر جنرل کی خدمت میں پیش ہوا تھا اور جس کا مضمون یہ ہے کہ فرقہ شاذلیہ سے وابستہ لوگ نماز پڑھتے ہیں نہ روزہ رکھتے ہیں اور نہ ہی زکوٰۃ ادا

کرتے ہیں۔ اپنے مرشد جسے یہ ”سیدنا“ کہہ کر پکارتے ہیں، کے بارے میں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ رب کے قائم مقام ہے۔ وہی آخرت کے دن ان کا کفیل ہوگا، اس نے ان کے دنیا کے ہر عمل کو معاف کر دیا ہے۔ یہ لوگ ہر ہفتہ، سوموار اور جمعہ کی رات جمع ہوتے ہیں، میرا باپ مجھے اس فرقہ کے ساتھ وابستگی پر مجبور کرتا ہے اور جب میں روزہ رکھوں یا نماز پڑھوں تو وہ ناراض ہوتا ہے اور مجھ سے یہ کہتا ہے کہ ہمارے سید نے ہمارے لئے سب کچھ معاف کر دیا ہے، اس نے ہمیں جہنم کے عذاب سے بچالیا ہے یعنی ہم یقینی طور پر جنتی ہیں لیکن میں جانتا ہوں کہ اس کی یہ بات یقینی طور پر غلط ہے کیونکہ وہ ہمارے جیسا انسان ہی ہے۔ لہذا میری راہنمائی فرمائیے کہ میں کیا کروں؟ میں جانتا ہوں کہ اللہ میرا رب ہے، حضرت محمد ﷺ اللہ کے نبی اور رسول ہیں اور اسلام میرا دین ہے۔ میں اسلام کے ارکان خمسہ کی بھی پابندی کرتا ہوں لیکن اگر میں اپنے باپ کی اطاعت کروں تو اپنے رب کے احکام کا مخالف ٹھہروں گا اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

﴿فَلَا تَقُلْ لِمُؤْمِنٍ أَوْ لِمَا نَهَرَهُمَا﴾ (الاسراء/۱۷/۲۳)

”ان کو اف تک نہ کہنا اور نہ انہیں جھڑکنا“

اور اگر میں اپنے باپ کی اطاعت نہ کروں تو مجھ سے ہمیشہ ناراض رہے گا اور مجھ سے جھگڑتا رہے گا کہ میں اس طریقے کو کیوں اختیار نہیں کرتا۔ دوسری طرف میری حالت یہ ہے کہ میں اپنے لئے کچھ نہیں کما سکتا، میری والدہ کے سوا خاندان میں کوئی اور میری مدد بھی نہیں کر سکتا۔ لہذا براہ کرم میری راہنمائی فرمائیں کہ میں اپنے رب کو کس طرح راضی کروں اور اپنے باپ کی ناراضی سے کس طرح بچوں جو نماز روزے یا صحیح الفاظ کے مطابق دین اسلام ہی کا مخالف ہے؟

جواب

کمیٹی نے اس سوال کا حسب ذیل جواب دیا کہ:

اگر امر واقعہ اسی طرح ہے جس طرح تم نے ذکر کیا ہے کہ تمہارا والد اور اس کے ساتھ اس طریقہ میں شامل لوگ نماز پڑھتے ہیں نہ روزے رکھتے ہیں اور اعتقاد یہ رکھتے ہیں کہ ان کا سید یا شیخ رب کے قائم مقام ہے، جو ان کے لئے جنت کا ضامن ہے اور وہ ان کے تمام برے اعمال کو معاف کر دے گا تو وہ کافر ہیں۔ اگر تمہارا باپ تمہیں ان میں شامل ہونے کا حکم دے اور نماز روزے کی پابندی سے منع کرے تو اس کی بات بالکل نہ مانو کیونکہ خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے بلکہ اللہ کے حکم کی اطاعت کیجئے اور اس کی نافرمانی سے اجتناب کیجئے اور حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ پر عمل کے مطابق دنیا کے کاموں میں ان کے ساتھ شریک رہئے:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَلَمَةً أُمَّهُ وَهَنًا عَلَيَّ وَهَنٌ وَفَصَلِّ لِي فِي عَامِينَ أَنْ أَسْكُرَ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَى الْمَصِيرِ ﴿١٥﴾ وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبَهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾﴾ (لقمان/۳۱-۱۵-۱۶)

”اور ہم نے انسان کو جسے اس کی ماں تکلیف پر تکلیف سہم کر پیٹ میں اٹھائے رکھتی ہے (پھر اس کو دودھ پلاتی ہے) اور (آخر کار) دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہوتا ہے (اسے) اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید کی ہے کہ میرا بھی شکر کرتا رہے اور اپنے ماں باپ کا بھی (کہ تم کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے اور اگر وہ تیرے درپے ہوں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک کرے، جس کا تجھے کچھ بھی علم نہیں تو ان کا کہنا نہ

ماننا، ہاں دنیا (کے کاموں) میں ان کا اچھی طرح ساتھ دینا اور جو شخص میری طرف رجوع کرے، اس کے راستے پر چلنا پھر تم کو میری طرف لوٹ کر آنا ہے تو جو کام تم کرتے رہے ہو، میں سب سے تم کو آگاہ کر دوں گا۔“

آپ سچے مومن لوگوں کے ساتھ رہ کر ان عقائد کو اختیار کیجئے جن کے اختیار کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے جن کی وضاحت فرمائی ہے، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پر عمل کیجئے، اللہ تعالیٰ کے راستے میں جو تکلیف آئے اسے برداشت کیجئے، اللہ کی طرف رجوع کرنے والوں کے راستے پر چلئے کہ یہی راستہ بہتر اور انجام کے اعتبار سے بھی بہت اچھا ہے۔ فرقہ شاذلیہ کے لوگوں کو چھوڑ دیجئے کیونکہ ڈر ہے کہ یہ لوگ آپ کو گمراہ کر دیں گے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے لئے روزی کمانے کا کوئی ذریعہ پیدا فرمادے گا، جس سے آپ زندگی بسر کر سکیں کیونکہ رزق تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، آپ کے والد کے ہاتھ میں ہے نہ کسی اور انسان کے ہاتھ میں!

فتویٰ کمیٹی

صوفیاء کے طریقے، خرق عادت و واقعات اور شیطانی حالات

سوال ہمارے ہاں درویشوں کا ایک طریقہ مروج ہے۔ ہمارے قریبی رشتہ داروں میں سے ایک ایسا آدمی ان کے ساتھ ہے، جس نے صاحب طریقہ سے پانی پیا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کے پیٹ پر خنجر، تلوار، لاٹھی یا بندوق وغیرہ جس آلہ سے بھی مارا جائے تو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچتا حالانکہ یہ بالکل ان پڑھ آدمی ہے، اسے سمجھ بوجھ بھی نہیں اور نہ ہی یہ لوگوں کے سامنے دوسرے کاروں یا شعبہ بازیوں وغیرہ کا اظہار کر سکتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اسلام سے بھی اس کا کوئی واسطہ نہیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے نماز، روزہ اور دیگر فرائض جو مقرر فرمائے ہیں، یہ شخص انہیں بھی ادا نہیں کرتا۔ امید ہے آپ بیان فرمائیں گے کہ اسلام کی اس سلسلہ میں کیا رائے ہے؟ ما برداشت کرنے کا کیا راز ہے؟ امید ہے کہ آپ جواب سے مطلع فرمائیں گے کیونکہ یہ فرقہ ہمارے ملک اور بہت سے عربی اور اسلامی ملکوں میں موجود ہے۔

جواب نص اور اجماع سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نبوت و رسالت کو ختم فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ ﴾ (الاحزاب ۸۳، ۴۰)

”محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں بلکہ اللہ کے رسول اور نبیوں میں سے آخری (خاتم النبیین) ہیں۔“

رسول اللہ ﷺ کی بہت سی متواتر احادیث سے بھی یہ ثابت ہے کہ آپ خاتم النبیین ہیں۔ سب مسلمانوں کا بھی آپ کی ختم نبوت پر اجماع ہے۔ اولیاء کی دو قسمیں ہیں:

① اولیاء الرحمن ② اولیاء الشیطان۔

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی سنت میں یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بھی دوست ہیں اور شیطان کے بھی دوست ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١٦﴾ الَّذِينَ ءَامَنُوا وَكَانُوا

يَتَّقُونَ ﴿٦٦﴾ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ لَا يَبْدِيلُ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ذٰلِكَ هُوَ الْقَوْرُ الْعَظِيمُ ﴿٦٧﴾ (یونس ۱۰/۶۶-۶۷)

”من رکھو کہ جو اللہ کے دوست ہیں ان کو نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غم ناک ہوں گے (یعنی) وہ لوگ جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے، ان کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی۔ اللہ کی باتیں بدلتی نہیں۔ یہی تو بڑی کامیابی ہے۔“

اور فرمایا:

﴿ اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ ءَامَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَآؤُهُمُ الظُّلُمَاتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٥٧﴾ ﴾ (البقرة ۲/۲۵۷)

”اللہ ان لوگوں کا دوست ہے جو ایمان لائے ہیں وہ (اللہ تعالیٰ) انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے جاتا ہے اور جو کافر ہیں ان کے دوست شیطان ہیں، وہ (شیطان) ان کو روشنی سے نکال کر اندھیروں میں لے جاتے ہیں۔ یہی لوگ اہل دوزخ ہیں وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔“

حدیث صحیح میں ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ اور کئی دیگر محدثین نے بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:

«مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَىٰ بَارِئِي بِالْمُحَارَبَةِ أَوْ فَقَدْ آذَنَتْهُ بِالْحَرْبِ» (صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، ح: ۶۵۰۲، وسنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب من ترجى له السلامة من الفتن، ح: ۳۹۸۹)

”جو کوئی میرے کسی ولی سے دشمنی کرے گا میرا اس کے خلاف اعلان جنگ ہے۔“

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بیان فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے کسی ولی سے دشمنی کرے تو اللہ تعالیٰ کا اس شخص کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ شیطان کے بھی دوست ہوتے ہیں، چنانچہ ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿٩٧﴾ إِنَّهُ لَيْسَ لَكَ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِينَ ءَامَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٩٨﴾ إِنَّمَا سُلْطٰنُكُمْ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُمُ وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ ﴿٩٩﴾ ﴾ (النحل ۱۶/۹۸-۹۹)

”اور جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مروود سے پناہ مانگ لیا کریں جو مومن ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں ان پر اس کا کچھ زور نہیں چلتا ہے۔ اس کا زور انہی لوگوں پر چلتا ہے جو اس کو رفیق بناتے ہیں اور اس کے (وسوسے کے) سبب (اللہ کے ساتھ) شریک مقرر کرتے ہیں۔“

اور فرمایا:

﴿ وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّن دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرًا مُّبِينًا ﴿١١٦﴾ ﴾

(النساء/۴/۱۱۹)

”اور جس شخص نے اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنایا وہ صریح نقصان میں پڑ گیا۔“

اور فرمایا:

﴿ إِنَّا جَعَلْنَا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۲۷﴾ وَإِذَا فَعَلُوا فَجِيئَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللَّهُ أَمَرَنَا بِهَا قُلْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ اتَّقُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۲۸﴾ قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ ﴿۲۹﴾ فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ إِنَّهُمْ اتَّخَذُوا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ اللَّهِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُهْتَدُونَ ﴿۳۰﴾ (الأعراف/۷/۲۷-۳۰)

”ہم نے شیطان کو انہی لوگوں کا رفیق بنا دیا ہے جو ایمان نہیں رکھتے اور جب کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے آباء و اجداد (بزرگوں) کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔ اور اللہ نے ہمیں یہی حکم دیا ہے۔ ان سے کہو اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیا کرتا کیا تم اللہ کا نام لے کر وہ باتیں کہتے ہو جن کے متعلق تمہیں علم نہیں ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہیں؟ اے نبی کہہ دو کہ میرے رب نے تو انصاف کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ کہ نماز کے وقت سیدھا (قبلہ کی طرف) رخ کیا کرو اور خاص اسی کی عبارت کرو اور اسی کو پکارو، اس نے جس طرح تمہیں ابتدا میں پیدا کیا تھا اسی طرح تم پھر پیدا ہو گے۔ ایک فریق کو تو اس نے ہدایت دی اور ایک فریق پر گمراہی ثابت ہو چکی ہے۔ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو رفیق بنا لیا ہے اور سمجھتے ہیں کہ ہدایت یاب ہیں۔“

اور فرمایا:

﴿ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَيْكَ أَوْلِيَاءَ بِهِمْ لِئُجَدِّلُوا بِكُمْ وَإِنِ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ﴿۱۲﴾ (الأنعام/۶/۱۲۱)

”اور شیطان (لوگ) اپنے رفیقوں کے دلوں میں یہ بات ڈالتے ہیں کہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم ان کے کمنے پر چلے تو بے شک تم بھی مشرک ہوئے۔“

حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام نے فرمایا تھا:

﴿ يَتَأْتِيهِمْ إِنْجٍ أَخَافُ أَنْ يَمْسَكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمَنِ فَتَكُونَ لِلشَّيَاطِينِ أَوْلِيَاءَ ﴿۱۵﴾ (مریم/۱۹/۴۵)

”اباجی! مجھے ڈر لگتا ہے کہ آپ کو اللہ کا عذاب آپکے تو آپ شیطان کے ساتھی بن جائیں۔“

اور فرمایا:

﴿ يَتَأْتِيهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تَلْقَوْنَ فِيهِم بِالْمُؤَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُمْ إِن كُنتُمْ حَرَجْتُمْ جِهَدًا فِي سَبِيلِي وَآيَاتِي مَرَضَاتِي سُرُورًا لِلَّهِ بِالْمُؤَدَّةِ وَأَنَا أَغْلِبُ بِمَا أَحْفَتُّكُمْ وَمَا أَعْلَمْتُمْ وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿۱﴾ (۱)

يَنْفَعُوكُمْ يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءَ وَيَسْطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَأَلْسِنَتُهُمْ يَأْسُوهُ وَأُوذُوا لَوْ تَكْفُرُونَ ﴿٦﴾ لَنْ نَنْفَعَكُمْ
 أَرْحَامَكُمْ وَلَا أَوْلَادَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَفْصَلُ بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٧﴾ فَذَكَرْنَا لَكُمْ أُسْوَةً حَسَنَةً
 فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءُؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا
 وَبَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحَدُّهُ إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَا أَمْلِكُ لَكَ
 مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنبَأْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ﴿٨﴾ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَاعْفُ عَنَّا
 لَنَا رَبَّنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٩﴾ (الممتحنة ٦٠/٥-١)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تم میری راہ میں جہاد کرنے کے لئے اور میری رضا جوئی کی خاطر (وطن چھوڑ کر گھروں سے) نکلے ہو تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم ان کے ساتھ دوستی کی طرح ڈالتے ہو حالانکہ جو حق تمہارے پاس آیا ہے اس کو ماننے سے وہ انکار کر چکے ہیں اور ان کی روش یہ ہے کہ رسول کو اور خود تم کو صرف اس قصور پر جلا وطن کرتے ہیں کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لائے ہو، تم چھپا کر ان کو دوستانہ پیغام بھیجتے ہو حالانکہ جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اور جو علانیہ کرتے ہو، ہر چیز کو میں خوب جانتا ہوں۔ جو شخص بھی تم میں سے ایسا کرے وہ یقیناً راہ راست سے بھٹک گیا۔ ان کا رویہ تو یہ ہے کہ اگر تم پر قابو پا جائیں تو تمہارے ساتھ دشمنی کریں اور ہاتھ زبان سے تمہیں تکلیف دیں۔ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ تم کسبی طرح کافر ہو جاؤ۔ قیامت کے دن نہ تمہاری رشتہ داریاں کسی کام آئیں گی اور نہ تمہاری اولاد۔ اُس روز اللہ تمہارے درمیان جدائی ڈال دے گا اور وہی تمہارے اعمال کا دیکھنے والا ہے۔ تم لوگوں کے لئے ابراہیم اور اُس کے ساتھیوں میں ایک اچھا نمونہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے صاف کہہ دیا ”ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو قطعی بیزار ہیں، ہم نے تم سے کفر کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت ہو گئی اور پھر بڑا گیا جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ۔“ مگر ابراہیم کا اپنے باپ سے یہ کہنا (اس سے مستثنیٰ ہے) کہ میں آپ کے لئے مغفرت کی درخواست کروں گا، اور اللہ سے آپ کے لئے کچھ حاصل کر لینا میرے بس میں نہیں ہے۔ (اور ابراہیم اور اصحاب ابراہیم کی دعا یہ تھی کہ) اے ہمارے رب! تیرے ہی اوپر ہم نے بھروسہ کیا اور تیری ہی طرف ہم نے رجوع کر لیا اور تیرے ہی حضور ہمیں پلٹنا ہے، اے ہمارے رب! ہمیں کافروں کے لئے فتنہ نہ بنا دے اور اے ہمارے رب! ہماری غلطیوں سے درگزر فرما، بیشک تو ہی زبردست اور دانا ہے۔“

ان آیات کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ شخص شیطان کے دوستوں میں سے ہے اور مذکورہ اعمال شیطانی احوال ہیں، جن کے ذریعہ لوگوں کو دھوکہ دے کر ان کی آنکھوں کو فریب دیا گیا ہے، ان کاموں کی کوئی حقیقت نہیں یہ صرف شیطانوں کے ذریعہ لوگوں کی آنکھوں کو دھوکہ دیا گیا ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے جادوگروں کے بارے میں سورہ اعراف میں فرمایا ہے:

﴿فَلَمَّا أَتَوْا سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرَهُبُوهُمْ وَجَاءَهُمْ سِحْرٌ عَظِيمٌ ﴿١١٦﴾﴾ (الأعراف ١١٦/٧)

”جب انہوں نے (جادو کی چیزیں) ڈالیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا (یعنی نظر بندی کر دی) اور (لاٹھیوں

اور رسیوں کے سانپ بنا بنا کر انہیں ڈرا دیا اور بہت بڑا جادو دکھایا۔“

اور سورہ طہ میں فرمایا:

﴿ قَالُوا يَبْسُوسُونَ إِيْمَانًا أَنْ تُلْقَىٰ وَإِنَّمَا أَنْ تَكُونَ أَوْلَىٰ مِنَ الْقَلْبِ ﴿٦٦﴾ قَالَ بَلْ أَلْقَوْنَا فِإِذَا جَاءَهُمْ وَعَصِيهِمْ يُخِيلُ إِلَيْهِ
مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّمَا تَسْعَىٰ ﴿٦٧﴾ ﴾ (طہ ۶۵/۶۶)

”(جادوگر) بولے کہ موسیٰ یا تو تم (اپنی چیز) ڈالو یا ہم (اپنی چیزیں) پہلے ڈالتے ہیں۔ موسیٰ نے کہا نہیں تم ہی ڈالو
(جب انہوں نے چیزیں ڈالیں) تو ناگمان ان کی رسیاں اور لائیں موسیٰ کے خیال میں ایسے آنے لگیں کہ وہ
(میدان میں ادھر ادھر) دوڑ رہی ہیں۔“ (صلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم)

فتویٰ کمیٹی

نماز بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے

سوال بعض صوفیہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر فرض نماز سے افضل ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے ﴿ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ ﴾
﴿ تو کیا واقعی صوفیہ کے بقول ذکر الہی نماز سے افضل ہے؟

جواب اللہ تعالیٰ نے کثرت کے ساتھ اپنے ذکر کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:
﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَبِيرًا ﴿١٤١﴾ وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿١٤٢﴾ ﴾ (الأحزاب ۳۳/۴۲-۴۱)

”اے اہل ایمان! اللہ کا بہت ذکر کیا کرو اور صبح و شام اس کی پاکیزگی (تسبیح و تقدیس) بیان کرتے رہو۔“

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ ذکر الہی سے اطمینان و سکون قلب حاصل ہوتا ہے:

﴿ أَلَا يَذْكُرُ اللَّهُ ظَمَمِينَ الْقُلُوبِ ﴿١٧٥﴾ ﴾ (الرعد ۱۳/۲۸)

”اور سن رکھو کہ اللہ کی یاد سے دل آرام پاتے ہیں۔“

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«مَنْ ذَكَرَ اللَّهَ خَالِيًا فَرَأَيْنَاهُ فِي السَّبْعَةِ الَّذِينَ يُظَلُّهُمُ اللَّهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ» (صحیح بخاری، کتاب الرقاق، البكاء من خشية الله عزوجل، ح: ۶۴۷۹، ۱۴۲۳، ۶۶۰، وجامع

الترمذی، کتاب الزهد، باب ما جاء في الحب في الله، ح: ۲۳۹۱)

”جس شخص نے خلوت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا اور اس کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں تو اللہ تعالیٰ اسے ان سات

قسم کے لوگوں میں شامل فرمائے گا جنہیں اس دن اپنے سایہ تلے جگہ عطا فرمائے گا جب اس کے سوا اور کوئی

سایہ نہ ہو گا“

آپ ﷺ نے مثال دے کر فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اس کی مثال زندہ کی سی اور جو ذکر نہیں کرتا

اس کی مثال مردہ کی سی ہے۔ ذکر الہی دلوں کی زندگی اور اطمینان اور نفسوں کی پاکیزگی اور طہارت ہے اور اس کا اللہ کے

ہاں اجر و ثواب بھی بہت زیادہ ہے۔

بے شک نماز افضل اذکار تلاوت قرآن، تکبیر و تہلیل اور تسبیح و تحمید پر مشتمل ہے اور اللہ تعالیٰ کے کلام کو بندوں

کے کلام پر اسی طرح فضیلت ہے، جس طرح خود اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں پر فضیلت حاصل ہے، سب سے افضل ذکر جو رسول اللہ ﷺ اور آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام نے کیا وہ کلمہ لا الہ الا اللہ ہے، اس کے ساتھ ساتھ نماز رکوع و سجود پر مشتمل ہے اور بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے، جب وہ سجدہ میں ہوتا ہے۔ نماز سے باہر ذکر کو نماز پر فضیلت دینا کسی چیز کی اپنے نفس پر فضیلت کے مترادف ہے بلکہ یہ ایک اعلیٰ چیز پر فضیلت کے مترادف ہے اور یہ صحیح نہیں ہے۔ قرآن مجید میں جو یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَقْرَبَ الصَّلَاةِ رَأْسَ الصَّلَاةِ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ﴾

(العنکبوت ۲۹/۴۵)

”اور نماز کے پابند رہئے۔ یقیناً نماز بے حیائی کی باتوں اور برائی کے کاموں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر سب سے بڑا (اچھا کام) ہے۔“

معنی یہ ہے کہ فرض نمازوں کو ان کے اوقات میں اس طرح ادا کرنا، جس طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول و عمل سے بیان فرمایا ہے، یقیناً ایک مسلمان اور اس کے گناہوں کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے برائیوں کے ارتکاب سے محفوظ رکھتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا تمہیں یاد کرنا جب تم اس کا ذکر کر رہے ہو تو یہ بھی قدر و منزلت کے اعتبار سے عظیم اور اجر و ثواب کے اعتبار سے بہت افضل عمل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿مَا ذُكِرُوا بِكُمْ﴾ (البقرة ۲/۱۵۲)

”تم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا۔“

ابن جریر نے بھی اپنی تفسیر میں اسی بات کو اختیار کیا ہے اور بہت سے مفسرین نے بھی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم و تابعین سے منقول ارشادات کی بنیاد پر ابن جریر کی تائید کی ہے۔

فتویٰ کمیٹی

شاذلیہ وغیرہ صوفیوں کے طریقوں کی طرف نسبت

سوال شیخ عبدالقادر جیلانی یا ابوالحسن شاذلی کے سلسلوں میں داخل ہونے اور ان کی طرف نسبت میں کوئی حرج ہے؟ کیا یہ سنت ہے یا بدعت؟

جواب امام ابو داؤد اور دیگر اصحاب سنن نے حضرت عریاض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ:

«صَلَّىٰ بِنَا رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، ذَاتَ يَوْمٍ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا، فَوَعظَنَا مَوْعِظَةً بَلِيغَةً، ذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُونُ، وَوَجَلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ، فَقَالَ قَائِلٌ: يَا رَسُولَ اللَّهِ كَأَنَّ هَذِهِ مَوْعِظَةٌ مُودِعٌ، فَمَاذَا تَعَهَّدُ إِلَيْنَا، فَقَالَ: أَوْصِيكُمْ بِتَقْوَى اللَّهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَإِنْ تَأَمَّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ، فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِي فَسَبْرِي إِخْتِلَافًا كَثِيرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُتْحَىٰ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ، تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِدِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحَدَّثَاتِ الْأُمُورِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحَدَّثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ» (سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، باب فی لزوم السنۃ،

ح: ۴۶۰۷، وجامع الترمذی، ح: ۲۶۷۶، وسنن ابن ماجہ، ح: ۴۲، ومسند احمد، ۴/۱۲۶، ۱۲۷)

رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ہمیں نماز پڑھائی نماز سے فراغت کے بعد ہماری طرف توجہ فرمائی اور بہت مؤثر وعظ ارشاد فرمایا، جس سے آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور دل ڈر گئے۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ تو الوداع کہنے والے کا وعظ ہے تو آپ ہمیں کیا وصیت فرمائیں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور سب و طاعت کی وصیت کرتا ہوں اگرچہ تم پر کوئی حبشی غلام ہی امیر ہو۔ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا یقیناً وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا (اختلاف سے بچنے کے لئے) میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرنا، اسے مضبوطی سے تھام لینا اس سے وابستہ رہنا اور اپنے آپ کو بدعات سے بچانا، (دین میں ایجاد کی گئی) ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے!

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے یہ خبر دی ہے کہ آپ کی امت میں بہت زیادہ اختلاف رونما ہوگا، لوگ مختلف طریقے اور انداز اختیار کر لیں گے، ان میں بدعات و محدثات کی کثرت ہوگی تو ان حالات میں آپ ﷺ نے مسلمانوں کو نصیحت یہ فرمائی کہ وہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کے دامن سے وابستگی اختیار کر کے اسے مضبوطی سے تھام لیں۔ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو تفرقہ بازی، انتشار و خلفشار اور بدعات و محدثات سے اجتناب کرنے کی بھی تلقین فرمائی کیونکہ بدعات انسان کو گمراہ کر کے اللہ تعالیٰ کے راستے سے دور لے جاتی ہیں۔ آپ ﷺ نے بھی اپنی امت کو وہی وصیت فرمائی جو حسب ذیل آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو وصیت فرمائی ہے:

﴿وَأَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ (آل عمران ۱۰۳)

”اور تم سب مل کر اللہ کی (ہدایت کی) رسی کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا۔“

نیز فرمایا:

﴿وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَصَّيْتُكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ (الانعام ۱۵۳)

”بلاشبہ میرا سیدھا راستہ یہی ہے تو تم اسی پر چلنا اور دیگر راستوں پر نہ چلنا کیونکہ تم (ان پر چل کر) اللہ کے رستے سے الگ ہو جاؤ گے۔ ان باتوں کا اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تاکہ تم پرہیزگار بنو۔“

ہم تمہیں وہی وصیت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے وصیت فرمائی ہے۔ ہم اہلسنت کے ساتھ وابستگی کی وصیت کرتے ہیں اور اس سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں، جسے ان تصوف کے سلسلے والوں نے ایجاد کیا ہے، جس میں بدعی اوراد، غیر مشروعہ اذکار اور شرکیہ دعائیں ہیں یا شرک تک پہنچانے کا ذریعہ ہیں مثلاً غیر اللہ سے استغاثہ، مفرود اسماء کے ساتھ اس کا ذکر اور کلمہ آہ کے ساتھ اس کا ذکر حالانکہ آہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے نہیں ہے۔ اسی طرح دعاء میں مشائخ کے ساتھ توسل اور مشائخ کے بارے میں یہ اعتقاد کہ وہ دلوں کے حالات سے آگاہ ہیں، دلوں کے مخفی بھید جانتے ہیں نیز ان کا اجماعی طور پر ایک ہی آواز میں حلقوں میں ترنم کے ساتھ لک لک کر ذکر کرنا وغیرہ یہ وہ باتیں ہیں، جن کا اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت میں کوئی ذکر نہیں ہے۔

فتویٰ کمیٹی

صوفیاء کی مخصوص اصطلاح ”صاحب وقت“

سوال تصوف کی طرف منسوب لوگوں کے اس قول کے کیا معنی ہیں کہ ”ہمارا مرشد صاحب وقت ہے“ وہ تصوف کر سکتا ہے۔ جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا اس کے پیچھے نماز جائز ہے؟

جواب ”ہمارا مرشد صاحب وقت ہے“ اس کے معنی یہ ہیں کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کے ہاتھ میں مخلوق کے امور ہیں، وہ ان کے امور میں تصوف کی قدرت رکھتے ہیں، ان کی مشکلات کو ختم کر سکتے ہیں، ان کی مصیبتوں اور بلاؤں کو دور کر سکتے ہیں اور ان کے بزعم وہ ان کی طرف اچھائیوں اور بھلائیوں کو پہنچا سکتے ہیں۔ جو شخص یہ اعتقاد رکھے وہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور تدبیر امور خلق میں غیر اللہ کو شریک کرتا ہے، اس کے پیچھے نماز ادا کرنا جائز نہیں، اسے مسلمانوں کے کسی منصب پر فائز کرنا درست نہیں۔ صریح کفر و اصرار شرک اور زمانہ جاہلیت کے شرک سے بھی بدتر شرک کے ارتکاب کی وجہ سے ایسے لوگوں کو نماز کا امام بنانا بھی جائز نہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَرَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدِيرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ أَفَلَا لَتَقُون ﴿٣١﴾ فَذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ الْحَقُّ فَمَاذَا بَعَدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالُ فَأَنَّى تُصْرَفُونَ ﴿٣٢﴾ ﴾ (یونس ۱۰/۳۱-۳۲)

”(ان سے) پوچھو کہ تم کو آسمان اور زمین میں رزق کون دیتا ہے یا (تمہارے) کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے اور بے جان سے جان دار کون پیدا کرتا ہے؟ اور دنیا کے کاموں کا انتظام کون کرتا ہے؟ جھٹ کہہ دیں گے کہ اللہ! تو کہو کہ پھر تم (اللہ سے) ڈرتے کیوں نہیں؟ یہی اللہ تو تمہارا پروردگار برحق ہے اور حق بات کے ظاہر ہونے کے بعد گمراہی کے سوا ہے ہی کیا؟ تو تم کہاں پھرے جاتے ہو؟“

فِزْوٰی کِمِیثٰی

کیا دلی کسی دوسرے انسان کی مدد کر سکتا ہے؟

سوال کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی دلی کسی ایسے انسان کی مدد کرے جو اس سے دور ہو مثلاً ایک آدمی ہندوستان میں ہے اور دلی سعودیہ میں رہا ہے تو کیا اس سعودی دلی کے لئے سعودیہ میں رہتے ہوئے کسی ہندوستان کے آدمی کی ہندوستان میں مدد کرنا ممکن ہے؟

جواب دلی اور غیر دلی زندہ انسان کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ عادی اسباب کے اندر رہتے ہوئے ان لوگوں کی مدد کرے جو اس سے مدد طلب کریں مثلاً یہ کہ وہ ان کے لئے مال خرچ کر سکتا ہے، حکمرانوں کے پاس سفارش کر سکتا ہے یا ان اسباب و وسائل کو اختیار کرتے ہوئے جو انسانی مقدور میں ہوں اور ان کا استعمال معروف و معمول ہو وہ کسی ناپسندیدہ چیز سے انہیں بچا بھی سکتا ہے۔

ایسے غیر عادی اسباب جو انسانی طاقت سے بالا ہوں جیسے کہ اس مثال میں سائل نے ذکر کیا ہے، یہ بندوں کی دسترس سے باہر ہیں اور یہ صرف اللہ وحدہ لا شریک کے قبضہ اختیار میں ہیں۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے، کوئی سنن صرف اسی کے تصرف میں ہیں، ان میں سے جن کے مطابق وہ چاہتا ہے عمل کرتا ہے اور جن کے مطابق وہ نہیں چاہتا عمل نہیں کرتا۔ اسی کی دعوت

حق ہے، صرف اسی کی ذات تجا و مادی ہے۔ صرف وہی مدد کر سکتا ہے اور اس کے سوا اور کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ وہ اکیلا ہی ہر چیز کا اپنے علم سے احاطہ کئے ہوئے ہے اور ہر چیز سے اس کی حکمت و رحمت وسیع ہے۔ وہ جو دے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے وہ روکے اسے کوئی دے نہیں سکتا۔ وہ جو فیصلہ فرمائے، اس کے فیصلے کو کوئی ٹال نہیں سکتا کہ وہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَن لَّا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَن دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ ﴿٦٥﴾ وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِينَ ﴿٦٦﴾﴾ (الاحقاف ۶۵/۶۶)

”اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہو سکتا ہے جو ایسے شخص کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہ دے سکے اور ان کو ان کے پکارنے ہی کی خبر نہ ہو اور جب لوگ (قیامت کے دن) جمع کئے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی پرستش سے انکار کر دیں گے۔“

اور فرمایا:

﴿إِن تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دَعْوَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بَشْرِكِكُمْ وَلَا يَنْبِئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ﴿١٤﴾﴾ (فاطر ۱۴/۳۵)

”اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار نہ سنیں اگر سن بھی لیں تو تمہاری بات کو قبول نہ کر سکیں اور قیامت کے روز تمہارے شرک سے انکار کر دیں گے اور (اللہ) باخبر کی طرح تم کو کوئی خبر نہ دے گا۔“

اللہ تعالیٰ نے ہمیں سورہ فاتحہ میں یہ تعلیم دی ہے کہ ہم اس کی جناب میں یہ عرض کریں:

﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴿٥﴾﴾ (الفاتحہ ۱/۵)

”اے پروردگار! ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور خاص تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔“

نئی نے بھی ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم صرف اللہ ہی سے سوال کریں اور اسی سے مدد مانگیں، چنانچہ آپ کا ارشاد یہ ہے کہ:

﴿إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللَّهَ وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ﴾ (جامع الترمذی، کتاب صفة القيامة، باب

حدیث حنظلة...، ح: ۲۵۱۶)

”جب تم سوال کرو تو صرف اللہ تعالیٰ ہی سے کرو اور جب تم مدد مانگو تو صرف اللہ ہی سے مدد مانگو۔“

فتویٰ کمیٹی

کیونرم کی طرف انتساب کا حکم

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَحْدَهُ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ مِنْ لَدُنِّي بَعْدَهُ - وَبَعْدُ

فقہی کونسل نے جن اہم امور کا مطالعہ کیا ان میں سے کیونرم اور سوشلزم کا موضوع بھی ہے اور فکری یورش کی وجہ سے وہ مشکلات بھی جن سے اس وقت عالم اسلام دوچار ہے، حکومتوں کی سطح پر بھی اور افراد کی سطح پر بھی اور پھر اس خطرناک فکری یورش کے خطرات سے ناواقفیت کی وجہ سے حکومتوں اور قوموں کو جن مشکلات کا سامنا ہے، کونسل نے انہیں بھی پیش نظر رکھا ہے۔

فقہی کونسل کی یہ رائے ہے کہ اس وقت عالم اسلام کے اکثر ممالک افکار و عقائد کے خلا کا شکار ہیں اور دوسری طرف ان در آمد شدہ افکار و عقائد کو اس طرح تیار کیا گیا ہے کہ یہ اسلامی معاشروں میں پھیل سکیں، مسلمانوں کے عقائد میں خلل پیدا کر سکیں، اخلاق و کردار میں گراؤت پیدا کر سکیں، انسانی اقدار کو لمبا میٹ کر سکیں اور معاشرے میں خیر و بھلائی کی تمام بنیادوں کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکیں۔ اب یہ بات بالکل روز روشن کی طرح واضح ہے کہ دنیا کے تمام بڑے ممالک اپنے نظام اور افکار کے اختلاف کے باوجود اس نکتہ پر سب متفق ہیں کہ ہر اس ملک کا نظام درہم برہم کر دیا جائے جس کی اسلام کی طرف نسبت ہے۔ اسلام دشمنی، اس کی اشاعت کے خوف اور مسلمانوں کی بیداری کے ڈرنے ان سب کو اختلاف کے باوجود ایک نکتہ پر متفق و متحد کر دیا ہے اور وہ یہ کہ مسلمانوں کے عقائد و اخلاق کو خراب کر دیا جائے!

عقائد کے میدان میں یہ ممالک ہر اس شخص کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں، جو کیونزم کو اختیار کر لے اور پھر کیونزم کی تبلیغ و اشاعت کے لئے ان کے ریڈیو، ٹیلی وژن، اخبارات، خوشنما پروپیگنڈے اور اجرتی مصنفین شب و روز مصروف ہیں اور پھر بڑے خوشنما لیبل لگا کر یہ اس الجاد کی اشاعت میں مصروف ہیں۔ کبھی اسے آزادی کا نام دیتے ہیں اور کبھی ترقی کا، کبھی اسے جمہوریت کہتے ہیں اور کبھی کچھ اور، اس کے خلاف تمام اصلاحات، اخلاق و کردار کی حفاظت کی کوشش اور بلند پایہ اسلامی تعلیمات اور آداب و اخلاق کو یہ رجحیت، پس ماندگی اور دقتانوسیت وغیرہ کے نام سے یاد کرتے ہیں، اسی طرح اخلاق کے میدان میں یہ اباحت اور مرد و زن کے بے محابا اختلاط کے داعی ہیں اور اسے بھی یہ ترقی اور آزادی کے نام سے موسوم کرتے ہیں کیونکہ انہیں اس بات کا اچھی طرح علم ہے کہ انہیں فکری، مادی اور سیاسی طور پر صرف اسی صورت میں غلبہ حاصل ہو سکتا ہے کہ یہ دین اور اخلاق کا جنازہ نکال دیں۔ جب یہ دین اور اخلاق کا جنازہ نکال دیں گے تو پھر ان کے لئے خیر و بھلائی کے تمام سرچشموں کو بند کر دینا آسانی سے ممکن ہو گا اور پھر یہ جس طرح چاہیں تصرف کر سکیں گے یعنی اس فکری، عقائدی اور سیاسی کشمکش میں یہ اپنے دوستوں کی مال، اسلحہ اور پروپیگنڈے کے ذریعہ خوب مدد کرتے ہیں تاکہ انہیں معاشرے میں نہ صرف اثر و رسوخ حاصل ہو بلکہ وہ اقتدار پر بھی قبضہ کر لیں اور اقتدار پر قبضہ کرنے کے بعد یہ لوگ جو قتل و غارت کا بازار گرم کرتے، مخالفین کو جلا وطن کرتے، آزادیوں کو سلب کرتے اور ہر اس شخص کو جس میں دین اور اخلاق کی ادنیٰ سی بھی رمتق ہو، اسے جس طرح جیل کی کال کو ٹھڑیوں میں پھینک دیتے ہیں، اس کے بارے میں مت پوچھئے! جن اسلامی ممالک نے اپنی دینی و اخلاقی قدروں سے اپنے تحفظ کا اہتمام نہ کیا، کیونزم کی اس یلغار نے انہیں آسانی سے اپنے جال میں پھنسا لیا۔ اپنے علمی و دینی اختصاص کی وجہ سے فقہی کونسل کا چونکہ یہ فرض ہے کہ وہ اس فکری، عقائدی اور سیاسی یورش کے خطرات سے مسلمانوں کو آگاہ کرے، جو ابلاغ اور فوج کے اسباب و وسائل کے ذریعہ پھیلائے جا رہے ہیں، اس لئے اسلامی فقہی کونسل کے مکہ مکرمہ میں منعقد ہونے والے اجلاس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ:

کونسل عالم اسلام کے تمام ممالک اور اقوام کی اس جانب توجہ مبذول کروائے کہ کیونزم اسلام کے منافی ہے۔ کیونزم کو اختیار کرنا اس دین کا انکار کرنا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے پسند فرمایا ہے، یہ انسانی و اخلاقی قدروں کو لمبا میٹ کرنا ہے، انسانی معاشروں کو کھوکھلا کرنا ہے اور اس کے برعکس اسلامی و محمدی شریعت ہی آخری آسمانی دین ہے، جسے اللہ حکیم و حمید نے لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لانے کے لئے نازل فرمایا ہے۔ یہ دین سیاسی، معاشرتی، ثقافتی اور معاشی ہر اعتبار سے ایک مکمل نظام حیات ہے۔ ان تمام خرابیوں سے نجات کے لئے، جنہوں نے

مسلمانوں کے شیرازہ کو منتشر کر دیا ہے، ان کی وحدت کو پارہ پارہ کر رکھا ہے اور ان کے اتفاق و اتحاد کو انتشار و خلفشار سے بدل دیا ہے، یہ دین ہی مفید و مؤثر اور کار آمد ثابت ہو سکتا ہے، خصوصاً وہ معاشرے جنہوں نے اسلام کو پہچانا لیکن پھر اسے پس پشت ڈال دیا، ان میں تمام تر خرابی کی جڑ یہی کمیونزم ہے۔ کمیونزم اور سوشلزم کی اس سخت معاندانہ اور خطرناک یلغار کا سب سے بڑا ہدف اسلام، اس کے مبادی و تعلیمات، اس کے اخلاق و آداب اور اس کے دامن سے وابستہ ممالک تھے، اس لئے کونسل اسلامی ملکوں اور معاشروں کو یہ نصیحت کرتی ہے کہ وہ مختلف اسباب و وسائل کو بروئے کار لا کر اس زبردست خطرے کا مقابلہ کریں، جس کی چند صورتیں بھی ممکن ہیں:

① انتہائی سرعت کے ساتھ اس نصاب تعلیم اور طرز تعلیم پر نظر ثانی کی جائے جسے حال ہی میں اسلامی ملکوں میں رائج کیا گیا ہے، کیونکہ یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ نصاب تعلیم میں الجادی، سوشلسٹ اور زہر آلود افکار شامل کئے جا چکے ہیں جو اسلامی ملکوں کے لئے ایک طرح سے اعلان جنگ ہیں اور یہ نصاب کمیونزم کے ماہر اساتذہ و مصنفین سے تیار کروایا گیا ہے۔

② اسلامی ملکوں کو چاہئے کہ وہ حد درجہ کوشش کر کے اولین فرصت میں اپنے تمام اداروں کے نظام کا جائزہ لیں خصوصاً ذرائع ابلاغ، معاشیات، داخلی و خارجی تجارت اور مقامی اداروں کے نظام کا ازسرنو جائزہ لیں تاکہ ان کی تہذیب و تطہیر کی جا سکے اور انہیں اسلام کی صحیح بنیادوں پر ازسرنو استوار کیا جا سکے کیونکہ یہ اسلامی بنیادیں ہی مسلمان ملکوں اور قوموں کو تحفظ فراہم کر کے انہیں حسد و بغض کا شکار ہونے سے محفوظ رکھ سکتی ہیں اور مسلمانوں میں ازسرنو اخوت، باہمی تعاون اور اخلاص کی روح پھونک سکتی ہیں۔

③ اسلامی ملکوں اور قوموں سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ تخصص کے ایسے مدارس و مکاتب قائم کریں، جن سے ایسے مخلص اور پر جوش داعی تیار ہوں جو اس یلغار کی تمام صورتوں کا مقابلہ کرنے کی استعداد رکھتے ہوں اور جو شخص اجنبی یورش کی حقیقت اور اس کے خطرناک اغراض و مقاصد کو معلوم کرنا چاہے، یہ داعی اپنے گھرے مطالعہ اور ٹھوس معلومات کی بدولت اسے مطمئن کر سکیں اور دوسری طرف انہیں اسلام اور اس کے قیمتی خزانوں کے بارے میں بھی بھرپور معلومات حاصل ہوں، ایسے مدارس اور اس طرح کے دعا و مبلغین جس ملک میں جس قدر زیادہ ہوں گے، اسی قدر یہ امید بھی زیادہ ہوگی کہ وہ ان مغربی اور ملحدانہ افکار و نظریات کا آسانی سے خاتمہ کر سکیں گے اور امید ہے کہ اس طرح علم و عمل کے ہتھیاروں سے مسلح، واقعی طور پر منظم ایک ایسی جماعت ان تمام تحریکوں کے مقابلہ کے لئے اٹھ کھڑی ہوگی، جو مسلمانوں کے دلوں میں اخلاق و کردار کی اس باقی ماندہ دولت کو بچانے کی کوشش کرے گی جس کا یہ ملحدانہ تحریکیں خاتمہ کر دینا چاہتی ہیں۔

کونسل تمام علماء اسلام سے خواہ ان کا تعلق کسی بھی جگہ یا کسی بھی تنظیم سے ہو، یہ اپیل کرتی ہے کہ وہ ان خطرناک اور ملحدانہ افکار و نظریات کے مقابلہ کے لئے اٹھ کھڑے ہوں، جو مسلمانوں کے دین و شریعت اور عقائد و اخلاق کو بھی نقصان پہنچانا چاہتے ہیں اور ان کے ملکوں کو بھی۔ لہذا علماء اسلام پر فرض ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے اشتراکیت اور کمیونزم کی حقیقت کو واضح کریں اور بتائیں کہ یہ دونوں اسلام کے خلاف جنگ ہیں۔

بہائیت کی طرف انتساب کا حکم

الْحَمْدُ لِلَّهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ رَسُوْلِ اللَّهِ وَعَلَىٰ آلِهِ وَصَحْبِهِ وَمَنْ اهْتَدَىٰ بِهَدَاةِهِ - وَبَعْدُ
اسلامی فقہی کونسل نے فرقہ بہائیت کا جائزہ لیا جو گزشتہ صدی کے نصف آخر میں بلاد فارس (ایران) میں ظاہر ہوا اور
آج اسلامی و غیر اسلامی ملکوں میں اس سے وابستہ لوگ پھیلے ہوئے ہیں۔

اس فرقہ کے بارے میں علماء و مصنفین اور اس فرقہ کی حقیقت سے آگاہ لوگوں نے جو اس کی نشأت، دعوت، کتابوں
اور اس فرقہ کے بانی مرزا حسین علی مازندرانی --- جو ۲۰ محرم ۱۲۳۳ ہجری بمطابق ۱۲ نومبر ۱۸۱۷ء کو پیدا ہوا --- اس کے
پیروکاروں کے کردار و اخلاق، اس کے خلیفہ ولی عہد عباس آندی مسی عبدالبہاء اور اس فرقہ کی دینی تنظیموں کے بارے
میں جو لکھا ہے، اس کا جائزہ لیا ہے۔

ہست سے قابل اعتماد مصادر و ماخذ کے مطالعہ کے بعد، جن میں سے کچھ کتابیں، خود بہائی مصنفین کے قلم سے ہیں،
کو نسل اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ:

بہائیت ایک نیا ایجاد کردہ دین ہے جو بہائیت کی بنیاد پر قائم ہوا ہے اور خود بہائیت بھی ایک نیا ایجاد کردہ دین ہے، جسے
علی محمد --- جو یکم محرم ۱۲۳۵ ہجری بمطابق اکتوبر ۱۸۱۹ء کو شیراز میں پیدا ہوا --- نے ایجاد کیا تھا۔ ابتداء میں یہ شخص صوفی و
فلسفی تھا اور طریقہ شیخیہ سے وابستہ تھا، جس کا بانی اس کا گمراہ شیخ کاظم رشتی خلیفہ تھا جو کہ احمد زین الدین احسانی کے نام
سے مشہور تھا۔ طریقہ شیخیہ کے اس گمراہ بانی کا خیال یہ تھا کہ اس کا جسم ملائکہ کی طرح نورانی ہے، اس طرح اور بھی
ہست سے باطل، ہفوات و خرافات کو اس شخص نے اختیار کر رکھا تھا۔

علی محمد پہلے اپنے شیخ کے ان اقوال کا قائل تھا لیکن پھر یہ اس سے الگ ہو گیا اور پھر کچھ عرصہ بعد ایک نئے روپ
میں ظاہر ہوا اور دعویٰ کرنے لگا کہ میں وہ علی بن ابی طالب ہوں جس کے بارہ میں رسول (ﷺ) نے فرمایا ہے کہ:

«أَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا» (جامع الترمذی، کتاب المناقب، باب أنا دارالحکمة وعلی بابہا،

ح: ۳۷۲۳)

”میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔“

اس طرح اس نے اپنے آپ کو ”باب“ کہلانا شروع کر دیا، پھر اس کے بعد اس نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ مہدی منتظر کے
لئے باب ہے اور پھر ایک قدم اور آگے بڑھ کر مہدی ہونے کا دعویٰ کر دیا، پھر اپنی زندگی کے آخری ایام میں اس نے
الوہیت کا دعویٰ کرتے ہوئے اپنے آپ کو اعلیٰ کہنا شروع کر دیا۔ جب مرزا حسین علی مازندرانی مسی بابہاء نے اپنی دعوت کو
شروع کیا تو باب نے بھی اس کی دعوت کو قبول کر لیا لیکن جب اس کے کفر اور فتنہ کی وجہ سے باب کو قتل کر دیا گیا تو مرزا
حسین علی نے اعلان کیا کہ باب نے اس کے حق میں یہ وصیت کی ہے کہ بیبیوں کا سربراہ بھی یہی ہے، اس طرح از خود ہی یہ
بیبیوں کا بھی سربراہ بن گیا اور اپنے آپ کو اس نے بہاء الدین کے نام سے موسوم کر لیا تھا۔

پھر اس نے ایک اور زندقہ لگائی اور یہ اعلان کیا کہ سابقہ تمام دین اس کے ظہور کے پیش خیمہ کے طور پر دنیا میں آئے

تھے اور اس کے دین کے سوا دیگر تمام دین ناقص ہیں، یہ خود اللہ تعالیٰ کی صفات سے متصف ہے، اللہ تعالیٰ کے تمام افعال کا یہ سرچشمہ ہے، اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم یہی ہے، رب العالمین سے مراد بھی یہی ہے، جس طرح اسلام کی آمد سے سابقہ تمام دین منسوخ ہو گئے اسی طرح بہائیت کی آمد سے اسلام بھی منسوخ ہو گیا ہے۔

باب اور اس کے پیروکاروں نے قرآن عظیم کی آیات کی جو تاویلیں کیں وہ حد درجہ عجیب و غریب اور ان کی باطنیت کی مظہر تھیں، یہ تاویلیں انہوں نے اس لئے کیں تاکہ قرآنی آیات کو اپنی خبیث دعوت کے لئے استعمال کر سکیں۔ اس نے یہ دعویٰ بھی کر دیا تھا کہ آسمانی شریعتوں کے احکام بدل دینے کا اسے اختیار حاصل ہے اور پھر اس نے عبادتوں کی بھی نئی نئی صورتیں ایجاد کیں جن کے مطابق اس کے پیروکار عمل کرتے تھے۔

ثابت شدہ نصوص کی شہادت کی روشنی میں کونسل کے سامنے یہ واضح ہو گیا ہے کہ بہائیوں کا عقیدہ اسلام کے بالکل خلاف ہے۔ اس عقیدہ کا قیام انسانی بت پرستی کی بنیاد پر ہے کہ اس عقیدہ میں بہاء کی الوہیت کا دعویٰ بھی کیا گیا ہے اور یہ دعویٰ بھی کہ اسے اسلامی شریعت کے احکام تبدیل کرنے کا بھی اختیار حاصل ہے۔ بہائیت کے ان افکار و آراء کی بنیاد پر کونسل نے بافتراق رائے یہ قرار دیا کہ بہائیت اور بابیت دائرہ اسلام سے خارج ہیں بلکہ یہ اسلام کے خلاف اعلان جنگ ہیں، ان کے پیروکار کھلم کھلا کافر ہیں، ان کے کفر میں شک کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔

کونسل تمام مسلمانوں کو یہ تلقین کرتی ہے کہ وہ اس مجرم اور کافر گروہ کی دسیہ کاریوں سے بچیں، اس کا مقابلہ کریں، اپنے آپ کو اس کے شر سے بچائیں کیونکہ یہ بات اب کوئی راز نہیں ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے استعماری حکومتیں اس تحریک کی پشت پناہی کر رہی ہیں۔ واللہ الموفق!

قادیانیت کی طرف انتساب کا حکم

فقہی کونسل نے قادیانی گروہ کا بھی جائزہ لیا ہے جو کہ گزشتہ صدی (انیسویں صدی عیسوی) میں پیدا ہوا اور جو اپنے آپ کو احمدیہ جماعت کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ اس گروہ کا بانی مرزا غلام احمد قادیانی (۱۸۷۶ء) تھا، جس نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ نبی ہے اور اس پر وحی نازل ہوتی ہے، وہ مسیح موعود ہے۔ مرزا قادیانی کا یہ دعویٰ بھی تھا کہ نبوت پیغمبر اسلام سیدنا حضرت محمد بن عبد اللہ ﷺ پر ختم نہیں ہوئی (جیسا کہ قرآن عظیم اور سنت مطہرہ کی روشنی میں مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے) بلکہ نبوت کا سلسلہ اب تک جاری ہے، وہ خود نبی ہے اور اس پر دس ہزار سے زیادہ آیات بذرلیجہ وحی نازل ہو چکی ہیں، جو اس کی تکذیب کرے وہ کافر ہے، مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ قادیان کا حج کریں کیونکہ یہ شہر مکہ اور مدینہ کی طرح مقدس ہے، اسی شہر کا قرآن مجید میں نام مسجد اقصیٰ ہے۔ یہ ساری باتیں مرزا کی کتاب ”براہین احمدیہ“ اور اس کے رسالہ ”التبلیغ“ میں موجود ہیں۔

کونسل نے مرزا کے خلیفہ مرزا بشیر الدین بن غلام احمد قادیانی کے اقوال کا بھی جائزہ لیا، چنانچہ اس کی کتاب ”آئینہ صداقت“ میں ہے کہ ہر وہ مسلمان جو مسیح (یعنی اس کے والد مرزا غلام احمد) کی بیعت نہ کرے، خواہ وہ ان کے بارے میں سنے یا نہ سنے وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے (کتاب مذکور ص ۳۵) اسی طرح اس نے اپنے اخبار ”الفضل“ میں اپنے والد مرزا غلام احمد کے حوالے سے لکھا کہ ہم ہر چیز میں حتیٰ کہ اللہ، رسول، قرآن، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کے بارے میں

مسلمانوں سے اختلاف رکھتے ہیں، ان میں سے ہر چیز کے بارے میں ہمارے اور مسلمانوں کے درمیان جوہری اختلاف ہے (اخبار الفضل، مجریہ ۳۰ جولائی ۱۹۳۱ء)۔

اسی اخبار کی تیسری جلد میں بھی لکھا ہے کہ مرزا غلام احمد ہی نبی کریم محمد ﷺ ہیں، قرآن مجید میں جو یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی تھی کہ:

﴿وَمَبَشِّرًا رَسُولًا يُأْتِي مِنْ بَيْتِي أَسْمُهُ أَحْمَدُ﴾ (الصف ۶/۶۱)

”اور ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے، جن کا نام احمد ہو گا، ان کی بشارت سناتا ہوں۔“
 تو اس کا مصداق بھی مرزا غلام احمد قادیانی ہے (کتاب انذار خلافت ص: ۲۱) کونسل نے ثقہ مسلمان علماء و مصنفین کی ان کتابوں کا بھی مطالعہ کیا ہے، جو انہوں نے قادیانی و احمدی فرقہ کی تردید میں لکھیں اور جن میں انہوں نے ناقابل تردید دلائل و براہین سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ فرقہ بالکل قطعی طور پر خارج از اسلام ہے۔
 اسی وجہ سے پاکستان کے شمالی علاقوں (آزاد کشمیر) کی اسمبلی نے ۱۹۷۴ء میں با اتفاق رائے یہ قرارداد پاس کی کہ قادیانی فرقہ غیر مسلم اقلیت ہے اور پھر اس کے بعد پاکستان کی قومی اسمبلی نے بھی با اتفاق رائے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔

ان قادیانی عقائد کے ساتھ ساتھ جو مرزا غلام احمد کی اپنی کتابوں سے ثابت ہیں، ہم اس کے ان خطوط کی طرف بھی توجہ مبذول کروائیں گے، جو اس نے ہندوستان کی اس دور کی انگریزی حکومت کو لکھے، جس سے اسے مالی امداد بھی ملتی تھی اور جہاد کو حرام قرار دینے کے سلسلہ میں مرزا کو انگریزی حکومت کی تائید و حمایت بھی حاصل تھی۔ مرزا جہاد کا اس لئے منکر تھا کہ وہ چاہتا تھا کہ انگریزی حکومت کے خلاف جہاد کے بجائے وہ اس وقت کی استعماری انگریزی حکومت کے لئے مسلمانوں کے دلوں میں اخلاص پیدا کر سکے۔ مرزا سمجھتا تھا کہ مسلمانوں میں جذبہ جہاد کے ہوتے ہوئے انگریزوں کے لئے اخلاص پیدا کرنا ناممکن ہے چنانچہ اس سلسلہ میں وہ اپنی کتاب ”شہادۃ القرآن“ ص ۷۷ طبع ششم میں لکھتا ہے کہ ”میرا ایمان ہے کہ جیسے جیسے میرے پیروکاروں میں اضافہ ہوتا جائے گا اور ان کی تعداد زیادہ ہوتی چلی جائے گی، جہاد پر ایمان لانے والوں کی تعداد کم ہوتی چلی جائے گی کیونکہ میرے مسیح اور مہدی ہونے پر ایمان لانے کا معنی ہی جہاد کا انکار ہے۔“ ملاحظہ فرمائیے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا رسالہ ”قادیانیت“ ص ۲۵ طبع رابطہ عالم اسلامی!

قادیانیت کے بارے میں نہایت ثقہ اور قابل اعتماد لٹریچر کے مطالعہ کے بعد اور قادیانیوں کے عقائد، بانی قادیانیت کے حالات، قادیانیت کے اغراض و مقاصد اور اہداف کے مطالعہ کے بعد کونسل اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ قادیانی معتقدات، صحیح اسلامی عقائد کے بالکل خلاف ہیں۔ قادیانیوں کی کوشش ہے کہ مسلمانوں کو ان کے عقائد سے دور ہٹا کر گمراہ کر دیں، اس لئے کونسل نے با اتفاق رائے یہ قرارداد پاس کی ہے کہ قادیانی یا احمدی جماعت بلاشک و شبہ مکمل طور پر دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ قادیانی کافر اور مرتد ہیں، ان کا اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنا دھوکہ و فریب ہے، لہذا اسلامی فقہی کونسل یہ اعلان کرتی ہے کہ تمام مسلمانوں پر، ان کی حکومتوں، علماء، مصنفین، مفکرین اور دعاۃ و مبلغین پر یہ فرض ہے کہ وہ دنیا کے ہر کونے اور گوشے میں اس گمراہ فرقے اور اس سے وابستہ لوگوں کی تردید میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کریں۔

(و باللہ التوفیق!)

دستخط: جمیزمین عبداللہ بن حمید چیف جسٹس سپریم کورٹ سعودی عرب۔

دستخط: واکس چیئرمین محمد علی الحرکانی، سیکرٹری جنرل رابطہ عالم اسلامی

دستخط ارکان: عبدالعزیز عبداللہ بن باز، ڈائریکٹر ادارات بحوث علمیہ و افتاء و دعوت و ارشاد۔ سعودی عرب، مصطفیٰ الزرقاء، محمد محمود صواف، محمد بن عبداللہ سمیل، محمد رشید (دستخط کرنے سے پہلے سفر پر روانہ ہو گئے) ابو بکر جوی، صلح بن عیشین، محمد رشید قبانی، عبدالقدوس ہاشمی ندوی۔

نظریہ ارتقاء اسلامی عقیدہ کے خلاف ہے

سوال مغربی انداز کے کالجوں میں ہمیں ہر جگہ نظریہ ارتقاء کا سامنا کرنا پڑتا ہے، کتابوں اور مجلات میں بھی اس نظریہ کا یوں اظہار کیا جاتا ہے گویا اس میں دو آدمیوں کا بھی اختلاف نہیں ہے۔ میں سائنس کالج شعبہ بیالوجی کا طالب علم ہوں۔

میں اس موضوع سے متعلق قرآنی آیات، احادیث شریفہ اور آپ کی آراء چاہتا ہوں تاکہ اطمینان قلب حاصل ہو؟

جواب بلاشک و شبہ نظریہ ارتقاء دہریوں اور ان کے پیروکاروں مثلاً عالی فلسفیوں اور ماہرین طبیعات وغیرہ کا عقیدہ ہے اور یہ ایک غلط نظریہ ہے جس کی بنیاد کسی دلیل کے بغیر محض ظن و تخمین پر ہے، اسی طرح یہ لوگ عالم کو قدیم مانتے اور مبدأ و معاد اور حشر کا انکار کرتے ہیں اور بلاشک یہ کفر صریح ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں نے جو خبریں دی ہیں ان کی تکذیب ہے۔ مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے جیسا کہ اس نے اپنی کتاب میں اس کی صراحت فرمائی ہے، اس میں بروہر میں موجود تمام مخلوقات داخل ہیں۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب مخلوقات کو اسی طرح پیدا فرمایا اور انہیں اپنی قدرت اور کمال ربوبیت کی نشانیاں بنا دیا، چنانچہ فرمایا:

﴿فَأَخْبَا بِدِ الْأَرْضِ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَتَّ فِيهَا مِنْ كَلِّ دَابَّتْو﴾ (البقرة ۱۶۴/۲)

”اور اس سے زمین کو مرنے کے بعد زندہ (یعنی خشک ہونے کے بعد سرسبز) کر دیتا ہے اور زمین پر ہر قسم کے جانور پھیلائے۔“

اور فرمایا:

﴿وَمَا مِنْ دَابَّتْو فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا﴾ (هود ۶۱/۱۱)

”اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے، وہ جہاں رہتا ہے اسے بھی جانتا ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے اسے بھی!“

یعنی ان کی جگہوں اور عمروں کو بھی جانتا ہے اور فرمایا:

﴿وَمَا مِنْ دَابَّتْو فِي الْأَرْضِ وَلَا ظَلْمِرٌ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَلُكُمْ﴾ (الانعام ۶/۳۸)

”اور زمین میں جو چلنے پھرنے والا (حیوان) یا دو پروں سے اڑنے والا جانور ہے، ان کی بھی تم لوگوں کی طرح جماعتیں ہیں۔“

اور فرمایا:

﴿وَأَلْقَى فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ﴾ (لقمان ۳۱/۱۰)

”اور زمین پر پہاڑ (بنا کر) رکھ دیئے تاکہ تم کو ہلانہ دے اور اس میں ہر طرح کے جانور پھیلا دیئے۔“

اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بھی خبر دی ہے کہ اس نے ان تمام جانوروں کو پانی سے پیدا فرمایا ہے:

﴿وَاللَّهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِنْ مَاءٍ فَمَنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَى بَطْنِهِ. وَمِنْهُمْ مَّنْ يَمْشِي عَلَى رِجْلَيْنِ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَمْشِي عَلَى

أَرْبَعٍ﴾ (النور ۲۴/۴۵)

”اور اللہ ہی نے ہر چلنے بھرنے والے جاندار کو پانی سے پیدا کیا تو ان میں سے کچھ ایسے ہیں کہ پیٹ کے بل

چلتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں۔“

یہ بطور مثال ہے وگرنہ کئی جانوروں کی چھ یا اس سے زیادہ ٹانگیں بھی ہیں، سب کو چونکہ اللہ تعالیٰ ہی نے پیدا فرمایا ہے، اس لئے اس نے خلق و رزق اور کبر و صغر کے اعتبار سے فرق رکھا اور پھر ہر چیز کو اس نے پیدا فرما کر اس پر راہ عمل کو بھی کھول دیا ہے تاکہ اس کی حیات اور نوع کی بقا کا اہتمام بھی ہو۔ ان میں سے ہر ہر مخلوق میں تو ولد و تناسل، نشوونما، اپنی اپنی اولاد پر شفقت کا جذبہ اور اپنے رزق کی پہچان کا شعور بھی ہو اور تمام مخلوقات کو یہ سب باتیں طبعی طور پر کسی کے تعلیم دینے کے بغیر ہی حاصل ہو جاتی ہیں۔ ان مخلوقات میں سب سے اشرف و افضل انسان ہے کہ ساری کائنات کو اسی کی خاطر پیدا کیا گیا ہے تاکہ اس عقل و ادراک کے ساتھ یہ غور و فکر سے کام لے سکے، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے تمام مخلوقات سے نمایاں اور ممتاز کر دیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ﴾ (السجدة ۳۲/۷)

”جس نے ہر چیز کو بہت اچھی طرح بنایا (یعنی) اس کو پیدا کیا اور انسان کی پیدائش کو مٹی سے شروع کیا۔“

ہمیں اعتراف کرنا چاہئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی مخلوق و ملکیت ہیں۔ اس نے کائنات کی ہر چیز کو ہمارے لئے پیدا فرمایا ہے

تاکہ ہم اس سے نفع حاصل کریں اور عبرت بھی! (واللہ الموفق)

— شیخ ابن جبرین —

قومیت کی دعوت جاہلیت کی دعوت ہے

سوال قومیت کی دعوت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے کہ اس دعوت کے معنی یہ ہیں کہ نسل اور زبان کی طرف

انتساب کو دین کی طرف انتساب سے مقدم سمجھا جائے، قومیت کی داعی جماعتیں اگرچہ دعویٰ یہ کرتی ہیں کہ وہ دین کی دشمن نہیں ہیں لیکن یہ قومیت کو دین سے مقدم ضرور سمجھتی ہیں۔ آپ کی اس دعویٰ کے بارے میں کیا رائے ہے؟

جواب یہ دعوت جاہلیت ہے، اس کی طرف انتساب اور اس دعوت کے دینے والوں کی حوصلہ افزائی جائز نہیں بلکہ

اسے ختم کرنا ضروری ہے کیونکہ اسلامی شریعت تو دنیا میں آئی ہی اس لئے ہے کہ اس جاہلانہ دعوت کے خلاف جنگ کرے،

اس سے نفرت دلائے، اس کے پھیلانے ہوئے شکوک و شبہات کی تردید کرے، جس سے طالب کے سامنے حقیقت واضح ہو

جائے۔ یہ صرف اسلام ہی ہے جو عربی کو لغت، ادب اور اخلاق کے اعتبار سے زندہ رکھ سکتا ہے لہذا دین اسلام کی مخالفت

کے معنی ہی عربی زبان و ادب اور اخلاق کے حقیقی خاتمہ کے ہیں۔ دعاۃ و مبلغین پر فرض ہے کہ وہ اسلامی دعوت کے نمایاں

کرنے میں بھی اسی طرح تن، من، دھن کی بازی لگادیں، جس طرح استعماری طاقتیں اسے ختم کرنے میں اپنا پورا زور صرف کر رہی ہیں۔

دین اسلام کی روشنی میں بدیہی طور پر یہ بات معلوم ہے کہ عربی یا کسی بھی دوسری قومیت کی طرف دعوت ایک باطل دعوت ہے، ایک زبردست غلطی، ایک بہت بڑی برائی، ایک بدترین جہالت اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک خوفناک سازش ہے۔ اس کے وجوہ و اسباب ہم نے اپنی کتاب ((نقد القومية العربية علی ضوء الاسلام والواقع))۔۔۔ ”اسلام اور امر واقع کی روشنی میں عربی قومیت پر تنقید“۔۔۔ میں تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ ہم سب کو اپنی رضا کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

شیخ ابن باز

صوفیہ کے پیچھے نماز کا حکم

صوفیہ کون لوگ ہیں؟ کیا ان کے پیچھے نماز جائز ہے؟

سوال

صوفیہ اصل میں وہ زاہد لوگ ہیں جو نقشب (مفسی اور درویشی) کی وجہ سے بھیڑ بکریوں کی صوف (اون) کے کپڑے پہنتے تھے، بعد میں ان میں بدعات، رقص و سرود اور امر لڑکوں کی صحبت وغیرہ جیسی خرابیاں پیدا ہو گئیں، علاوہ ازیں ان میں تصور شیخ اور وحدت الوجود جیسے غلط عقائد پیدا ہو گئے لہذا عالی صوفیوں کی اقتداء میں نماز ادا کرنا درست نہیں عام صوفیوں کی اقتداء میں نماز درست ہے۔

جواب

شیخ ابن جبرین

کیونٹ مرتد ہیں

کیونٹم کا نظریہ وجود باری تعالیٰ کے انکار پر مبنی ہے۔ یہ نظریہ مادی حیات کا نظریہ ہے یعنی تمام مخلوقات طبعی طور پر از خود پیدا ہوئی ہیں، تو کیا عالم اسلام کے وہ نوجوان جنہوں نے کیونٹم کے افکار و نظریات کو اختیار کر لیا ہے، خاص طور پر وہ جنہوں نے ان افکار و نظریات کو عقیدہ کی حیثیت سے اختیار کر لیا ہے، وہ مرتد ہیں؟

سوال

میرے سامنے یہ سوال بظاہر اس طرح ہے جیسے کوئی یہ سوال کرے کیا سورج سورج ہے؟ کیا رات رات ہے؟ کیا دن دن ہے؟ کیونکہ منکر خالق کے بارے میں کہے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ وہ کافر نہیں ہے؟ سابقہ ٹھڈوں میں سے کوئی خالق کا منکر نہیں تھا، یہ انکار اس آخری دور کے ٹھڈوں نے کیا ہے۔ خالق کائنات کا انکار کس طرح کیا جاسکتا ہے، جب کہ اس کے وجود کے دلائل و براہین آفتاب نصف النہار سے بھی زیادہ نمایاں اور روشن ہیں، دن کے ہوتے ہوئے دن کو ثابت کرنے کے لئے بھی دلیل کی ضرورت ہو تو پھر ایسے انسان کو کوئی اور بات کس طرح ذہن نشین کرائی جاسکتی ہے۔ الحمد للہ! خالق کے وجود کے دلائل فطرت، عقل، مشاہدہ اور حس ہر طرح سے موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے وجود کا تو کوئی ہٹ دھرم انسان ہی انکار کر سکتا ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انکار کرنے والوں کے دلوں میں بھی اس کے وجود کے بارے میں، اطمینان ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے بارے میں، جس نے خالق کا انکار کر کے خود ربوبیت کا دعویٰ کر دیا تھا، ذکر کیا ہے کہ:

جواب

﴿وَحَمَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَطُغْيًا﴾ (النمل ۱۴/۲۷)

”اور انہوں نے ظلم (بے انصافی) اور غرور سے ان کا انکار کیا لیکن ان کے دل ان کو مان چکے تھے۔“

اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ نے فرعون سے مناظرہ کرتے ہوئے کہا:

﴿قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَمَا أَنْزَلَ هَذِهِ السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ بِصَاعٍ﴾ (الاسراء ۱۷/۱۰۲)

”یقینی طور پر تو یہ خوب جانتا ہے کہ یہ بصیرت افروز نشانیاں آسمانوں اور زمین کے پروردگار کے سوا کسی نے نازل نہیں کی ہیں۔“

جو لوگ خالق کا انکار کرتے ہیں، حقیقت میں وہ اپنے ہی نفسوں کا انکار کرتے ہیں کیونکہ وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے نفسوں کو خود پیدا نہیں کیا، ان کی ماؤں نے بھی انہیں پیدا نہیں کیا، ان کے باپوں نے بھی انہیں پیدا نہیں کیا، چوتھا اور کوئی انسان بھی نہیں جس نے انہیں پیدا کیا ہو تو اب صرف اللہ رب العالمین ہی کی ہستی رہ جاتی ہے، جس کے بارے میں یہ کہا جائے کہ اس نے انہیں پیدا کیا ہے، جس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ﴾ (الطور ۵۲/۳۵)

”کیا یہ کسی خالق کے بغیر خود پیدا ہو گئے ہیں؟ یا یہ خود اپنے خالق ہیں۔“

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ جو ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے، انہوں نے جب اس آیت کریمہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تو بیان کرتے ہیں کہ قریب تھا کہ میں یہ آیت سن کر اڑنے لگتا کہ یہ خالق سبحانہ و تعالیٰ کے وجود کی قاطع اور ظاہر دلیل تھی۔

اللہ تعالیٰ کے منکروں سے جب یہ پوچھا جاتا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو سوائے اس کے ان کے پاس اور کوئی جواب نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا فرمایا ہے، کیونکہ یہ قطعی بات ہے کہ آسمانوں اور زمینوں نے اپنے آپ کو خود تو پیدا نہیں کیا۔ اور ہر موجود کے لئے ضروری ہے کہ اس کا کوئی موجد واجب الوجود بھی ہو اور وہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات گرامی ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ مثلاً یہ عظیم الشان محل جو انواع و اقسام کے برقی مقنموں سے جگمگا رہا ہے، یہ خود بخود بن گیا ہے تو لوگ کہیں گے کہ یہ پاگل انسان ہے کیونکہ محل خود بخود نہیں بن سکتا۔ اگر ایک محل خود بخود نہیں بن سکتا تو یہ آسمان و زمین، یہ افلاک اور ستارے اور سیارے جو مربوط و مستحکم نظام میں منسلک ہیں اور اپنی تخلیق کے لمحہ سے لے کر اس وقت تک اسی طرح باقی رہیں گے، جب اللہ تعالیٰ اس نظام کو ختم کرنے کا حکم دے دے گا تو یہ کس طرح خود بخود پیدا ہو سکتے ہیں میری رائے میں تو یہ امر اس قدر واضح ہے کہ اس پر کسی دلیل کے لانے کی بھی ضرورت نہیں ہے، لہذا بلاشک و شبہ وہ شخص فاجر العقل ہے جو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا انکار کرتا ہے۔ وہ بے دین ہے، کافر ہے، اس کے کفر میں کوئی شک نہیں کر سکتا۔

یہ حکم ان لوگوں پر بھی صادق آتا ہے جنہوں نے دائرہ اسلام میں زندگی بسر کرتے ہوئے کمیونزم کی تقلید کی کیونکہ اسلام تو اس کا زبردست طریقے سے انکار کرتا ہے۔ اس فکر اور اس سوچ کا باطل ہونا کسی بھی مسلمان سے مخفی نہیں ہے اور اگر کسی سے مخفی ہے بھی تو وہ معذور نہیں ہے کیونکہ اس حقیقت کو جاننے والے ہر جگہ موجود ہیں بلکہ یہ لوگ اگر خود اپنی ہی فطرت کی طرف رجوع کریں تو انہیں یقیناً معلوم ہو جائے گا کہ ان کے اس مذہب اور فکر کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔

— شیخ ابن عثیمین —

فقہی مذاہب سے وابستگی

سوال کیا اہل سنت و الجماعت کے نزدیک قابل اعتماد مذاہب صرف چار ہیں؟ کسی ایک معین مذہب کے ساتھ وابستگی کا کیا حکم ہے؟ کیا ایک سے دوسرے مذہب کی طرف منتقل ہونا جائز ہے؟

جواب یہ مذاہب صدر اول میں مدون ہوئے، ان کے ائمہ کے اقوال و اختیارات مشہور ہیں، کچھ لوگوں نے ان کی پیروی اس لئے کی کہ ان کے سامنے ان کی صحت ظاہر ہو گئی تھی لیکن بعد میں ان مذاہب کے کچھ ایسے پیروکار پیدا ہوئے جنہوں نے تعصب سے کام لیا اور اپنے مذاہب کی تائید و حمایت میں بہت تشدد کیا۔ صحیح احادیث تک کو رد کر دیا۔ پہلے لوگ تو معذور تھے لیکن بعد میں آنے والے جن کے سامنے حق واضح ہو گیا ان کو ہم معذور قرار نہیں دے سکتے لہذا کسی ایک معین مذہب کی پابندی لازم نہیں ہے بلکہ جب کسی امام کا حق پر ہونا ثابت ہو جائے تو اس کے مطابق عمل کرنا فرض ہے اس طرح محض خواہش نفس کی پیروی یا محض رخصتوں کے حصول کے لئے ایک مذہب کی بجائے دوسرے کی طرف منتقل ہونا جائز نہیں کیونکہ یہ کبیرہ گناہ ہے۔

— شیخ ابن جریر —





میں کتابیں جمع تو کرتا ہوں لیکن پڑھتا نہیں

سوال الحمد للہ میرے پاس بہت سی مفید کتب اور مراجع ہیں لیکن میں سب کو نہیں پڑھتا بلکہ ان میں سے بعض منتخب کتابوں کو پڑھتا ہوں، تو سوال یہ ہے کیا گھر میں کتابیں جمع کر کے رکھنے کی صورت میں گناہ تو نہ ہو گا، ہاں یہ بھی ہے کہ بعض لوگ مجھ سے وقتاً فوقتاً کتابیں مستعار لے جاتے ہیں اور استفادہ کر کے انہیں واپس کر دیتے ہیں؟

جواب ایک مسلمان کے لئے اس بات میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ مفید کتابوں کو جمع کر لے، اپنی لاہریری میں حفاظت سے رکھے، خود بھی مراجعت اور استفادہ کرے اور ملاقات کے لئے آنے والے اہل علم کی خدمت میں بھی پیش کرے تاکہ وہ ان سے استفادہ کر سکیں۔ اگر بہت سی کتابوں کو آدمی خود نہ بھی پڑھ سکے تو کوئی حرج نہیں، قابل اعتماد آدمیوں کو استفادہ کے لئے کتابیں مستعار دینا نیکی کا کام اور تقرب الہی کے حصول کا ذریعہ ہے کہ یہ تحصیل علم کے لئے اعانت ہے اور حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ:

﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ﴾ (المائدة/۵)

”نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔“

اور نبی ﷺ کے فرمان کے مصداق ہے کہ:

«وَاللَّهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ» (صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب

فضل الاجتماع على تلاوة القرآن، وعلى الذکر، ح: ۲۶۹۹)

”اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی اس وقت تک مدد کرتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔“

— شیخ ابن باز —

میں استانی ہوں، کیا طالبات کے سوالات کے جوابات دے سکتی ہوں؟

سوال میں ایک استانی ہوں، انٹرنیٹ کالج سے میں نے اسلامک سٹڈیز میں سند فراغت حاصل کی ہے، کچھ فقہی کتابوں کا بھی مطالعہ کیا ہے، طالبات مجھ سے سوال کرتی ہیں تو کیا اپنی معلومات کے مطابق بطریق قیاس و اجتہاد۔۔۔ حلال و حرام کے احکام میں مداخلت کئے بغیر۔۔۔ میں ان کے سوالوں کے جواب دے سکتی ہوں؟

جواب کتابوں کی طرف مراجعت اور اجتہاد کرنے کے بعد وہ جواب دو جس کے بارے میں ظن غالب یہ ہو کہ وہ صحیح ہے اور اس طرح سوالوں کے جواب دینے میں کوئی حرج نہیں۔ جب کسی جواب کے بارے میں شک ہو اور واضح نہ ہو کہ صحیح جواب کیا ہے تو کہہ دو کہ اس کا جواب مجھے معلوم نہیں اور طالبات سے یہ وعدہ کر لو کہ تحقیق کر کے اس کا جواب بتاؤں گی پھر کتابوں کا مطالعہ کرو یا اہل علم سے اس کا جواب پوچھ لو تاکہ معلوم ہو جائے کہ صحیح جواب کیا ہے۔

شیخ ابن باز

اجتہاد و افتاء

سوال کیا اسلامی احکام کے بارے میں اجتہاد کا دروازہ ہر انسان کیلئے کھلا ہے یا مجتہد کے لئے کچھ شرائط ضروری ہیں؟ کیا واضح دلیل کی معرفت کے بغیر محض اپنی رائے سے فتویٰ دینا ہر انسان کے لئے جائز ہے؟ اور اس حدیث کا کیا درجہ ہے جس کے الفاظ یا مفہوم یہ ہے کہ:

«أَجْرُكُمْ عَلَى الْفِتْيَانِ أُجْرُكُمْ عَلَى النَّارِ» (سنن الدارمی، المقدمة، باب الفتيا وما فيه من الشدة،

ح: ۱۵۷)

”تم میں سے جو فتویٰ کے بارے میں زیادہ جرأت سے کام لیتا ہے، وہ جہنم کی آگ کے بارے میں بھی زیادہ دلیر ہے؟“

جواب احکام شرعیہ کی معرفت کے بارے میں اجتہاد کا دروازہ ہر اس شخص کے لئے کھلا ہے، جو اس کا اہل ہو یاں طور کہ جس مسئلہ میں وہ اجتہاد کر رہا ہو اس کے بارے میں اسے آیات اور احادیث کا علم ہو، ان کے فہم اور ان سے مطلوبہ استدلال کی اسے قدرت حاصل ہو، جن احادیث سے استدلال کر رہا ہو، صحت و ضعف کے اعتبار سے ان کے درجے کا علم ہو، زیر بحث مسائل میں اجماع کے مقالات کا علم ہو تاکہ وہ مسلمانوں کے اجماع کے خلاف موقف اختیار نہ کر سکے، عربی زبان کی بھی اتنی پہچان ضرور ہو، جس سے اس کے لئے نصوص کے مفہوم کا سمجھنا ممکن ہو تاکہ وہ استدلال و استنباط کر سکے۔ کسی بھی انسان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ دین کے بارے میں اپنی رائے سے کوئی بات کرے یا لوگوں کو علم کے بغیر فتویٰ دے بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ شرعی دلیل سے راہنمائی حاصل کرے، پھر اہل علم کے اقوال سے استفادہ کرے اور دیکھے ان کے سامنے کون سے دلائل ہیں اور ان کے استنباط و استدلال کا کیا طریقہ ہے، پھر جس پر اسے قناعت حاصل ہو جائے اور جسے وہ بطور دین کے اپنے لئے پسند کر لے، اس کے مطابق گفتگو بھی کر سکتا ہے اور فتویٰ بھی دے سکتا ہے۔

حدیث:

«أَجْرُكُمْ عَلَى الْفِتْيَانِ أُجْرُكُمْ عَلَى النَّارِ» (سنن الدارمی، المقدمة، باب الفتيا وما فيه من الشدة،

ح: ۱۵۷)

کو حافظ عبداللہ بن عبدالرحمن دارمی نے اپنی ”سنن“ میں عبید اللہ بن ابی جعفر مصری سے مرسلًا روایت کیا ہے۔ (وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم)

فتویٰ کییٹی

فتویٰ کے بارے میں خبر دینے میں کوئی حرج نہیں

سوال طلبہ ایک ایسے استاد سے فتویٰ پوچھتے ہیں، جس کے پاس مناسب علم تو ہے لیکن وہ فتویٰ دینے کا اہل نہیں ہے ہاں البتہ اس طرح کے سوال کا اس نے بعض ثقہ علماء سے جواب ضرور سن رکھا ہوتا ہے، تو کیا اس کے لئے یہ جائز ہے کہ

وہ طلبہ کو یہ فتویٰ دے یا ضروری ہے کہ جواب کو صاحب فتویٰ کی طرف منسوب کیا جائے؟

جواب جب کسی ایسے شخص سے سوال کیا جائے جس کے پاس فتویٰ دینے کی اہلیت نہ ہو اور اسے معتبر علماء کا فتویٰ یاد ہو تو اس فتویٰ کے بتانے میں کوئی حرج نہیں لیکن جواب کو اپنی طرف منسوب نہ کرے بلکہ یہ کہے کہ میں نے فلاں شخص کو اس کا یہ فتویٰ دیتے ہوئے سنا ہے جب کہ اسے وہ فتویٰ بغیر شک و شبہ کے یاد ہو۔ (واللہ ولی التوفیق)

شیخ ابن باز

شرعی علم کا حاصل کرنا

سوال اگر کوئی شخص ایسے علوم کی تحصیل میں مصروفیت کے باعث، جن کا شرعی علم سے کوئی تعلق نہیں ہے یا کسی اور کام میں مصروفیت کے سبب، شرعی علم حاصل نہ کر سکے تو کیا اس کا عذر قابل قبول ہو گا؟

جواب شرعی علم کا حاصل کرنا فرض کفایہ ہے، اگر کچھ ایسے لوگ علم حاصل کر رہے ہوں جو معاشرہ کی ضرورت کے لئے کافی ہوں تو پھر باقی لوگوں کے لئے اسے حاصل کرنا سنت ہو گا۔ کبھی شرعی علم کا حاصل کرنا انسان کے لئے واجب یعنی فرض عین بھی ہوتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے سلسلہ میں انسان کے لئے یہ سیکھنا واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کس طرح کرے۔ لہذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے مشغول ہے اور وہ شرعی علم حاصل نہیں کر سکتا تو وہ معذور ہے بشرطیکہ اس قدر علم ضرور حاصل کر لے جس سے وہ اپنے رب کی عبادت کر سکے بہر حال مقدر بھر شرعی علم ضرور حاصل کرنا چاہئے۔

شیخ ابن عثیمین

مذہب اربعہ

سوال میری اب تک مذہب اربعہ میں سے کسی سے وابستگی نہیں ہے۔ کیا میرے لئے یہ جائز ہے کہ میں ان میں سے کسی ایک مذہب کو اپنے لئے پسند کر لوں؟

جواب ائمہ اربعہ کے مذہب اصول یعنی عقیدہ میں متفق ہیں ہاں البتہ فقہی مسائل کے فروع سے متعلق ان کے اجتہادات مختلف ہیں اور یہ اختلاف فہم، مصلح اور اطلاع میں اختلاف کے سبب ہے اور اس کے باوجود وہ اجتہاد کی وجہ سے اجر و ثواب کے مستحق ہیں۔ جس کا اجتہاد درست ہو اسے دو اجر ملتے ہیں اور جس کا اجتہاد درست نہ ہو اسے بھی ایک اجر ضرور ملتا ہے اور حسن ارادہ کی وجہ سے اس کی غلطی معاف ہوتی ہے۔ مذہب اربعہ میں سے کسی ایک کی پیروی جائز ہے جب تک کہ اس کی غلطی ظاہر نہ ہو، اسی طرح ہر مذہب کے راجح قول کے مطابق عمل کرنا بھی جائز ہے۔

شیخ ابن جبرین

علمی مجلس میں سلام کہنا

سوال جب کوئی شخص کالج کے لیکچر یا کسی علمی مجلس میں دیر سے اس وقت پہنچے جب استاد نے لیکچر شروع کر دیا ہو تو پھر

افضل کیا ہے سلام کے یا سلام نہ کہے اور مجلس میں بیٹھ جائے؟
جواب سلام کہنے سے اگر درس منقطع ہو تا یا حاضرین مجلس تشویش محسوس کرتے ہوں تو افضل یہ ہے کہ سلام نہ کہے اور اگر سلام کہنے سے اس طرح کی کوئی بات رونما نہ ہوتی ہو تو مجلس میں آنے والے ہر شخص کے لئے سلام کہنا سنت ہے لہذا اسے سلام کہنا چاہئے اور اگر حاضرین میں سے کوئی ایک شخص بھی سلام کا جواب دے دے تو یہ کافی ہے۔

شیخ ابن عثیمین

فتویٰ دینے میں توقف کرنا

سوال ایک عالم کے لئے فتویٰ سے توقف کے کیا اسباب ہو سکتے ہیں؟

جواب ایک عالم جب فتویٰ دینے کا اہل ہو اور اسکے پاس علم بھی ہو تو وہ فتویٰ دینے سے توقف یا تو دلائل کے تعارض کی وجہ سے کرے گا یا اس وجہ سے کہ اسکے نزدیک مستفتی (فتویٰ طلب کرنے والا) غیر سنجیدہ ہو گا کیونکہ بعض مستفتی حق معلوم کرنے کیلئے فتویٰ طلب نہیں کرتے بلکہ ان کا مقصد کھیل تماشا اور یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ یہ عالم اسکا کیا جواب دیتا ہے؟ دوسرا کیا اور تیسرا اسکا کیا جواب دیتا ہے؟ لہذا ایسی صورت حال میں ایک عالم توقف کرتا یا جواب دینے سے اعراض کرتا ہے، جب کہ اسے یہ علم یا ظن غالب ہو کہ یہ شخص کھیل تماشا کر رہا ہے، یہ محض لوگوں کا جائزہ لینا چاہتا ہے یا یہ چاہتا ہے کہ بعض اقوال کا سہارا لے کر بعض کو رد کر دے اور یہ صورت پہلی سے بھی زیادہ سنگین ہے کیونکہ اس صورت میں وہ یہ کہتا ہے کہ فلاں عالم یہ کہتا ہے اور فلاں یہ (ہم کس کی بات مانیں اور کس کی نہ مانیں لہذا نتیجہ وہ کوئی بات بھی نہیں مانتا) یہ صورت بھی ان اسباب میں سے ہے، جن کی وجہ سے ایک مفتی فتویٰ دینے میں توقف سے کام لیتا ہے۔

شیخ ابن عثیمین

علم کے بغیر فتویٰ دینا

سوال کچھ لوگ علم نہ ہونے کے باوجود فتویٰ دیتے ہیں، ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب یہ عمل بہت خطرناک اور کبیرہ گناہ ہے۔ علم کے بغیر بات کو اللہ تعالیٰ نے شرک کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِتِمَاءَ وَالنَّبْغِيَّ وَالْحَقَّ وَأَنْ تَشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴾ (الأعراف/ ۳۳)

”(اے پیغمبر!) کہہ دیجئے کہ میرے پروردگار نے تو بے حیائی کی باتوں کو، ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو حرام کیا ہے اور اس کو بھی (حرام کیا ہے) کہ تم کسی کو اللہ کا شریک بناؤ جس کی اس نے کوئی سند نازل نہیں کی اور اس کو بھی (حرام کیا ہے) کہ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں کچھ علم نہیں۔“

یہ حکم سب کو شامل ہے کہ اللہ کی ذات کے بارے میں یا اس کی صفات کے بارے میں یا اس کے افعال کے بارے میں یا اس کے شرعی احکام کے بارے میں علم کے بغیر بات کرنا منع ہے۔ کسی شخص کے لئے بھی اس وقت تک کسی چیز کے

بارے میں فتویٰ دینا جائز نہیں، جب تک اسے یہ معلوم نہ ہو کہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی شریعت کا حکم کیا ہے اور اس کے لئے اس کے پاس اس ملکہ کا ہونا بھی ضروری ہے، جس سے وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے نصوص کے معنی و مضموم کو بھی سمجھ سکے، جب اس میں یہ ملکہ پیدا ہو جائے تو پھر وہ فتویٰ دے سکتا ہے۔ مفتی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ترجمانی کرتا اور نبی ﷺ کے ارشادات کو آگے پہنچاتا ہے لہذا اگر وہ کوئی بات علم کے بغیر کہتا ہے یا نظروا اجتہاد اور دلائل پر غور کی روشنی میں حاصل ہونے والے ظن غالب کے بغیر کہتا ہے، تو اس نے علم کے بغیر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بات منسوب کرنے کے جرم کا ارتکاب کیا لہذا اسے سزا کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا لِيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ (الانعام/ ۱۴۴)

”تو اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ افتراء کرے تاکہ اذراہ بے دانشی لوگوں کو گمراہ کرے کچھ شک نہیں کہ اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔“

شیخ ابن عثیمین

ائمہ اربعہ نے اپنی تقلید کو لازم قرار نہیں دیا

سوال بہت سے فقہی مسائل میں علماء اسلام میں اختلاف ہے۔ علماء اسلام سے میری مراد ائمہ اربعہ ہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ کیا کسی ایک مذہب سے وابستہ شخص کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ کسی مسئلہ میں کسی دوسرے مذہب کے قول کو جو اس کے مناسب حال ہو اختیار کرے مثلاً میرا تعلق ایک ایسے مذہب سے ہے جس میں زینت کے لئے استعمال ہونے والے زیورات میں زکوٰۃ نہیں ہے جب کہ میں نے بہت سے دیگر علماء سے یہ سنا ہے کہ ان میں بھی زکوٰۃ ہے، خلاصہ یہ کہ کیا ایک مسلمان کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ ایک مذہب سے وابستہ ہوتے ہوئے کسی مسئلہ میں کسی دوسرے مذہب کی رائے کو اختیار کر لے جب کہ اسے فقہی مسائل کا خاطر خواہ علم ہو؟

جواب بے شک ایک مسلمان کا مقصود و مطلوب حق ہے۔ وہ جب بھی حق کو پاتا ہے اس کے مطابق عمل کرتا ہے۔ ائمہ اربعہ نے کسی کو بھی اس بات کا پابند نہیں کیا کہ وہ ہر چیز میں ان کی تقلید کرے، انہوں نے صرف یہ بتایا ہے کہ ان کے نزدیک پسندیدہ اور قابل ترجیح قول کون سا ہے اور دوسروں کو انہوں نے حکم یہ دیا ہے کہ اگر دوسروں کے قول میں انہیں حق مل جائے تو اسے لے لیں لہذا کوئی شخص بھی کسی ایک امام کے قول کا پابند نہیں ہے کہ وہ ہر چیز میں اس کی تقلید کرے، اسی طرح کسی کے لئے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ وہ تخفیف یا خواہش نفس کی پیروی میں رخصتوں یا علماء کی لغزشوں یا ان کی غلطیوں کو ڈھونڈتا پھرے۔ اکثر ائمہ جو زیورات میں زکوٰۃ کے قائل نہیں ہیں، انہوں نے اسے استعمال کی اشیاء پر قیاس کیا یا بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول آثار سے استدلال کیا ہے جب کہ صحیح اور مرفوع احادیث سے یہ ثابت ہے کہ زیورات میں بھی زکوٰۃ فرض ہے، جو زکوٰۃ ادا نہ کرے اس کے لئے سخت وعید آئی ہے لہذا یہ دلیل قیاس اور آثار کی نسبت قابل ترجیح ہے یہی وجہ ہے کہ علماء محققین نے اسے اختیار کیا ہے۔

شیخ ابن جریر

ارض فدک کا قصہ

سوال میرے ہاتھ میں «فدک فی التاریخ» «فدک کا تاریخ» کے آئینہ میں "ناہی ایک کتاب آئی، جس کا مؤلف دونوں خلیفوں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو (نمود باللہ) کافر قرار دیتا ہے۔ اس کتاب کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

جواب رافضیوں «لَعَنَهُمُ اللَّهُ» کا عقیدہ ہے کہ دوسرے انسانوں کی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مال بھی آپ کے دارثوں میں تقسیم ہونا چاہئے تھا لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ازراہ ظلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ان کی وراثت سے محروم کیا اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی پیروی کی، جب کہ مدینہ کے قریب فدک نامی رقبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت تھا لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس میں تصرف کیا اور اسے اپنی ملکیت میں لے لیا یا اسے انہوں نے بیت المال میں داخل کر دیا۔ اس کتاب کا مصنف خبیث عقیدے کا مالک ایک رافضی ہے، اس سے اور اس کے کذب و بہتان سے ہٹ کر دور رہنا واجب ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو خود ارشاد فرمایا تھا کہ:

«لَا نُورِثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةً» (صحیح بخاری، کتاب النفقات، باب حبس الرجل قوت سنة على اهله، ...، ح: ۵۳۵۸، وصحیح مسلم، کتاب الجهاد والسير، باب حکم القیء، ح: ۱۷۵۷، واخرجه ابوداؤد، کتاب الخراج والامارة، ح: ۲۹۶۳، والترمذی فی السنن، ح: ۱۶۱۰)

«ہمارا مال دارثوں میں تقسیم نہیں ہوتا بلکہ ہمارا ترکہ تو صدقہ ہوتا ہے۔»

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس زمین کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات پاک میں کیا کرتے تھے۔ پھر حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرت حسن رضی اللہ عنہم نے بھی اس کے ساتھ وہی معاملہ کیا لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ روافض عقل سے کام نہیں لیتے۔

— شیخ ابن جبرین —

کتاب سیرت ملک سیف بن ذی یزن

سوال میں نے کتاب سیرت ملک سیف بن ذی یزن ص ۱۸۵ جلد دوم میں یہ پڑھا ہے کہ بادشاہ سیف ایک علاقے میں

گیا جہاں اس نے ایک آدمی کو پایا اور جب اس سے اس کا نام پوچھا تو اس نے اپنا نام خضر بتایا۔ خضر نے بادشاہ سیف کو ایک بہت ہی خوبصورت علاقہ دکھایا، جس کا نام سفید جزیرہ تھا اور وہ وہیں قیام کئے ہوئے تھا کیونکہ اس میں بہت سے عجائبات تھے، مثلاً یہ کہ وہاں ہر رات آسمان کا ایک دروازہ کھلتا تھا جس سے اللہ کے فرشتے نازل ہوتے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے زمین میں تصرف کرتے تھے۔ خضر نے بادشاہ کو بتایا کہ اس جزیرے کے پیچھے نور ہے اور اس نور کے پیچھے تاریکی ہے جو دنیا کو گھیرنے ہوئے ہے اور اس کے بعد ایک پہاڑ ہے جس کا نام "فد" ہے اور وہ حلقہ کی طرح گول ہے اور پوری دنیا کو گھیرے ہوئے ہے اور آسمان اس پر سواری کئے ہوئے ہے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سب کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ پہاڑ کے پیچھے ایک ایسی مخلوق ہے جو نہ انسان ہے اور نہ جن سوال یہ ہے کہ کیا یہ باتیں سچی اور صحیح ہیں؟

جواب یہ داستان بے اصل ہے، اس کی کوئی دلیل نہیں لہذا اس کی تائید کرنا اور اسے اسلامی عقائد میں داخل کرنا جائز نہیں ہے۔ علماء نے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت خضر کے حوالہ سے جو حکایات بھی بیان کی جاتی ہیں، وہ بے بنیاد ہیں کیونکہ

حضرت خضر کا بھی دیگر بندگان الہی کی طرح انتقال ہو چکا ہے، اگر وہ موجود ہوتے تو ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتے کیونکہ آپ ﷺ کو انس و جن سب کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔ مذکورہ کتاب خرافات اور جھوٹی باتوں پر مشتمل ہے جو کہ بالکل بے اصل ہیں۔ اس کا مصنف بھی ایک گناہ آدی ہے یا وہ ”حاطب لیل“ (رات کو ایندھن اکٹھا کرنے والا) ہے کہ وہ جو کچھ دیکھتا ہے اسے بلا تحقیق نقل کر دیتا ہے یا لوگوں کو مشغول رکھنے کے لئے اپنے تخیل سے عجائبات دنیا کے بارے میں باتیں وضع کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مخلوقات کے بارے میں اس کے احاطہ کی وسعت میں کوئی شک نہیں لیکن ان خرافات و ہنوت کا کوئی سراؤں نہیں لہذا یہ اس قابل ہیں کہ انہیں مٹا دیا جائے اور تلف کر دیا جائے۔

شیخ ابن جریر

جس کا کوئی استاد نہیں اس کا استاد شیطان ہے

سوال اس شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو یہ کہتا ہے کہ جس کا کوئی استاد نہیں، اس کا استاد شیطان ہے؟
جواب بے شک علم، حاملین علم ہی سے حاصل کیا جاسکتا ہے اور وہ علماء صالحین ہیں۔ جو ان سے علم حاصل کرے گا وہ بہت فائدہ اٹھائے گا، نص کو سمجھ لے گا، علم و عمل کو پہچان لے گا اور جو شخص محض کتابوں کے مطالعہ پر اکتفاء کرے، اس سے بہت سی چیزیں مخفی رہ جائیں گی اور بعض کو وہ صحیح طور پر نہ سمجھ سکے گا لیکن یہ قول مجھے کسی مرفوع یا موقوف حدیث میں نظر نہیں آیا۔ ہو سکتا ہے کہ علماء میں سے کسی نے یہ بات اس لئے کی ہو تاکہ لوگ علماء کے حلقوں میں شرکت کریں اور اہل علم کی مجلسوں سے دور نہ رہیں۔ (واللہ الموفق)

شیخ ابن جریر

جمعہ کے دن حدیث بیان کرنا

سوال کیا جمعہ کے دن عصر کے وقت حدیث بیان کرنا جائز ہے؟ راہنمائی فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔
جواب جمعہ کے دن عصر کے وقت، مغرب کے وقت اور ہر وقت حدیث بیان کرنا جائز ہے، حدیث بیان کرنا، وعظ و نصیحت کرنا سننے والوں کے لئے علم، نصیحت اور فائدہ کے حصول کا موجب ہے۔ اس میں حاضر ہونے کے لئے کسی کو پابند نہیں کیا جاسکتا اور نہ اسے مکروہ سمجھنے کی کوئی دلیل ہے، ہاں البتہ لوگوں نے یہ عادت اپنالی ہے کہ وہ جمعہ کے دن کام کرتے ہیں نہ درس و تدریس، ویسے اس میں ان شاء اللہ کوئی حرج نہیں۔

شیخ ابن جریر

امتحانات میں دھوکا دینا بھی حرام ہے

سوال میں اپنی پڑھائی میں بہت کند ذہن ہوں، مجھے پڑھائی میں سمجھ بھی بہت کم آتی ہے، جس کی وجہ سے میں امتحانات

میں دھوکا (نقل وغیرہ) سے کام لیتا ہوں، امید ہے اس سلسلہ میں میری راہنمائی فرمائیں گے؟

جواب ہم آپ کو نصیحت کرتے ہیں کہ خوب خوب محنت سے کام لیں، بار بار پڑھیں اپنے اسباق کو یاد کرنے، سمجھنے اور استاد سے استفادہ کی بھرپور کوشش کریں، اپنے ہم درس ساتھیوں سے بھی مدد لیں اور بار بار سمجھنے اور پڑھنے کی کوشش کریں، اس سے فائدہ حاصل ہو گا اور معانی و مطالب کی سمجھ بھی آئے گی۔ نقل وغیرہ کا سلسلہ بالکل ترک کر دیں کیونکہ یہ حرام بھی ہے اور امت کے خاص و عام افراد کے لئے اس میں دھوکا بھی ہے۔

شیخ ابن جبرین

سنن فطرت

داڑھی کو کالا کرنا

سوال جو شخص داڑھی کو کالے سیاہ رنگ سے رنگے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا ایسا کرنے والا گناہ گار ہو گا یا نہیں؟ داڑھی کو منڈانے اور کالا کرنے میں کیا فرق ہے؟

جواب داڑھی اور سر کے سفید بالوں کو مندی اور دسمہ وغیرہ سے رنگنے کی شرعی طور پر اجازت ہے لیکن کالے رنگ کی اجازت نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ کی صحیح احادیث سے اسی طرح ثابت ہے، چنانچہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

«جِيءَ بِأَبِي قُحَافَةَ يَوْمَ الْفَتْحِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، وَكَانَ رَأْسُهُ تُغَامَةً، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: إِذْهَبُوا بِهِ إِلَى بَعْضِ نِسَائِهِ فَتَغَيَّرْ بِشَيْءٍ وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ» (صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینة، باب استجاب خضاب الشیب . . .، ح: ۲۱۰۲، وسنن أبي داود، کتاب الترجل، باب فی الخضاب، ح: ۴۲۰۴، وسنن نسائی، کتاب الزینة، ح: ۵۰۷۹)

فتح مکہ کے دن ”ابو قحافہ“ (حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما کے والد) کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا تو ان کا سر ثغامہ^① کی مانند تھا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا انہیں ان کی کسی خاتون کے پاس لے جاؤ جو ان کے بالوں کو کسی چیز سے رنگ دے لیکن انہیں سیاہ رنگ سے بچانا۔“

مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ اگر میں کسی بوڑھے آدمی کو ان کے گھر ہی میں رہنے کی اجازت دیتا تو ابو بکر رضی اللہ عنہما کی عزت افزائی کی وجہ سے ابو قحافہ کے پاس خود چل کر جاتا۔ حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہما مسلمان ہو گئے، ان کے سر اور داڑھی کے بال ثغامہ کے پھولوں کی مانند سفید تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ أَحْسَنَ مَا غَيَّرْتُمْ بِهِ هَذَا الشَّيْبَ الْحِجَاءُ وَالْكَتَمُ» (سنن أبي داود، کتاب الترجل، باب فی

① ثغامہ، ایک قسم کا سفید پھولوں والا پودا ہے۔

الخضاب، ح: ۴۲۰۵، وجامع الترمذی، کتاب اللباس، باب ما جاء في الخضاب، ح: ۱۷۵۳، وسنن نسائی، کتاب الزینة، ح: ۵۰۸۴، ۵۰۸۵، واللفظ له

”سب سے بہترین چیز جس سے تم سفید بالوں کو رنگو وہ مندی اور وسہ ہے۔“

داڑھی کو منڈانا اور کالے رنگ سے رنگنا دونوں ممنوع ہیں لیکن منڈانا کالے رنگ سے رنگنے کی نسبت زیادہ سخت

گناہ ہے۔ ((وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

فتویٰ کمیٹی

موچھوں کو منڈوانا

سوال امید ہے کہ آپ کچھ ایسی احادیث کی طرف راہنمائی فرمائیں گے جن سے معلوم ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”جو شخص داڑھی منڈائے وہ فاسق ہے“ نیز یہ فرمائیے کیا یہ جائز ہے کہ موچھوں کو بالکل منڈوا دیا جائے؟

جواب داڑھی منڈانا حرام ہے اور منڈانے والا فاسق ہے کیونکہ وہ ان احادیث کی مخالفت کرتا ہے جن میں داڑھی بڑھانے کا حکم دیا گیا ہے، اس سے پہلے بھی بحوث العلمیہ والافتاء کی مستقل کمیٹی نے اس سے ملتے جلتے ایک سوال کے جواب میں فتویٰ دیا تھا جو کہ حسب ذیل ہے:

”داڑھی منڈانا حرام ہے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ، وَوَقَرُوا اللَّحَى وَأَخْفُوا الشَّوَارِبَ» (صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب

تقليم الأظفار، ح: ۵۸۹۲، وصحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب خصال الفطرۃ، ح: ۲۵۹)

”مشکروں کی مخالفت کرو، داڑھیوں کو بڑھاؤ اور موچھوں کو کتراؤ۔“

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«جَزُّوا الشَّوَارِبَ وَأَرْخُوا اللَّحَى وَخَالِفُوا الْمَجُوسَ» (صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب

خصال الفطرۃ، ح: ۲۶۰)

”موچھوں کو کتراؤ، داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مجوسیوں کی مخالفت کرو۔“

داڑھی منڈانے پر اصرار کرنا کبیرہ گناہ ہے، جو منڈانے سے نصیحت کرنا اور داڑھی منڈانے سے منع کرنا واجب ہے،

اگر ایسا کوئی شخص قیادت یا کسی دینی مرکز میں ہو تو اسے اور بھی زیادہ تاکید کے ساتھ سمجھانا ضروری ہے۔

موچھوں کو منڈوانا رسول اللہ ﷺ یا کسی بھی صحابی سے ثابت نہیں ہے، اس سلسلہ میں جو ثابت ہے وہ کترانا اور

ترشوانا ہے۔ ((وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

فتویٰ کمیٹی

رخساروں سے بالوں کو منڈانا

سوال داڑھی منڈانے، رخساروں کے بالوں کو منڈانے اور داڑھی اور موچھوں کے چھوڑ دینے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب داڑھی منڈانا جائز نہیں کیونکہ صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گرامی موجود ہے کہ:
«قَصُّوا الشُّوَارِبَ وَأَعْفُوا اللَّحْيَ خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ» (مسند احمد، ۲/۲۲۹)
”موٹھیں کتراؤ، داڑھیاں بڑھاؤ اور مشرکوں کی مخالفت کرو۔“

نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

«جَزُّوا الشُّوَارِبَ وَأَرْخُوا اللَّحْيَ خَالِفُوا الْمُجُوسَ» (صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب خصال الفطرۃ، ح: ۲۶۰)

”موٹھیں کتراؤ، داڑھیاں بڑھاؤ اور مجوسیوں کی مخالفت کرو۔“

داڑھی ان بالوں کو کہتے ہیں جو رخساروں اور ٹھوڑی پر ہوں جیسا کہ صاحب لسان و قاموس نے واضح کیا، لہذا رخساروں اور ٹھوڑی کے بالوں کو منڈانا یا کٹوانا نہیں چاہئے بلکہ واجب ہے کہ انہیں چھوڑ دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اصلاح احوال کی توفیق عطا فرمائے۔

شیخ ابن باز

داڑھی منڈانا اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بدلنا ہے

سوال کیا داڑھی منڈانا بھی اس آیت:

﴿وَلَا تُرْمِئُوهُمْ فَلْيَنْزِعِ اللَّهُ عَنْهُمْ﴾ (النساء/۱۱۹)

”اور یہ بھی کترا ہوں گا کہ اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو بدلتے رہیں۔“

میں داخل ہے؟

جواب ہاں داڑھی منڈانا بھی اس عموم میں داخل ہے، جو اللہ تعالیٰ نے شیطان کے بہت سے لوگوں کو گمراہ کرنے کے بارے میں ذکر فرمایا ہے کیونکہ داڑھی منڈانا بھی اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بدلنا ہے اور نبی کریم ﷺ کا بھی حکم ہے کہ داڑھی کو بڑھایا جائے اور موٹھوں کو کترا یا جائے۔ (وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم)

فتویٰ کمیٹی

داڑھی منڈانے والے کا حکم

سوال اسلامی نقطہ نگاہ سے موٹھوں کی کیا صورت ہونی چاہئے؟ ہم نے بعض فاضل علماء سے یہ سنا ہے کہ یہ بھی بدعت اور بالوں کا مثلہ ہے کہ موٹھوں کو بالکل منڈوا دیا جائے۔ جب کہ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے زاد المعاد میں اس بات کو ترجیح دی ہے کہ ہونٹ کے زائد بال لینے کی نسبت یہ افضل ہے کہ ساری موٹھیں منڈوا دی جائیں تو سوال یہ ہے کہ ان میں کون سی صورت افضل اور راجح ہے؟

جواب صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی یہ حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ وَوَقِّرُوا اللَّحْيَ وَأَحْفُوا الشُّوَارِبَ» (صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب تقليم

الاطفار، ح: ۵۸۹۲، وصحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب خصال الفطرۃ، ح: ۲۵۹)

”مشرکوں کی مخالفت کرو، داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کتراؤ۔“

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

«وُقِّتَ لَنَا فِي قَصِّ الشَّارِبِ وَتَقْلِيمِ الْأَظْفَارِ وَنَتْفِ الْإِبْطِ وَحَلْقِ الْعَانَةِ أَنْ لَا نَتْرَكَ أَكْثَرَ مِنْ أَرْبَعِينَ يَوْمًا» (صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب خصال الفطرۃ، ح: ۲۵۸)

”رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لئے وقت کا تعین فرما دیا کہ مونچھیں کاٹنے، ناخن تراشنے، زیر بغل بال صاف کرنے اور زیر ناف بال صاف کرنے پر چالیس سے زیادہ دن نہیں گزرنے چاہئیں۔“

صحیح مسلم ہی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«جَزُّوا الشُّوَارِبَ وَارْحُوا اللَّحْيَ وَخَالِفُوا الْمَجْجُوسَ» (صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب خصال الفطرۃ، ح: ۲۶۰)

”مونچھیں کٹاؤ، داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مجوسیوں کی مخالفت کرو۔“

ترمذی نے بروایت زید بن ارقم بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ لَمْ يَأْخُذْ مِنْ شَارِبِهِ فَلَيْسَ مِنَّا» (جامع الترمذی، کتاب الادب، باب ما جاء في قص الشارب، ح: ۲۷۶۱)

”جو شخص اپنی مونچھیں نہ کٹوائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“ (امام ترمذی نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔)

ابن عبد البر نے حسن بن صالح سے انہوں نے سماک بن حرب سے انہوں نے عکرمہ سے اور انہوں نے ابن عباس

رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی مونچھوں کو کترایا کرتے تھے۔ اور بیان فرمایا کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اپنی مونچھوں کو کترایا کرتے تھے (محمد شین کی ایک جماعت نے اس روایت کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر موقوف قرار دیا ہے)۔

ان احادیث میں یہاں دو لفظ استعمال ہوئے ہیں ایک ہے ”احفاء“ جس کے معنی خوب اچھی طرح مونڈنا ہیں اور

دوسرا ہے ”قص“ جس کے معنی قینچی وغیرہ سے کاٹنے کے ہیں لہذا اس مسئلہ میں شرعاً دونوں طرح اختیار ہے لہذا ہماری رائے میں یہ کہنا جائز نہیں کہ مونچھوں کو خوب اچھی طرح مونڈنا مثلاً یا بدعت ہے کیونکہ ایسا کہنا مذکورہ نص کے خلاف ہے اور رسول اللہ ﷺ کی سنت صحیحہ کی موجودگی میں کسی کے قول کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

فتویٰ کمیٹی

مونچھوں کو کاٹنا اور داڑھیوں کو بڑھانا

سوال

مختلف احادیث میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ ((قصوا الشارب و اعفوا اللحی)) اسی طرح ((قص الشارب، قلم الاظفار،

نتف الابط)) اور ((حلق العانة)) کے الفاظ بھی آئے ہیں، سوال یہ ہے کہ کیا حلق اور قص ایک دوسرے سے مختلف معنی رکھتے ہیں؟ یہ سوال بھی ہے کہ کچھ لوگ مونچھ کے ان بالوں کو تو کاٹ دیتے ہیں جو اوپر کے ہونٹ کے ساتھ ملے ہوتے

ہیں لیکن باقی مونچھ کو نہیں کاٹنے، بعض لوگ آدھی مونچھ کاٹ دیتے ہیں اور آدھی نہیں کاٹتے تو کیا ((اوبھک الشارب)) کے یہی معنی ہیں؟ امید ہے کہ وضاحت فرمائیں گے کہ مونچھوں کے کاٹنے کا کیا طریقہ ہونا چاہئے جب کہ داڑھی کے بارے میں تو یہ بات معروف ہے کہ اسے بالکل چھوڑ دینا چاہئے؟

جواب رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«قَصُّوا الشَّوَارِبَ وَأَعْفُوا اللَّحْيَ خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ» (مسند احمد، ۲/۲۲۹)

”مونچھوں کو کتر د، داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مشرکوں کی مخالفت کرو“

اس حدیث کی صحت پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ:

«جَزُّوا الشَّوَارِبَ وَأَرْخُوا اللَّحْيَ خَالِفُوا الْمُجُوسَ» (صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب خصال

الغطرة، ح: ۲۶۰)

”مونچھوں کو کتر د، داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مجوسیوں کی مخالفت کرو۔“

بعض روایات میں ((أَحْفُوا الشَّوَارِبَ)) کے الفاظ بھی ہیں اور احناف کے معنی ہوتے ہیں خوب اچھی طرح مبالغہ کے ساتھ مونڈ دینا لہذا جو شخص مونچھ کے بالوں کو کتر دے حتیٰ کہ اوپر کا ہونٹ ظاہر ہو جائے یا خوب اچھی طرح سارے بال مونڈ دے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ احادیث سے دونوں طرح ثابت ہے۔

شیخ ابن باز

مرد کے لئے کمر، پنڈلیوں اور رانوں کے بالوں کا صاف کرنا

سوال کیا مرد کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ زیر ناف اور بغل کے بالوں کی صفائی کے ساتھ ساتھ پیٹھ، پنڈلیوں اور رانوں وغیرہ کے بالوں کو بھی صاف کر دے جب کہ اس کا مقصود عورتوں یا کافراہل کتاب وغیرہ سے مشابہت نہ ہو؟

جواب جسم کے مذکورہ بالا بالوں کو صاف کرنا جائز ہے کہ اس سے جسم کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا بشرطیکہ عورتوں یا کافروں سے مشابہت اختیار کرنا مقصود نہ ہو کیونکہ اصل جواز ہے اور مسلمان کے لئے کسی چیز کو دلیل کے بغیر حرام قرار دینا جائز نہیں اور مذکورہ امر کی حرمت کی کوئی دلیل نہیں ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کا اس سے سکوت فرمانا اس کے جواز کی دلیل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ مونچھیں کاٹی جائیں، ناخن تراشے جائیں، بغلوں اور زیر ناف بالوں کی صفائی کی جائے، مردوں کے لئے آپ ﷺ نے سرمٹانے کی بھی اجازت دی۔ نامہ اور مٹمہ^① پر آپ لعنت نے فرمائی اور ہمیں داڑھیوں کے بڑھانے کا حکم دیا ہے اور اس کے علاوہ باقی بالوں سے سکوت فرمایا ہے اور جس سے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ سکوت فرمائیں وہ قابل معافی ہے، اسے حرام قرار دینا جائز نہیں کیونکہ ابو ثعلبہ خشی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

① امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ نامہ سے مراد وہ عورت ہے جو ابرو کے بال چن چن کر ابرو کو باریک کر دے۔ امام خطابی فرماتے ہیں کہ اس کے معنی چرے سے بال چننا ہیں اور المٹمہ سے مراد وہ عورت ہے جس کے ساتھ یہ عمل کیا جائے۔ ”مختصر الترغیب والترہیب“ حافظ ابن حجر، ترجمہ محمد خالد سیف۔ ص ۳۹۸۔

«إِنَّ اللَّهَ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُصَيِّعُوهَا، وَحَدَّ حُدُودًا فَلَا تَعْتَدُوهَا، وَحَرَّمَ أَشْيَاءَ فَلَا تَتَّبِعُوهَا، وَسَكَتَ عَنِ أَشْيَاءَ رَحْمَةً لَكُمْ مِنْ غَيْرِ نِسْيَانٍ فَلَا تَبْحَثُوا عَنْهَا» (اخرجه الدارقطني في سننه، ص: ٥٠٢ وكذا البيهقي ١٠/١٢-١٣، ورجاله ثقات ولكنه منقطع بين محكول وأبي ثعلبة وقال العلامة المحدث ناصر الدين الألباني هذا حديث ضعيف لا يصح كما أورد في كتابه إرواء الغليل)

”اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر کئے ہیں انہیں ضائع نہ کرو، کچھ حدود مقرر کئے ہیں ان سے تجاوز نہ کرو، کچھ چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان کا ارتکاب نہ کرو اور کچھ چیزوں سے اس نے بھولنے کی وجہ سے نہیں بلکہ تم پر رحمت کے پیش نظر سکوت فرمایا ہے ان کے بارے میں کرید نہ کرو۔“

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول اس حدیث کو دارقطنی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ اس مذکورہ حدیث اور اس کے ہم معنی احادیث و آثار کی بنیاد پر اہل علم کی ایک جماعت نے یہی کہا ہے کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔ ان احادیث و آثار میں سے بعض کو حافظ ابن رجب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”جامع العلوم والحکم“ میں حدیث ابی ثعلبہ کی شرح میں بیان فرمایا ہے، جو انہیں معلوم کرنا چاہے، وہ اس کتاب کی طرف رجوع کرے۔ (واللہ اعلم)

شیخ ابن باز

داڑھی کا مذاق اڑانا

سوال داڑھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت صحیح سنتوں میں سے ایک سنت ہے، کچھ لوگ اسے منڈوا دیتے ہیں کچھ کترا دیتے ہیں، کچھ اس کا انکار کرتے ہیں اور کچھ یہ کہتے ہیں کہ یہ سنت ہے رکھنے والے کو ثواب ہو گا اور نہ رکھنے والے کو عذاب نہ ہو گا۔ کچھ بے وقوف یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر داڑھی میں خیر و برکت ہوتی تو بال زیر ناف نہ اگتے۔ اللہ تعالیٰ ایسا کہنے والوں کا برا کرے تو ان میں سے ہر ایک کے لئے کیا حکم ہے؟ اور جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی سنت کا انکار کرے اس کے لئے کیا حکم ہے؟

جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح سنت سے یہ ثابت ہے کہ داڑھی بڑھانا اور رکھنا سنت ہے اور اسے مونڈنا اور کترنا حرام ہے، چنانچہ صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«قُصِّوا الشَّوَارِبَ وَأَعْفُوا اللَّحْيَ وَخَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ» (مسند احمد، ٢/٢٢٩)

”مونچھیں کترو، داڑھیوں کو چھوڑ دو اور مشرکوں کی مخالفت کرو۔“

اور حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ:

«جُزُّوا الشَّوَارِبَ وَأَرْخُوا اللَّحْيَ وَخَالِفُوا الْمُجُوسَ» (صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب خصال

الفترة، ح: ٢٦٠)

”مونچھوں کو کترو، داڑھیوں کو بڑھاؤ اور مجوسیوں کی مخالفت کرو۔“

یہ دو حدیثیں اور ان کے ہم معنی دیگر احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ داڑھی رکھنا اور بڑھانا واجب ہے اور

اسے مونڈنا اور کترنا حرام ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ داڑھی رکھنا سنت ہے، رکھنے والے کو ثواب ہوتا ہے اور نہ رکھنے والے کو گناہ نہ ہو گا تو وہ یقیناً غلط کہتا اور صحیح احادیث کی مخالفت کرتا ہے کیونکہ اصول یہ ہے کہ امر واجب اور نہی تحریم کے لئے ہے اور کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی دلیل کے بغیر احادیث صحیحہ کے ظاہر مفہوم کی مخالفت کرے، اور یہاں کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جس کی بنیاد پر ان احادیث کے ظاہر کو بدل دیا جائے۔

امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی جو یہ حدیث بیان کی ہے کہ:

«أَنَّكَ كَانَ يَأْخُذُ مِنْ لِحْيَتِهِ مِنْ طُولِهَا وَعَرَضَهَا» (جامع الترمذی، کتاب الأدب، باب ما جاء في الأخذ من اللحية، ح: ۲۷۶۲)

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی داڑھی کے طول و عرض کی طرف سے بالوں کا کاٹ دیا کرتے تھے“

تو یہ حدیث باطل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی متمم با کذب ہے۔ جو شخص داڑھی کا مذاق اڑاتے ہوئے اسے زیر ناف بالوں سے تشبیہ دے تو یہ بہت بڑا گناہ ہے جو اسلام سے مرتد ہونے کا موجب ہے کیونکہ جو چیز کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو اس کا مذاق اڑانا کفر و ارتداد ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ﴿۶۵﴾ لَا تَعْتَدُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ ﴿۶۶﴾

(التوبة/۹، ۶۶-۶۵)

”کہو کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنسی مذاق کرتے تھے؟ بہانے مت بناؤ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔“

فتویٰ کمیٹی

رخساروں کے بالوں کو مونڈنا اور بحالت روزہ حجامت ہونا

سوال کیا آدمی کے لئے یہ جائز ہے کہ رخساروں کے بالوں کو تو مونڈ دے مگر داڑھی کو چھوڑ دے؟ کیا روزے کی حالت

میں سر یا زیر ناف بالوں کو صاف کرنا جائز ہے جب کہ اس سے خون نکل آتا ہو؟

جواب رخساروں کے بالوں کو مونڈنا جائز نہیں کیونکہ یہ داڑھی میں شامل ہیں سر کے بالوں کو مونڈنا اور زیر ناف بالوں کو

صاف کرنا رمضان اور غیر رمضان میں جائز ہے خواہ اس سے خون نکل آتا ہو۔ یاد رہے زیر ناف بالوں کی صفائی تو سنن

فطرت میں سے ہے۔ ((وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

فتویٰ کمیٹی

مسواک اور دانتوں کا خون

سوال بعض نمازی اقامت صلوٰۃ کے وقت مسواک کرتے ہیں، جس سے منہ کی بو پھیلتی ہے اور بعض اوقات خون بھی

نکل آتا ہے تو کیا یہ اس حدیث کے مطابق عمل ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ:

«لَوْلَا أَنِ أَشَقُّ عَلَى أُمَّتِي لِأَمْرَتِهِمْ بِالشُّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ» (صحیح بخاری، کتاب الجمعة،

باب السواک يوم الجمعة، ح: ۸۸۷، وسنن ترمذی، کتاب الطهارة، باب ما جاء في السواک، ح: ۲۳)

”اگر امت کے مشقت میں پڑنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے لئے سواک کا حکم دے دیتا؟“

جواب اس عمل کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ خالص سنت ہے جیسا کہ مذکورہ حدیث سے ثابت ہے۔ جو لوگ اسے ناپسند کرتے ہیں ان کا کوئی اعتبار نہیں اور یہ بات بھی درست نہیں کہ اس سے ناگوار ہو پھیلتی ہے بلکہ سواک تو منہ کو صاف کرتی اور منہ کو بوسے پاک کرتی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«السَّوَاكُ مَطْهَرَةٌ لِلْفَمِ مَرْضَاةٌ لِلرَّبِّ» (سنن نسائی، کتاب الطهارة، الترغیب فی السواک ح: ۵)

”سواک منہ کو پاک کرنے اور رب کو راضی کرنے کا ذریعہ ہے۔“

سواک کرنے سے اگر موڑھوں سے کچھ خون نکل آئے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ مسجد میں یا نماز کے وقت سواک کرنا چھوڑ دیا جائے، کیونکہ ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ اگر آدمی کو سواک کرنے کی عادت ہو اور وہ ہمیشہ سواک کرے تو اس سے خون آنا بند ہو جاتا ہے۔

— شیخ ابن جبرین —

بالوں کو چھوٹا اور لمبا کرنا

سوال میں نے ایک حدیث سنی ہے جس میں یہ ہے کہ ایک آدمی نے اپنے سر کے کچھ بالوں کو منڈوا دیا اور کچھ کو چھوڑ دیا تو رسول اللہ ﷺ نے اسے اس سے منع کر دیا اور فرمایا کہ ”سارے سر کو منڈو دو یا سارے کو چھوڑ دو۔“ تو سوال یہ ہے کہ کیا بالوں کو کاٹنا حرام ہے؟ نیز ﴿مُحَلِّقِينَ زُرُؤْسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ﴾ کا کیا مفہوم ہے؟

جواب سر کے بالوں کو کاٹنا یا منڈنا حرام نہیں ہے بلکہ یہ دونوں صورتیں جائز ہیں اور افضل یہ ہے کہ آدمی عادت کے مطابق عمل کرے بشرطیکہ ہم یہ بات صحیح تسلیم کریں کہ بالوں کا مسئلہ عادت کے تابع ہے سنت کے تابع نہیں۔ سوال میں جس حدیث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے تو وہ حدیث یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے سر کے کچھ حصے کو منڈ رکھا تھا اور کچھ کو چھوڑ رکھا تھا تو آپ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ وہ سارے سر کو منڈ لے یا سارے کو چھوڑ دے لہذا اگر سر کے بالوں کو منڈ دیا جائے یا کترا دیا جائے یا تخلیق و تقصیر کے بغیر ہی چھوڑ دیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ مذکورہ بالا آیت کریمہ کا جو حوالہ دیا گیا ہے تو اس میں اس وعدہ کی طرف اشارہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا تھا کہ:

﴿لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْأَحْرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ زُرُؤْسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ﴾ (الفتح ۲۷/۴۸)

”اللہ نے چاہا تو تم ہر صورت مسجد حرام میں اپنے سر منڈوا کر اور اپنے بال کترا کر امن و امان سے داخل ہو گے۔“

اس لئے کہ عمرہ کرنے والے کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے سر کو منڈوائے یا اپنے بال کتروائے ہاں البتہ دلیل سے یہ ثابت ہے کہ کتروانے کی نسبت بالوں کو منڈوانا افضل ہے۔

— شیخ ابن عثیمین —

مردوں کے لئے سرمہ کا استعمال

سوال بغیر ضرورت کے مردوں کے لئے اپنی آنکھوں میں سرمہ استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟
جواب سرمہ کی دو قسمیں ہیں:

- ① وہ جو تقویت بصر، آنکھ کے پردہ کو جلا بخشنے اور آنکھ کی نظافت و طہارت کے لئے استعمال کیا جائے اور اس میں جمال کا پہلو نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ ان مقاصد کے لئے سرمہ استعمال کرنا چاہئے کیونکہ نبی کریم ﷺ سرمہ استعمال فرمایا کرتے تھے خصوصاً جب کہ وہ اصلی اٹھ ہوتا۔
- ② وہ جو محض زینت و جمال کے لئے استعمال ہو تو یہ عورتوں کے لئے ہے کیونکہ عورت سے مطلوب یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کے سامنے زیب و زینت کا اظہار کرے۔ مردوں کے لئے اس کے استعمال کا کیا حکم ہے، مجھے یہ معلوم نہیں؟

— شیخ ابن عثیمین —

داڑھی کو کالا کرنا

سوال داڑھی کو کالے رنگ سے رنگنے اور ایسا کرنے والے کے بارے میں کیا حکم ہے؟
جواب سفید بالوں کو خواہ وہ سر میں ہوں یا داڑھی میں، کالے رنگ سے رنگنا جائز نہیں ہے کیونکہ صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، کالے کے علاوہ دیگر رنگوں مثلاً سرخ اور پیلے سے رنگنا جائز ہے، مندی اور وسہ ملا کر بھی استعمال کئے جاسکتے ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا کہ:

«غَيْرُوا هَذَا بِشَيْءٍ، وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ» (صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینة، باب استحباب خضاب الشیب بصفرة...، ح: ۲۱۰۲، وسنن أبي داود، کتاب الترجل، باب في الخضاب، ح: ۴۲۰۴)

”ان سفید بالوں کے رنگ کو بدل دو اور انہیں (حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہما کی سیاہی کے استعمال سے بچاؤ۔“

نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

«إِنَّ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى لَا يَصْبِغُونَ فَخَالِفُوهُمْ» (صحیح مسلم، کتاب اللباس والزینة، باب في مخالفة اليهود في الصبغ، ح: ۲۱۰۳)

”یہود و نصاریٰ اپنے بالوں کو نہیں رنگتے لہذا تم ان کی مخالفت کرو۔“

— شیخ ابن باز —

ابروؤں کے بالوں کو چھوٹا کرنا

سوال اگر ابروؤں کے بال بہت گھنے ہوں تو کیا عورتوں سے مشابہت یا اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت میں تبدیلی کے ارادہ کے بغیر ہی انہیں کترانا جائز ہے؟

جواب میری رائے میں ان بالوں کو چھننا یا کترنا یا کاٹنا جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جمال و زینت اور آنکھ کی

حمایت و صیانت (حفاظت) کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ مرد یا عورت اگر ان بالوں کو زائل کرے تو یہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بدلنے والی بات ہے چونکہ ایسا اکثر عورتیں کرتی ہیں، اس لئے ان پر اس کی وجہ سے حدیث میں لعنت وارد ہوئی ہے۔

شیخ ابن جریر

شرعی داڑھی کے حدود اور داڑھی منڈانے کا حکم

سوال امید ہے کہ آپ یہ بیان فرمائیں گے کہ داڑھی منڈانے یا اس کے کچھ بال کترانے کا کیا حکم ہے؟ نیز یہ فرمائیے کہ شرعی داڑھی کے حدود کیا ہیں؟

جواب داڑھی منڈانا حرام ہے کیونکہ اس میں رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

«أَعْفُوا اللَّحْيَ وَأَحْفُوا الشَّوَارِبَ»

”داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کتراؤ“

داڑھی منڈانا اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی سنت کو چھوڑ کر مجوسیوں اور مشرکوں کے طریقہ کو اختیار کرنا ہے۔ داڑھی کی حد کے بارے میں گزارش ہے کہ اہل لغت نے ذکر کیا ہے کہ وہ تمام بال جو چہرے، رخساروں، گلوں اور ٹھوڑی پر ہوں وہ داڑھی میں شامل ہیں اور ان میں سے کسی حصہ کے بالوں کو لینا معصیت میں شامل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات أَعْفُوا اللَّحْيَ، أَرْخُوا اللَّحْيَ، وَقَرُوا اللَّحْيَ، اور أَوْفُوا اللَّحْيَ کا تقاضا ہے کہ داڑھی کے کسی حصہ کے بالوں کو لینا بھی جائز نہیں ہے لیکن معاصی میں بھی چونکہ تفاوت ہوتا ہے لہذا داڑھی منڈانا، کترانے کی نسبت زیادہ بڑا گناہ ہے۔ کیونکہ اس میں زیادہ نمایاں اور بڑی مخالفت ہے۔

شیخ ابن عثیمین

داڑھی منڈانا

سوال داڑھی منڈانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«أَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَأَعْفُوا اللَّحْيَ»

”مونچھیں کتراؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ“

آپ ﷺ نے مونچھیں کترانے اور داڑھی بڑھانے کو دس سنن فطرت میں سے بھی شمار فرمایا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی اپنی داڑھی مبارک بھی گھٹی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارون کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ ﷺ سے کہا:

﴿يَسْتَنْوِمَ لَا تَأْخُذْ بِلِحَتِي وَلَا بِرَأْسِي﴾ (طہ، ۹۴/۲۰)

”بھائی میری داڑھی اور سر (کے بالوں) کو نہ پکڑیے۔“

داڑھی ان بالوں کو کہتے ہیں جو کلوں اور ٹھوڑی پر آئیں، کٹے نچلے دانٹوں کے اگنے کی جگہ کو کہتے ہیں اور جس مقام پر دونوں کٹے مل جاتے ہیں اسے ٹھوڑی کہتے ہیں۔ داڑھی بڑھانے کا حکم چونکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے، اس لئے مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت بجالائے اور اطاعت کے لئے ضروری ہے کہ مکمل فرماں برداری کی جائے۔ جو شخص داڑھی منڈاتا ہے وہ نبی ﷺ کے ارشادات اَعْفُوا اللَّحْيَ 'اَوْفُوا اللَّحْيَ' وُفُوا اللَّحْيَ اور اَوْفُوا اللَّحْيَ کی نافرمانی کرتا ہے جو شخص داڑھی منڈائے یا کترائے اس کی اطاعت رسول میں خلل ہے اور وہ معصیت میں مبتلا ہے لہذا اسے اپنے اس فعل پر ندامت کا اظہار کرتے ہوئے توبہ کرنی چاہئے اور جو شخص توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرماتا ہے۔ (واللہ اعلم)

— شیخ ابن جریر —

داڑھی منڈانا اور مونچھیں کترانا

سوال میں نے سنا ہے کہ داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کتراؤ، تو جو شخص مونچھیں رکھتا اور داڑھی منڈاتا ہے، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب جو آپ نے سنا وہ صحیح ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

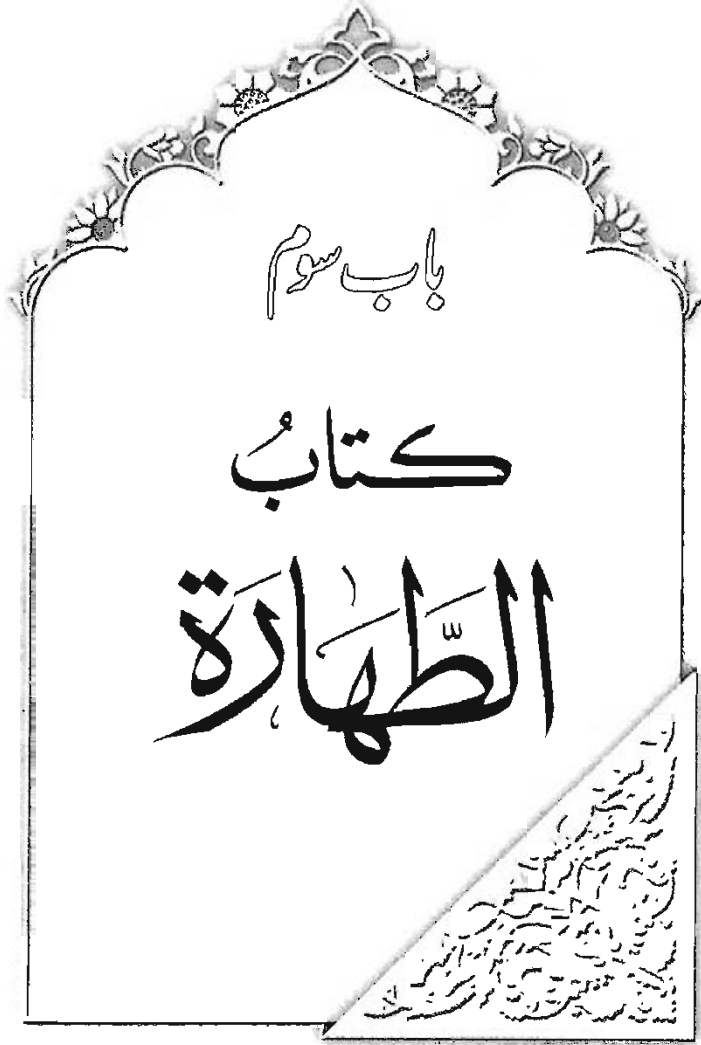
«أَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَأَعْفُوا اللَّحْيَ»

”مونچھیں کتراؤ، داڑھیاں بڑھاؤ“

مونچھوں کو لمبا کرنے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ اس میں تکلیف بھی ہے اور ایذا بھی جب کہ داڑھی باعث جمال و زینت ہے اس لئے اسے منڈانا اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور نبی کریم ﷺ نے حکم دیا ہے کہ داڑھیوں کو بڑھایا جائے اور آپ ﷺ کے پیروکاروں اور آپ ﷺ کی امت کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ آپ ﷺ کی فرماں برداری کرے اور آپ ﷺ کی اطاعت بجالائے۔

— شیخ ابن جریر —





مریض کی طہارت کے احکام

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى اَشْرَفِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِيْنَ - وَيَعُدُّ

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ہر نماز کے لئے طہارت کا حکم دیا ہے لہذا ناپاکی کو دور کرنا اور نجاست کا ازالہ کرنا، خواہ وہ بدن میں ہو یا کپڑے میں ہو یا اس جگہ میں ہو جہاں نماز پڑھنی ہو، نماز کی شرائط میں سے ہے لہذا جب مسلمان نماز کا ارادہ کرے تو اس کے لئے واجب ہے کہ چھوٹی ناپاکی کی صورت میں وضوء کرے اور بڑی ناپاکی کی صورت میں غسل کرے اور بول و براز کی صورت میں ضروری ہے کہ پانی کے ساتھ استنجاء کیا جائے یا ڈھیلوں کو استعمال کر لیا جائے تاکہ طہارت و نظافت مکمل طور پر حاصل ہو جائے۔ طہارت و نظافت سے متعلق بعض احکام کا ذکر حسب ذیل ہے:

دونوں راستوں سے نکلنے والی ہر چیز مثلاً بول و براز کی وجہ سے پانی سے استنجاء واجب ہے۔ نیند یا محض ہوا خارج ہونے کی وجہ سے استنجاء نہیں ہے بلکہ صرف وضوء کرنا ہو گا کیونکہ استنجاء کا حکم تو ازالہ نجاست کے لئے ہے اور نیند و خروج ہوا کی صورت میں نجاست نہیں ہے۔

ڈھیلے پتھروں کے ہوں یا جو چیز پتھروں کے قائم مقام ہو سکتی ہو، ڈھیلوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ تین ہوں اور پاک ہوں کیونکہ نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«مَنْ اسْتَجْمَرَ فَلْيُوتِرْ» (سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب الاستنجا فی الخلاء، ح: ۳۵، وسنن ابن

ماجہ، کتاب الطہارۃ، ح: ۳۳۷)

”جو شخص ڈھیلے استعمال کرے وہ طاق استعمال کرے“

نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

«إِذَا ذَهَبَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْعَائِطِ فَلْيَذْهَبْ مَعَهُ بِثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ فَإِنَّهَا تُجْزِي عَنْهُ» (سنن ابی

داؤد، کتاب الطہارۃ، باب الاستنجا بالاحجار، ح: ۴۰)

”تم میں سے کوئی جب قضاء حاجت کے لئے جائے تو وہ اپنے ساتھ تین ڈھیلے لے جائے یہ اس کے لئے کافی

ہوں گے۔“

نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ ڈھیلے تین سے کم ہوں لید، ہڈی اور کھانے کی کسی چیز کو اور ہر اس چیز کو جو قابل احترام ہو بطور ڈھیلا استعمال کرنا جائز نہیں۔ افضل یہ ہے کہ پتھروں کو بطور ڈھیلا استعمال کیا جائے یا جو چیزیں ان سے مشابہت

رکھیں، مثلاً ٹشو پیپر وغیرہ اور پھر ڈھیلوں کے بعد پانی استعمال کیا جائے کیونکہ پھر عین نجاست کو زائل کرتے ہیں اور پانی محل نجاست کو پاک کرتا ہے لہذا اس سے خوب خوب صفائی ہو جاتی ہے۔ آدمی کو اختیار ہے کہ وہ پانی کے ساتھ استنجاء کرے یا پتھروں وغیرہ کے ساتھ صفائی کرے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

«يَدْخُلُ الْخَلَاءَ فَأَحْمِلُ أَنَا وَعُلَامٌ نَحْوِي إِذَا وَءَ مِنْ مَاءٍ وَعَنْزَةٌ فَيَسْتَنْجِي بِالْمَاءِ» (صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب حمل العنزة مع الماء في الاستنجاء، ح: ۱۵۲، وصحیح مسلم، کتاب الطہارة، باب الاستنجاء بالماء، ح: ۲۷۱)

”نبی کریم ﷺ جب خلا میں داخل ہوتے تو میں یا میرے جیسا کوئی اور لڑکا پانی کا برتن اور نیزہ اٹھالیتا اور آپ ﷺ پانی سے استنجاء فرماتے“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے عورتوں کی ایک جماعت سے فرمایا:

«مَنْ أَرَوَّاجَكُمْ أَنْ يَسْتَطِيبُوا بِالْمَاءِ فَأَيُّيَ اسْتَحْيِيهِمْ، فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ، كَانَ يَفْعَلُهُ» (جامع الترمذی، کتاب الطہارة، باب ما جاء في الاستنجاء بالماء، ح: ۱۹)

”اپنے شوہروں سے کہو کہ وہ پانی کے ساتھ طہارت کریں، میں ان سے بات کرنے میں حیا محسوس کرتی ہوں اور رسول اللہ ﷺ اسی طرح کیا کرتے تھے۔“

اگر آدمی دونوں میں سے ایک پر اکتفاء کرنا چاہے تو افضل یہ ہے کہ پانی پر اکتفاء کرے کیونکہ پانی مقام کو بھی پاک کرتا ہے اور عین نجاست کو بھی زائل کرتا ہے، اس سے نظافت بھی خوب ہوتی ہے۔ اگر ڈھیلوں پر اکتفاء کرے تو پھر تین ڈھیلے استعمال کرے، اگر مقام صاف ہو جائے تو بہتر ورنہ چار اور پانچ استعمال کرے حتیٰ کہ مقام پاک صاف ہو جائے لیکن افضل یہ ہے کہ آدمی طاق تعداد میں استعمال کرے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ اسْتَجَمَرَ فَلْيُؤْمِرْ» (سنن أبي داود، کتاب الطہارة، باب الاستار في الخلاء، ح: ۳۵، وسنن ابن ماجہ، کتاب الطہارة، ح: ۳۳۷)

”جو ڈھیلے استعمال کرے، اسے طاق استعمال کرنے چاہئیں“

ڈھیلہ دائیں ہاتھ سے استعمال نہیں کرنا چاہئے کیونکہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا کہ:

«نَهَانَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْ يَسْتَنْجِيَ أَحَدُنَا بِيَمِينِهِ لَأَيُّمِ سِكِّ أَحَدِكُمْ ذَكَرَهُ بِيَمِينِهِ وَهُوَ يَبُولُ وَلَا يَمَسُّعُ مِنَ الْخَلَاءِ بِيَمِينِهِ» (صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب النهي عن الاستنجاء باليمين، ح: ۱۵۳، وصحیح مسلم، کتاب الطہارة باب النهي عن الاستنجاء باليمين، ح: ۲۶۷)

”ہم میں سے کوئی دائیں ہاتھ سے استنجاء نہ کرے، پیشاب کرتے ہوئے دائیں ہاتھ سے اپنے آلہ ناسل کو نہ پکڑو اور نہ دائیں ہاتھ سے استنجاء کرو۔“

اگر بایاں ہاتھ کٹا ہو یا اس میں کوئی بیماری ہو تو پھر اس طرح کی حالت میں بوقت ضرورت دایاں ہاتھ استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

اسلامی شریعت کی بنیاد چونکہ آسانی اور سہولت پر ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے عذر میں مبتلا لوگوں کے لئے عبادات کے ادا کرنے میں حسب عذر تخفیف کر دی ہے تاکہ وہ کسی حرج اور مشقت کے بغیر اپنی عبادت ادا کر سکیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (الحج ۲۲/۷۸)

”اور (اللہ تعالیٰ نے) تم پر دین (کی کسی بات) پر تنگی نہیں کی۔“

اور فرمایا:

﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمْ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرہ ۲/۱۸۵)

”اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے، سختی نہیں چاہتا۔“

اور فرمایا:

﴿فَأَنْقُضُوا لِلَّهِ مَا أَسْطَظَعْتُمْ﴾ (التغابن ۱۶/۶۴)

”سو جہاں تک ہو سکے، تم اللہ سے ڈرو۔“

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأَنْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ» (صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب

الافتداء بسنن رسول الله ﷺ، ح: ۷۲۸۸، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فرض الحج مرة في العمر،

ح: ۱۳۳۷)

”جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو مقدور بھر اطاعت بجالاؤ۔“

اسی طرح آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ: ”دین آسان ہے۔“

مریض کو جب پانی کے ساتھ طہارت حاصل کرنے کی استطاعت نہ ہو یعنی حدث اصغر کی صورت میں وضوء اور حدث اکبر کی صورت میں غسل کرنے سے عاجز ہو یا اس سے مرض میں اضافہ کا خوف ہو یا بیماری کے درست ہونے میں تاخیر کا اندیشہ ہو تو وہ تیمم کر لے یعنی دونوں ہاتھوں کو پاک مٹی پر ایک بار مارے اور اپنی انگلیوں کے اندر کے حصے کو اپنے چہرہ پر پھیرے اور ہتھیلیوں کو دونوں بازوؤں پر پھیرے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُم مِّنَ الْغَايِبِ أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً

فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ﴾ (المائدة ۶/۵)

”اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی بیت الخلاء سے ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ہم بستر ہوئے ہو

اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی لو اور منہ اور ہاتھوں کا مسح (کر کے تیمم) کر لو۔“

جو شخص پانی کے استعمال سے عاجز ہو اس کا حکم وہی ہے، جو اس شخص کا ہے جس کے پاس پانی ہی نہ ہو کیونکہ نبی

ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوَىٰ» (صحیح بخاری، کتاب بدء الوحي، باب كيف

كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ، ح: ۱)

”تمام اعمال کا انحصار نیتوں پر ہے اور ہر آدمی کے لئے صرف وہی ہے جس کی وہ نیت کرے۔“
مریض کے حالات مختلف ہوتے ہیں مثلاً:

① مرض معمولی ہو اور پانی کے استعمال سے ہلاکت، بیماری میں اضافہ، شفا یابی میں تاخیر اور درد میں نمایاں اضافہ کا کوئی خدشہ نہ ہو جیسے سردرد یا داڑھ میں درد وغیرہ ہو یا مریض کے لئے گرم پانی کا استعمال ممکن ہو اور اس سے اسے کوئی نقصان نہ پہنچتا ہو تو اس کے لئے تیمم جائز نہیں کیونکہ تیمم کا جواز نفی ضرر کے لئے ہے اور یہاں کوئی ضرر ہے ہی نہیں اور پانی بھی اس کے پاس موجود ہے لہذا اس کے لئے پانی کا استعمال واجب ہے۔

② اگر مرض ایسا ہو کہ پانی کے استعمال سے ہلاکت، یا کسی عضو کے ناکارہ ہونے یا اس سے کسی ایسے مرض کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو، جس سے جان کو خطرہ لاحق ہو یا کوئی عضو ناکارہ ہونے یا اس کی افادیت ختم ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسے مریض کے لئے تیمم جائز ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾ (النساء/۲۹)

”اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو، بلاشبہ اللہ تم پر مہربان ہے۔“

③ اگر مرض ایسا ہے کہ آدمی چل پھر نہیں سکتا اور اس کے پاس کوئی اور انسان بھی نہیں جو اسے پانی مہیا کر سکے تو اس کے لئے بھی تیمم جائز ہے۔

④ جس شخص کے جسم پر زخم ہوں یا پھوڑے پھنسیاں ہوں یا کوئی عضو ٹوٹا ہوا ہو یا مرض ایسا ہو کہ پانی کا استعمال نقصان دہ ہو اور وہ جنبی ہو جائے تو اس کے لئے سابقہ دلائل کی بنیاد پر تیمم کرنا جائز ہے اور اگر اس کے لئے جسم کے صحیح حصے کا دھونا ممکن ہو تو اسے دھونا واجب ہو گا اور باقی حصے کا تیمم کر لے۔

⑤ اگر مریض کسی ایسی جگہ ہو جہاں پانی نہ ہو، مٹی بھی نہ ہو اور نہ کوئی ایسا شخص موجود ہو جو مٹی یا پانی لا کر دے سکے تو وہ حسب حال اسی طرح نماز پڑھ لے، نماز کو مؤخر کرنا جائز نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَالْقَوَامُ لِلَّهِ مَا اسْتَظَعْتُمْ﴾ (التغابن/۱۶/۶۴)

”سو جہاں تک ہو سکے تم اللہ سے ڈرو۔“

⑥ سلسل البول کا وہ مریض جو علاج معالجہ سے بھی صحیح نہ ہو سکتا ہو تو اسے وقت ہونے کے بعد ہر نماز کے لئے وضوء کرنا چاہئے اور جسم کے اس حصہ کو دھولینا چاہئے جہاں پیشاب لگا ہو۔ اگر مشقت نہ ہو تو نماز کے لئے الگ پاک کپڑے استعمال کرے ورنہ اس کے لئے معافی ہے اور وہ انہی کپڑوں میں نماز پڑھ سکتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (الحج/۲۲/۷۸)

”اور (اللہ تعالیٰ نے) تم پر دین (کی کسی بات) میں تنگی نہیں کی۔“

نیز فرمایا:

﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمْ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ (البقرة/۲/۱۸۵)

”اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے، سختی نہیں چاہتا۔“

اور نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأَتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ» (صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب الافتداء بسنن رسول الله ﷺ، ح: ۷۲۸۸، و صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فرض الحج مرة في العمر، ح: ۱۳۳۷)

”جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو مقدور بھراس کی اطاعت بجالاؤ۔“
سلسلہ البول کے مریض کو احتیاط کرنی چاہئے کہ پیشاب اس کے کپڑوں، جسم اور نماز کی جگہ کو نہ لگے۔ یاد رہے تیمم بھی ہراس چیز سے باطل ہو جاتا ہے جس سے وضوء باطل ہوتا ہے نیز پانی کے استعمال کی قدرت کے حاصل ہونے یا معدوم ہونے کی صورت میں پانی کے ٹل جانے سے بھی تیمم باطل ہو جائے گا۔ واللہ اعلم
— شیخ ابن باز —

مریض کس طرح طہارت حاصل کرے؟

- ① مریض کے لئے بھی واجب ہے کہ پانی سے طہارت حاصل کرے، حدث اصغر کی صورت میں وضوء اور حدث اکبر کی صورت میں غسل کرے۔
- ② اگر وہ پانی استعمال کرنے سے عاجز ہو یا پانی کے استعمال سے مرض میں اضافہ یا صحت یابی میں تاخیر کا اندیشہ ہو تو وہ تیمم کر لے۔
- ③ تیمم کی کیفیت یہ ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ کو ایک بار پاک زمین پر مارے اور پھر دونوں ہاتھوں سے اپنے سارے چہرہ کا مسح کرے اور پھر ایک دوسرے ہاتھ کے ساتھ دونوں ہاتھوں پر مسح کرے۔
- ④ اگر کوئی مریض از خود طہارت حاصل نہ کر سکتا ہو تو کوئی دوسرا انسان اسے وضوء یا تیمم کرا دے۔
- ⑤ اگر بعض اعضاء طہارت میں زخم ہو تو اسے پانی سے دھولے، اگر پانی سے دھونے میں نقصان کا اندیشہ ہو تو زخم پر مسح کر لے یعنی ہاتھ کو پانی سے تر کر کے زخم پر پھیر لے اور اگر اس سے بھی نقصان کا اندیشہ ہو تو تیمم کر لے۔
- ⑥ اگر جسم کا کوئی عضو ٹوٹا ہو اور اس پر پٹی یا پلستر لگا ہو، تو اسے دھونے کی بجائے پانی سے مسح کر لے، اس صورت میں تیمم کی ضرورت نہ ہوگی کیونکہ مسح دھونے کے قائم مقام ہے۔
- ⑦ تیمم دیوار کے ساتھ جائز ہے اور ہراس پاک چیز کے ساتھ بھی جس پر غبار ہو، اگر دیوار پر کوئی ایسی چیز لگی ہو جس کا جنس زمین سے تعلق نہ ہو مثلاً پینٹ وغیرہ تو اس سے تیمم نہ کرے الا یہ کہ دیوار پر غبار موجود ہو۔
- ⑧ جب زمین سے یا دیوار سے یا کسی ایسی چیز سے تیمم نہ کرے جس پر غبار ہو تو پھر اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ کسی برتن یا رومال وغیرہ میں مٹی رکھ کر اس سے تیمم کر لے۔
- ⑨ جب آدمی ایک نماز کے لئے تیمم کر لے اور دوسری نماز کے وقت تک وہ بحالت طہارت رہے تو وہ پہلے تیمم ہی سے نماز پڑھے، دوسری نماز کے لئے اسے دوبارہ تیمم کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ ابھی تک طہارت پر قائم ہے اور ایسی کوئی بات واقع نہیں ہوئی جو اس کی طہارت کو ختم کر دے۔
- ⑩ مریض کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ اپنے جسم کو نجاستوں سے پاک رکھے اور اگر اسے اس کی استطاعت نہ ہو تو وہ اپنے حسب حال نماز پڑھے، اس کی نماز صحیح ہوگی، اسے نماز دوہرانے کی ضرورت نہیں۔

- ① مریض کے لئے واجب ہے کہ پاک کپڑوں میں نماز پڑھے، اگر کپڑے ناپاک ہو جائیں تو انہیں دھونا یا ان کی بجائے پاک کپڑے پہننا واجب ہے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو وہ حسب حال نماز پڑھے، اس کی نماز صحیح ہوگی، اسے نماز دوہرانے کی بھی ضرورت نہیں۔
- ② مریض کے لئے واجب ہے کہ پاک جگہ پر نماز پڑھے، اگر اس کی جگہ ناپاک ہو تو اسے دھونا واجب ہے، یا وہ کسی دوسری پاک جگہ منتقل ہو جائے یا اس پر کوئی پاک چیز بچھا دے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو وہ حسب حال نماز پڑھے، نماز صحیح ہوگی، اسے دوہرانے کی بھی ضرورت نہیں۔
- ③ مریض کے لئے یہ جائز نہیں کہ طہارت سے عاجزی کی وجہ سے نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کرے بلکہ مقدور بھر طہارت حاصل کر کے نماز کو بروقت ادا کرے خواہ اس کے جسم، کپڑے یا جگہ پر نجاست ہو جس کے ازالہ سے وہ عاجز ہو۔

شیخ ابن شمیم

خشک نجاست نقصان دہ نہیں ہے

- سوال** کیا خشک پیشاب کپڑوں کو ناپاک نہیں کرتا یعنی مثلاً بچے نے زمین پر پیشاب کیا، اسے دھویا نہ گیا اور وہ زمین خشک ہو گئی اور پھر کوئی شخص آکر اس خشک پیشاب پر بیٹھ گیا تو اس سے اس کے کپڑے ناپاک ہو جائیں گے؟
- جواب** خشک نجاست کے لمس سے جسم یا خشک کپڑے کو نقصان نہیں پہنچتا، اسی طرح خشک حمام میں خشک ننگے پاؤں داخل ہونے میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ نجاست تر ہونے کی صورت میں پھیلتی ہے!

شیخ ابن جریر

زخموں کی صفائی کے لئے اس خوشبو کا استعمال جس میں الکحل کی آمیزش ہو

- سوال** کیا زخموں وغیرہ کی صفائی کیلئے ان عطریات و خوشبویات کا ظاہری استعمال جائز ہے جن میں الکحل کی آمیزش ہو؟
- جواب** اس سوال کے جواب سے پہلے دو باتوں کی وضاحت ضروری ہے:
- اولاً: کیا شراب ناپاک ہے یا نہیں؟ اس میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ اکثری رائے یہ ہے کہ شراب حسی طور پر نجس ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر یہ کپڑے یا جسم کو لگ جائے تو اسے دھو کر پاک کرنا واجب ہے جب کہ بعض اہل علم کا یہ کہنا ہے کہ شراب حسی طور پر نجس نہیں ہے کہ نجاست کا حسی ہونا ایک شرعی حکم ہے، جسے ثابت کرنے کے لئے دلیل کی ضرورت ہے اور یہاں کوئی دلیل موجود نہیں ہے لہذا جب کسی شرعی دلیل سے شراب کا ناپاک ہونا ثابت نہیں تو معلوم ہوا کہ یہ پاک ہے، کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ شراب کے ناپاک ہونے کی دلیل تو خود کتاب اللہ کی یہ آیت کریمہ ہے:
- ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (المائدہ: ۹۰)
- ”اے ایمان والو! شراب اور جواہ اور بت اور پانے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں، سو ان سے

بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ۔“

اور ر جس بمعنی نجس ہے اور اس کی دلیل حسب ذیل ارشاد باری ہے:

﴿قُلْ لَا أُجَدُّ فِي مَا أُوْحِي إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْسَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ
لَحْمَ خَنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهْلًا لِنَعِيرِ اللَّهِ بَدَأَ﴾ (الأنعام/۱۴۵)

”کہو کہ جو احکام مجھ پر نازل ہوئے ہیں میں ان میں کوئی چیز جسے کھانے والا کھائے، حرام نہیں پاتا، بجز اس کے کہ وہ مرا ہوا جانور ہو یا بہتا ہوا لہو یا سور کا گوشت کہ یہ سب ناپاک ہیں یا کوئی گناہ کی چیز ہو کہ اس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔“

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مردار، خنزیر کا گوشت اور دم مسفوح ر جس یعنی نجس ہیں، ر جس کے یہاں نجس ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے مردہ جانوروں کی کھالوں کے متعلق فرمایا ہے کہ ”پانی انہیں پاک کر دیتا ہے“ (بُطْهَرَتْهَا) ”یعنی اسے پاک کر دیتا ہے“ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ پہلے ناپاک تھیں جیسا کہ اہل علم کے ہاں یہ بات معلوم ہے لیکن اس بات کا جواب یہ ہے کہ یہاں ر جس سے مراد ر جس عملی ہے ر جس حسی نہیں اور اس کی دلیل یہ الفاظ ہیں:

﴿رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ﴾ (المائدة/۹۰)

”یہ (سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں۔“

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ جواء، بت اور پانے حسی طور پر نجس نہیں ہیں اور آیت میں چار چیزوں کے بارے میں خبر ہے اور وہ ہیں ① شراب ② جواء ③ بت اور ④ پانے توجہ خیران چاروں کے متعلق ہے تو حکم بھی ان سب کے متعلق مساوی ہو گا۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ شراب حسی طور پر نجس نہیں ہے، ان کے پاس ایک دوسری دلیل سنت سے یہ بھی ہے کہ جب شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو نبی ﷺ نے شراب کے برتنوں کے دھونے کا حکم نہیں دیا۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی حرمت کے حکم کے نازل ہونے کے بعد شراب کو بازاروں میں بہا دیا۔ اگر شراب نجس ہوتی تو وہ اسے بازاروں میں نہ بہاتے کیونکہ اس سے بازاروں میں چلنے والوں کے ناپاک ہونے کا اندیشہ تھا۔

ثانیاً: جب یہ بات واضح ہو گئی کہ شراب حسی طور پر نجس نہیں ہے اور میرے نزدیک بھی یہی قول راجح ہے، تو معلوم ہوا کہ الکحل بھی حسی طور پر نجس نہیں ہے بلکہ اس کی نجاست معنوی ہے کیونکہ جس الکحل سے سکر (نشہ) پیدا ہو وہ شراب ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ((كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ)) ”ہر نشہ آور چیز شراب ہے“ ① اور جب یہ شراب ہے تو اکل و شرب میں اس کا استعمال کہ اسے کسی کھانے پینے کی چیز میں ملایا جائے کہ اس کی تاثیر اس میں ظاہر ہو تو حرام ہے اور اس کی حرمت نص اور اجماع سے ثابت ہے، دیگر امور مثلاً جراثیم کے خاتمہ وغیرہ کے لئے اس کا استعمال تو یہ مسئلہ محل نظر ہے اور اجتناب ہی میں زیادہ احتیاط ہے لیکن میں اسے حرام نہیں کہہ سکتا اور میں سوائے ذمہوں کو مندرل کرنے وغیرہ کی ضرورت کے خود استعمال بھی نہیں کرتا۔

شیخ ابن عثیمین

جس شخص کی ہوا مسلسل خارج ہوتی رہتی ہو

سوال جب کوئی مسلمان کسی ایسے مرض میں مبتلا ہو جس کی وجہ سے زور سے ہوا خارج کرنے پر مجبور ہو اور ہوا روکنے کی صورت میں بہت تکلیف ہو تو کیا نماز پڑھتے ہوئے ہوا خارج ہونے سے اس کا وضوء اور نماز فاسد ہو جائے گی یا سلسلہ ابولوں پر قیاس کرتے ہوئے فاسد نہ ہوگی؟

جواب اس شخص کو مقدور بھر کوشش کر کے اپنی طہارت کی حفاظت کرنی چاہئے، اگر ہوا ہر وقت خارج نہ ہوتی رہتی ہو بلکہ کبھی کبھی خارج ہو تو اس سے وضوء ٹوٹ جائے گا اور اگر ہوا ہمیشہ اور ہر وقت خارج ہوتی رہتی ہو اور چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، لیٹتے اور سواری کی حالت میں کسی وقت بھی بند نہ ہوتی ہو اور نہ وہ اسے بند کر سکتا ہو، بند کرنے سے اسے تکلیف ہو، تو یہ معذور ہوگا۔ ہوا خارج ہونے سے اس کا وضوء اور نماز نہیں ٹوٹے گی۔ اس کا حکم اس شخص کا سا ہوگا جس کی ناپاکی دائمی ہے ہاں البتہ وقت شروع ہونے کے بعد اسے ہر نماز کے لئے نیا وضوء کرنا ہوگا۔

— شیخ ابن جبرین —

پیشاب کا وسوسہ

سوال فضیلۃ الشیخ! میں جب پیشاب سے فارغ ہوتا ہوں تو بعد میں ایک قطرہ نکل آتا ہے۔ یہ مرض مجھے پانچ ماہ سے لاحق ہے۔ میں نے ہسپتال سے علاج بھی کروایا لیکن بے سود اور میں اس حالت میں نمازیں پڑھ رہا ہوں، تو سوال یہ ہے کہ میں نماز پڑھوں یا نہ پڑھوں یا کیا کروں؟ میری راہنمائی فرمائیے اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے!

جواب برادر! پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ اپنی طہارت کے لئے مقدور بھر احتیاط سے کام لیجئے، پیشاب کرنے اور قطرہ وغیرہ کے منقطع ہونے کے بعد نماز کا وقت داخل ہونے سے قریباً نصف گھنٹہ پہلے پہلے وضوء کر لیجئے تاکہ یہ امید کی جاسکے کہ نماز کا وقت ہونے سے پہلے قطرہ ختم ہو جائے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہر بار پیشاب کرنے کے بعد اپنی شرم گاہ کو ٹھنڈے پانی سے دھو لیجئے، اس سے بھی قطرہ آنا بند ہو جائے گا۔ اور اگر یہ قطرے وسواس و وہم کا نتیجہ ہوں تو استنجاء کے بعد اپنی شلوار اور کپڑے وغیرہ پر پانی کے چھینٹے مار لیجئے تاکہ شیطان تمہیں وہم میں مبتلا نہ کر سکے کہ یہ تری پیشاب کی ہے کیونکہ تمہارے سامنے یقینی طور پر یہ بات ہوگی کہ یہ تو اس پانی کی ہے، جس کے چھینٹنے آپ نے کپڑے پر مارے ہیں ہاں البتہ اگر پیشاب کا سلسلہ جاری رہے یا پیشاب کے بعد قطرے جاری رہیں اور وہ کئی گھنٹوں تک ختم ہی نہ ہوں تو یہ سلسلہ ابولوں کا مرض ہوگا اور ایسے شخص کا حکم اس انسان جیسا ہوگا جس کی ناپاکی دائمی ہے، اسے نماز کا وقت داخل ہونے کے بعد وضوء کرنا چاہئے نیز اس کے لئے ہر نماز کے لئے وضوء کرنا لازمی ہے اور اس وقت وضوء کرنے کے بعد قطرے اس کے لئے نقصان دہ نہ ہوں گے خواہ وہ اس کے کپڑے یا جسم کو بھی لگ جائیں بشرطیکہ وہ حفاظت اور صفائی کے لئے مقدور بھر اسباب کو اختیار کرے۔ واللہ اعلم

— شیخ ابن جبرین —

وضوء میں وسوسہ

سوال میں جب نماز کے لئے وضوء کرتا ہوں تو یہ محسوس کرتا ہوں کہ آلہ تناسل سے کوئی چیز نکل رہی ہے تو کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ میں ناپاک ہو گیا ہوں یا نہیں؟ اور کیا جب میں نماز پڑھتے ہوئے ایسا محسوس کروں تو میری نماز باطل ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب نمازی کے یہ محسوس کرنے سے کہ اس کی دبر یا قبل سے کوئی چیز خارج ہو رہی ہے، وضوء باطل نہیں ہوتا اور اس احساس کی طرف توجہ نہ کی جائے کیونکہ یہ شیطانی وسوسہ ہے۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے اس طرح کی صورت حال کے بارے سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَنْصَرِفُ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا» (صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب لا يتوضأ من الشك حتى يستيقن، ح: ۱۳۷، و صحیح مسلم، کتاب الطہارة، باب الدليل على ان من يقن الطهارة ...، ح: ۳۶۱)

”اس وقت تک نماز سے نہ ہٹے جب تک آواز نہ سن لے یا بدبو نہ محسوس کر لے۔“
البتہ جب نمازی کو یہ یقین ہو جائے کہ ہوا یا پیشاب وغیرہ خارج ہوا ہے تو فساد طہارت کی وجہ سے اس کی نماز باطل ہو جائے گی، اسے وضوء اور نماز کو دوہرانا ہوگا۔

شیخ ابن باز

جگہ کی طہارت کے بارے میں شک

سوال جب ہم ایک فلیٹ سے دوسرے فلیٹ میں منتقل ہوتے ہیں تو عام طور پر تمام یا اکثر فلیٹوں میں کارپٹ بچھا ہوتا ہے، تو کیا ہمارے لئے اس پر نماز پڑھنا جائز ہے، جب کہ ہمیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ہم سے پہلے اس گھر میں رہنے والے مسلمان تھے یا نہیں؟

جواب اشیاء میں اصل طہارت ہے۔ کسی چیز یا جگہ کو صرف اسی صورت میں نجس قرار دیا جاسکتا ہے، جب اس کی نجاست کی کوئی دلیل ہو اور پھر وہ نجس چیز اس جگہ واقعی موجود ہو اور جب یہ دونوں باتیں ثابت نہ ہوں تو مسلمان نماز پڑھ سکتا ہے، اس کی نماز صحیح ہوگی۔ (وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم)

فتویٰ کمیٹی

ہوا کا مسلسل خروج

سوال میں ایک ایسے مرض میں مبتلا ہو گیا ہوں جس کی وجہ سے میرا وضوء برقرار نہیں رہتا، جس کی وجہ سے مجھے نماز، تلاوت قرآن اور ان تمام عبادات میں مشقت کا سامنا ہے، جن کے لئے وضوء لازم ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ ہوں ہی وضوء کا پانی میرے جسم کو چھونے لگتا ہے، میرے قصد و ارادہ کے بغیر ہوا خارج ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ نماز جمعہ، عیدین، فرض نمازوں اور تلاوت قرآن کریم کے لئے بیٹھنے میں بھی مجھے دشواری ہوتی ہے اور سکون اس وقت ہوتا ہے جب ہوا

خارج ہو جائے۔ اس بیماری کی وجہ سے مجھے نماز میں اطمینان حاصل نہیں ہوتا کیونکہ مجھے وضوء کے بارے میں اندیشہ رہتا ہے، تو سوال یہ ہے کیا میرے لئے رخصت یا جواز ہے، جس سے اس مرض کی حدت میں تخفیف ہو جائے خواہ اسے فالج پر قیاس کر لیا جائے؟ مجھے اس مسئلہ کا حل بتائیے؟ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب سے نوازے!

جواب بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ وسوسہ ہے جس میں بہت سے لوگ وضوء اور نماز کے سلسلہ میں مبتلا ہیں، اگر صورت حال اسی طرح ہے جس طرح آپ نے ذکر کی تو آپ معذور ہیں اور آپ کو اس شخص پر قیاس کیا جائے گا جس کی نپاکی دائمی ہے جیسے کہ سلسل البول کا مریض ہوتا ہے۔ لہذا آپ اس وقت وضوء کیجئے جب نماز کا وقت شروع ہو جائے اور اقامت قریب ہو، پھر مقدور بھر کوشش کر کے وضوء کو ٹوٹنے سے بچائیے اور اگر آپ مغلوب ہو جائیں اور ہوا کو روکنے پر قادر نہ ہوں تو آپ کی نماز (ان شاء اللہ) صحیح ہوگی کیونکہ یہ امر انسانی اختیار سے باہر اور اضطرار کے مشابہ ہے۔ واللہ اعلم

— شیخ ابن جریر —

دھوپ سے طہارت حاصل نہیں ہوتی

سوال میرے چھوٹے بچے ہیں جنہیں گود میں اٹھانا پڑتا ہے اور وہ میرے کپڑوں پر پیشاب کر دیتے ہیں۔ کپڑوں کو دھوپ میں سکھا کر انہیں میں نماز پڑھ لیتی ہوں، کیا ایسے کپڑوں میں نماز جائز ہے؟

جواب لڑکے نے اگر کھانا کھانا نہ شروع کیا ہو تو اس کے پیشاب پر چھینٹے مارنا ہی کافی ہے کیونکہ ام قیس بنت مہسن سے روایت ہے کہ:

«أَنَّهَا أَنْتَ بَابِن لَهَا صَغِيرٍ لَمْ يَأْكُلِ الطَّعَامَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَأَجْلَسَهُ فِي حِجْرِهِ فَبَالَ عَلَى نَوْبِهِ، فَدَعَا بِمَاءٍ فَنَضَحَهُ وَلَمْ يَغْسِلْهُ» (صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب بول الصبيان، ح: ۲۲۳، و صحیح مسلم، کتاب الطہارة، باب حکم بول الطفل الرضيع، ح: ۲۷۸)

”اپنے ایک ایسے چھوٹے بچے کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں جس نے ابھی کھانا کھانا شروع نہیں کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس بچے کو اپنی گود میں بٹھالیا تو بچے نے آپ ﷺ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا، تو آپ ﷺ نے پانی منگوا کر چھینٹے مار دیئے اور اسے نہ دھویا۔“

نضح کے معنی یہ ہیں کہ کپڑے کو اتارے بغیر پانی سے تر کر دیا جائے اور اسے ملنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچہ اگر کھانا کھانا شروع کر دے تو اس کے پیشاب کو دھویا جائے گا جب کہ بچی کے پیشاب کو ہر حال میں دھویا جائے گا کیونکہ لبابہ بنت حارث سے روایت ہے کہ حسین بن علی نے رسول اللہ ﷺ کی گود میں پیشاب کر دیا تو میں نے عرض کیا آپ دوسرا کپڑا پہن لیں اور یہ تمہ بند مجھے دے دیں تاکہ میں اسے دھو دوں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّمَا يُغَسَّلُ مِنْ بَوْلِ الْأُنثَى وَنَضْحُ مِنْ بَوْلِ الذَّكَرِ» (سنن ابی داود، کتاب الطہارة، باب بول الصبي يصيب الثوب، ح: ۳۷۵)

”بچی کے پیشاب سے کپڑا دھویا جاتا ہے اور بچے کے پیشاب سے چھینٹے مار لئے جاتے ہیں۔“

بچے اور بچی کے پیشاب کے بارے میں یہ وہ حکم ہے جو رسول اللہ ﷺ کی سنت سے ثابت ہے۔ اس سے معلوم ہوا

کہ سائل نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ وہ پیشاب سے آلودہ کپڑوں کو دھوپ میں سکھا کر انہی میں نماز پڑھ لیتا ہے تو یہ صحیح نہیں ہے۔ دھوپ سے کپڑا پاک نہیں ہوتا۔ ایسے کپڑے کو پاک کئے بغیر اس میں نماز پڑھنا صحیح نہ ہو گا۔

فتویٰ کمیٹی

نماز کے بعد کپڑوں میں نجاست کی موجودگی

سوال ایک آدمی نے نماز پڑھی اور کافی مدت بعد معلوم ہوا کہ اس کے کپڑے ناپاک تھے، تو کیا وہ نماز کو دوہرائے جب کہ اس نے ان کپڑوں میں پانچ ماہ پہلے نماز پڑھی تھی؟

جواب اگر نجاست کا علم نماز سے فراغت کے بعد ہو تو نماز صحیح ہے کیونکہ جبریل علیہ السلام نے جب نبی کریم ﷺ کو دوران نماز یہ بتایا کہ آپ کے نعلین (جوتے) کو نجاست لگی ہوئی ہے تو آپ ﷺ نے انہیں اتار دیا اور نماز کے ابتدائی حصے کو جو آپ ﷺ پڑھ چکے تھے، نہ دوہرایا۔ اسی طرح اگر نجاست کے بارے میں نماز سے پہلے معلوم ہو لیکن پھر بھول کر انہی کپڑوں میں نماز پڑھ لے اور اسے نماز کے بعد یاد آئے کہ یہ کپڑے ناپاک تھے تو پھر بھی نماز صحیح ہوگی، ارشاد باری تعالیٰ میں ہمیں یہ دعا سکھائی گئی:

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا﴾ (البقرة ۲/۲۸۶)

”اے پروردگار اگر ہم سے بھول یا چوک ہو گئی ہو تو ہم سے مؤاخذہ نہ کرنا!“

اور حدیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہماری اس دعاء کو شرف قبولیت سے نواز دیا ہے۔“

شیخ ابن باز

سلسل البول کا مریض

سوال ایک شخص جو سلسل البول کے مرض میں مبتلا ہے، کیا اس کے لئے یہ جائز ہے کہ نماز کے اختتام تک پیشاب کو روکے رکھے؟

جواب سلسل البول کے مریض کو حسب طاقت علاج کروانا چاہئے اور اگر یہ شیطانی ادہام و دساوس ہوں تو پھر ان کی طرف کوئی توجہ نہ دی جائے گی اور اصل یعنی طہارت کا خیال کیا جائے گا حتیٰ کہ یقین ہو جائے کہ کوئی ایسی چیز خارج ہوئی ہے جو ناقض وضوء ہے۔ اگر پیشاب مسلسل خارج ہوتا رہتا ہو اور کبھی بھی نہ رکتا ہو تو یہ شخص حسب حال نماز پڑھ لے۔ اگر یہ شخص پیشاب کے خارج ہونے کو کم کر سکتا ہو تو اسے کم کرنا چاہئے خواہ اسے آلم تناسل کے منہ پر کپڑے یا روئی وغیرہ کا کوئی ٹکڑا رکھنا پڑے یا آلم تناسل کو کسی لفافہ وغیرہ میں لپیٹ دے، جس سے اس کے کپڑے پیشاب سے ملوث نہ ہوں۔ اور اگر قطرے پیشاب کرنے کے بعد خارج ہوتے ہوں تو اسے نماز کے وقت سے اس قدر پہلے پیشاب کرنا چاہئے جس سے اس کے قطرے منقطع ہو جائیں اور پھر شرم گاہ کو پانی سے دھولے۔ ٹھنڈے پانی سے شرم گاہ کو دھونے سے قطروں کا خروج ختم ہو جائے گا اور اس کے ساتھ یہ کوشش کرنی چاہئے کہ پیشاب کرنے میں زیادہ وقت نہ لگائے اور اگر اسے یہ ڈر

ہو کر یہ وقت دراز ہو جائے گا اور نماز فوت ہو جائے گی تو اسے چاہئے کہ نماز کی تکمیل تک پیشاب کو مؤخر کر لے بشرطیکہ اس سے اسے کوئی جلن یا تکلیف نہ ہو جس کی وجہ سے نماز میں خلل پیدا ہو۔ (واللہ اعلم)۔

شیخ ابن جریر

نماز میں سگریٹ کا پاس ہونا اور وہ پانی جس میں کیڑا گر گیا ہو

سوال

جب نماز میں آدمی کے پاس سگریٹ ہو تو کیا حکم ہے؟ اور اس پانی کا کیا حکم ہے جس میں کیڑا گر گیا ہو؟

جواب

سگریٹ نوشی کی حرمت پر علماء محققین کا اتفاق ہے کیونکہ یہ دین، مال اور بدن کے لئے نقصان دہ ہے، ناپاک ہے اور پینے والے پر اس کے بہت برے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ لیکن یہ مجھے یاد نہیں کہ علماء محققین میں سے کسی نے اس کو بول و براز کی طرح نجس عین قرار دیا ہو لیکن اس کی حرمت اور ناپاکی کی وجہ سے میں یہ مکرہ سمجھتا ہوں کہ یہ دوران نماز آدمی کے پاس ہو یا کوئی اسے مسجد میں لے جائے خواہ یہ پیکٹ ہی میں کیوں نہ ہو۔ اگر کوئی ایسا کرے تو میں یہ نہیں کہتا کہ وہ نماز دوہرائے کیونکہ اس کے نجس عین ہونے میں توقف ہے۔

بہت سے علماء کی رائے ہے کہ جس پانی میں کیڑے گر گئے ہوں وہ ناپاک ہے۔ اس کا بہا دینا واجب ہے کیونکہ یہ کیڑے نجاستوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ یاد رہے اس سے بیت الخلاء میں پیدا ہونے والے کیڑے مراد ہیں ہاں البتہ کنوؤں میں پیدا ہونے والے کیڑوں کا یہ حکم نہیں ہے۔ لیکن راجح بات یہ ہے کہ کیڑے گرنے سے پانی کی طہوریت سلب نہیں ہوتی۔ کیڑا اگرچہ نجاست سے پیدا ہوتا ہے لیکن وہ ایک ایسی چیز میں تبدیل ہو جاتا ہے جس میں نجاست کا اثر ظاہر نہیں ہے۔ اور پھر صحیح قول کے مطابق پانی اس وقت نجس ہوتا ہے جب اس میں کوئی تبدیلی رونما ہو جائے اور ان جانوروں کے گرنے سے عموماً پانی کے اوصاف میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوتی لہذا پانی پاک رہے گا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

شیخ ابن جریر

کافر خادمہ کا کھانا پکانا اور کپڑے دھونا

سوال

ہمارے پاس ایک غیر مسلم خادمہ ہے تو کیا میرے جن کپڑوں کو وہ دھوئے، میں ان میں نماز پڑھ سکتا ہوں؟ اور جو وہ کھانا پکائے اسے کھا سکتا ہوں؟ اور کیا یہ جائز ہے کہ میں اس کے دین کے عیب اور بطلان کو واضح کرتا رہوں؟

جواب

کافر سے خدمت لینا اور کھانا پکانے اور کپڑے دھونے وغیرہ کے لئے اسے استعمال کرنا جائز ہے اس کے پکائے ہوئے کھانے کو کھانا اور اس کے سلے ہوئے اور دھوئے ہوئے کپڑوں کو پہننا جائز ہے کیونکہ اس کے ہاتھ بظاہر صاف ہیں اور اس کی نجاست معنوی ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی کافر غلاموں اور لونڈیوں سے خدمت لے لیا کرتے تھے اور بلاد اہل کفر سے جو چیزیں آتیں، انہیں بھی کھالیا کرتے تھے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ حسی طور پر ان کے جسم ظاہر ہیں۔ ہاں البتہ حدیث میں یہ آیا ہے کہ ان کے برتنوں میں کھانا پکانے سے پہلے انہیں دھو لیا جائے، جب کہ وہ ان میں شراب پیتے اور مردار و خنزیر کو پکاتے ہوں اور ان کے ان کپڑوں کو استعمال سے پہلے دھو لیا جائے جو ان کے مقام ستر سے لمس کرتے ہوں۔

ان کے دین کے عیب و بطلان کو واضح کرنا جائز ہے اور ظاہر ہے کہ اس سے ان کا موجودہ دین مراد ہے کیونکہ یہ یا تو بدعی دین ہے جس طرح بت پرستی وغیرہ یا محرف و منسوخ ہے جس طرح عیسائیت وغیرہ، تو عیب اس دین پر ہونا چاہئے جو محرف و مبدل صورت میں ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ آپ کو یہ چاہئے کہ آپ انہیں اسلام کی دعوت دیں۔ اسلام کی تعلیمات اور فضائل کو بیان کریں۔ اسلام کے احکام کو واضح کریں اور یہ بتائیں کہ اسلام اور دیگر ادیان میں کیا فرق ہے۔

— شیخ ابن جریرن —

کھڑے ہو کر پیشاب کرنا

سوال

کیا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا حلال ہے یا حرام؟

جواب

کھڑے ہو کر پیشاب کرنا حرام نہیں ہے کیونکہ ”صحیحین“ میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث موجود ہے کہ:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، أَمَى سُبَّاطَةَ قَوْمٍ فَبَالَ قَائِمًا» (صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب البول عند سباطة قوم، ح: ۲۲۶)

”نبی کریم ﷺ ایک قوم کے کوزے کرکٹ کے ڈھیر کے پاس بیٹھے تو آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا۔“ چنانچہ اس حدیث کے پیش نظر حضرت عمر، حضرت علی، ابن عمر، اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا جائز ہے لیکن سنت یہ ہے کہ آدمی بیٹھ کر پیشاب کرے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

«مَنْ حَدَّثَكُمْ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، كَانَ يَبُولُ قَائِمًا فَلَا تُصَدِّقُوهُ مَا كَانَ يَبُولُ إِلَّا قَاعِدًا» (جامع الترمذی، کتاب الطہارۃ، باب ما جاء فی النهی عن البول قائما، ح: ۱۲، وسنن نسائی، کتاب الطہارۃ، باب البول فی البیت جالسا، ح: ۲۹)

”جو شخص تم سے یہ بیان کرے کہ نبی کریم ﷺ کھڑے ہو کر پیشاب کیا کرتے تھے تو اس کی بات کی تصدیق نہ کرو کیونکہ آپ ﷺ تو ہمیشہ بیٹھ کر ہی پیشاب کیا کرتے تھے۔“ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس باب میں سب سے زیادہ صحیح روایت یہی ہے۔ اور پھر بیٹھ کر پیشاب کرنے کی صورت میں پردہ پوشی بھی زیادہ ہے اور آدمی پیشاب کے چھینٹوں سے بھی زیادہ محفوظ رہتا ہے۔

— فتویٰ کمیٹی —

پیشاب کی نجاست سے بچنے

سوال

کبھی کبھی نماز سے فراغت کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ میرے کپڑوں پر پیشاب کے چھینٹے یا کوئی نجاست لگی ہوئی ہے۔ اس نجاست کا انکشاف کبھی دوسرے دن بھی ہوتا ہے، تو کیا میری سابقہ نماز درست ہوگی؟ کیا مجھ پر کوئی چیز لازم ہوگی؟

جواب

پیشاب وغیرہ کی نجاست سے بچنے کے لئے احتیاط سے کام لیجئے۔ جب پیشاب کرنے کا عمل مکمل ہو جائے تو پھر

استنجاء اور وضوء کو شروع کیجئے۔ اگر قطرے گرنے یا سلسل ابول کی شکایت ہے تو نماز سے قریباً ایک گھنٹہ پہلے پیشاب کیجئے۔ قطروں کے بند ہونے کا انتظار کیجئے اور جب بند ہو جائیں تو پھر وضوء کیجئے۔ اگر یہ صورت وسوسہ کی وجہ سے ہو تو پھر اپنے کپڑے اور شلوار وغیرہ پر پانی کے چھینٹے مار لیجئے تاکہ شیطان یہ نہ کہہ سکے کہ یہ تری پیشاب کی ہے۔ اور اگر سلسل ابول کی شکایت مستقل ہو تو اسی حالت میں نماز جائز ہے لیکن وضوء اذان کے بعد کیجئے۔ اگر پیشاب کے قطرے بند ہو گئے ہوں اور تم تری کو دیکھو اور یہ یقین ہو جائے کہ یہ تری نماز سے پہلے کی ہے تو پھر احتیاط یہ ہے کہ اس نماز کو دہرا لیا جائے اور اگر محض شک ہو تو پھر نماز دہرانے کی ضرورت نہیں، (ان شاء اللہ تعالیٰ)

شیخ ابن جبرین

جس شخص کا وضوء ٹوٹ جائے وہ نماز توڑ دے

سوال ایک شخص باجماعت نماز ادا کرنے کے لئے پہلی صف میں کھڑا تھا کہ اس کا وضوء ٹوٹ گیا مگر وہ شخص نماز میں بدستور مصروف رہا اور اسے نہ توڑا تاکہ وہ پچھلی صفوں کو چیرتا ہوا اور نمازیوں کے خشوع کو خراب کرتا ہوا باہر نہ جائے تو اس سلسلہ میں کیا حکم ہے؟

جواب امید ہے اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمائے گا لیکن واجب یہ ہے کہ جب انسان نماز میں بے وضوء ہو جائے یا اسے یاد آئے کہ وہ حالت طہارت میں نہیں ہے تو اسے نماز قطع کر دینی چاہئے اور وضوء کرنا چاہئے اور پھر واپس آکر نماز باجماعت میں شریک ہو جانا چاہئے۔ یاد رہے امام کا سترہ مقتدیوں کی صفوں کے لئے بھی سترہ ہے لہذا ایسی صورت میں مقتدیوں کے آگے سے گزرنے میں کوئی حرج نہیں، ہاں البتہ بے وضوء ہونے کی صورت میں آدمی کو اطمینان و سکون کے ساتھ صف سے باہر نکلنا چاہئے تاکہ نمازی خلل میں مبتلا نہ ہوں۔

شیخ ابن باز

خنزیر کی کھال سے بنے ہوئے کوٹ

سوال پچھلے دنوں لیدر سے بنے ہوئے کوٹ پہننے کے مسئلہ پر ہم میں کافی گرم مباحث ہوئی، کچھ بھائیوں کا خیال تھا کہ یہ کوٹ عموماً خنزیر کی کھالوں سے بنائے جاتے ہیں اور اگر واقعی یہ خنزیر کی کھالوں سے بنائے جاتے ہیں تو ان کے پہننے کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ کیا شرعی طور پر ان کا استعمال جائز ہے؟ بعض دینی کتابوں مثلاً یوسف قرضاوی کی ((الحلال والحرام)) اور ((الفقه علی المذاهب الاربعہ)) میں اگرچہ اس مسئلہ کا ذکر ہے لیکن انہوں نے اس مسئلہ کو اچھی طرح واضح نہیں کیا لہذا امید ہے کہ آپ اس مسئلہ کی وضاحت فرمادیں گے۔

جواب نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«إِذَا دُبِغَ الْإِهَابُ فَقَدْ طَهِّرْ» (صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب طهارة جلود المبتة بالديابغ،

ح: ۳۶۶، وسنن أبي داود، کتاب اللباس، باب في أهب الميتة، ح: ۴۱۲۳)

”جب کھال کو رنگ دیا جائے تو وہ پاک ہو جاتی ہے۔“

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

«دَبَاغٌ جُلُودِ الْمَيْتَةِ طَهُورٌهَا» (صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب طهارة جلود الميتة بالدباغ،

ح: ۳۶۶، وسنن أبي داود، کتاب اللباس، باب في أهب الميتة، ح: ۴۱۲۵)

”مرده جانوروں کی کھالوں کی رنگائی ان کی طہارت ہے۔“

لیکن اس مسئلہ میں علماء میں اختلاف ہے کہ یہ حدیث تمام کھالوں کے لئے ہے یا صرف ان مردہ جانوروں کی کھالوں کے لئے ہے جو ذبح کرنے سے پاک ہو جاتے ہیں یقیناً وہ جانور جو ذبح کرنے سے پاک ہو جاتے ہیں مثلاً اونٹ، گائے، بکری وغیرہ ان کی کھالوں کو جب رنگ لیا جائے تو وہ پاک ہیں۔ اور علماء کے صحیح قول کے مطابق ان کا ہر چیز کے لئے استعمال جائز ہے۔ خنزیر اور کتے جیسے جانور جو ذبح کرنے سے بھی پاک نہیں ہوتے، ان کی کھالوں کے بارے میں اہل علم میں اختلاف ہے کہ وہ رنگنے سے پاک ہوتے ہیں یا نہیں؟ احتیاط اس میں ہے کہ انہیں استعمال نہ کیا جائے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«مَنْ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ فَقَدْ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ» (صحیح بخاری، کتاب الايمان، باب فضل من

استبرأ لدينه، ح: ۵۲، و صحیح مسلم، کتاب المسافاة، باب اخذ الحلال وترك الشبهات، ح: ۱۵۹۹)

”جو شخص شہادت سے بچ جائے اس نے اپنے دین اور عزت کو بچالیا۔“

نیز آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«دَعُ مَا يَرِيْبُكَ اِلٰى مَا لَا يَرِيْبُكَ» (سنن ترمذی، کتاب صفة القيامة، باب حديث اعقلها وتركها...،

ح: ۲۵۱۸)

”جس میں شک ہو اس کو چھوڑ دو اور جس میں شک نہ ہو اس کو لے لو۔“

شیخ ابن باز

جب نماز پڑھتے ہوئے کپڑے کی نجاست میں شک ہو

سوال

جب امام کو نماز پڑھتے ہوئے کپڑے کی نجاست میں شک ہو اور وہ محض شک کی بنیاد پر نماز کو نہ توڑے اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد واقعی کپڑے کو ناپاک دیکھے تو اس کا کیا حکم ہے؟ اس قسم کی صورت حال میں کیا محض شک کی بنیاد پر نماز ختم کر دے یا نماز کو پورا کرے؟

جواب

جب نماز پڑھتے ہوئے نمازی کو اپنے کپڑے کے بارے میں ناپاکی کا شک ہو تو اس کے لئے نماز کو توڑنا جائز نہیں خواہ امام ہو یا مقتدی۔ اسے اس حالت میں بھی نماز پوری کرنی چاہئے اور نماز سے فراغت کے بعد اگر معلوم ہو کہ کپڑا واقعی ناپاک تھا تو علماء کے صحیح قول کے مطابق اس نماز کی قضاء بھی لازم نہیں کیونکہ اسے ناپاکی کا یقین نماز کے بعد ہوا ہے۔ حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ کو جب بحالت نماز جبریل علیہ السلام نے یہ خبر دی کہ آپ ﷺ کے نعلین ناپاک ہیں تو آپ ﷺ نے نماز ہی میں نعلین اتار دیئے اور نماز کو بدستور جاری رکھا اور ابتدائی حصہ کو دہرایا نہیں تھا۔^①

شیخ ابن باز

کولونیا کو بطور خوشبو استعمال کرنا

سوال کولونیا (COLOGNE) کو بطور (میک اپ) خوشبو استعمال کرنے کے بارے میں کافی بحث مباحثہ ہوا لہذا آپ سے گزارش ہے کہ یہ فرمائیں کہ اگر یہ خوشبو استعمال کی ہو تو کیا وضوء دوبارہ کرنا ہو گا یا صرف جسم کے اس حصے کو دھویا جائے جہاں یہ خوشبو لگی ہو؟

جواب کولونیا کی خوشبو ”اسپرٹ“ سے خالی نہیں ہوتی اور اطباء کے بقول یہ ایک نشہ آور مادہ ہے لہذا اس کا استعمال ترک کرنا اور اس کی بجائے اس مادہ سے پاک خوشبو کا استعمال کرنا واجب ہے لیکن اگر کسی نے یہ خوشبو استعمال کر لی ہو تو اس سے وضوء کرنا واجب نہیں اور نہ جسم کے اس حصے کو دھونا واجب ہے جہاں یہ لگی ہو کیونکہ اس کے ناپاک ہونے کی کوئی واضح دلیل نہیں ہے۔ واللہ ولی التوفیق

شیخ ابن باز

سر پر مہندی رکھنے سے طہارت ختم نہیں ہوتی

سوال ایک عورت نے وضوء کیا اور پھر سر کو مہندی لگا کر نماز پڑھنا شروع کر دی۔ کیا اس کی یہ نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ اور اگر اس کا وضوء ٹوٹ جائے تو کیا وہ مہندی کے اوپر مسح کرے یا بالوں کو دھو کر نماز کے لئے وضوء کرے؟

جواب اگر عورت نے بحالت طہارت سر پر مہندی لگائی ہو تو یہ ناقض طہارت نہیں ہے۔ اگر اس نے وضوء کرنے کے بعد سر پر مہندی یا دیگر مٹادات میں سے کوئی چیز لگائی ہو جن کی عورتوں کو ضرورت ہوتی ہے تو اس حالت میں طہارت صغریٰ کے لئے سر پر مسح کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ ہاں البتہ طہارت کبریٰ کے لئے اسے سر پر تین بار پانی بہانا ہو گا اور اس حالت میں مسح کافی نہ ہو گا کیونکہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا:

«يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَشَدُّ شَعْرَ رَأْسِي أَفَأَنْقِضُهُ لِيُغَسَّلَ الْجَنَابَةَ وَالْحَيْضَ قَالَ: لَا إِنَّمَا يَكْفِيكَ أَنْ تَحْشِي عَلَيْهِ ثَلَاثَ حَشِيَّاتٍ ثُمَّ تَقْبِضِينَ عَلَيْكَ الْمَاءَ فَتَطْهَرِينَ» (صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب حکم صفائر المتصلة: ح: ۳۳۰)

یا رسول اللہ! میں اپنے سر کے بالوں کو مضبوطی سے باندھتی ہوں تو کیا جنابت اور حیض کے غسل کے لئے بالوں کو کھولوں؟ آپ ﷺ فرمایا نہیں، تمہارے لئے یہ کافی ہے کہ سر پر تین چلو پانی ڈال لو اور پھر سارے جسم پر پانی ڈال کر طہارت حاصل کر لو۔“

اگر غسل حیض کے لئے عورت اپنے سر کو کھول لے تو دیگر احادیث کے پیش نظر یہ زیادہ افضل ہے۔ واللہ ولی التوفیق

شیخ ابن باز

مذی کا حکم

سوال شہوت کے بعد جب آلہ تناسل سے پانی کی طرح بے رنگ سیال مادہ کے قطرے نکلیں تو کیا ان سے غسل واجب ہے یا اس صورت میں کیا کروں؟ یہ مادہ جب کپڑے یا جسم کو لگ جائے تو کیا وہ ناپاک ہو جائے گا اور اس حالت میں مجھے کیا کرنا ہوگا؟ براہ کرم راہنمائی فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے!

جواب خارج ہونے والا یہ مادہ مذی کے نام سے مشہور ہے۔ یہ سفید لیس دار پانی ہوتا ہے جو شہوت کے بعد یا مباشرت کو یاد کرنے وغیرہ کی حالت میں خارج ہوتا ہے۔ یہ کپڑے وغیرہ کو لگ جائے تو اسے دھونا واجب ہے لیکن آدمی کے لئے غسل کرنا صرف اس صورت میں واجب ہے جب منی ٹپک کر لذت کے ساتھ خارج ہو۔ منی سفید رنگ کا معروف پانی ہے اور مذی و منی میں رنگ اور حکم کے اعتبار سے فرق ظاہر ہے۔ واللہ اعلم

شیخ ابن جبرین

وضوء، تیمم اور غسل

نماز یا تلاوت قرآن کے دوران وضوء کا ٹوٹ جانا

سوال نماز یا تلاوت قرآن کے درمیان ہوا خارج ہونے سے میرا وضوء ٹوٹ جاتا ہے تو میں دوبارہ وضوء کر لیتی ہوں لیکن مجھ سے ایک دینی بہن نے یہ کہا کہ تمہیں بار بار وضوء کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ایک ہی وضوء سے نماز پڑھ لو۔ ایک بار وضوء ٹوٹ جائے تو دوبارہ کر لو، دوبارہ ٹوٹے تو پھر کر لو لیکن اگر تیسری بار بھی ٹوٹ جائے تو پھر وضوء کرنا لازم نہیں ہے، تو کیا ان کی یہ بات صحیح ہے؟ اور مجھے ایسی حالت میں کیا کرنا چاہئے؟

جواب جب نماز پڑھتے ہوئے یقینی طور پر وضوء ٹوٹ جائے یعنی ہوا خارج ہونے کی آواز سنائی دے یا بدبو محسوس ہو تو وضوء اور نماز کو دوہرانا ہوگا کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«إِذَا فَسَأَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيُصْرِفْ وَلْيَتَوَضَّأْ وَلْيُعِدِّ الصَّلَاةَ» (سنن أبي داود، کتاب الطہارۃ، باب فیمن یحدث فی الصلاۃ، ح: ۲۰۵)

”جب تم میں سے کسی کی نماز میں ہوا خارج ہو تو اسے نماز ختم کر کے وضوء کرنا اور نماز کو دوہرانا چاہئے“

اس حدیث کو اہل سنن نے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ:

«لَا تُقْبَلُ صَلَاةٌ أَحَدِكُمْ إِذَا أَحْدَثَ حَتَّى يَتَوَضَّأَ» (صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب لا تقبل صلاۃ بغیر طہور، ح: ۱۳۵، ۶۹۵۴، و صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب وجوب الطہارۃ للصلاۃ، ح: ۲۲۴، و مسند احمد، ۲/۳۰۸)

”بے وضوء کی نماز قبول نہیں ہوتی حتیٰ کہ وہ وضوء کرے۔“

ہاں البتہ اگر ہمیشہ ناپاکی کی حالت رہتی ہو تو پھر نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد وضوء کر لو اور وقت کے اندر اندر اس وضوء سے جس قدر چاہو فرض و نفل نماز ادا کر لو اور وقت کے اندر خارج ہونے والی ہوا سے تمہیں کوئی نقصان نہ ہو گا کیونکہ یہ حالت ضرورت ہے اور بہت سے دلائل سے یہ ثابت ہے کہ دائمی طور پر بے وضوء رہنے والے انسان کے لئے معافی ہے، جب اس نے وقت داخل ہونے کے بعد وضوء کیا ہو، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَأَنْفِقُوا لِلَّهِ مَا أَسْطَغْتُمْ﴾ (التعبان: ۱۶/۶۴)

”سو جہاں تک ہو سکے تم اللہ سے ڈرو۔“

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے قصہ مستحاضہ کے سلسلہ میں مروی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

«ثُمَّ تَوَضَّئِي لَوْ قَتِ كُلُّ صَلَاةٍ»

”پھر تم ہر نماز کے وقت کے لئے وضوء کرو۔“^①

غیر ظاہر حالت میں زبانی قرآن مجید کی تلاوت میں کوئی حرج نہیں لیکن حالت جنابت میں غسل کئے بغیر تلاوت جائز نہیں۔ قرآن مجید کو ہاتھ بھی اسی صورت میں لگانا چاہئے جب حدیث اکبر و اصغر سے طہارت حاصل کر لی گئی ہو، ہاں البتہ اگر حدیث دائمی ہو تو پھر نماز کے وقت میں وضوء کر کے نماز بھی پڑھ سکتی ہو اور زبانی اور دیکھ کر قرآن مجید کی تلاوت بھی کر سکتی ہو جیسا کہ نماز کے حکم میں تفصیل بیان کی جا چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیکی کی توفیق بخشنے۔

شیخ ابن باز

عورت کو ہاتھ لگانے سے وضوء نہیں ٹوٹتا

سوال درمیان میں کسی چیز کے حائل ہوئے بغیر اگر کوئی آدمی کسی اجنبی عورت کو ہاتھ لگاتا ہے تو اس کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟ کیا اس سے وضوء ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟ نیز یہ بتائیے کہ اجنبی عورت سے کیا مقصود ہے؟

جواب اہل علم کے صحیح ترین قول کے مطابق عورت کو ہاتھ لگانے سے وضوء نہیں ٹوٹتا کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ:

«أَنَّ قَبْلَ بَعْضِ نِسَائِهِ ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ» (سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب الوضوء من

القبلة، ح: ۱۷۸، ۱۷۹، وجامع الترمذی، كتاب الطهارة، باب ما جاء في ترك الوضوء من القبلة، ح: ۸۶)

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات میں سے کسی کو بوسہ دیا، پھر نماز پڑھی اور وضوء نہ کیا۔“

لیکن عورت کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی غیر محرم کے ساتھ مصافحہ کرے اور نہ مرد کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ کسی غیر محرم عورت کے ساتھ مصافحہ کرے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ:

«إِنِّي لَا أَصَافِحُ النِّسَاءَ» (سنن نسائی، كتاب البيعة، باب بيعة النساء، ح: ۴۱۸۶، والمؤطا مالك بن

انس، كتاب البيعة، باب ما جاء في البيعة، ح: ۲)

① امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”أَنَّ الرَّؤْيَاةَ لِكُلِّ صَلَاةٍ لِأَنَّ لَوْ قَتِ كُلِّ صَلَاةٍ“ روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ہر نماز کے لئے وضوء کرو۔ یہ الفاظ نہیں ہیں کہ ہر نماز کے وقت کے لئے وضوء کرو۔ نیل الاوطار جلد: 1، ص: 275۔ امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات درست ہے۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیں: سنن ابی داود، کتاب الطہارت، باب من قال تغتسل من طہرالی طہر ح: 298۔

”میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، كَانَ يُبَايِعُ النِّسَاءَ بِالْكَلامِ فَقَطَّ قَالَتْ: وَمَا مَسَّتْ يَدُهُ يَدَ امْرَأَةٍ قَطَّ» (صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب بیعة النساء، ح: ۷۲۱۴، ۴۸۹۱، ۵۲۸۸، ۲۷۱۳، صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب کیفیة بیعة النساء، ح: ۱۸۶۶)

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں سے صرف ہم کلام ہو کر بیعت لیا کرتے تھے اور کبھی بھی کسی عورت کے ہاتھ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ نہیں لگا تھا۔“

اور اللہ کا فرمان ہے کہ:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الأحزاب ۲۱/۳۳)

”یقیناً تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں بہترین اور عمدہ نمونہ موجود ہے۔“

عورتوں کا غیر محرم مردوں سے اور مردوں کا غیر محرم عورتوں سے مصافحہ سب کیلئے فتنہ کا سبب ہے اور کامل ترین اسلامی شریعت آئی ہی اسلئے ہے کہ ان تمام ذرائع کو بند کر دے جو ان امور تک پہنچاتے ہیں جنہیں اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اجنبی عورت سے مراد وہ عورت ہے کہ جس کے اور مرد کے درمیان نسب یا کسی دوسرے مباح سبب کے باعث کوئی ایسا رشتہ نہ ہو جس کی وجہ سے وہ اس کے لئے حرام ہو مثلاً: ماں، بہن، بہو، بھی وغیرہ یا کسی شرعی سبب کی وجہ سے حرام ہے۔ مثلاً رضاعت و مصاہرت وغیرہ تو ایسی عورتیں اجنبی نہیں ہیں۔ وباللہ التوفیق!

شیخ ابن باز

اونٹ کا گوشت کھانا

سوال کیا اونٹ کا گوشت کھانے اور اس کھانے کے بعد جسے اونٹ کے گوشت کے ساتھ بنایا گیا ہو، وضوء کرنا واجب ہے؟

جواب اونٹ کا گوشت ملا کھانا کھانے اور اونٹنی کا دودھ پینے سے وضوء کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ علماء کے صحیح ترین قول کے مطابق صرف اہل (اونٹ) کے گوشت کھانے سے وضوء کرنا واجب ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«تَوَضَّؤُوا مِنْ لَحْمِ الْإِبِلِ وَلَا تَتَوَضَّؤُوا مِنْ لَحْمِ الْغَنَمِ» (جامع الترمذی، کتاب الطہارة، باب ما جاء في الوضوء من لحوم الابل، ح: ۸۱، وسنن أبي داود، کتاب الطہارة، باب الوضوء من لحوم الابل، ح: ۱۸۴)

”اہل (اونٹ) کے گوشت کھانے سے وضوء کرو اور بکری کے گوشت کھانے سے وضوء نہ کرو“

اور امام مسلم نے صحیح میں حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ:

«أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ ﷺ، أَنْتَوَضَّأُ مِنْ لَحْمِ الْإِبِلِ قَالَ نَعَمْ» (صحیح مسلم، کتاب الحیض، باب الوضوء من لحوم الابل، ح: ۳۶۰)

”ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کیا ہم اونٹ کے گوشت کھانے سے وضوء کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں“

یاد رہے شوربے، کھانے اور دودھ کو گوشت نہیں کہا جاسکتا (یعنی یہ حکم صرف گوشت کھانے کی صورت میں ہے) اور یہ امور تو فیہی ہیں، قیاس کا ان میں کوئی دخل نہیں۔ واللہ اعلم۔

شیخ ابن باز

وضوء کی دعائیں، کیا غسل، وضوء سے بھی کفایت کرتا ہے؟

سوال

جواب

کیا وضوء کرتے وقت دعائیں پڑھنی چاہئیں؟ کیا غسل وضوء سے بھی کفایت کرتا ہے؟ وضوء کے وقت تسمیہ واجب ہے۔ وضوء کرنے والے کو کلی کرتے یا اس سے پہلے ہاتھ دھوتے وقت بسم اللہ پڑھنا چاہئے اور جب وضوء سے فارغ ہو جائے تو آسمانوں کی طرف نظر اٹھا کر یہ دعاء پڑھے:

«أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، اللَّهُمَّ اجْعَلْنِي مِنَ التَّوَّابِينَ وَاجْعَلْنِي مِنَ الْمُتَطَهِّرِينَ» (جامع الترمذی، کتاب الطہارۃ، باب ما یقال بعد الوضوء، ح: ۵۵، وقال الترمذی فی اسنادہ اضطراب قال محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ، اسنادہ صحیح رجالہ کلہم ثقات رجال مسلم)

”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی (حقیقی) معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اے اللہ! تو مجھے بکثرت سے توبہ کرنے والوں میں شامل کر لے اور مجھے خوب پاک صاف رہنے والوں میں داخل فرما دے۔“

وضوء کر کے کھڑے ہوتے وقت کفارہ مجلس والی یہ دعاء بھی پڑھ سکتا ہے:

«سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ» (اخرجه النسائي في عمل اليوم والليلة، ص: ۱۷۳، وصححه الحاكم والذهبي وابن حجر انظر ارواء الغليل، ۱/۱۳۵، ۲/۳۲۵)

”پاک ہے تو اے اللہ! اور تیری ہی حمد و ثنا ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور اپنے (گناہوں سے) توبہ کرتا ہوں۔“

اس کے علاوہ وضوء کی اور کوئی دعاء صحیح سند سے ثابت نہیں ہے۔

جس شخص پر غسل واجب ہو تو اس کے لئے مسنون طریقہ یہ ہے کہ غسل سے پہلے مکمل وضوء کر لے، پھر غسل کرے اور حالت غسل میں آلہ تناسل یا شرم گاہ کو ہاتھ نہ لگائے تاکہ اس کا وضوء نہ ٹوٹے، اگر اس طرح غسل کرے گا تو اسے دوبارہ وضوء کرنے کی ضرورت نہ ہوگی اور اگر وضوء نہ کرے بلکہ غسل پر ہی اکتفاء کر لے اور اعضاء وضوء کو ترتیب سے دھوئے تو پھر بھی ان شاء اللہ یہ غسل وضوء سے کفایت کرے گا۔

شیخ ابن جریر

اونٹ کے گوشت کے شوربے سے وضوء نہیں ٹوٹتا

سوال اس میں کیا حکمت ہے کہ اونٹ کے گوشت سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے؟ کیا اونٹ کے گوشت کے شوربے سے بھی وضوء باطل ہو جاتا ہے؟

جواب یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اونٹ کا گوشت کھانے سے وضوء کا حکم دیا لیکن ہمارے لئے آپ ﷺ نے حکمت کو بیان نہیں فرمایا، ہمیں صرف اس قدر علم ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ حکیم و علیم ہے، وہ اپنے بندوں کو صرف اسی بات کا حکم دیتا ہے، جس میں ان کے لئے دنیا و آخرت کی خیر و بھلائی ہو اور صرف اسی بات سے منع فرماتا ہے، جو دنیا و آخرت میں ان کے لئے نقصان دہ ہو۔ مسلمان کے لئے واجب یہ ہے کہ وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ادا امر (حکموں) کو قبول کرے اور ان کے مطابق عمل کرے خواہ اسے حکمت معلوم نہ بھی ہو اور جس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہو اس سے باز رہے خواہ اس کی حکمت معلوم نہ بھی ہو کیونکہ بندہ تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا مامور ہے، اسے پیدا ہی اس لئے کیا گیا ہے لہذا یہ ایمان رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ حکیم و علیم ہے اسے سر اطاعت جھکا دینا چاہئے اور اگر اسے حکمت کا علم ہو جائے تو یہ سراپا خیر ہے۔

اونٹ کے گوشت کے شوربے یا اونٹ کے دودھ پینے سے وضوء باطل نہیں ہوتا بلکہ خاص طور پر گوشت کھانے سے باطل ہوتا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«تَوَضَّؤُوا مِنْ لُحُومِ الْإِبِلِ وَلَا تَتَوَضَّؤُوا مِنْ لُحُومِ الْغَنَمِ» (جامع الترمذی، کتاب الطہارۃ، باب ما جاء فی الوضوء من لحوم الابل، ح: ۸۱، وسنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب الوضوء من لحوم الابل، ح: ۱۸۴)

”اونٹ کا گوشت کھانے سے وضوء کرو اور بکری کا گوشت کھانے سے وضوء نہ کرو۔“

ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ!:

«أَتَتَوَضَّؤُا مِنْ لُحُومِ الْإِبِلِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: أَتَتَوَضَّؤُا مِنْ لَحْمِ الْغَنَمِ؟ قَالَ: إِنْ

شئت» (صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب الوضوء من لحوم الابل، ح: ۳۶۰)

”کیا ہم اونٹ کا گوشت کھانے سے وضوء کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں“ اس نے عرض کیا کیا بکری کا گوشت

کھانے سے وضوء کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”اگر چاہو تو کر لو“

یہ دونوں حدیثیں صحیح اور نبی کریم ﷺ سے ثابت ہیں۔

شیخ ابن باز

وضوء سے پہلے بسم اللہ پڑھنا

سوال میں نے وضوء شروع کیا اور ہاتھ دھونے کے بعد یاد آیا کہ میں نے بسم اللہ نہیں پڑھی لہذا مجھے جب بھی یاد آ جاتا ہے تو میں وضوء دوبارہ شروع کر دیتا ہوں، اس بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب جمہور اہل علم کا مذہب ہے کہ تسمیہ کے بغیر بھی وضوء صحیح ہے۔ بعض اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ جب علم ہو اور

یا رہی ہو تو تسمیہ واجب ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«لَا وُضُوءَ لِمَنْ لَمْ يَذْكُرِ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ» (جامع الترمذی، کتاب الطہارۃ، باب ما جاء فی التسمیۃ عند الوضوء، ح: ۲۵، وسنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ وستنہا، باب ما جاء فی التسمیۃ فی الوضوء، ح: ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹)

”جو شخص اللہ تعالیٰ کا نام نہ لے اس کا وضوء نہیں۔“

لیکن جو شخص بھولنے یا جمالت کی وجہ سے تسمیہ نہ پڑھ سکے اس کا وضوء صحیح ہے اور اگر تسمیہ کو واجب قرار دیں تو پھر بھی اس کے لئے وضوء کا اعادہ نہیں ہے کیونکہ یہ شخص جمالت اور نسیان کی وجہ سے معذور ہے اور اس مسئلہ میں دلیل حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ میں سکھائی گئی دعاء ہے:

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا﴾ (البقرہ ۲/۲۸۶)

”اے ہمارے پروردگار اگر ہم سے بھول یا چوک ہو گئی ہو تو ہم سے مواخذہ نہ کرنا!“

اور صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”اللہ نے اس دعاء کو شرف قبولیت سے سرفراز فرما دیا ہے۔“

شیخ ابن باز

نیند سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے

سوال میں نے دیکھا ہے کہ بعض لوگ ظہر یا عصر سے پہلے بیت الحرام میں سو جاتے ہیں پھر جب انہیں نماز کے لئے بیدار کرنے والا آتا ہے تو وہ وضوء کئے بغیر نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بعض عورتیں بھی اسی طرح کرتی ہیں۔ براہ کرم مطلع فرمائیے کہ اس کا کیا حکم ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔

جواب نیند اگر اس قدر گہری ہو کہ اس سے شعور زائل ہو جائے تو اس سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ صحابی جلیل حضرت صفوان بن عسال مرادی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

«أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، إِذَا كُنَّا مُسَافِرِينَ أَنْ لَا تَنْزِعَ خِفَافَنَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيْلِيَهُنَّ إِلَّا مِنْ جَنَابَةٍ وَلَكِنْ مِنْ غَائِطٍ وَبَوْلٍ وَنَوْمٍ» (جامع الترمذی، کتاب الطہارۃ، باب المسح علی الخفین للمسافر والمقیم، ح: ۹۵، وسنن نسائی، کتاب الطہارۃ، باب التوقیت فی المسح علی الخفین للمسافر، ح: ۱۲۷، وصححه ابن خزیمہ)

”رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ جب ہم مسافر ہوں تو بول و براز اور نیند کی وجہ سے تین دن اور تین راتوں تک اپنے موزوں کو نہ اتاریں ہاں حالت جنابت ہو تو پھر اتارنا ہو گا۔“

اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«الْعَيْنُ وَكَأَنَّ السَّهْ، فَإِذَا نَامَتِ الْعَيْنَانِ اسْتَطْلَقَ الْوِكَاءُ» (مسند احمد، ۹۶/۴، وسنن دارمی، کتاب الطہارۃ، باب الوضوء من النوم، ح: ۷۲۲، والسنن الکبریٰ، کتاب الطہارۃ، باب الوضوء من النوم، ح: ۵۸۲، وفي سنده ضعف، لكن له شواهد تعضده كحديث صفوان المذكور وبذلك يكون حديث حسنًا)

”آنکھ شرم گاہ کا تسمہ ہے لہذا جب آنکھیں سو جاتی ہیں تو یہ تسمہ ڈھیلا پڑ جاتا ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ جو مرد اور عورتیں مسجد حرام میں یا کسی دوسری جگہ سوئیں ان کی طہارت ختم ہو جاتی ہے لہذا انہیں وضوء کرنا چاہئے۔ اگر کسی نے وضوء کے بغیر نماز پڑھی تو اس کی نماز صحیح نہیں ہوگی۔ شرعی وضوء یہ ہے کہ کلی اور ناک کی صفائی کے ساتھ منہ دھویا جائے، کمینوں تک ہاتھوں کو دھویا جائے، کانوں سمیت سر کا مسح کیا جائے اور دونوں ٹخنوں سمیت دونوں پاؤں کو دھویا جائے۔ نیند، خروج، شرم گاہ کو ہاتھ لگنے اور اونٹ کا گوشت کھانے کی صورت میں استنجاء کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

وضوء سے پہلے استنجاء یا ڈھیلوں کا استعمال خاص طور پر بول و براز یا ان کے ہم معنی حالتوں میں واجب ہوتا ہے۔ اونگھ سے وضوء نہیں ٹوٹتا کیونکہ اس سے شعور ختم نہیں ہوتا اور اسی سے اس باب میں وارد مختلف احادیث میں تطہیر بھی ہو جاتی۔ واللہ ولی التوفیق!

شیخ ابن باز

کیا سابقہ طہارت میں شگ کی بنا پر نماز کو دوہرایا جائے

سوال ایک آدمی وضوء کر رہا تھا کسی نے دیکھا کہ اس کے پاؤں میں تھوڑی سی جگہ خشک رہ گئی ہے، دوبارہ پھر ایک دفعہ دیکھا کہ اس کے پاؤں میں اس کے مشابہ تھوڑی سی جگہ پھر خشک رہ گئی ہے، جس کی وجہ سے شگ ہو گیا کہ یہ پہلے بھی وضوء صحیح نہیں کرتا رہا ہے نیز شگ ہوا کہ شاید یہ پہلے غسل جنابت بھی صحیح نہیں کرتا رہا ہے۔ کیا یہ شخص اپنی نماز کو دوہرائے یا کیا کرے؟

جواب سائل کا ایک یا دو دفعہ یہ دیکھنا کہ وضوء کرتے ہوئے اس کے پاؤں میں تھوڑی سی ایسی جگہ خشک رہ گئی ہے جہاں پانی نہیں پہنچا، اس کے یہ معنی نہیں کہ اس کی باقی ساری طہارتیں بھی صحیح نہ تھیں کیونکہ اصل یہی ہے کہ (ان شاء اللہ) اس نے صحیح وضوء کیا ہو گا اور شکوک و شبہات سے اصل نہیں ٹوٹتا اسی طرح غسل جنابت کے بارے میں بھی یہی کہا جائے گا کہ وہ صحیح کرتا رہا ہے لہذا اسے سابقہ نمازوں کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

فتویٰ کمیٹی

نیند سے بیدار ہو کر وضوء کئے بغیر نماز پڑھنا

سوال میں نے بعض حاجیوں کو دیکھا ہے کہ وہ رات کی نماز پڑھنے کے بعد چٹ لیٹ کر گہری نیند سو گئے اور پھر بوقت صبح جب بیدار ہوئے تو بلا تجدید وضوء صبح کی نماز پڑھی، اس نماز کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اگر صورت حال اسی طرح جیسے آپ نے ذکر کی ہے تو نماز پڑھ کر چٹ لیٹ کر گہری نیند سونے والے کا علماء کے صحیح قول کے مطابق وضوء ٹوٹ گیا لہذا اس نیند کے بعد بلا وضوء پڑھی ہوئی اس کی نماز باطل ہوگی کیونکہ حضرت علیؓ سے روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«الْعَيْنُ وَكَأُ السَّهِّ، فَمَنْ نَامَ فَلْيَسَوْضًا» (سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب في الوضوء من النوم،

ح: ۲۰۳، وسنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ، باب الوضوء من النوم، ح: ۴۷۷ وسنن احمد، ۱/ ۱۱۱)

”آنکھ شرم گاہ کا تمہ ہے لہذا جو شخص سوجائے تو وہ وضوء کرے۔“

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی جو یہ روایت ہے کہ:

«كَانَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، يَنْتَظِرُونَ الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ حَتَّى تَحْفِقَ رُؤُسُهُمْ ثُمَّ يَصَلُّونَ وَلَا يَتَوَضَّؤْنَ» (سنن أبي داود، کتاب الطہارۃ، باب فی الوضوء من النوم، ح: ۲۰۰)

”رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام عشاء کی نماز کا انتظار کرتے حتیٰ کہ ان کے سر جھکنے لگتے، پھر وہ نماز پڑھتے اور وضوء نہ کرتے۔“

تو یہ حدیث ہماری اور معمولی نیند (اونگھ) پر محمول ہے، جس سے وضوء نہیں ٹوٹتا اور اسی سے دونوں حدیثوں میں تطبیق ممکن ہوگی اور پھر حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث کے عموم کا بھی یہی تقاضا ہے کہ:

«كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، يَأْمُرُنَا إِذَا كُنَّا فِي سَفَرٍ أَلَّا نَنْزِعَ خِفَافَنَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ إِلَّا مِنْ جَنَابَةٍ وَلَكِنْ مِنْ غَائِطٍ وَبَوْلٍ وَنَوْمٍ» (جامع الترمذی، کتاب الطہارۃ، باب المسح علی الخفین للمسافر والمقیم، ح: ۹۵، وسنن نسائی، کتاب الطہارۃ، باب التوقیت فی المسح علی الخفین للمسافر، ح: ۱۲۷ وصححه ابن خزيمة)

”رسول اللہ ﷺ ہمیں یہ حکم دیا کرتے تھے کہ ہم بول و براز اور نیند کی وجہ سے تین دن اور تین راتوں تک اپنے موزوں کو نہ اتاریں مگر حالت جنابت میں انہیں اتارنا ہوگا۔“

_____ فتویٰ کمیٹی _____

پانی کی موجودگی میں تیمم

.. الْحَمْدُ لِلَّهِ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَمَنْ وَالَاهُ - أَمَّا بَعْدُ

مجھے بعض قابل اعتماد لوگوں نے یہ بتایا ہے کہ کچھ بادیہ نشین لوگ پانی کی وافر مقدار کی موجودگی کے باوجود تیمم کرتے ہیں حالانکہ یہ بہت بری بات ہے، اس کے بارے میں تنبیہ کرنا واجب ہے۔ وضوء نماز کی صحت کے لئے شرط ہے بشرطیکہ پانی موجود ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَتَأْتِيَ الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَرُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ يَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ﴾ (المائدة ۶/۵)

”مومنو! جب تم نماز پڑھنے کا قصد کیا کرو تو منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھو لیا کرو اور سر کا مسح کر لیا کرو اور ٹخنوں تک پاؤں دھو لیا کرو اور اگر نہانے کی ضرورت ہو تو (نہاں پاک ہو جایا کرو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی بیت الخلاء سے ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ہم بستر ہوئے ہو اور تمہیں پانی نہ مل سکے تو

پاک مٹی سے اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح (یعنی تیمم) کر لو۔“
اور صحیح بخاری و مسلم میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تُقْبَلُ صَلَاةٌ أَحَدِكُمْ إِذَا أَحَدَثَ حَتَّى يَتَوَضَّأَ» (صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب لا تقبل

صلاة بغير طهور، ح: ۱۳۵ و صحیح مسلم، کتاب الطہارة، باب وجوب الطہارة للصلاة، ح: ۲۲۴)

”جو شخص بے وضوء ہو جائے وہ جب تک وضوء نہ کرے اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔“

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے تیمم کو جائز قرار دیا اور اسے وضوء کے قائم مقام قرار دیا ہے، جب پانی موجود نہ ہو یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے آدمی پانی کے استعمال سے عاجز ہو جیسا کہ سابقہ آیت سے ثابت ہے، نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَرَىٰ حَتَّى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي

سَبِيلٍ حَتَّى تَغْتَسِلُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ

فَلَمْ يَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُورًا غَفُورًا ﴿٤٣﴾

(النساء/۴۳)

”مومنو! جب تم نشے کی حالت میں ہو تو جب تک (ان الفاظ کو) جو منہ سے کہو سمجھنے (نہ) لگو، نماز کے پاس نہ جاؤ اور جنابت کی حالت میں بھی (نماز کے پاس نہ جاؤ) جب تک کہ غسل (نہ) کر لو ہاں اگر بحالت سفر راستے پر چلے جا رہے ہو اور پانی نہ ملنے کے سبب غسل نہ کر سکو تو تیمم کر کے نماز پڑھ لو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی بیت الخلاء سے ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ہم بستر ہوئے اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح (کر کے) تیمم کر لو بلاشبہ اللہ معاف کرنے والا (اور) بخشنے والا ہے۔“

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

«كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي سَفَرٍ فَصَلَّى بِالنَّاسِ فَإِذَا هُوَ بِرَجُلٍ مُعْتَرِلٍ، فَقَالَ: مَا

مَنْعَكَ أَنْ تُصَلِّيَ مَعَنَا؟ قَالَ: أَصَابَتْنِي جَنَابَةٌ وَلَا مَاءَ قَالَ ﷺ عَلَيْكَ بِالصَّعِيدِ فَإِنَّهُ يَكْفِيكَ»

(صحیح بخاری، کتاب التیمم، باب الصعید الطیب وضوء المسلم یكفیه عن الماء، ح: ۳۴۴، ۳۴۸،

(۳۵۷)

”ہم نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی تو ایک شخص کو دیکھا کہ وہ الگ تھلگ

بیٹھا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ ”تم نے نماز کیوں نہیں پڑھی؟“ اس نے عرض کیا ”میں حالت جنابت میں

ہوں اور یہاں پانی نہیں ہے“ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”تم مٹی استعمال کر لیتے تمہارے لئے یہی کافی ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ جب پانی موجود ہو اور استعمال کی قدرت بھی ہو تو پھر نماز کے لئے تیمم جائز نہیں ہے بلکہ مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ جہاں بھی ہو وضوء اور غسل جنابت کے لئے پانی استعمال کرے۔ جب تک اسے پانی کے استعمال کی قدرت ہو تو پانی کے استعمال کے ترک اور تیمم پر اکتفاء کرنے میں وہ معذور تصور نہ ہو گا، اس کی نماز بھی صحیح نہ ہوگی کیونکہ اس طرح نماز کی ایک شرط فوت ہے اور وہ ہے بوقت قدرت پانی کے ساتھ طہارت۔ لیکن بہت سے بادیہ نشین -- اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرمائے اور دیگر لوگ جب سیر و تفریح کے لئے جاتے ہیں تو کثیر مقدار میں پانی کی موجودگی کے

باوجود تیمم کرتے ہیں حالانکہ پانی تک پہنچنا بھی آسان ہوتا ہے، تو بلاشک و شبہ یہ تساہل عظیم اور عمل قبیح ہے، جو اولہ شرعیہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے ہرگز جائز نہیں۔ تیمم کے لئے تو مسلمان کو اسی وقت معذور سمجھا جائے گا جب پانی اس سے دور ہو یا یہ کہ اس کے پاس بہت ہی معمولی مقدار میں پانی ہو، جسے اس نے اپنی، اپنے اہل و عیال اور اپنے جانوروں کی زندگی بچانے کے لئے محفوظ رکھا ہو۔ ہر مسلمان کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی ہو، تمام امور میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے، اللہ تعالیٰ نے جن امور کو واجب قرار دیا ہے، ان کی پابندی کرے اور انہی امور میں سے بوقت قدرت پانی کے ساتھ وضوء کرنا بھی ہے۔ اسی طرح مسلمان پر یہ بھی لازم ہے کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے ان سے بچے اور ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ پانی کے استعمال کی قدرت کے باوجود تیمم نہ کرے۔ میں اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ وہ ہمیں اور سب مسلمانوں کو دین میں سمجھ بوجھ اور ثابت قدمی عطا فرمائے اور اپنے نفسوں کی شرارتوں اور برے اعمال سے محفوظ رکھے۔ انہ جواد کریم۔ وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ۔

شیخ ابن باز

جو شخص کسی عضو کے دھونے یا مسح کرنے سے عاجز ہو تو وہ اس کے بجائے تیمم کرے

سوال اگر انسان وضوء کرے اور اس کے ہاتھ میں زخم ہو جسے پانی نہیں لگنے دینا اور وہ اس کے عوض تیمم کرتا ہے لیکن ایک دفعہ وہ بھول گیا اور اس نے تیمم کے بغیر نماز شروع کر لی اور اسے اس وقت یاد آیا جب وہ نماز میں تھا تو اس نے نماز قطع کئے بغیر ہی تیمم کر لیا اور نماز کو جاری رکھا تو اس نماز کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ نماز باطل ہے یا صحیح ہے؟

جواب اگر وضوء کے مقاتل میں سے کسی جگہ زخم ہو کہ اسے دھونا یا اس پر مسح کرنا ممکن نہ ہو کہ اس سے زخم کے بڑھ جانے یا شفا یابی کے مؤخر ہونے کا اندیشہ ہو تو اس شخص کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ تیمم کر لے، جو شخص زخم کی جگہ کو چھو ڈر وضوء کر لے اور نماز کو شروع کر لے اور دوران نماز یاد کر لے کہ اس نے زخم کی جگہ کے بدلے تیمم نہیں کیا تو وہ تیمم کر لے اور نماز کو دوبارہ شروع کر لے کیونکہ زخم کے تیمم کے بغیر اس نے جو نماز پڑھی ہے، وہ صحیح نہیں ہے، اس کی تکبیر تحریمہ بھی صحیح نہ ہوگی یعنی نماز شروع کرنا ہی صحیح نہ ہوگا کیونکہ طہارت، صحت نماز کی شرطوں میں سے ایک شرط ہے اور وضوء کے مقامات میں سے کسی مقام یا اس مقام کے کسی حصہ کو ترک کر دینے سے وضوء صحیح نہ ہوگا۔

«رَأَى النَّبِيُّ ﷺ رَجُلًا فِي قَدَمِهِ قَدْرَ الدَّرْهِمِ لَمْ يُصِبْهُ الْمَاءُ فَأَمَرَهُ بِإِعَادَةِ الْوُضُوءِ» (سنن

ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب تفریق الوضوء، ح: ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵)

”نبی کریم ﷺ نے جب ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے پاؤں میں ایک درہم کے برابر جگہ خشک ہے جسے پانی نہیں پہنچا تو آپ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ وہ دوبارہ وضوء کرے۔“

یہ شخص جس کے بارے میں سوال کیا گیا ہے اس کے لئے اگر غسل اور مسح میں دشواری اور معذوری ہو تو اس کے لئے واجب ہے کہ وہ اس کے بدلے یعنی تیمم کو اختیار کرے، حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے عموم کا یہی تقاضا ہے:

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ﴾ (النساء/ ۴۳)

”اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی بیت الخلاء سے ہو کر آیا ہو یا تم نے عورتوں سے ہم بستری کی ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی لو اور منہ اور ہاتھوں کا مسح (کر کے تیمم) کر لو۔“

زخم والے صحابی کے قصہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَوْ غَسَلَ جَسَدَهُ وَتَرَكَ رَأْسَهُ حَيْثُ أَصَابَهُ الْجِرَاحُ» (سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ وسننہا، باب فی المجرور تصبیہ الجنابة فیخاف علی نفسه، ح: ۵۷۲)

”اے چاہئے تھا کہ اپنے جسم کو دھو لیتا اور سر میں جہاں زخم تھا اسے چھوڑ دیتا۔“

اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيهِ أَنْ يَتِيمَمَ» (سنن أبي داود، کتاب الطہارۃ، باب المجدور يتيمم، ح: ۳۳۶)

”اے تیمم کرنا ہی کافی تھا۔“

اگر اس شخص نے جس کے بارے میں سوال کیا گیا ہے، نماز کو نہیں دوہرایا تو اسے دوہرانا چاہئے۔

فتویٰ کمیٹی

جائے نماز پر تیمم کرنا

سوال ایک شخص ہسپتال میں داخل ہے، وہ وضوء سے تو عاجز ہے لہذا وہ نماز کے لئے تیمم کر لیتا ہے لیکن وہ تیمم جائے نماز پر کرتا ہے، تو کیا اس کی نماز صحیح ہوگی؟

جواب مریض کو نماز کے لئے اگر طاقت ہو تو وضوء کرنا چاہئے، اگر وضوء سے عاجز ہو تو اس مٹی کے ساتھ تیمم کرے جس میں غبار ہو بشرطیکہ اس کے حصول کی اسے قدرت ہو اور اگر یہ اس کی طاقت سے باہر ہو تو وہ ہموار زمین پر، جس پر غبار ہو، تیمم کرے یا بستر پر غبار ہو تو اس سے تیمم کرے، بستر پر غبار نہ ہو تو جو زمین اس کے قریب ترین ہو، یا جہاں اسے پہنچنا آسان ہو، اس سے تیمم کرے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَأَنْقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن ۱۶/۶۴)

”سو جہاں تک ہو سکے تم اللہ سے ڈرو۔“

نیز فرمایا:

﴿لَا تُكَلِّفُ نَفْسًا وِزْرًا وَلَا وِزْرًا﴾ (البقرہ ۲/۲۳۳)

”کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی۔“

شیخ ابن جبرین

عورت کے غسل جنابت اور غسل حیض کا طریقہ

سوال کیا مرد اور عورت کے غسل جنابت میں کوئی فرق ہے؟ عورت کے لئے بالوں کا کھولنا ضروری ہے یا اس کے لئے سر پر پانی کے تین چلو ڈالنا ہی کافی ہے؟ غسل جنابت اور غسل حیض میں کیا فرق ہے؟

جواب مرد اور عورت کے غسل جنابت میں کوئی فرق نہیں، ان میں سے کسی کو بھی غسل کے لئے بال کھولنے کی ضرورت نہیں بلکہ سر پر پانی کے تین چلو ڈالنا اور پھر سارے جسم پر پانی بہا لینا کافی ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ:

«إِنِّي امْرَأَةٌ أَشَدُّ ضَفَرَ رَأْسِي أَفَأَنْقُضُهُ لِلْجَنَابَةِ؟ قَالَ: لَا، إِذَا مَا يَكْفِيكَ أَنْ تَحْتِثِي عَلَى رَأْسِكَ ثَلَاثَ حَتِيَّاتٍ، ثُمَّ تُبْرِئِينَ عَلَيْنِكَ الْمَاءَ فَتَطْهَرِينَ» (صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب حکم صفائر المغتسلة، ح: ۳۳۰، وسنن أبي داود، کتاب الطهارة، باب في المرأة هل تنقض شعرها عند الغسل، ح: ۲۵۱، جامع الترمذي، کتاب الطهارة، باب هل تنقض المرأة شعرها عند الغسل، ح: ۱۰۵)

”میں اپنے سر کے بالوں کو مضبوطی سے باندھتی ہوں تو کیا میں انہیں غسل جنابت کیلئے کھولوں؟ آپ نے فرمایا ”نہیں بلکہ تمہیں اسی قدر کافی ہے کہ اپنے سر پر پانی کے تین چلو ڈال لو اور پھر سارے جسم پر پانی بہا کر پاک ہو جاؤ۔“

اگر مرد یا عورت کے سر پر بھری وغیرہ کے پتے یا مندی لگی ہو جس کی وجہ سے بالوں کی جڑوں تک پانی نہ پہنچتا ہو تو ان چیزوں کو دور کر کے بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانا واجب ہے۔ اور اگر یہ چیزیں خفیف ہوں کہ پانی بالوں کی جڑوں تک پہنچنے میں رکاوٹ نہ بنتی ہوں، تو پھر ان کو دور کرنا واجب نہیں ہے۔

غسل حیض کے لئے عورت کے بالوں کے کھولنے کے وجوب کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ عورت کے لئے غسل حیض میں بالوں کا کھولنا واجب نہیں ہے کیونکہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ:

«إِنِّي امْرَأَةٌ أَشَدُّ ضَفَرَ رَأْسِي أَفَأَنْقُضُهُ لِلْجَنَابَةِ؟ قَالَ: لَا، إِذَا مَا يَكْفِيكَ أَنْ تَحْتِثِي عَلَى رَأْسِكَ ثَلَاثَ حَتِيَّاتٍ، ثُمَّ تُبْرِئِينَ عَلَيْنِكَ الْمَاءَ فَتَطْهَرِينَ» (صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب حکم صفائر المغتسلة، ح: ۳۳۰، وسنن أبي داود، کتاب الطهارة، باب في المرأة هل تنقض شعرها عند الغسل، ح: ۲۵۱، جامع الترمذي، کتاب الطهارة، باب هل تنقض المرأة شعرها عند الغسل، ح: ۱۰۵)

”میں اپنے سر کی مینڈھیوں کو بہت مضبوطی سے باندھتی ہوں تو کیا غسل حیض و جنابت کے لئے انہیں کھولوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”نہیں بلکہ تمہیں یہی کافی ہے کہ اپنے سر پر پانی کے تین چلو ڈال لو اور پھر سارے جسم پر پانی ڈال کر پاک ہو جاؤ۔“

یہ روایت نص ہے کہ عورت کے لئے غسل جنابت و حیض میں سر کے بالوں کو کھولنا واجب نہیں ہے، لیکن افضل یہ ہے کہ احتیاط کے طور پر غسل حیض میں بالوں کو کھول لے۔ اس سے اختلاف بھی ختم ہو جائے گا اور تمام دلائل میں تطہیق بھی ہو جائے گی۔ ((وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

فتویٰ کمیٹی

پہلے غسل کرو

سوال

میں حالت جنابت میں تھا، بیدار ہوا تو سورج نکلنے والا تھا، اگر غسل شروع کر دیتا تو سورج طلوع ہو جاتا، اس

حالت میں کیا تیمم کر کے نماز پڑھ لوں یا غسل کر کے نماز پڑھوں؟

جواب پہلے غسل کرو، طہارت کو مکمل کرو اور پھر نماز پڑھو، اس حالت میں تیمم جائز نہیں ہے، جو شخص بھول جائے یا سویا رہے، اس کو حکم ہے کہ وہ جلدی سے نماز پڑھ لے۔ اس کا کوئی کفارہ وغیرہ نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«مَنْ نَامَ عَنِ الصَّلَاةِ أَوْ نَسِيَهَا فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا لَا كَفَّارَةَ لَهَا إِلَّا ذَلِكَ» (صحیح بخاری، کتاب مواقیب الصلاة، باب من نسي صلاة فليصل إذا ذكر... ح: ۵۹۷، وصحیح مسلم، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب قضاء الصلاة الفائتة، ح: ۶۸۴)

”جو شخص نماز سے سو جائے یا بھول جائے تو اسے جب یاد آئے پڑھ لے، اس کا صرف یہی کفارہ ہے۔“

اور یہ بات معلوم ہے کہ طہارت کے بغیر نماز نہیں ہوتی کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«لَا تُقْبَلُ صَلَاةٌ بِغَيْرِ طَهْوَرٍ»

صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب وجوب الطہارۃ للصلاة ح: ۲۲۴

”طہارت کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی۔“

جس شخص کے پاس پانی موجود ہو اس کی طہارت پانی سے ہوگی اور جس شخص کے پاس پانی موجود نہ ہو تو اسے تیمم

کرنا ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَمْ يَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِرُءُوسِهِمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ﴾ (المائدة ۶/۵)

”تمہیں پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی سے اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح (یعنی تیمم) کر لو۔“

ہاں یہ بھی واجب ہے کہ نماز کے بارے میں خصوصی توجہ اور اہتمام سے کام لو، سرہانے الارم لگا کر رکھ لو یا گھر والوں

میں سے کسی کو کہو کہ وقت ہو جائے تو وہ آپ کو بیدار کر دیں تاکہ آپ فریضہ کو اپنے مسلمان بھائیوں کے ہمراہ اللہ تعالیٰ

کے گھر میں ادا کر سکیں اور ان منافقوں کی مشابہت سے بچ سکیں، جو نماز کو تاخیر سے ادا کرتے اور سست کھڑے ہو کر پڑھتے

ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں، آپ کو اور تمام مسلمانوں کو منافقین کی صفات اور اخلاق سے محفوظ رکھے۔ واللہ ولی التوفیق

شیخ ابن باز

جب احتلام کا کوئی نشان نہ ہو

سوال بسا اوقات نیند سے بیدار ہونے پر یاد آتا ہے کہ احتلام ہوا تھا لیکن اس کا کوئی نشان نظر نہیں آتا تو کیا اس

صورت میں غسل واجب ہے یا نہیں؟

جواب احتلام ہونے پر صرف اسی صورت میں غسل واجب ہے جب آدمی پانی یعنی منی دیکھے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا

ارشاد ہے کہ:

«الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ» (صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب بيان أن الجماع كان في أول الإسلام لا يوجب

... ح: ۳۴۳)

”پانی کا استعمال پانی (دیکھنے کی صورت میں) ہے۔“

یعنی غسل کے لئے پانی استعمال کرنے کی اس وقت ضرورت ہے جب منی کا خروج ہوا ہو۔ اہل علم کے نزدیک یہ حکم محکم کے لئے ہے۔ لیکن جو شخص اپنی بیوی سے مباشرت کرے تو اس کے لئے غسل فرض ہے خواہ پانی خارج نہ بھی ہوا ہو کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«إِذَا مَسَّ الْخِتَانُ الْخِتَانَ فَقَدْ وَجِبَ الْغُسْلُ» (صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب الماء من الماء وجوب الغسل بالنقاء الختانی، ح: ۳۴۹)

”جب مرد کا ختنے کا مقام عورت کے ختنے کے مقام سے مل جائے تو اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔“

نبی کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

«إِذَا جَلَسَ بَيْنَ شُعْبَيْهَا الْأَرْبَعِ ثُمَّ جَهَدَهَا فَقَدْ وَجِبَ عَلَيْهِ الْغُسْلُ» (صحیح بخاری، کتاب الغسل، باب إذا التقى الختانان، ح: ۲۹۱، و صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب الماء من الماء، وجوب الغسل بالنقاء الختانی، ح: ۳۴۸)

”مرد جب عورت کی چاروں شاخوں کے درمیان بیٹھ جائے اور کوشش کرے تو اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔“

صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ:

«وَإِنْ لَمْ يَنْزِلْ» (صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب الماء من الماء ...، ح: ۳۴۸)

”خواہ انزال نہ ہو“

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ام سلیم انصاریہ یہ حضرت انس کی والدہ ہیں رضی اللہ عنہا نے کہا یا رسول اللہ! «إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْبِي مِنَ الْحَقِّ فَهَلْ عَلَى الْمَرْأَةِ مِنْ غُسْلِ إِذَا احْتَلَمَتْ؟ فَقَالَ ﷺ: نَعَمْ إِذَا رَأَتْ الْمَاءَ» (صحیح بخاری، کتاب الغسل، باب إذا احتلمت المرأة، ح: ۲۸۲، و صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب وجوب الغسل على المرأة بخروج المني منها، ح: ۳۱۳)

”اللہ تعالیٰ حق بات سے نہیں شرماتا، کیا عورت کو احتلام ہو جائے تو اس پر بھی غسل ہے؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”ہاں جب پانی دیکھے۔“

تمام اہل علم کے نزدیک یہ حکم مردوں اور عورتوں سب کے لئے ہے۔ واللہ ولی التوفیق

شیخ ابن باز

جنسی انسان کا چیزوں کو ہاتھ لگانا

سوال مرد اور عورت جب مباشرت کریں تو کیا غسل کرنے سے پہلے کسی چیز کو ہاتھ لگانا جائز ہے؟ اس حالت میں ہاتھ لگانے سے چیز ناپاک تو نہ ہوگی؟

جواب ہاں جنسی کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ غسل سے قبل کپڑوں، برتنوں اور ہینڈیوں وغیرہ کو ہاتھ لگا سکتا ہے۔ مرد اور عورت دونوں کے لئے یہ جائز ہے کیونکہ وہ نجس نہیں ہیں اور نہ ان کے ہاتھ لگانے سے چیزیں نجس ہوں گی!

شیخ ابن باز

غسل جنابت و حیض میں سر کی تکلیف کی وجہ سے مسح

سوال میں ایک شادی شدہ عورت اور سینہ کی الرجی کی مریض ہوں، مجھے سارا سال نزلہ رہتا ہے، میں کس طرح نماز پڑھوں؟ کیا میں غسل کر لوں اور سر کو دھوئے بغیر اس کا صرف مسح کر لوں؟ کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ جب سر کو ایک بار دھو لوں تو ہنٹے میں کئی بار نزلہ ہو جاتا ہے اور مجھے اکثر نماز چھوڑنا پڑتی ہے کیونکہ مجھے سر دھونے کی قدرت نہیں ہوتی اور میں صرف مسح کر سکتی ہوں اور اس کی وجہ سے مجھے بے حد قلق و اضطراب ہے اور میں بہت پریشان ہوں لیکن مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ دین بہت آسان ہے۔ امید ہے آپ اس سلسلہ میں میری قطعی راہنمائی فرمائیں گے تاکہ میں اطمینان سے زندگی بسر کر سکوں اور اپنے فرائض کو بھی مکمل طور پر ادا کر سکوں، میں استانی ہوں۔ کام کے لئے مجھے روزانہ گھر سے باہر نکلنا پڑتا ہے، ہوا لگ جائے تو کئی دن کے لئے صاحب فراش ہو جاتی ہوں کیونکہ میں مریضہ ہوں، اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ مجھے ازدواجی زندگی کی وجہ سے بہت پریشانی ہے کیونکہ خاوند کی اطاعت فرض ہے اور اس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت فرض ہے۔

جواب اگر غسل جنابت و حیض میں سر دھونے سے تمہیں تکلیف ہوتی ہے تو سر کا تیمم کے ساتھ مسح کرنا ہی کافی ہوگا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَأَنْقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن ۱۶/۶۴)

”سو جہاں تک ہو سکے تم اللہ سے ڈرو۔“

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«مَا نَهَيْتُمْ عَنْهُ فَاجْتَنِبُوهُ وَمَا أَمَرْتُكُمْ بِهِ فَأَتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ» (صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، ح: ۷۲۸۸، و صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب توفيقه ﷺ وترك اکتار سواله عما... ح: ۱۳۳۷)

”جس بات سے میں تمہیں منع کر دوں اس سے اجتناب کرو اور جس کا میں تمہیں حکم دوں، مقدور بھرا اس کی اطاعت بجالاؤ۔“

شیخ ابن باز

پیشاب کے ساتھ منی کا خارج ہونا

سوال مجھے احتلام ہوا تو میں نے غسل کیا اور صبح اپنے سکول چلا گیا۔ مجھے سکول میں مغرب کے بعد تک رہنا پڑتا ہے کیونکہ وہ میرے گھر سے بہت دور ہے اور اس میں صبح و شام کلاسیں ہوتی ہیں۔ جب میں وضوء کرنے گیا تو میں نے دیکھا کہ پیشاب کے ساتھ تھوڑی سے منی بھی خارج ہوئی ہے لیکن سردی کی شدت کے باعث میں غسل نہیں کر سکتا تھا لہذا میں نے وضوء کیا اور ظہر، پھر عصر اور پھر مغرب کی نمازیں پڑھ لیں۔ کیا میری یہ نمازیں صحیح ہیں یا نہیں؟ اور کیا یہ مجھے دوبارہ تو

نہیں پڑھنی چاہئیں؟

جواب اس حالت میں غسل واجب نہیں ہے کیونکہ پیشاب کے ساتھ خارج ہونے والی منی شہوت کے ساتھ نیک کر نہیں نکلی بلکہ یہ تو پیشاب کے ساتھ بہ کر نکلی ہے اسے ودی کہا جاتا ہے اور اگر منی احتلام کے بعد رک گئی اور منقل ہو گئی تھی اور غسل کے بعد خارج ہوئی تو پھر بھی دوبارہ غسل کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ ایک ہی دفعہ خارج ہونے والی منی ہے جس کی وجہ سے دو دفعہ غسل واجب نہ ہو گا۔ واللہ اعلم

شیخ ابن باز

مذی سے غسل واجب نہیں

سوال کیا مذی خارج ہونے سے غسل واجب ہو جاتا ہے؟

جواب خروج مذی سے غسل واجب نہیں ہوتا لیکن اگر نماز یا طواف یا قرآن مجید کو ہاتھ لگانے کا ارادہ ہو تو پھر آلہ تاسل اور خصیتین کو دھو کر وضوء کرنا واجب ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے جب اس کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«فِيهِ الْوُضُوءُ» (صحیح بخاری، کتاب العلم، باب من استحب فامر غیرہ بالسؤال، ح: ۱۳۲، و صحیح

مسلم، کتاب الحيض باب المذي، ح: ۳۰۳،

”اس میں وضوء ہے“

اور جس کی مذی خارج ہوئی ہو اسے آپ ﷺ نے حکم دیا کہ وہ آلہ تاسل اور خصیتین کو دھولے۔ غسل صرف منی سے واجب ہوتا ہے جب وہ نیک کر لذت کے ساتھ خارج ہو یا آدمی دن یا رات کو نیند سے بیدار ہونے کے بعد اس کا نشان دیکھے۔

شیخ ابن باز

جنسی کا دریا یا جوہڑ میں غسل کی نیت سے اترنا

سوال جب کوئی انسان جنسی ہو اور وہ کسی کنوئیں یا جوہڑ یا دریا میں اتر کر غسل جنابت کی نیت سے غسل کرے تو کیا اس کا یہ غسل صحیح ہو گا؟

جواب ہاں اس کا یہ غسل صحیح ہو گا بشرطیکہ پانی زیادہ ہو یعنی دو قلعے یا اس سے زیادہ ہو کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا جب آپ ﷺ سے جنگل میں اس پانی کے بارے میں سوال کیا گیا جسے درندے اور جانور بھی پیتے ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا كَانَ الْمَاءُ قُلَّتَيْنِ لَمْ يَحْمِلِ الْحَبَثُ» (سنن أبي داود، کتاب الطہارۃ، باب ما ینجس الماء،

ح: ۶۳، و صحیح ترمذی، کتاب الطہارۃ، باب منه آخر، ح: ۶۷، و صحیح ابن عزمۃ، وابن حبان والحاکم

والذہبی والنووی وقال الحافظ اسنادہ صحیح انظر ارواء الغلیل، ۱/ ۶۰)

”جب پانی دوقلے ہو تو وہ ناپاک نہیں ہوتا“

اور ایک روایت میں ہے کہ:

«لَمْ يَنْجَسُهُ شَيْءٌ» (سنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ وسنتھا، باب مقدار الماء الذي لا ينجس، ح: ۵۱۷، ۵۱۸، ومسند احمد، ۱/۲۳۵)

”اسے کوئی چیز ناپاک نہیں کر سکتی“ واللہ الموفق

فتویٰ کمیٹی

مخلم پر غسل کب واجب ہوتا ہے؟

سوال ایک شخص کا یہ عقیدہ ہے کہ اس احتلام سے غسل واجب ہوتا ہے، جس میں آدمی صریحاً عمل مباشرت دیکھے اور منی بھی خارج ہو اور اگر سوئے ہوئے منی تو خارج ہو لیکن عمل مباشرت نظر نہ آئے تو وہ غسل نہیں کرتا اور اس پر تقریباً آٹھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے، وہ پوچھتا ہے کہ ان سالوں کی نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب واضح ہو کہ خروج منی سے غسل واجب ہو جاتا ہے جب وہ حالت بیداری میں لذت کے ساتھ نچک کر خارج ہو اور خواب میں مطلقاً خارج ہو، کیونکہ امام احمد نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا فَضَّخْتَ الْمَاءَ فَأَغْتَسِلْ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ فَاصْخَا فَلَا تَغْتَسِلُ» (سنن أبي داود، کتاب الطہارۃ، باب في المني، ح: ۲۰۶، وسنن نسائي، کتاب الطہارۃ، باب الغسل من المني، ح: ۱۹۳، ومسند احمد، ۱/۱۰۹، ۱۲۵ وسندہ صحیح انظر إرواء اللیل ۱/۱۶۲)

”جب پانی اچھل کر نکلے تو غسل کرو اور اگر اچھل کر نہ نکلے تو غسل نہ کرو۔“

(فضخ) کے معنی پانی کے اچھل کر اور چھلک کر خارج ہونے کے ہیں۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! بے شک اللہ تعالیٰ حق بات سے نہیں شرمتا، کیا احتلام ہونے کی صورت میں عورت پر بھی غسل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

«نَعَمْ إِذَا رَأَتْ الْمَاءَ» (صحیح بخاری، کتاب الغسل، باب إذا احتلمت المرأة، ح: ۲۸۲، وصحیح مسلم، کتاب الحيض، باب وجوب الغسل على المرأة بخروج المني منها، ح: ۳۱۳)

”ہاں اگر وہ پانی دیکھے۔“

وجوب غسل مباشرت کے ساتھ مقید نہیں ہے بلکہ یہ تو خروج منی کے ساتھ مقید ہے کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«إِذَا فَضَّخْتَ الْمَاءَ فَأَغْتَسِلْ» (سنن أبي داود، کتاب الطہارۃ، باب في المني، ح: ۲۰۶، وسنن نسائي، کتاب الطہارۃ، باب الغسل من المني، ح: ۱۹۳، ومسند احمد، ۱/۱۰۹، ۱۲۵ وسندہ صحیح انظر إرواء اللیل ۱/۱۶۲)

”جب پانی اچھل کر نکلے تو غسل کرو۔“

حالت بیداری میں مرد اور عورت کے صرف ختنہ کے مقامات ملنے سے غسل واجب ہو جاتا ہے خواہ انزال ہو یا نہ

ہو۔ لہذا اس سائل کو چاہئے کہ جو احتلام کی صورت میں منی خارج ہونے اور خواب نظر نہ آنے کی وجہ سے غسل نہیں کرتا رہا، مقدور بھر کوشش کر کے ان تمام گزشتہ سالوں کی نمازوں کو پڑھے۔ وباللہ التوفیق

فتویٰ کمیٹی

کیا صحرا میں رہنے والوں پر بھی وضوء اور غسل واجب ہے؟

سوال ہم صحراء میں بسنے والے بدو ہیں۔ پانی ہم سے پچاس کلو میٹر دور ہے۔ ہم اپنے اہل و عیال کے لئے گاڑیوں پر پانی لاتے اور اسی میں سے اونٹ اور بکریوں کو پلاتے ہیں۔ کیا جنابت کی وجہ سے ہم پر بھی وضوء اور غسل واجب ہے؟ جب کہ بعض گھروں میں دس یا اس سے بھی زیادہ افراد ہیں یا ہمارے لئے تیمم جائز ہے؟

جواب جب پانی موجود ہو تو اللہ تعالیٰ نے وضوء اور غسل کا حکم دیا ہے اور اگر پانی موجود نہ ہو یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے پانی کے استعمال میں دشواری ہو تو اللہ تعالیٰ نے تیمم کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ ءَامَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلِكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَاءَ اَحَدٌ مِنْكُم مِّنَ الْغَايِطِ اَوْ لَمَسْتُمُ الْاِنْسَانَ فَلَمْ يَجِدُوْا مَاءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَلَا تَمَسُّوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيكُمْ مِنْهُ﴾ (المائدة: ۶/۵)

”مومنو! جب تم نماز پڑھنے کا قصد کیا کرو تو منہ اور کھنٹیوں تک ہاتھ دھو لیا کرو اور سر کا مسح کر لیا کرو اور ٹخنوں تک پاؤں (دھو لیا کرو) اور اگر نہانے کی حاجت ہو تو (نہاںس) پاک ہو جایا کرو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی بیت الخلاء سے ہو کر آیا ہو یا تم نے عورتوں سے ہم بستری کی ہو اور تمہیں پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی سے اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح (یعنی تیمم) کر لو۔“

سائل نے جب یہ ذکر کیا ہے کہ وہ اونٹ اور بکریوں کو پلانے کے لئے پانی لاتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے پاس پانی موجود ہے لہذا ان کے لئے وضوء اور غسل لازم ہے، ان کا صحراء نشین ہونا اور پانی سے پچاس کلو میٹر دور ہونا کوئی ایسا عذر نہیں ہے جس کی وجہ سے ان کے لئے تیمم جائز ہو کیونکہ وہ تو اونٹوں اور بکریوں کے لئے بھی گاڑیوں پر پانی لاسکتے ہیں۔ واللہ اعلم (وصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم)

فتویٰ کمیٹی

ایک شخص حالت سفر میں جنبی ہے مگر پانی نہیں

سوال ایک آدمی طویل راستہ میں ہے اور دوران سفر وہ جنبی ہو گیا مگر غسل کے لئے اس کے پاس پانی نہیں تو کیا وہ ناپاکی کی حالت ہی میں نماز پڑھ لے یا کیا کرے؟

جواب جو شخص بحالت سفر جنبی ہو جائے اور اس کے پاس کھانے پینے کی ضرورت سے اس قدر زائد پانی نہ ہو جس سے وہ غسل کر سکے، پانی کو تلاش بھی کرے لیکن ظن غالب یہ ہو کہ اس علاقے میں پانی نہیں ہے، تو وہ تیمم کر کے نماز پڑھ

لے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُم مِّنَ الْمَاءِ أَوْ لَمْ تَمْسُوا السَّابِقَ فَلَمْ يَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِّنْهُ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلَٰكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٦﴾﴾

(المائدہ/۶)

”اور اگر بیمار ہو یا سفر میں ہو یا کوئی تم میں سے بیت الخلا سے ہو کر آیا ہو یا تم نے عورتوں سے ہم بستری کی ہو اور تمہیں پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی سے اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح (یعنی تیمم) کر لو۔ اللہ تعالیٰ تم پر کسی طرح کی تکلیف نہیں کرنا چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کرے تاکہ تم شکر کرو۔“

فتویٰ کمیٹی

ایک مرتبہ وضوء کر لو اور شیطان کی پیروی نہ کرو

سوال ہر دفعہ وضوء کرنے سے پہلے کوشش کرتا ہوں کہ آلہ تناسل میں موجود تمام پیشاب نکال دوں۔ اس مقصد کے لئے میں کئی دفعہ بیٹھتا ہوں، جس غسل خانہ میں وضوء کرتا ہوں وہاں ٹانگ کو بھی اوپر تک اٹھاتا ہوں اور اکثر دو بار یا تین بار وضوء کرتا ہوں کیونکہ وضوء مکمل کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ پیشاب کے کچھ قطرے نکلنے لگے ہیں۔ لیکن اکثر معلوم ہوتا ہے کہ یہ محض وہم تھا، لیکن کبھی اس میں حقیقت بھی ہوتی ہے جس کی وجہ سے دوسرے لاحق رہتا ہے۔ لیکن دو یا تین بار وضوء کرنے اور غسل خانہ میں زیادہ وقت صرف کرنے میں مشقت بھی بہت ہے، تو سوال یہ ہے کہ میں کیا کروں خصوصاً سردی کے موسم میں جب میں ٹھنڈا پانی استعمال نہیں کر سکتا اور وضوء کے لئے گرم پانی استعمال کرتا ہوں؟

جواب بلاشک و شبہ یہ اکثر باتیں ادہام اور دوسرے ہیں، جنہیں شیطان بعض لوگوں کے دلوں میں ڈالتا ہے تاکہ انہیں عبادت ثقیل محسوس ہو اور وہ اس سے اکتا کر اسے ترک کر دیں لہذا ہم نصیحت کرتے ہیں کہ ان ادہام اور دوسروں کی طرف توجہ نہ کرو۔ بس ایک دفعہ وضوء کر لو اور بار بار وضوء نہ کرو، پیشاب کی جگہ زیادہ دیر نہ بیٹھا کرو۔ پیشاب کے بقیہ حصے کو نکالنے کے لئے اپنے آپ کو مشقت میں نہ ڈالو کیونکہ یہ اس طرح ہے جس طرح تھن میں دودھ ہو کہ اگر دوبا جائے تو اتر آتا ہے اور اگر چھوڑ دیا جائے تو چڑھ جاتا ہے، ہاں اگر یہ یقینی امر ہو کہ پیشاب خارج ہوا ہے تو پھر تمہیں دوبارہ وضوء کرنا ہو گا لیکن اس کے لئے تفتیش و تحقیق اور ہاتھ لگا کر دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر پیشاب انقطاع کے بغیر ہمیشہ خارج ہوتا رہے تو یہ سلسل الیول ہے۔ اس صورت میں تمہارے لئے حکم یہ ہے کہ نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد ایک بار وضوء کر لو اور وضوء کے بعد پیشاب کے خارج ہونے سے تمہیں کوئی نقصان نہ ہو گا لیکن تمہاری صورت حال کے بارے میں یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ زیادہ تر وہم کی کرشمہ سازی ہے، جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے لہذا اس کی طرف کوئی التفات نہ کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ شفاء عطا فرمائے!

شیخ ابن جبرین

مریض کا پتھر کے فرش سے تیمم کرنا

سوال کیا اس پتھر سے تیمم کرنا جائز ہے جس سے ہاتھ پر غبار نہ لگے؟ تیمم کن کن اعضاء پر ہونا چاہئے؟ ایک تیمم کے ساتھ کتنی نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں؟

جواب بعض علماء کا یہ مذہب ہے کہ تیمم کے لئے شرط ہے کہ وہ ایسی مٹی سے ہو جس سے ہاتھ پر غبار لگ جائے، ان کا استدلال ارشاد باری تعالیٰ:

﴿فَأَمْسُحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْتَهُ﴾ (المائدة/۶)

”اور اس سے اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح (یعنی تیمم) کر لو۔“

سے ہے کہ جس میں یہ غبار نہ ہو اس سے مسح نہیں کیا جاسکتا لیکن صحیح یہ ہے کہ غبار شرط نہیں ہے، شرط صرف یہ ہے کہ مٹی پاک ہو، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا﴾ (النساء/۴۳)

”پاک مٹی سے تیمم کر لو“

صعید سطح زمین کو کہتے ہیں لہذا تیمم ریت سے بھی جائز ہے جس میں غبار نہیں ہوتا، اسی طرح کنکریوں وغیرہ سے بھی جائز ہے۔ وہ قیدی یا مریض جس کے پاس پتھر یا نائل وغیرہ سے بنا ہوا فرش ہو اور وہ دوسری جگہ نہ جاسکتا ہو تو اس کا اس فرش ہی سے تیمم جائز ہو گا خواہ اس پر غبار نہ بھی ہو، نیز مٹی نہ ہونے کی صورت میں وہ بستر وغیرہ پر بھی تیمم کر سکتا ہے کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن/۱۶)

”سو جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو۔“

اعضاء تیمم چہرہ اور دونوں ہاتھ ہیں۔ پہلے دونوں ہاتھ چہرے پر پھیر لے پھر ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر پھیرے اور انگلیوں میں خلال کرے، اور مسح کے لئے ہتھیلیوں پر ہی اکتفاء کرے اور اگر ہاتھوں پر بھی مسح کرے تو کوئی حرج نہیں اور ایک ہی ضرب کافی ہے اور اگر دوبار ضرب لگالے تو یہ بھی جائز ہے۔

افضل یہ ہے کہ ہر فرض نماز کے لئے تیمم کرے اور اگر دو فرض نمازیں اکٹھی پڑھ رہا ہو تو ان کے لئے ایک تیمم ہی کافی ہے۔ ایک تیمم کے ساتھ کئی نمازیں پڑھ سکتا ہے بشرطیکہ محدث (بے وضو) نہ ہو یا پانی نہ پائے اور جب پانی پالے تو پھر اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے اور جسم کو پانی لگانا چاہئے۔

— شیخ ابن جریر —

حمام میں وضوء کی صورت میں دل میں تسمیہ پڑھے

سوال میں جب وضوء کا ارادہ کرتا ہوں تو نیت یہ ہوتی ہے کہ نماز کے لئے وضوء کر رہا ہوں لیکن حمام میں ہونے کی صورت میں اللہ کا نام نہیں لیتا حالانکہ مجھے اس حدیث کا علم ہے کہ جو شخص اللہ کا نام نہ لے اس کا وضوء نہیں، تو اس کے

لئے کیا حکم ہے؟

جواب انسان جب حمام میں ہو تو وہ زبان سے تسمیہ نہ پڑھے بلکہ دل میں پڑھ لے اور پھر رانح قول یہ ہے کہ تسمیہ واجب نہیں بلکہ مستحب ہے لہذا دوسوسوں اور غفلت کو خیر یاد کہہ دو۔

شیخ ابن عثیمین

شرم گاہ کا دھونا وضوء کا حصہ نہیں ہے

سوال ایک شخص نیند سے بیدار ہوا اور وہ حدث اکبر یا اصغر سے دوچار نہیں ہے، وہ بحالت طہارت سویا تھا، نیند سے بیدار ہوا تو عام مفہوم کے مطابق اس نے وضوء کی تجدید کر لی، تو کیا اس حالت میں وضوء کامل ہو گیا یا ناقص؟

جواب ہاں اس حالت میں وضوء صحیح ہو گا اور اس کے لئے استنجاء یعنی شرم گاہ کا دھونا ضروری نہیں ہو گا بلکہ اس کے لئے صرف اعضاء ظاہرہ کا دھونا لازم ہو گا۔ یعنی معروف وضوء کرنا ہو گا، عام لوگ جو اسے تجدید وضوء کا نام دیتے ہیں تو یہ غلط ہے کیونکہ تجدید تو اس شخص کی ہے جو وضوء موجود ہونے کی صورت میں وضوء کرے اور یہ شخص نیند کی وجہ سے حدث اصغر میں مبتلا ہے کیونکہ نیند نواقض وضوء میں سے ہے لیکن اس سے استنجاء واجب نہیں ہوتا۔

شیخ ابن جریر

شاور کے نیچے بھی غسل درست ہے

سوال میں چاہتا ہوں کہ تفصیل کے ساتھ اور آسان انداز میں غسل جنابت کا طریقہ معلوم کروں کیونکہ اس سلسلہ میں، میں نے مختلف طریقوں کے بارے میں سن رکھا ہے لہذا امید ہے کہ آپ صحیح طریقہ کی وضاحت فرمائیں گے نیز یہ فرمائیے کیا شاور کے نیچے غسل جائز ہے یا نہیں؟

جواب غسل کامل کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی غسل کی نیت کرے، بسم اللہ پڑھے، دونوں ہاتھوں کو تین بار دھوئے، پھر شرم گاہ کو اور جسم پر جو منی کے اثرات وغیرہ ہیں انہیں دھوئے، پھر مکمل وضوء کرے، پھر غسل شروع کرے اور سر کو تین بار دھوئے اور بالوں کی جڑوں کو خوب مبالغہ کے ساتھ دھوئے، پھر باقی جسم کو اس طرح غسل دے کہ دائیں طرف سے پہلے شروع کرے اور پھر بائیں طرف کو دھوئے اور خوب مل مل کر دھوئے اور مقدور بھر کو شش کر کے جہاں جہاں جسم تک ہاتھ پہنچ سکتا ہو ہاتھ سے جسم کو ملے۔

شاور کے نیچے بھی غسل جائز ہے اور اگر سارے جسم پر ایک ہی بار پانی بہا دیا جائے تو یہ غسل بھی درست ہو گا۔

شیخ ابن جریر

تیمم سے پڑھی ہوئی نمازوں کو دوہرانا

سوال میں صبح کے وقت حالت جنابت میں تھا لیکن پانی موجود نہ تھا اس لئے میں نے نمازوں کو تیمم سے پڑھ لیا، شام کو جب پانی ملا تو میں نے غسل جنابت کر لیا، تو کیا مجھے وہ نمازیں دوہرانا ہوں گی جو میں نے تیمم سے پڑھی ہیں؟

جواب آپ نے پانی کی عدم موجودگی کا سبب ذکر نہیں کیا۔ اگر آپ کسی صحرائی قصبہ یا کسی شہر میں سکونت پذیر ہیں تو ان میں عام طور پر پانی موجود ہوتا ہے، اگر ایک جگہ پانی کی سپلائی بند ہو تو دوسری جگہ جاری ہوتی ہے لہذا جنبی اور محدث (بے وضو) کے لئے ضروری ہے کہ وہ پانی تلاش کرے، پڑوسیوں سے، دائر سپلائی کے مراکز سے یا کنوؤں وغیرہ سے پانی طلب کرے لہذا جس نے پانی تلاش کئے بغیر تیمم سے نماز پڑھ لی اس کے لئے لازم ہے کہ وہ اس نماز کو دوہرائے۔ ہادیہ یا صحرا میں بسا اوقات پانی دستیاب نہیں ہوتا لہذا قرب و جوار میں تلاش کرنے کے باوجود اگر پانی نہ ملے تو تیمم جائز ہے۔ اگر ضرورت سے زائد پانی موجود ہو یا عدم موجودگی کی صورت میں قریب جگہ سے ملنا ممکن ہو تو پھر تیمم جائز نہ ہو گا۔ واللہ اعلم

— شیخ ابن جبرین —

جب احتلام تو ہو لیکن تری موجود نہ ہو

سوال ایک شخص نے خواب میں والدہ کو دیکھا اور احتلام ہو گیا لیکن بیدار ہونے کے بعد احتلام کا کوئی اثر نہ دیکھا حالانکہ اسے یاد ہے کہ اسے احتلام ہوا تھا لہذا اس نے احتیاطاً غسل جنابت کر لیا لیکن والدہ کے ساتھ احتلام کی وجہ سے یہ شخص بے حد پریشان ہے اور فکر مند ہے کہ وہ اس کی کیا توجیہ کرے؟ امید ہے آپ بقدر امکان جلد جواب سے سرفراز فرمائیں گے کہ اس کے کیا معنی ہیں؟ اور کیا اس صورت میں اسے کوئی گناہ وغیرہ ہو گا؟

جواب جس شخص کو احتلام ہو اور وہ تری نہ دیکھے تو اس کے لئے غسل لازم نہیں ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ:

«إِنَّمَا الْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ» (صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب بيان أن الجماع كان في أول الإسلام لا

يوجب ... ح: ۳۴۳)

”پانی کا استعمال پانی دیکھنے کی صورت میں ہے۔“

اگر وہ اپنے کپڑے یا جسم پر منی کا کوئی نشان دیکھے تو اس کے لئے غسل لازم ہو گا خواہ اسے احتلام نہ بھی یاد ہو۔ جیسا کہ سنن میں موجود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ثابت ہے۔ خواب میں والدہ کے ساتھ احتلام میں کوئی ضرر نہیں ہے بلاشبہ اس کی توجیہ شدت محبت، نیکی اور اطاعت سے کی جائے گی۔ لہذا اس میں پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں۔

— شیخ ابن جبرین —

شیطانی وسوسے

سوال میں بسا اوقات وضوء کرتے اور نماز پڑھتے ہوئے محسوس کرتا ہوں کہ میرا وضوء ٹوٹ رہا ہے لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ حقیقت ہے یا محض وسوسہ ہے۔ اس کی وجہ سے مجھے اکثر وضوء اور نماز کو دوہرانا پڑتا ہے، اس لیے بسا اوقات میری جماعت رہ جاتی ہے۔ امید ہے آپ اس سلسلہ میں میری راہنمائی فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ان شاء اللہ اجر و ثواب سے نوازے گا۔

جواب یہ شیطانی وسوسے ہیں، ضروری ہے کہ انہیں جھٹک دو اور ان کی طرف توجہ نہ کرو بلکہ وضوء اور نماز کی تکمیل کی طرف توجہ دو۔ حدیث میں ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں یہ شکایت کی کہ اسے نماز میں یہ خیال آتا

ہے کہ وہ کوئی چیز محسوس کر رہا ہے تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ:

«لَا يَنْصَرِفُ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا» (صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين من القبل والدبر، ح: ۱۷۷، وصحیح مسلم، کتاب الحيض، باب الدليل على ان من يقن الطهارة ثم شك ...، ح: ۳۶۱)

”یہ آدمی اس وقت تک نماز کو نہ توڑے جب تک آواز نہ سن لے یا بدبو نہ محسوس کرے“

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا وَجَدَ أَحَدُكُمْ فِي بَطْنِهِ شَيْئًا فَأَشْكَلَ عَلَيْهِ أَخْرَجَ مِنْهُ شَيْءٌ أَمْ لَا فَلَا يَخْرُجَنَّ مِنَ الْمَسْجِدِ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا» (صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب الدليل على ان من يقن الطهارة ثم شك ...، ح: ۳۶۲)

”جب تم میں سے کوئی شخص اپنے پیٹ میں کوئی چیز پائے اور اس کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو کہ اس کے پیٹ سے کوئی چیز خارج ہوئی ہے یا نہیں تو وہ اس وقت تک مسجد سے نہ نکلے جب تک آواز نہ سن لے یا بدبو محسوس نہ کر لے“

ان دونوں اور ان کے ہم معنی دیگر احادیث کی وجہ سے وضوء اور نماز کو نہیں توڑنا چاہئے بلکہ ان دوسوں سے اعراض کرنا چاہئے حتیٰ کہ اسے یقینی طور پر یہ علم ہو جائے کہ اس سے کوئی چیز خارج ہوئی ہے اور وضوء کے بارے میں اسے یہ یقینی علم ہو کہ اس نے وضوء نہیں کیا۔ واللہ ولی التوفیق

شیخ ابن باز

یقین پر بنیادین کا ایک بہت بڑا اصول ہے

امید ہے آپ اس حدیث کی شرح فرمادیں گے جس میں یہ الفاظ ہیں کہ:

«لَا يَنْفَتِلُ أَوْ لَا يَنْصَرِفُ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا» (صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين من القبل والدبر، ح: ۱۷۷، وصحیح مسلم، کتاب الحيض، باب الدليل على ان من يقن الطهارة ثم شك ...، ح: ۳۶۱)

”جب تک آواز نہ سنے یا بدبو محسوس نہ کرے، نماز سے نہ پھرے“

جواب یہ حدیث صحیح ہے اور شریعت کے قواعد میں سے ایک قاعدہ ہے اور وہ یہ کہ یقین پر بنیاد رکھی جائے، شکوک و اہام کی طرف التفات نہ کیا جائے۔ انسان جب یقین کے ساتھ طہارت حاصل کرے تو وہ اس وقت تک ظاہر رہتا ہے جب تک اسے حدیث کا یقین نہ ہو جائے، لہذا ان اہام و شکوک کی طرف التفات نہ کیا جائے گا جنہیں شیطان انسان کے دل میں ڈالتا ہے تاکہ انسان تشویش میں مبتلا ہو کر عبادت سے اکتا جائے اور اسے بہت گراں محسوس کرنے لگے، اس لیے جب وہ دوران نماز پیٹ میں کوئی گرانی یا حرکت وغیرہ محسوس کرے تو اس وقت تک نماز کو نہ توڑے جب تک اسے آواز نہ سنے یا ہوا کے خارج ہونے سے طہارت کے ختم ہو جانے کا یقین نہ ہو جائے۔

شیخ ابن جریر

بوسہ سے وضوء نہیں ٹوٹتا

کیا بوسہ سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے؟

سوال

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

جواب

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، قَبَلَ بَعْضَ نِسَائِهِ ثُمَّ حَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ» (سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب الوضوء من القبلة، ح: ۱۷۸، ۱۷۹، وسنن ترمذی، كتاب الطهارة، باب ترك الوضوء من القبلة، ح: ۸۶، ومسند احمد، ۲/۶، ۱۰، ۲۰۷)

”نبی کریم ﷺ نے بعض ازواج مطہرات کو بوسہ دیا اور پھر وضوء کے بغیر نماز کے لئے تشریف لے گئے۔“

اس حدیث میں اس حکم کا بیان ہے کہ کیا عورت کو چھونے اور بوسہ دینے سے وضوء ٹوٹتا ہے یا نہیں۔ علماء۔۔۔
ﷺ کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے ہر حال میں وضوء ٹوٹ جاتا ہے اور بعض نے کہا کہ اگر شہوت کے ساتھ عورت کو چھوا تو وضوء ٹوٹ جائے گا ورنہ نہیں ٹوٹے گا اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مطلقاً وضوء نہیں ٹوٹتا اور ان میں سے یہی قول راجح ہے یعنی مرد جب اپنی بیوی کو بوسہ دے یا اس کے ہاتھ کو چھوئے یا اسے اپنے ساتھ لگائے اور اس سے اسے نہ انزال ہو اور نہ وہ محدث (بے وضوء) ہو تو اس سے مرد کا وضوء ٹوٹے گا نہ عورت کا کیونکہ اصل یہ ہے کہ وضوء اپنی حالت پر برقرار رہے گا الا یہ کہ کسی دلیل سے معلوم ہو کہ وضوء ٹوٹ گیا ہے اور کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے ایسی کوئی دلیل ثابت نہیں جس سے معلوم ہو کہ عورت کو چھونے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے لہذا عورت کو چھونے سے خواہ بغیر کسی چیز کے حائل ہوئے اور خواہ شہوت کے ساتھ چھونے سے اور بوسہ دینے اور ساتھ لگانے سے بھی وضوء نہیں ٹوٹتا۔ واللہ اعلم

شیخ ابن عثیمین

جبھی قرآن مجید کی تلاوت نہیں کر سکتا

کیا جبھی شخص زبانی قرآن مجید کی تلاوت کر سکتا ہے؟ اور اگر تلاوت کرنا جائز نہیں تو کیا وہ تلاوت کو سن سکتا

سوال

ہے؟ جزاکم اللہ خیراً

جبھی کے لئے غسل کئے بغیر قرآن مجید سے دیکھ کر یا زبانی تلاوت کرنا جائز نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ سے ثابت

جواب

ہے کہ:

«أَنَّهُ كَانَ لَا يَحْجُزُهُ شَيْءٌ عَنِ الْقُرْآنِ إِلَّا الْجَنَابَةُ» (سنن ابن ماجہ، كتاب الطهارة، باب ما جاء في قراءة القرآن على غير طهارة، ح: ۵۹۴، وسنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب في الجنب يقرأ القرآن، ح: ۲۲۹، ومسند احمد، ۱/۸۴، ۱۲۴)

”جنابت کے سوا اور کوئی چیز آپ ﷺ کو قرآن مجید کی تلاوت سے نہیں روکتی تھی۔“

ہاں البتہ جنسی کے لئے قرآن مجید کی تلاوت سننے میں کوئی حرج نہیں بلکہ اس کے لئے یہ مستحب ہے کیونکہ اس میں بہت فائدہ ہے ہاں البتہ وہ قرآن کو ہاتھ نہیں لگا سکتا، دیکھ کر قرآن مجید پڑھ نہیں سکتا۔ واللہ ولی التوفیق!

شیخ ابن باز

وضوء کے بعد اعضاء کو صاف کرنا

سوال کیا وضوء کے بعد اعضاء کو صاف کرنا جائز ہے؟

جواب ہاں انسان کے لئے یہ جائز ہے کہ وضوء کے بعد وہ اپنے اعضاء کو صاف کرے، اسی طرح غسل کے بعد بھی اعضاء کو صاف کرنا جائز ہے کیونکہ عبادات کے سوا دیگر امور میں اصل حلت ہے تا وقتیکہ اس کی حرمت پر کوئی دلیل قائم ہو جائے اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے مروی جو یہ حدیث ہے کہ:

«أُتِيهَا جَاءَتْ بِالْمِنْدِيلِ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، بَعْدَ أَنْ اغْتَسَلَ فَرَدَّهَا وَجَعَلَ يَنْفُضُ الْمَاءَ بِيَدِهِ» (سنن نسائي، كتاب الطهارة، باب ترك المنديل بعد الغسل، ح: ۲۵۵، وسنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب في الغسل من الجنابة، ح: ۲۴۵، وسنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننہا، باب المنديل بعد الوضوء وبعد الغسل، ح: ۴۶۷)

”رسول اللہ ﷺ نے غسل فرمایا تو وہ آپ ﷺ کی خدمت میں رومال لے کر آئیں مگر آپ ﷺ نے اسے واپس لوٹا دیا اور اپنے ہاتھ سے پانی صاف کرنا شروع کر دیا۔“

تو آپ ﷺ کا رومال کو لوٹا دینا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ اس کا استعمال مکروہ ہے کیونکہ یہ ایک قصیدہ عین ہے اور اس بات کا احتمال ہے کہ اس رومال میں کوئی ایسی چیز ہو جس کی وجہ سے نبی ﷺ نے اسے استعمال کرنا پسند نہ فرمایا ہو اور ہاتھ ہی سے پانی کو صاف کر لیا ہو، اس حدیث کے پیش نظر کوئی یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رومال پیش کرنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ یہ امر ان کے ہاں جائز اور مشہور تھا وگرنہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے رومال پیش کرنے کے کوئی معنی نہیں۔ اس سلسلہ میں اہم بات یہ ہے کہ آپ یہ قاعدہ معلوم کر لیں کہ عبادات کے سوا دیگر امور میں اصل حلت ہے حتیٰ کہ اس کی حرمت کی کوئی دلیل موجود ہو!

شیخ ابن عثیمین

وضوء کرتے وقت چہرے اور ہاتھوں کو صابن سے دھونا

سوال وضوء کرتے وقت چہرے اور ہاتھوں کو صابن سے دھونے کا کیا حکم ہے؟

جواب شرعاً اس بات کا کوئی حکم نہیں ہے کہ وضوء کے لئے چہرے اور ہاتھوں کو صابن سے دھویا جائے بلکہ یہ محض تکلف اور تصنع ہے اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«هَلَاكَ الْمُتَنَطِّعُونَ هَلَاكَ الْمُتَنَطِّعُونَ» (صحیح مسلم، كتاب العلم، باب هلك المتنطعون،

ح: ۲۶۷۰، وسنن أبي داود، كتاب السنة، باب في لزوم السنة، ح: ۴۶۰۷، ومسند احمد، ۱/۳۸۶)

”تشرذ کرنے والے ہلاک ہو گئے، تشرذ کرنے والے ہلاک ہو گئے۔“

آپ ﷺ نے یہ تین بار فرمایا، ہاں البتہ ہاتھ میں اگر کوئی میل کچیل وغیرہ ہو اور وہ صابن یا اس طرح کی دیگر پاک اور صاف کرنے والی کسی چیز کے استعمال کے بغیر دور نہ ہو سکتا ہو تو پھر اس کے استعمال میں کوئی حرج نہیں لیکن عام حالات میں بلا ضرورت صابن کا استعمال تکلف اور بدعت ہو گا لہذا استعمال نہ کیا جائے۔

شیخ ابن عثیمین

کیا تیل بھی پانی کے اعضاء وضوء تک پہنچنے میں رکاوٹ ہے؟

سوال ایک دینی بھائی نے یہ سوال کیا ہے کہ میں نے بعض علماء کرام سے یہ سنا ہے کہ تیل بھی وضوء کے اعضاء تک پانی کے پہنچنے میں حائل ہے اور میں جب کھانا پکاتا ہوں تو تیل کے قطرے میرے بالوں یا اعضاء وضوء پر گر جاتے ہیں تو کیا اس صورت میں وضوء سے پہلے ان اعضاء کو صابن سے دھونا ضروری ہے تاکہ اعضاء وضوء تک پانی پہنچ جائے؟ میں اپنے بالوں کے علاج کے لئے بھی بسا اوقات تیل استعمال کرتا ہوں تو اس صورت میں مجھے کیا کرنا ہو گا؟ امید ہے مستفید فرمائیں گے۔

جواب اس سوال کے جواب سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ یہ بیان کر دوں کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی کتاب مبین میں یہ بیان فرمایا ہے کہ:

﴿يَتَأْتِيهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ
وَأَمْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ (المائدة/ ۶)

”مومنو! جب تم نماز پڑھنے کا قصد کیا کرو تو منہ اور کھنٹیوں تک ہاتھ دھو لیا کرو اور سر اپنے کا مسح کر لیا کرو اور ٹخنوں تک پاؤں (دھو لیا کرو)“

ان اعضاء کے دھونے اور سر کے مسح کا تقاضا یہ ہے کہ اس چیز کو زائل کیا جائے، جو ان اعضاء تک پانی کے پہنچنے میں حائل ہو کیونکہ کسی چیز کے حائل ہونے کی صورت میں پانی اعضاء تک نہ پہنچ سکے گا اور اس طرح وہ دھل نہ سکیں گے تو اس کی بنیاد پر ہم یہ کہیں گے کہ انسان جب اپنے اعضاء وضوء پر کوئی تیل وغیرہ استعمال کرے اور اگر وہ جلد شکل میں ہو تو ضروری ہے کہ وضوء سے پہلے اسے زائل کر دیا جائے کیونکہ تیل اگر اسی طرح جلد صورت میں اعضاء پر لگا رہا تو وہ جسم تک پانی کو نہیں پہنچنے دے گا جس کی وجہ سے وضوء صحیح نہ ہو گا۔

اگر تیل جلد صورت میں اعضاء پر باقی نہ ہو بلکہ صرف اس کا اثر باقی ہو تو یہ نقصان دہ نہیں ہے لیکن اس صورت میں اعضاء وضوء کو ہاتھوں سے خوب ملنا چاہئے کیونکہ عموماً تیل پانی سے الگ ہو جاتا ہے اور اس بات کا بھی اندیشہ ہوتا ہے کہ اچھی طرح اعضاء کو نہ ملنے کی صورت میں ممکن ہے تمام اعضاء تک پانی نہ پہنچ سکے، لہذا ہم اس کے لئے یہ کہیں گے کہ اگر اعضاء طہارت پر موجود یہ تیل جلد ہے اور وہ پانی کے اعضاء تک پہنچنے میں حائل ہے تو پھر اسے وضوء سے پہلے زائل کرنا ضروری ہے۔ اور اگر یہ جلد صورت میں موجود نہیں تو پھر کوئی حرج نہیں اور اسے صابن سے دھونا ضروری نہیں لیکن اعضاء وضوء کو ہاتھوں سے خوب ملنے کہیں ایسا نہ ہو کہ پانی تیل کے اوپر سے پھسل جائے۔ واللہ اعلم

شیخ ابن عثیمین

دانتوں میں کھانے کے ذرے اور وضوء

سوال ایک دینی بہن یہ سوال پوچھتی ہیں کہ بسا اوقات میں محسوس کرتی ہوں کہ دانتوں میں کھانے کے کچھ ذرے ہیں تو کیا وضوء سے پہلے ان کا ازالہ ضروری ہے؟

جواب مجھے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ وضوء سے پہلے ان کا ازالہ ضروری نہیں ہے لیکن بلاشک و شبہ دانتوں کی صفائی اکمل و اطہر ہے اور دانتوں کی بیماری سے انسان کو بچاتی ہے کیونکہ یہ ذرے جب دانتوں میں رہ جائیں تو ان سے عفونت پیدا ہوتی ہے جس سے دانتوں اور سوزھوں کو بیماری لاحق ہو جاتی ہے لہذا ضروری ہے کہ انسان کھانا کھانے کے بعد دانتوں میں خلال کر لے تاکہ کھانے کے ذرات کو دور کر سکے۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ مسواک کرے کیونکہ کھانا منہ کی بو کو بدل دیتا ہے اور نبی ﷺ نے مسواک کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

«إِنَّهُ مَطْهُرَةٌ لِلْفَمِ، مَرْضَةٌ لِلرَّبِّ» (سنن نسائی، کتاب الطہارة، باب هل يستاك الامام بحضرة رعبته، ح: ۵)

”مسواک منہ کو پاک کرتی اور رب تعالیٰ کو راضی کرتی ہے۔“

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جب بھی منہ کو پاک کرنے کی ضرورت ہو تو اسے مسواک سے پاک صاف کر لیا جائے۔
واللہ اعلم

شیخ ابن عثیمین

شیطان کی پھونک

سوال نماز شروع کرنے اور ایک یا دو رکعت پڑھنے کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ ہوا خارج ہو رہی ہے، تو کیا اس سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ اور جب یہ صورت حال ہمیشہ جاری رہے تو مجھے کیا کرنا ہوگا؟

جواب بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ شیطانی وسوسے ہیں تاکہ شیطان نمازی کی نماز کو خراب کر دے یا اس کے ادا کرنے کو اس کے لئے مشکل بنا دے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«يَأْتِي أَحَدَكُمْ الشَّيْطَانُ فِي صَلَاتِهِ فَيَنْفُخُ فِي مَعَدَّتِهِ فَيَحْبِلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ أَحَدَثٌ وَلَمْ يُحْدِثْ، فَإِذَا وَجَدَ ذَلِكَ فَلَا يَنْصَرِفْ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا» (رواه البزار، كشف الاستار، ۱/۱۲۸، اسنادہ ضعیف وهو صحيح لغیره واصل الحديث في البخاري: ۱۳۷، ومسلم، الحیض ۹۸، عن عبدالله بن زيد، وفي سند البزار ابوايس لکن تابعه الدروردي عند البيهقي، أفاده الحافظ في التلخيص ۱/۱۲۸)

”شیطان تم میں سے ایک کے پاس اس کی نماز میں آتا اور اس کی مقعد میں پھونک مارتا ہے تو نمازی کو محسوس ہوتا ہے کہ وہ بے وضوء ہو گیا ہے حالانکہ وہ بے وضوء نہیں ہوا ہوتا جب کوئی اس طرح کی صورت حال پائے تو وہ نماز کو نہ توڑے حتیٰ کہ آواز سن لے یا بدلو محسوس کرے۔“

اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع حدیث میں ہے کہ:

«إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمْ الشَّيْطَانُ فَقَالَ إِنَّكَ إِحْدَثْتَ فَلْيَقُلْ كَذَّبَتْ» (مسند احمد، ۱۲/۳، ۵۰، ۵۱، ۵۴، وابن حبان، ۲۶۶۶/۶)

”جب تم میں سے کسی کے پاس آکر شیطان یہ کہے کہ تو بے وضوء ہو گیا ہے تو اسے چاہئے کہ وہ یہ کہے کہ تو جھوٹ کہتا ہے۔“

یعنی اپنے جی میں اس سے یہ کہے۔ لہذا ہم سائل کو یہ نصیحت کرتے ہیں کہ وہ ان شیطانی ادہام و تخیلات کی طرف توجہ نہ کرے اس سے یہ جلد ختم ہو جائیں گے۔ اور اگر یہ حقیقی و یقینی صورت حال ہے اور دائمی ہے جیسا کہ اس نے ذکر کیا ہے تو اس کا حکم دائمی حدث میں مبتلا مریض کا ہو گا لہذا نماز کے وقت میں خروج ہوا سے اس کا وضوء نہیں ٹوٹے گا۔ اس کی مثال سلسل البول کے مریض کی سی ہوگی اس کے لئے چونکہ بار بار وضوء کرنے میں مشقت ہے لہذا یہ ہر فرض نماز کے وقت میں وضوء کر لے اور پھر نماز پڑھتا رہے۔ (خواہ نماز میں ہوا خارج ہوتی رہے، بیماری کی وجہ سے یہ شخص معذور تصور ہو گا)۔

شیخ ابن عثیمین

وضوء میں وسوسہ

سوال میں چھبیس برس کی عمر کا ایک نوجوان ہوں۔ وضوء کرتے ہوئے اور کبھی وضوء کے بعد اٹھتے ہوئے یا کسی حرکت کے دوران یوں محسوس ہوتا ہے کہ پیشاب کا قطرہ نکل آیا ہے۔ اس بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اکثر شیطان بعض لوگوں کے دل میں یہ وسوسہ پیدا کرتا ہے کہ ہوا یا پیشاب کا قطرہ خارج ہونے سے ان کا وضوء ٹوٹ گیا ہے لیکن اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ لہذا جو شخص اس طرح کے کسی وسوسہ میں مبتلا ہو اسے چاہئے کہ وہ یقین یعنی اپنی طہارت ہی کو پیش نظر رکھے اور ان ادہام کی طرف توجہ نہ دے، اس سے وہ محفوظ بھی رہے گا اور ادہام کا یہ سلسلہ جلد ختم بھی ہو جائے گا۔ اور اگر آدمی ان ادہام میں کھو جائے تو اس کا غم دراز اور اس کے وسوسوں میں اضافہ ہو جائے گا۔ وہ بار بار وضوء کرے گا تو نماز باجماعت یا نماز کی اول وقت میں ادا ہوگی فوت ہو جائے گی حتیٰ کہ وہ عبادت ہی سے اکتا جائے گا اور عبادت اسے بہت گراں محسوس ہونے لگے گی اور شیطان مردود کی یہی تو خواہش ہے کہ وہ انسان کو اپنے رب کی بندگی سے دور بنادے۔

شیخ ابن جبرین

ہوا کے خارج ہونے میں شک

سوال مجھے گیس کی بہت تکلیف ہے حتیٰ کہ وضوء کرتے ہوئے بھی یہ شک ہونے لگتا ہے کہ ہوا خارج ہوئی ہے یا نہیں، اور اس کی وجہ سے مجھے ایک یا دو مرتبہ وضوء دہرا نا پڑتا ہے۔ کیا یہ طبعی حالت ہے؟ نیز یہ فرمائیے کہ اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب نماز کے دوران بعض لوگوں کو جو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہوا خارج ہو رہی ہے تو اکثر و بیشتر صورتوں میں محض وہم

ہوتا ہے، جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ:

«لَا يَنْصَرِفُ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا» (صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين من القبل والدبر، ح: ۱۷۷، و صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب الدليل على ان من يقن الطهارة ثم شك . . . ح: ۳۶۱)

”اس وقت تک کوئی شخص نماز سے نہ پھرے جب تک آواز نہ سن لے یا بدبو محسوس نہ کرے۔“

— شیخ ابن جبرین —

اصل بقاء طہارت ہے

سوال جب انسان وضوء کرے اور کچھ وقت گزرنے کے بعد نماز کا وقت ہو جائے لیکن وہ بھول جائے کہ وہ طاہر ہے یا نہیں تو کیا اس کے لئے وضوء کرنا لازم ہے؟ اس صورت حال میں وہ کس بات پر بنیاد رکھے؟

جواب جب انسان وضوء کرے اور کامل وضوء کرے تو وہ حالت طہارت ہی میں ہو گا خواہ کتنا وقت گزر جائے اور اگر اسے وضوء کے ٹوٹنے کے بارے میں شک ہو تو اس شک کی طرف کوئی التفات نہیں کیا جائے گا بلکہ اسے یقین یعنی طہارت پر بنا کرنا ہوگی کیونکہ حدیث میں ہے جس کے راوی عبد اللہ بن زید ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک آدمی نے شکایت کی کہ اسے خیال آتا ہے کہ وہ نماز میں کوئی چیز محسوس کر رہا ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَنْصَرِفُ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا» (صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين من القبل والدبر، ح: ۱۷۷، و صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب الدليل على ان من يقن الطهارة ثم شك . . . ح: ۳۶۱)

”اس وقت تک نماز کو نہ توڑے جب تک آواز نہ سن لے یا بدبو نہ محسوس کر لے۔“

اس حدیث کی بنیاد پر ہم یہ کہتے ہیں کہ جب وضوء پر ایک وقت گزر جائے اور اسے شک ہو کہ اس کا وضوء برقرار ہے یا ٹوٹ گیا ہے تو اسے چاہئے کہ اس صورت میں نماز پڑھ لے، اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اصل بقاء طہارت ہے۔

— شیخ ابن عثیمین —

منی پاک ہے

سوال میں نے اپنی بیوی سے صحبت کی، پھر اٹھ کر غسل کیا اور نماز فجر ادا کر لی، تو سوال یہ ہے کہ کیا میں اس بستر پر دوبارہ سو سکتا ہوں اور اس چادر کو اوڑھ سکتا ہوں۔ جس میں نے میں اپنی بیوی سے صحبت کی ہو؟

جواب منی پاک ہے، اس سے انسان یا اس کا بستر نپاک نہیں ہوتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ:

«كُنْتُ أَفْرُكُهُ مِنْ ثَوْبِ النَّبِيِّ، ﷺ فَرَكًا ثُمَّ يُصَلِّي فِيهِ» (سنن أبي داود، کتاب الطہارة، باب المنى يصيب الثوب، ح: ۳۷۲)

”میں اسے رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سے کھرچ دیا کرتی تھی اور آپ ﷺ اسی کپڑے میں نماز ادا فرمایا

کرتے تھے۔“

لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ خروج منی سے پہلے جب آدمی نے پیشاب کیا ہو تو پانی سے استنجاء کیا ہو یا شرعی طریقہ کے مطابق ڈھیلوں کو استعمال کیا ہو اور اس نے اگر ایسا نہ کیا ہو تو پھر منی تو پاک ہے لیکن نجس مقام سے ملنے کی وجہ سے نجس ہو جائے گی۔ منی چونکہ پاک ہے اس لئے مرد کے لئے یہ جائز ہے کہ اس بستر پر سو جائے اور اس چادر کو اوڑھ لے جس میں اس نے اپنی بیوی سے صحبت کی ہو، اس میں کوئی حرج نہیں۔

شیخ ابن عثیمین

پیشاب کے بعد خارج ہونے والا سفید مادہ

سوال جب میں بیت الخلاء میں جاتا ہوں تو پیشاب کے آخر میں محسوس کرتا ہوں کہ کچھ مادہ منویہ خارج ہوا ہے لیکن معلوم نہیں کہ ہر مرتبہ پیشاب کے بعد غسل کروں یا کیا کروں کیونکہ مجھے شک ہے کہ اس کا حکم مباشرت کا ہے یا نہیں؟

جواب یہ منی جو پیشاب کے بعد خارج ہوتی ہے، یہ ودی کے نام سے مشہور ہے یہ چونکہ پیشاب کے بعد خارج ہوتی ہے اور بہہ کر نکلتی ہے اس لئے یہ موجب غسل نہیں بلکہ ناقض وضوء ہے لہذا اس کے خارج ہونے سے آلہ تاسل کو دھونا اور وضوء کرنا لازم ہوگا، غسل کرنا لازم نہ ہو گا کیونکہ غسل تو اس وقت واجب ہوتا ہے جب منی دفع اور لذت کے ساتھ خارج ہو، دفع کے معنی ہیں خوب زور سے اچھل کر نکلنا لہذا اگر منی پیشاب کی صورت میں بہہ کر یا قطروں کی صورت میں خارج ہو تو اس طرح خارج ہونا نقصان دہ نہیں ہے۔

شیخ ابن جبرین

پانی کی موجودگی میں تیمم باطل ہے

سوال ایک دن مجھے احتلام ہو گیا اور اس دن سخت سردی تھی، میں نے تیمم کر کے نماز پڑھ لی اور مدرسہ چلا گیا، پھر میں واپس لوٹا تو میں نے غسل نہ کیا، اس بارے میں راہنمائی فرمائیے کیا حکم ہے؟ (جزاکم اللہ خیراً)

جواب ماضی کی نسبت سے تو یہ حکم ہے کہ غسل جنابت کے بغیر جو نمازیں پڑھیں ہیں، انہیں دوبارہ پڑھنا ہو گا کیونکہ مسائل شہر میں تھا اور پانی کا حصول اس کی استطاعت میں تھا ہاں البتہ سردی کے خوف کی وجہ سے وہ تیمم کر سکتا ہے لیکن اگر پانی گرم کرنے کی سہولت میسر ہو تو پھر غسل کرنا واجب ہو گا۔ اگر آدمی سفر میں ہو، پانی گرم کرنے کا انتظام نہ ہو تو تیمم کر سکتا ہے اور اس صورت میں اس پر کوئی چیز لازم نہ ہوگی اور جب پانی پالے تو اسے غسل کرنا ہوگا۔

شیخ ابن عثیمین

اونٹ کا گوشت ناقض وضوء ہے

سوال کیا اونٹ کا گوشت کھانے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے؟ حدیث میں وارد ہے کہ ایک شخص سے بو محسوس کی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے تمام حاضرین کو حکم دیا کہ وہ وضوء کریں اور ہم نے ابتداً یہ میں یہ پڑھا تھا کہ اونٹ کا گوشت کھانے

سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب یہ قصہ تو مطلقاً بے اصل اور نبی کریم ﷺ کی طرف ایک جھوٹی بات منسوب ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ یہ بھی فرما سکتے تھے کہ جو شخص بے وضوء ہو گیا ہے وہ وضوء کرے۔ محدث کے معلوم نہ ہونے کی وجہ سے سب لوگوں پر وضوء کرنا لازم نہیں ہوتا۔

اونٹ کا گوشت کھانے کی صورت میں صحیح بات یہ ہے کہ اس سے وضوء کرنا واجب ہے، خواہ گوشت تھوڑا کھایا ہو یا زیادہ، کچا کھایا ہو یا پکا کر اور خواہ اونٹ کے جسم کے کسی بھی حصہ کا گوشت کھایا ہو کیونکہ نبی ﷺ کے ارشاد:

«تَوَضَّؤْا مِنْ لَحْمِ الْاِبِلِ» (جامع الترمذی، کتاب الطہارۃ، باب ما جاء فی الوضوء من لحوم الابل، ح: ۸۱، وسنن أبي داود، کتاب الطہارۃ، باب الوضوء من لحوم الابل، ح: ۱۸۴)

”اونٹ کے گوشت سے وضوء کرو۔“

کے عموم سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح حدیث میں ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا۔

«يَا رَسُولَ اللَّهِ اَتَوَضَّؤُا مِنْ لَحْمِ الْغَنَمِ؟ قَالَ: اِنْ شِئْتَ، قَالَ: اَتَتَوَضَّؤُا مِنْ لَحْمِ الْاِبِلِ؟ قَالَ: نَعَمْ» (صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب الوضوء من لحوم الابل، ح: ۳۶۰)

”یا رسول اللہ! کیا ہم بکری کا گوشت کھانے کے بعد وضوء کریں؟“ فرمایا ”اگر چاہو تو کر لو“ اس نے عرض کیا ”کیا ہم اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضوء کریں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں“

تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بکری کا گوشت کھانے کے بعد وضوء کرنے کو کھانے والے کی مرضی پر منحصر قرار دیا تو معلوم ہوا کہ اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضوء کرنا انسان کی مرضی پر منحصر نہیں ہے اور یہی معنی ہیں اس بات کے کہ اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضوء کرنا واجب ہے۔

شیخ ابن عثیمین

کثرت گیس کا عارضہ

سوال مجھے کثرت گیس کا عارضہ لاحق ہے جو نماز میں بھی رکاوٹ بنتا ہے اور کبھی نماز پڑھتے ہوئے بھی یہ عارضہ لاحق ہو جاتا ہے تو اس صورت حال میں کیا میں نماز توڑ دوں یا غیر طاہر حالت ہی میں پڑھتی رہوں؟ مجھے ایک نماز کے لئے کئی بار وضوء کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے بہت تکلیف اور مشقت اٹھانا پڑتی ہے، خصوصاً سردیوں کے موسم میں اس سے بہت تکلیف ہوتی ہے۔

جواب نماز میں وضوء کی حفاظت اور ہوا کے روکنے کی کوشش کرو، اگر ہوا کا خروج دائمی اور مستقل نوعیت کا ہو تو اس شخص کے حکم میں ہو گا جس کا حدث دائمی ہوتا ہے۔ مثلاً سلسل البول اور استخاضہ کی مریضہ لہذا اس صورت میں مشقت کی وجہ سے وضوء نہیں ٹوٹے گا ہاں البتہ آپ کو اس بیماری کا مقدور بھر علاج ضرور کرانا چاہئے۔

شیخ ابن جبرین

وضوء میں تسلسل

سوال میں وضوء کر رہا تھا کہ ٹونٹی سے پانی آنا ختم ہو گیا، میں نے کچھ وقت انتظار کیا اور جب پانی آیا تو وہ اعضاء جو میں پہلے دھو چکا تھا خشک ہو گئے تھے، تو کیا اب مجھے سارا وضوء دوبارہ کرنا ہو گا یا جہاں تک پہلے کر چکا تھا، اس سے آگے کر لوں؟

جواب اس سوال کا جواب موالات (تسلسل) کے معنی اور اس کے صحت نماز کے لئے شرط ہونے پر مبنی ہے۔ اور اصل مسئلہ میں علماء کے دو قول ہیں۔ ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ موالات شرط ہے اور وضوء اگر تسلسل ہی کے ساتھ کیا جائے تو صحیح ہو گا اور اگر بعض اعضاء کو ایک دفعہ دھویا بعض کو دوسری دفعہ دھویا اور درمیان میں وقفہ آگیا تو اس سے وضوء صحیح نہ ہو گا اور اس مسئلہ میں یہی قول راجح ہے کیونکہ وضوء ایک عبارت ہے لہذا ضروری ہے کہ اس عبارت کے بعض اجزاء بعض دیگر کے ساتھ متصل ہوں۔ اگر ہم یہ کہیں کہ موالات واجب اور صحت وضوء کے لئے شرط ہے تو سوال یہ ہے کہ موالات کیسے ہو گی؟

بعض علماء تو یہ کہتے ہیں کہ موالات یہ ہے کہ ایک عضو کے دھونے کو آپ اس قدر مؤخر نہ کریں کہ اس سے پہلے دھویا ہوا عضو خشک ہو جائے الا یہ کہ کسی ایسی وجہ سے تاخیر ہو گئی ہو جس کا طہارت ہی سے تعلق ہو مثلاً یہ کہ کسی ایک عضو پر پینٹ وغیرہ لگا ہوا تھا، اس نے اسے دور کرنے کی کوشش کی اور اس کوشش کی وجہ سے تاخیر ہو گئی اور پہلے دھوئے ہوئے اعضاء خشک ہو گئے، اس صورت میں وہ اپنے وضوء کے پہلے تسلسل ہی کو برقرار رکھے گا خواہ اس میں خاصی دیر ہو جائے کیونکہ اسے ایسے کام کی وجہ سے دیر ہوئی ہے، جس کا طہارت کے ساتھ تعلق ہے اور اگر تاخیر پانی کے حصول کی وجہ سے ہوئی ہو جیسا کہ اس سوال میں ہے تو بعض اہل علم کے بقول اس صورت میں موالات باقی نہیں رہتی لہذا وضوء از سر نو دوبارہ شروع کرنا ہو گا اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی موالات باقی ہے کیونکہ یہ امر غیر اختیاری ہے، وضوء کرنے والا تو تکمیل وضوء کے لئے انتظار کرتا رہا ہے لہذا جب پانی آجائے تو اسے صرف باقی ماندہ وضوء کرنا چاہئے خواہ اس کے اعضاء خشک ہو گئے ہوں۔

بعض علماء جو موالات کے وجوب اور شرط کے قائل ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ موالات کا تعلق عضو کے خشک ہونے سے نہیں بلکہ عرف سے ہے۔ عرف کے مطابق جسے وقفہ سمجھا جائے وہ وقفہ ہو گا اور اس سے موالات قطع ہو جائے گی اور جسے عرف وقفہ نہ سمجھے وہ وقفہ نہ ہو گا اور اس سے موالات ختم نہ ہو گی مثلاً پانی منقطع ہونے کی صورت میں جو لوگ پانی کھینچنے میں مشغول ہیں تو اس صورت کو وضوء کے اول و آخر میں انقطاع شمار نہیں کیا جاتا لہذا انہیں پہلے وضوء کو صحیح شمار کرتے ہوئے صرف باقی ماندہ وضوء کرنا ہو گا اور یہی قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ جب پانی آجائے تو صرف باقی ماندہ وضوء کو مکمل کریں الا یہ کہ درمیان میں وقفہ بہت زیادہ طویل ہو جائے جو اسے عرف سے خارج کر دے تو پھر از سر نو وضوء کرنا ہو گا۔ اس مسئلہ میں دونوں صورتوں کے لئے گنجائش ہے۔

شیخ ابن عثیمین

پانی کی موجودگی میں تیمم جائز نہیں

سوال میں ایک نوجوان ہوں، پڑھائی میں مصروف ہوں اور رات کو ہونے والے احتلام کی وجہ سے مشقت میں مبتلا ہوں، کبھی تنگی وقت اور کبھی شرمندگی کی وجہ سے فوری طور پر غسل نہیں کر سکتا۔ کبھی میں بحالت جنابت ہی باجماعت نماز پڑھ لیتا ہوں اور پھر مناسب وقت پر غسل کر کے نماز دوہرا لیتا ہوں اور کبھی پاک مٹی سے تیمم کر کے اور پھر وضوء کر کے نماز پڑھ لیتا ہوں اور اسے دوہراتا بھی نہیں ہوں کیونکہ میں نے یہ مسئلہ سن رکھا ہے کہ اگر کوئی دوست کسی دوست کے ہاں شب بسر کرے، اسے احتلام ہو جائے اور اسے خوف ہو کہ اسے شک کی نگاہ سے دیکھا جائے گا تو وہ تیمم کر لے۔ اور کبھی کبھی صبح کی نماز کو مؤخر کر کے ظہر کے ساتھ ادا کر لیتا ہوں تاکہ آسانی کے ساتھ غسل کر سکوں۔ ان صورتوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے؟

جواب برادر! آپ کے لئے یہ لازم ہے کہ احتلام ہونے پر نماز سے پہلے غسل ضرور کر لیں خواہ احتلام ہر رات ہو کیونکہ اس سے غسل واجب ہے۔ جب آپ شہر میں ہوں اور پانی بھی وافر مقدار میں موجود ہو تو غسل ساقط نہیں ہوتا اور نہ کسی کو ترک غسل میں معذور سمجھا جائے گا اور پھر اب تو مسجدوں میں گھروں میں اور بازاروں میں ہر جگہ غسل خانے موجود ہونے کی وجہ سے غسل کرنے میں کوئی دشواری نہیں بلکہ بہت آسانی پیدا ہو گئی ہے لہذا ہر حال میں آپ کے لئے غسل کرنا لازم ہے اور دین کے حکم پر عمل کرنے میں شرمانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تیمم تو صرف اس صورت میں جائز ہے جب پانی موجود نہ ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَمْ يَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا ﴾ (المائدة/ ۶)

”اگر پانی نہ پاؤ تو تیمم کرو۔“

اس دوست کا قصہ حجت نہیں ہے، جس نے دوست کے پاس شب بسر کی اور اسے احتلام ہو گیا اور اس نے سوء ظنی سے بچنے کے لئے تیمم کر لیا تو یہ کسی نے اپنے اجتہاد سے فتویٰ دیا ہو گا اور شاید اس کا تعلق کسی خاص حالت سے ہو عام حالات پر اسے منطبق نہیں کیا جاسکتا لہذا غسل کرنا از بس ضروری ہے، قدرت کے باوجود اسے ظہر یا کسی اور وقت تک مؤخر کرنا بھی جائز نہیں، اسی طرح پانی کی موجودگی میں تیمم کرنا بھی ہرگز جائز نہیں الا یہ کہ بہت سخت سردی ہو، پانی گرم کرنے کا کوئی انتظام نہ ہو اور ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے کی صورت میں موت یا کسی اور نقصان کے بچنے کا اندیشہ ہو تو اس صورت میں تیمم کا جواز ہے۔

— شیخ ابن جبرین —

زکام اور تیمم

سوال میں زکام کا دائمی مریض ہوں، علاج سے بھی مجھے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ کیا میرے لئے تیمم کرنا درست ہے؟ حالت جنابت میں میرے لئے کیا حکم ہے؟

جواب جب انسان بیمار ہو اور پانی کے استعمال سے بیماری میں اضافہ یا صحت یابی میں تاخیر کا اندیشہ ہو تو اس کے لئے تیمم کرنا جائز ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَأَطَهَّرُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ يَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ﴾

(المائدة/۵/۶)

”اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں سے بیت الخلاء سے ہو کر آیا ہو یا تم نے عورتوں سے ہم بستری کی ہو اور تمہیں پانی نہ مل سکے تو تم پاک مٹی سے اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح (یعنی تیمم) کر لو۔“

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس دائمی زکام میں جس میں تم مبتلا ہو پانی کا استعمال بیماری میں اضافہ یا صحت میں تاخیر کا سبب نہیں بنتا۔ اور اگر یہ بات واقعی درست ہو کہ پانی کا استعمال اس مرض میں اثر انداز نہیں ہوتا تو پھر آپ کیلئے حدیث اصغر کی صورت میں پانی سے وضوء اور حدیث اکبر کی صورت میں پانی سے غسل کرنا واجب ہے، کیونکہ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ تیمم کرنے سے آپ کو کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ اس سلسلہ میں آپ طیب سے بھی مشورہ کر لیں، اگر طیب یہ کہے کہ پانی کا استعمال آپ کیلئے نقصان دہ ہے تو پھر تیمم کرنے میں کوئی حرج نہیں، ورنہ پانی سے طہارت حاصل کرنا ضروری ہو گا۔

شیخ ابن عثیمین

نیند میں منیٰ کا خروج

سوال کیا نیند میں منیٰ خارج ہونے سے غسل واجب ہو جاتا ہے؟ نیز وہ کون سی اشیاء ہیں جن سے غسل واجب ہو جاتا ہے؟

جواب نیند میں منیٰ خارج ہونے سے غسل واجب ہو جاتا ہے، خواہ احتلام نہ بھی یاد ہو اور اگر کسی شخص کو احتلام تو ہو لیکن انزال نہ ہو تو اس سے غسل لازم نہ ہو گا۔

نیند میں منیٰ خارج ہونے سے غسل واجب ہو جاتا ہے لیکن اگر بیداری میں منیٰ پیشاب کے ساتھ بہہ کر نکلے اور لذت نہ ہو تو اس سے غسل واجب نہ ہو گا۔ لیکن اگر اچھل کر لذت کے ساتھ خارج ہو تو غسل واجب ہو گا۔ مباشرت کی صورت میں محض نختنے کے مقالات کے آپس میں ملنے سے غسل واجب ہو جاتا ہے خواہ انزال نہ بھی ہو۔

شیخ ابن جبرین

اس خارج ہونے والے مادہ کا کیا حکم ہے؟

سوال میں جب اپنی بیوی سے خوش طبعی کی باتیں کرتا ہوں تو محسوس کرتا ہوں کوئی چیز خارج ہو رہی ہے اور جب میں اپنے کپڑوں کا جائزہ لیتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک بے رنگ لیس دار مادہ خارج ہوا ہے۔ کیا اس مادہ کے خروج کی صورت میں بھی مکمل طہارت یعنی غسل کرنے کی ضرورت ہے؟

جواب اگر خارج ہونے والا یہ مادہ منیٰ ہے تو غسل واجب ہو گا اور منیٰ مشہور و معروف مادہ ہے جو اچھل (نپک) کر لذت

کے ساتھ خارج ہوتا ہے۔ اور اگر یہ مادہ منی نہیں بلکہ مذی ہے جو غیر محسوس طور پر اکثر و بیشتر فتور شہوت کے وقت خارج ہوتا ہے تو اس سے غسل واجب نہیں ہوتا بلکہ واجب یہ ہوتا ہے کہ آلہ تناسل اور خصیتین کو دھو کر وضوء کر لیا جائے جب کہ منی کے خروج کی صورت میں غسل واجب ہے اور جب یہ شک ہو کہ یہ منی ہے یا مذی تو پھر اسے مذی پر محمول کیا جائے گا اور غسل واجب نہ ہو گا۔ اس صورت میں آلہ تناسل، خصیتین اور کپڑے کے آلودہ حصے کو دھولو اور نماز کے لئے وضوء کی طرح وضوء کر لو۔

شیخ ابن عثیمین

زخمی کس طرح غسل کرے؟

سوال میں نوجوان لڑکی ہوں۔ میرے ہاتھ میں کندھے کے قریب زخم آیا جس کی وجہ سے آپریشن کرانا پڑا۔ ڈاکٹر نے مجھے غسل سے منع کیا ہے تاکہ پانی لگنے سے زخم خراب نہ ہو لیکن چند دنوں بعد ہی میں اپنے ایام حیض سے فارغ ہوئی اور میں نے غسل کا ارادہ کیا تو حیران و پریشان ہو گئی کہ اب کیا کروں؟ کیا اس جگہ کو چھوڑ کر باقی سارے جسم کو دھولوں؟ لیکن مجھے معلوم ہے کہ غسل تو اس صورت میں ہی کامل ہوتا ہے جب تمام اعضاء کو دھویا جائے اور پھر زخم ہے ایسی جگہ کہ اسے نہاتے ہوئے پانی سے بچانا بہت مشکل ہے؟

جواب غسل حیض وغیرہ کے لئے اس حالت میں آپ اپنے جسم کو جس قدر غسل دے سکتی ہیں، اسے غسل دینا لازم ہے۔ زخم پر پٹی وغیرہ رکھ کر باقی جسم کو دھولو اور اگر اس میں مشقت ہو اور ایسا ممکن نہ ہو تو زخم سے نیچے کے حصہ کو جس میں زخم نہیں ہے دھولو۔

شیخ ابن جریر

مباشرت سے غسل کرنے کی حکمت

سوال بیوی سے مباشرت کرنے کے بعد غسل میں کیا حکمت ہے؟

جواب مباشرت اور احتلام کی صورت میں غسل کرنا واجب ہے کیونکہ شریعت نے ہمیں یہ حکم دیا ہے، حکمت خواہ ہمارے سامنے نہ بھی ظاہر ہو۔ اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا اور ان کے سامنے سر اطاعت جھکا دینا واجب ہے۔ علماء نے اس میں حکمتیں اور مصلحتیں بیان بھی کی ہیں مثلاً ایک قول یہ ہے کہ یہ چونکہ حدث اکبر ہے لہذا اس کی وجہ سے سارے جسم کا غسل لازم ہے جیسا کہ حدث اصغر کی صورت میں اطراف بدن کا دھونا (وضو) لازم ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ منی کے خارج ہونے سے چونکہ کمزوری اور سستی لاحق ہوتی ہے لہذا قوت و نشاط کے حصول کے لئے غسل کو لازم قرار دیا گیا ہے اور تجربہ شاہد ہے کہ غسل کرنے سے قوت و نشاط حاصل ہوتی ہے جب کہ ترک غسل سے کمزوری اور کئی نفسیاتی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔

شیخ ابن جریر

جنبی کا غسل کرنے سے پہلے سونا

سوال میں نے مباشرت کی اور پھر سو گیا تو مجھ سے کہا گیا کہ مباشرت کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ اگر وہ سونے یا کھانے کا ارادہ کرے تو کم از کم وضوء ضرور کرے جب کہ بعض دیگر لوگوں نے کہا کہ یہ واجب نہیں بلکہ مستحب ہے لہذا اس مسئلہ میں فتویٰ عطا فرمائیے۔ جزاکم اللہ خیراً

جواب جنبی کے لئے مسنون یہ ہے کہ وہ سونے، کھانے یا دوبارہ مباشرت کرنے کے لئے شرم گاہ کو دھو کر وضوء کرے لیکن یہ ضروری نہیں ہے، البتہ سونے کے سلسلہ میں اس کی تاکید بہت آئی ہے۔ حدیث سے ثابت ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! کیا ہم میں سے کوئی بحالت جنابت سو سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”ہاں جب وہ وضوء کرے“ لیکن اگر کوئی سونے سے پہلے وضوء یا غسل نہ کرے تو کوئی گناہ نہیں ہو گا کیونکہ حدیث سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کبھی کبھی بحالت جنابت پانی کو چھوئے بغیر ہی سو جایا کرتے تھے۔ لہذا جنابت کی حالت میں سونے سے پہلے وضوء کر لینا چاہئے اور اگر نہ کیا جائے تو گناہ نہیں، وضوء کر لینے سے جنابت میں تخفیف ہو جاتی ہے اور اگر سونے سے پہلے غسل کر لیا جائے تو یہ افضل ہے۔ واللہ اعلم

شیخ ابن جریر

موزوں پر مسح

وضوء کے بغیر پہنی ہوئی جرابوں کے ساتھ نماز

سوال میں نے نماز فجر وضوء کر کے ادا کی اور پھر جرابیں پہننا بھول گیا اور سو گیا اور پھر جب کام پر جانے کے لئے بیدار ہوا تو میں نے جرابیں پہنیں اور اس وقت میں با وضوء نہ تھا لیکن جب ظہر کا وقت آیا تو میں نے وضوء کیا اور جرابوں پر مسح کر کے نماز پڑھ لی اور پھر عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں بھی اسی طرح مسح کر کے ادا کیں کیونکہ میں یہ سمجھتا رہا کہ میں نے انہیں با وضوء پہنا ہے۔ عشاء کی نماز کے قریباً دو گھنٹے بعد مجھے یاد آیا کہ میں نے جب جرابیں پہنی تھیں تو میں با وضوء نہ تھا تو ان چار نمازوں کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ صحیح ہیں یا نہیں؟ یاد رہے میں نے عمداً ایسا نہیں کیا۔

جواب جو شخص غیر طہاں حالت میں موزے یا جرابیں پہنے اور پھر ان پر بھول کر مسح کرے اور نماز پڑھے تو اس کی نماز باطل ہے، اسے ان نمازوں کو دوہرانا ہو گا جو اس نے مسح سے پڑھی ہیں کیونکہ مسح کے درست ہونے کے لئے تمام اہل علم کے اجماع کے مطابق شرط یہ ہے کہ جرابوں کو بحالت وضوء پہنا ہو اور جس نے انہیں وضوء کے بغیر پہنا ہو اور ان پر مسح کر کے نماز پڑھ لی ہو تو اس کا حکم اس انسان کی طرح ہے جو بغیر وضوء کے نماز پڑھ لے اور نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

«لَا تُقْبَلُ صَلَاةٌ بِغَيْرِ طَهْوَرٍ وَلَا صَدَقَةٌ مِنْ غُلُولٍ» (صحیح مسلم، کتاب الطہارة، باب وجوب الطہارة للصلاة، ح: ۲۲۴)

”وضوء کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی اور خیانت سے صدقہ قبول نہیں ہوتا“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تُقْبَلُ صَلَاةٌ أَحَدِكُمْ إِذَا أَحَدَتْ حَتَّى يَتَوَضَّأَ» (صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب لا تقبل صلاة بغير

طهور، ح: ۱۳۵، ۶۹۵۴، و صحیح مسلم، کتاب الطہارة، باب وجوب الطہارة للصلاة، ح: ۲۲۵)

”تم میں سے جب کوئی شخص بے وضوء ہو جائے تو اس کی اس وقت تک نماز قبول نہیں ہوتی جب تک وہ

وضوء نہ کرے“

اور اس کے متعلق حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض سفروں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لئے تشریف لے گئے اور جب واپس تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضوء فرمایا، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ وضوء کے لئے پانی ڈال رہے تھے، وضوء کرتے ہوئے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سر مبارک کا مسح فرمایا تو حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ آپ کے موزوں کو اتارنے کے لئے جھکے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«دَعَهُمَا فَإِنِّي أَدْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ فَمَسَحَ عَلَيْهِمَا» (صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب إذا ادخل

رجليه وهما طاهرتان، ح: ۲۰۶)

”ان کو چھوڑ دو کیونکہ میں نے انہیں بحالت وضوء پہنا ہے“

اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں موزوں پر مسح فرمایا۔ اس باب میں اور بھی بہت سی احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل کو ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی چاروں نمازیں دوہرانا ہوں گی اور بھولنے کی وجہ سے اسے کوئی گناہ بھی نہ ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ دعاء سکھائی ہے:

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا﴾ (البقرة ۲/۲۸۶)

”اے ہمارے پروردگار! اگر ہم سے بھول یا چوک ہو گئی ہو تو ہم سے مواخذہ نہ کرنا۔“

اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَنَّ اللَّهَ سُبْحَانَهُ قَالَ: قَدْ فَعَلْتُ» (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان تجاوز اللہ تعالیٰ عن

حدیث النفس ...، ح: ۱۲۶)

”اللہ تعالیٰ نے ہماری اس دعاء کو شرف قبولیت سے نوازا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر بندوں سے کوئی

غلطی یا بھول چوک ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کا مواخذہ نہیں فرماتا۔ (فلله الحمد والشکر علی ذلک)“

— شیخ ابن باز —

بایاں پاؤں دھونے سے پہلے دائیں پاؤں میں جراب پہن لینا

سوال وضوء کرتے ہوئے ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ جب تک آپ اپنے بائیں پاؤں کو نہ دھولیں، دائیں پاؤں میں جراب پہننا جائز نہیں ہے۔ میں نے عرصہ ہوا ایک کتاب میں جس کا اب نام یاد نہیں، یہ پڑھا تھا کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور راجح قول یہی ہے کہ یہ جائز نہیں۔ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟

جواب افضل اور احوط یہی ہے کہ بایاں پاؤں دھونے سے پہلے جرابیں نہ پہنی جائیں کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«إِذَا تَوَضَّأَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْ خُفَيْهِ فَلْيَمْسَحْ عَلَيْهِمَا وَلْيُصَلِّ فِيهِمَا، وَلَا يَخْلَعُهُمَا إِنْ شَاءَ إِلَّا مِنَ الْجَنَابَةِ» (رواه الحاكم، ۱/۱۸۱، والدارقطني ۱/۲۰۳، ۲۰۴ قال الحاكم اسنادہ صحیح علی

شرط مسلم)

”جب تم میں سے کوئی وضوء کر کے موزے پہن لے تو وہ ان پر مسح کر کے نماز پڑھ لے اور اگر چاہے تو انہیں نہ اتارے ہاں البتہ غسل جنابت کے لئے انہیں اتارنا ہوگا۔“

اور اسی طرح حضرت ابو بکرؓ سے روایت ہے کہ:

«أَنَّ رَخَّصَ لِلْمَسَافِرِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ، وَلِلْمُقِيمِ يَوْمًا وَلَيْلَةً، إِذَا تَطَهَّرَ فَلْيَسْ خُفَيْهِ أَنْ يَمْسَحَ عَلَيْهِمَا» (انخرجه الدارقطني، ۱/۱۹۴، وابن حزيمة، ۱/۱۹۲، وقال الترمذي في علله الكبير

سألت محمدا يعني البخاري في هذا الحديث فقال حديث صفوان بن عسال، حديث حسن)

”نبی کریم ﷺ نے مسافر کو تین دن اور ان کی راتیں اور مقیم کو ایک دن رات کے لئے رخصت دی ہے کہ جب وہ بحالت وضوء موزے پہنے تو ان پر مسح کرے۔“

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو وضوء کرتے ہوئے دیکھا تو ارادہ کیا کہ

آپ ﷺ کے موزے اتار دیں تو نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا:

«دَعَّيْهُمَا فَإِنِّي أَذْخَلْتُهُمَا طَاهِرَتَيْنِ» (صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب إذا ادخل رجله وهما

طاهرتان، ح: ۲۰۶)

”انہیں چھوڑ دو کیونکہ میں نے انہیں بحالت وضوء پہنا ہے۔“

ان تینوں اور ان کے ہم معنی احادیث کے بظاہر الفاظ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان کے لئے موزوں پر مسح جائز نہیں ہے الا یہ کہ اس نے انہیں کمال طہارت کے بعد پہنا ہو اور جو شخص بائیں پاؤں کے دھونے سے پہلے دائیں پاؤں میں موزہ یا جراب پہن لیتا ہے تو اس نے اسے طہارت کی تکمیل سے پہلے پہن لیا ہے۔ بعض اہل علم اس صورت میں بھی مسح کے جواز کے قائل ہیں کہ یعنی خواہ بائیں پاؤں کو دھونے سے پہلے دائیں پاؤں میں موزہ یا جراب کو پہن لیا تو مسح جائز ہے کیونکہ دونوں پاؤں میں سے ہر ایک میں طہارت کے بعد جراب کو پہنا گیا ہے، لیکن زیادہ احتیاط پہلے قول ہی میں ہے اور دلیل کے اعتبار سے بھی بظاہر یہی قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے، تو جس شخص نے ایسا کر لیا اسے چاہئے کہ وہ مسح سے پہلے اپنے دائیں پاؤں سے موزے یا جراب کو اتار لے اور پھر بائیں پاؤں کو دھونے کے بعد اسے پاؤں میں پہنے تاکہ وہ اختلاف سے بچ سکے اور دین میں اس پہلو کو اختیار کر لے جس میں احتیاط ہے۔ واللہ ولی التوفیق!

— شیخ ابن باز —

بہت باریک جراب پر مسح

بہت باریک جراب پر مسح کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

سوال

جواب جراب پر مسح کرنے کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ موٹی ہو اور پاؤں کو چھپائے ہوئے ہو اور اگر جراب باریک ہو تو مسح جائز نہ ہو گا کیونکہ اس صورت میں تو پاؤں گویا تنگ ہو گا۔

— شیخ ابن باز —

سوال روٹی، ادن یا نائیلون کی بنی ہوئی ان جرابوں پر بھی مسح جائز ہے جو آج کل استعمال ہوتی ہیں؟ موزوں پر مسح کی کیا شرائط ہیں؟ کیا جوتے کے ساتھ نماز ادا کرنا جائز ہے؟

جواب ایسی جرابوں پر بھی مسح جائز ہے جو پاک ہوں اور قدم کو چھپائے ہوئے ہوں جس طرح موزوں پر مسح جائز ہے کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے جرابوں اور موزوں پر مسح فرمایا۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے بھی یہ ثابت ہے کہ انہوں نے جرابوں پر مسح کیا۔ جرابوں اور موزوں میں فرق یہ ہے کہ موزے چڑے کے بنائے جاتے ہیں جب کہ جراب روٹی وغیرہ سے بنائی جاتی ہے۔ موزوں اور جرابوں پر مسح کی شرطیں یہ ہیں کہ وہ پاؤں کو چھپائے ہوئے ہوں، انہیں بحالت طہارت پہنا گیا ہو۔ مقیم ایک دن رات اور مسافر تین دن رات کے لئے مسح کر سکتا ہے، وقت کا آغاز بے وضو ہونے کے بعد پہلے مسح سے شمار ہو گا تاکہ اس مسئلہ میں وارد تمام احادیث پر عمل ہو جائے۔ ایسے جوتوں میں نماز جائز ہے جو پاک ہوں اور ان کو کوئی نجس چیز نہ لگی ہوئی ہو کیونکہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ:

«لَأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، صَلَّى فِي نَعْلَيْهِ»

”آپ ﷺ نے نعلین شریفین میں نماز ادا فرمائی۔“

اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ:

«إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَلْيَقْلِبْ نَعْلَيْهِ فَإِنَّ رَأَى فِيهِمَا أَدَى فَلْيَمْسَحْهُ ثُمَّ لِيُصَلِّ فِيهِمَا» (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب الصلاة في النعل، ح: ٦٥٠)

”جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو وہ اپنے جوتوں کو الٹ کر دیکھ لے، اگر ان میں کوئی گندگی ہو تو اسے رگڑ کر صاف کر لے اور ان میں نماز پڑھ لے۔“

جب مسجد میں دریاں یا قالین وغیرہ بچھے ہوں تو پھر زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ آدمی جوتے اتار کر کسی مناسب جگہ رکھ دے یا انہیں ایک دوسرے کے اوپر رکھ کر اپنے پاؤں میں رکھ لے تاکہ نمازیوں کے لئے مسجد کا فرش خراب نہ ہو۔ واللہ ولی التوفیق

— شیخ ابن باز —

کس قسم کے موزہ پر مسح جائز ہے؟

سوال کیا موزوں پر مسح کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ مخصوص قسم کے ہوں یا ہر قسم کے موزوں پر مسح کرنا جائز ہے؟

جواب ایسے ہر قسم کے موزوں پر مسح کرنا جائز ہے جو پاؤں اور ٹخنوں کو چھپائے ہوئے ہوں، پاک ہوں، پاک جانوروں مثلاً اونٹ، گائے اور بکری وغیرہ کی کھال سے بنے ہوں، انہیں بحالت وضو پہنا ہو۔ اسی طرح جرابوں پر بھی مسح جائز ہے جس طرح موزوں پر جائز ہے۔ اور علماء کے دو قولوں میں سے زیادہ صحیح قول یہی ہے۔ یاد رہے جرابیں وہ ہیں جنہیں روٹی یا

اون وغیرہ سے بتایا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے جرابوں اور نعلین پر مسح فرمایا، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے بھی یہی ثابت ہے اور پھر حصول سہولت میں جرابیں موزوں ہی کی مانند ہیں۔ مدت مسح کے سلسلہ میں یاد رہے کہ یہ مسافر کے لئے تین دن رات اور مقیم کے لئے ایک دن رات ہے۔ اور علماء کے صحیح قول کے مطابق مدت کا آغاز بے وضوء ہونے کے بعد پہلے مسح سے ہو گا جیسا کہ اس سلسلہ میں وارد صحیح احادیث سے یہ ثابت ہے۔ مسح طہارت صغریٰ میں کیا جاتا ہے اور اگر طہارت کبریٰ درپیش ہو تو پھر مسح کی اجازت نہیں بلکہ موزوں کو اتار کر پاؤں کو دھونا فرض ہو گا کیونکہ صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

«أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، إِذَا كُنَّا سَفَرًا أَلَّا نَنْزِعَ خِصْفَانَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ إِلَّا مِنْ جَنَابَةِ، وَلَكِنْ مِنْ غَائِطٍ وَبَوْلٍ وَتَوَمُّمٍ» (سنن ترمذی، کتاب الطہارۃ، باب المسح علی الخفین للمسافر والمقیم، ح: ۹۶، ۳۵۳۵، ومسند احمد، ۴/۴۰ وابن خزیمہ، ۱/۱۹۳)

”رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم جب مسافر ہوں تو تین دن اور رات موزے نہ اتاریں ہاں البتہ حالت جنابت میں انہیں اتارنا ہو گا بول و براز اور نیند کی وجہ سے انہیں اتارنے کی ضرورت نہیں ہے۔“

طہارت کبریٰ سے مراد وہ طہارت ہے جو جنابت، حیض اور نفاس کے بعد حاصل کی جاتی ہے اور حدث صغریٰ یعنی بول و براز اور خروج ریح جیسے نواقص وضوء کی صورت میں جو طہارت حاصل کی جاتی ہے، اسے طہارت صغریٰ کہتے ہیں۔ واللہ ولی التوفیق!

شیخ ابن باز

موسم گرما میں عذر کے بغیر جرابوں پر مسح کرنا

سوال میں بعض نمازیوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ موسم گرما میں بھی وضوء کرتے ہوئے جرابوں پر مسح کرتے ہیں۔ امید ہے کہ آپ اس پر روشنی ڈالیں گے کہ اس میں کہاں تک گنجائش ہے؟ نیز یہ کہ مقیم کے لئے افضل کیا ہے پاؤں کو دھونا یا مسح کرنا؟ یاد رہے مسح کرنے والوں کے پاس بجز اس کے کوئی عذر نہیں کہ اس کی رخصت ہے؟

جواب احادیث صحیحہ کے عموم سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ موزوں اور جرابوں پر موسم گرما ہو یا سرما مسح کرنا جائز ہے۔ مجھے کسی ایسی شرعی دلیل کا علم نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ مسح صرف موسم سرما میں جائز ہے ہاں البتہ ضروری ہے کہ جرابوں پر مسح کے سلسلہ میں شرعی طور پر معتبر شرطوں کو ملحوظ رکھا جائے۔ مثلاً جراب نے اس مقام کو ڈھانپ رکھا ہو جسے دھونا فرض ہے، اسے بحالت طہارت پہنا گیا ہو، مدت مسح ملحوظ رکھی جائے جو مسافر کے لئے تین دن رات اور مقیم کے لئے ایک دن رات ہے۔ اور علماء کے صحیح قول کے مطابق بے وضوء ہونے کے بعد پہلے مسح سے مدت کا آغاز ہو گا۔ واللہ ولی التوفیق۔

شیخ ابن باز

مدت مسح

سوال کیا جرابوں کا پہننا انسان کے لئے ایک دن رات کے ساتھ مقید ہے یعنی صرف پانچ نمازیں ہی پڑھ سکتا ہے؟ اور اگر وہ بحالت طہارت پانچ سے زیادہ نمازیں پڑھ لے تو پھر کیا حکم ہے؟ مثلاً اس نے عشاء کی نماز کے بعد مسح کا آغاز کیا اور فجر، ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں مسح کے ساتھ ادا کیں۔ مغرب کا وضوء برقرار تھا کہ عشاء کا وقت ہو گیا تو کیا وہ مغرب کے اس وضوء کے ساتھ نماز عشاء ادا کر سکتا ہے یا اسے جرابیں اتار کر وضوء کرنا پڑے گا؟

جواب حدیث سے ثابت ہے کہ:

«وَقَتَّ لِلْمُسَافِرِ فِي الْمَسْحِ عَلَى الْمُحْفَيْنِ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ بِلَيَالِيهَا وَلِلْمُقِيمِ يَوْمًا وَكَيْلَةً» (واصلہ فی سنن أبي داود، کتاب الطہارۃ، باب التوقيت فی المسح، ح: ۱۵۷، وسنن نسائی، کتاب الطہارۃ، باب التوقيت فی المسح علی الخفین للمقیم، ح: ۱۲۸، ۱۲۹)

”نبی کریم ﷺ نے موزوں پر مسح کے لئے مسافر کے لئے تین دن رات اور مقیم کے لئے ایک دن رات کی مدت کا تعین فرمایا۔“

آپ ﷺ نے مسح کی رخصت کا تعین نمازوں کی تعداد کے حساب سے نہیں فرمایا، اس لئے مقیم مسح کے ساتھ پانچ سے زیادہ نمازیں بھی پڑھ سکتا ہے۔ مثلاً حدث کے بعد نماز مغرب کے وضوء میں مسح کرے، پھر مغرب و عشاء جمع تقدیم کی صورت میں ادا کرے پھر نماز فجر، ظہر اور عصر کے لئے وضوء اور مسح کر لے اور پھر مغرب و عشاء کی نمازیں بیماری وغیرہ کے کسی شرعی عذر کی بنا پر جمع تقدیم کی صورت میں ادا کرے تو یہ جائز ہو گا۔

فتویٰ کینی

موزوں پر مسح کے وقت کی ابتداء

سوال موزوں پر مسح کی مدت کا آغاز کب سے شمار ہو گا؟ کیا حدث کے بعد یا وضوء کے بعد سے؟

جواب موزوں پر مسح کی مدت کا آغاز اس وقت سے ہو گا جب وہ حدث کے بعد پہلا مسح کرے گا۔ یہی قول راجح ہے ”کیونکہ نبی کریم ﷺ نے موزوں پر مسح کے لئے جو وقت معین فرمایا ہے، وہ مقیم کے لئے ایک دن رات اور مسافر کے لئے تین دن رات ہے“ تو موزوں پر مسح جب فعلاً ہو گا تو اسی وقت سے اس کا شمار ہو گا اور سابقہ مدت اس میں شمار نہ ہو گی مثلاً اگر کسی نے نماز فجر کے وقت موزے پہنے، ضحیٰ کے وقت وہ بے وضوء ہو گیا اور زوال آفتاب کے وقت اس نے مسح کیا تو مسح کی مدت کا آغاز زوال آفتاب سے ہو گا اور جب دوسرے دن زوال آفتاب ہو گا تو مقیم کے لئے اور جب چوتھے دن زوال آفتاب ہو گا تو مسافر کے لئے مدت ختم ہو جائے گی۔

شیخ ابن عثیمین

جراہوں پر مسح کے بعض احکام

سوال مسافر کتنی مدت کے لئے جراہوں پر مسح کر سکتا ہے؟ اس شخص کے لئے کیا حکم ہے جو ایک بار مسح کر لے اور پھر پانچوں فرض نمازیں اس وضوء سے پڑھ لے، پھر جراب اتارے اور وضوء کرے؟ کیا اس جراب کے اتارنے سے جس پر مسح کیا ہو وضوء ٹوٹ جائے گا؟ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب سے نوازے!

جواب مسافر کے لئے مسح کرنے کی مدت تین دن رات اور مقیم کے لئے ایک دن رات ہے۔ اس مدت کا آغاز حدث کے بعد پہلے مسح سے ہوگا، مثلاً نماز فجر کا وضوء کر کے جرابیں پہنیں، نخی کے وقت آدی بے وضوء ہو گیا اور اس نے زوال آفتاب کے وقت وضوء کرتے ہوئے مسح کیا تو مدت مسح کا آغاز زوال آفتاب کے وقت سے ہو گا اور مقیم ہونے کی صورت میں اگلے ایک دن رات تک اور مسافر ہونے کی صورت میں آئندہ تین دن اور راتوں تک اسے مسح کرنے کی اجازت ہے۔ اگر مسح کی مدت ختم ہو جائے اور آدی کی حالت طہارت برقرار ہو تو اس سے اس کی طہارت ختم نہ ہوگی بلکہ جب تک طہارت ختم نہ ہو اس کی حالت طاہر شمار ہوگی۔

اگر آدی نے وضوء کر کے جرابیں پہنیں اور ابھی تک ایک دفعہ بھی مسح نہیں کیا یعنی ابھی تک وضوء برقرار ہی تھا کہ اس نے جرابوں کو اتار دیا تو اس سے وضوء نہیں ٹوٹے گا اور اگر مسح کرنے کے بعد جرابوں کو اتارا تو پھر بھی صحیح بات یہی ہے کہ اس کا وضوء نہیں ٹوٹے گا کیونکہ اس صورت میں وضوء کے ٹوٹنے کی کوئی دلیل نہیں ہے لیکن دوبارہ جرابیں پہننے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وضوء کر کے پاؤں دھوئے!

شیخ ابن عثیمین

حیض اور نفاس

حج میں حیض اور نفاس والی عورت کے لئے طواف و دواع

سوال حیض اور نفاس والی عورت طواف و دواع کس طرح کرے گی؟

جواب حیض اور نفاس والی عورت کے لئے طواف و دواع کا حکم نہیں ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی

حدیث سے یہ ثابت ہے کہ:

«أَمَرَ النَّاسُ أَنْ يَكُونُوا آخِرُ عَهْدِهِمْ بِالْبَيْتِ إِلَّا أَنَّهُ خُفِّفَ عَنِ الْمَرْأَةِ الْحَائِضِ» (صحیح بخاری، کتاب الحج، باب طواف الوداع، ح: ۱۷۵۵، و صحیح مسلم، کتاب الحج، باب وجوب طواف الوداع عن الحائض، ح: ۱۳۲۸)

”رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو یہ حکم دیا کہ آخری عمل بیت اللہ کا طواف ہونا چاہئے لیکن حائضہ عورت کو آپ نے اس سے مستثنیٰ قرار دیا۔“

اہل علم کے ہاں اس سلسلہ میں نفاس والی عورت کا حکم بھی یہی ہے۔

شیخ ابن باز

جب نفاس والی عورت چالیس دنوں سے پہلے پاک ہو جائے

سوال امید ہے آپ اس مسئلہ میں فتویٰ سے نوازیں گے کہ نفاس والی عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ چالیس دنوں کے بعد ہی نمازیں پڑھے یا پاک ہونے کی صورت میں وہ چالیس دنوں سے پہلے بھی نماز پڑھ سکتی ہے؟

جواب نفاس والی عورت جب پاک ہو جائے تو وہ غسل کر کے روزہ رکھ سکتی اور نماز پڑھ سکتی ہے خواہ اس نے چالیس دن پورے کئے ہوں یا ابھی نہ کئے ہوں۔ اور جب وہ چالیس دن پورے کر لے اور پھر بھی خون جاری ہو تو وہ غسل کر کے نماز شروع کر دے خواہ خون جاری ہو کیونکہ چالیس دنوں کے بعد جاری رہنے والا خون، خون استحاضہ کے مانند فاسد خون ہے الا یہ کہ انہی ایام میں خون حیض جاری ہو جائے تو پھر اسے اپنے معمول کے ایام کے مطابق صوم و صلوة کو چھوڑ دینا ہو گا اور ایام ختم ہونے کی بعد غسل کر کے نماز پڑھنا شروع کرنا ہوگی۔ وباللہ التوفیق ((وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

فتویٰ کمیٹی

حائضہ عورت سے مباشرت کا کفارہ

سوال عورت حیض و نفاس سے فارغ تو ہو گئی لیکن ابھی تک اس نے غسل نہیں کیا تھا کہ اس کے شوہر نے ازراہ جمالت اس سے مباشرت کر لی تو کیا اس صورت میں کوئی کفارہ ہے اور وہ کیا ہے؟ اس مباشرت کے نتیجہ میں اگر عورت حاملہ ہو جائے تو کیا پیدا ہونے والے بچے کو ولد حرام (حرام زادہ) کہا جائے گا؟

جواب حائضہ عورت سے مباشرت کرنا حرام ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذَىٰ فَأَعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ﴾

(البقرة ۲/۲۲۲)

”اور آپ سے حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہہ دیجئے وہ تو نجاست ہے سو ایام حیض میں عورتوں سے کنارہ کش رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان سے مقاربت نہ کرو۔“

جو شخص حالت حیض میں مقاربت کر بیٹھے، اسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کرنی چاہئے نیز اس فعل کے کفارہ کے طور پر اسے ایک یا نصف دینار صدقہ بھی کرنا چاہئے جیسا کہ امام احمد اور اصحاب سنن نے جید سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی یہ حدیث روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«قَالَ فِي الَّذِي يَأْتِي امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ يَمْسَدُقُ بِدَيْنَارٍ أَوْ نِصْفِ دَيْنَارٍ فَأَيُّهُمَا أَخْرَجَتْ أَجْرًاكَ (سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب في اتیان الحائض، ح: ۲۶۴، وسنن ترمذي، كتاب الطهارة،

باب ما جاء في الكفارة في ذلك، ح: ۱۳۶، ۱۳۷، ومسند احمد، ۱/۳۶۷)

”جو شخص حیض کی حالت میں اپنی بیوی سے مقاربت کرے تو اسے ایک یا نصف دینار صدقہ کرنا چاہئے۔“
ان میں سے جو بھی صدقہ کر لے وہ کافی ہو گا اور ایک دینار کی مقدار ۴/۷ سعودی پاؤنڈ کے برابر ہے اگر سعودی پاؤنڈ بطور مثال ستر ریال کے برابر ہو تو آپ کو بیس یا چالیس ریال فقراء میں تقسیم کرنے چاہئیں۔
یہ بھی جائز نہیں کہ مرد اپنی بیوی سے انقطاع خون کے بعد مگر اس کے غسل کرنے سے پہلے مقاربت کرے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَقْرُبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَظْهَرَ نَجَسُهُنَّ فَإِذَا تَنَظَّهَرْنَ فَأَتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ﴾ (البقرة ۲/۲۲۲)

”اور جب تک پاک نہ ہو جائیں ان سے مقاربت نہ کرو ہاں جب پاک ہو جائیں تو جس طریق سے اللہ نے تمہیں ارشاد فرمایا ہے، ان کے پاس جاؤ۔“

اللہ تعالیٰ نے حائضہ عورت سے مقاربت کی اجازت نہیں دی تاوقتیکہ اس کا خون ختم ہو جائے اور وہ غسل کر کے پاک ہو جائے۔ جو شخص اس کے غسل کرنے سے پہلے مقاربت کرے وہ گناہ گار ہو گا اور اس پر کفارہ ہو گا۔ حالت حیض میں یا انقطاع خون کے بعد اور غسل سے پہلے مباشرت کے نتیجے میں اگر حمل قرار پا جائے تو اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بچے کو حرامی نہیں کہا جائے گا بلکہ وہ اس کا شرعی بچہ ہو گا۔

فتویٰ کمیٹی

حائضہ کے لئے دعائیں پڑھنا

سوال کیا حائضہ کے لئے عرفہ کے دن دعاؤں کی کتابوں کا پڑھنا جائز ہے جب کہ ان کتابوں میں قرآنی آیات پر مشتمل دعائیں بھی ہوتی ہیں؟

جواب حیض و نفاس والی عورتوں کے لئے مناسک حج کے سلسلہ میں لکھی ہوئی دعاؤں کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ صحیح قول کے مطابق قرآن مجید پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ کوئی ایسی صحیح اور صریح نص موجود نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ حیض اور نفاس والی عورت کے لئے قرآن مجید پڑھنے کی ممانعت ہے۔ ممانعت صرف جنبی مرد اور عورت کے لئے ہے کہ وہ قرآن نہ پڑھے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے ثابت ہے۔ حیض اور نفاس والی کے بارے میں یہ جو حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما ہے کہ:

«لَا تَقْرَأِ الْحَائِضُ وَلَا الْجُنُبُ شَيْئًا مِّنَ الْقُرْآنِ» (سنن ترمذی، کتاب الطہارۃ، باب ما جاء فی الجنب والحائض ...، ح: ۱۳۱، وسنن ابن ماجہ، کتاب الطہارۃ وسننہا، باب ما جاء فی قراءۃ القرآن علی غیر طہارۃ، ح: ۵۹۵، ۵۹۶، هذا حدیث ضعیف لان اسماعیل بن عیاش قد وثقه أئمة الحدیث فی اهل الشام، وضعفوه فی الحجازین وهو روی هذا الحدیث عن موسى بن عقبه وهو من اهل الحجاز، قال البيهقي هذا حدیث ضعیف لا یحتج بها انظر ارواء الغلیل، ۱۹۲)

”حائض اور جنبی قطعاً قرآن مجید نہ پڑھیں۔“

تو یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اسے اسماعیل بن عیاش نے مجازی راویوں سے روایت کیا ہے اور وہ ان سے روایت

کرنے میں ضعیف ہے، ہاں البتہ حیض یا نفاس والی کو زبانی، قرآن مجید کو ہاتھ لگائے بغیر پڑھنے کی اجازت ہے جب کہ جنسی غسل کے بغیر زبانی پڑھ سکتا ہے اور نہ دیکھ کر۔ اور فرق کا سبب یہ ہے کہ جنسی کے لئے وقفہ جنابت بہت کم ہوتا ہے۔ اس کے لئے یہ ممکن ہوتا ہے کہ مقاربت کے فوراً بعد جب چاہے غسل کر لے، معاملہ اس کے اپنے ہاتھ میں ہے، اگر وہ پانی استعمال کرنے سے عاجز ہو تو تیمم کر کے نماز اور قرآن مجید پڑھ سکتا ہے لیکن حیض و نفاس والی عورت کا معاملہ اس کے اپنے ہاتھ میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور پھر حیض و نفاس کا سلسلہ کئی دن تک جاری رہتا ہے لہذا ان کے لئے قرآن مجید پڑھنے کی اجازت دے دی گئی تاکہ یہ قرآن مجید کو بھول نہ جائیں اور تلاوت اور کتاب اللہ کے شرعی احکام حاصل کرنے کی فضیلت سے محروم نہ رہیں لہذا ایسی کتابوں کے پڑھنے کی تو انہیں بالادولی اجازت ہے جو آیات و احادیث کی ملی جلی دعاؤں پر مشتمل ہوں۔ علماء کے قول میں سے یہی درست اور زیادہ صحیح قول ہے۔

— شیخ ابن باز —

حائضہ کے لئے کتب تفسیر کا مطالعہ

سوال میں غیر ظاہر حالت مثلاً معمول کے ایام میں بھی بعض کتب تفسیر کا مطالعہ کر لیتی ہوں تو کیا اس میں کوئی حرج نہیں ہے؟ کیا اس میں گناہ تو نہیں ہے؟ فتویٰ سے سرفراز فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے!

جواب علماء کرام کے صحیح قول کے مطابق حیض اور نفاس والی کے لئے کتب تفسیر کے پڑھنے بلکہ ہاتھ لگائے بغیر قرآن مجید کے پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں لیکن جنسی کے لئے مطلقاً ممنوع ہے کہ جب تک وہ غسل نہ کرے قرآن مجید نہیں پڑھ سکتا لیکن وہ کتب تفسیر و حدیث کا اس طرح مطالعہ کر سکتا ہے کہ درمیان میں آنے والی آیات کو نہ پڑھے کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ:

«أَنَّه كَانَ لَا يَحْجُزُهُ شَيْءٌ عَنْ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ إِلَّا الْجَنَابَةُ» (سنن أبي داود، كتاب الطهارة، باب في الجنب بقراءة القرآن، ح: ۲۲۹، وسنن ابن ماجه، كتاب الطهارة، باب قراءة القرآن على غير طهارة، ح: ۵۹۴، ومسند احمد، ۱/ ۸۴، ۱۲۴)

”رسول اللہ ﷺ جنابت کے سوا اور کسی وجہ سے قرآن مجید کی تلاوت سے نہیں رکتے تھے۔“

مسند احمد کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ:

«فَأَمَّا الْجُنُبُ فَلَا وَلَا آيَةَ» (مسند احمد، ۱/ ۱۱۰)

”جنسی کو ایک آیت پڑھنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔“

— شیخ ابن باز —

ماہانہ معمول میں اضطراب

سوال میں بیالیس برس کی ایک خاتون ہوں، میرا ماہانہ معمول چار دن کے لئے ہوتا ہے اور پھر تین دن تک خون بند

رہتا ہے لیکن ساتویں دن پھر خون جاری ہو جاتا ہے لیکن خفیف مقدار میں اور پھر خون ٹیالے رنگ میں تبدیل ہو کر بارہویں دن تک جاری رہتا ہے۔ میں خون کی کمی کے مرض میں مبتلا تھی لیکن علاج کے بعد بحمد اللہ یہ مرض ختم ہو گیا ہے۔ میں نے اپنی مذکورہ حالت کے بارے میں ایک متقی پرہیزگار طبیب سے مشورہ بھی کیا تو اس نے کہا کہ میں چوتھے دن کے بعد غسل کر کے نماز، روزہ اور دیگر عبادات کو شروع کر دوں اور عملاً گزشتہ دو سال سے طبیب کے اسی مشورہ پر عمل کر رہی ہوں لیکن بعض خواتین نے مجھ سے کہا ہے کہ آٹھ دن تک انتظار کروں۔ امید ہے کہ آپ راہنمائی فرمائیں گے کہ میرے لئے صحیح طریق کار کیا ہے؟

جواب مذکورہ چار اور سات، سارے ایام، ایام حیض ہیں۔ ان دنوں میں نماز، روزے کو چھوڑ دو اور تمہارے شوہر کے لئے ان دنوں میں تقاربت بھی حلال نہیں۔ چار دنوں کے بعد غسل کر کے نماز پڑھو اور چار اور سات ایام کی اس درمیانی مدت تین دن میں تمہارے شوہر کے لئے تقاربت بھی حلال ہے ان دنوں میں روزہ رکھنے میں بھی کوئی ممانعت نہیں، اگر رمضان ہو تو پھر ان دنوں کا روزہ بھی واجب ہو گا اور جب بعد کے سات دنوں سے فارغ ہو جاؤ تو غسل کر کے تمام پاک عورتوں کی طرح نماز اور روزہ بجالاؤ کیونکہ ماہانہ معمول یعنی حیض میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے اور اس کے ایام کبھی اکٹھے ہوتے ہیں اور کبھی الگ الگ بھی!

شیخ ابن باز

غسل کے بعد خون

سوال میں معمول کے پانچ ایام گزارنے کے بعد جب غسل کرتی ہوں تو کبھی کبھی غسل کے فوراً بعد تھوڑا سا خون آجاتا ہے اور پھر اس کے بعد نہیں آتا۔ مجھے نہیں معلوم کہ میں صرف پانچ دن شمار کروں اور اس سے زیادہ کو شمار نہ کروں اور نماز، روزہ شروع کر دوں یا اس دن کو بھی معمول کے ایام میں شمار کروں اور نماز، روزہ چھوڑ دوں۔ یاد رہے یہ صورت حال ہمیشہ نہیں ہوتی بلکہ دو یا تین حیض کے بعد ہوتی ہے۔ امید ہے راہنمائی فرمائیں گے۔

جواب طہارت کے بعد خارج ہونے والا مادہ اگر پیلے یا ٹیالے رنگ کا ہے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں، اس کا حکم پیشاب کے حکم کی مانند ہے اور اگر یہ مادہ صریحاً خون ہے تو پھر اسے حیض شمار کیا جائے گا اور آپ کو خون ختم ہونے کے بعد دوبارہ غسل کرنا ہو گا۔ ام عطیہ رضی اللہ عنہا۔ جو صحابیات میں سے ہیں۔ بیان کرتی ہیں کہ:

«كُنَّا لَا نَعُدُّ الضُّفْرَةَ وَالْكُدْرَةَ بَعْدَ الطَّهْرِ شَيْئًا» (صحيح بخاري، كتاب الحيض، باب الصفرة والكدره في غير ايام الحيض، ح: ۳۲۶، وأبو داود، كتاب الطهارة، باب في المرأة ترى الصفرة والكدره بعد الطهر، ح: ۳۰۷)

”طہارت کے بعد آنے والے پیلے یا ٹیالے رنگ کے مادہ کو ہم کچھ شمار نہیں کرتی تھیں۔“

شیخ ابن باز

مانع حیض گولیوں کا استعمال

سوال کچھ ایسی گولیاں ہیں جن کے استعمال سے عورتوں کا معمول رک جاتا یا وقت سے مؤخر ہو جاتا ہے۔ کیا ان کا استعمال بوقت حج جائز ہے تاکہ معمول کی وجہ سے حج میں خلل نہ پڑے؟

جواب عورت کے لئے موسم حج میں مانع حیض گولیوں کا استعمال جائز ہے لیکن یہ استعمال ماہر طبیب کے مشورہ سے ہونا چاہئے کہ اس سے عورت کی سلامتی کو تو کوئی خطرہ نہ ہو گا۔ اسی طرح عورت کے لئے رمضان میں بھی ان گولیوں کا استعمال جائز ہے جب وہ سب لوگوں کے ساتھ مل کر روزہ رکھنے کو پسند کرے۔

فتویٰ کمیٹی

حائضہ کے لئے مسجد سے ملحقہ حصوں میں داخلہ

سوال امریکہ میں ایک مسجد کی تین منزلیں ہیں۔ اوپر کی منزل عورتوں کی نماز کے لئے ہے اور اس کے نیچے کی منزل اصلی مسجد ہے اور اس کے نیچے کی جو منزل ہے اس میں وضوء اور غسل کی جگہ، مجلات اور اسلامی جرائد و اخبارات کے لئے جگہ اور عورتوں کی تعلیم اور نماز کے لئے جگہ بنائی گئی ہے۔ کیا اس سب سے چلی منزل میں حائضہ عورتوں کے لئے داخلہ جائز ہے نیز اس مسجد میں ایسے ستون بنائے گئے ہیں جو نمازیوں کی صفوں کے درمیان میں آجانے سے صف کے دو حصے ہو جاتے ہیں، کیا اس سے صف ٹوٹی تو نہیں ہے؟

جواب جب مذکورہ بالا عمارت کو مسجد کے لئے بنایا گیا ہے اور اوپر اور نیچے کی دونوں منزلوں والے امام کی آواز کو سنتے ہیں تو سب کی نماز صحیح ہے اور حائضہ خواتین کے لئے اس جگہ بیٹھنا جائز نہیں، جسے چلی منزل میں خواتین کی نماز کے لئے مخصوص کیا گیا ہے کیونکہ یہ جگہ مسجد کے تابع ہے اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«إِنِّي لَا أُحِلُّ الْمَسْجِدَ لِحَائِضٍ وَلَا جُنُبٍ» (سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ، باب فی العنقب یدخل المسجد، ح: ۲۳۲)

”میں حائضہ اور جنبی کے لئے مسجد کو حلال قرار نہیں دیتا۔“

ہاں البتہ بعض ضرورتوں کے پیش نظر حائضہ کے لئے مسجد سے گزرنا جائز ہے اس احتیاط کے ساتھ کہ خون نہ گرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا جُنُوبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ﴾ (النساء/۴۳)

”اور جنابت کی حالت میں بھی قریب نہ جاؤ الا یہ کہ راستے چلے جا رہے ہو۔“

اور حدیث سے ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ وہ آپ ﷺ کو مسجد سے مصلیٰ لا دیں تو انہوں نے عرض کیا کہ وہ حائضہ ہیں تو نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ حَيْضَتَكَ لَيْسَتْ فِي يَدِكَ» (صحیح مسلم، کتاب الحيض، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها ... ح: ۲۹۸، ومسنند احمد ۸۶/۲، ۴۵/۶)

”بلاشبہ تمہارا حیض تمہارے ہاتھوں میں تو نہیں ہے۔“

پہلی منزل وقف کرنے والے نے اگر مسجد کی نیت نہ کی ہو بلکہ اس کے سٹور بنانے یا دیگر ضروریات کے استعمال کے لئے جیسا کہ سوال میں بیان کیا گیا ہے، نیت کی ہو تو یہ جگہ مسجد کے حکم میں نہ ہوگی، اس جگہ حائض و جنبی کے لئے بیٹھنا جائز ہو گا اور اس حصہ میں نماز پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ جگہ طہارت خانوں کے تابع نہ ہو، جس طرح باقی پاک مقامات پر نماز پڑھی جاسکتی ہے، یہاں بھی پڑھی جاسکتی ہے لیکن یہاں نماز پڑھنے والا اوپر کی منزل میں نماز پڑھانے والے امام کی اقتداء نہیں کرے گا جب کہ وہ اسے یا بعض نمازیوں کو نہ دیکھ سکتا ہو کیونکہ علماء کے راجح قول کے مطابق اس صورت میں یہ جگہ مسجد کے تابع نہ ہوگی۔ صفوں کے درمیان میں واقع ستونوں سے نماز کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا ہاں اگر یہ ممکن ہو کہ صف کو ستونوں سے آگے یا پیچھے بنا لیا جائے اور وہ درمیان میں حائل نہ ہوں تو یہ افضل اور اکمل ہے۔
واللہ ولی التوفیق!

— شیخ ابن باز —

نفاس والی عورتوں کا گھروں سے باہر نکلنا

سوال کیا نفاس والی عورتوں کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ مدت نفاس کے اختتام سے قبل گھروں سے باہر نہ نکلیں؟
جواب نفاس والی عورتیں بھی دوسری عورتوں ہی کی طرح ہیں۔ بوقت ضرورت ان کے لئے بھی گھروں سے باہر جانے میں کوئی حرج نہیں اور اگر ضرورت نہ ہو تو پھر تمام عورتوں کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے گھروں ہی میں رہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى﴾ (الأحزاب ۳۳/۳۳)
”اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور جس طرح (پہلے) جاہلیت کے دنوں میں اظہار زینت کرتی تھیں اس طرح زینت نہ دکھاؤ۔“

— شیخ ابن باز —

جب نفاس والی عورت چالیس دنوں سے پہلے پاک ہو جائے

سوال اگر نفاس والی عورت چالیس دنوں سے پہلے پاک ہو جائے تو کیا اس کے لئے نماز، روزہ اور حج جائز ہے؟
جواب ہاں! اس کے لئے نماز، روزہ، حج اور عمرہ جائز اور اس کے شوہر کے لئے مقاربت حلال ہے خواہ وہ بیس دنوں بعد پاک ہو جائے تو پھر بھی اسے غسل کر کے نماز روزہ شروع کر دینا ہو گا۔ اس کے شوہر کے لئے وظیفہ زوجیت بھی حلال ہو گا۔ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے جو یہ مروی ہے کہ انہوں نے اسے مکروہ سمجھا ہے تو یہ مکروہ تنزیہ یا احتیاط پر محمول ہو گا اور یہ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کا اپنا اجتہاد ہے اور اس کی کوئی دلیل نہیں۔ درست بات یہی ہے کہ اگر وہ چالیس دنوں سے پہلے پاک ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس کی طہارت صحیح ہوگی اور اگر اس کے بعد دوبارہ خون آ جائے تو پھر صحیح بات یہ ہے کہ وہ نفاس کی مدت چالیس دن شمار کرے لیکن بحالت طہارت اس کی نماز، روزہ اور حج صحیح ہو گا، حالت طہارت میں ادا کئے ہوئے ان میں سے کسی عمل کو دہرانے کی ضرورت نہ ہوگی۔

شیخ ابن باز

جنین ساقط ہونے کی صورت میں عورت کے لئے احکام

سوال بعض حاملہ عورتوں کا جنین ساقط ہو جاتا ہے، کئی جنین ایسے ہوتے ہیں جن کی تخلیق مکمل ہو چکی ہوتی ہے اور بعض ایسے ہوتے ہیں جن کی تخلیق ابھی مکمل نہیں ہوئی ہوتی، امید ہے کہ آپ یہ وضاحت فرمائیں گے کہ ان دونوں صورتوں میں نماز کا کیا حکم ہوگا؟

جواب جب عورت ایسے جنین کو ساقط کرے جس کا سر ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء بن چکے ہوں تو وہ نساء (نفاس والی) ہے، اس کے لئے وہی احکام ہوں گے جو نفاس کے ہیں، وہ طہارت یا چالیس دن سے پہلے نماز پڑھے گی نہ روزہ رکھے گی اور نہ اس کے شوہر کے لئے اس سے مقارنت حلال ہوگی۔ اگر وہ چالیس دنوں سے کم میں ظاہر ہو جائے تو اس کے لئے غسل، نماز اور رمضان کے روزے واجب ہوں گے اور اس کے شوہر کے لئے اس سے مقارنت حلال ہوگی۔

نفاس کی کم سے کم مدت کی کوئی حد نہیں، اگر وہ ولادت کے دس دن بعد یا اس سے کم یا زیادہ دنوں میں پاک ہو جائے تو اس کے لئے غسل کرنا واجب ہو گا اور اس کے لئے ظاہر عورتوں کے احکام ہوں گے اور وہ خون جو وہ چالیس دنوں کے بعد دیکھے، وہ فاسد خون ہو گا اس کی موجودگی میں وہ نماز، روزہ کر سکتی ہے اور اس کے شوہر کے لئے مقارنت بھی حلال ہے۔ مستحاضہ کی طرح اسے ہر نماز کے وقت میں وضوء کرنا ہو گا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فاطمہ بنت جحش --- جب وہ مستحاضہ تھیں --- سے فرمایا کہ:

«وَتَوَضَّئِي لِرُفُوتِ كُلِّ صَلَاةٍ»

”ہر نماز کے وقت میں وضوء کرو“^①

اور چالیس دنوں کے بعد اگر ماہانہ معمول یعنی حیض شروع ہو جائے تو اس کے لئے حیض کا حکم ہو گا یعنی اس کے لئے طہارت سے پہلے نماز، روزہ اور جنسی عمل حرام ہو گا۔

اگر ساقط ہونے والے جنین میں عمل تخلیق ابھی تک واضح نہ ہوا ہو، یعنی ابھی تک وہ گوشت کا لوتھڑا سا ہو، اس میں ہاتھ پاؤں نمایاں نہ ہوئے ہوں یا ابھی تک صرف خون ہی ہو تو اس کے لئے حیض و نفاس کا نہیں بلکہ مستحاضہ کا حکم ہو گا، یہ نماز پڑھے گی، رمضان کے روزے بھی رکھے گی، اس کے شوہر کے لئے وظیفہ زوجیت بھی حلال ہو گا، اسے ہر نماز کے وقت میں وضوء کرنا ہو گا، مستحاضہ کی طرح روئی وغیرہ کے ساتھ خون کو گرنے سے روکنا ہو گا حتیٰ کہ وہ پاک ہو جائے، اسے ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھنے کی بھی اجازت ہے، اس کے لئے ظہر و عصر، مغرب و عشاء اور صبح کی نماز کے لئے غسل کرنے کا بھی حکم ہے جیسا کہ اس سلسلہ میں حدیث حسنہ بنت جحش سے ثابت ہے کیونکہ اس صورت میں اہل علم کے نزدیک یہ عورت مستحاضہ کے حکم میں ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

① امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”ان الروایة لکل صلاة لالوقت کل صلاة“ روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ہر نماز کے لئے وضوء کرو۔ یہ الفاظ نہیں ہیں کہ ہر نماز کے وقت کے لئے وضوء کرو۔ نیل الاوطار، جلد: 1، ص: 275۔ امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات درست ہے۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیں: منن ابی داؤد، کتاب الطہارة، باب من قال تغتسل من طہرالی طہر ح: 298۔

شیخ ابن باز

نفاس کی کم سے کم کوئی حد مقرر نہیں

سوال

کیا نفاس والی عورت جب چالیس دنوں سے پہلے پاک ہو جائے تو وہ نماز اور روزہ ادا کر سکتی ہے؟

جواب

جب نفاس والی عورت چالیس دنوں سے پہلے پاک ہو جائے تو اس کے لئے غسل، نماز اور رمضان کے روزے رکھنا واجب ہے اور اہل علم کا اجماع ہے کہ اس کے شوہر کے لئے مقاربت بھی حلال ہے۔ یاد رہے نفاس کی کم سے کم کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ (واللہ ولی التوفیق)

شیخ ابن باز

جب حیض معمول سے زیادہ دنوں تک جاری رہے

سوال

جب عورت کا ماہانہ معمول آٹھ یا سات دنوں کا ہو لیکن کبھی ایک یا دو مرتبہ یہ معمول اس سے زیادہ ہو جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب

جب عورت کا معمول چھ یا سات دنوں کا ہو لیکن اس مدت میں اضافہ ہو جائے اور یہ سلسلہ آٹھ یا نو یا دس یا گیارہ دنوں تک طول پکڑ جائے تو ان دنوں میں بھی اسے نماز نہیں پڑھنی ہوگی حتیٰ کہ پاک ہو جائے کیونکہ نبی ﷺ نے حیض کے لئے کوئی حد مقرر نہیں فرمائی اور ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذْنَىٰ﴾ (البقرة ۲/۲۲۲)

”اور آپ سے حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، کہہ دیجئے وہ تو نجاست ہے۔“

تو جب تک یہ خون باقی ہو گا عورت اپنے حال ہی پر ہوگی حتیٰ کہ خون بند ہو جائے، غسل کر لے اور نماز پڑھنی شروع کر دے۔ اگر دوسرے مہینے اس سے کم دنوں کے لئے حیض آئے تو جب پاک ہو جائے غسل کر لے خواہ سابقہ مدت کے مطابق نہ ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ جب تک حیض موجود ہو گا عورت نماز نہیں پڑھے گی خواہ حیض معمول کے ایام کے مطابق ہو یا ان سے زیادہ ہو یا کم ہو اور جب پاک ہو جائے گی تو پھر اسے نماز پڑھنی ہوگی۔

شیخ ابن عثیمین

طہارت کے بعد میٹھا یا پیلہ پانی کچھ نہیں

سوال

میرا معمول چھ دن کا ہوتا ہے اور کبھی یہ معمول سات دن کا بھی ہو جاتا ہے۔ میں طہارت کے مشاہدہ کے بعد غسل کر لیتی ہوں لیکن ایک مکمل دن کی طہارت کے بعد میں میٹھے سے رنگ کا پانی دیکھتی ہوں جس کے بارے میں مجھے معلوم نہیں کہ اس کا کیا حکم ہے؟ لہذا میں حیران ہو جاتی ہوں کہ نماز، روزہ اور اپنے خالق کی عبادت سے متعلق دیگر امور ادا کروں یا نہ کروں؟ براہ کرم راہنمائی فرمائیے کہ میں اس حالت میں کیا کروں، اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب سے نوازے گا؟

جواب

طہارت کے بعد نظر آنے والے ٹیالے یا پیلے رنگ کے مادہ کے اخراج کی وجہ سے نماز اور عبادت کو ترک نہیں کرنا چاہئے۔ طہارت کی ایک نمایاں علامت ہے جسے عورتیں خوب پہچانتی ہیں اور اسے خالص سفیدی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، جب عورت اسے دیکھ لے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ مدت حیض ختم اور مدت طہارت شروع ہو گئی ہے لہذا اس وقت غسل کر کے نماز، روزہ اور تلاوت قرآن جیسی عبادت کو بجالانا فرض ہو جاتا ہے۔

شیخ ابن جبرین

جب حیض نماز کے وقت شروع ہو

سوال میرا ماہانہ معمول نماز کے دوران شروع ہو گیا تو اس صورت میں مجھے کیا کرنا ہو گا؟ کیا مدت حیض کی نمازوں کی مجھے تضادینا ہو گی؟

جواب جب حیض کا آغاز نماز کا وقت شروع ہونے کے بعد ہو مثلاً زوال کے نصف گھنٹہ بعد آغاز ہوا تو حیض سے طہارت کے بعد اسے اس نماز کی قضاء دینا ہو گی جس کا وقت اس کی طہارت کی حالت میں شروع ہو گیا تھا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا﴾ (النساء ۴/۱۰۳)

”بے شک نماز کا مومنوں پر اوقات (مقررہ) میں ادا کرنا فرض ہے۔“

لیکن دوران حیض کی نمازوں کی قضاء نہیں ہے، چنانچہ ایک طویل حدیث میں نبی کریم ﷺ کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ:

«الْكَيْسَ إِذَا حَاضَتْ لَمْ تُصَلِّ وَلَمْ تَصُمْ؟» (صحیح بخاری، کتاب الحيض، باب ترك الحائض

الصوم، ح: ۳۰۴، ۹۵۶، ۱۶۶۲، ۱۹۵۱، ۲۶۵۸)

”کیا یہ بات نہیں کہ جب عورت حائضہ ہوتی ہے تو وہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے؟“

اہل علم کا اس مسئلہ پر اجماع ہے کہ عورت کے لئے مدت حیض کی نمازوں کی قضاء نہیں ہے ہاں البتہ عورت جب پاک ہو اور اس قدر وقت ہو کہ وہ اس وقت کی نماز کی ایک یا ایک سے زیادہ رکعتیں پڑھ سکتی ہو تو اس کے لئے اس وقت کی نماز کو پڑھنا فرض ہو گا جس میں وہ پاک ہو گئی ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

«مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الْعَصْرَ» (صحیح مسلم، کتاب

المساجد، باب من ادرك ركعة من الصلاة فقد ادرك تلك الصلاة، ح: ۶۰۸، وسنن أبي داود، کتاب

الصلاة، باب وقت العصر، ح: ۴۱۲، ومسند احمد، ۲/۲۵۴، ۲۸۲)

”جس نے غروب آفتاب سے پہلے عصر کی ایک رکعت بھی پالی تو اس نے عصر کو پالیا۔“

تو جب عورت عصر کے وقت یا طلوع آفتاب سے پہلے پاک ہو اور طلوع و غروب آفتاب میں ایک رکعت کی مقدار کے برابر وقت باقی ہو تو اسے عصر اور فجر کی نماز پڑھنا ہو گی۔

شیخ ابن عثیمین

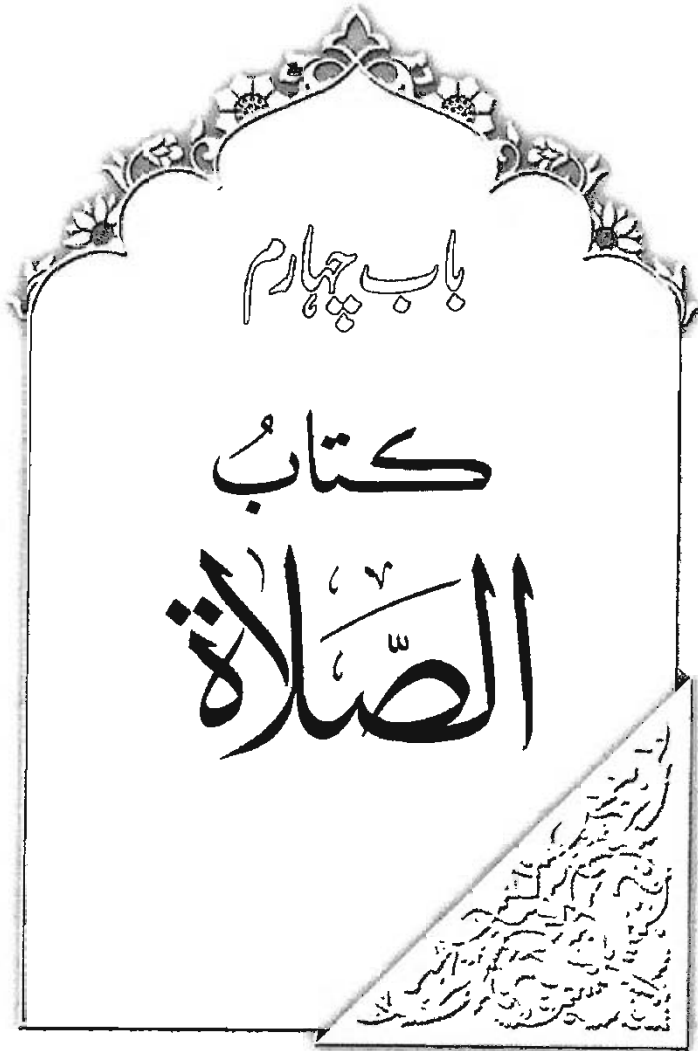
جب جنین تیسرے مہینے ساقط ہو جائے

سوال میں ایک عورت ہوں، تیسرے مہینے میرا جنین ساقط ہو گیا تھا لیکن میں نے پاک ہونے تک نمازیں نہیں پڑھیں۔ اب مجھ سے کہا گیا ہے کہ مجھے نمازیں پڑھنی چاہئے تھیں۔ میں کیا کروں جب کہ متعین طور پر مجھے یہ معلوم بھی نہیں کہ میں نے کتنے دن نمازیں نہیں پڑھیں؟

جواب اہل علم کے ہاں معروف بات یہ ہے کہ جب تیسرے ماہ عورت کا جنین ساقط ہو جائے تو اسے ظاہر ہونے تک نماز نہیں پڑھنی ہوگی کیونکہ جب اس حالت میں اسقاط ہو کہ جنین کے اعضاء بننا شروع ہو گئے ہوں تو اسقاط کے بعد خارج ہونے والا خون نفاس کا ہو گا اور جب تک یہ باقی رہے نماز نہیں پڑھی جائے گی۔ علماء یہ بھی فرماتے ہیں کہ جب جنین اکیاسی (۸۱) ایام کا ہو جائے تو اس میں اعضاء کا پیدا ہونا ممکن ہے اور اکیاسی (۸۱) دن کی یہ مدت تین ماہ سے کم ہے لہذا اگر یہ بات یقینی ہو کہ اسقاط تیسرے ماہ کے بعد ہوا ہے تو یہ نفاس کا خون ہو گا اور اگر اسقاط اسی (۸۰) دنوں سے پہلے ہو گیا ہو تو پھر یہ خون فاسد ہو گا اس کی وجہ سے نماز کو نہیں چھوڑا جائے گا۔ اس سوال کرنے والی خاتون کو چاہئے کہ وہ اچھی طرح یاد کرے، اگر جنین کا اسقاط اسی (۸۰) دنوں سے پہلے ہوا ہے تو اسے نمازوں کی قضاء دینا ہوگی اور اگر اسے متعین طور پر یاد نہیں تو یاد کرنے کی کوشش کرے اور جس مدت کے بارے میں یہ ظن غالب ہو کہ اس میں اس نے نمازیں نہیں پڑھیں تو اس ظن غالب کے مطابق نمازوں کی قضا دے لے۔

— شیخ ابن عثیمین —





اذان اور تکبیر

کیا تکبیر کے بعد دعاء ثابت ہے

سوال نماز جمعہ کے بعد امام صاحب نے فرمایا کہ جب مؤذن اقامت کو مکمل پڑھ لے تو تم کوئی ایسی دعاء نہ پڑھو جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہ ہو، کتاب و سنت میں وارد نہ ہو اور جب مؤذن اقامت میں اللہ کا ذکر کرے تو تم بھی اللہ کا ذکر کرو اور پھر امام کے تکبیر کرنے تک خاموش رہو۔ آج ہم امام صاحب کی ان باتوں کے متعلق آپس میں گفتگو کر رہے ہیں اور امید ہے کہ آپ اس سلسلہ میں جلد راہنمائی فرمائیں گے تاکہ ہمیں اطمینان نصیب ہو؟

جواب سنت یہ ہے کہ اقامت سننے والا بھی وہی کلمات کہے، جو اقامت کرنے والا کہتا ہے کیونکہ یہ ایک طرح سے دوسری اذان ہے، اس کا بھی اذان کی طرح جواب دیا جانا چاہئے اور تکبیر کرنے والا جب «حی علی الصلاة» اور «حی علی الفلاح» کہے تو سننے والے کو اس کے جواب میں کہنا چاہئے «لا حول ولا قوة الا باللہ» تکبیر کرنے والا جب «قد قامت الصلوة» کہے تو اس کے جواب میں «قد قامت الصلوة» ہی کہنا چاہئے اور «أَقَامَهَا اللَّهُ وَآذَانَهَا» نہیں کہنا چاہئے کیونکہ جس حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں وہ ضعیف ہے اور صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

«إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ» (صحیح بخاری، کتاب الأذان، باب ما يقول إذا سمع المنادي، ح: ۶۱۱، و صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه . . . ح: ۳۸۳)

”جب تم مؤذن کو سنو تو اسی طرح کہو جس طرح وہ کہتا ہے۔“

یہ ارشاد اذان و اقامت دونوں کے لئے ہے کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک کو اذان کہا جاتا ہے۔ تکبیر کرنے والا جب «لا اله الا الله» کہے تو اس کے بعد نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی پر درود شریف پڑھنا چاہئے اور پھر یہ دعا:

«اللَّهُمَّ رَبَّ هَذِهِ الدَّعْوَةِ النَّامَةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ أَنْتَ مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ وَأَبْعَثْهُ مَقَامًا مَخْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَهُ حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ» (صحیح بخاری، کتاب الأذان، باب الدعاء عند النداء، ح: ۶۱۴، ۴۷۱۹)

پڑھے جس طرح اذان کے بعد درود شریف اور یہ دعاء پڑھی جاتی ہے، اس کے علاوہ اقامت اور تکبیر تحریمہ کے درمیان کوئی ذکر یا دعاء نہیں، جس کا پڑھنا کسی صحیح حدیث سے ثابت ہو۔ وباللہ التوفیق «وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم»

فتویٰ کمیٹی

کام کی جگہ پر نماز کے لئے اذان

سوال ہمارے کام کی جگہ مسجد سے زیادہ دور نہیں ہے تو کیا ہم کام کی جگہ پر اذان کہہ سکتے ہیں؟
جواب تم لوگوں پر واجب یہ ہے کہ مسجد میں باجماعت نماز ادا کرو کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

«مَنْ سَمِعَ النَّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِ فَلَا صَلَاةَ لَهُ إِلَّا مِنْ عُدْرٍ» (سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد والجماعات، باب التغلیظ فی التخلف عن الجماعة، ح: ۷۹۳ واخرجه الدارقطني، ۱/ ۴۲۰ والحاکم، ۱/ ۲۴۵، والبیہقی، ۳/ ۷۵، من هذا الطريق وسنده صحيح)

”جو شخص اذان سنے اور پھر نماز کے لئے نہ آئے تو اس کی نماز نہیں ہوتی الا یہ کہ کوئی عذر ہو۔“
 ہاں البتہ اگر تمہارے لئے کوئی جبری ممانعت ہو تو پھر اولہ شرعیہ کے عموم کے مطابق تمہارے لئے اپنے کام کی جگہ پر اذان و اقامت جائز ہے۔

شیخ ابن باز

کیا عورت اذان کہہ سکتی ہے؟ کیا اس کی آواز بھی پردہ ہے؟

سوال کیا عورت کے لئے اذان کہنا جائز ہے؟ کیا اس کی آواز کو پردہ شمار کیا جائے گا یا نہیں؟
جواب اولاً: علماء کے صحیح قول کے مطابق عورت کے لئے اذان نہیں ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ اور حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد میں کبھی کسی عورت نے اذان نہیں کہی تھی۔

ثانیاً: عورت کی آواز علی الاطلاق پردہ نہیں ہے کیونکہ عورتیں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اپنی شکایت پیش کرتیں، اسلامی احکام دریافت کرتیں، خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے حکمرانوں سے بھی احکام و مسائل کے بارے میں گفتگو کرتیں، اجنبی مردوں کو سلام کرتیں اور ان کے سلام کا جواب بھی دیتی تھیں اور ائمہ اسلام میں سے کسی نے کبھی بھی اس سے منع نہیں کیا، ہاں البتہ عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ مردوں سے بات کرتے ہوئے اپنے لہجہ میں شیرینی اور حلاوت (مٹھاس) پیدا کرے کیونکہ اس سے مرد فریفتہ ہوں گے اور یہ امر ان کے لئے باعث فتنہ ہو گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَلْبَسْنَ اللَّيْلِيَّ لَسْتِنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقَلْنَ قَوْلًا مَعْرُوفًا﴾ (الأحزاب ۳۳/ ۳۲)

”اے پیغمبر کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم پر ہیزگار رہنا چاہتی ہو تو (کسی اجنبی شخص سے) نرم (لہجے میں) باتیں نہ کیا کرو تاکہ وہ شخص جس کے دل میں کسی طرح کا مرض ہے کوئی (غلط) امید (نہ) پیدا کر لے اور (ان سے) دستور کے مطابق بات کیا کرو۔“

فتویٰ کمیٹی

اذان کے بعد بلند آواز سے ذکر

سوال کچھ اسلامی ملکوں میں بعض مؤذن اذان کے بعد بلند آواز سے کہتے ہیں: «اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَي سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ» کیا اس سلسلہ میں کوئی حدیث وارد ہے؟

جواب اس مسئلہ میں قدرے تفصیل ہے اور وہ یہ کہ اگر اسے مؤذن آہستہ آواز میں کہتا ہے تو یہ اذان دینے والے اور سننے والے دونوں کے لئے شرعی طور پر جائز ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ، فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا، ثُمَّ سَلُّوا اللَّهَ لِي الْوَسِيلَةَ فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِي إِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ وَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَنَا هُوَ، فَمَنْ سَأَلَ لِي الْوَسِيلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ الشَّفَاعَةُ»

(صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤذن لمن سمعه، ح: ۳۸۴)

”جب تم مؤذن کو سنو تو اسی طرح کہو جس طرح وہ کہتا ہے، پھر مجھ پر درود بھیجو، جس نے مجھ پر ایک بار درود بھیجا اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرمائے گا“ پھر میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کا سوال کرو۔ وسیلہ جنت میں ایک (ایسا بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ) مقام ہے جس پر بندگان الہی میں سے صرف ایک انسان ہی فائز ہو گا اور امید ہے کہ یہ شرف مجھے حاصل ہو گا۔ جس شخص نے میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کی دعاء کی اس کے لئے میری شفاعت حلال ہو جائے گی۔“

اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قَالَ حِينَ يَسْمَعُ النَّدَاءَ: اللَّهُمَّ رَبَّ هَذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ أُمَّتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَهُ، حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ» (صحیح بخاری، کتاب الأذان، باب الدعاء عند النداء، ح: ۶۱۴، ۴۷۱۹)

”جو شخص اذان سن کر یہ دعاء پڑھے تو اس کے لئے میری شفاعت حلال ہو جائے گی: ”اے اللہ! اس دعوت کامل اور کھڑی ہونے والی نماز کے مالک تو محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما دے اور ان کو اس مقام محمود تک پہنچا دے جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔“

اور اگر مؤذن ان الفاظ کو اذان ہی کی طرح بلند آواز سے کہتا ہے تو یہ بدعت ہے کیونکہ اس سے یہ وہم ہوتا ہے کہ شاید یہ بھی اذان کا حصہ ہے اور اذان میں اپنی طرف سے اضافہ جائز نہیں۔ اذان کا آخری کلمہ ”لا الہ الا اللہ“ ہے اس میں اضافہ جائز نہیں۔ اگر یہ جائز ہوتا تو سلف صلح سبقت کا مظاہرہ کرتے بلکہ نبی کریم ﷺ خود امت کو یہ سکھاتے اور اس کا حکم فرماتے اور یاد رہے کہ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ» (صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب

رقم: ۲۰، صحیح مسلم، کتاب الافضیة، باب نقض الاحکام الباطلة... ح: ۱۷۱۸)

”جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس پر ہمارا امر نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔“
اللہ سبحانہ سے دعاء ہے کہ وہ ہماری، آپ کی اور سب بھائیوں کی دینی سمجھ بوجھ میں اضافہ فرمائے اور ہم سب کو
محض اپنے فضل و کرم سے دین میں ثابت قدمی سے نوازے۔ انہ سمیع قریب۔

شیخ ابن باز

عورت بلا اقامت نماز پڑھے

سوال کیا عورت کے لئے نماز کی اقامت کہنا جائز ہے یا وہ بغیر اقامت ہی کے نماز پڑھے لے؟
جواب اذان اور اقامت کا حکم صرف مردوں کے لئے ہے، عورتوں کے لئے نہیں ہے۔ بیہقی نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی
یہ روایت بیان کی ہے کہ:

«لَيْسَ عَلَى النِّسَاءِ أَذَانٌ وَلَا إِقَامَةٌ» (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصلاة، باب ليس على النساء أذان

ولا اقامة، ح: ۱۹۵۹)

”عورتوں کے لئے اذان و اقامت نہیں ہے۔“

لہذا عورت کے لئے شرعی حکم یہ ہے کہ وہ اذان و اقامت نہ کہے۔

فتویٰ کمیٹی

نماز کی اقامت کے بعد کلام

سوال نماز کے لئے اقامت کے بعد اور تکبیر تحریمہ سے پہلے ایسے امور کے بارے میں کلام کے لئے کیا حکم ہے جو نماز
سے خارج ہوں مثلاً صفوں کی درستی وغیرہ یا مثلاً گفتگو جو دنیا کی زندگی سے متعلق ہو؟
جواب نماز کھڑی ہونے کے بعد اور تکبیر تحریمہ سے پہلے گفتگو اگر نماز سے متعلق ہو جیسے صفوں کی درستی وغیرہ تو اس کا
شرعاً جواز ہے اور اگر اس گفتگو کا تعلق نماز سے نہ ہو تو افضل یہ ہے کہ اسے ترک کر دیا جائے تاکہ نماز میں داخل ہونے
کی تیاری کی جائے اور اس کی تعظیم بجالائی جائے!

شیخ ابن باز

جب منفرد اقامت کہنا بھول جائے

سوال جب کوئی شخص اکیلا نماز پڑھ رہا ہو، وہ تکبیر کہنا بھول جائے اور نماز شروع کر لے تو کیا اس کی یہ نماز مکمل ہوگی
یا وہ اسے دوبارہ از سر نو پڑھے؟

جواب جب کوئی شخص منفرد یعنی مرد یا عورت انفرادی طور پر نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے لئے یہ حکم نہیں ہے کہ وہ
اقامت بھی کہے کیونکہ اقامت تو نماز باجماعت کے لئے ہوتی ہے اور اس سے مقصود نمازیوں کو یہ معلوم کروانا ہوتا ہے کہ
جماعت کھڑی ہو رہی ہے لہذا انفرادی طور پر نماز پڑھنے والے کو اس کی ضرورت ہی نہیں۔ اقامت، نماز کے شرط اور

ارکان میں سے بھی نہیں ہے لہذا اگر باجماعت نماز بھی اذان اور تکبیر کے بغیر پڑھ لی جائے تو نماز درست ہوگی۔

— شیخ ابن باز —

کیا اقامت کہنے والا امامت بھی کروا سکتا ہے؟

سوال

کیا مؤذن کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اقامت کہہ کر نمازیوں کا امام بھی بن جائے؟

جواب

ہاں یہ جائز ہے کہ ایک ہی شخص اذان و اقامت کہے اور اگر مؤذن دیگر نمازیوں کی نسبت قرآن مجید کا زیادہ عالم ہو تو وہ حاضرین کا امام بھی بن سکتا ہے۔ جب مقررہ امام موجود نہ ہو اور وہ مؤذن کو اپنا نائب بنا جائے تو اس صورت میں بھی مؤذن امامت کروا سکتا ہے، اسی طرح مؤذن کو تنخواہ دار امام کے منصب پر فائز کرنا بھی جائز ہے۔

— شیخ ابن جریر —

پیکر پر اذان کے بعد مؤذن کا یہ کہنا کہ نماز پڑھو اللہ تمہیں ہدایت دے!

سوال

بعض مؤذن اذان فجر سے فارغ ہونے اور مسنون دعاء پڑھنے کے بعد یہ کہتے ہیں ”نماز پڑھو، اللہ تمہیں ہدایت دے۔“ تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (المائدة/ ۳)

”آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔“

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

«عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ مِنْ بَعْدِي، تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَصُوا عَلَيْهَا بِالتَّوَّاجِدِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحَدَّثَاتِ الْأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحَدَّثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ»
(مسند احمد ۱/ ۱۲۶، ۱۲۷)

”میری اور میرے بعد کے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو، اس سے وابستہ ہو جاؤ اور اسے مضبوطی سے تھام لو اور نئے نئے امور سے اپنے آپ کو بچاؤ کیونکہ (دین میں) ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے“

نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ:

«مَنْ أَحَدَّثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ» (صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب إذا اصطلحو علی صلح... ح: ۲۶۹۷، و صحیح مسلم، کتاب الاقصیة، باب نقض الاحکام الباطلة... ح: ۱۷۱۸)

”جو شخص ہمارے دین میں کسی ایسی نئی بات کو پیدا کرتا ہے جو اس میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔“

بعض سلف صالحین سے منقول ہے کہ اتباع کرو اور بدعت ایجاد نہ کرو کیونکہ تمہارے لئے کتاب و سنت کافی ہے۔ لہذا مسلمان کو چاہئے کہ امور عبادت میں وہ صرف اسی پر اکتفاء کرے جس کی مشروعیت ثابت ہو اور اس پر کسی قسم کا اضافہ نہ کرے کیونکہ یہ زائد چیز اگر مستحسن ہوتی تو اس کا شریعت میں ضرور حکم دیا جاتا۔ اگر یہ بات بہتر ہوتی تو نبی ﷺ اس کے بارے میں ضرور بتاتے اور اس پر خود بھی عمل کرتے اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس پر عمل پیرا ہوتے۔ اس تفصیل سے مذکورہ سوال کا جواب خود بخود واضح ہو گیا کہ اذان کے بارے میں صرف اسی پر اکتفا کرنا چاہئے جو اذان کے بارے میں شرعی طور پر ثابت ہے اور اس پر جو بھی اضافہ ہو گا وہ بدعت کے قبیل سے ہو گا۔ واللہ اعلم

فتویٰ کمیٹی

فجر کی پہلی اور دوسری اذان میں فرق

سوال میں نے پڑھا ہے کہ ((الصلوٰۃ خیر من النوم)) کے الفاظ فجر کی پہلی اذان میں کہے جائیں لیکن عصر حاضر میں ہم ان الفاظ کو دوسری اذان میں سنتے ہیں۔ امید ہے آپ دلیل کے ساتھ وضاحت فرمائیں گے؟

جواب اس جملہ کو اذان فجر میں کہا جائے۔ اذان فجر سے مراد وہ اذان ہے جسے طلوع فجر کے بعد فرض نماز کے ادا کرنے کے لئے کہا جاتا ہے۔ احادیث میں جو یہ آیا ہے کہ اسے اذان اول میں کہا جائے تو یہ احادیث صحیح ہیں لیکن اول سے مراد اذان ہے جسے ابتدائے وقت میں مینار کے پاس کہا جاتا ہے اور ان احادیث میں اذان ثانی سے مراد اقامت ہے کیونکہ اقامت کو بھی اذان کہا جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلَاةٌ» (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب کم بین الاذان والاقامة ومن يتظر اقامة

الصلاة، ح: ۶۲۴، و صحیح مسلم، کتاب المسافرین، باب بین کل اذنین صلاة، ح: ۸۳۸)

”ہر دو اذانوں --- یعنی اذان و اقامت --- کے درمیان نماز ہے۔“

رات کے آخری حصہ کی اذان کے بارے میں راجح بات یہ ہے کہ یہ رمضان کے ساتھ خاص ہے کیونکہ اس حدیث میں الفاظ یہ ہیں کہ:

«لَا يَرُدُّكُمْ عَنْ سَحُورِكُمْ أَذَانُ بِلَالٍ فَإِنَّهُ يُؤَدُّنُ بِلَيْلٍ لِيُوقِظَ نَائِمَكُمْ وَيَرْجِعَ قَائِمَكُمْ»

(والحدیث بلفظ، لا یمنعن احدکم اذان بلال . . . الخ، صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب الاذان قبل

الفجر، ح: ۶۲۱، ۵۲۹۸، ۷۲۴۸)

”بلال کی اذان تمہیں سحری کھانے سے نہ روکے، وہ رات کو اذان دیتے ہیں تاکہ وہ تمہارے سوئے ہوئے کو

بیدار کر دیں اور قیام کرنے والا لوٹ جائے۔“

اس سے واضح ہوا کہ یہ اذان اس لئے ہے تاکہ سویا ہوا سحری کے لئے بیدار ہو جائے اور کھڑا ہو کر نماز پڑھنے والا یہ معلوم کرے کہ سحری کا وقت قریب ہے اور وہ اپنی نماز کو ختم کرے لہذا اس میں ((الصلوٰۃ خیر من النوم)) کہنے کی ضرورت نہیں۔

شیخ ابن جریر

عورتوں کے لئے اقامت

سوال جب عورتیں نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے جمع ہوں تو کیا وہ اقامت کہیں؟

جواب اگر وہ اقامت کہہ لیں تو کوئی حرج نہیں اور اگر نہ کہیں تو پھر بھی کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ اذان و اقامت مردوں کے واجبات میں سے ہیں۔

شیخ ابن عثیمین

مؤذن کو سننے والا کیا کہے

سوال کیا اذان کے بعد کی دعاء میں «أَنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِعَادَ» کے الفاظ بھی ہیں یا «وَابْعَثْنَا مَقَامًا مَّخْمُودًا» کے الفاظ پر اکتفاء کرنا چاہئے؟ اسی طرح اقامت سے متعلق یہ سوال ہے کہ «قد قامت الصلوة» کے جواب میں کیا کہا جائے؟

جواب مسلمان کے لئے مستحب یہ ہے کہ جب مؤذن کو سننے تو اسی طرح کہے جس طرح مؤذن کہتا ہے لیکن حیعلتین «حی علی الصلوة» اور «حی علی الفلاح» کے جواب میں اسی طرح نہیں کہنا چاہئے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ» (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب ما یقول إذا سمع

المنادی، ح: ۶۱۱، وصحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب استحباب القول ...، ح: ۳۸۳)

”جب تم مؤذن کو سنو تو اسی طرح کہو جس طرح وہ کہتا ہے“

اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: ”نبی ﷺ نے جب اذان کو سنا تو اسی طرح کہا جس طرح مؤذن نے کہا تھا اور جب آپ ﷺ نے «حی علی الصلوة» اور «حی علی الفلاح» کے کلمات سنے تو فرمایا: «لا حول ولا قوة الا باللہ» پھر نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ قَالَ ذَلِكَ مِنْ قَلْبِهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ» (صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب استحباب القول ...،

ح: ۳۸۵)

”جو شخص دل سے یہ کہے وہ جنت میں داخل ہو جائے گا“

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

«إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ، ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدَةً صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا، ثُمَّ سَلُوا اللَّهَ لِيِ الْوَسِيلَةَ فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَبْعِي إِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ، وَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَنَا هُوَ، فَمَنْ سَأَلَ لِيِ الْوَسِيلَةَ حَلَّتْ عَلَيْهِ الشَّفَاعَةُ» (صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب استحباب القول مثل قول المؤمن لمن سمعه ثم ...،

ح: ۳۸۴)

”جب تم مؤذن کو سنو تو اسی طرح کہو جس طرح وہ کہتا ہے اور پھر مجھ پر درود پڑھو، جس نے مجھ پر ایک دفعہ

درو پڑھا، اللہ تعالیٰ اس پر دس بار رحمتیں نازل فرمائے گا، پھر میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کا سوال کرو، یہ جنت کا ایک مرتبہ ہے، جو بندگان الہی میں سے صرف ایک ہی انسان کو ملے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ میں ہوں گا، جس نے میرے لئے وسیلہ کا سوال کیا، اس کے لئے میری شفاعت حلال ہو جائے گی۔“

صحیح بخاری میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ قَالَ حِينَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ: اَللّٰهُمَّ رَبَّ هَذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اَنْتَ مُحَمَّدًا الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَاَبَعْتَهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا الَّذِي وَعَدْتَهُ، حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب الدعاء عند النداء، ح: ۶۱۴، ۴۷۱۹)

”جو شخص اذان سن کر یہ دعاء پڑھے اس کے لئے قیامت کے دن میری شفاعت حلال ہو جائے گی“

یہی میں حضرت جابر کی بسند جید روایت میں ((الَّذِي وَعَدْتَهُ)) کے بعد:

((اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ)) (السنن الكبرى للبيهقي، كتاب الصلاة، باب ما يقول إذا فرغ من ذلك،

ح: ۱۹۷۲)

مستحب یہ ہے کہ اقامت کا بھی اسی طرح جواب دیا جائے جس طرح اذان کا جواب دیا جاتا ہے اور ((قد قامت الصلوة)) کے جواب میں ((قد قامت الصلوة)) ہی کرنا چاہئے جس طرح مؤذن کے قول ((الصلوة خير من النوم)) کے جواب میں ((الصلوة خير من النوم)) ہی کرنا چاہئے کیونکہ اس سلسلہ میں مذکورہ احادیث کے عموم کا یہی تقاضا ہے۔ حدیث میں جو ((قد قامت الصلوة)) کے جواب میں

«اَقَامَهَا اللهُ وَاَدَامَهَا» (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب ما يقول إذا سمع الاقامة، ح: ۵۲۸، وهو

ضعيف لا اصل له، انظر، التلخيص الحبير، ۲۱۱/۱، وارواء الغليل، ۲۵۸/۱، ۲۵۹، وتمام المنة،

ص: ۱۵۰)

کرنے کا آیا ہے تو یہ حدیث ضعیف ہے لہذا اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ وباللہ التوفیق۔

شیخ ابن باز

منفرد کے لئے اقامت لازم نہیں

سوال: جب میں نماز پڑھنے کا ارادہ کروں تو کیا وقت ہونے کے بعد اذان کی بجائے اقامت کہہ لینا ہی کافی ہو گا؟

جواب: اذان کا شریعت میں اس لئے حکم دیا گیا ہے تاکہ اہل شہر کو بتا دیا جائے کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ اگر سب کے سب اہل شہر ایک جگہ اکٹھے ہوں اور ان کے سوا شہر میں اور کوئی نہ ہو تو پھر اذان واجب نہیں ہے ہاں البتہ مسافر کے لئے اذان دینا مستحب ہے تاکہ اس کی آواز سننے والے حجرو شجر اس کے بارے میں شہادت دے سکیں۔ اور اقامت کا حکم اس لئے ہے تاکہ حاضرین کو بتا دیا جائے کہ جماعت کھڑی ہونے لگی ہے لہذا جب کوئی شخص انفرادی طور پر نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے لئے اقامت کہنا لازمی نہیں ہے۔

شیخ ابن جبرین

منفرد کے لئے اذان و اقامت

سوال ایک بھائی نے یہ سوال پوچھا ہے کہ میں کبھی کبھی تنہا فرض نماز پڑھتا ہوں کیونکہ میرے قریب کوئی مسجد نہیں ہے، تو کیا میرے لئے یہ لازم ہے کہ میں ہر نماز کے لئے اذان و اقامت کموں یا یہ بھی جائز ہے کہ اذان و اقامت کے بغیر نماز پڑھ لوں؟

جواب سنت یہ ہے کہ آپ اذان و اقامت کہیں۔ اس کے وجوب کے بارے میں اہل علم میں اختلاف ہے لیکن افضل اور بہتر یہ ہے کہ عموم اولہ کے پیش نظر اذان و اقامت کہیں۔ لیکن آپ کے لئے یہ لازم ہے کہ جہاں تک ممکن ہو نماز باجماعت ادا کریں۔ اگر جماعت پالیں یا کسی قریب کی مسجد سے اذان سنیں تو ضروری ہے کہ مؤذن کی آواز پر لبیک کہیں اور نماز باجماعت میں حاضری دیں۔ اگر اذان سنائی نہ دے اور قریب کوئی مسجد بھی نہ ہو تو پھر سنت یہ ہے کہ اذان و اقامت کہیں۔

شیخ ابن باز

مؤذن کے لئے حیعلتین میں دائیں بائیں دیکھنا

سوال کیا مؤذن کے لئے یہ لازم ہے کہ حیعلتین یعنی اذان میں «حی علی الصلاۃ» اور «حی علی الفلاح» کہتے ہوئے وہ دائیں اور بائیں التفات کرے؟

جواب مؤذن کے لئے یہ سنت ہے کہ وہ حیعلتین کے وقت دائیں اور بائیں منہ کرے تاکہ اس کے ان دونوں اطراف اور پیچھے کے لوگ بھی آواز کو سن سکیں لیکن شاید یہ اس صورت میں ہے جب اذان مینارہ پر دی جا رہی ہو اور لاؤڈ سپیکر موجود نہ ہو جیسا کہ زمانہ ماضی میں معمول تھا۔ لیکن میری رائے میں لاؤڈ سپیکر پر اذان کی صورت میں شاید اس کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ سپیکر کا مائیک ہی مؤذن ہے۔ آدمی اگر اس کے قریب ہو تو اس کی آواز قوی اور اگر اس سے دور ہو تو آواز ضعیف ہوگی اور مؤذن کے لئے حکم یہ ہے کہ اس کی آواز بلند اور طاقتور ہو!

شیخ ابن جبرین

نماز کی کیفیت اور احکام

جو شخص امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو

سوال جب میں نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے مسجد میں آؤں اور لوگ حالت رکوع میں ہوں تو کیا میں تکبیر تحریمہ اور تکبیر رکوع کہہ کر ان کے ساتھ اسی حالت میں داخل ہو جاؤں اور کیا دعاء استفتاح پڑھوں یا نہ پڑھوں؟

جواب جب کوئی مسلمان مسجد میں داخل ہو اور امام اس وقت حالت رکوع میں ہو تو اس کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ دو

تکبیریں کہہ کر ان کے ساتھ اسی حالت میں داخل ہو جائے، ایک تو وہ کھڑے کھڑے تکبیر تحریمہ کہے اور دوسری تکبیر رکوع کے لئے اس وقت کہے جب وہ رکوع کے لئے جھک رہا ہو، وقت کی تنگی کی وجہ سے اس وقت اس کے لئے دعاء افتتاح یا سورت فاتحہ پڑھنے کا حکم نہیں ہے اور اس کی یہ رکعت ہو جائے گی کیونکہ صحیح البخاری میں حضرت ابوبکرؓ ثقفیؓ سے روایت ہے کہ ایک دن وہ مسجد میں داخل ہوئے تو اس وقت رسول اللہ ﷺ حالت رکوع میں تھے تو انہوں نے صف سے پہلے ہی رکوع کر لیا اور پھر اسی حالت میں صف میں شامل ہو گئے تو نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا:

«زَادَكَ اللهُ حِرْصًا وَلَا تَعُدُّ» (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب إذا ركع دون الصف، ح: ۷۸۳)

”اللہ تعالیٰ تمہارے شوق میں اضافہ فرمائے، آئندہ اس طرح نہ کرنا۔“

لیکن نبی ﷺ نے انہیں اس رکعت کی قضاء کا حکم نہیں دیا، جس سے معلوم ہوا کہ ان کی یہ رکعت ہو گئی۔^① جو شخص مسجد میں داخل ہو اور لوگ حالت رکوع میں ہوں تو اسے یہ نہیں چاہئے کہ وہ اکیلا ہی رکوع شروع کر دے بلکہ اسے چاہئے کہ وہ صف میں داخل ہو خواہ رکوع فوت ہی ہو جائے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا تھا:

— شیخ ابن باز —

نفل پڑھنے والوں کے پیچھے فرض پڑھنا

نفل پڑھنے والے کی اقتداء میں فرض پڑھنے والے کی نماز کے بارے میں کیا حکم ہے؟

سوال

اس بارے میں حکم یہ ہے کہ یہ نماز صحیح ہوگی۔ حدیث سے ثابت ہے کہ بعض سفروں میں نبی کریم ﷺ نے حضرات صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کے ساتھ نماز خوف کی دو رکعات پڑھیں اور پھر آپ نے دوسری جماعت کو دو رکعات پڑھائیں تو آپ کی یہ دوسری مرتبہ کی دو رکعات نماز نفل تھی۔

جواب

اسی طرح حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ ”وہ اپنی نماز عشاء کے فرض نبی کریم ﷺ کی اقتداء میں ادا کرتے تھے اور پھر اپنے محلہ میں جا کر اہل محلہ کو عشاء کی نماز پڑھاتے اور حضرت معاذؓ کی یہ نماز نفل اور اہل محلہ کی فرض ہوتی تھی۔“^②

— شیخ ابن باز —

① فیض الشیخ حضرت مفتی صاحب کی یہ رائے مضبوط دلیل پر مبنی نہیں۔ اس لئے کہ نبی ﷺ نے جو الفاظ ارشاد فرمائے تھے، وہ تھے: «لَا تَعُدُّ» جس میں کئی احتمال ہیں۔ ایک تو وہی جس کا تذکرہ فاضل مفتی صاحب نے فرمایا ہے کہ آئندہ اس طرح نہ کرنا۔ اور دوسرا احتمال ہے «لَا تَعُدُّ» دو ڈر نہ آنا اور تیسرا احتمال ہے کہ یہ «لَا تَعُدُّ» ہو، یعنی ”اس رکعت کو شمار نہ کرنا“ اور چوتھا احتمال یہ ہے کہ «لَا تَعُدُّ» یعنی تو نماز نہ دہرا تیری نماز درست ہے۔ اور اصول ہے کہ «إِذَا جَاءَ الْاِخْتِمَانُ نَظَّلَ الْاِمْتِدَالُ» ”جب ایک سے زیادہ احتمال ہوں، تو اس سے استدلال جائز نہیں رہتا۔“ اس لئے مذکورہ الفاظ سے کسی ایک مفہوم پر استدلال کرنا صحیح نہیں۔ بنا بریں مدرک رکوع کی رکعت کے صحیح ہونے کا فتویٰ دینا بھی غیر صحیح ہے۔ کیونکہ مدرک رکوع کے دو رکن فوت ہو گئے۔ ایک قیام اور دوسرا قراءت فاتحہ اور نماز کا ایک رکن بھی فوت ہو جائے، تو وہ رکعت نہیں ہوتی۔ تو پھر دو رکن فوت ہو جانے کے باوجود اس رکعت کا شمار کرنا کیوں کر صحیح ہو گا؟ (ص - ی)

② صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب إذا طول الامام وكان للرجل حاجة وخرج وصلى، ح: 700، 701، 705، 711، 8106

فوت شدہ نمازوں کی قضا کا طریقہ

سوال میں ہمیشہ نماز پڑھتا ہوں لیکن بعض فرض نمازیں نہیں پڑھ سکا اور اب ہر نماز کے ساتھ ایک نماز پڑھ لیتا ہوں۔ میرے لئے کیا طریقہ ہے جس سے میں فوت شدہ نمازوں کو پڑھ کر راحت حاصل کر سکوں؟

جواب اگر آپ نے بعض نمازیں کسی بیماری یا بے ہوشی کے عذر کی وجہ سے ترک کی ہیں تو جلدی سے ان کی قضا لیں، جب بھی آپ کو فراغت اور قوت حاصل ہو حسب نشاط مختلف نمازیں پڑھ لیں، مثلاً صبحی کے وقت دو یا اس سے زیادہ دنوں کی نمازیں اکٹھی پڑھ لیں، اسی طرح ظہر کے بعد پڑھ لیں۔ اگر نمازوں کی تعداد زیادہ ہو اور آپ نے محض سستی کی وجہ سے نہ پڑھی ہوں تو نوافل کثرت سے پڑھئے، فرائض کی حفاظت کیجئے، اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ معاف فرمادے گا۔

شیخ ابن جبرین

جو توں کے ساتھ نماز پڑھنا

سوال جو توں کے ساتھ نماز پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ دلائل کے ساتھ بیان فرمائیے۔ بعض بھائی اسے جائز بتاتے ہیں اور بعض ناجائز اور وہ کہتے ہیں کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب آدمی کھلی جگہ زمین پر نماز پڑھ رہا ہو اور زمین دھوپ کی وجہ سے بہت گرم ہو اور وہ زمین جو سورج کے سامنے منکشف نہ ہو، اس کے بارے میں یہ احتمال ہوتا ہے کہ وہ ناپاک ہو؟

جواب صحیح احادیث اس بات پر دلالت کناں ہیں کہ جو توں میں نماز مستحب ہے یا کم از کم جائز ضرور ہے، چنانچہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کیا:

«أَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ، يُصَلِّي فِي نَعْلَيْهِ قَالَ: نَعَمْ» (صحيح بخاري، كتاب الصلاة، باب الصلاة في

النعال، ح: ۳۸۶، ۵۸۵۰، وصحيح مسلم، كتاب المساجد، باب جواز الصلاة في النعلين، ح: ۵۵۵)

”رسول اللہ ﷺ اپنے نعلین میں نماز ادا فرمالتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا ”ہاں۔“

حضرت شہداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خَالِفُوا الْيَهُودَ فَإِنَّهُمْ لَا يُصَلُّونَ فِي نِعَالِهِمْ وَلَا خِفافِهِمْ» (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب

الصلاة في النعل، ح: ۶۵۲)

”یہودیوں کی مخالفت کرو کہ وہ اپنے جو توں اور موزوں میں نماز نہیں پڑھتے۔“

ان احادیث میں اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں کیا گیا کہ نماز چھت والی مسجد میں ہو یا صحرا، کھیتوں اور گھروں وغیرہ میں ہو بلکہ بعض روایات سے مسجد میں بھی جو توں سمیت نماز کا ذکر ہے جیسا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَلْيَنْظُرْ فَإِنْ رَأَى فِي نَعْلَيْهِ قَدْرًا أَوْ أَدَى فَلْيَمْسَحْهُ

وَلْيُصَلِّ فِيهِمَا» (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب الصلاة في النعل، ح: ۶۵۰)

”جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو وہ دیکھے کہ اگر اس کے جوتوں میں کوئی ناپاک یا تکلیف دہ چیز لگی ہو تو اسے چاہئے کہ اپنے جوتوں سے اسے صاف کر دے اور ان میں نماز پڑھ لے۔“

ابوداؤد ہی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَخَلَعَ نَعْلَيْهِ فَلَا يُؤْذِ بِهِمَا أَحَدًا، لِيَجْعَلَهُمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَوْ لِيُصَلِّ فِيهِمَا» (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب المصلي إذا خلع نعليه أين يضعهما، ح: ٦٥٥، وقد قال العراقي في هذا الحديث: صحيح الاسناد)

”جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے اور اپنے جوتے اتار دے تو ان کے ساتھ کسی کو تکلیف نہ دے، انہیں اپنے پاؤں کے درمیان رکھ لے یا انہیں میں نماز پڑھ لے۔“

علامہ عراقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ صحیح الاسناد ہے۔ ابوداؤد، احمد اور ابن ماجہ نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سند سے جو یہ روایت بیان کی ہے کہ:

«رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يُصَلِّي حَافِيًا وَمُتَّعِلًا» (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب الصلاة في النعل، ح: ٦٥٣، وسنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلوات، باب الصلاة في النعال، ح: ١٠٣٨)

”میں نے رسول اللہ کو برہنہ پاؤں بھی اور جوتوں کے ساتھ بھی نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔“ (تو اس کی سند بھی جید ہے۔)

فتویٰ کمیٹی

کچھ نمازوں میں قرأت جبری ہے اور کچھ میں نہیں

مغرب، عشاء اور صبح کی نمازوں میں قرأت جبری کیوں ہے اور دوسری نمازوں میں کیوں نہیں اور اس کی دلیل کیا ہے؟

ان نمازوں میں قرأت جبری کرنے میں جو حکمت ہے، اسے تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگ رات اور صبح کی جبری نمازوں کے اوقات میں ظہر و عصر کی نسبت جبری قرأت سے استفادہ کے زیادہ قریب ہوتے ہیں کیونکہ ان اوقات میں ان کے مشاغل بھی نسبتاً کم ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم

شیخ ابن باز

نماز میں رفع الیدین کے مقالات

ہمارے شہر میں لوگوں کی دو جماعتیں ہیں، ان میں سے ایک جماعت تو اپنے تمام اقوال کے سلسلہ میں حدیث شریف سے استدلال کرتی ہے، جب کہ دوسری جماعت تمام عبادات میں مالکی مذہب کی پابندی کرتی ہے مثلاً کچھ لوگ خاص طور پر نوجوان رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرتے اور حدیث نبوی شریف سے استدلال کرتے ہیں جب کہ دوسرے لوگ رفع الیدین نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے رفع الیدین نہیں کیا تو کیا تمہارا علم

امام دارالجمرت کے علم کی طرح ہو سکتا ہے؟ اس مسئلہ میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب مسلمان کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ احکام شرعیہ کو ان کے شرعاً معتبر دلائل یعنی کتاب و سنت اور اجماع اور ان دلائل سے جو ان کے ساتھ شامل کر دیئے گئے ہیں مثلاً قیاس وغیرہ سے معلوم کرے بشرطیکہ وہ تحقیق و اجتہاد کا اہل ہو اور اگر خود اس بات کا اہل نہ ہو تو قابل اعتماد اہل علم سے پوچھ لے اور بغیر تعصب کے کسی ایک مجتہد کی تقلید کرے۔

سنت صحیحہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ تکبیر تحریمہ کے وقت رکوع کو جاتے ہوئے رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے اور تیسری رکعت کے لئے اٹھتے ہوئے رفع الیدین فرمایا کرتے تھے^① لہذا یہ جائز نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مقابلہ میں کسی شخص کے قول کو پیش کیا جائے۔ ((وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

فتویٰ کمیٹی

مغرب کی نماز کو عشاء تک مؤخر کرنا

سوال مجھے اور میرے اہل و عیال کو پچاس کلو میٹر دور ایک قریبی شہر میں بعض ضروری اشیاء خریدنے کے لئے جانا پڑتا ہے۔ مغرب کے وقت ہم واپس لوٹتے ہیں اور ٹریفک کے رش اور مغرب کے وقت کی تنگی کے باعث ہم عشاء کی نماز کے وقت پہنچتے ہیں یعنی مغرب کا وقت ختم ہونے کے بعد، تو کیا شہر کے دور ہونے اور عورتوں کو لاحق ہونے والی مشقت کے پیش نظر مغرب کی نماز کو اس حد تک مؤخر کرنا کہ ہم شہر پہنچ جائیں جائز ہے؟

جواب مذکورہ حالت میں دفع مشقت کے پیش نظر مغرب کی نماز کو اس حد تک مؤخر کرنا کہ تم اپنے شہر پہنچ جاؤ، جائز ہے اور اگر راستہ میں آسانی نماز مغرب بروقت ادا کرنا ممکن ہو تو یہ افضل ہے۔

شیخ ابن باز

فرض نمازوں میں قنوت کا حکم

سوال کیا رسول اللہ ﷺ نے نماز صبح کی آخری رکعت میں بعد از رکوع ہاتھ اٹھا کر ساری زندگی دعاء قنوت ((اللہم اهدنی فیمن ھدیت...)) پڑھی ہے؟

جواب نبی کریم ﷺ نماز صبح میں ہمیشہ مشہور دعائے قنوت ((اللہم اهدنا فیمن ھدیت... الخ)) یا کوئی اور دعاء نہیں پڑھا کرتے تھے بلکہ آپ ﷺ صرف اس وقت دعائے قنوت فرماتے جب مسلمانوں پر دشمنان اسلام کی طرف سے کوئی افتاد نازل ہوتی تو آپ ﷺ ایک معینہ مدت تک دشمنوں کے لئے بددعا اور مسلمانوں کے لئے دعاء فرماتے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث میں اس کا ذکر ہے۔ سعد بن طارق اشجعی کی روایت ہے کہ:

«قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنَّكَ قَدْ صَلَّيْتَ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، وَخَلَفَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرُ

① تفصیل کے لئے دیکھئے: صحیح بخاری، کتاب الاذان باب فی التکبیرۃ الاولى مع الافتتاح سواءً ح: 736، 738، 738۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب استحباب رفع الیدین حدوا المنکبین، ح: 390۔ و سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب بعد افتتاح الصلوٰۃ، ح: 744، وغیرہ۔

وَعَثْمَانَ وَعَلِيَّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَفَكَانُوا يَفْتَنُونَ فِي الْفَجْرِ؟ فَقَالَ: أَيُّ بَنِي مُخَدَّتٍ»
 (صحیح ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ما جاء في ترك القنوت، ح: ۴۰۲، واحمد، ۳/ ۴۷۲، ۶/ ۳۹۴)
 ”انہوں نے اپنے والد سے یہ کہا کہ ابا جان! آپ نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے اور ابو بکر و عمرو عثمان و علی
 رضی اللہ عنہم کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں تو کیا وہ فجر میں قنوت کیا کرتے تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا ”اے بیٹے یہ
 بدعت ہے۔“

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے جو یہ مروی ہے کہ:
 «أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، كَانَ يَقْنُتُ فِي الصُّبْحِ حَتَّىٰ فَارَقَ الدُّنْيَا» (مسند احمد، ۳/ ۱۶۲)
 ”نبی کریم ﷺ ساری زندگی نماز صبح میں قنوت فرماتے رہے حتیٰ کہ دنیا سے تشریف لے گئے۔“
 تو یہ حدیث محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔

— شیخ ابن باز —

صف کے پیچھے منفرد کی نماز

سوال جب میں رکوع سے تھوڑی سی دیر پہلے نماز میں شامل ہو جاؤں تو کیا سورت فاتحہ کو شروع کروں یا دعاء استفتاح کو؟ اور اگر امام میرے سورت فاتحہ مکمل پڑھنے سے پہلے رکوع میں چلا جائے تو کیا کروں؟

سوال ایک شخص نے انفرادی طور پر نماز کو شروع کیا اور دوسری رکعت میں اس کے ساتھ ایک اور شخص شامل ہو گیا لیکن امام کے سلام پھیرنے کے بعد اس نے کھڑے ہو کر پانچویں رکعت بھی پڑھی یہ سمجھتے ہوئے کہ اس کی پہلی رکعت صحیح نہیں کیونکہ اسے اس نے صف کے پیچھے انفرادی طور پر پڑھا، تو کیا اس کی یہ نماز صحیح ہے اور جس شخص نے ایسا کیا ہو وہ اپنی نماز کو کس طرح پورا کرے؟

جواب دعاء استفتاح کا پڑھنا سنت ہے، جب کہ اہل علم کے صحیح قول کے مطابق سورت فاتحہ پڑھنا فرض ہے لہذا جب یہ خدشہ ہو کہ دعائے استفتاح پڑھنے کی صورت میں فاتحہ نہ پڑھ سکو گے تو پھر سورت فاتحہ سے آغاز کرو اور اگر فاتحہ کی تکمیل سے قبل امام رکوع میں چلا جائے تو تم بھی رکوع میں چلے جاؤ، فاتحہ کا باقی حصہ پڑھنا ساقط ہو جائے گا^① کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

«إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَلَا تَحْتَلِفُوا عَلَيْهِ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا...» (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب اقامة الصف من تمام الصلاة، ح: ۷۲۲، ۷۳۴،
 وصحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب اتمام المأموم بالإمام، ح: ۴۱۴)

”امام اس لئے بنایا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے لہذا تم امام سے اختلاف نہ کرو۔ جب امام تکبیر کئے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب امام رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو.....“

① یہ رائے بھی محل نظر ہے، اگر مقتدی نصف یا نصف سے زیادہ سورہ فاتحہ پڑھ چکا ہے تو اس کے لئے سورہ فاتحہ مکمل کر کے امام کے ساتھ رکوع میں مل جانا کوئی مشکل امر ہے اور نہ اس میں امام کی مخالفت ہی کا پہلو ہے۔ جب کہ فتویٰ میں ظاہر کر رہے ہیں ۱۱۱۱

جواب نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا صَلَاةَ لِمُنْفَرِدٍ خَلْفَ الصَّفِّ» (ابن حبان (موارد ص ۴۰۱))، ومسند احمد، ۲۳/۴، وابن ماجہ،

کتاب اقامة الصلاة، باب صلاة الرجل خلف الصف وحده، ح: ۱۰۰۳)

”صف کے پیچھے منفرد کی نماز نہیں ہوتی۔“

نبی ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے کہ:

«أَنَّهُ رَأَى رَجُلًا يُصَلِّي خَلْفَ الصَّفِّ وَحَدَهُ فَأَمَرَهُ أَنْ يُعَيِّدَ الصَّلَاةَ» (سنن أبي داود، ابواب

الصفوف، باب الرجل وحده خلف الصف، ح: ۶۸۸، وابن حبان، ۵/۵۷۵، ۵۷۶)

”آپ نے صف کے پیچھے ایک شخص کو اکیلے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو اسے حکم دیا کہ وہ نماز کو دوہرائے۔“

لیکن جو شخص صف سے پہلے ہی رکوع کرے اور پھر صف میں سجدہ سے پہلے داخل ہو جائے تو اس کی رکعت ہو جائے گی کیونکہ صحیح بخاری میں حضرت ابوبکر ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ مسجد میں آئے تو اس وقت نبی کریم ﷺ رکوع میں تھے تو انہوں نے صف میں داخل ہونے سے پہلے ہی رکوع کر لیا تو نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا:

«زَكَدَكَ اللَّهُ حِرْصًا وَلَا تَعُدَّ» (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب إذا ركع دون الصف، ح: ۷۸۳)

”اللہ تمہارے شوق میں اضافہ فرمائے آئندہ اس طرح نہ کرنا۔“^۱

نبی ﷺ نے انہیں اس رکعت کے دوبارہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا جس سے معلوم ہوا کہ یہ رکعت ہو گئی اور اس طرح کا یہ عمل آپ کے اس ارشاد سے مستثنیٰ ہے کہ صف کے پیچھے منفرد کی نماز نہیں ہوتی۔ واللہ ولی التوفیق۔

شیخ ابن باز

حرم شریف میں نمازی کے آگے سے گزرنے

سوال

حرم شریف میں نمازی کے آگے سے گزرنے کا کیا حکم ہے؟ کیا نمازی کو آگے سے گزرنے والے کو منع کرنا چاہئے؟

جواب

حرم شریف میں نمازی کے آگے سے گزرنے میں کوئی حرج نہیں اور مسجد حرام میں نماز پڑھنے والے کو چاہئے کہ وہ آگے سے گزرنے والے کو منع نہ کرے کیونکہ سلف صالح آگے سے گزرنے والوں خواہ وہ طواف کرنے والے ہوں یا کوئی اور انہیں منع نہیں کرتے تھے۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہ بھی منع نہیں کیا کرتے تھے کیونکہ مسجد حرام میں ازدحام زیادہ ہونے کی وجہ سے نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو منع کرنے سے بھی انسان عاجز ہے لہذا ضروری ہوا کہ اس سلسلہ میں آسانی پیدا کر دی جائے۔

﴿سورہ فاتحہ کی تحمیل کے بغیر ہی رکعت شمار کرنی گئی ہے، جو صحیح نہیں ہے۔ اس لئے صورت مسئلہ میں سورہ فاتحہ کی تحمیل کر کے رکوع میں شامل ہونا چاہئے اور اگر مقتدی کے لئے سورہ فاتحہ کا پورا کرنا ممکن نہ ہو، تو پھر امام کے ساتھ رکوع میں چلا جائے اور یہ رکعت بعد میں پوری کرے، کیونکہ سورہ فاتحہ نہ پڑھنے کی وجہ سے یہ رکعت شمار نہیں ہوگی۔ (ص-ی)

① اس واقعے میں مدرک رکوع کی رکعت کو شمار کرنا صحیح نہیں ہے، جیسا کہ اس سے قبل ایک حاشیے میں اس کی مختصر تفصیل گزر چکی ہے۔

— شیخ ابن باز —

جہری نماز میں مقتدی کے لئے بھی سورت فاتحہ پڑھنا واجب ہے

سوال امام فاتحہ پڑھنے کے بعد کسی دوسری سورت کو شروع کر دیتا ہے اور میں فاتحہ نہیں پڑھ سکتا کیونکہ امام فاتحہ پڑھنے کے بعد اتنا سکتے نہیں کرتا جو فاتحہ پڑھنے کے لئے کافی ہو اور حدیث میں ہے کہ «لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ» جب کہ ایک دوسری حدیث میں ہے «قِرَاءَةُ الْإِمَامِ قِرَاءَةٌ لِمَنْ خَلْفَهُ» تو ان دونوں حدیثوں میں کس طرح تطبیق ہوگی؟

جواب مقتدی کے لئے سورت فاتحہ کی قراءت کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کے ارشاد گرامی:

«لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ» (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب وجوب القراءة للامام والمأموم في الصلوات ...، ح: ۷۵۶، و صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة وانه إذا لم ...، ح: ۳۹۴)

”جو شخص سورت فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔“

کے عموم کے پیش نظر راجح ترین بات یہ ہے کہ مقتدی کے لئے بھی سورت فاتحہ کا پڑھنا واجب ہے۔ اسی طرح نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«لَعَلَّكُمْ تَقْرَؤُونَ خَلْفَ إِمَامِكُمْ قَالُوا: نَعَمْ قَالَ: لَا تَعْمَلُوا إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَإِنَّهُ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا» (سنن أبي داود، کتاب الصلاة، باب من ترك القراءة في صلاته بفاتحة الكتاب، ح: ۸۲۳)

”شاید تم اپنے امام کے پیچھے پڑھتے ہو؟“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیا جی ہاں، تو نبی ﷺ نے فرمایا: سورۃ فاتحہ کے سوا اور کچھ نہ پڑھو کیونکہ جو شخص سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔“

اگر امام جہری نماز میں سکتے نہ بھی کرے تو پھر بھی مقتدی کو ہر حال میں سورت فاتحہ پڑھنی چاہئے خواہ اس وقت ہی کیوں نہ پڑھے جب امام قراءت کر رہا ہو اور پھر سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد خاموش ہو جائے تاکہ دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے۔ اگر مقتدی بھول جائے یا وہ جاہل ہو اور اسے سورۃ فاتحہ کے پڑھنے کے وجوب کا علم نہ ہو تو اس سے وجوب ساقط ہو جائے گا جس طرح اس شخص سے ساقط ہو جاتا ہے جو امام کو بحالت رکوع پائے اور امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو جائے تو علماء کے صحیح قول کے مطابق اس کی یہ رکعت ہو جائے گی، اکثر اہل علم کا یہی قول ہے کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ جب مسجد میں آئے تو نبی کریم ﷺ رکوع فرما رہے تھے تو انہوں نے بھی صف میں داخل ہونے سے پہلے ہی رکوع شروع کر دیا اور پھر اسی طرح بحالت رکوع صف میں داخل ہو گئے تو نبی ﷺ نے نماز سے سلام پھیرنے کے بعد فرمایا:

«زَادَكَ اللَّهُ حِرْصًا وَلَا تَعْلُدْ» (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب إذا ركع دون الصف، ح: ۷۸۳)

”اللہ تعالیٰ تمہارے شوق میں اضافہ فرمائے، آئندہ اس طرح نہ کرنا“

لیکن نبی ﷺ نے انہیں اس رکعت کے دوبارہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا^① اور یہ حدیث:

«مَنْ كَانَ لَهُ إِمَامٌ فَقَرَأَتْهُ لَهُ قِرَاءَةً» (مسند احمد، ۳۳۹/۳، مصنف ابن ابی شیبہ، ۳۷۶/۱، وهو

ضعیف لا ینتج بہ انظر الکامل فی الضعفاء لابن عدی، ۷۰۶/۲، ۲۱۰۷/۶، ۲۳۹۶)

”جس کا امام ہو تو اس کی قراءت اس کی قراءت ہوگی۔“

ضعیف اور ناقابل استدلال ہے، اگر یہ صحیح بھی ہو تو یہ عام ہے اور سورت فاتحہ کا پڑھنا اس مسئلہ میں وارد صحیح

احادیث کے پیش نظر خاص ہو گا۔ واللہ ولی التوفیق

شیخ ابن باز

دیر تک رونے سے نماز باطل نہیں ہوتی

سوال نماز مغرب کی تیسری رکعت میں مجھے عذاب قبر، اس کی ہولناکیاں اور سختیاں یاد آگئی تو اس وجہ سے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور میں کوئی پانچ منٹ روتا رہا، اس کے بعد میں نے اپنی باقی نماز مکمل کی۔ کیا میری یہ نماز درست ہے یا مجھے یہ دوبارہ پڑھنی ہوگی؟

جواب رسول اللہ ﷺ کی سنت یہ تھی کہ جب آپ ﷺ کسی ایسی آیت کی تلاوت فرماتے جس میں رحمت کا ذکر ہوتا تو آپ اللہ تعالیٰ سے رحمت کا سوال کرتے اور جب کسی ایسی آیت کی تلاوت فرماتے جس میں عذاب کا ذکر ہوتا تو آپ ﷺ عذاب الہی سے پناہ مانگتے۔ اللہ تعالیٰ نے نماز میں رونے والوں کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ أُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهِ إِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلْآذِقَانِ سُجَّدًا ﴿١٧٠﴾ وَيَقُولُونَ سُبْحٰنَ رَبِّنَا إِن كَان وَعَدُّ رَبِّنَا لَمُنْفَعُولًا ﴿١٧١﴾ وَيَخِرُّونَ لِلْآذِقَانِ يَسْكُوتَ وَيَزِيدُهُمْ خَشُوعًا ﴿١٧٢﴾﴾ (الاسراء ۱۷۰/۱۷۱/۱۷۲)

”جن لوگوں کو اس سے پہلے علم (کتاب) دیا گیا ہے، جب وہ (قرآن) ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار پاک ہے۔ بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ پورا ہو کر رہا اور وہ ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں (اور) روتے جاتے ہیں اور اس سے ان کو اور زیادہ عاجزی پیدا ہوتی ہے۔“

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی ایک جماعت کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

﴿وَمَنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًا ﴿٥٨﴾﴾ (مریم ۵۸/۱۹)

”اور ان لوگوں میں سے جن کو ہم نے ہدایت دی اور برگزیدہ کیا جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو سجدے میں گر پڑتے اور روتے رہتے تھے۔“

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے نماز میں رویا جائے تو اس سے نماز باطل نہیں ہوتی۔

فتویٰ کمیٹی

① یہ دعویٰ کل نظر ہے کہ نبی ﷺ نے رکعت دوبارہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔ کیونکہ ((لا تعد)) میں متعدد احتمالات ہیں، اس لئے متعین طور پر کسی ایک مفہوم کو مراد لے کر اس پر اس مسئلے کی بنیاد رکھنا صحیح ہے اور نہ مذکورہ دعویٰ ہی صحیح ہے۔ کَمَا مَرَّ

بارش کی وجہ سے ظہر و عصر کی نمازوں کو جمع کیا لیکن.....

سوال بحوث العلمیہ والافتاء کی فتویٰ کمیٹی کے سامنے یہ استفتاء آیا کہ لوگوں نے ظہر و عصر کی نمازوں اور عشاء و مغرب کی نمازوں کو بارش کی صورت میں جمع تقدیم سے ادا کیا لیکن پھر بارش رک گئی تو کیا اس صورت میں عصر اور عشاء کی نمازوں کو دوبارہ پڑھنا ہو گا یا نہیں؟

جواب کمیٹی نے استفتاء پڑھنے کے بعد درج ذیل جواب دیا:

اہل علم نے ذکر فرمایا ہے کہ وہ بارش جس سے کپڑے بھگیں اور جس میں باہر نکلنے میں مشقت ہو تو اس کی وجہ سے دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھا جاسکتا ہے۔ کپڑے بھگو دینے والی بارش میں عشاء کو مغرب کے ساتھ جمع کر کے پڑھنے کے جواز پر اہل علم کا اتفاق ہے کیونکہ ابوسلمہ بن عبدالرحمن سے روایت ہے کہ ”سنت یہ ہے کہ بارش کے دن مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جمع کر کے ادا کر لیا جائے۔“ (رواد الثرم) اور دوطا میں روایت ہے کہ۔

«أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ، جَمَعَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ فِي لَيْلَةِ مَطِيرَةٍ»

”رسول اللہ ﷺ نے ایک بارش والی رات مغرب و عشاء کی نمازوں کو جمع کر کے ادا فرمایا۔“

ظہر و عصر کے جمع کر کے ادا کرنے کے جواز میں اہل علم میں اختلاف ہے۔ بعض نے اسے جائز قرار دیا اور اس حدیث سے استدلال کیا ہے جسے حسن بن وضاح نے موسیٰ بن عقبہ سے، انہوں نے نافع سے اور انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ میں بارش کی وجہ سے ظہر و عصر کو جمع کر کے ادا فرمایا، اس قول کو قاضی اور ابو الخطاب نے اختیار کیا ہے اور امام شافعی کا مذہب بھی یہی ہے۔ بعض اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ بارش کی وجہ سے ظہر و عصر کو جمع کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ جواز صرف مغرب و عشاء کے بارے میں ہے کیونکہ ان نمازوں میں مشقت زیادہ ہوتی ہے۔ ابن قدامہ رحمہ اللہ ”المعنی“ میں فرماتے ہیں کہ ظہر و عصر کو جمع کرنا جائز نہیں ہے۔ اثرم بیان کرتے ہیں کہ ابو عبد اللہ سے بارش میں ظہر و عصر جمع کر کے پڑھنے کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا ”نہیں! میں نے اس بارے میں کوئی حدیث نہیں سنی۔“ ابو بکر، ابن حامد اور امام مالک کا یہی قول ہے۔

پھر اس کے بعد ابن قدامہ نے ان دونوں نمازوں کو جمع کر کے ادا کرنے کے جواز کے قول کو ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ہمارے لئے جمع کرنے کی دلیل ابوسلمہ کا قول ہے اور اجماع بھی صرف مغرب و عشاء کے جمع کرنے کے بارے میں ہے اور ظہر و عصر کو جمع کرنے کی حدیث صحیح نہیں ہے۔ یہ حدیث صحاح و سنن میں موجود بھی نہیں ہے اور امام احمد کا یہ فرمانا کہ میں نے اس بارے میں کوئی حدیث نہیں سنی، بھی اس بات پر دال ہے کہ یہ حدیث کچھ نہیں ہے۔ ظہر و عصر کو مغرب و عشاء پر قیاس بھی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ان نمازوں میں اندھیرے اور نقصان کے اندیشے کی وجہ سے مشقت ہوتی ہے نیز انہیں سفر پر بھی قیاس نہیں کیا جاسکتا کیونکہ سفر میں قافلہ کے چلنے اور ساتھیوں کے پچھڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے اور یہاں اس قسم کا کوئی اندیشہ موجود نہیں ہے۔

دو نمازوں کے جمع کرنے کی صحت کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ پہلی نماز کے افتتاح و اختتام اور دوسری کے افتتاح کے وقت کوئی ایسا عذر موجود ہو جس کی وجہ سے جمع کرنا جائز ہو، اگر تکبیر تحریمہ کے بعد وہ عذر ختم ہو جائے جو پہلی نماز کے افتتاح و اختتام اور دوسری نماز کے افتتاح کے وقت موجود تھا تو باقی نماز میں اس عذر کی عدم موجودگی باعث مضرت نہ ہوگی، تو اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ ظہر و عصر کو جمع کر کے ادا کرنے کے جواز کے قائل ہیں، ان کے بقول نماز عصر اور اسی طرح مغرب و عشاء کو جمع کر کے ادا کرنے والوں کو اس وقت نماز عشاء کے دوہرانے کی ضرورت نہیں ہے جب تکبیر تحریمہ کے بعد عذر ختم ہو گیا ہو کیونکہ تکبیر تحریمہ کے وقت جواز کا عذر موجود تھا۔ (اوصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم)

فتویٰ کمیٹی

مقیم کی مسافر کے پیچھے نماز

سوال جب انسان مسافر ہو اور وہ نماز ظہر یا جماعت ادا کرنا چاہے، ایک مقیم شخص کو پائے جس نے نماز ظہر ادا کر لی ہو تو کیا اس صورت میں وہ مقیم مسافر کے ساتھ نماز ادا کر سکتا ہے؟ اور کیا اس کے ساتھ نماز قصر پڑھے گا یا پوری نماز؟

جواب جب مقیم مسافر کے پیچھے فضیلت جماعت کے حصول کے لئے نماز پڑھے اور مقیم اپنی فرض نماز پہلے ادا کر چکا ہو تو اس صورت میں اسے مسافر کے ساتھ دو رکعات ہی پڑھنا ہوں گی کیونکہ یہ نماز مقیم کے حق میں نفل ہوگی لیکن اگر مقیم مسافر کی اقتداء میں ظہر و عصر اور عشاء کے فرض ادا کرے تو اس صورت میں اسے چار رکعات پڑھنی ہوں گی۔ لہذا امام دو رکعات کے بعد جب سلام پھیر دے تو مقیم مقتدی کو دو رکعات مزید ادا کر کے اپنی نماز کی تکمیل کرنا ہوگی۔ اگر مسافر مقیم کی اقتداء میں نماز ادا کر رہا ہو تو علماء کے صحیح قول کے مطابق مسافر کو ظہر و عصر و عشاء کی نمازوں کی چار چار رکعتیں ہی پڑھنا ہوں گی۔ کیونکہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ”مسند میں“ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ”صحیح“ میں روایت کیا ہے کہ:

«أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ سَأَلَ عَنِ الْمُسَافِرِ يُصَلِّي خَلْفَ الْإِمَامِ أَرْتَعًا وَيُصَلِّي مَعَ أَصْحَابِهِ رَكَعَتَيْنِ، فَقَالَ: هَكَذَا السُّنَّةُ» (مسند احمد، ۲۱۶/۱، وصحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرين،

باب صلاة المسافرين، وقصرها، ح: ۶۸۸)

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ کیا بات ہے کہ مسافر مقیم امام کی اقتداء میں چار رکعات لیکن اپنے ساتھیوں کے ساتھ دو رکعات ادا کرتا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا سنت اسی طرح ہے!“

اور پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے عموم کا تقاضا بھی یہی ہے کہ:

«إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَلَا تَخْتَلِفُوا عَلَيْهِ» (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب إقامة الصف

من تمام الصلاة، ح: ۷۲۲، ۷۳۴، وصحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب اتمام المأموم بالامام، ح: ۴۱۴)

”امام اس لئے بنایا جاتا ہے تاکہ اس کی اقتداء کی جائے لہذا اس سے اختلاف نہ کرو۔“ (اس حدیث کی صحت پر ائمہ کا اتفاق ہے۔)

شیخ ابن باز

جب نماز کے ادا کرنے یا نہ کرنے میں شک ہو

سوال جب نمازی کو شک ہو کہ معلوم نہیں اس نے نماز پڑھی ہے یا نہیں تو وہ کیا کرے؟ وقت میں شک ہو تو کیا کرے اور وقت کے علاوہ شک ہو تو کیا کرے؟

جواب جب مسلمان کو فرض نمازوں میں سے کسی نماز کے بارے میں یہ شک ہو کہ معلوم نہیں اس نے نماز پڑھی ہے یا نہیں تو اس صورت میں اس پر واجب ہے کہ وہ اس نماز کو فوراً پڑھ لے کیونکہ اصل بقاء واجب ہے لہذا اسے اس واجب کو جلد ادا کرنا چاہئے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ:

«مَنْ نَامَ عَنِ الصَّلَاةِ أَوْ نَسِيَهَا فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا لَا كَفَّارَةَ لَهَا إِلَّا ذَلِكَ» (صحیح بخاری، کتاب مواقیب الصلاة، باب من نسي الصلاة...، ح: ۵۹۷ و صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب قضاء الصلاة الفائتة...، ح: ۶۸۴)

”جو شخص سو جائے یا نماز ادا کرنا بھول جائے تو وہ اسی وقت پڑھے جب اسے یاد آئے، بس اس کا یہی کفارہ ہے۔“

مسلمان کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ نماز کا بہت زیادہ اہتمام کرے، باجماعت ادا کرنے کی کوشش کرے اور ایسے کاموں میں مشغول نہ ہو کہ نماز کو بھول ہی جائے کیونکہ نماز اسلام کا ستون اور شہادتین کے بعد سب سے اہم فرض ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿حَافِظُوا أَعْلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ﴾ (البقرة ۲/۲۳۸)

”(مسلمانوں) سب نمازیں خصوصاً بیچ کی نماز (یعنی نماز عصر) پورے التزام کے ساتھ ادا کرتے رہو اور اللہ کے آگے ادب سے کھڑے رہا کرو۔“

نیز فرمایا:

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ﴾ (البقرة ۲/۴۳)

”اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو اور (اللہ کے آگے) جھکنے والوں کے ساتھ جھکا کرو۔“

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«رَأْسُ الْأَمْرِ الْإِسْلَامُ وَعَمُودُهُ الصَّلَاةُ وَذِرْوَةٌ سَنَامِهِ الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ» (مسند ترمذی، کتاب الایمان، باب ما جاء في حرمة الصلاة، ح: ۲۶۱۶)

”اصل معاملہ تو اسلام ہے اور اس کا ستون نماز ہے اور اس کے کوہان کی بلندی جہاد فی سبیل اللہ ہے۔“

نبی کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

«بُنِيَ الْإِسْلَامُ عَلَى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَإِقَامِ

الصَّلَاةُ وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ وَصَوْمُ رَمَضَانَ وَحَجُّ الْبَيْتِ (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان ارکان الاسلام ودعائمه العظام، ح: ۱۶)

”اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے (۱) اس بات کی گواہی کہ اللہ کے سوا کوئی (حقیقی) معبود نہیں اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں (۲) نماز قائم کرنا (۳) زکوٰۃ ادا کرنا (۴) رمضان کے روزے رکھنا اور (۵) بیت اللہ کا حج کرنا۔“
نماز کی عظمت شان اور اس کی حفاظت کے وجوب کے سلسلہ میں آیات و احادیث بکثرت ہیں۔

شیخ ابن باز

جب مقتدی سورہ فاتحہ پڑھنا بھول جائے

سوال جب نماز کھڑی ہو جائے اور میں مقتدی کی حیثیت سے نماز باجماعت ادا کرنے کی حالت میں ایک یا دو رکعات میں سورہ فاتحہ پڑھنا بھول جاؤں تو کیا میری یہ نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ کیا میرے لئے سورہ فاتحہ کو پڑھنا ضروری ہو گا یا نہیں؟ اس حالت میں مجھے کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے؟

جواب جب مقتدی سورہ فاتحہ پڑھنا بھول جائے یا اسے اس کے وجوب کا علم نہ ہو یا وہ امام کو رکوع کی حالت میں پائے تو ان حالات میں اس کی رکعت ہو جائے گی، اس کی نماز صحیح ہوگی اور جہالت، نسیان یا عدم ادراک قیام کی وجہ سے وہ معذور ہو گا، اس کے لئے اس رکعت کی قضاء لازم نہ ہوگی، اکثر اہل علم کا یہی قول ہے کیونکہ صحیح بخاری میں حضرت ابو بکر ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک نماز میں نبی کریم ﷺ کو بحالت رکوع پایا تو صف سے پہلے ہی رکوع شروع کر دیا اور پھر حالت رکوع ہی میں صف میں شامل ہو گئے تو نبی ﷺ نے ان سے فرمایا:

«زَادَكَ اللَّهُ حِرْصًا وَلَا تَعُدُّ» (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب إذا رجع دون الصف، ح: ۷۸۳)

”اللہ تعالیٰ تمہارے شوق میں اضافہ فرمائے آئندہ اس طرح نہ کرنا۔“

آپ ﷺ نے انہیں اس رکعت کی قضاء کا حکم نہ دیا بلکہ اس بات سے منع فرمایا ہے کہ آئندہ صف میں شامل ہوئے بغیر صف سے پہلے رکوع کریں۔ واللہ دلی التوفیق

شیخ ابن باز

میرے خاندان کی کمائی حرام ہے

سوال میں ایک بے روزگار مسلمان نوجوان ہوں، میرا خاندان کھانے پینے میں حرام کمائی خرچ کرتا ہے، کیا میری نماز ہو جاتی ہے؟

جواب حرام کمائی میں سے آپ کو جو دیا جائے آپ کے لئے اسے کھانا، پہننا اور خرچ کرنا جائز نہیں ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ﴿٢٠﴾ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴿٢١﴾﴾ (الطلاق ۲/۳۰-۲۱)

”اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا، تو وہ اس کے لئے (رنج و محن سے) مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا اور اس کو

ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے (وہم و) گمان بھی نہ ہو۔“
لیکن اس کا آپ کی نماز پر کوئی اثر نہ ہوگا، نماز صحیح ہوگی۔

فتویٰ کمیٹی

نمازی کے آگے سے گزرنے سے نماز نہیں ٹوٹی

سوال جب انسان نماز پڑھ رہا ہو اور اس کے آگے سے کوئی انسان گزر جائے تو کیا اس سے اس کی نماز ٹوٹ جائے گی اور اسے نماز کو دوبارہ پڑھنا ہوگا؟

جواب نمازی کے آگے سے کسی مرد کے گزرنے سے نماز نہیں ٹوٹی بلکہ علماء کے صحیح قول کے مطابق تین چیزوں میں سے کسی ایک کے گزرنے کی صورت میں نماز ٹوٹ جاتی ہے اور وہ تین چیزیں یہ ہیں:
① بالغ عورت ② سیاہ رنگ کا کتا اور ③ گدھا۔

نبی کریم ﷺ سے اسی طرح ثابت ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

«يَقْطَعُ صَلَاةَ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ إِذَا لَمْ يَكُنْ بَيْنَ يَدَيْهِ مِثْلُ مُؤَخَّرَةِ الرَّحْلِ، الْمَرْأَةِ وَالْحِمَارِ وَالْكَلْبِ الْأَسْوَدِ، قَلِيلٌ يَارَسُوهُ اللَّهُ مَا بَالَ الْأَسْوَدِ مِنَ الْأَحْمَرِ وَالْأَصْفَرِ؟ قَالَ: الْكَلْبُ الْأَسْوَدُ شَيْطَانٌ» (صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب قدر ما یستر المصلی، ح: ۵۱۰، وابدوداد، کتاب الصلاة، باب ما یقطع الصلاة، ح: ۷۰۲، ترمذی، کتاب الصلاة، باب ما جاء انه لا یقطع الصلاة، ... ح: ۳۳۸، وابن ماجه، کتاب الصلاة، باب ما یقطع الصلاة، ح: ۹۵۲)

”جب پالان کی کیلی (پالان کے پچھلی طرف والی لکڑی) کے مانند مسلمان آدمی کے سامنے سترہ نہ ہو تو پھر عورت، گدھا اور کالا کتا آگے سے گزر جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔“ عرض کیا گیا یا رسول اللہ! کالے رنگ کے اور سرخ و پیلے رنگ کے کتے میں فرق کیوں ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”سیاہ رنگ کا کتا شیطان ہے۔“

مقصود یہ ہے کہ علماء کے صحیح قول کے مطابق ان تین اشیاء میں سے اگر کوئی نمازی کے آگے سے گزر جائے تو اس سے اس کی نماز ٹوٹ جاتی ہے، آدمی کے آگے سے گزرنے سے اس کے ثواب میں کمی ہو جاتی ہے۔ لہذا اگر ممکن ہو تو اسے آگے سے گزرنے سے منع کرنا چاہئے، گزرنے والے کے لئے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ کسی نمازی کے آگے سے گزرے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لَوْ يَعْلَمُ الْمَارِءُ بَيْنَ يَدَيْ الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ لَكَانَ أَنْ يَقِفَ أَرْبَعِينَ، خَيْرًا لَهُ مِنْ أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْ الْمُصَلِّي» (صحیح بخاری، کتاب الصلاة، باب اثم المار بين يدي المصلي، ح: ۵۱۰، و صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب منع المار بين يدي المصلي، ح: ۵۰۷، وابدوداد، کتاب الصلاة، باب ما ینهی عنه من المرور، ح: ۷۰۱)

”اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو یہ علم ہو کہ اس سے اسے کس قدر گناہ ہوتا ہے تو چالیس سال تک کھڑے رہنا اس کے لئے نمازی کے آگے سے گزرنے کی نسبت بہتر ہو۔“

نماز کو بھی آپ ﷺ نے حکم دیا کہ جب وہ نماز پڑھے تو اپنے آگے سترہ رکھ لے اور کسی کو اپنے آگے سے نہ گزرنے دے بلکہ اسے منع کرے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ إِلَى شَيْءٍ يَسْتُرُهُ مِنَ النَّاسِ فَأَرَادَ أَحَدٌ أَنْ يَجْتَازَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلْيَكْذِبْهُ»
فَإِنْ أَلِيَّ فَلْيَقَاتِلْهُ فَإِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ» (صحیح بخاری، کتاب الصلاۃ، باب یرد المصلی من مر بین

یدیہ، ح: ۵۰۹، و صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب منع المار بین یدی المصلی، ح: ۵۰۵)

”جب کوئی شخص لوگوں سے سترہ کر کے نماز ادا کر رہا ہو اور کوئی اس کے آگے سے گزرنے کا ارادہ کرے تو اسے چاہئے کہ اسے منع کرے اور اگر وہ باز نہ آئے تو اس سے لڑائی میں بھی دریغ نہ کرے کیونکہ وہ شیطان ہے۔“

سنت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ نماز کو چاہئے کہ وہ اپنے آگے سے گزرنے والے کو منع کرے خواہ وہ ان مذکورہ بالا تین چیزوں کے علاوہ کوئی اور چیز ہو اور خواہ وہ انسان ہو یا حیوان بشرطیکہ اسے آسانی کے ساتھ روکنا ممکن ہو لیکن اگر وہ غالب آکر گزر جائے تو اس کی نماز کو کوئی نقصان نہ ہو گا۔

مسلمان کے لئے سنت یہ ہے کہ جب وہ نماز پڑھے تو اس کے آگے کوئی چیز بطور سترہ ہو مثلاً آگے کرسی رکھ لے، یا زمین میں نیزہ گاڑ لے یا دیوار ہو یا مسجد کے ستونوں میں سے کوئی ستون ہو۔ اگر گزرنے والے سترہ کے پیچھے سے گزریں تو اس سے نماز کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور اگر وہ سترہ اور نماز کے درمیان میں سے گزریں تو پھر انہیں منع کیا جائے گا اور اگر گزرنے والا عورت یا گدھا یا کالا کتا ہو تو اس سے نماز ٹوٹ جائے گی یعنی جب ان تینوں میں سے کوئی ایک چیز نماز کے آگے قریب سے گزرے اور اس نے سترہ نہ رکھا ہو اور اس کے اور نماز کے درمیان تین ہاتھ یا اس سے بھی کم فاصلہ ہو تو اس سے نماز ٹوٹ جائے گی اور اگر یہ دور سے گزریں کہ فاصلہ تین ہاتھ سے زیادہ ہو تو پھر نماز کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب کعبہ میں نماز ادا فرمائی تو آپ ﷺ نے اپنے اور مغربی دیوار کے درمیان تین ہاتھ کا فاصلہ رکھا۔ اس سے علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ سترہ کی مسافت تین ہاتھ ہے اور قطع کے معنی باطل ہونے کے ہیں جب کہ جمہور کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کمال ختم ہو جاتا ہے جب کہ صحیح بات یہ ہے کہ اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے اور اگر آدمی فرض نماز ادا کر رہا ہو تو اسے دوہرانا لازم ہو گا۔

شیخ ابن باز

حاملہ عورت سلس البول میں مبتلا ہو تو کیا نماز ترک کر دے؟

سوال ایک حاملہ عورت کے حمل کا یہ نواں مہینہ ہے لیکن ہر وقت اس کا پیشاب جاری رہتا ہے، جس کی وجہ سے وہ

حمل کے اس آخری مہینہ میں نماز پڑھنے سے رک گئی ہے۔ کیا یہ عورت نماز ترک کر سکتی ہے؟ اسے کیا کرنا چاہئے؟

جواب اس مذکورہ عورت یا اس جیسی عورتوں کو نماز چھوڑنی نہیں چاہئے بلکہ واجب یہ ہے کہ وہ حسب حال ہی نماز ادا

کر لیں۔ یہ مستحاضہ کی طرح ہر نماز کے لئے اس کے وقت میں وضوء کریں اور روئی وغیرہ کے ساتھ جس قدر پیشاب سے

بچ سکتی ہوں بچیں اور نماز کو اس کے وقت پر ادا کریں، وقت میں نوافل پڑھنے کی بھی اجازت ہے، یہ عورت مستحاضہ کی

طرح ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازوں کو جمع کر کے بھی ادا کر سکتی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَأَلْفُوا اللَّهَ مَا اسْتَبَعْتُمْ﴾ (التغابن ۱۶/۶۴)

”سو جہاں تک ہو سکے تم اللہ سے ڈرتے رہو۔“

اس عورت نے جس قدر نمازیں چھوڑی ہیں ان کی قضاء دینا ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ بھی کرنی چاہئے کہ جو کو تہی ہوئی اس پر ندامت کا اظہار کیا جائے اور یہ عزم کیا جائے کہ آئندہ ایسی کو تہی نہیں کی جائے گی، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (النور ۳۱/۲۴)

”اور مومنو! تم سب اللہ کے آگے توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔“

— شیخ ابن باز —

مسبوق (جس سے باجماعت نماز مکمل یا اس کا کچھ حصہ نکل چکا ہو) کی امامت کا حکم

سوال ایک شخص امام اور نمازیوں کے سلام پھیرنے کے بعد مسجد میں داخل ہوا اور اس نے ایک مسبوق شخص کو دیکھا جو اپنی باقی نماز پوری کر رہا ہے تو یہ اس کے ایک جانب کھڑا ہو گیا تاکہ مسبوق کو امام بنا کر جماعت کا ثواب حاصل کر سکے، تو کیا یہ اس کے لئے جائز ہو گیا مسبوق اس کا امام نہیں بن سکتا؟ کیا اس شخص نے مسبوق کے ساتھ جو نماز ادا کی وہ صحیح ہو گی؟

جواب جب مسبوق مسجد میں داخل ہو اور لوگ نماز پڑھ چکے ہوں اور دوسرا مسبوق اپنی باقی نماز ادا کر رہا ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ مسبوق کے دائیں جانب کھڑا ہو کر جماعت کا ثواب حاصل کرنے کی نیت سے نماز ادا کرے، مسبوق کو امامت کی نیت کرنی چاہئے۔ علماء کے صحیح قول کے مطابق اس میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو یہ اس کے ساتھ شامل ہو کر نماز ادا کر سکتا ہے اس کے دائیں جانب کھڑا ہو جائے اور جب مسبوق سلام پھیر دے یا وہ شخص جو تنہا نماز پڑھ رہا تھا، سلام پھیر دے تو یہ کھڑا ہو کر اپنی باقی نماز کو پورا کر لے۔ ان دلائل کے عموم سے اس کا جواز ثابت ہوتا ہے جو نماز باجماعت ادا کرنے کی فضیلت پر دلالت کرتے ہیں اور جیسا کہ نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ جب آپ ﷺ نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جو نماز ختم ہونے کے بعد مسجد میں داخل ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا ”کوئی ہے جو اس پر صدقہ کرے اور اس کے ساتھ نماز پڑھے (یعنی اسے جماعت سے نماز پڑھا دے۔)“

— شیخ ابن باز —

منفرد کی امامت

سوال ایک شخص اکیلا نماز پڑھ رہا ہے تو کیا اس کے ساتھ شامل ہو کر نماز پڑھنا جائز ہے؟

جواب ہاں یہ جائز ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ:

«أَنَّ لَمَّا رَأَى رَجُلًا دَخَلَ الْمَسْجِدَ بَعْدَ انْتِهَاءِ الصَّلَاةِ قَالَ أَلَا رَجُلٌ يَتَصَدَّقُ عَلَيَّ هَذَا»

فِيصَلِّيَ مَعَهُ» (اخرجه احمد في المسند بلفظ آخر ٤٥/٣)

”میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ایک رات گزاری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو جب نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں جانب آکر کھڑا ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے میرے کان کی لوسے پکڑا اور اپنی دائیں جانب کھڑا کر لیا۔“

اصول یہ ہے کہ اس طرح کے مسائل میں نفل و فرض میں کوئی فرق نہیں۔

فتویٰ کمیٹی

منفرد کی اقتداء

سوال میں اکیلا فرض نماز ادا کر رہا تھا کہ ایک شخص آیا اور اس نے میری اقتداء میں نماز شروع کر دی تو نماز میں منفرد سے امام کی نیت کی تبدیلی کا کیا حکم ہے؟

جواب اس صورت میں جو تم نے ذکر کی ہے، دوران نماز منفرد سے امام بننے کی نیت کی تبدیلی جائز ہے جیسا کہ صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث سے ثابت ہے کہ:

«بِئْسَ عِنْدَ خَالَتِي مَيْمُونَةَ فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ، فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ فَجَذَبْتَنِي وَجَعَلَنِي عَنْ يَمِينِهِ» (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب إذا قام الرجل عن يسار الامام فحول الامام...، ح: ٦٩٨)

”ایک رات میرا قیام اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو اٹھ کر جب نماز شروع فرمائی تو میں آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کان کی لوسے پکڑا اور اپنی دائیں جانب کھڑا کر دیا۔“ بوقت ضرورت مقتدی کا امام بننا اور امام کا مقتدی بننا جائز ہے۔

فتویٰ کمیٹی

جب پہلی صف میں جگہ نہ ہو تو؟

سوال جب نمازی مسجد میں داخل ہو اور وہ پہلی صف میں کوئی جگہ نہ پائے تو کیا اس کے لئے یہ جائز ہے کہ پہلی صف سے کسی انسان کو پیچھے کھینچ لے یا اس صورت میں کیا کرے؟

جواب جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہو اور وہ دیکھے کہ تمام صفیں مکمل ہیں، کسی بھی صف میں کوئی جگہ نہیں تو اسے چاہئے کہ انتظار کرے حتیٰ کہ اسے جگہ مل جائے یا کوئی اور نمازی آجائے یا وہ امام کے دائیں جانب صف بنا لے۔ اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ صف میں سے کسی کو پیچھے کھینچے کیونکہ اس سلسلہ میں جو حدیث وارد ہے، وہ ضعیف ہے۔ صف سے آدمی کو پیچھے کھینچنے کی صورت میں صف میں خلاء پیدا ہو جائے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تو یہ ہے کہ صف کے خلاء کو پر کر دیا جائے۔ وباللہ التوفیق!

شیخ ابن باز

مقتدی نے امام کے ساتھ جو نماز پائی وہی اس کی نماز کا ابتدائی حصہ ہے

سوال ایک شخص نماز مغرب ادا کرنے کے لئے مسجد میں داخل ہوا اور اس نے امام کے ساتھ دو رکعت پائیں جب کہ آخری رکعت اس نے الگ پڑھی، تو کیا اس رکعت میں وہ قرأت جبری کرے گا؟ سورہ فاتحہ پڑھے گا؟ یہ سمجھتے ہوئے کہ آخری رکعت تو اس نے امام کے ساتھ ادا کر لی ہے اور یہ اس کی پہلی رکعت ہے، کیا اس نے امام کے ساتھ جو رکعت شروع کی وہ امام کی نماز کے مطابق اس کی بھی دوسری رکعت سمجھی جائے گی؟

جواب امام کے سلام پھیرنے کے بعد اس نے جس رکعت کو پڑھا ہے وہ اس کی آخری رکعت ہوگی لہذا اس میں جبری قرأت صحیح نہ ہوگی کیونکہ علماء کے صحیح قول کے مطابق مسبوق جہاں آکر شامل ہوتا ہے وہی اس کی نماز کا ابتدائی حصہ ہوتا ہے اور جسے وہ بعد میں پورا کرتا ہے وہ اس کی نماز کا آخری حصہ ہوتا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«إِذَا أَنْتُمُ الصَّلَاةَ فَاْمَشُوا وَعَلَيْكُمْ بِالسَّكِينَةِ فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا» (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب قول الرجل، فاتنا الصلاة، ح: ۶۳۵ و صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب استحباب اتیان الصلاة بوقار وسکينة . . . ، ح: ۶۰۲)

”جب تم نماز کے لئے آؤ تو اطمینان اور سکون سے چلتے ہوئے آؤ، جو حصہ پالو اسے پڑھ لو اور جو فوت ہو جائے اسے مکمل کر لو۔“

شیخ ابن باز

نماز کے بعد ہمیشہ مصافحہ کرنا

سوال نماز کے بعد مصافحہ کرنے کے بارے میں حکم شریعت کیا ہے؟ کیا یہ بدعت ہے یا سنت، براہ کرم دلائل کے ساتھ بیان فرمائیے۔

جواب فرض نمازوں کے بعد ہمیشہ مصافحہ کرنے کی ہمیں کوئی اصل معلوم نہیں ہے۔ لہذا یہ عمل بدعت ہے اور رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ» (صحیح مسلم، کتاب الاقضية، باب نقض الاحکام الباطلة . . . ، ح: ۱۷۱۸)

”جو کوئی ایسا عمل کرے جس کے بارے میں ہمارا امر نہیں ہے تو وہ (عمل) مردود ہے“

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ:

«مَنْ أَحَدَّثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ» (صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا علی صلح . . . ، ح: ۲۶۹۷، و صحیح مسلم، کتاب الاقضية، باب نقض الاحکام . . . ،

ح: ۱۷۱۸)

”جس شخص نے ہمارے اس امر (دین) میں کوئی ایسی نئی بات ایجاد کی جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔“

فتویٰ کمیٹی

جلسہ استراحت واجب نہیں ہے

سوال کیا پہلی رکعت کے بعد دوسری کے لئے اور تیسری کے بعد چوتھی رکعت کے لئے اٹھتے ہوئے جلسہ استراحت (بیٹھنا) واجب ہے یا سنت مؤکدہ؟

جواب علماء کا اتفاق ہے کہ پہلی اور تیسری رکعت کے دوسرے سجدہ کے بعد اٹھنے سے قبل نمازی کا بیٹھنا نماز کے واجبات یا سنن مؤکدہ میں سے نہیں ہے پھر اس مسئلہ میں اختلاف ہے کیا یہ صرف سنت ہے یا یہ بالکل نماز کے واجبات میں سے نہیں ہے یا جلسہ استراحت صرف وہ شخص کرے جو کمزوری یا بڑھاپے یا مرض یا جسم کے بوجھ کی وجہ سے اس کا ضرورت مند ہو۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور اہل حدیث کی ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ یہ سنت ہے۔ امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے کیونکہ امام بخاری اور اصحاب سنن نے حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ:

«أَنَّ رَأَى النَّبِيَّ ﷺ، فَإِذَا كَانَ فِي وَتَرٍ مِنْ صَلَاتِهِ لَمْ يَثْهَضْ حَتَّى يَسْتَوِيَ قَاعِدًا» (صحیح

بخاری، کتاب الاذان، باب من استوی قاعدا فی وتر من صلاته ثم نهض، ح: ۸۲۳)

”انہوں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ نماز کی طاق رکعت میں سیدھے ہو کر بیٹھے بغیر نہیں اٹھا کرتے تھے۔“

اکثر علماء جلسہ استراحت کو سنت نہیں سمجھتے، ان میں سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک روایت یہی ہے کیونکہ دیگر احادیث میں جلسہ استراحت کا ذکر نہیں ہے اور اس بات کا احتمال ہے کہ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جس جلسہ کا ذکر ہے اس کا تعلق آپ ﷺ کی حیات پاک کے اس آخری دور سے ہو جس میں جسم اطہر قدرے بھاری ہو گیا تھا یا یہ جلسہ آپ ﷺ نے کسی اور وجہ سے کیا ہو، ایک تیسری جماعت نے ان احادیث میں تطبیق اس طرح دی ہے کہ جلسہ کی احادیث حالت ضرورت و حاجت پر محمول ہوں گی لہذا یہ جلسہ بوقت حاجت مشروع ہے، حاجت نہ ہو تو مشروع نہیں ہے۔ تمام دلائل کو سامنے رکھا جائے تو بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ جلسہ مطلقاً مستحب ہے اور دیگر احادیث میں اس کا عدم ذکر عدم استحباب کو مستلزم نہیں ہے بلکہ یہ عدم وجوب پر دلالت کنال ہے، اس کے مستحب ہونے کی تائید دو باتوں سے ہوتی ہے:

① رسول اللہ ﷺ کے فعل کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ آپ ﷺ اسے اس لئے سرانجام دیتے ہیں کہ وہ حکم شریعت ہے اور اس کی اقتداء کی جانی چاہئے۔

② یہ جلسہ ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے بھی ثابت ہے جسے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے انہوں نے دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں نبی کریم ﷺ کی نماز کی کیفیت بیان کی اور اس میں جلسہ استراحت کا بھی ذکر کیا اور ان دس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی تصدیق فرمائی۔

فتویٰ کمیٹی

ہم نے اجتہاد سے غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھ لی

سوال جب ہم امریکہ پہنچے تو ہم قطب نما کے مطابق لیکن غیر قبلہ رخ نماز پڑھتے رہے اور جب ہمیں وہاں رہنے والے کچھ مسلمان بھائیوں کے بارے میں علم ہوا تو انہوں نے بھی یہ بتایا کہ ہم غیر قبلہ رخ نماز پڑھتے رہے ہیں اور پھر انہوں نے صبح سمت قبلہ بھی بتائی۔ اب آپ سے سوال یہ ہے کہ قبلہ کے صحیح سمت کے معلوم ہونے سے پہلے ہم نے جو نمازیں ادا کی ہیں کیا وہ صحیح ہیں یا نہیں؟

جواب جب کوئی مومن قبلہ کی سمت معلوم کرنے میں اس وقت اجتہاد سے کام لے جب وہ صحرا میں یا ایسے شہروں (اور علاقوں) میں ہو جہاں سمت قبلہ مشتبہ ہو تو وہ اپنے اجتہاد کے مطابق نماز پڑھ لے اور پھر جب اسے یہ معلوم ہو کہ وہ غیر قبلہ سمت کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ رہا ہے تو وہ اپنے آخری اجتہاد کے مطابق عمل شروع کر دے جب کہ یہ واضح ہو جائے کہ اس کا یہ آخری اجتہاد پہلے اجتہاد سے زیادہ صحیح ہے۔ اس کی پہلی نمازیں بھی صحیح ہوں گی کیونکہ وہ اس نے اجتہاد اور حق معلوم کرنے کی کوشش کے بعد ادا کی ہیں اور رسول اللہ ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ ثابت ہے جو ان نمازوں کی صحت پر دلالت کتال ہے، اس وقت کے حوالہ سے جب بیت المقدس کی بجائے کعبہ مشرفہ کو مسلمانوں کا قبلہ بنا دیا گیا تھا۔ وباللہ التوفیق

شیخ ابن باز

منفرد کے لئے جہری قرأت کا حکم

سوال کیا انفرادی طور پر نماز پڑھنے والے کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ جہری نمازوں میں جہری قراءت کرے؟

جواب جس طرح امام جہری قرأت کرتا ہے، انفرادی طور پر نماز ادا کرنے والا بھی جہری قرأت کر سکتا ہے بلکہ یہ سنت ہے لیکن اسے اس قدر آواز بلند نہیں کرنی چاہئے جس سے اردگرد کے نمازیوں یا ذکر کرنے والوں یا سونے والوں کو تکلیف پہنچے جیسا کہ اس سلسلہ میں وارد احادیث سے ثابت ہے۔

شیخ ابن باز

نمازی کے آگے سے گزرنا حرام ہے

سوال کیا مصلحت عامہ مثلاً مسجد وغیرہ یا انفرادی ضرورت کے لئے صدقات کا سوال کرنے والے کے لئے نمازیوں کے آگے سے گزرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب نمازیوں کے آگے سے گزرنا حرام ہے، خواہ وہ یہ اسلامی سکیوں مثلاً مساجد کے بنانے یا ان کی مرمت کرنے یا ان میں قالین وغیرہ ڈالنے کے لئے صدقات جمع کرنے کے لئے ہو۔ اس طرح کے فعل خیر کے لئے قیام نمازیوں کے آگے سے گزرنے کا جواز نہیں بن سکتا کیونکہ حضرت ابو جہیم رضی اللہ عنہ سے مروی نبی ﷺ کی اس حدیث کے عموم کا یہی تقاضا ہے کہ:

«لَوْ يَعْلَمُ الْمَارِئُ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّيِّ مَاذَا عَلَيْهِ لَكَانَ أَنْ يَقِفَ أَرْبَعِينَ خَيْرًا لَهُ مِنْ أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ» (صحیح بخاری، کتاب الصلاة، باب اثم المار بین یدی المصلی، ح: ۵۱۰، وصحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب منع المار بین یدی المصلی، ح: ۵۰۷)

”اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو یہ علم ہو کہ اسے کس قدر گناہ ہو گا تو چالیس تک کھڑا رہنا اس کے لئے نمازی کے آگے سے گزرنے کی نسبت بہتر ہے۔“

فتویٰ کمیٹی

طہارت خانوں کی چھتوں پر یا ان کے پاس نماز کا حکم

سوال کیا ایسی جگہ پر نماز جائز ہے، جہاں نمازی کے آگے طہارت خانے ہوں اور نمازی اور طہارت خانوں کے مابین صرف ایک دیوار حائل ہو؟ کیا اس کے علاوہ کسی دوسری جگہ نماز ادا کرنا افضل ہے؟

جواب مذکورہ جگہ پر نماز ادا کرنے میں کوئی امر مانع نہیں، خواہ سامنے طہارت خانے ہی کیوں نہ ہوں بشرطیکہ وہ جگہ پاک ہو جہاں نماز ادا کرنا مقصود ہو۔ اسی طرح علماء کے صحیح قول کے مطابق طہارت خانوں کی چھتوں پر بھی نماز ادا کرنا جائز ہے، جب کہ وہ پاک ہوں۔ واللہ ولی التوفیق!

شیخ ابن باز

ایسی گھڑیوں کے ساتھ نماز کا حکم جن میں تصویریں یا صلیبیں ہوں

سوال بعض گھڑیوں کے اندر بعض جانوروں کی تصویریں بنی ہوتی ہیں تو کیا ان گھڑیوں کے ساتھ نماز جائز ہے؟ کیا ایسی گھڑی بنی ہو تو نماز جائز ہے جس میں صلیب کا نشان ہو؟

جواب اگر گھڑیوں کی تصویریں مستور ہوں اور نظر نہ آتی ہوں تو ان کے ساتھ نماز ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر گھڑی کے اندر یا باہر تصویر نظر آتی ہو تو اس کے ساتھ نماز جائز نہ ہوگی کیونکہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ:

«أَنْ لَا تَدَعَ صُورَةَ إِلَّا طَمَسْتَهَا» (صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب الامر بتسوية القبر، ح: ۹۶۹، أبوداؤد، کتاب الجنائز، باب تسوية القبر، ح: ۲۳۱۸، وترمذی، کتاب الجنائز، باب ما جاء في تسوية القبور، ح: ۱۰۴۹)

”کوئی تصویر نہ چھوڑو مگر اسے مٹا دو۔“

اسی طرح جس گھڑی پر صلیب کا نشان بنا ہو تو اس کے ساتھ بھی نماز جائز نہیں الا یہ کہ اسے مٹا دیا جائے یا اس پر پینٹ وغیرہ لگا کر اسے چھپا دیا جائے، اس لئے کہ حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب کوئی ایسی چیز دیکھتے جس پر تصویر بنی ہوتی تو آپ ﷺ اسے توڑ دیتے اور ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ آپ ﷺ اسے مٹا دیتے۔

شیخ ابن باز

باریک کپڑے میں نماز کا حکم

سوال کیا سلکی کپڑا جو بہت باریک ہو اس سے ستر پوشی ہوتی ہے یا نہیں؟ اور جب مسلمان آدمی نے اسے پہنا ہو تو کیا نماز صحیح ہوگی؟

جواب اگر مذکورہ کپڑا بے حد باریک ہونے کی وجہ سے جسم کو نہ چھپائے تو اس میں مرد کی نماز صحیح نہ ہوگی الا یہ کہ اس نے نیچے شلوار یا ازار پہن رکھا ہو جو ناف سے لے کر گھٹنے تک جسم کو چھپائے ہوئے ہو اور عورت کے لئے اس قسم کے کپڑے میں نماز صحیح نہیں الا یہ کہ اس نے نیچے سے اپنے سارے جسم کو کسی اور کپڑے سے ڈھانپ رکھا ہو۔ مذکورہ کپڑے کے نیچے چھوٹی شلوار کافی نہ ہوگی۔ مرد کو یہ بھی چاہئے کہ اس قسم کے باریک کپڑے میں نماز پڑھنے کی حالت میں رومال یا کوئی ایسی چیز بھی استعمال کرے جس سے اس کے کندھے چھپ جائیں یا ایک کندھا چھپ جائے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«لَا يُصَلِّ أَحَدُكُمْ فِي الثَّوْبِ الْوَاحِدِ لَيْسَ عَلَيَّ عَاتِقِيهِ مِنْهُ شَيْءٌ» (صحیح مسلم، کتاب الصلوة، باب الصلوة فی ثوب واحد وصفة لبسه، ح: ۵۱۶، وسنن أبي داود، کتاب الصلوة، باب جماع الثواب ما يصلی فیہ، ح: ۶۲۶)

”تم میں سے کوئی ایک کپڑے میں اس طرح نماز نہ پڑھے کہ اس کے کندھے پر کوئی چیز نہ ہو۔“ (اس حدیث کے صحیح ہونے پر ائمہ کا اتفاق ہے۔)

— شیخ ابن باز —

ہوائی جہاز میں نماز کی کیفیت

سوال میں ایک مہم کے سلسلہ میں ہوائی جہاز میں محو پرواز تھا کہ نماز کا وقت ہو گیا تو میں نے ہوائی جہاز کی سیٹ پر بیٹھے بیٹھے اشاروں سے نماز پڑھی۔ مجھے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ میرا رخ کس طرف ہے؟ کیا میری یہ نماز صحیح ہے اور اگر صحیح نہیں تو کیا یہ جائز ہے کہ میں طیارے سے اترنے تک نماز کو مؤخر کر دوں؟

جواب مسلمان پر واجب ہے کہ جب وہ طیارہ یا صحرا میں ہو تو قبلہ کا رخ معلوم کرنے کے لئے کوشش کرے، جاننے والوں سے پوچھ لے یا علامات قبلہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے قبلہ کا رخ معلوم کر کے علی وجہ البصیرت قبلہ رخ ہو کر نماز ادا کرے۔ اگر اسے قبلہ کا رخ معلوم نہ ہو سکے تو محنت اور کوشش کے ساتھ اسے معلوم کرنے کی جستجو کرے اور پھر اس طرف منہ کر کے نماز ادا کرے۔ اس کی یہ نماز درست ہوگی خواہ بعد میں یہ معلوم ہو کہ اس نے غیر قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی ہے کیونکہ اس نے اجتہاد کیا اور مقدور بھرا اللہ تعالیٰ کے ذکر کو پیش نظر رکھا ہے۔ قبلہ رخ معلوم کرنے کے لئے اجتہاد کے بغیر اسے ہوائی جہاز یا صحراء میں نماز ادا نہیں کرنی چاہئے اور اگر اس نے ایسا کیا تو اسے نماز دوبارہ پڑھنا ہوگی کیونکہ وہ مقدور بھرا اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرا اور نہ اس نے اجتہاد کیا۔

سائل نے جو بیٹھ کر نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو، جس طرح کھڑا نہ ہو سکنے کی حالت میں کشتی اور بحری جہاز میں بھی بیٹھ کر نماز ادا کی جاسکتی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَأَنقُوا لِلَّهِ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن: ۱۶/۱۷)

”سو جہاں تک ہو سکے تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔“

اگر نماز کو مؤخر کر دیا جائے اور طیارہ سے اتر کر پڑھ لیا جائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وقت میں گنجائش ہو۔ یاد رہے یہ سب احکام فرض نماز کے حوالہ سے ہیں۔ نفل نماز میں ہوائی جہاز یا گاڑی یا جانور پر نماز ادا کرنے کی صورت میں استقبال قبلہ واجب نہیں ہے کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اونٹ پر سواری کی حالت میں اسی طرف منہ کر کے نفل نماز ادا کر لیتے تھے جس طرف سواری جارہی ہوتی تھی لیکن مستحب یہ ہے کہ اس صورت میں تکبیر تحریمہ کے وقت نمازی کا منہ قبلہ رخ ہو اور پھر جس طرف سواری چلے اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھا رہے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

شیخ ابن باز

کیا مسبوق دعاء استفتاح اور فاتحہ پڑھے؟

سوال جب مقتدی امام کے ساتھ اس وقت شامل ہو جب وہ رکوع سے قبل قراءت کے اختتام پر پہنچ چکا ہو تو وہ دعائے استفتاح سبحانک اللہم وبحمدک... پڑھے یا خاموش رہے اور امام کے ساتھ شامل ہو جائے؟

جواب جب مقتدی اس وقت آئے جب امام رکوع کرنے والا ہو تو یہ بھی اس کے ساتھ رکوع میں شامل ہو جائے۔ اس صورت میں دعائے استفتاح یا کچھ اور نہ پڑھے بلکہ اللہ اکبر کہہ کر امام کے ساتھ رکوع میں چلا جائے۔ اور اگر مقتدی اس وقت آئے کہ وہ دعائے استفتاح اور فاتحہ پڑھ سکتا ہو تو اسے ضرور پڑھنا چاہئے کہ اس کے لئے حکم شریعت یہی ہے کہ پہلے دعائے استفتاح اور پھر فاتحہ پڑھے، خواہ نماز جری ہو اگر امام سکوت کرے تو یہ سکوت میں پڑھ لے اور اگر امام سکوت نہ کرے تو یہ اپنے جی میں پڑھ لے اور پھر امام کی قرات سننے کے لئے خاموش ہو جائے، لیکن اگر وہ لیٹ ہو اور رکوع کے وقت پہنچے تو تکبیر کہہ کر رکوع شروع کر دے، اس حالت میں اس سے فاتحہ ساقط ہو جائے گی کیونکہ وہ معذور ہے۔

شیخ ابن باز

نماز میں ڈھانٹا باندھنے اور ٹیک لگانے کا حکم

سوال کیا نماز میں ڈھانٹا (منہ پر کپڑا) باندھنا جائز ہے؟ اور کیا دیوار یا ستون وغیرہ کے ساتھ ٹیک لگا کر نماز ادا کرنا جائز ہے؟

جواب نماز میں کسی مجبوری کے بغیر ڈھانٹا باندھنا جائز نہیں، اسی طرح فرض نماز میں دیوار یا ستون وغیرہ کے ساتھ ٹیک لگانا بھی جائز نہیں کیونکہ صاحب استطاعت پر فرض ہے کہ وہ سہارے کے بغیر سیدھا کھڑا ہو۔ ہاں البتہ نفل نماز میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اسے بیٹھ کر ادا کرنا بھی جائز ہے لیکن بیٹھ کر ادا کرنے کی نسبت ٹیک لگا کر اور کھڑے ہو کر ادا کرنا افضل ہے۔

شیخ ابن باز

تصویر پاس ہونے کی صورت میں نماز کا حکم

سوال اس شخص کی نماز کا کیا حکم ہے جو تصویر اٹھائے ہوئے ہو مثلاً یہ کہ اس کے پاس شناختی کارڈ ہو جس میں اس کی تصویر ہو اور اگر وہ شخص نماز پڑھنے تک اسے رکھ دے تو اس کے ضائع ہونے کا خدشہ ہو یا اس کے پاس کرنسی نوٹ ہوں جس پر تصویریں ہوں؟

جواب شناختی کارڈ یا تصویروں والے کرنسی نوٹوں کی موجودگی میں فرض اور نفل نماز ادا کرنا جائز ہے اور اگر ان تصویروں والی چیزوں کے بغیر نماز ادا کرے تو بہتر ہے بشرطیکہ وہ کسی نقصان یا مشقت کے لاحق ہونے سے محفوظ ہو تاکہ احادیث کے ظاہر الفاظ پر عمل بھی ہو جائے اور غیر مجسم تصویروں کے بارے میں علماء میں جو اختلاف ہے، اس سے بھی نکل سکے۔ ((وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

فتویٰ کمیٹی

فرض ادا کرنے کے بعد دوسروں کی امامت

سوال جس شخص نے خود فرض نماز ادا کر لی ہو تو کیا وہ یہی فرض نماز دوسروں کو پڑھا سکتا ہے؟

جواب اس کے جواز میں اہل علم میں اختلاف ہے لیکن ہمیں بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص نے خود فرض نماز ادا کر لی ہو اس کی اقتداء میں فرض نماز ادا کی جاسکتی ہے۔ یعنی نفل پڑھنے والے کی اقتداء میں فرض نماز ادا کی جاسکتی ہے، کیونکہ:

«لَأَنَّ مُعَاذًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ كَانَ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، ثُمَّ يَزْجَعُ فَيُصَلِّي بِقَوْمِهِ تِلْكَ الصَّلَاةَ» (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب إذا طول الامام وكان للرجل حاجة فخرج وصلى، ح: ۷۰۰)

”حضرت معاذ رضی اللہ عنہ پہلے فرض نماز نبی ﷺ کی اقتداء میں ادا کرتے تھے اور پھر اپنی قوم کو وہی نماز پڑھاتے تھے۔“

اسی طرح سنن ابی داؤد میں روایت ہے کہ:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، صَلَّى بِطَائِفَةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ فِي صَلَاةِ الْخَوْفِ رُكْعَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ، ثُمَّ صَلَّى بِالطَّائِفَةِ الْأُخْرَى رُكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ» (سنن ابی داؤد، کتاب صلاة السفر، باب من قال يصلى بكل طائفة ركعة ثم يسلم، ح: ۱۲۴۴)

”نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو نماز خوف کی دو رکعات پڑھائیں اور پھر سلام پھیر دیا“

پھر دوسری جماعت کو بھی دو رکعات پڑھائیں اور سلام پھیر دیا۔“^①

① علامہ طحاوی نے اس حدیث کے بارے میں جو یہ دعویٰ کیا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے تو یہ دعویٰ ناقابل قبول ہے کیونکہ یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ علامہ سندھی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے قطعی طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نفل پڑھنے والے کی اقتداء میں فرض نماز ادا کی جاسکتی ہے اور مخالفین کے پاس اس کا کوئی ثبوتی ثبوت نہیں ہے۔ (عمون العبود، ج: 4، ص: 90)

امام احمد رحمہ اللہ سے بھی ایک قول یہی مروی ہے کہ نفل پڑھنے والے کی اقتدا میں فرض پڑھنا جائز ہے اور عطاء، اوزاعی، شافعی، ابو ثور اور ابن المنذر کا بھی یہی قول ہے۔ (واللہ اعلم)

فتویٰ کمیٹی

جب امام ایسے مسبوق کو اپنی جگہ کھڑا کر دے جس کی دو رکعات رہ گئی ہوں

سوال جب امام نماز کی چوتھی رکعت میں بے وضوء ہو جائے اور وہ کسی ایسے مسبوق شخص کو اپنا نائب بنا دے جو تیسری رکعت میں نماز میں شامل ہوا تھا تو ان لوگوں کے لئے کیا حکم ہو گا؟ جو پہلے امام کے ساتھ پہلی یا دوسری رکعت میں شامل ہوئے تھے؟ کیا ان کے لئے امام ثانی سے قبل سلام پھیرنا جائز ہے؟ یا وہ امام ثانی کی اقتداء کرتے ہوئے چار سے زیادہ رکعات بھی پڑھ سکتے ہیں؟ یا وہ بیٹھ کر انتظار کریں حتیٰ کہ امام کی چاروں رکعات پوری ہو جائیں اور وہ سلام پھیرے تو یہ بھی سلام پھیر دیں؟ ان حالات میں سب لوگوں کی نماز کا کیا حکم ہو گا؟

جواب اگر ان نمازیوں کا امر واقعہ اسی طرح ہو، جس طرح سوال میں بیان کیا گیا ہے، تو جن لوگوں نے امام اول کے ساتھ پہلی یا دوسری رکعت میں شرکت کی وہ اپنی نماز کی تکمیل کے بعد امام ثانی کے ساتھ زیادہ نماز نہیں پڑھیں گے بلکہ اپنی جگہ بیٹھے رہیں گے کیونکہ انہوں نے چار رکعتیں پڑھ لیں اور اپنا فرض پورا کر دیا ہے لیکن وہ امام سے پہلے سلام نہیں پھیر سکتے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

«إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَ بِهِ» (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب اقامة الصف من تمام الصلاة،

ح: ۷۲۲، ۷۳۴، و صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب اتمام المأموم، ح: ۴۱۴)

”امام کو اس لئے بنایا جاتا ہے تاکہ اس کی اقتداء کی جائے۔“

فتویٰ کمیٹی

تراویح پڑھنے والے امام کی اقتداء میں نماز عشاء

سوال ایک شخص مسجد میں اس وقت پہنچا جب لوگ نماز تراویح ادا کر رہے تھے اور اسے اس بات کا علم بھی تھا تو کیا وہ اس امام کی اقتداء میں عشاء کی نیت کر کے نماز عشاء ادا کر سکتا ہے یا وہ اکیلا نماز پڑھے؟

جواب علماء کے صحیح قول کے مطابق اس صورت میں عشاء کی نیت کر کے نماز تراویح پڑھانے والے امام کی اقتداء میں نماز عشاء پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اور جب امام سلام پھیر دے تو اسے اپنی باقی نماز مکمل کرنا ہوگی۔ اس کی دلیل صحیحین کی یہ حدیث ہے کہ:

«أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، صَلَاةَ الْعِشَاءِ ثُمَّ يَرْجِعُ إِلَى قَوْمِهِ فَيُصَلِّي بِهِمْ تِلْكَ

الصَّلَاةَ» (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب إذا طول الامام وكان للرجل حاجة فخرج وصلى، ح: ۷۰۰)

”حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نماز عشاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں ادا فرمایا کرتے تھے اور پھر اپنی قوم میں واپس آ کر انہیں بھی نماز پڑھایا کرتے تھے۔“

اور نبی کریم ﷺ کا انہیں اس سے منع نہ فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ فرض پڑھنے والے کی نماز نفل پڑھنے والے کی اقتدا میں جائز ہے۔ اور صحیح حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک دفعہ صلوٰۃ خوف کی پہلے ایک جماعت کو دو رکعات پڑھائیں اور پھر دوسری جماعت کو دو رکعات پڑھائیں، نبی کریم ﷺ کی پہلی دو رکعات فرض اور دوسری دو رکعات نفل تھیں جب کہ دوسری جماعت کی یہ نماز فرض تھی۔ واللہ ولی التوفیق

شیخ ابن باز

ایک شخص انفرادی طور پر نماز ادا کر رہا تھا کہ اس کے ساتھ

سوال میں مسجد میں داخل ہوا تو جماعت ہو چکی تھی۔ میں نے اقامت کہی اور تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز شروع کر دی۔ ایک آدمی آیا اور وہ میرے ساتھ نماز میں شریک ہو گیا جب کہ میں نے اس کی نیت ہی نہیں کی تھی، تو کیا اس صورت میں اس کی نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟

جواب صحیح بات یہ ہے کہ اس صورت میں جب ایک یا ایک سے زیادہ آدمی آپ کے ساتھ نماز میں شریک ہو جائیں تو آپ امامت کی نیت کر لیں کیونکہ جماعت مطلوب ہے اور اس میں اجر و ثواب بہت زیادہ ہے۔ بعض اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ ایسا کرنا صرف نفل میں جائز ہے، جب کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ فرض اور نفل دونوں میں جائز ہے کیونکہ اصول یہ ہے کہ فرض اور نفل ادا کرنے والوں کے احکام ایک جیسے ہیں الا یہ کہ دلیل سے کسی بات کی تخصیص ہو گئی ہو۔ حدیث سے ثابت ہے کہ:

«أَنَّه كَانَ يُصَلِّي فِي اللَّيْلِ، وَحَدُّهُ فِي بَيْتِ مَيْمُونَةَ خَالَتهِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ جَمِيعًا فَقَامَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَتَوَضَّأَ وَصَفَّ عَنْ يَسَارِ النَّبِيِّ ﷺ، فَأَدَارَهُ النَّبِيُّ عَنْ يَمِينِهِ وَصَلَّى بِهِ» (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب إذا قام الرجل عن يسار الامام ...، ح: ۶۹۸، ۶۹۹)

”نبی کریم ﷺ میمونہ خالہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے گھر میں رات کو نماز ادا فرما رہے تھے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اٹھے، انہوں نے وضوء کیا اور آکر نبی کریم ﷺ کے بائیں جانب کھڑے ہو گئے تو نبی کریم ﷺ نے انہیں گھما کر اپنے دائیں جانب کھڑا کر لیا اور ان کو نماز پڑھائی۔“

صحیح مسلم میں روایت ہے کہ:

«أَنَّه كَانَ يُصَلِّي وَحَدُّهُ فَجَاءَ جَابِرٌ وَجَبَّارٌ فَصَفَّ عَنْ يَمِينِهِ وَصَمَّالَهُ فَجَعَلَهُمَا خَلْفَهُ وَصَلَّى بِهِمَا» (صحیح مسلم، کتاب الرمد، باب حدیث جابر الطویل وقصة ابن البسر، ح: ۳۰۱۰)

”نبی کریم ﷺ اکیلے نماز پڑھ رہے تھے کہ جابر اور جبار آئے اور انہوں نے آپ ﷺ کے دائیں اور بائیں جانب صف بنائی تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں پیچھے کھڑا کر دیا اور نماز پڑھائی۔“

چنانچہ یہ دونوں حدیثیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں، جو ہم نے ذکر کیا ہے جیسا کہ اس بات پر بھی دلالت کرتی ہیں کہ امام کے ساتھ اگر ایک مقتدی ہو تو وہ امام کی دائیں جانب کھڑا ہو اور اگر دو یا دو سے زیادہ ہوں تو وہ امام کے پیچھے کھڑے ہوں۔

شیخ ابن باز

مسجد سے متصل سڑکوں پر بھی نماز جائز ہے

سوال مسجد کے شرعی طور پر معتبر حدود کیا ہیں؟ کیا مسجد کے ساتھ متصل سڑکوں کو بھی مسجد کے تابع شمار کیا جائے گا؟ اور اگر لوگوں کی کثرت کی وجہ سے مسجد میں جگہ نہ ہو تو کیا سڑکوں پر نماز جمعہ ادا کی جاسکتی ہے؟ حالانکہ شہر میں اور بھی مسجدیں ہیں جو نمازیوں سے بھری نہیں ہوتیں؟

جواب اس مسجد کے حدود جسے اس لئے بنایا گیا ہو کہ مسلمان اس میں نماز پڑھنے یا جماعت ادا کریں، وہی ہیں جن کا احاطہ اس کی عمارت، یا لکڑی یا کھجور کی شاخوں یا سرکنڈوں وغیرہ سے کیا گیا ہو، اس کا حکم مسجد کا ہو گا اور اس میں حالتہٗ نفاس والی عورت اور جنسی کے لئے ٹھہرنا ممنوع ہے۔ جو شخص مسجد میں آئے، مسجد نمازیوں سے کھپا کھچ بھری ہو اور اس میں جگہ نہ ہو تو بعد میں آنے والے اس شخص کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ نماز جمعہ اور دیگر فرائض و نوافل مسجد سے باہر قریب ترین جگہ میں مسجد کے ساتھ متصل سڑک وغیرہ پر ادا کرے۔ ضرورت کی وجہ سے ایسا جائز ہے بشرطیکہ وہ اپنی نماز کو امام کی نماز کے ساتھ منضبط رکھ سکتا ہو اور امام کے آگے نہ کھڑا ہو لیکن ان راستوں اور سڑکوں وغیرہ کا حکم مسجد کا نہ ہو گا۔ واللہ اعلم

فتویٰ کمیٹی

نفل پڑھنے والے کی اقتداء میں فرض پڑھنا

سوال نفل پڑھنے والے کی فرض پڑھنے والے کے لئے امامت کا کیا حکم ہے؟ مثلاً ایک آدمی نفل نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک شخص آیا اور وہ یہ سمجھتے ہوئے اس کے ساتھ نماز میں شریک ہو گیا کہ یہ فرض پڑھ رہا ہے اور جب اسے معلوم ہوا کہ اس کا خیال درست نہ تھا تو اس نے نماز دوبارہ پڑھی، تو کیا اس کی پہلی نماز صحیح ہوگی یا دوسری؟

جواب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ:

«كَانَ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، صَلَاةَ الْعِشَاءِ ثُمَّ يَرْجِعُ فَيُفَصِّلُنِي بِقَوْمِهِ تِلْكَ الصَّلَاةَ» (صحیح

بخاری، کتاب الاذان، باب إذا طول الامام وكان للرجل حاجة فخرج وصلى، ح: ۷۰۰)

”وہ نماز عشاء نبی ﷺ کی اقتداء میں ادا کیا کرتے تھے اور پھر اپنی قوم کے پاس جا کر یہی نماز انکو خود پڑھاتے تھے۔“

اسی طرح:

«وَصَلَّى النَّبِيُّ ﷺ، بِطَائِفَةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ فِي صَلَاةِ الْخَوْفِ رَكَعَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ بِهِمْ، ثُمَّ

صَلَّى بِالطَّائِفَةِ الْأُخْرَى رَكَعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ بِهِمْ» (سنن ابی داؤد، کتاب صلاة السفر، باب من قال

يصلي بكل طائفة ركعة ثم... ح: ۱۲۴۴)

”نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو نماز خوف کی دو رکعات پڑھائیں اور سلام پھیر دیا اور

پھر دوسری جماعت کو دو رکعات پڑھائیں اور سلام پھیر دیا۔“

آپ ﷺ کی دوسری دو رکعات نفل تھیں۔ تو ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کی اقتداء میں نماز ادا کر سکتا ہے۔

فتویٰ کمیٹی

جمالت کی وجہ سے سورہ فاتحہ کا نہ پڑھنا

سوال ہم چار اشخاص جنگل میں تھے کہ نماز مغرب کا وقت ہو گیا۔ ہم میں سے ایک نے اذان کہی اور نماز پڑھائی لیکن دوسری رکعت میں اس نے سورہ فاتحہ نہ پڑھی۔ جب ہم میں سے ایک شخص نے اسے سبحان اللہ کہہ کر متنبہ کیا تو پھر بھی امام نے سورہ فاتحہ نہ پڑھی بلکہ سورہ الکافرون پڑھ دی اور پھر نماز ختم کرتے ہوئے سجدہ سو بھی نہ کیا، تو اس موضوع پر ہمارے درمیان بحث ہوئی۔ لہذا براہ کرم راہنمائی فرمائیے کیا اس صورت میں سجدہ سو کرنا چاہئے تھا یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے!

جواب یہ مذکورہ نماز باطل ہے اور اسے دوبارہ پڑھنا لازم ہے کیونکہ دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھی گئی۔ مقتدیوں پر واجب تھا کہ امام کو سورہ فاتحہ یاد دلا دیتے، مثلاً ان میں سے ایک سورہ فاتحہ کی ابتدائی آیت پڑھ دیتا اس سے امام کو یاد آ جاتا اور اگر وہ حالت قیام میں سورہ فاتحہ پڑھ لیتا تو نماز مکمل ہو جاتی اور اگر وہ نماز سے فراغت کے بعد اس رکعت کو جس میں اس نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی دوبارہ پڑھ لیتا اور سجدہ سو کر لیتا تو پھر بھی نماز ہو جاتی۔

اب چونکہ اس نے دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اور سورہ فاتحہ پڑھنا نماز کا رکن ہے تو اس کے نہ پڑھنے کی وجہ سے یہ رکعت باطل ہو گئی۔ امام نے چونکہ سلام پھیر دیا تھا اور اب اس پر طویل زمانہ گزر چکا ہے لہذا یہ نماز ہی باطل ہوئی۔ فاتحہ کے ترک کرنے کا نقصان سجدہ سو سے پورا نہیں ہو سکتا کیونکہ سورہ فاتحہ کا پڑھنا نماز کا رکن ہے لہذا اس نماز کو دوبارہ پڑھنا ہو گا۔ واللہ الموفق

— شیخ ابن جبرین —

بوند باندی کی وجہ سے مغرب و عشاء کی نمازوں کو جمع کرنا

سوال مغرب کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد ہلکی ہلکی بارش کی وجہ سے اچانک عشاء کی نماز کے لئے اقامت کہہ دی گئی تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد میں نے اس نماز کے بارے میں جب امام سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ بارش کے سبب آسانی کی خاطر نمازوں کو جمع کیا گیا ہے اور انہوں نے بتایا کہ یہ نماز صحیح ہے حالانکہ بارش بہت ہلکی تھی اور مقتدیوں کے لئے بھی نمازوں کے جمع کرنے کا کوئی اعلان نہیں کیا گیا تو کیا یہ نماز صحیح ہے؟

جواب شدید اور موسلا دھار بارش کی وجہ سے، جس سے کپڑے بھیک جائیں، دو نمازوں کو جمع کر کے ادا کرنا جائز ہے خصوصاً جب رات کا وقت ہو، راستے تاریک ہوں، سردی شدید ہو، لوگوں کو دشواری ہو اور سازو سامان کی کمی کے باعث وہ سردی کی شدت سے بچاؤ کا بندوبست نہ کر سکتے ہوں اور راستہ میں کچھ وغیرہ کی وجہ سے پاؤں پھسلنے کا بھی اندیشہ ہو تو ان حالات میں مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھا جا سکتا ہے لیکن جب راستے کشادہ ہوں اور ساری رات برقی قتموں سے جگمگاتے ہوں، راستوں میں مٹی اور کچھ بھی نہ ہو اور نہ کوئی نجاست اور غلاظت وغیرہ ہو، لوگ طاقتور بھی ہوں یا ان کے پاس گاڑیاں بھی ہوں جن کی وجہ سے طویل فاصلوں کو بھی بغیر مشقت کے باسانی طے کیا جا سکتا ہو، سردی

سے بچاؤ کے لئے گرم کپڑے بھی وافر مقدار میں ہوں اور بارش بھی ہلکی ہو جس کے عموماً تھوڑی دیر بعد بند ہونے کا قوی امکان ہو تو ان حالات میں نمازوں کو جمع کرنا جائز نہ ہو گا کیونکہ نماز کے اوقات متعین ہیں، جن میں کسی دلیل یا راجح عارضہ کے بغیر تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔ جب نمازوں کو جمع کر کے ادا کرنا جائز ہو تو امام کو چاہئے کہ مقتدیوں کو بھی بتادے تاہم اگر نہ بتائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ واللہ اعلم

شیخ ابن جریر

نماز میں وسوسوں کا علاج

سوال جب میں نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہوں تو عجیب و غریب قسم کے خیالات اور دوسو سے پیدا ہونا شروع ہو جاتے ہیں، جن کی وجہ سے بسا اوقات یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ میں نے کیا پڑھا ہے اور کتنی رکعات پڑھی ہیں؟ براہ کرم رہنمائی فرمائیے کہ میں کیا کروں؟

جواب نماز پڑھنے والے مردوں اور عورتوں کے لئے شریعت کا حکم یہ ہے کہ پوری توجہ اور خشوع و خضوع سے نماز پڑھیں اور یہ خیال کریں کہ وہ اپنے رب کے حضور کھڑے ہیں تاکہ شیطان دور ہو جائے اور دوسو سے کم ہو جائیں اور حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ پر عمل بھی ہو سکے:

﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١﴾ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ﴿٢﴾﴾ (المؤمنون ۲۳/۱-۲)

”بے شک ایمان والے کامیاب ہو گئے جو نماز میں مجز و نیاز کرتے ہیں۔“

جب دوسو سے کثرت سے پیدا ہونے لگیں تو پھر اعدو بالله من الشیطان الرجیم پڑھ لینا چاہئے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عثمان بن ابی العاص کو اس وقت حکم دیا تھا جب انہوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ بتایا کہ شیطان ان کی نماز میں خلل ڈالتا ہے۔

جب نمازی کو نماز کی رکعات کی تعداد میں شک ہو تو وہ کم تر تعداد کو لے لے، یقین پر بنیاد رکھے، نماز کو مکمل کر لے اور پھر سلام سے پہلے دو سجدے سو کے کر لے جیسا کہ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلَمْ يَدْرَ كَمْ صَلَّى ثَلَاثًا أَمْ أَرْبَعًا فَلْيَطْرَحِ الشَّكَّ وَلْيَبْنِ عَلَى الْيَقِينِ، ثُمَّ يَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلَّمَ، فَإِنْ كَانَ صَلَّى خَمْسًا شَفَعْنَ لَهُ صَلَاتَهُ وَإِنْ كَانَ صَلَّى تَمَامًا كَانَتْ تَرْغِيمًا لِلشَّيْطَانِ» (صحیح مسلم، کتاب المساجد باب السهو

فی الصلاة والسجود له، ح: ۵۷۱)

”جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو اور یہ علم نہ ہو کہ اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار تو اسے چاہئے کہ شک کو چھوڑ دے، یقین پر بنا کرے اور پھر سلام سے پہلے دو سجدے کر لے، اگر اس نے پانچ رکعات پڑھ لی ہیں تو یہ ان سجدوں کی وجہ سے جفت ہو جائیں گی اور اگر اس نے نماز پوری پڑھی ہے تو یہ شیطان کے لئے موجب ذلت و رسوائی ہوں گے۔“

شیخ ابن باز

نماز میں دعاء

سوال کیا نمازی کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ فرض نمازوں میں ارکان پورے کرنے کے بعد دعاء مانگے مثلاً سجدوں میں ”سبحان ربی الاعلیٰ“ پڑھنے کے بعد «اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ» جیسی دعاء پڑھ لے؟ امید ہے راہنمائی فرمائیں گے تاکہ مستفید ہو سکو، اور ہدیہ سلام قبول فرمائیے۔

جواب مومن کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ نماز میں دعاء کے مقام پر دعاء کرے نماز خواہ فرض ہو یا نفل اور نماز میں دعاء کا مقام سجدہ، دو سجدوں کے درمیان، تشہد اور رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر درود و سلام کے بعد نماز کا آخری حصہ ہے۔ حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ دونوں سجدوں کے درمیان دعاء کرتے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب فرماتے تھے۔ یہ بھی ثابت ہے کہ آپ دونوں سجدوں کے درمیان یہ دعاء پڑھا کرتے تھے:

«اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَاجْبُرْنِيْ وَارْزُقْنِيْ وَعَافِنِيْ» (سنن أبی داود، کتاب الصلاة، باب الدعاء بین السجدتين، ح: ۸۵۰، و سنن ترمذی، کتاب الصلاة، باب ما يقول الرجل فی ركوعه وسجوده، ح: ۸۷۴ وقال الحاكم والذهبي والنووي هذا حديث صحيح)

”اے اللہ! تو میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے ہدایت دے اور میری بگڑی بنا دے اور مجھے رزق عطا فرما اور مجھے عافیت عطا فرما۔“

نبی ﷺ نے فرمایا:

«أَمَّا الرُّكُوعُ فَعَظُمُوا فِيهِ الرَّبُّ وَأَمَّا السُّجُودُ فَاجْتَهَدُوا فِي الدُّعَاءِ فَفَمِنْ أَنْ يُسْتَجَابَ لَكُمْ» (صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب النهي عن قراءة القرآن في الركوع والسجود، ح: ۴۷۹)

”رکوع میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم بیان کرو اور سجدہ میں خوب کوشش سے دعاء کرو، امید ہے کہ تمہاری دعاء شرف قبولیت سے نوازی جائے گی۔“

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«أَقْرَبُ مَا يَكُونُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ وَهُوَ سَاجِدٌ فَأَكْثِرُوا الدُّعَاءَ» (صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب ما يقال في الركوع والسجود، ح: ۴۸۲)

”بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتا ہے جب وہ سجدہ کر رہا ہوتا ہے لہذا سجدہ میں کثرت سے دعاء کرو“

صحیحین میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب انہیں تشہد سکھایا تو فرمایا:

«ثُمَّ يَخْتَارُ مِنَ الْمَسْأَلَةِ مَا شَاءَ» (صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب التشهد في الصلاة، ح: ۴۰۲)

”اس کے بعد نمازی جو چاہے اپنے رب سے دعاء کرے“

اور ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ:

«ثُمَّ لِيَسْتَحَيِّرَ مِنَ الدُّعَاءِ أَعْجَبَهُ إِلَيْهِ فَيَدْعُو» (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب ما يستخير من الدعاء بعد التشهد وليس بواجب، ح: ۸۳۵)

”پھر اس دعاء کو منتخب کرے جو اسے سب سے زیادہ پسند ہو اور اس کے ساتھ دعاء کرے۔“

اس مفہوم کی احادیث بہت ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ان مقامات میں مسلمان جو دعاء کرنا چاہے، اس کی اجازت ہے خواہ دعاء کا تعلق آخرت سے ہو یا دنیوی مصلح سے بشرطیکہ دعاء کا تعلق کسی گناہ یا قطع رحمی سے نہ ہو اور افضل یہ ہے کہ ان دعاؤں کو کثرت کے ساتھ مانگا جائے جو نبی ﷺ سے منقول ہیں۔

شیخ ابن باز

تصویروں سے مزین مصلیٰ پر نماز کا حکم

سوال ایسے مصلیٰ پر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے جو مسجدوں اور ایسے قبوں وغیرہ کی تصویروں سے مزین ہو جو قبروں اور مزاروں وغیرہ پر بنے ہوتے ہیں؟

جواب ایسی چیز کی تصویر جس میں روح نہ ہو جائز ہے لیکن ایسے مصلیٰ پر نماز جس پر غیر ذی روح چیزوں کی تصویریں ہوں مکروہ ہے کیونکہ یہ نمازی کی نماز میں خلل انداز ہوتی ہیں لیکن نماز صحیح ہوگی۔ حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہما روایت ہے کہ نبی ﷺ نے انہیں کعبہ میں داخل ہونے کے بعد بلایا اور فرمایا:

«إِنِّي كُنْتُ رَأَيْتُ قَرْنِي الْكَئِشِ حِينَ دَخَلْتُ الْبَيْتِ فَنَسِيتُ أَنْ أَمُرَكَ أَنْ تَحْضَرَ هُمَا، فَحَضَرَهُمَا، فَإِنَّهُ لَا يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ فِي قِبْلَةِ الْبَيْتِ شَيْءٌ يُلْهِي الْمُصَلِّيَ» (مسند احمد، ۶۸/۴، ۳۸۰/۵)

”میں جب بیت اللہ میں داخل ہوا تو میں نے مینڈھے کے دو سینگ دیکھے اور میں آپ کو یہ حکم دینا بھول گیا کہ انہیں ڈھانپ دو لہذا میں اب آپ کو یہ حکم دیتا ہوں کہ انہیں ڈھانپ دو کیونکہ قبلہ رخ کوئی ایسی چیز گھر میں نہیں ہونی چاہیے جو نمازی کو نماز سے غافل کر دے“

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک پردہ تھا جس سے انہوں نے اپنے گھر کے ایک حصہ کو ڈھانپ دیا تھا تو نبی ﷺ نے ان سے فرمایا:

«أَمِيطِي عَنَّا قِرَامَكَ هَذَا فَإِنَّهُ لَا تَرَالُ تَصَاوِيرُ تَعْرُضُ فِي صَلَاتِي» (صحیح بخاری، کتاب الصلاة، باب ان صلی فی ثوب مصلب ...، ح: ۳۷۴، ۵۹۵۹)

”اس پردے کو ہٹا دو کیونکہ اس کی تصویریں میری نماز میں خلل انداز ہوتی رہی ہیں۔“

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ سینگوں کو ڈھانپ دیا جائے اور پردے کو ہٹا دیا جائے اور اس کا سبب یہ بیان فرمایا کہ یہ نمازی کو مشغول کرتے ہیں لیکن یہ ثابت نہیں کہ ان کی وجہ سے آپ نے نماز کو توڑ دیا ہو۔ بخاری اور مسلم میں بطریق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ایک چادر پر نماز پڑھی جس پر تصویریں بنی ہوئی تھیں تو ناگہاں آپ کی نگاہ ان تصویروں کی طرف اٹھ گئی تو جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا:

«إِذْهَبُوا بِحَمِيصَتَيْ هَذِهِ إِلَى أَبِي جَهْمٍ وَاتَّبَعْنِي بِأَبْجَانِيَةِ أَبِي جَهْمٍ فَإِنَّهَا أَلْهَتْنِي أَنْفًا عَنْ صَلَاتِي» (صحیح بخاری، کتاب الصلاة، باب إذا صلی فی ثوب له اعلام ونظر إلى علمها، ح: ۳۷۳، ۷۵۲، ۵۸۱۷، و صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب کراهة الصلاة فی ثوب له اعلام، ح: ۵۵۶)

”میری یہ چادر ابو جہم کے پاس لے جاؤ اور ابو جہم کی انجانیمہ چادر میرے پاس لے آؤ کیونکہ اس نے ابھی مجھے نماز سے غافل کر دیا تھا۔“

اس حدیث میں ایسی چیزوں سے پرہیز کی تلقین ہے، جو نماز کو اس کی نماز سے غافل کر دیں لیکن رسول اللہ ﷺ کا اپنی نماز کو نفع نہ فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ ان چیزوں کی موجودگی میں بھی نماز صحیح ہے۔ (اوصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم)

فتویٰ کمیٹی

مسبوق کے حوالہ سے زائد نماز کا حکم

سوال جب مسلمان مسجد میں آئے، امام نماز ظہر پڑھا رہا ہو اور یہ دوسری رکعت میں آکر ملا ہو لیکن امام بھول جائے اور چار کی بجائے پانچ رکعتیں پڑھا دے تو کیا یہ اس رکعت کو پڑھے گا جو فوت ہو گئی تھی اور امام کے ساتھ سجدہ سو کرے گا؟ براہ کرم اس مسئلہ کی وضاحت فرمادیتے، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے!

جواب اس مسئلہ میں اہل علم میں اختلاف ہے۔ کچھ یہ کہتے ہیں کہ یہ زائد رکعت مسبوق کے لیے کافی ہوگی اور کچھ یہ کہتے ہیں کہ یہ کافی نہ ہوگی اور صحیح بات بھی یہی ہے کہ یہ کافی نہ ہوگی کیونکہ اسے فوت شدہ نماز کی قضاء سلام کے بعد دینا ہوتی ہے لہذا جب امام سلام پھیر دے تو اسے فوت شدہ نماز کو پورا کرنا چاہیے، اسے زائد نماز میں امام کی متابعت بھی نہیں کرنی چاہیے بلکہ امام کے سلام پھیرنے تک یہ بیٹھا رہے اور جب امام سلام پھیرے تو یہ کھڑا ہو کر فوت شدہ نماز کو پورا کرے۔ مقتدیوں کو بھی چاہیے کہ وہ زائد نماز میں امام کی متابعت نہ کریں بلکہ انہیں امام کو متنبہ کرنا چاہیے، اگر امام متنبہ ہو جائے تو درست ورنہ انتظار کریں اور اگر انہیں معلوم ہو کہ یہ زائد پڑھ رہا ہے تو اس کی متابعت نہ کریں لیکن جس شخص کو شرعی حکم کا علم نہ ہو یا یہ علم نہ ہو کہ یہ زائد نماز ہے تو اس کی نماز صحیح ہوگی۔ مسبوق کو چاہیے کہ جب امام سجدہ سو کرے تو وہ بھی امام کے ساتھ سجدہ سو کرے اور پھر جب امام سلام پھیر دے تو یہ کھڑا ہو کر اپنی باقی نماز کو پورا کرے۔ واللہ ولی التوفیق

شیخ ابن باز

نماز کے آگے سے گزرنا

سوال کیا مسجد میں نماز کے آگے سے گزرنا جائز ہے؟

جواب نماز کے آگے سے گزرنا حرام ہے خواہ اس نے اپنے آگے سترہ رکھا ہو یا نہ رکھا ہو کیونکہ اس حدیث کے عموم سے یہی معلوم ہوتا ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«لَوْ يَعْلَمُ الْمَارِئُ بَيْنَ يَدَيْ الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ لَكَانَ أَنْ يَقِفَ أَرْبَعِينَ حَمِيرًا لَهُ مِنْ أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ» (صحیح بخاری، کتاب الصلوة، باب اثم المار بين يدي المصلي، ح: ۵۱۰، وصحيح مسلم، کتاب الصلوة، باب منع المار بين يدي المصلي، ح: ۵۰۷)

”اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والے کو معلوم ہو کہ اسے کتنا گناہ ہو گا تو اس کے لیے چالیس (سال) تک کھڑے رہنا گزرنے سے بہتر ہو۔“

فقہاء کی ایک جماعت نے مسجد حرام میں نمازی کے آگے سے گزرنے کو مستثنیٰ قرار دیا ہے کیونکہ کثیر بن کثیر بن مطلب اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ:

«رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ، يُصَلِّي حَيْثُ جَاءَ النَّاسُ يَمْرُؤُونَ بَيْنَ يَدَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ عَنِ الْمُطَّلِبِ أَنَّهُ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ، إِذَا فَرَّغَ مِنْ سَبْعِهِ جَاءَ حَتَّى يُحَازِي الرُّكْنَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ السَّقِيْفَةِ فَصَلَّى رُكْعَتَيْهِ فِي حَاشِيَةِ الْمَطَافِ وَلَيْسَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الطَّوَافِ أَحَدٌ» (هذا حديث ضعيف) (سنن أبي داود، كتاب المسالك، باب في مكة، ح: ۲۰۱۶، ومن السنن، ح: ۲۹۶۲)

”میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ جب طواف کے ساتویں چکر سے فارغ ہوئے تو آپ تشریف لائے اور آپ نے رکن کو اپنے اور ستیفہ کے درمیان کر لیا اور حاشیہ مطاف میں دو رکعت نماز ادا فرمائی اور آپ کے اور لوگوں کے طواف کے درمیان کوئی چیز حائل نہ تھی۔“

اس حدیث کی سند اگرچہ ضعیف ہے لیکن اس سے اس سلسلہ میں وارد آمار کی ضرور تقویت ہوتی ہے اور رفع حرج کے دلائل کے عموم سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کیونکہ مسجد حرام میں نمازی کے آگے سے گزرنے کی ممانعت کی صورت میں اکثر و بیشتر حالات میں تکلیف اور مشقت ہوگی۔

فتویٰ کمیٹی

نماز میں دوسوے

سوال میری مشکل یہ ہے کہ میں جب مسجد میں داخل ہوتا ہوں اور قبلہ رخ ہو کر نماز کے لیے تکبیر تحریمہ کہتا ہوں تو مجھے شک گزرتا ہے کہ شاید میں نے تکبیر تحریمہ کسی ہے یا نہیں لہذا میں دوبارہ تکبیر کہتا ہوں، اس کے بعد سورہ فاتحہ پڑھتا ہوں تو اس میں بھول جاتا ہوں اور اسے دوبارہ از سر نو پڑھنا شروع کر دیتا ہوں، خاص طور پر جب امام کے ساتھ نماز ادا کرتا ہوں تو یہ صورت پیش آتی ہے۔ کیا اس حالت میں میری نماز صحیح ہے؟ نیز سو سے بچنے کے لیے مجھے کیا کرنا چاہیے؟ میری راہنمائی فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب سے نوازے۔

جواب مذکورہ حالت میں نماز صحیح ہے لیکن آپ کو ان دوسووں سے پرہیز کرنا چاہیے اور وہ اس طرح کہ آپ نماز پڑھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں، اس کی عظمت کو مد نظر رکھیں اور دلی توجہ کے ساتھ نماز ادا کریں نیز ”اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم“ پڑھ لیا کریں اس سے (ان شاء اللہ تعالیٰ) دوسوے دور ہو جائیں گے، شیطان ذلیل و خوار ہو گا اور اللہ تعالیٰ خوش ہو جائے گا۔

شیخ ابن باز

وہ عمل جو جنس نماز سے نہ ہو تو اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے

سوال

کیا یہ صحیح ہے کہ کثرت حرکات سے نماز باطل ہو جاتی ہے؟

جواب

بے شک ایسے عمل کی کثرت جو جنس نماز سے نہ ہو نماز کو باطل کر دیتا اور اس کی حکمت کے منافی ہے مثلاً مسلسل چلنا، بکثرت ادھر ادھر دیکھنا (اور متوجہ ہونا) بغیر ضرورت کے دونوں ہاتھوں سے بہت زیادہ فضول حرکات کرنا حالانکہ نماز میں تو قلیل فضول حرکت کی بھی ممانعت ہے کیونکہ یہ غفلت کی دلیل ہے اور نماز میں مطلوب خشوع کے منافی ہے۔

شیخ ابن جبرین

امام بسم اللہ جبری پڑھتا ہے

سوال

میں نے ایک مسجد میں نماز پڑھی، جماعت تو نہ مل سکی لہذا میں نے بعض ایسے نمازیوں کے ساتھ نماز باجماعت ادا کر لی جن کی میری طرح جماعت رہ گئی تھی۔ جماعت کراتے ہوئے یہ امام بسم اللہ بلند آواز سے پڑھ رہا تھا۔ کیا یہ نماز صحیح ہے؟ ہمیں مستفید فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو فائدہ بخشے گا۔

جواب

یہ امام شافعی کے مذہب پر عمل پیرا ہے کیونکہ شافعی مذہب میں بسم اللہ سورہ فاتحہ کی ایک مستقل آیت ہے لہذا وہ جبری نمازوں میں بسم اللہ پڑھنا واجب قرار دیتے ہیں۔ ایسے امام کے پیچھے نماز صحیح ہے، ہو جائے گی کیونکہ بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھنا بھی جائز ہے لیکن ہمیشہ نہیں بلکہ کبھی کبھی اسے جبر پڑھنا چاہیے اور یہ صحیح بات ہے اور اس سے تمام دلائل میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

شیخ ابن جبرین

نماز میں قرأت

سوال

کیا یہ جائز ہے کہ نماز کی ایک رکعت میں ایک سورت کی کچھ آیات کی تلاوت کی جائے اور دوسری رکعت میں دوسری سورت کی، یا پہلی رکعت میں کسی طویل سورت کی چند آیات پڑھ لی جائیں اور دوسری رکعت میں چھوٹی سورتوں میں سے کوئی سورت پڑھ لی جائے؟

جواب

یہ مستحب ہے کہ ایک رکعت میں ایک مکمل سورت پڑھی جائے اور دوسری رکعت میں بھی پہلی سے چھوٹی سورت پڑھی جائے خواہ وہ اس سے متصل بعد والی نہ بھی ہو لیکن یہ بھی جائز ہے کہ ایک سورت کو آپ دو رکعتوں میں تقسیم کر کے پڑھ لیں، اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ آپ کسی سورت کی ابتدائی یا آخری یا درمیان کی آیات پڑھ لیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ

﴿فَأَقْرءُوا مَا يَنْسَرَمِنَ الْقُرءَانِ﴾ (المزمل ۷۳/۲۰)

”جتنا آسانی سے ہو سکے (اتنا) قرآن پڑھ لیا کرو۔“

کے عموم سے یہ ثابت ہے، اگرچہ یہ خلاف افضل ہے۔

شیخ ابن جریر

نماز صبح کے وقت سوتے رہنا

سوال جب انسان صبح کی نماز کے وقت سویا رہے تو کیا اللہ تعالیٰ اسے دن کی باقی نمازوں کا اجر و ثواب دے گا یا نہیں؟ اور اگر وہ بیدار ہونے کے بعد صبح کی نماز ادا کرے تو کیا اس کی یہ نماز قبول ہوگی یا نہیں؟

جواب حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ نَامَ عَنِ الصَّلَاةِ أَوْ نَسِيَهَا فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا، لَا كَفَّارَةَ لَهَا، إِلَّا ذَلِكَ» (صحیح بخاری، کتاب مواقیب الصلاة، باب من نسي صلاة...، ح: ۵۹۷، و صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب قضاء الصلاة الغائبة...، ح: ۶۸۴)

”جو شخص نماز سے سویا رہے یا بھول جائے تو وہ اسی وقت پڑھ لے جب اسے یاد آئے، اس کا صرف یہی کفارہ ہے۔“

یہ حکم عام ہے جو صبح کی اور دیگر تمام اوقات کی نمازوں کو شامل ہے، لہذا اگر صبح کے وقت سویا رہنے والا شخص بعد کی نمازوں کی حفاظت کرے اور انہیں بروقت ادا کرے تو پہلی نماز کے وقت سویا رہنا اس کے لیے نقصان دہ نہ ہو گا بلکہ اس کے عمل اور نماز میں محنت و کوشش کے بقدر اسے مکمل اجر و ثواب ملے گا۔ لیکن اسے اس معاملہ میں سستی سے کام نہیں لینا چاہیے بلکہ واجب یہ ہے کہ وہ کسی ایسے آدمی کی ڈیوٹی لگائے جو اسے بروقت جگا دے یا اپنے سرمانے الارم لگا کر ٹائم پیس رکھ لے تاکہ وہ بروقت بیدار ہو جائے اور نماز صبح میں کوتاہی اور سستی سے کام نہ لے۔ اور اگر ان تمام اسباب کو استعمال کرنے کے باوجود اس پر نیند کا غلبہ ہو تو اسے کوئی گناہ نہ ہو گا البتہ بیدار ہونے کے بعد اسے فوراً نماز ادا کر لینی چاہیے۔

شیخ ابن باز

جو تے پین کر نماز پڑھنے کا حکم

سوال ایک بھائی جنہوں نے اپنا نام ص۔ ص۔ ص۔ کے اشارے کے ساتھ لکھا ہے، انہوں نے سوال کیا ہے کہ جو تے پین کر نماز پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے کہ اس سے نمازیوں کو تکلیف پہنچتی ہے، خاص طور پر عصر حاضر میں جب کہ مسجدوں میں خوبصورت قالین وغیرہ بچھائے ہوتے ہیں؟ لیکن جو توں میں نماز پڑھنے والے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ اس طرح سنت رسول ﷺ کو زندہ کر رہے ہیں تو اس کے بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

جواب اس سوال کے جواب کے لیے قدرے تفصیل کی ضرورت ہے اور وہ یہ کہ اگر جو تے پاک صاف ہوں، ان میں کوئی ایسی چیز نہ لگی ہو جس سے نمازیوں یا مسجد کے قالینوں وغیرہ کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو ان کو پین کر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، نماز صحیح ہوگی کیونکہ حدیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے نعلین شریفین میں نماز ادا فرمائی اور

ایک دن نماز پڑھاتے ہوئے آپ نے جب نعلین (جوتے) اتار دیئے اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اتار دیئے تو آپ ﷺ نے سلام پھیرنے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

«مَا لَكُمْ خَلَعْتُمْ نِعَالَكُمْ؟ قَالُوا: رَأَيْنَاكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ خَلَعْتَ نَعْلَيْكَ فَخَلَعْنَا نِعَالَنَا فَقَالَ ﷺ: إِنَّ جِبْرِيْلَ أَتَانِي فَأَخْبَرَنِي أَنَّ بِهِمَا أذَى وَفِي لَفْظٍ قَدْرًا فَخَلَعْتُهُمَا، فَإِذَا أَنَّى أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَلْيَنْظُرْ فَإِن رَأَى فِي نَعْلَيْهِ أذَى فَلْيَمْسُحْهُ ثُمَّ لِيُصَلِّ فِيهِمَا» (سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب الصلاة في النعل، ح: 650)

”تم نے اپنے جوتے کیوں اتارے؟ انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! جب ہم نے یہ دیکھا کہ آپ نے اپنے جوتے اتار دیئے ہیں، تو ہم نے بھی اتار دیئے۔“ آپ نے فرمایا ”مجھے تو جبریل نے ابھی ابھی یہ بتایا تھا کہ میرے جوتے میں ناپاک لگی ہوئی ہے لہذا میں نے انہیں اتار دیا لہذا تم میں سے جو شخص مسجد میں آئے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے جوتوں کو دیکھے اگر ان میں کوئی ناپاک چیز لگی ہو تو انہیں رگڑ کر صاف کر لے اور پھر ان میں نماز پڑھ لے۔“

اگر جوتے ناپاک ہوں یا ان میں کوئی پلید چیز لگی ہو یا کوئی ایسی چیز لگی ہو مثلاً مٹی یا کچھڑ وغیرہ جس سے مسجد کا فرش یا قالین وغیرہ خراب ہوتے ہوں تو وہ ان جوتوں میں نماز نہ پڑھے اور نہ ان کے ساتھ مسجد میں داخل ہو بلکہ انہیں مسجد کے دروازے کے پاس رکھ دے تاکہ نہ مسجد خراب ہو اور نہ نمازیوں کو تکلیف ہو، نہ نماز کی جگہ آلودہ ہو، خاص طور پر دريوں اور قالینوں کی موجودگی میں جو بہت جلد متاثر ہوتے ہیں تو اس حالت میں مؤمن کو چاہیے کہ وہ اپنے جوتوں کو کسی محفوظ جگہ پر رکھ دے اور مسجد میں ننگے پاؤں جائے تاکہ مٹی اور کچھڑ وغیرہ سے کسی کے لیے بھی تکلیف کا باعث نہ بنے۔

جہاں تک احیائے سنت کی بات ہے تو وہ کلام و بیان سے بھی ہو سکتی ہے یعنی آدمی یہ بیان کر دے کہ نبی ﷺ سے یہ عمل بھی ثابت ہے اور اس کے کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اکثر لوگ پروا نہیں کرتے اور نہ جوتوں کی صفائی کا خیال رکھتے ہیں بلکہ لاپرواہی سے جوتوں سمیت مسجد میں داخل ہو جاتے ہیں، ایسے لوگوں کو اگر اجازت دے دی جائے تو مسجد کی دريوں اور قالینوں پر گندگی جمع ہو جائے گی اور اس گندگی کی وجہ سے کئی لوگ مسجد میں نماز پڑھنا چھوڑ دیں گے تو اس طرح یہ شخص نمازیوں کے لیے کراہت کا باعث بنے گا اور انہیں ایذاء پہنچائے گا حالانکہ اس کا مقصد نیک اور سنت پر عمل کرنے کا ہے تو اس حالت میں سنت یہ ہے کہ نمازیوں کو تکلیف نہ پہنچائی جائے اور نہ مسجد کو گندا کیا جائے کہ ایک مؤمن کے یہی بات شایان شان ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ دریاں اور قالین وغیرہ ہر چیز سے متاثر ہوتی ہیں، تو اس حالت میں افضل اور شرعی قواعد کے تقاضوں کے مطابق یہی بات ہے کہ جوتے اتار کر نماز پڑھی جائے اور اگر کسی جگہ دریاں اور قالین وغیرہ نہ ہوں تو پھر جوتوں سمیت نماز پڑھنا افضل ہے بشرطیکہ وہ پاک صاف ہوں اور ان میں کوئی ناپاک چیز نہ لگی ہو۔

— شیخ ابن باز —

نماز میں کثرت حرکات

میری مشکل یہ ہے کہ میں نماز میں حرکت بہت کرتا ہوں اور میں نے ایک حدیث سنی ہے جس کے معنی یہ ہیں

سوال

کہ جو شخص نماز میں تین بار حرکت کرے اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے۔ کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ نماز میں فضول حرکتوں سے نجات کی کیا سبیل ہے؟

جواب سنت یہ ہے کہ مومن نماز کو پوری توجہ، انہماک اور قلب و بدن کے خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرے، خواہ نماز فرض ہو یا نفل کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱﴾ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ﴿۲﴾﴾ (المؤمنون ۲۳/۲۱)

”بے شک ایمان والے کامیاب ہو گئے جو نماز میں عجز و نیاز کرتے ہیں۔“

نماز بہت اطمینان و سکون کے ساتھ ادا کرنی چاہیے کیونکہ یہ نماز کے بہت اہم ارکان و فرائض میں سے ہے، چنانچہ نبی ﷺ نے اس شخص سے فرمایا تھا جس نے نماز کو خراب طریقے سے پڑھا اور اطمینان و سکون سے نہیں پڑھا تھا کہ:

«ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ» (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب وجوب القراءة للمأموم والمأمومة، ۷۵۵، ۷۹۳، ۶۲۵۱، ۶۶۶۷، و صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل

ركعة... ح: ۳۹۷)

”واپس لوٹ جاؤ، نماز پڑھو کیونکہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔“

چنانچہ جب تین بار ایسے ہو تو اس آدمی نے عرض کیا:

«يَارَسُولَ اللَّهِ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا أَحْسِنُ غَيْرَ هَذَا فَعَلَّمَنِي، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَاسْبِغِ الوُضُوءَ، ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَسْمَرُ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ، ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَعْتَدِلَ قَائِمًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ افْعَلْ ذَلِكَ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا» (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب وجوب القراءة للمأموم والمأمومة، ۷۵۵، ۷۹۳، ۶۲۵۱، ۶۶۶۷، و صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل

ركعة... ح: ۳۹۷)

”یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں اس سے اچھے طریقے سے نماز نہیں پڑھ سکتا لہذا مجھے سکھا دیجئے“ تو نبی ﷺ نے فرمایا: ”جب تم نماز پڑھنے کا ارادہ کرو تو خوب اچھے طریقے سے وضوء کرو، پھر قبلہ رخ ہو کر اللہ اکبر کو اور جو آسانی سے ممکن ہو قرآن پڑھو، پھر رکوع کرو اور اطمینان سے رکوع کرو، پھر رکوع سے سر اٹھاؤ اور اطمینان سے سیدھے کھڑے ہو جاؤ، پھر سجدہ کرو اور نہایت اطمینان سے سجدہ کرو، پھر سجدہ سے سر اٹھاؤ اور اطمینان سے بیٹھ جاؤ، پھر سجدہ کرو اور نہایت اطمینان سے سجدہ کرو اور ساری نماز اسی طرح اطمینان سے ادا کرو۔“

ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ:

«ثُمَّ اقْرَأْ بِأَمِّ الْقُرْآنِ وَيَمَا شَاءَ اللَّهُ...»

”پھر ام القرآن (سورۃ فاتحہ) اور جو اللہ چاہے پڑھو۔“

یہ صحیح حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ طہائنت نماز کا رکن اور فرض عظیم ہے اس کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی۔ جو شخص نماز میں ٹھونگیں مارے اس کی نماز نہیں ہوتی کیونکہ خشوع و خضوع تو نماز کا خلاصہ اور نماز کی روح ہے لہذا مومن کو چاہیے کہ وہ نماز میں خشوع اور خضوع کا خاص اہتمام کرے۔

یہ تحدید کہ خشوع و خضوع کے معنی تین حرکتوں سے نماز باطل ہو جاتی ہے، اس کا ذکر نبی ﷺ کی کسی حدیث میں نہیں، یہ بعض اہل علم کی بات ہے، جس کی بنیاد کسی قابل اعتماد دلیل پر نہیں ہے۔

ہاں البتہ نماز میں فضول حرکتیں مثلاً ناک میں انگلی ڈالنا، داڑھی کے بالوں میں ہاتھ پھیرنا اور کپڑوں کے ساتھ کھیلتا وغیرہ مکروہ ہے اور اگر اس طرح کی فضول حرکات کثرت اور تسلسل کے ساتھ ہوں، تو ان سے نماز باطل ہو جاتی ہے لیکن اگر حرکتیں ایسی ہوں، جنہیں عرف میں قلیل سمجھا جاتا ہو یا حرکتیں کثیر ہوں لیکن مسلسل نہ ہوں تو ان سے نماز باطل تو نہ ہوگی لیکن مومن کے لیے حکم شریعت یہ ہے کہ وہ خشوع و خضوع کا اہتمام کرے، فضول حرکات کو چھوڑ دے، خواہ وہ قلیل ہوں یا کثیر تاکہ اس کی نماز تمام و کمال درجہ کی نماز ہو۔

وہ دلائل جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عمل قلیل اور حرکات قلیلہ سے نماز باطل نہیں ہوتی نیز متفرق اور غیر مسلسل عمل و حرکت سے بھی نماز باطل نہیں ہوتی، ان میں سے نبی ﷺ سے ثابت یہ حدیث بھی ہے کہ:

«أَنَّهُ فَتَحَ الْبَابَ يَوْمًا لِعَائِشَةَ وَهُوَ يُصَلِّي» (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب العمل في الصلاة،

ح: ۹۲۲)

”آپ نے ایک دن نماز پڑھتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے دروازہ کھول دیا تھا۔“

نیز حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے ثابت ہے کہ:

«أَنَّهُ صَلَّى ذَاتَ يَوْمٍ بِالنَّاسِ وَهُوَ حَامِلٌ أَمَامَةَ بِنْتِ زَيْنَبَ، فَكَانَ إِذَا سَجَدَ وَضَعَهَا وَإِذَا قَامَ حَمَلَهَا» (صحیح بخاری، كتاب الصلاة، باب إذا حمل جارية صغيرة على عنقه في الصلاة، ح: ۵۱۶، ۵۹۹۶، و سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب العمل في الصلاة، ح: ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹،

۹۲۰)

”ایک دن آپ ﷺ نے اپنی نواسی، حضرت زینب کی بیٹی امامہ کو اٹھا کر لوگوں کو نماز پڑھائی۔ آپ جب سجدہ میں جاتے تو انہیں بٹھا دیتے اور جب کھڑے ہوتے تو انہیں اٹھا لیتے۔“

شیخ ابن باز

مدرک رکوع کی رکعت

سوال ایک مقتدی دیر سے آیا اس نے امام کو حالت رکوع میں پایا اور امام کے رکوع سے سر اٹھانے سے پہلے وہ اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں چلا گیا، تو کیا اس مقتدی کو امام کے سلام پھیرنے کے بعد یہ رکعت پڑھنا ہوگی؟

جواب جب مقتدی کھڑا ہو کر تکبیر تحریمہ کہہ لے اور پھر امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو جائے تو اس کی یہ رکعت ہو جائے گی کیونکہ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ وہ جب مسجد میں پہنچے تو نبی ﷺ حالت رکوع میں تھے، انہوں نے

صف میں شامل ہونے سے پہلے ہی رکوع کر لیا تو نبی ﷺ نے ان سے فرمایا:

«زَاكَدَكَ اللهُ حِرْصًا وَلَا تَعُدُّ» (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب إذا ركع دون الصف، ح: ۷۸۳)

”اللہ تعالیٰ تمہارے شوق میں اضافہ فرمائے، آئندہ اس طرح نہ کرنا۔“

ابوداؤد کی روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ:

«وَرَكَعَ دُونَ الصَّفِّ نَمَّ مَشَى إِلَى الصَّفِّ» (سنن أبي داود، کتاب الصلاة، باب الرجل يركع دون

الصف، ح: ۶۸۴)

”انہوں نے صف سے پہلے ہی رکوع کر لیا اور پھر چلتے چلتے صف میں شامل ہوئے۔“

نیز ابوداؤد میں روایت ہے کہ:

«مَنْ أَدْرَكَ الرَّكْعَةَ فَقَدْ أَدْرَكَ الرَّكْعَةَ» (سنن أبي داود، کتاب الصلاة، باب الرجل يدرك الامام

ساجدا كيف يصنع، ح: ۸۹۳)

”جو شخص رکوع کو پالے اس نے رکعت کو پالیا۔“

فتویٰ کمیٹی

مقتدی کا بلند آواز سے پڑھنا

مقتدی جو نماز کے دوران بلند آواز سے قرأت کرتا ہو، اس کے بارہ میں کیا حکم ہے؟

سوال

مقتدی کے لیے سنت یہ ہے کہ وہ قرأت اور دیگر تمام اذکار اور دعاؤں کو آہستہ آہستہ پڑھے کیونکہ مقتدی کے لیے بلند آواز سے پڑھنے کی کوئی دلیل نہیں ہے اور پھر اس کے بلند آواز سے پڑھنے سے اس کے اردگرد کے نمازیوں کو پریشانی بھی ہوگی۔

جواب

شیخ ابن باز

نماز میں عدم خشوع کا علاج

ہم نماز میں خشوع کے بارے میں بہت کچھ سنتے ہیں اور میں یہ چاہتا بھی ہوں کہ خشوع و خضوع سے نماز ادا

سوال

کروں لیکن یہ بات جلد ختم ہو جاتی ہے اور پھر سے دوبارہ وسوسے مجھے گھیر لیتے ہیں تو اس کا کیا علاج ہے؟ (جزاؤں اللہ خیراً)

جواب

نماز خوب توجہ اور حضور قلب کے ساتھ پڑھنے کی کوشش کریں، جو آپ زبان سے کہہ رہے یا امام سے سن رہے ہوں، اس پر غور اور اس کے معانی کو سمجھنے کی کوشش کریں اور وسوسہ اور حدیث نفس کی بجائے دل کو غور و فکر میں مصروف رکھیں، اسی طرح نماز کے افعال، حرکات اور ان کی حکمت پر غور کریں تو یہ باتیں آپ کو وسوسوں سے بچائیں گی لیکن اگر کوئی خارجی غور و فکر غالب آجائے تو اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کیونکہ یہ انسانی طبیعت کا تقاضا ہے اور اسی وجہ سے سجدہ سو کا حکم دیا گیا ہے۔ (کہ اگر نماز میں وسوسوں کی وجہ سے یا بھولنے کی وجہ سے کوئی کسی بیشی ہو جائے تو سجدہ سو کر لیا جائے اس سے اس کی تلافی ہو جائے گی)

— شیخ ابن جبرین —

امام کی متابعت اختیار کی جائے

سوال میں نے امام کے پیچھے نماز ظہر پڑھی لیکن آخری دو رکعتوں میں میں سورہ فاتحہ مکمل نہ پڑھ سکا۔ اگر میں اسے مکمل پڑھتا تو امام کے ساتھ رکوع فوت ہو جاتا تو اس صورت میں کیا مجھے سورہ فاتحہ مکمل پڑھنی چاہیے یا امام کی قرأت پر اکتفاء کرتے ہوئے رکوع کرنا چاہیے؟

جواب بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ امام قرأت میں بہت جلدی کرتا اور قیام بہت ہلکا کرتا ہے یا تم قرأت بہت آہستہ کرتے اور مد اور اخراج حروف کو بہت لمبا کرتے ہو۔ اگر پہلی بات ہے تو تم پر لازم ہے کہ اس امام کو نصیحت کرو کہ وہ جلد بازی سے کام نہ لے کہ جس سے مقتدیوں کے لیے ارکان کو پورا کرنا ہی ممکن نہ ہو۔ اور اگر دوسری بات ہے تو تمہیں چاہیے کہ تھوڑی سی جلدی کرو تا کہ تم امام کے ساتھ ارکان کو ادا کر سکو لیکن بہر حال تمہارے لیے امام کی متابعت لازمی ہے اور جب رکوع کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو اور تم نے قرأت کو مکمل نہ کیا ہو تو پھر بھی امام کی متابعت میں رکوع میں چلے جاؤ۔

— شیخ ابن جبرین —

آخری سجدہ کی طوالت

سوال میں بعض ائمہ -- اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرمائے -- کو دیکھتا ہوں کہ وہ نماز کے آخری سجدہ کو بہت لمبا کرتے ہیں، تو کیا اس کی کوئی شرعی سند ہے؟ اور کیا آواز کے نغمہ کی اس وجہ سے تبدیلی کی کوئی اصل ہے کہ اس تبدیلی سے یہ معلوم ہو سکے کہ یہ جلسہ جلسہ تشدد ہے؟

جواب مجھے کوئی ایسی دلیل یاد نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ آخری سجدہ کو لمبا کرنا چاہیے بلکہ احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ارکان نماز برابر ہوں یا قریب قریب برابر ہوں۔ باقی رہا مسئلہ جلسہ تشدد کے لیے تکبیر کی آواز میں تبدیلی کا تو یہ ایک ایسا امر ہے جو ائمہ کے ہاں معمول بہ ہے اور شاید ان کی دلیل عمل متسلسل ہے، جو اگلوں سے پچھلوں میں منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے اور اس کی بنیاد صرف نقل پر ہے اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے نمازیوں کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ جلسہ تشدد ہے اور اس سے وہ تکبیر من کر کھڑے نہیں ہوتے۔^①

— شیخ ابن جبرین —

① جیسے اس سوال کے ابتدائی حصہ کے جواب میں فضیلۃ الشیخ نے یہ فرمایا کہ مجھے اس کی کوئی دلیل یاد نہیں یعنی یہ بات بے سند ہے، اسی طرح سچی بات یہ ہے کہ تشدد کے لیے تکبیر کہتے ہوئے آواز کی تبدیلی کی بات بھی قطعاً بے دلیل اور بے سند ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (مترجم)

اس شخص کی نماز جس کے ستر کا بعض حصہ کھل گیا ہو

سوال میں بسا اوقات تویہ سے جسم کو ڈھانپ کر نماز پڑھتا ہوں اور اس سے بظاہر ستر کا کوئی حصہ ننگا نہیں ہوتا لیکن عجدہ کے وقت گھٹنے یا ان سے اوپر کا تھوڑا سا حصہ ظاہر ہو جاتا ہے، اس وقت میں تنہا ہوتا ہوں اور میرے پاس بھی کوئی نہیں ہوتا تو اس بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب نماز میں ستر کے مقام کے کچھ حصہ کو بھی برہنہ (ننگا) کرنا جائز نہیں خواہ نماز فرض ہو یا نفل اور مرد کے ستر کی حد ناف سے لے کر گھٹنے تک ہے لہذا اس مقام کی ستر پوشی ضروری ہے۔ جب گھٹنا یا اس سے اوپر کا کوئی حصہ ننگا ہو جائے تو نماز باطل ہو جائے گی، خواہ آدمی تنہا نماز پڑھ رہا ہو یا اس کے پاس آدمی موجود ہوں اور خواہ وہ اندھیرے میں نماز ادا کر رہا ہو ستر کو ڈھانپنا لازم ہے، جس سے ظاہری جلد چھپ جائے اور جسم نظر نہ آئے لہذا نماز کے لیے خفیف اور باریک لباس یا اس قدر چھوٹا لباس کافی نہیں ہے، جو رکوع و سجود کے وقت سمٹ جائے، جس سے سرینوں سے اوپر کمر کی طرف کا کچھ حصہ یا ران یا گھٹنا ننگا ہو جائے، لباس خواہ تہبند ہو یا چھوٹی شلوار ہو یا جبہ ہو یا چادر ہو یا تویہ وغیرہ ہو!

— شیخ ابن جبرین —

سوئے ہوئے شخص کی نماز

سوال جو شخص نماز عشاء نہ پڑھے، سو جائے اور اسے نماز فجر کے بعد یاد آئے تو کیا وہ اسے اسی وقت پڑھے یا اگلی عشاء کی نماز کے ساتھ پڑھے؟

جواب صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد موجود ہے کہ:

«مَنْ نَامَ عَنِ الصَّلَاةِ أَوْ نَسِيَهَا فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا، لَا كَفَّارَةَ لَهَا، إِلَّا ذَلِكَ، وَقَرَأَ قَوْلَهُ تَعَالَى ﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾» (صحیح بخاری، کتاب مواقیب الصلاة، باب من نسي

صلاة... ح: ۵۹۷، وصحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب قضاء الصلاة الفائتة... ح: ۶۸۴)

”جو شخص نماز سے سو جائے یا بھول جائے تو وہ اس وقت پڑھے جب اسے یاد آ جائے اس کا یہی کفارہ ہے“

اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد باری تعالیٰ بھی پڑھا: اور میری یاد کے لیے نماز پڑھا کرو۔“

اس مسئلہ میں نماز عشاء اور دیگر نمازوں میں کوئی فرق نہیں ہے لہذا آدمی جب بھی بیدار ہو، وقت نہ بھی ہو تو فوراً اسی وقت پڑھ لے اور عشاء تک مؤخر نہ کرے بلکہ جوں ہی یاد آئے فوراً پڑھ لے خواہ ممانعت کا وقت ہو یا کسی اور نماز کا لیکن اگر یہ خدشہ ہو کہ اس نماز کے پڑھنے سے موجودہ نماز کا وقت ختم ہو جائے گا تو پھر پہلے موجودہ نماز کو پڑھ لے اور اس کے بعد فوت شدہ نماز کو پڑھ لے۔ (واللہ اعلم)

— شیخ ابن جبرین —

نماز میں کثرت حرکات

سوال میں مسجد میں بعض بھائیوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ نماز پڑھتے ہوئے بڑی کثرت کے ساتھ حرکت کرتے ہیں یا اپنا ایک قدم امام کی طرف آگے بڑھا دیتے ہیں گویا وہ نماز میں نہیں بلکہ سڑک پر کھڑے ہوں۔ کیا اس سے نماز باطل ہو جائے گی؟

جواب نماز میں حرکت کے بارے میں اصول یہ ہے کہ یہ بلا ضرورت ہو تو مکروہ ہے، تاہم حرکت کی پانچ قسمیں ہیں (۱) حرکت واجب (۲) حرکت حرام (۳) حرکت مکروہ (۴) حرکت مستحب اور (۵) حرکت مباح۔

حرکت واجب وہ ہے جس پر صحت نماز موقوف ہے مثلاً یہ کہ اپنے رومال میں کوئی گندگی دیکھے تو واجب ہے کہ اس کے ازالہ کے لیے حرکت کرے اور رومال اتار دے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ:

«لَاِنَّ النَّبِيَّ ﷺ، اَنَاهُ جِبْرِيْلُ وَهُوَ يُصَلِّي بِالنَّاسِ فَاَخْبَرَهُ اَنَّ فِي نَعْلَيْهِ اَذَى فَخَلَعَهُمَا ﷺ، وَهُوَ فِي صَلَاتِهِ وَاسْتَمَرَ فِيهَا» (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب الصلاة في النعل، ح: ۶۵۰)

”نبی ﷺ نماز پڑھا رہے تھے کہ آپ کے پاس جبریل آئے اور انہوں نے بتایا کہ آپ کے جوتوں میں گندگی ہے تو آپ نے حالت نماز ہی میں انہیں اتار دیا اور نماز کو جاری رکھا“
یا مثلاً یہ کہ کوئی شخص اسے بتائے کہ وہ قبلہ رخ نہیں ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ حرکت کر کے قبلہ رخ ہو جائے۔

حرکت حرام سے مراد وہ حرکت ہے جو بلا ضرورت کثرت کے ساتھ مسلسل حرکت کی جائے کہ اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے اور جس سے نماز باطل ہو جائے، وہ فعل حلال نہیں ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے مذاق کرنے کے مترادف ہے۔

حرکت مستحب وہ ہے جو نماز میں کسی امر مستحب کے لیے کی جائے مثلاً صف سیدھی کرنے کے لیے حرکت کرے یا اپنے سامنے کی صف میں خالی جگہ دیکھے تو حالت نماز ہی میں آگے بڑھ کر اس خالی جگہ میں کھڑا ہو جائے یا صف سمت رہی ہو اور اس کی تکمیل کے لیے حرکت کی جائے یا اس طرح کی کوئی اور حرکت جو فعل مستحب کے لیے کی جائے تو یہ بھی مستحب ہوگی کیونکہ یہ حرکت تکمیل نماز کے لیے ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ:

لَمَّا صَلَّى ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، فَقَامَ عَنْ يَسَارِهِ أَخَذَ رَسُولُ اللهِ ﷺ، بِرَأْسِهِ مِنْ وِرَائِهِ فَجَعَلَهُ عَنْ يَمِينِهِ» (صحیح بخاری، كتاب الاذان، باب إذا قام الرجل عن يسار الامام...، ح: ۶۹۸، ۶۹۹)

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جب رات کو نماز پڑھنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے بائیں جانب کھڑے ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو ان کے سر کے پیچھے کے حصہ کی طرف سے پکڑا اور اپنے دائیں طرف کھڑا کر لیا۔“
حرکت مباح وہ ہے جو کسی ضرورت کی وجہ سے تھوڑی سی یا ضرورت کے لیے زیادہ حرکت کی جائے، حاجت کے

لیے تھوڑی سی حرکت کی مثال نبی ﷺ کا اپنی نواسی امہ بنت زینب کو اٹھا کر نماز پڑھانا اور سجدہ کرتے ہوئے اتار دینا ہے۔
بوقت ضرورت حرکت کثیرہ کی مثال حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿حَفِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ﴿٢٣٨﴾ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا
فِي آذَانَ أُمَّنْتُمْ فَادْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿٢٣٩﴾﴾ (البقرة ۲/۲۳۸-۲۳۹)

” (مسلمانوں) سب نمازیں خصوصاً سچ کی نماز (یعنی نماز عصر) پورے التزام کے ساتھ ادا کرتے رہو اور اللہ کے آگے ادب سے کھڑے رہا کرو، اگر تم خوف کی حالت میں ہو تو پیادے یا سوار (جس حال میں ہو نماز پڑھ لو) پھر جب امن (دائمی) ہو جائے تو جس طریق سے اللہ نے تم کو سکھایا ہے جو تم پہلے نہیں جانتے تھے، اللہ کو یاد کرو۔“

جو شخص نماز پڑھ رہا اور چل رہا ہے تو بے شک یہ عمل کثیر ہے لیکن چونکہ یہ ضرورت کے لیے ہے اس لیے مباح ہے اور اس سے نماز باطل نہ ہوگی۔

حرکت مکروہہ وہ ہے، جو ان مذکورہ بالا قسموں کے علاوہ ہو اور حرکت کے سلسلہ میں اصول یہ ہے جس کی تفصیل مذکورہ بالا سطور میں بیان کر دی گئی ہے لہذا اس اصول کی بنیاد پر ہم ان لوگوں سے کہیں گے، جنہیں ہمارے اس سائل بھائی نے نماز میں حرکت کرتے ہوئے دیکھا ہے کہ لوگو! تمہارا یہ عمل مکروہہ ہے، تمہاری نماز کو ناقص کرنے والا ہے۔ ہم میں سے ہر شخص آج نماز پڑھنے والوں کو دیکھتا ہے کہ ان میں سے کوئی اپنی گھڑی، کوئی اپنے قلم، کوئی اپنے جوتے، کوئی ناک، کوئی واڑھی اور کوئی کسی چیز کے ساتھ کھیل رہا ہوتا ہے، یہ سب حرکت مکروہہ کی قسمیں ہیں۔ اور اگر یہ حرکت کثرت کے ساتھ اور تسلسل کے ساتھ ہو تو پھر یہ حرکت حرام ہوگی اور اس سے نماز باطل ہو جائے گی، اس طرح نماز پڑھتے ہوئے ایک پاؤں کو دوسرے سے آگے بڑھانا بھی جائز نہیں ہے بلکہ سنت یہ ہے کہ دونوں پاؤں برابر ہوں بلکہ تمام نمازیوں کے پاؤں برابر اور مساوی ہوں کیونکہ صفوں کی برابری امر واجب ہے جس کے بغیر چارہ ہی نہیں۔ اگر لوگ صفوں کو برابر نہ کریں گے تو گناہ گار اور رسول اللہ ﷺ کے نافرمان ہوں گے، نبی ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفوں کو درست فرماتے اور ان کے سینوں اور کندھوں کو ہاتھ لگا کر درست فرماتے تھے، نیز فرماتے تھے ”آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ تمہارے دل مختلف ہو جائیں گے“ اور اس مسئلہ کو سمجھ لینے کے بعد ایک دن آپ نے ایک شخص کو دیکھا جس کا سینہ صف سے آگے بڑھا ہوا تھا، تو آپ نے فرمایا:

«عِبَادَ اللَّهِ لَتُسَوِّغَنَّ بَيْنَ صُفُوفِكُمْ أَوْ لِيُخَالِفَنَّ اللَّهُ بَيْنَ وُجُوهِكُمْ» (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب تسوية الصفوف عند الاقامة وبعدها، ح: ۷۱۷، و صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف واقامتها وفضل الاول فالاول منها، . . . ح: ۴۳۶)

”اے اللہ کے بندو! تم ضرور اپنی صفوں کو سیدھا رکھو گے یا اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں کو مختلف کر دے گا۔“
اہم بات یہ ہے کہ صفوں کی برابری ضروری ہے اور یہ امام اور مشقتیوں کی ذمہ داری بھی ہے۔ امام کو چاہیے

کہ وہ صفوں کا جائزہ لے اور انہیں سیدھا کرے۔ مقتدیوں کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی صفوں کو سیدھا رکھیں اور خوب مل جل کر کھڑے ہوں۔

شیخ ابن عثیمین

عورت کا نماز میں اپنے ہاتھوں اور پاؤں کو ننگا کرنا

سوال اگر نماز میں عورت کے دونوں ہاتھ اور پاؤں ننگے ہوں تو اس کا کیا حکم ہے جب کہ وہاں کوئی نہ ہو اور عورت اپنے گھر میں نماز ادا کر رہی ہو؟

جواب - **رحمۃ اللہ علیہم**۔ کے مذہب میں مشہور قول یہ ہے کہ نماز میں آزاد اور بالغ عورت کا چہرے کے سوا سارا جسم پردہ ہے لہذا اس کے لیے ہاتھوں اور پاؤں کو ننگا کرنا جائز نہیں لیکن بہت سے اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ عورت کے لیے نماز میں ہاتھوں اور پاؤں کو ننگا رکھنا جائز ہے، جب کہ احتیاط اسی میں ہے کہ اس سے پرہیز کیا جائے لیکن فرض کیا کہ اگر عورت نے نماز میں اپنے ہاتھوں اور پاؤں کو ننگا کر لیا اور پھر وہ اس سلسلہ میں فتویٰ طلب کرے تو کوئی انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ اپنی نماز کو دوہرائے۔

شیخ ابن جریر

نماز میں وسوسوں کا علاج

سوال میں ایک عورت ہوں، اللہ تعالیٰ نے جن عبادات کو فرض کیا ہے ان کو بجالاتی ہوں البتہ میں نماز میں بہت بھول جاتی ہوں۔ نماز شروع کرتی ہوں تو دن بھر کے حالات و واقعات کا نماز میں خیال آنا شروع ہو جاتا ہے اور یہ خیال نماز شروع کرتے ہی آنا شروع ہو جاتا ہے اور اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک میں قرأت جبری شروع نہیں کر دیتی۔ براہ کرم راہنمائی فرمائیں کہ ان وسوسوں سے کیسے نجات پائی جائے؟

جواب یہ معاملہ جو تمہیں درپیش ہے، یہ بہت سے نمازیوں کو درپیش ہے اور یہ اس لیے کہ شیطان انسان کی نماز میں وسوسوں کے دروازے کو کھول دیتا ہے اور بسا اوقات نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ انسان کو یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ اپنی نماز میں کیا پڑھ رہا اور کیا کہہ رہا ہے؟ اس کا علاج وہی ہے جس کی طرف نبی ﷺ نے راہنمائی فرمائی ہے کہ انسان اپنی بائیں طرف تین بار تھوکے اور کہے ((اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم)) ایسا کرنے سے ان شاء اللہ وسوسے دور ہو جائیں گے، اسی طرح آدمی کو چاہیے کہ وہ نماز شروع کرتے وقت یہ تصور کرے کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کی بارگاہ قدس میں حاضر اور اس ذات گرامی سے ہم کلام ہے اور تکبیر و تعظیم، اس کے پاک کلام کی تلاوت اور نماز کے مقدمات دعاء میں دعاء کے ساتھ تقرب الہی کے حصول کی کوشش کرے۔ انسان میں جب یہ شعور بیدار ہو تو وہ یقیناً اپنے رب کی بارگاہ قدس میں خشوع و خضوع سے حاضر ہو گا، اس کی تعظیم بجالائے گا، اس کے پاس جو خیر و بھلائی ہے اس سے محبت کرے گا اور فرائض کے ادا کرنے میں کوتاہی کی صورت میں اس کے عذاب سے خائف ہو گا۔

شیخ ابن عثیمین

مقتدی کو سورۃ فاتحہ ہر حال میں پڑھنی چاہیے

سوال

مقتدی کو نماز میں کیا کرنا چاہیے، کیا وہ امام کے ساتھ ساتھ پڑھتا جائے یا اسے امام کی قرائت سنی چاہیے؟ نماز خواہ سری ہو یا جبری مقتدی کے لیے سورۃ فاتحہ کو ہر حال میں پڑھنا ضروری ہے۔ نماز جبری ہو تو فاتحہ کے علاوہ

جواب

امام کی باقی قرائت کو سننا چاہیے سورۃ فاتحہ کے علاوہ اس حال میں کچھ اور پڑھنا جائز نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ نے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنے پیچھے پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا:

«لَا تَقْعَلُوا إِلَّا بِأَمْرِ الْقُرْآنِ فَإِنَّهُ لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا» (سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة،

باب من ترك القراءة في صلاته بفتحة الكتاب، ح: ۸۲۳)

سورۃ فاتحہ کے علاوہ کچھ اور نہ پڑھو کیونکہ جو شخص سورۃ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔

مقتدی، تنہا نماز پڑھنے والے سے مختلف ہے کیونکہ امام جب «سمع الله لمن حمدہ» کہتا ہے تو مقتدی «ربنا و لک الحمد» کہتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَلَا تُكَبِّرُوا حَتَّى يَكْبِرَ، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا وَلَا تَرَكَعُوا حَتَّى يَرَكَعَ، وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمَدَهُ فَقُولُوا رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا، وَلَا تَسْجُدُوا حَتَّى يَسْجُدَ، وَإِذَا صَلَّى قَائِمًا فَصَلُّوا قِيَامًا، وَإِذَا صَلَّى قَاعِدًا فَصَلُّوا قُعُودًا أَجْمَعِينَ» (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب اقامة الصف من تمام الصلاة،

ح: ۷۲۲، ۷۳۴، و صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب اتمام المأموم بالامام، ح: ۴۱۴)

”امام اسلئے بنایا گیا ہے کہ اسکی اقتداء کی جائے لہذا جب امام تکبیر کے تو تم بھی تکبیر کو لیکن اس وقت تک تکبیر نہ کرو جب تک امام تکبیر نہ کہے لے، جب امام رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور اس وقت تک رکوع نہ کرو جب تک وہ رکوع نہ کرے اور جب وہ سمع اللہ لمن حمدہ کے تو تم کو ربنا و لک الحمد جب امام سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو اور اس وقت تک سجدہ نہ کرو جب تک وہ سجدہ نہ کرے، جب امام کھڑا ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔“

شیخ ابن عثیمین

نماز کو توڑ دینا

سوال

جب میں بھول کر ایسے کپڑے میں نماز پڑھنا شروع کر دوں جو ناپاک ہو اور یہ مجھے نماز میں یاد آئے تو کیا یہ جائز ہے کہ میں نماز توڑ کر لباس تبدیل کر لوں؟ اور وہ کون سے حالات ہیں جن میں آدمی کے لئے نماز کو توڑ دینا جائز ہے؟

جواب

جو شخص اس حالت میں نماز پڑھے کہ اس کے کپڑے وغیرہ ناپاک ہوں اور اسے اس کا علم بھی ہو تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے اور اگر اسے اس کا علم نہیں ہے اور اس نے پوری نماز ادا کر لی تو اس کی نماز صحیح ہوگی، اسے دوبارہ پڑھنا لازم نہ ہوگا۔ اگر نماز کے دوران اس کا علم ہو اور جلدی سے اس کا ازالہ ممکن ہو تو اسے زائل کر دے اور اپنی نماز کو

جاری رکھتے ہوئے مکمل کر لے جیسا کہ نبی ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ نماز پڑھتے ہوئے نعلین اتار دیئے تھے جب کہ جبریل علیہ السلام نے آپ کو بتایا کہ وہ صاف نہیں ہیں لیکن آپ نے ان نعلین میں ادا کئے ہوئے نماز کے ابتدائی حصہ کو باطل نہیں کیا تھا، اسی طرح اگر سر پر عمامہ ہو اور وہ ناپاک ہو تو اسے بھی فوراً اتار دے اور نماز کو جاری رکھتے ہوئے مکمل کر لے اور اگر ناپاک کپڑے وغیرہ کی تبدیلی کے لئے عمل کی ضرورت ہو مثلاً یہ کہ قمیص یا شلوار وغیرہ کو اتارنا پڑے تو پھر اسے اتار کر از سر نو نماز شروع کرے، اسی طرح اگر اسے یہ یاد آئے کہ وہ بے وضوء ہے یا نماز میں بے وضوء ہو جائے یا ہنسنے کی وجہ سے اس نے نماز کو باطل کر لیا ہو تو اسے نماز توڑ کر دوبارہ پڑھنی ہوگی۔

شیخ ابن جبرین

نماز میں آنکھیں بند کرنا

کیا خشوع کے ارادہ سے نماز میں آنکھوں کو بند کرنا جائز ہے؟

سوال

فتواء نے مکروہات نماز میں آنکھوں کے بند کرنے کو بھی ذکر کیا ہے کیونکہ یہ یہودیوں کا فعل ہے اور اس سے نیند آنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ((منار السبیل)) وغیرہ میں بھی اسی طرح لکھا ہے لیکن اگر اس سے دل زیادہ متوجہ ہو، خشوع و خضوع زیادہ پیدا ہو، سہو و نسیان سے زیادہ دوری ہو اور دوسوں سے بچ سکے تو یہ جائز ہے کیونکہ دل بھی اسی کے تابع ہوتا ہے جس پر نظر پڑتی ہے لیکن یاد رہے کہ نمازی کو حکم ہے کہ اس کی نظر سجدہ کی جگہ پر ہو۔

جواب

شیخ ابن جبرین

تشمہ میں سبابہ انگلی کو حرکت دینا

میں نے سنا ہے کہ اگر نماز پڑھتے ہوئے تشمہ کی حالت میں انگوٹھے کو درمیانی انگلی کے ساتھ ملا کر انگشت شہادت کو اٹھالیا جائے، اسے حرکت دی جائے اور اس پر نظر رکھی جائے تو یہ شیطان کے لئے لوہے کی ضرب سے بھی زیادہ سخت ہے، اس روایت کی صحت کا کیا حال ہے؟

سوال

مجھے اس روایت کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے لیکن شرعی حکم یہ ہے کہ انسان خنصر (چھنگلیا) اور بنصر (چھنگلیا کے ساتھ والی انگلی) کو مٹھی کی طرح بند کرے اور انگوٹھے کو درمیانی انگلی کے حلقہ پر رکھے اور انگشت شہادت کے ساتھ اشارہ کرے۔

جواب

شیخ ابن عثیمین

نماز میں بچوں کی صف کا حکم

دو آدمی مسجد میں آئے اور ان کے ساتھ سات یا آٹھ سال کی عمر کا ایک بچہ بھی تھا، ان میں سے ایک امام بن گیا اور دوسرا آدمی اور بچہ صف بنا کر امام کے پیچھے کھڑے ہو گئے تو سوال یہ ہے کہ ان کی نماز کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ صحیح ہے یا غلط؟ کتنی عمر کا بچہ صف میں ساتھ کھڑا ہو سکتا ہے؟

سوال

جواب صف میں وہ بچہ کھڑا ہو سکتا ہے جو سن تکلیف (شرعی احکام کی پابندی کی عمر) کو پہنچ گیا ہو اور وہ اس طرح کہ وہ پندرہ سال کی عمر کا ہو گیا ہو یا اسے احتلام شروع ہو گیا ہو یا اس کے زیر ناف کھردرے بال آگ آئے ہوں اور علماء کے صحیح قول کے مطابق سات سال کی عمر کے بچے کو مردوں کی صف میں کھڑا کرنا جائز ہے۔ ((وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

فتویٰ کمیٹی

جب مقتدی آیت سجدہ پڑھے

سوال جب امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے میں کوئی ایسی سورہ پڑھ لوں جس میں آیت سجدہ ہو تو کیا کروں؟
جواب اس حالت میں آپ سجدہ نہ کیجئے کیونکہ امام کی اقتداء واجب ہے اور سجدہ تلاوت سنت ہے لہذا مقتدی ہونے کی صورت میں یہ سجدہ جائز نہ ہو گا۔ اگر آدمی قصد ارادہ سے سجدہ کرے اور اسے یہ علم ہو کہ اس حال میں اس کے لئے یہ سجدہ جائز نہیں ہے، تو اس سے اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

شیخ ابن عثیمین

جو شخص اقامت یا فاتحہ بھول جائے اس کی نماز کا حکم

سوال ایک آدمی نے نماز عصر پڑھی لیکن وہ اقامت کرنا بھول گیا تھا تو اس پر کیا واجب ہے؟ اگر انسان کسی رکعت میں فاتحہ بھول جائے تو کیا وہ اس رکعت کو دوہرائے یا اسے مکمل نماز دوہرانا ہوگی؟
جواب ترک اقامت نقصان دہ نہیں ہے کیونکہ یہ نماز کے شروط اور واجبات میں سے نہیں ہے، اس کا حکم تو اس لئے ہے تاکہ لوگوں کو معلوم کر دیا جائے کہ نماز کھڑی ہونے لگی ہے لیکن جان بوجھ کر اسے ترک نہیں کرنا چاہئے، جو شخص بھولنے کی وجہ سے فاتحہ نہ پڑھ سکے اور اگر وہ امام ہے یا منفرد تو اسے یہ رکعت دوہرائی ہوگی، جس میں اس نے فاتحہ نہیں پڑھی اور اگر مقتدی ہے تو اس سے سو آ ترک کا ازالہ امام کی طرف سے ہو جائے گا، اگر امام جان بوجھ کر ترک کر دے تو اس سے نماز باطل ہو جائے گی اور پوری نماز کا اعادہ لازم ہو گا لیکن امام کی وجہ سے مقتدی کے بارے میں بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسے نماز دوہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

شیخ ابن جبرین

مقتدی کے لئے جہری نماز میں فاتحہ کے علاوہ کسی اور سورہ کی قرأت

سوال جہری نماز میں امام کے سورہ فاتحہ کی قرأت سے فارغ ہونے کے بعد مقتدی سورہ فاتحہ پڑھتے ہیں لیکن میں بعض مقتدیوں کو سنتا ہوں کہ وہ اس کے ساتھ کوئی اور چھوٹی سورہ بھی پڑھ لیتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہے؟
جواب مقتدی کے لئے جہری نماز میں فاتحہ کے علاوہ کسی اور سورہ کا پڑھنا جائز نہیں ہے بلکہ اس کے بعد اس کے لئے یہ واجب ہے کہ امام کی قرأت کو خاموشی کے ساتھ سنے کیونکہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جب یہ فرمایا کہ:

«لَعَلَّكُمْ تَقْرَوْنَ خَلْفَ إِمَامِكُمْ، قُلْنَا: نَعَمْ قَالَ: لَا تَفْعَلُوا إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَإِنَّهُ لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَفْرَأْ بِهَا» (سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب من ترك القراءة في صلاته بفاتحة الكتاب، ح: ۸۲۳)

شاید تم اپنے امام کے پیچھے کچھ پڑھتے ہو تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اثبات میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا سورہ فاتحہ کے سوا اور کچھ نہ پڑھو کیونکہ جو شخص سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (الاعراف/۷-۲۰۴)

”اور جب قرآن پڑھا جائے تو توجہ سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا قَرَأَ الْإِمَامُ فَأَنْصِتُوا» (سنن ابن ماجہ، كتاب اقامة الصلوات، باب إذا قرأ الامام فأنصتوا، ح: ۸۴۷)

”جب امام قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔“

ہاں البتہ مذکورہ بالا حدیث کے پیش نظر سورہ فاتحہ کا پڑھنا اس سے مستثنیٰ ہے اور درج ذیل حدیث کے عموم کا تقاضا بھی یہی ہے کہ سورہ فاتحہ کو ہر حال میں پڑھا جائے:

«لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَفْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ» (صحیح بخاری، كتاب الاذان، باب وجوب القراءة للامام والمأموم في الصلوات ،... ح: ۷۵۶، وصحیح مسلم، كتاب الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة وانه... ح: ۳۹۴)

”جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوگی۔“

شیخ ابن باز

امام کی قرأت کے دوران نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا

سوال کیا امام جب یہ آیت کریمہ پڑھے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ تو نماز میں یہ آیت سن کر درود شریف پڑھنا جائز ہے؟

جواب جب آپ نماز میں امام کے پیچھے ہوں اور وہ جری قرأت کر رہا ہو تو آپ کو خاموشی کے ساتھ اس کی قرأت کو سننا چاہئے اور کوئی بات نہیں کرنی چاہئے خواہ وہ ذکر یا دعاء ہی کیوں نہ ہو کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (الاعراف/۷-۲۰۴)

”اور جب قرآن پڑھا جائے تو توجہ سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو۔“

علماء کا اجماع ہے کہ اس آیت کا تعلق نماز سے ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ:

«إِذَا كَبَّرَ الْإِمَامُ فَكَبِّرُوا وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا» (صحیح مسلم، كتاب الصلاة، باب الشهد في الصلاة، ح: ۴۰۴)

”جب امام تکبیر کے تو تم بھی تکبیر کو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔“
لیکن جب امام اس آیت کو جمع یا عید کے خطبہ میں پڑھے یا آپ نماز سے باہر کسی کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنیں یا خود اس آیت کریمہ کی تلاوت کریں تو پھر درود شریف پڑھنے کی ازحد تاکید ہے جیسے کہ دیگر اوقات میں بھی درود شریف کو کثرت کے ساتھ پڑھنے کی تاکید ہے۔ اور درود شریف پڑھنے کی فضیلت بے حد و حساب ہے۔

شیخ ابن جبرین

نماز میں وسوسوں کا علاج

سوال جب میں نماز پڑھتا ہوں تو خواہ قرآن مجید کا کوئی بھی حصہ پڑھنا شروع کر دوں مجھے نماز میں دنیوی امور و معاملات کے بارے میں بہت خیالات آتے ہیں، اس کا کیا علاج ہے؟

جواب پہلی نصیحت تو یہ ہے کہ ان خیالات اور وسوسوں کو جھٹک کر پوری توجہ کے ساتھ نماز ادا کرنے کی کوشش کریں اور دوسری بات یہ ہے کہ خوب غور و فکر کے ساتھ یہ پڑھ لیا کریں:
«أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ مِنْ هَمِّهِ وَنَفْسِهِ وَنَفْسِهِ»
”میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں مردود شیطان سے یعنی اس کے (پیدا کردہ) وسوسوں سے، اس کے پھونکے ہوئے پرائگندہ خیالات سے اور اس کے تکبر سے۔“

اور تیسری بات یہ ہے کہ نماز پڑھتے ہوئے زبان سے جو آیات، اذکار یا دعائیں پڑھو تو ان پر غور کرو، اس کے نتیجے میں آپ دیگر چیزوں کے خیالات سے بچ جائیں گے اور ہمیشہ کے لئے اسے معمول بنا لیجئے۔ امید ہے اس سے خیالات اور وسوسے زائل ہو جائیں گے۔ واللہ اعلم

شیخ ابن جبرین

نماز میں ایسے باریک کپڑے پہننے کا حکم جن سے ستر پوشی نہ ہوتی ہو

سوال آج کل باریک کپڑے کثرت سے پہنے جاتے ہیں اور ان کا عام مسلمانوں میں بہت رواج ہو گیا ہے خصوصاً ہم دیکھتے ہیں کہ موسم گرما میں تو اکثر نمازیوں نے یہ باریک کپڑے پہنے ہوتے ہیں اور وہ نیچے نصف ران یا ٹلٹ ران تک انڈر ویئر پہن لیتے ہیں اور بعض لوگ نیچے بنیان وغیرہ بھی پہنتے ہیں لیکن اس سے زیر ناف حصہ باریک کپڑے سے نظر آتا ہے لیکن جیسا کہ آپ جانتے ہیں ستر پوشی تو صحت نماز کی شرطوں میں سے ایک اہم شرط ہے، تو کیا اس طرح کے باریک کپڑے پہننے سے ستر پوشی ہو جاتی ہے؟ براہ کرم رہنمائی فرمائیے، اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی برکتوں سے نوازے۔

جواب تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ نماز کے لئے نماز میں ستر پوشی واجب ہے اور اس کے لئے عریاں طور پر نماز پڑھنا جائز نہیں خواہ وہ مرد ہو یا عورت، ہاں البتہ عورت کے لئے ستر پوشی کا حکم زیادہ تاکید اور کثرت کے ساتھ آیا ہے۔ آدمی کا ستر ناف سے لے کر گھٹنے تک ہے اور حسب مقتدر دونوں یا ایک کندھے کو ڈھانپنا بھی ضروری ہے کیونکہ نبی ﷺ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ فرمایا تھا کہ:

«إِنْ كَانَ التُّوبُ وَاسِعًا فَالْتَحِيفُ بِهِ وَإِنْ كَانَ ضَيِّقًا فَاتَّرُّ بِهِ» (صحیح بخاری، کتاب الصلوة،

باب إذا كان التوب ضيقاً، ح: ۳۶۱)

”اگر کپڑا کشادہ ہو تو اسے لپیٹ لو اور اگر تنگ ہو تو اسے چادر کے طور پر استعمال کرو“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ:

«لَا يُصَلِّي أَحَدُكُمْ فِي التُّوبِ الْوَاحِدِ لَيْسَ عَلَى عَاتِقَيْهِ مِنْهُ شَيْءٌ» (صحیح مسلم، کتاب

الصلوة، باب الصلوة في توب واحد وصفة لبسه، ح: ۵۱۶، وسنن أبي داود، کتاب الصلوة، باب جماع

اثواب ما يصلی فيه، ح: ۶۲۶)

”تم میں سے کوئی ایک کپڑے میں اس طرح نماز نہ پڑھے کہ اس کے کندھے پر کوئی چیز نہ ہو۔“

نماز میں چہرے کے سوا عورت کا سارا جسم ہی پردہ ہے۔ عورتوں کے ہاتھوں کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے، بعض نے تو ہاتھوں کے ڈھانپنے کو بھی واجب قرار دیا ہے اور بعض نے ان کے ننگا رکھنے کی رخصت دی ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ان شاء اللہ دونوں طرح گنجائش ہے ہاں البتہ ڈھانپ لیا جائے تو زیادہ افضل ہے اور پھر اس میں اختلاف کی کوئی گنجائش بھی باقی نہیں رہتی۔ جمہور اہل علم کے نزدیک عورت کے لئے نماز میں پاؤں کو چھپانا بھی واجب ہے۔

امام ابوداؤد رضی اللہ عنہ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت بیان کی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا کہ کیا

عورت چادر کے بغیر محض قمیص اور دوپٹے میں بھی نماز پڑھ سکتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

«إِذَا كَانَ الدَّرْعُ سَابِغًا يُغَطِّي ظُهُورَ قَدَمَيْهَا» (سنن أبي داود، کتاب الصلوة، باب في كم نصلي

المرأة، ح: ۶۴۰)

”ہاں جب قمیص اس قدر کشادہ ہو کہ اس سے پاؤں کے اوپر کا حصہ چھپ جائے۔“

حافظ ابن حجر رضی اللہ عنہ نے ”بلوغ المرام“ میں لکھا ہے کہ ائمہ کرام نے اس حدیث کے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے موقوف

ہونے کو صحیح قرار دیا ہے۔

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ واجب ہے کہ نماز میں مرد اور عورت کا لباس ایسا ہو جو ستر پوشی کے تقاضوں کو پورا کرتا

ہو اور اگر لباس باریک ہو کہ اس سے ستر پوشی نہ ہو رہی ہو تو نماز باطل ہو جائے گی۔ مثلاً یہ کہ مرد نے اگر چھوٹی نیکر پہنی

ہو کہ اس سے اس کے ران غیر مستور (ننگے) ہوں اور نیکر کے اوپر کوئی اور کپڑا نہ پہنے کہ جس سے ران چھپ جائیں تو

اس حال میں اس کی نماز صحیح نہ ہوگی۔ اس طرح اگر عورت اس قدر باریک لباس پہنے جو ستر پوشی کا کام نہ دے تو اس کی

نماز باطل ہو جائے گی۔ نماز اسلام کا ستون ہے اور شہادتین کے بعد اسلام کا سب سے عظیم رکن ہے لہذا تمام مسلمان

مردوں اور عورتوں پر یہ واجب ہے کہ وہ نماز کا خاص اہتمام کریں، نماز کو اس کی مکمل شرائط کے ساتھ ادا کریں اور ایسے

امور سے اجتناب کریں جو نماز کو باطل کر دینے والے ہوں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿حَافِظُوا أَعْلَى الصَّلَاةِ وَالصَّلَاةَ الْوُسْطَى﴾ (البقرة/۲۳۸)

”مسلمانو! سب نمازیں خصوصاً سچ کی نماز (یعنی نماز عصر) پورے التزام کے ساتھ ادا کرتے رہو۔“

نیز فرمایا:

﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ﴾ (البقرة: ۴۳)

”اور نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو۔“

بے شک نماز کا خاص اہتمام کرنا اور نماز کے شرائط اور تمام واجبات کو ادا کرنا بھی نماز کی اس حفاظت اور اقامت میں شامل ہے، جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے۔ اگر نماز پڑھتے ہوئے عورت کے پاس کوئی اجنبی شخص ہو تو پھر اس کے لئے چہرے کو چھپانا بھی فرض ہے، اسی طرح طواف میں بھی عورت کے لئے سارے جسم کو چھپانا فرض ہے کیونکہ طواف بھی نماز کے حکم میں ہے۔ وباللہ التوفیق۔

شیخ ابن باز

نماز پڑھتے وقت جیب میں سگریٹ

سوال میں بعض لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ مسجد میں جب نماز پڑھنے کے لئے آتے ہیں، تو ان کی جیبوں میں سگریٹ ہوتے ہیں، کیا اس کی وجہ سے انہیں گناہ تو نہیں ہوتا؟

جواب نماز میں سگریٹ پاس ہونے کی وجہ سے گناہ نہیں کیونکہ سگریٹ کا جیب میں ہونا نماز پر اثر انداز نہیں ہو سکتا کیونکہ سگریٹ پاک ہے اور اس کی نجاست معنوی ہے، حسی نہیں ہاں البتہ سگریٹ نوشی ضرور گناہ کا کام ہے۔ عصر حاضر کی تحقیق یہ ہے کہ سگریٹ نوشی حرام ہے اگرچہ پہلے اس کے بارے میں اہل علم میں ضرور اختلاف تھا، بعض اسے مباح قرار دیتے تھے، بعض مکروہ سمجھتے تھے اور بعض کہتے تھے کہ یہ حرام ہے لیکن اب چونکہ طبی طور پر یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ سگریٹ نوشی انسانی صحت کے لئے انتہائی نقصان دہ ہے اور یہ بہت سی ایسی خطرناک بیماریوں کا سبب بنتی ہے، جو تباہی و بربادی اور ہلاکت کا سبب بنتی ہیں لہذا یہ حرام ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ (البقرة: ۱۹۵)

”اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔“

اور رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے مسجد جانے سے پہلے لہسن اور پیاز کھانے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ:

«إِنَّ ذَلِكَ يُؤْذِي وَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَتَأَذَى مِمَّا يَتَأَذَى مِنْهُ بَنُو آدَمَ» (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب ما جاء في النوم النشء والبصل والكرات، ح: ۸۵۳، وصحیح مسلم، کتاب المساجد، باب نہی من

اکل ثوما أو بصلا أو کرانا، ح: ۵۶۴)

”اس سے نمازیوں کو تکلیف پہنچتی ہے اور جس سے انسانوں کو تکلیف پہنچتی ہے اس سے فرشتے بھی تکلیف

محسوس کرتے ہیں۔“

سگریٹ نوشی میں صحت اور جسم کا بھی نقصان ہے، مال کا بھی ضیاع ہے اور اس سے لوگوں کو تکلیف بھی پہنچتی ہے۔

(لہذا اس سے اجتناب از بس ضروری ہے۔)

شیخ ابن عثیمین

اہل بدعت کے پیچھے نماز کا حکم

سوال بعض لوگ یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ ایسے امام کے پیچھے جو بدعتی ہو اور بہت سی سنتوں کا منکر ہو، نماز جائز نہیں جب کہ حدیث میں ہے:

”ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھ لو۔“

تو کیا بدعتی امام کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

جواب یہ حدیث جس کی طرف سائل نے اشارہ کیا ہے، یہ بے اصل ہے، ان الفاظ کے ساتھ یہ ثابت نہیں ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والا ہو، دین پر زیادہ عمل کرنے والا ہو، اس کے پیچھے اس انسان کی نسبت نماز افضل ہے جو دین میں سستی کا مظاہرہ کرنے والا ہو۔

اہل بدعت کی دو قسمیں ہیں:

① جن کی بدعتیں کفر تک پہنچانے والی ہیں اور ② جن کی بدعتیں کفر تک پہنچانے والی نہیں ہیں۔

ان میں سے پہلی قسم کے اہل بدعت کے پیچھے نماز جائز نہیں کیونکہ وہ کافر ہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی نماز صحیح نہیں لہذا یہ بھی صحیح نہیں کہ وہ مسلمانوں کے امام بنیں اور وہ اہل بدعت جن کی بدعتیں کفر تک نہیں پہنچاتیں تو ان کے پیچھے نماز کا حکم علماء کے اس مسئلہ میں اختلاف پر مبنی ہے کہ اہل فسق کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں۔ راجح بات یہ ہے کہ اہل فسق کے پیچھے نماز جائز ہے الا یہ کہ ان کے پیچھے نماز ترک کرنے میں مصلحت ہو مثلاً نماز نہ پڑھنے کی صورت میں اگر ان کے لئے تنبیہ ہو اور اس طرح وہ اپنے فسق و فجور کو ختم کر سکتے ہوں تو پھر اس مصلحت کی وجہ سے بہتر یہ ہے کہ ان کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔

شیخ ابن عثیمین

شعبہ بازی سے علاج کرنے والے امام کے پیچھے نماز

سوال مجھے معلوم ہوا ہے کہ جو امام ہمارے گاؤں کی مسجد میں نماز پڑھاتا ہے، وہ تعویذوں اور شعبہ بازی کے ساتھ علاج کرتا ہے۔ کیا اس بات کے معلوم ہونے کے بعد اگر میں اس کے پیچھے نماز پڑھوں تو اس میں گناہ ہے؟

جواب اس مسئلہ میں اصول یہ ہے کہ جس مسلمان کا نماز پڑھنا صحیح ہو اس کی امامت بھی صحیح ہے خصوصاً جب امام کے حالات کے بارے میں علم نہ ہو لیکن جن کی اپنی نماز ہی صحیح نہ ہو مثلاً وہ اہل بدعت جن کی بدعت کفر تک پہنچاتی ہوں تو ان کے پیچھے نماز جائز نہیں کیونکہ ان کی اپنی نماز صحیح نہیں ہے۔

یہ شخص جو شعبہ بازی اور تعویذوں سے علاج کرتا ہے تو اس کے دو پہلو ہیں:

① شعبہ بازی جو بلاشک و شبہ حرام ہے کیونکہ اس میں دھوکا اور فریب ہے اور ممکن ہے کہ اس میں کسی وقت کوئی

ایسی چیز بھی ہو جو کفر تک پہنچانے والی ہو مثلاً یہ کہ وہ اپنی شعبہ بازی کے سلسلہ میں شیطانوں سے خدمت لے یا ذبح و دعاء کے ذریعہ ان کا تقرب حاصل کرے وغیرہ۔ اور

② تعویذ نویسی، اگر تعویذات قرآنی آیات یا مسنون دعاؤں پر مشتمل ہوں، تو ان کے بارے میں علماء کرام میں اختلاف ہے، بعض نے انہیں جائز قرار دیا اور بعض نے ان سے بھی منع کیا ہے اور صحیح بات یہی ہے کہ یہ تعویذ بھی ممنوع ہیں لیکن ان کے استعمال کرنے والے امام کے پیچھے نماز کو ترک نہیں کیا جاسکتا۔

اگر تعویذ شرکیہ و بدعیہ کلمات پر مبنی ہوں تو ان کے بارے میں صرف ایک ہی بات ہے کہ انہیں استعمال کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ ایسے تعویذ لکھنے والے کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قدس میں توبہ کرے اور آئندہ ہمیشہ کے لئے تعویذ نویسی کے اس کاروبار کو ترک کر دے۔

شیخ ابن عثیمین

میرے چھوٹے بچے نماز پڑھتے ہیں اور میری بیوی نماز نہیں پڑھتی

سوال میرے چھوٹے بچے، جن میں سب سے بڑا تین سال سے زیادہ عمر کا نہیں ہے، وہ گھر میں نماز کے لئے میرے پیچھے کھڑے ہو جاتے ہیں تاکہ میں انہیں نماز کا طریقہ سکھاؤں، اتنے چھوٹے بچوں نے وضوء بھی نہیں کیا ہوتا تو کیا یہ جائز ہے؟ نیز یہ فرمائیے کہ اپنی بیوی کے بارے میں کیا کروں جو نماز میں کبھی کبھی سستی کرتی ہے؟

جواب اس سوال کی پہلی شق کا جواب یہ ہے کہ انسان کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ قول و فعل سے اپنے بچوں کو نماز سکھائے۔ جب نبی کریم ﷺ کے لئے منبر بنایا گیا تو آپ نے اس پر چڑھ کر نماز پڑھی اور جب سجدہ کرنے کا ارادہ کیا تو منبر سے اتر کر زمین پر سجدہ فرمایا اور پھر نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّمَا فَعَلْتُ هَذَا لِتَأْتُمُّوْا بِيْ وَ لَتَعَلَّمُوْا صَلَاتِيْ» (صحیح البخاری، کتاب الجمعة، ح: ۹۱۷)

”میں نے یہ اس لئے کیا ہے تاکہ تم میری اقتداء کرو اور میری نماز کو سیکھ لو۔“

بچے اگر سمجھ بوجھ رکھتے اور بات کو سمجھتے ہیں تو انہیں وضوء کا طریقہ بھی سکھانا چاہئے لیکن سائل نے بچوں کی جو عمر ذکر کی ہے ان میں سے بڑا تین سال کا ہے تو میرے خیال میں اس عمر میں وہ صحیح طور پر نہیں سمجھ سکتے، شاید یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم بچوں کو نماز پڑھنے کا حکم دیں جب کہ وہ سات سال کی عمر کے ہوں اور اگر دس سال کی عمر میں نماز نہ پڑھیں تو ہم انہیں سزا دیں۔

سوال کی دوسری شق کہ بیوی نماز نہیں پڑھتی تو اس سلسلہ میں گزارش ہے کہ شوہر پر یہ واجب ہے کہ وہ اپنی بیوی کو نماز پڑھنے کا حکم دے اور ادب سکھائے اور اگر وہ ترک نماز پر اصرار کرے تو وہ کافر ہو جائے گی، والعیاذ باللہ! نکاح ٹوٹ جائے گا اور جب تک وہ نماز کو ترک کئے رکھے، وہ اس کے لئے حلال نہ ہوگی کہ مہاجر خواتین کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِنْ عَلِمْتُمْ هُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَأَهِنَّ جِلَّ لَهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ﴾ (الممتحنۃ ۶۰/۱۰)

”اگر تم کو معلوم ہو کہ مومن ہیں تو ان کو کفار کے پاس واپس نہ بھیجو کہ نہ یہ انکو حلال ہیں اور نہ وہ ان کو جائز۔“

مسلمان کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ کسی کافر اور اسلام سے مرتد عورت سے شادی کرے اور اگر یہ ارتداد نکاح

کے بعد پیدا ہوا ہو تو اس سے نکاح ٹوٹ جائے گا، عدت ختم ہونے سے قبل اگر یہ اسلام کی طرف پلٹ آئے تو یہ اس کی بیوی ہوگی وگرنہ یہ بائٹہ ہو جائے گی۔

شیخ ابن عثیمین

مسجدوں میں بچوں کی نماز

سوال کیا دس سال سے کم عمر کے بچے صف کے درمیان میں کھڑے ہو سکتے ہیں جبکہ انہوں نے چھوٹی شلواریں اور تین چار سال کی عمر کے بچوں نے نیکر پہن رکھی ہوں؟ کیا امام کے لئے ایک چادر میں نماز پڑھانا جائز ہے؟

جواب سمجھدار اور باشعور بچے کے لئے صف کے درمیان میں کھڑے ہو کر نماز ادا کرنا جائز ہے بشرطیکہ اسے مسجد اور نمازیوں کے احترام کے بارے میں تعلیم دی گئی اور ادب سکھایا گیا ہو نیز وہ عبث کام نہ کرے اور طہارت کاملہ کا التزام لیکن افضل یہ ہے کہ بچوں کی صف مردوں کی صف سے پیچھے ہو ہاں البتہ اگر ان کے یکجا کھڑے ہونے کی صورت میں یہ اندیشہ ہو کہ وہ کھلیں اور نہیں گئے، جس سے نمازیوں کو پریشانی ہوگی تو پھر انہیں الگ الگ کر کے کھڑا کرنا واجب ہے۔ جو بچے ابھی سن تمیز کو نہ پہنچے ہوں انہیں نماز اور خطبہ کے وقت مسجد میں داخل نہ کیا جائے کیونکہ وہ مسجد کے احترام سے آگاہ نہیں ہیں۔

امام وغیرہ کے لئے ایک ہی کپڑے میں نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اس سے ستر پوشی کے تقاضے پورے ہوتے ہوں لیکن افضل یہ ہے کہ آدمی نیچے ازار یا شلوار پہن لے تاکہ وہ بے پردگی سے محفوظ ہو جائے۔

شیخ ابن جبرین

دروازہ کھولنے کے لئے نماز توڑ دینا

سوال کیا دروازہ کھولنے یا ٹیلی فون سننے کے لئے نماز توڑنا جائز ہے؟

جواب آپ کے لئے لازم یہ ہے کہ نماز مسجد میں باجماعت ادا کریں، اگر آپ کسی عذر کی وجہ سے لیٹ ہو گئے اور پھر آپ نے نماز کو شروع کر دیا تو کسی دستک دینے والے یا ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے کی وجہ سے نماز توڑنا جائز نہیں ہے لیکن جب دستک دینے والا دستک دے دے کر پریشان کر دے تو اضطراب اور پریشانی سے بچنے کے لئے نماز توڑنا جائز ہے بشرطیکہ آپ حالت نماز ہی میں دروازہ نہ کھول سکتے ہوں اور نہ آپ کے سوا کوئی اور دروازہ کھولنے والا موجود ہو۔

شیخ ابن جبرین

نماز میں دستانے پہننے کا حکم

سوال نماز میں دستانے پہننے کا کیا حکم ہے خصوصاً جب کہ نمازی امام بھی ہو؟

جواب مردوں اور عورتوں کے لئے، نماز کے اندر اور باہر، امام اور مقتدی دونوں کے لئے دستانے پہننا جائز ہے کیونکہ انسان کو سردی وغیرہ کی وجہ سے دستانے پہننے کی ضرورت ہوتی ہے، صرف عورت کے لئے دستانے پہننے کی ممانعت ہے جب کہ وہ حالت احرام میں ہو۔

شیخ ابن جبرین

عذر کے بغیر دو نمازوں کو جمع کرنا

کیا روزانہ ظہر اور عصر کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا جائز ہے؟

سوال

ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا جائز نہیں الا یہ کہ کوئی شرعی عذر ہو مثلاً سفر یا ایسی بارش جس سے کپڑے بھگتے ہوں اور اس کی وجہ سے کچھ اور پھسلن ہو یا بیماری وغیرہ جس میں وضوء کرنے میں دشواری ہو!

جواب

شیخ ابن جبرین

ناہموار زمین پر نماز کا حکم

ایسی زمین پر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے جو ناہموار ہو یعنی اونچی نیچی ہو جس کی وجہ سے نمازی اعتدال کے ساتھ رکوع اور سجود نہ کر سکتا ہو؟

سوال

ایسی ناہموار زمین پر نماز جائز نہیں جہاں نماز پڑھتے ہوئے اطمینان اور خشوع میسر نہ ہو کہ یہ نماز کی روح ہے لیکن اگر مثلاً جامع مسجد تنگ پڑ جائے اور لوگ مسجد سے باہر بھی صف بنالیں اور مسجد سے باہر کی یہ جگہ نشیب و فراز والی ہو اور نمازی اسے ہموار کرنے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں تو ضرورت کے پیش نظر ان کے لئے یہاں نماز پڑھنا جائز ہو گا۔

جواب

شیخ ابن جبرین

بحالت جنابت نماز پڑھ لینا

میں بحالت جنابت تھا کہ میں نے فجر، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھ لیں اور یہ بات بھول گیا کہ میں جنبی ہوں اور یہ بات مجھے اگلے دن یاد آئی، تو کیا میں ان نمازوں کو دوبارہ پڑھوں یا بھول چوک کی وجہ سے میری یہ نمازیں صحیح ہوں گی؟

سوال

ان نمازوں کو دوبارہ پڑھنا لازم ہے کیونکہ جو شخص حدث اصغریا اکبر کی حالت میں نماز پڑھ لے تو اس کی نماز باطل ہے، خواہ اس نے اسے بھول کر پڑھا ہو کیونکہ اس نے نماز کے بارے میں اہتمام نہیں کیا۔ حضرت عمرؓ نے جب غسل کئے بغیر حالت احکام میں نماز پڑھ لی تھی تو انہوں نے اس نماز کو دوبارہ پڑھا تھا۔

جواب

شیخ ابن جبرین

جب نماز میں ہوا خارج ہو جائے

جب آدمی نماز ادا کر رہا ہو اور دوران نماز ہوا خارج ہو جائے تو کیا وہ اسی وقت صف سے باہر نکل جائے یا جماعت کے ختم ہونے کا انتظار کرے اور پھر اسے دوہرائے خواہ آخری تشہد میں ہو؟

سوال

حدیث میں آیا ہے کہ:

جواب

«إِذَا أَحَدٌ أَحَدْتُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلْيُمْسِكْ بِأَنْفِهِ وَلْيَصْرِفْ» (سنن ابی داود، کتاب الصلاة
استئذان المحدث للامام، ح: ۱۱۱۴، سنن کبریٰ للبیہقی، کتاب الصلاة، باب من احدث فی صلاته قبل
الاحلال منها بالتسلیم، ح: ۳۶۶۸)

”جب تم میں سے کسی کا نماز میں وضوء ٹوٹ جائے تو وہ اپنی ناک کو پکڑ لے اور صف سے باہر چلا جائے۔“
لہذا بے وضوء ہونے والے شخص کو چاہئے کہ وہ صف سے باہر نکل جائے تاکہ نیا وضوء کر سکے۔ ہاں البتہ اگر وہ پہلی
صف میں ہو اور صفوں کے درمیان میں سے نکلنا مشکل ہو تو وہ نماز کے اختتام تک اپنی جگہ پر رہے اور پھر اختتام نماز کے
بعد دوہرائے، اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں کہ وضوء نماز کے ابتدا میں ٹوٹے یا اختتام پر آخری تشهد میں ٹوٹے دونوں
حالتوں میں حکم ایک ہی ہے۔

شیخ ابن جبرین

قبر پرستوں کے پیچھے نماز

سوال اس امام کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے جو کسی ولی کی قبر کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ یہ نفع و نقصان کا مالک
ہے؟

جواب اس امام کے پیچھے نماز صحیح اور جائز نہیں ہے کیونکہ فوت شدگان کے بارے میں نفع و نقصان کا عقیدہ رکھنا
ربوبیت میں شرک اکبر ہے، اس طرح مردوں سے دعاء کرنا، ان سے مدد مانگنا، ان کے نام کی نذر ماننا اور ان کے ناموں پر
جانور ذبح کرنا عبادت میں شرک اکبر ہے۔

فتویٰ کمیٹی

مخالف نیت کے ساتھ امام کے پیچھے نماز

سوال میں مسجد میں آیا تو امام صاحب عصر کی نماز پڑھا رہے تھے لیکن میں نے ابھی تک ظہر کی نماز ادا نہیں کی تھی لہذا
میں ظہر کی نیت سے امام کے ساتھ شامل ہو گیا۔ جماعت سے فراغت کے بعد میں نے نماز عصر کو انفرادی طور پر ادا کر لیا تو
کیا یہ جائز ہے؟

جواب اس طرح نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ عصر کی نماز پڑھنے والے امام کی اقتداء میں آپ نماز ظہر اور ظہر کی نماز
ادا کرنے والے امام کی اقتداء میں آپ نماز عصر پڑھ سکتے ہیں کیونکہ دونوں نمازوں کی رکعات کی تعداد ایک ہی جیسی ہے۔
اس حالت میں پوشیدہ نیت کا اختلاف موجب نقصان نہیں ہے۔

شیخ ابن جبرین

بارش اور تجارت کی وجہ سے مغرب و عشاء کی نمازوں کو جمع کرنا

سوال کیا بارش والی رات جب کہ مسجد کے راستہ میں کچھ بھی بہت ہو مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جمع کرنا جائز ہے؟

کیا تاجر ان دونوں نمازوں کو جمع تقدیم کی صورت میں ادا کر سکتا ہے تاکہ اس کی دوکان وغیرہ کھلی رہے؟
جواب بارش کی وجہ سے مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جمع کرنا جائز ہے جب کہ بارش موسلا دھار ہو یا راستہ میں کچھڑ، مٹی اور پھسلن وغیرہ ہو، راستوں میں اندھیرا ہو اور سردی شدید ہو۔ لیکن تاجروں کا اس لئے نمازوں کو جمع کرنا کہ ان کے تجارتی مراکز ہمیشہ کھلے رہیں جائز نہیں؛ بلکہ بوقت نماز تجارتی مراکز کو بند کر دینا واجب ہے!

شیخ ابن جبرین

خالی جگہ پر کرنے کے لئے نماز میں چلنا

سوال میں نے اپنے سامنے پہلی صف میں خالی جگہ دیکھی تو کیا میرے لئے یہ جائز ہے کہ میں آگے بڑھ کر اس جگہ کو پر کروں جب کہ میں خود بھی تکبیر تحریمہ کہہ چکا ہوں؟
جواب خالی جگہ کو پر کرنے کے لئے اگلی صف کی طرف بڑھنا جائز ہے کیونکہ یہ صف ملانے کے قبیل سے ہے اور جو صف کو ملانے سے اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ ملا لیتا ہے، خواہ اس کے لئے ایک یا دو قدم اٹھانا پڑیں۔ یہ قابل معافی معمولی حرکت ہے۔ واللہ اعلم

شیخ ابن جبرین

ایک وضوء کے ساتھ ایک سے زیادہ فرض نمازوں کو ادا کرنا

سوال کیا یہ جائز ہے کہ ہم نیت کے بغیر ایک وضوء کے ساتھ دو فرض نمازیں ادا کر سکیں؟
جواب ہاں انسان کے لئے یہ جائز ہے کہ اس نے مثلاً نماز ظہر کے لئے وضوء کیا ہو اور پھر عصر کی نماز کا وقت ہو گیا اور اس کا وضوء قائم ہو تو وہ اسی وضوء کے ساتھ نماز عصر ادا کر سکتا ہے خواہ اس نے وضوء کرتے وقت اس کے ساتھ دو نمازوں کے ادا کرنے کی نیت نہ بھی کی ہو کیونکہ نماز ظہر کے لئے اس نے جو وضوء کیا تھا اس سے اس کا حدت ختم ہو گیا اور جب حدت ختم ہو جائے تو وہ دوبارہ کسی سبب ہی سے پیدا ہو گا اور اس کا سبب وہ معروف و مشہور امور ہیں جن سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔

انسان اگر نماز کی نیت کے بغیر بھی وضوء کر لے یعنی مثلاً اس نے محض رفع حدت کے لئے وضوء کیا ہو تو طہارت برقرار رہنے تک اس وضوء سے بھی وہ جس قدر چاہے فرض و نقل نمازیں ادا کر سکتا ہے۔

شیخ ابن جبرین

نماز میں رفع الیدین کے مقامات

سوال نماز میں رفع الیدین کے بارے میں کیا حکم ہے؟ نیز کن مقامات پر رفع الیدین کیا جائے؟
جواب نماز میں چار مقامات پر رفع الیدین کیا جاتا ہے: (۱) تکبیر تحریمہ کے وقت (۲) رکوع کو جاتے ہوئے (۳) رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے اور (۴) تشهد اول سے اٹھتے ہوئے۔

تکبیر کے آغاز کے ساتھ ہی ہاتھوں کو اٹھانے کا آغاز ہونا چاہئے اور یہ بھی جائز ہے کہ آدمی پہلے ہاتھ اٹھالے اور پھر تکبیر کے یا پہلے تکبیر کے اور پھر ہاتھوں کو اٹھائے۔ رکوع کے لئے جب آدمی جھکنے کا ارادہ کرے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھائے اور پھر رکوع میں جائے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر رکھ لے۔ رکوع سے سر اٹھاتے وقت اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں سے اٹھائے اور انہیں اٹھاتے ہوئے سیدھا کھڑا ہو جائے اور پھر انہیں اپنے سینہ پر باندھ لے۔ تشہد اول سے جب کھڑا ہو تو اپنے ہاتھوں کو کندھوں کے برابر اٹھائے جیسا کہ تکبیر تحریمہ کے وقت کیا تھا۔ ان چار مقامات کے علاوہ اور کسی مقام پر ہاتھ نہ اٹھائے۔ نماز جنازہ کی ہر تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھانا بھی مشروع ہے۔

شیخ ابن جریرن

جو شخص آخری تشہد میں امام کے ساتھ شریک ہو

سوال ایک آدمی جو آخری تشہد میں امام کے ساتھ شریک ہو تو کیا وہ صرف آخری تشہد پڑھنے پر اکتفاء کرے یا نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی پر درود اور دعائیں بھی پڑھے؟ امید ہے کہ دلیل کے ساتھ جواب سے سرفراز فرمائیں گے۔

جواب جب کوئی شخص امام کو حالت تشہد میں پائے تو وہ اس کے ساتھ شامل ہو جائے اور تشہد پڑھے اور اذکار کے دیگر سلسلہ کو بھی جاری رکھے حتیٰ کہ تشہد مکمل ہو جائے کیونکہ اس جگہ نمازی محض امام کی متابعت کی وجہ سے بیٹھا ہے لہذا اسے بیٹھنے میں اور اس جگہ بیٹھ کر کئے جانے والے ذکر میں اپنے امام کے تابع ہونا چاہئے اور اگر وہ صرف تشہد اول کے پڑھنے پر اکتفاء کرے تو امید ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں لیکن افضل یہ ہے کہ وہ نماز کی تکمیل تک امام کی متابعت کرے۔ نبی ﷺ کے ارشاد:

«فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا» (صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب استحباب اتیان الصلاة بوقار وسکينة...، ۶۰۲، ۶۰۳)

”نماز کا جو حصہ پالو اسے پڑھو۔“

کے عموم سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے نیز حدیث میں ہے کہ:

«إِذَا أَتَى أَحَدُكُمْ الصَّلَاةَ وَالْإِمَامُ عَلَى حَالٍ فَلْيَصْنَعْ كَمَا يَصْنَعُ الْإِمَامُ» (سنن ترمذی، کتاب الجمعة، باب ما ذکر فی الرجل یدرک الامام وهو ساجد کیف یصنع، ح: ۵۹۱، وشرح السنة، باب من صلی وحده خلف الصف وحده، ح: ۸۲۵)

”جب تم میں سے کوئی نماز کے لئے آئے اور امام کسی حالت میں ہو تو وہ بھی اسی طرح کرے جس طرح امام کرے۔“

شیخ ابن عثیمین

کپڑے کو ٹخنے سے نیچے لٹکانا گناہ ہے

سوال اس کپڑے میں نماز کا کیا حکم ہے جس نے ٹخنوں کو ڈھانپ رکھا ہو؟ کیا ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز ہے خصوصاً

جب کہ وہ اس سے ممانعت کی احادیث کو جانتا بھی ہو؟ رہنمائی فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے!

جواب ٹخنوں سے کپڑا نیچے لٹکانے والے کی نماز صحیح ہے لیکن وہ گناہ گار ضرور ہے لہذا واجب ہے کہ اسے نصیحت کی جائے اور اس سے اجتناب کی تلقین کی جائے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ مسلمان کے لئے واجب ہے کہ اس کا لباس ٹخنوں سے نیچے نہ ہو کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الْإِزَارِ فَهُوَ فِي النَّارِ» (صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب ما اسفل من الكعبين فهو في النار، ح: ۵۷۸۷)

”ازار کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو وہ جہنم کی آگ میں ہو گا۔“

لباس کی تمام قسموں میں، شلوار اور پینٹ وغیرہ کا وہی حکم ہے جو ازار کا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ثَلَاثَةٌ لَا يَكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُؤَكِّفُهُمْ وَلَا يُوَكِّفُهُمْ عَذَابُ أَلِيمٍ: الْمُسْبِلُ وَالْمَنَّانُ فِيمَا أُعْطِيَ وَالْمُنْفِقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلْفِ الْكَاذِبِ» (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان غلط تحریم اسباب الازار والمن بالعطية، ح: ۱۰۶)

”تین قسم کے آدمیوں سے اللہ تعالیٰ روز قیامت کلام فرمائے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہو گا۔ (۱) کپڑے کو (ٹخنوں سے) نیچے لٹکانے والا (۲) صدقہ دے کر احسان جتانے والا اور (۳) اپنے سودے کو جھوٹی قسم کھا کر بیچنے والا۔“

یہ حکم مردوں کے حق میں ہے۔ اور عورتوں کے لئے یہ واجب ہے کہ جب وہ گھر سے باہر بازاروں کی طرف نکلیں تو جرابوں یا کشادہ لباس کے ساتھ اپنے پاؤں کو ڈھانپیں، اسی طرح گھر میں اگر کوئی اجنبی مثلاً اس کے شوہر کا بھائی وغیرہ ہو تو بھی پاؤں کو ڈھانپنا واجب ہے۔ وباللہ التوفیق

شیخ ابن باز

کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والے کی نماز

سوال جب کپڑا یا پتلون وغیرہ اس قدر لمبی ہو کہ وہ ٹخنوں سے نیچے پہنچ رہی ہو تو کیا اس کے ساتھ نماز صحیح ہوگی؟

جواب پتلون وغیرہ کو ٹخنوں کے نیچے لٹکانا حرام ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الْإِزَارِ فَفِي النَّارِ» (صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب ما اسفل من الكعبين فهو في النار، ح: ۵۷۸۷)

”ازار کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے ہو وہ جہنم کی آگ میں ہو گا۔“

اور نبی ﷺ نے اس حدیث میں جو ازار کی بابت فرمایا ہے، باقی کپڑوں کے لئے بھی یہی حکم ہے لہذا ہر مسلمان کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ اپنی پتلون اور دیگر کپڑوں کو اپنے ٹخنوں سے اونچا رکھے اور اگر کپڑا نیچے لٹک رہا ہو تو اس حالت میں پڑھی جانے والی نماز کے بارے میں اہل علم میں اختلاف ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ نماز صحیح ہوگی کیونکہ آدمی نے

واجب یعنی ستر پوشی کے حکم کو پورا کر دیا ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ اس حالت میں نماز صحیح نہ ہوگی کیونکہ اس نے حرام کپڑے کے ساتھ ستر پوشی کی ہے، انہوں نے ستر پوشی کے لئے یہ بھی شرط قرار دی ہے کہ وہ جائز کپڑے کے ساتھ ہو لہذا کپڑوں کے ٹخنوں سے نیچے ہونے کی صورت میں خطرہ ضرور ہے لہذا اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اپنے کپڑے اوپر اٹھالینے چاہئیں تاکہ وہ ٹخنوں سے اوپر اوپر رہیں۔

شیخ ابن عثیمین

عذر کے بغیر نمازوں کو جمع کرنا

کیا کسی عذر کے بغیر نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا جائز ہے؟

سوال

عذر کے بغیر نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا جائز نہیں ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

جواب

﴿فَإِذَا أَطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا﴾

(النساء/۴/۱۰۳)

”پھر جب خوف جاتا رہے تو (اس طرح سے) نماز پڑھو (جس طرح امن کی حالت میں پڑھتے ہو) بیشک نماز کا مومنوں پر اوقات (مقررہ) میں ادا کرنا فرض ہے۔“

اور اس لئے بھی کہ نبی کریم ﷺ نے نماز کے اوقات مقرر کرتے ہوئے ہر نماز کے لئے ایک مخصوص وقت کا تعین فرمایا ہے لہذا کسی شرعی عذر کے بغیر نماز میں تقدیم و تاخیر حدود الہی سے تجاوز ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَلْعَدْ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ (البقرة/۲/۲۲۹)

”اور جو اللہ کی حدود سے تجاوز کرنے گا وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔“

نیز فرمایا:

﴿وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ﴾ (الطلاق/۱/۶۵)

”اور جو لوگ اللہ کی حدود سے باہر نکل جائیں گے، وہ گناہ گار ہوں گے۔“

لہذا آدمی کو چاہئے کہ وہ ہر نماز کو اس کے وقت پر ادا کرے لیکن جب ضرورت ہو اور وقت پر نماز پڑھنے میں بہت دشواری ہو تو پھر جمع کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ اس حالت میں آسانی کے مطابق ظہر اور عصر کی نمازوں کو جمع تقدیم و تاخیر دونوں صورتوں میں ادا کرنا جائز ہے۔ نیز اس طرح مغرب اور عشاء کی نمازوں کو بھی آسانی کے مطابق جمع تقدیم و تاخیر کی صورت میں ادا کرنا جائز ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ:

«جَمَعَ النَّبِيُّ ﷺ، بَيْنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَبَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ فِي الْمَدِينَةِ مِنْ غَيْرِ

خَوْفٍ وَلَا مَطَرٍ» (سنن نسائی، کتاب المواقیف، باب الجمع بین الصلاتین فی الحضر، ح: ۶۰۳)

”نبی کریم ﷺ نے مدینہ میں کسی خوف اور بارش کے بغیر بھی ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازوں کو جمع کر

کے ادا فرمایا۔“

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس سلسلہ میں جب پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ آپ کا اس سے ارادہ یہ تھا کہ امت کو حرج

میں مبتلا نہ کریں یعنی ترک جمع کا حکم دے کر امت کو حرج و مشقت میں مبتلا نہ کر دیں۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف سے گویا اشارہ ہے کہ جمع کرنا صرف اسی وقت جائز ہے جب جمع نہ کرنے کی صورت میں حرج اور مشقت ہو۔ اس حدیث کے یہی معنی ہیں لہذا انسان جب کسی شرعی عذر کے بغیر دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھے گا تو یہ نمازیں عند اللہ مقبول اور صحیح نہ ہوں گی کیونکہ اس نے اللہ اور اس کے رسول کے امر کے خلاف یہ عمل کیا ہے اور نبی ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ» (صحیح مسلم، کتاب الاقضية، باب نقض الاحکام الباطلة...، ح: ۱۷۱۸)

”جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس کے بارے میں ہمارا امر نہیں ہے، تو وہ (عمل) مردود ہے۔“

شیخ ابن عثیمین

جنازہ کے سوا ہر نماز کے لئے دعاء استفتاح ہے

سوال کیا ہر نماز میں دعاء استفتاح پڑھنا واجب ہے؟

جواب دعاء استفتاح:

«سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ» (جامع الترمذی، باب ما يقول عند افتتاح الصلاة، ح: ۲۴۳)

کا تکبیر تحریمہ کے بعد اور قرأت سے پہلے پڑھنا واجب نہیں بلکہ سنت موکدہ ہے۔ نماز جنازہ میں اس کا پڑھنا مشروع نہیں ہے لیکن ایسی نمازوں میں پڑھنا سنت ہے جن میں رکوع اور سجود ہو مثلاً فرض نمازیں، سنن موکدہ، وتر، نماز جمعہ، نماز عیدین، استسقاء، کسوف اور نماز تراویح وغیرہ۔ دعاء استفتاح اس کے سوا اور بھی ثابت ہے لہذا جو شخص حدیث سے ثابت دعاؤں اور اذکار کے ساتھ استفتاح کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

شیخ ابن جریر

مقتدی کو امام کی متابعت کرنی چاہئے

سوال ایک شخص جو امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہے، امام آیت سجدہ کی تلاوت کرتا ہے لیکن سجدہ نہیں کرتا تو کیا اس شخص کے لئے سجدہ کرنا جائز ہے؟ اور اگر وہ سجدہ کرے تو کیسے کرے جب کہ اسے یہ معلوم ہے کہ وہ امام کی مخالفت کر رہا ہے؟

جواب مقتدی کے لئے نماز کے تمام افعال میں امام کی متابعت لازم ہے لہذا اگر امام سجدہ تلاوت کرے تو مقتدی بھی کرے اور اگر امام نہ کرے تو مقتدی بھی نہ کرے اور یہ جائز نہیں کہ امام تو قرأت میں مصروف ہو اور مقتدی اپنے طور پر اکیلا ہی سجدہ تلاوت کرے، یہ مسئلہ ہے جب نماز جبری ہو اور نماز اگر سری ہو مثلاً ظہر و عصر تو اس میں امام و مقتدی کے لئے آیت سجدہ کی تلاوت مکروہ ہے لہذا اگر کوئی اس آیت کو پڑھ لے تو وہ سجدہ تلاوت نہ کرے خواہ وہ امام ہو یا مقتدی کیونکہ سجدہ کرنے کی وجہ سے دیگر نمازیوں کو تشویش لاحق ہوگی لہذا اس صورت میں وہ سلام پھیرنے کے بعد سجدہ کرے۔ اگر امام

نے جری نماز میں آیت سجدہ کی تلاوت کی اور امام نے سجدہ کیا لیکن مقتدی نے نہ کیا تو اس صورت میں اگر وہ جاہل ہے کہ اسے آیت سجدہ کا علم نہیں یا یہ علم نہیں کہ اس آیت کو پڑھ کر یا سن کر سجدہ کرنا لازم ہے تو وہ اس جہالت کی وجہ سے معذور ہے اور اگر وہ یہ جانتا ہے اور اس کے باوجود سجدہ نہیں کرتا تو اس کی نماز باطل ہے اور اسے یہ نماز دوبارہ پڑھنا ہو گی۔ واللہ اعلم

شیخ ابن جریر

مسجد کے ستونوں کے درمیان نماز

سوال جب مسجد میں نمازیوں کی کثرت ہو تو کیا مسجد کے ستونوں کے ساتھ جماعت کی صف میں فاصلہ آجانا جائز ہے؟

جواب لاریب! افضل یہ ہے کہ صفیں باہم دگر ملی ہوں، مسلسل ہوں اور دور نہ ہوں کہ سنت یہی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا یہی حکم ہے کہ صفیں خوب ملی ہوئی ہوں اور ان میں خلل نہ ہو۔^① حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ستونوں کے درمیان صفیں بنانے سے بچتے تھے کیونکہ اس طرح صف کا ایک حصہ دوسرے سے الگ ہو جاتا ہے لیکن اگر ضرورت و حاجت درپیش ہو جیسا کہ سوال میں مذکور ہے کہ اگر مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی ہو تو پھر اس حالت میں ستونوں کے درمیان صفیں بنانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ درپیش امور کے لئے خاص احکام ہوتے ہیں اور ضرورتوں اور حاجتوں کے لئے وہ احکام ہوتے ہیں جو ان کے مطابق ہوں۔

شیخ ابن عثیمین

جب امام ﴿وَاِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ پڑھے تو مقتدی کا.....

سوال جب امام سورہ فاتحہ کی قرأت کرتے ہوئے ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ پڑھتا ہے تو بعض مقتدی یہ سن کر پڑھتے ہیں ﴿اَسْتَعْنَا بِاللّٰهِ﴾ ”ہم اللہ سے مدد چاہتے ہیں“ اور بعض تو یہ کلمہ بلند آواز سے کہہ دیتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب اس کا حکم یہ ہے کہ مقتدی کو یہ نہیں کہنا چاہئے۔ اس کے کہنے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ فاتحہ کا پڑھنے والا جب یہ کہتا ہے کہ ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ تو یہ گویا خبر ہے اس کے بارے میں جو اس کے قلب و ضمیر میں ہے کہ وہ اللہ کے سوا نہ کسی کی عبادت کرتا ہے اور نہ اس کے سوا کسی سے مدد چاہتا ہے۔ مقتدی سے صرف یہ مطالبہ ہے کہ وہ امام کے ﴿وَلَا الضَّالِّينَ﴾ کہنے کے بعد آمین کہے اور بس!

بعض مقتدی جو مذکورہ بالا کلمہ کہتے ہیں تو اس کا شریعت میں کوئی حکم نہیں ہے اور اس سے گرد و پیش کے مقتدیوں کو تشویش بھی ہوتی ہے۔

شیخ ابن عثیمین

① صفوں کو درست کرنے کے بارے میں بے شمار روایات ہیں چند کے حوالے مذکور ہیں۔ صحیح بخاری، کتاب الادان، باب اقامة الصف من تمام الصلاة، ح: 723۔ و مسلم، کتاب الصلاة، باب تسوية الصفوف، ح: 433۔ ابوداؤد، ابواب الصفوف، باب تسوية الصفوف، ح: 667، اسے امام ابن حبان اور ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔

ایک سورہ کا تکرار اور ایک رکن کی دوسرے کی نسبت طوالت

سوال نماز میں ایک ہی سورہ کے تکرار کا کیا حکم ہے؟ رکوع کی نسبت سجدہ کی طوالت کا کیا حکم ہے؟ اور ایک رکعت کے دوسری کی نسبت طویل ہونے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب نماز میں ایک ہی سورہ کے تکرار میں کوئی حرج نہیں لیکن یہ خلاف اولیٰ ہے۔ اولیٰ و افضل یہ ہے کہ آپ کوئی دوسری سورت پڑھیں، خواہ ایک ہی رکعت کا معاملہ ہو یا دو رکعات کا کیونکہ عمد نبوت سے اب تک معمول یہ چلا آ رہا ہے کہ قاری ایک رکعت میں ایک سورت یا کسی سورت کی چند آیات پڑھتا ہے اور پھر دوسری رکعت میں کوئی دوسری سورت اور کوئی دیگر آیات پڑھتا ہے لیکن اس کے باوجود ارشاد باری تعالیٰ:

﴿فَأَقْرءْهُ وَأَمَّا يَنْتَرَمِينَ الْقُرْءَانَ﴾ (المزمل ۷۳/۲۰)

”جتنا آسانی سے ہو سکے (اتنا) قرآن پڑھ لیا کرو۔“

کے عموم کے پیش نظر تکرار میں بھی کوئی حرج نہیں۔ آدمی تمنا نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے لئے حسب نشاط رکوع و سجود کی طوالت جائز ہے لیکن امام کے لئے رکوع و سجود کے کمال کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ تین بار کے ((سبحان ربی الاعلیٰ)) اور کمال کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ یہ کلمہ دس بار کہے۔ اور مقتدی اس وقت تک تسبیح کرتا رہے جب تک اس کا امام رکوع و سجود میں مصروف رہے۔ بعض رکعات کو بعض دیگر کی نسبت لمبا کرنا بھی جائز ہے لیکن سنت یہ ہے کہ قرأت کے اعتبار سے پہلی رکعت دوسری سے زیادہ لمبی ہو اور رکوع و سجود جیسے ارکان قریباً ایک جیسے ہوں۔

شیخ ابن جبرین

نماز فجر میں قنوت کا حکم

سوال میں ایک مسلمان لڑکی ہوں اور یہاں سعودیہ میں تقریباً چھ سال سے رہ رہی ہوں۔ ہم اپنے ملک میں نماز فجر میں دعائے قنوت پڑھتے ہیں لیکن یہاں میں نے دیکھا ہے کہ نماز فجر میں دعائے قنوت نہیں پڑھتے۔ میرا سوال یہ ہے کہ نماز فجر میں قنوت پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب شافعیہ کا مذہب یہ ہے کہ نماز فجر کی دوسری رکعت میں رکوع سے سر اٹھا کر ہمیشہ دعائے قنوت پڑھنا مستحب ہے اور ان کا استدلال اس روایت سے ہے کہ:

(مَا زَالَ يَقْنُتُ فِي الصُّبْحِ حَتَّىٰ فَارَقَ الدُّنْيَا) (مسند احمد، ۱۶۲/۳)

”نبی کریم ﷺ نماز صبح میں ہمیشہ قنوت فرماتے رہے حتیٰ کہ دنیا سے تشریف لے گئے“

اور جب قنوت مذکور کی کوئی دعاء منقول نہ تھی تو انہوں نے حدیث حضرت حسن رضی اللہ عنہ میں قنوت وتر کے بارے میں مروی دعاء:

«اللَّهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ، وَعَافِنِي فِيمَنْ عَافَيْتَ، وَتَوَكَّلْنِي فِيمَنْ تَوَكَّلْتَ، وَبَارِكْ لِي فِيمَا أَعْطَيْتَ، وَوَقِنِي شَرَّمَا قَضَيْتَ، إِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يُقْضَىٰ عَلَيْكَ، وَإِنَّهُ لَا يَدُلُّ مَنْ وَالَيْتَ، [وَلَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ]، تَبَارَكَتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ» (ابوداؤد، ابواب الوتر، باب القنوت)

فی الوتر، ح: ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، سنن ترمذی، کتاب الوتر، باب ما جاء فی القنوت فی الوتر، ح: ۴۶۴،
مسند احمد، ۱/۱۹۹، ۲۰۰
کو استعمال کرنا شروع کر دیا۔

امام احمد اور کئی دیگر ائمہ کا مذہب یہ ہے کہ نماز فجر میں قنوت مشروع نہیں ہے الا یہ کہ مسلمان کسی افتاد (مصیبت) میں مبتلا ہوں مثلاً دشمن، خوف یا کسی عام دہائی مرض کا سامنا ہو تو پھر دعاء قنوت نازلہ کی جاسکتی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے ایک ماہ تک قنوت فرمایا۔ آپ ان قبائل عرب کے لئے بد دعاء کرتے تھے جنہوں نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو شہید کر دیا تھا اور پھر ایک ماہ کے بعد آپ نے اس قنوت کو ترک فرما دیا تھا۔^① ان ائمہ کرام کا کہنا ہے کہ جس قنوت کو آپ نے ہمیشہ جاری رکھا، اس سے مراد طول قیام ہے جس کا ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَفُؤُومُواْ لِلّٰهِ قَلْبَيْنِیْنَ ﴾ (البقرة ۲/۲۳۸)

”اور اللہ کے آگے ادب سے کھڑے رہا کرو۔“

میں ذکر ہے، بہر حال جو ائمہ شافعیہ کے اتباع میں قنوت کرے اس کا انکار نہیں کیا جائے گا لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ مشروع نہیں ہے اور نہ یہ ثابت ہے کہ نبی ﷺ نے اس پر ہمیشہ عمل کیا ہو لہذا بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ بلا سبب ہو تو مکروہ ہے۔ واللہ اعلم

شیخ ابن جریر

نماز میں ہاتھوں کو کھلا چھوڑنا خلاف سنت ہے

نماز میں ہاتھوں کے کھلا چھوڑنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

سوال

نماز میں ہاتھوں کو کھلا چھوڑنا خلاف سنت ہے۔ نماز کی حق میں سنت یہ ہے کہ وہ اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھ لے جیسا کہ ”صحیح البخاری“ میں حدیث سھل بن سعد رضی اللہ عنہ سے یہ ثابت ہے کہ:

جواب

«كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُونَ أَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى ذِرَاعِهِ الْيُسْرَى فِي الصَّلَاةِ» (صحیح

بخاری، کتاب الاذان، باب وضع الیمنى علی الیسری فی الصلاة، ح: ۷۴۰)

”لوگوں کو یہ حکم دیا جاتا تھا کہ نماز میں آدمی اپنے دائیں ہاتھ کو اپنے بائیں ہاتھ پر رکھ لے۔“

اس مسئلہ میں قبل از رکوع اور بعد از رکوع میں کوئی فرق نہیں کیونکہ حدیث سھل بن سعد کے عموم کا یہی تقاضا ہے، ہاں البتہ اس عموم سے رکوع خارج ہے کہ اس میں دونوں گھٹنوں پر ہوتے ہیں، سجود خارج ہے کہ اس میں دونوں ہاتھ زمین پر ہوتے ہیں، جلسہ خارج ہے کہ اس میں دونوں ہاتھ رانوں پر ہوتے ہیں۔ باقی رہی حالت قیام تو اس میں قبل از رکوع اور بعد از رکوع دونوں حالتوں میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر باندھا جائے گا۔

① صحیح بخاری، کتاب الوتر، باب القنوت قبل الركوع و بعدہ، ح: 1002- و صحیح مسلم، کتاب المساجد باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوات۔۔۔ ح: 677-

شیخ ابن عثیمین

یہ بات صحیح نہیں

سوال میں نے بہت سے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اگر چالیس سال یا اس سے زیادہ عمر میں پیشانی پر سجدہ کرنے کا نشان نہ ہو تو اس کے معنی یہ ہے کہ اس انسان کا سجدہ صحیح نہیں یا ناقص ہے۔ یہ بات کہاں تک صحیح ہے؟

جواب یہ بات صحیح نہیں ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے سجدہ کو ضرور شرف قبولیت سے نوازتا ہے۔ جب بندہ اخلاص کے ساتھ اپنے رب کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو، خواہ چالیس سال کی عمر سے پہلے یا بعد میں اس کی پیشانی پر سجدہ کی علامت نمودار ہو یا نہ ہو۔ یہ علامت آج کل غالباً لوگوں کی پیشانیوں پر اس لئے بھی نمایاں نہیں ہوتی کہ اکثر لوگ نرم قالینوں اور مصلوں پر نماز ادا کرتے ہیں اور پھر یہ ضروری تو نہیں کہ پیشانی پر سجدہ کی علامت نمایاں ہو اور اس کے نمایاں نہ ہونے سے سجدہ باطل نہیں ہوتا۔

شیخ ابن جبرین

نماز میں تاخیر

سوال ایک شخص جو سویا رہتا ہے اور نماز فجر کو ظہر سے قریب دو گھنٹے پہلے ادا کرتا ہے، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب عذر کے بغیر نماز کو وقت سے مؤخر کر کے ادا کرنا جائز نہیں اور نیند ہر شخص کے لئے عذر نہیں بن سکتی کیونکہ انسان کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ جلدی سوئے تاکہ نماز کے لئے جلد بیدار ہو سکے۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اپنے والدین یا کسی بھائی یا پڑوسی وغیرہ سے کہہ دے کہ وہ اسے بیدار کر دے، علاوہ ازیں آدمی کو خود بھی چاہئے کہ نماز کا اس قدر خیال کرے اور نماز کو دل میں اس طرح جگہ دے کہ جب وقت قریب ہو تو دل میں خود بخود احساس پیدا ہو جائے خواہ آدمی سویا ہوا ہی کیوں نہ ہو لہذا جو شخص ہمیشہ نماز فجر کو سختی کے وقت میں ادا کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے دل میں نماز کا ہرگز اہتمام نہیں ہے۔ بہر حال انسان کو حکم یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو وہ نماز کو زیادہ سے زیادہ قریب وقت میں ادا کرے اور اگر سویا ہوا ہے تو اٹھ کر جلد پڑھ لے، اسی طرح جو بھول گیا ہو اسے جب یاد آئے فوراً پڑھ لے۔

شیخ ابن جبرین

عشاء کی نماز میں تاخیر

سوال عشاء کی نماز کو آخر وقت تک مؤخر کر کے ادا کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب نماز عشاء کے بارے میں افضل یہ ہے کہ اسے آخر وقت تک مؤخر کر کے ادا کیا جائے لیکن مرد اگر اسے مؤخر کر کے ادا کرے گا تو اس کی جماعت فوت ہو جائے گی لہذا یہ جائز نہیں کہ وہ نماز کو مؤخر کرے اور اس کی جماعت فوت ہو جائے، ہاں البتہ عورتیں گھروں میں جس قدر نماز عشاء تاخیر سے پڑھیں ان کے لئے افضل ہے لیکن آدھی رات سے زیادہ مؤخر نہ کریں۔

شیخ ابن جریر

کیا میری نماز صحیح ہے؟

سوال میں نماز عصر کے لئے مسجد میں داخل ہوا اور جماعت کے ساتھ مل گیا لیکن میری ایک رکعت فوت ہو گئی اور امام جب تیسری رکعت سے فارغ ہوا تو وہ بھول گیا اور چوتھی رکعت کے لئے کھڑا نہ ہوا، مقتدیوں کو بھی خبر نہ ہوئی اور امام نے سلام پھیر دیا۔ میں نے کھڑے ہو کر اس رکعت کو پڑھنا شروع کیا جو رہ گئی تھی اور جب میں سجدے کے قریب پہنچا تو مقتدیوں نے امام کو بتایا کہ نماز میں یہ کوتاہی ہو گئی ہے لہذا وہ چوتھی رکعت پڑھنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، میں بھی سجدہ مکمل کر کے ان کے ساتھ شامل ہو گیا اور میں نے رکعت پڑھی، جلسہ تشہد بھی کیا، ان کے ساتھ سجدہ سو بھی کیا اور پھر ہم سب نے اکٹھا سلام پھیر دیا۔ کیا اس صورت میں میری یہ نماز صحیح ہے یا نہیں؟

جواب اس حالت میں جب آپ کو امام کے بھولنے کا علم ہو گیا تھا تو آپ پر واجب تھا کہ امام کو اس کی کوتاہی پر متنبہ کرتے لیکن اگر شک کی وجہ سے آپ بھی کھڑے ہو گئے تو کوئی حرج نہیں اور اب آپ کو یہ چاہئے تھا کہ انفرادی طور پر نماز کو جاری رکھتے اور اسے مکمل کر لیتے، انفرادی طور پر ایک رکعت پڑھنے کے بعد علت کی وجہ سے دوبارہ ان کے ساتھ شامل ہونا جائز ہے۔ امام نے جب سلام پھیر دیا تھا تو آپ کے لئے اب امام سے علیحدگی جائز تھی لیکن آپ بھی جب باقی مقتدیوں کی طرح دوبارہ امام کی اقتداء میں آگئے تو یہ بھی جائز ہے۔

شیخ ابن جریر

نیند کی وجہ سے نماز کو مؤخر کرنا

سوال میں ایک لڑکی ہوں۔ نیند کی وجہ سے میری اکثر نماز مغرب فوت ہو جاتی ہے اور پھر میں اسے رات کو دیر سے یا صبح پڑھتی ہوں، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب حکم یہ ہے کہ کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی نماز میں اس قدر سستی کرے کہ اس کا وقت ختم ہو جائے۔ انسان جب سونے لگے تو وہ کسی کو کہہ دے، جو اسے بیدار کر دے تاکہ بروقت نماز ادا کی جائے۔ یہ ضروری ہے۔ اور یہ جائز نہیں کہ نماز مغرب یا عشاء کو صبح تک مؤخر کیا جائے بلکہ واجب یہ ہے کہ نماز کو بروقت ادا کیا جائے لہذا اس لڑکی کو چاہئے کہ وہ اپنے گھر والوں سے کہے کہ وہ اسے نماز کے وقت بیدار کر دیں، ہاں البتہ اگر کوئی ایسی شدید حاجت یا عارضہ درپیش ہو جس کی وجہ سے نیند کا سخت غلبہ ہو، وہ مغرب کی نماز ادا کرے اور ڈر ہو کہ اگر اس نے نماز عشاء نہ پڑھی تو اس پر نیند کا اس قدر غلبہ ہو گا کہ وہ نماز فجر سے پہلے نہ اٹھ سکے گی تو پھر اس حال میں عشاء کو مغرب کے ساتھ جمع کر کے ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں تاکہ عشاء کی نماز وقت سے فوت نہ ہو لیکن ایسی صورت تو کسی عارضہ ہی کی وجہ سے ہو سکتی ہے مثلاً یہ کہ وہ کئی راتوں تک بیدار رہی ہو یا کسی بیماری کی وجہ سے یہ صورت درپیش ہو۔

شیخ ابن عثیمین

مسبق، امام کے ساتھ جو پائے وہ اس کی نماز کا ابتدائی حصہ ہے۔

سوال جب کوئی آدمی امام کے ساتھ چار رکعتوں والی نماز میں اس وقت شامل ہو کہ اس کی دو رکعت فوت ہو گئی ہوں تو ان دو آخری رکعات کے بارے میں وہ کیا نیت کرے کہ یہ اس کی پہلی دو رکعات ہیں یا آخری دو رکعات ہیں تاکہ پہلی دو رکعات کی نیت سے وہ فوت شدہ رکعات کی قضاوے؟

جواب صحیح بات یہ ہے کہ آدمی جماعت کے ساتھ جو نماز پاتا ہے، وہ اس کی نماز کا ابتدائی حصہ ہے اور جسے وہ بعد میں ادا کرتا ہے، وہ اس کی نماز کا آخری حصہ ہے۔ لہذا جب کوئی شخص امام کے ساتھ ظہر کی دو رکعات پالے اور امام کے ساتھ اس کے لیے سورت فاتحہ اور کوئی دوسری سورت پڑھنا ممکن ہو، تو وہ پڑھے۔ اور امام جب سلام پھیر دے تو یہ کھڑا ہو کر اپنی باقی نماز کو مکمل کر لے اور ان آخری دو رکعات میں صرف سورہ فاتحہ پڑھنے پر اکتفاء کرے کیونکہ یہ اس کی نماز کا آخری حصہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«مَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا» (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب لا یسعی الی الصلوة
ولیانہا بالسکینة والوفار، ح: ۶۳۶، و صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب استحباب اتیان الصلوة بوقار
وسکینة... ۶۰۲، ۶۰۳)

”نماز کا جو حصہ پالو اسے پڑھ لو اور جو فوت ہو جائے اسے مکمل کر لو۔“

— شیخ ابن عثیمین —

فوت شدہ نمازوں کی قضا

سوال جب وقت ختم ہو جائے اور میں ایک نماز کو دوسری کے ساتھ مثلاً ظہر کو عصر کے ساتھ ادا کرنا چاہوں تو پہلے کون سی نماز پڑھوں؟

جواب پہلے فوت شدہ نماز کو پڑھو مثلاً عصر سے پہلے ظہر اور عشاء سے پہلے مغرب پڑھو۔ اگر مسجد میں عصر کی نماز کھڑی ہو چکی ہو تو تم ظہر کی نیت کر کے ان کے ساتھ نماز ادا کرو اور پھر اس کے بعد نماز عصر پڑھ لو، ایسا اس لئے جائز ہے کہ ظہر اور عصر کی رکعتوں کی تعداد اور صورت میں کوئی اختلاف نہیں۔

— شیخ ابن جریر —

جنہی جو غسل نہیں کرتا رہا

سوال میں مشیت زنی کرتا رہا ہوں اور غسل کیسے بغیر نماز پڑھتا اور روزہ بھی رکھتا رہا ہوں کیونکہ مجھے علم نہ تھا کہ اس فعل کی وجہ سے مجھ پر غسل واجب ہے۔ مجھے اب معلوم بھی نہیں کہ اس طرح بغیر غسل کے میں نے کتنی نمازیں پڑھی ہیں؟ اب میرے لئے کیا حکم ہے؟

جواب تم نے بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے کیونکہ مشت زنی حرام ہے اگرچہ بعض اہل علم نے اس شخص کے لئے اس کی اجازت دی ہے جسے زنا میں مبتلا ہو جانے کا خدشہ ہو اور پھر دوسری بڑی غلطی یہ کہ اس کے بارے میں کسی سے پوچھا بھی نہیں کہ حکم کیا ہے؟ ہاں البتہ جمالت، طول زمان اور بہت سی نمازوں کی قضاء میں مشقت کی وجہ سے تمہارا یہ گناہ قابل معافی ہے، لہذا اب تمہیں کثرت کے ساتھ نفل نمازیں اور عبادتیں ادا کرنی چاہئیں تاکہ ماضی میں جو کچھ ہوا اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادے۔ واللہ اعلم

شیخ ابن جبرین

امام کو رکوع میں دیکھ کر ”إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ“ کہنا

سوال ایک شخص مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کے لئے آئے اور دیکھے کہ نمازی حالت رکوع میں ہیں تو کیا اس کے لئے یہ جائز ہے کہ امام سے مخاطب ہو کر یہ کہے ”صبر کیجئے اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“ تاکہ امام رکوع لبا کر دے اور یہ اس کے ساتھ شامل ہو سکے؟

جواب اس طرح کرنا جائز نہیں خواہ یہ کہے کہ ”صبر کیجئے اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“ یا کھٹکار کر اشارہ کرے یا زمین پر پاؤں مار کر امام کو مطلع کرے یا کوئی اور ایسا طریقہ اختیار کرے، جس سے امام کو یہ باور کرانا مقصود ہو کہ وہ جماعت کے ساتھ شامل ہو رہا ہے بلکہ اس حالت میں واجب یہ ہے کہ آدمی اطمینان و سکون کے ساتھ آئے اور جلد بازی سے کام نہ لے کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ:

«إِذَا سَمِعْتُمُ الْإِقَامَةَ فَامْشُوا إِلَى الصَّلَاةِ وَلَا تُسْرِعُوا فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَأْتِمُوا» (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب لا یسعی إلى الصلاة ولیأتها بالسکينة والوقار، ح: ۶۳۶،
ومسند احمد ۵۳۲/۲، السنن الكبرى للبيهقي، ۹۳/۳)

”جب تم اقامت کو سنو تو چلو اور دوڑ کر نہ آؤ، جو پالو اسے پڑھ لو اور جو فوت ہو جائے، اسے پورا کر لو۔“
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ واجب یہ ہے کہ آپ نماز کے لئے اطمینان و سکون سے آئیں، آرام سے صف میں شامل ہو جائیں، جو پالیں اسے پڑھ لیں اور جو فوت ہو جائے، اسے بعد میں مکمل کر لیں۔ نبی ﷺ کا یہی حکم ہے۔ امام اور مقتدیوں کو پریشان نہیں کرنا چاہئے اور نہ کوئی ایسا کام کرنا چاہئے، جو عہد صحابہ میں نہیں تھا۔

شیخ ابن عثیمین

مسبق، امام کی زائد نماز کو شمار نہ کرے

سوال ایک آدمی نماز کے لئے جماعت کے ساتھ شامل ہوا اور اس نے امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھی، پھر امام نے سجدہ سو کیا اور سلام پھیر دیا اور اس آدمی کو اپنی باقی نماز پڑھتے ہوئے معلوم ہو گیا کہ امام نے نماز میں ایک رکعت زیادہ پڑھی ہے تو کیا اس کے لئے یہ جائز ہے کہ اس زائد رکعت کو شمار کرے یا اس زائد رکعت کو شمار نہ کرے اور اپنی نماز کو از سر نو شروع کرے؟

جواب جب امام بھول کر ایک رکعت زیادہ پڑھ لے، تو مسبوق کو چاہئے کہ وہ اسے شمار نہ کرے کیونکہ امام نے اس رکعت کو بھول کر ادا کیا ہے۔ علماء کے صحیح قول کے مطابق اس شخص کو کامل نماز پڑھنی ہوگی اور اگر اس نے امام کے ساتھ سجدہ سہو نہ کیا ہو تو اپنی نماز سے فراغت کے بعد سجدہ سہو کرے اور اگر امام کے ساتھ سجدہ سہو کیا ہو تو وہی کافی ہوگا۔ واللہ ولی التوفیق

شیخ ابن باز

جہری نماز میں قراءت کا بلند آواز سے نہ پڑھنا

سوال کیا یہ جائز ہے کہ نماز عشاء میں قراءت جہری نہ کی جائے؟

جواب حکم شریعت یہ ہے کہ امام رات کی نماز میں قراءت جہری کرے تاکہ مقتدی اسے سن کر اس سے استفادہ کریں، اگر امام سہواً جہر ترک کر دے تو اس پر سجدہ سہو لازم نہ ہوگا۔ اسی طرح جو شخص انفرادی طور پر نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے لئے جہری قراءت لازم نہیں ہے کیونکہ اس نے تو اپنی قرأت اپنے جی ہی کو سنانا ہوتی ہے اور اگر وہ جہری قراءت کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اس سے کسی دوسرے قاری یا نمازی یا سوائے ہوئے آدمی کو پریشانی نہ ہو اور وہ یہ سمجھے کہ جہری قراءت اس کے لئے زیادہ قوی اور حضور قلب کا باعث ہے۔

شیخ ابن جبرین

نماز عصر کو بعد از مغرب پڑھنا

سوال ہم نماز عصر پڑھنا بھول گئے اور اس وقت یاد آیا جب ہم نے مغرب کی اذان سنی تو ہم نے نماز مغرب کے بعد عصر کی نماز کو پڑھ لیا، اس کے لئے کیا حکم ہے؟

جواب جب انسان نماز کو بھول جائے یا سو جائے اور پاس کوئی بیدار کرنے یا یاد دلانے والا نہ ہو اور وقت خارج ہو جائے تو جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«بُصَلِّيْنَهَا إِذَا ذَكَرَهَا وَلَا كَفَّارَةَ لَهَا إِلَّا ذَلِكَ» (صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلاة، باب من نسي صلاة...، ح: ۵۹۷، و صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب قضاء الصلاة الغائبة...، ح: ۶۸۴)

”اسے جب یاد آئے پڑھ لے، اس کا بس یہی کفارہ ہے۔“

اس حالت میں جو ساکل نے ذکر کی ہے اسے چاہئے تھا کہ پہلے نماز عصر پڑھتا اور پھر مغرب تاکہ وہ اس ترتیب کے مطابق نماز پڑھتا جسے اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی نمازیں جب ایک دن غزوة خندق کے دوران فوت ہو گئی تھیں، تو آپ نے انہیں ترتیب ہی سے پڑھا تھا اور آپ کا مشہور ارشاد گرامی ہے کہ:

«صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي» (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب الاذان للمسافرين...، ح: ۶۳۱)

”تم اس طرح نماز پڑھو، جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔“

لہذا جب آپ مسجد میں آئے اور لوگ نماز مغرب ادا کر رہے تھے تو آپ ان کے ساتھ نماز عصر کی نیت کر کے شامل

ہو جاتے اور امام کے سلام کے بعد باقی نماز پوری کر لیتے، لوگوں کی یہ نماز مغرب، آپ کے لئے نماز عصر ہوتی اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ امام اور مقتدی کی نیت الگ الگ ہو کیونکہ افعال ایک جیسے ہیں اور امام سے جن اختلافات سے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے، وہ نیت کے علاوہ دیگر افعال ہیں، اور آپ نے مغرب کی نماز کو جو عصر سے پہلے پڑھ لیا تو یہ شرعی حکم سے ناواقفیت کی وجہ سے ہے لہذا اس میں کوئی حرج نہیں۔

شیخ ابن عثیمین

طلوع آفتاب کے بعد نماز فجر میں جبری قرأت

سوال جب ایک جماعت سوئی رہے اور وہ طلوع آفتاب کے بعد بیدار ہو تو کیا پھر بھی نماز فجر میں قرأت جبری ہوگی؟
جواب وہ جماعت جب بیدار ہو، اسی وقت نماز ادا کرے اور اسے مزید لیٹ نہ کرے، اس صورت میں بھی فجر میں قرأت اسی طرح جبری ہوگی جس طرح بروقت نماز ادا کرنے کی صورت میں جبری ہوتی ہے۔

شیخ ابن جریر

بوقت ضرورت نماز توڑ دینا

سوال میں نے گھر میں سختی کی دو رکعت پڑھنا شروع کیں۔ جب میں نے تکبیر تحریمہ کے بعد سورہ فاتحہ کو بھی پڑھ لیا تو دروازے پر دستک ہوئی تو میں نے سلام پھیر دیا اور دروازہ کھول دیا اور واپس آکر دوبارہ تکبیر تحریمہ کہہ کر نماز از سر نو شروع کر دی تو کیا اس کا کوئی کفارہ ہے؟

جواب بوقت ضرورت نماز توڑ دینے میں کوئی حرج نہیں خواہ فرض ہو یا نفل جیسا کہ اس صورت مسئلہ میں ہے کیونکہ بعض دفعہ دستک دینے والا بلند آواز کے ساتھ بلاتا ہے یا دستک ہی زور سے دیتا ہے، جس سے اضطراب و تشویش لاحق ہوتی ہے اور آدمی توجہ سے نماز نہیں پڑھ سکتا، ہاں البتہ بغیر ضرورت کے نماز کو نہیں توڑنا چاہیے، لیکن اگر کسی نے بلا ضرورت نماز توڑ دی اور پھر دوبارہ شروع کر کے پڑھ لی تو ان شاء اللہ کوئی گناہ نہ ہو گا اور عداامت و توبہ کے سوا اس کا کوئی کفارہ بھی نہیں ہے۔

شیخ ابن جریر

نماز کو باطل کرنے والی حرکات

سوال کہا جاتا ہے کہ تین حرکتوں سے نماز باطل ہو جاتی ہے، کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟
جواب نمازی کو چاہئے کہ وہ پرسکون ہو کر نماز ادا کرے، خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرے، اپنے دونوں ہاتھوں یا دونوں پاؤں یا سر کے ساتھ کوئی فضول حرکت نہ کرے اور مختصر عمل کی وجہ سے نماز کو باطل قرار نہ دے مثلاً سامنے سے گزرنے والے کو اگر منع کیا یا بوقت ضرورت دروازہ وغیرہ کھولنا پڑا تو اس سے اس کی نماز باطل نہ ہوگی لہذا اگر کوئی ایسا کام کر لیا جس کو عادتاً کثیر سمجھا جاتا ہو مثلاً بلا ضرورت اگر پانچ قدم چل لئے یا کثرت کے ساتھ کوئی بے فائدہ کام کر لیا تو اس

سے نماز باطل ہو جائے گی۔ تین حرکتوں سے حد بندی درست نہیں بلکہ جس عمل کو عادتاً کثیر سمجھا جاتا ہو خواہ وہ عمدہ کیا ہو یا غلطی سے اس سے نماز باطل ہو جائے گی۔

شیخ ابن جریر

کھنکارنے سے نماز باطل نہیں ہوتی

سوال میں ایک مسجد کے پڑوس میں رہتا ہوں اور ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں اس مسجد میں ادا کرتا ہوں۔ آج کل دیکھا گیا ہے کہ امام صاحب جب مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھاتے ہیں، تو وہ نماز میں بہت کھنکارتے ہیں یعنی ایک رکعت میں کوئی تین مرتبہ کے قریب۔ سوال یہ ہے کیا اس سے نماز باطل تو نہیں ہو جاتی؟ براہ کرم مطلع فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔

جواب اس امام کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، خواہ وہ کثرت سے کھنکارتا ہو کیونکہ اگر ضرورت کی وجہ سے کھنکارا جائے تو اس سے نماز باطل نہیں ہوتی اور سوال میں جو صورت حال مذکور ہے ایسا عموماً ضرورت ہی کی وجہ سے ہوتا ہے۔

شیخ ابن جریر

نماز میں وسوسے

سوال جب میں نماز ادا کرنے کا ارادہ کرتا ہوں تو ذہن بہت منتشر ہو جاتا ہے اور افکار پریشان کا ہجوم ہوتا ہے اور مجھے کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ میں نماز میں کیا پڑھ رہی ہوں حتیٰ کہ اس حالت میں سلام پھیر دیتی ہوں، پھر نماز کو دوبارہ پڑھتی ہوں تو پھر بھی کیفیت پہلے جیسی ہی ہوتی ہے، حتیٰ کہ میں پہلا تشہد بھی بھول جاتی ہوں اور مجھے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ میں نے کتنی رکعات پڑھی ہیں، جس سے میرے اضطراب اور اللہ تعالیٰ سے خوف میں اضافہ ہو جاتا ہے اور میں سجدہ سو کر لیتی ہوں۔ امید ہے میری اس حالت کے بارے میں رہنمائی فرما کر شکر یہ کا موقعہ بخشیں گے۔

جواب وسوسے شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں۔ آپ کے لئے واجب ہے کہ نماز کا خاص اہتمام کریں، اطمینان و سکون قلب، کامل یکسوئی اور بصیرت کے ساتھ نماز ادا کرنے کی کوشش کریں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱﴾ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ﴿۲﴾﴾ (المؤمنون ۲۳/۲۱)

”بے شک ایمان والے کامیاب ہو گئے، وہ لوگ جو نماز میں مجز و نیاز کرتے ہیں۔“

اور نبی کریم ﷺ نے جب ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ نماز کو صحیح طریقے سے ادا نہیں کر رہا تو آپ نے اسے حکم دیا کہ نماز کو دوبارہ پڑھو اور فرمایا:

«إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَاسْبِغِ الوُضُوءَ ثُمَّ اسْتَقْبِلِ الْقِبْلَةَ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ بِمَا تَسَرَّ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَعْتَدِلَ قَائِمًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا ثُمَّ ارْفَعْ

حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا ثُمَّ افْعَلْ ذَلِكَ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا» (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب وجوب القراءة للامام والماموم، ح: ۷۵۵، ۷۹۳، وصحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة في كل ركعة... ح: ۳۹۷)

”جب نماز کے لئے کھڑے ہونے کا ارادہ کرو تو خوب اچھی طرح وضوء کرو، پھر قبلہ رخ ہو کر کھڑے ہو جاؤ اور اللہ اکبر کو، پھر قرآن مجید کا جو حصہ آسانی سے پڑھ سکتے ہو پڑھو، پھر اطمینان سے رکوع کرو، پھر رکوع سے سر اٹھاؤ اور اطمینان سے سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ پھر اطمینان سے سجدہ کرو، پھر سجدہ سے سر اٹھاؤ اور اطمینان سے بیٹھ جاؤ اور پھر ساری نماز اسی طرح اطمینان و اعتدال کے ساتھ ادا کرو۔“

جب نماز پڑھتے ہوئے تمہیں یہ معلوم ہو کہ تم اپنے رب کے سامنے کھڑی ہو کر اس سے سرگوشیاں کر رہی ہو تو اس سے نماز میں خشوع پیدا ہو گا، توجہ ہو گی، شیطان تم سے دور ہو جائے گا، اس کے وسوسوں سے تم محفوظ رہو گی اور جب نماز میں وسوسے کثرت سے پیدا ہونے لگیں تو تین بار اعدو باللہ من الشیطن الرجیم پڑھ کر اپنی بائیں جانب تھوک دو۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس سے وسوسے زائل ہو جائیں گے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جب یہ عرض کیا کہ شیطان نے میری نماز میں خلل ڈال دیا ہے تو آپ نے انہیں یہی حکم دیا تھا۔

وسوسوں کی وجہ سے نماز کو دوہرانے کا حکم نہیں ہے بلکہ سجدہ سہو ہی کافی ہو گا بشرطیکہ ایسا کوئی فعل سرزد ہوا ہو جو موجب سجدہ سہو ہو مثلاً تشہد اول بھول جانا یا رکوع اور سجود میں تسبیح بھول جانا۔ اگر مثلاً نماز ظہر میں یہ شک ہو کہ تین رکعات پڑھی ہیں یا چار تو انہیں تین قرار دو اور ایک اور رکعت پڑھ کر نماز کو مکمل کر لو اور سلام سے پہلے سہو کے دو سجدے کر لو۔ اسی طرح اگر نماز مغرب میں یہ شک ہو کہ تم نے دو رکعات پڑھی ہیں یا تین، تو انہیں دو سمجھو، ایک رکعت اور پڑھ کر نماز مکمل کر لو اور سلام سے پہلے سہو کے دو سجدے کر لو۔ نبی کریم ﷺ نے اسی طرح حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو شیطان سے پناہ دے اور اس بات کی توفیق عطا فرمائے جس سے وہ راضی ہو۔

شیخ ابن باز

مغرب کی نماز نہیں پڑھی تھی کہ عشاء کی جماعت کھڑی ہو گئی

سوال میں مسجد میں داخل ہوا تو نماز عشاء کی جماعت کھڑی تھی لیکن نماز شروع کرنے سے پہلے مجھے یاد آیا کہ میں نے تو مغرب کی نماز نہیں پڑھی، تو کیا اس صورت میں میں پہلے نماز مغرب ادا کروں اور پھر جماعت میں شامل ہو جاؤں یا نماز مغرب، عشاء کی نماز کے بعد ادا کر لوں؟

جواب جب آپ مسجد میں آئیں اور نماز عشاء کھڑی ہو اور آپ کو یاد آئے کہ آپ نے تو مغرب کی نماز بھی نہیں پڑھی تو اس صورت میں آپ نماز مغرب کی نیت کے ساتھ جماعت میں شامل ہو جائیں، جب امام چوتھی رکعت کے لئے اٹھے تو آپ تین پڑھ کر بیٹھے رہیں، انتظار کریں اور جب امام سلام پھیرے تو اس کے ساتھ سلام پھیر دیں۔ اہل علم کے صحیح قول

کے مطابق اس صورت میں امام اور مقتدی کی نیت کا اختلاف نقصان دہ نہیں ہے اور اگر آپ اکیلے نماز مغرب ادا کر لیں اور پھر نماز عشاء کا جو حصہ پائیں اسے جماعت سے ادا کر لیں، تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

شیخ ابن باز

رکوع سے سر اٹھانے کے بعد ہاتھوں کو باندھنا

سوال کیا نمازی رکوع سے سر اٹھانے کے بعد اپنے ہاتھوں کو باندھ لے؟ ایک مسجد میں ہمارا اس مسئلہ میں اختلاف ہوا، ہمیں فتویٰ دیجئے کہ اس مسئلہ میں صحیح صورت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر و ثواب سے نوازے گا۔

جواب رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث جو سہل بن سعد رضی اللہ عنہ، وائل بن حجر رضی اللہ عنہ اور کئی دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازی کے لئے حالت قیام میں مشروع یہ ہے کہ وہ اپنے بائیں ہاتھ پر دائیں ہاتھ کو باندھ لے خواہ یہ قیام رکوع سے پہلے ہو یا بعد میں ہو اور بعض احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ افضل یہ ہے کہ ہاتھوں کو سینہ پر باندھا جائے۔

مذکورہ احادیث پر عمل کے مطابق یہی قول مختار ہے۔ جو لوگ رکوع کے بعد ہاتھ چھوڑ دینے کے قائل ہیں، ان کے پاس اس مسئلہ میں کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔ ہم نے اس موضوع پر ایک مبسوط مقالہ لکھا ہے جو بعض مقامی اور غیر مقامی پرچوں میں شائع ہوا ہے، لیکن یاد رہے کہ ہاتھوں کو باندھنا یا چھوڑ دینا ان مسائل میں سے نہیں ہے کہ جن کی وجہ سے امت میں اختلاف اور دشمنی پیدا کی جائے بلکہ مسلمانوں کے لئے واجب ہے کہ وہ نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں، اللہ تعالیٰ کے لئے ایک دوسرے سے محبت کریں، آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ خیر خواہی کریں خواہ قبض وارسال جیسے فرعی مسائل میں اختلاف ہی کیوں نہ ہو کیونکہ ہاتھوں کو باندھنا سنت ہے، واجب نہیں ہے۔ جو شخص ہاتھوں کو باندھ کر نماز پڑھے یا چھوڑ کر، نماز صحیح ہے ہاں البتہ ہاتھوں کو باندھنا افضل اور مشروع ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کے قول و فعل کے مطابق ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی سے دعاء ہے کہ وہ ہمیں، آپ کو اور تمام مسلمانوں کو دین میں فقاہت اور ثابت قدمی عطا فرمائے اور ہم سب کو اپنے نفسوں کی شرارتوں، برے اعمال اور گمراہ کن فتنوں سے محفوظ رکھے۔ انہ سميع مجيب۔

شیخ ابن باز

غیر قبلہ رخ نماز

سوال جب ایک جماعت غیر قبلہ رخ نماز پڑھ لے جب کہ انہیں معلوم نہ ہو کہ قبلہ کس طرف ہے تو کیا نماز کو دوہرانا پڑے گا؟

جواب اگر یہ لوگ صحراء میں ہوں اور قبلہ کی جہت معلوم کرنے کے لئے کوشش کریں اور کوشش کے بعد اس طرف منہ کر کے نماز پڑھ لیں، جس کے بارے میں گمان ہو کہ قبلہ اس طرف ہے تو اس نماز کی قضاء نہیں ہوگی۔ اور اگر یہ لوگ شہر میں ہوں تو ان پر قضاء ہوگی کیونکہ ان کے لئے یہ ممکن تھا کہ گرد و پیش کے لوگوں سے قبلہ کی سمت کے بارے میں پوچھ

لیتے۔

شیخ ابن باز

نیت کے الفاظ زبان سے ادا کرنا

سوال

جواب

وضوء اور نماز کی نیت کے الفاظ کو زبان سے ادا کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟
اس کا حکم یہ ہے کہ یہ بدعت ہے کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ سے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں ہے لہذا اسے ترک کر دینا واجب ہے۔ نیت کا مقام دل ہے لہذا الفاظ کے ساتھ نیت کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔ واللہ ولی التوفیق

شیخ ابن باز

میں کیا کروں؟

سوال

جواب

اگر کچھ لوگ مسافر ہوں اور وہ مغرب و عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھیں اور ان میں ایک ایسا آدمی آکر شامل ہو جس کی پہلی نماز فوت ہو گئی ہو لیکن لوگ دوسری نماز پڑھ رہے ہوں اور اسے یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کون سی نماز پڑھ رہے ہیں تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟ کیا انتظار کرے حتیٰ کہ لوگ فارغ ہو جائیں اور پھر یہ ان سے پوچھے یا کیا کرے؟
صورت مذکورہ میں اگر سائل کو یہ معلوم ہو کہ وہ دوسری نماز پڑھ رہے ہیں اور اس دوسری نماز کے وقت کے ختم ہونے کا اندیشہ ہو تو وہ دوسری نماز ہی کی نیت کر کے ان لوگوں کے ساتھ شامل ہو جائے تاکہ اسے تو وقت پر ادا کر سکے اور اس سے فارغ ہو کر پھر پہلی نماز پڑھ لے اور اس طرح اس نے حسب استطاعت اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری کر لی اور اگر وہ پہلی نماز کی نیت کر کے داخل ہوا لیکن معلوم ہوا کہ یہ تو دوسری نماز پڑھ رہے ہیں تو اس کی یہ پہلی نماز ہی ہو گی۔ اگر وہ ایک رکعت پڑھ چکے ہیں تو یہ امام کے ساتھ دوسری رکعت پڑھے گا اور امام کے اتباع کی وجہ سے اس کے ساتھ تشدد میں بھی بیٹھے گا اور جب امام سلام پھیر دے گا تو یہ کھڑے ہو کر ایک رکعت اور پڑھے گا پھر پہلا تشدد بیٹھے گا، پھر تیسری رکعت پڑھے گا، پھر تشدد کے بعد سلام پھیر دے گا اور پھر نماز عشاء پڑھے گا۔

فتویٰ کمیٹی

نماز کی نیت کو زبان سے ادا کرنا بدعت ہے۔

سوال

جواب

نماز کی نیت کے الفاظ کو زبان سے جبراً ادا کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟
نیت کو الفاظ میں ادا کرنا بدعت ہے اور اگر یہ الفاظ جبری ہوں تو اور زیادہ گناہ ہے کیونکہ سنت یہ ہے کہ نماز کی نیت دل میں کی جائے کیونکہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ تو ظاہر و مخفی سب باتوں کو جانتا ہے اور اس کا ارشاد گرامی ہے:

﴿ قُلْ أَتَمَلِكُمُ اللَّهُ يَدِينِكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ﴾ (المحجرات ۴۹/۱۶)

”ان سے کہو کیا تم اللہ کو اپنی دین داری جتلاتے ہو اور اللہ تو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں سے واقف ہے۔“

نبی ﷺ سے نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے اور نہ ائمہ متبوعین میں کسی سے یہ ثابت ہے کہ زبان سے نیت کے الفاظ ادا کئے جائیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم شریعت نہیں ہے بلکہ یہ نواہی بجا بدعت ہے۔ واللہ ولی التوفیق

شیخ ابن باز

نماز میں بسم اللہ کو سری طور پر پڑھنا افضل ہے

سوال نماز میں سورہ فاتحہ یا دیگر سورہ کی قرأت کے موقع پر بسم اللہ کے جہری طور پر پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

سوال علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ بعض نے جہری پڑھنے کو مستحب قرار دیا ہے اور بعض نے اسے مکروہ قرار دیا ہے اور سری طور پر پڑھنے کو پسند کیا ہے۔ اس مسئلہ میں زیادہ راجح اور افضل یہی ہے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ:

«كَانَ النَّبِيُّ ﷺ، وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ لَا يَجْهَرُونَ بِبِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ» (سنن نسائی، کتاب

الافتتاح، باب ترك الجهر بيسم الله الرحمن الرحيم، ح: ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، وابن خزيمة، ۴۹۶، ۴۹۷)

”نبی ﷺ، حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم بسم اللہ الرحمن الرحیم کی قرأت جہراً نہیں فرمایا کرتے تھے۔“

اس مفہوم کی بہت سی احادیث ہیں۔ بعض احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ..... کو جہراً پڑھنا مستحب ہے لیکن یہ احادیث ضعیف ہیں۔ ہمارے علم میں کوئی ایک صحیح حدیث بھی ایسی نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ بسم اللہ کو جہری طور پر پڑھا جائے، لیکن اس مسئلہ میں کافی گنجائش اور سہولت ہے۔ پس اس میں جھگڑا جائز نہیں ہے لہذا اگر بعض اوقات امام اسے جہری پڑھ لے تاکہ مقتدیوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ امام اسے پڑھتا ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن افضل یہ ہے کہ اکثر و بیشتر صورتوں میں اسے آہستہ پڑھا جائے تاکہ عمل صحیح احادیث کے مطابق ہو۔

شیخ ابن باز

کعبہ کے اندر نماز

سوال کیا باہر کی نسبت کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کی زیادہ فضیلت ہے؟ اور انسان نے کعبہ کے اندر جو دیکھا ہو کیا اسے

لوگوں کے سامنے بیان کرنا جائز ہے؟

جواب کعبہ کے اندر نماز مستحب ہے بشرطیکہ وہاں تکلیف و مشقت اور لوگوں کو ایذا پہنچائے بغیر آسانی نماز پڑھنا ممکن

ہو۔ نبی کریم ﷺ نے بھی کعبہ کے اندر داخل ہو کر نماز ادا فرمائی تھی جیسا کہ ”صحیحین“ سے ثابت ہے۔^① آپ سے یہ بھی

① صحیح بخاری، کتاب الصلاة، باب قوله تعالى واتخذوا من مقام ابراهيم مصلی، ح: 397، 468، 504، 505، صحیح مسلم، کتاب

الحج، باب استحباب دخول الكعبة للحاج وغيره --- ح: 1329-

مردی ہے کہ آپ کعبہ سے باہر غمگین ہو کر نکلے اور فرمایا:

«إِنِّي أَحْسَى أَنْ أَكُونَ قَدْ شَقَقْتُ عَلَى أُمَّتِي» (سنن أبي داود، کتاب المناسک، باب فی دخول

الکعبة، ح: ۲۰۲۹)

”مجھے خدشہ ہے کہ شاید میں نے امت کو مشقت میں ڈال دیا ہے۔“

اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا:

«صَلِّي فِي الْحِجْرِ فَإِنَّهُ مِنَ الْبَيْتِ» (سنن أبي داود، کتاب المناسک، باب الصلاة في الحجر

ح: ۲۰۲۸، ومسند احمد ۶/۹۲)

”حجر میں نماز پڑھ لو، وہ بھی بیت اللہ ہی کا حصہ ہے۔“

اس سے معلوم ہوا کہ بیت اللہ کے اندر نماز پڑھنا مستحب ہے، قوت اور اطاعت ہے اور اس میں فضیلت بھی زیادہ ہے لیکن اس کے لئے مزاحمت نہیں ہونی چاہئے، نہ لوگوں کو کوئی ایذا پہنچائی جائے اور نہ ایسا اقدام کیا جائے، جس سے اپنے آپ کو یا لوگوں کو تکلیف ہو، اس فضیلت کے حصول کے لئے حجر میں نماز پڑھنا بھی کافی ہے کہ وہ بھی بیت اللہ کا حصہ ہے۔ بیت اللہ کے نقش و نگار یا اس کی چھت اور دیوار کے بارے میں لوگوں کے سامنے بیان کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں کہ میں نے وہاں یہ دیکھا ہے۔ سنت یہ ہے کہ بیت اللہ شریف کے اندر داخل ہو کر آدمی دو رکعت نماز ادا کرے، بیت اللہ کے نواح میں تکبیریں کہے اور آسانی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جو دعاء کرنا ممکن ہو وہ کرے خصوصاً جامع قسم کی دعاؤں کو پڑھے، نبی ﷺ بیت اللہ کے اندر داخل ہوئے تھے، آپ نے نماز پڑھی اور نواح میں تکبیریں کہیں اور پھر دعاء فرمائی اور یہ تمام امور نبی کریم ﷺ سے ثابت ہیں۔

شیخ ابن باز

نماز میں قرأت کے درمیان دعاء کا حکم

سوال میں نے بعض نمازیوں کو سنا ہے کہ وہ نماز میں قرأت کے دوران، قرأت کو قطع کر کے مناسب دعائیں کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ مثلاً جنت کے ذکر کے موقع پر وہ یہ دعاء کرتے ہیں: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ الْجَنَّةَ» اس طرح جہنم کے ذکر کے موقع پر وہ یہ دعاء کرتے ہیں: «اللَّهُمَّ اجْزِلْنِي مِنَ النَّارِ» تو کیا اس طرح کرنا شرعاً جائز ہے؟

جواب جو شخص بھی نماز کے اندر یا نماز سے باہر قرآن مجید کی تلاوت کرے اس کے لئے یہ مسنون ہے کہ جب وہ آیت رحمت کی تلاوت کرے تو اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرے، جب آیت عذاب کی تلاوت کرے تو اس سے جہنم کی آگ سے پناہ چاہے، جب اللہ تعالیٰ کی تزیہ کی آیت کی تلاوت کرے تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی تزیہہ بیان کرے اور اس موقع پر سبحانہ و تعالیٰ یا اس طرح کے دیگر کلمات کہ لے اور جو یہ پڑھے: «أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمَ الْحَاكِمِينَ» تو اس کے لئے مستحب ہے کہ یہ کہے «بَلَىٰ وَأَنَا عَلَىٰ ذَلِكَ مِنَ الشَّاهِدِينَ» جب یہ پڑھے «أَلَيْسَ ذَلِكَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ» تو کہے «بَلَىٰ أَشْهَدُ» جب یہ پڑھے «فَبِأَيِّ حَتِيئَةٍ بَعْدَهُ يَوْمُنُونَ» تو یہ کہے «أَمِنْتُ بِاللَّهِ» جب یہ پڑھے «فَبِأَيِّ

الاء رَبِّكُمَا تُكذِّبَانِ ﴿ تو یہ کہے ﴿لَا تُكذِّبُ بِشَيْئٍ مِنْ آيَاتِ رَبِّتَا﴾ اور جب یہ پڑھے ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ تو کہے ﴿سُبْحَانَ رَبِّي الْأَعْلَى﴾

یہ کلمات امام، مقتدی اور منفرد سب کے لئے کہنا مستحب ہے کیونکہ یہ دعاء ہیں اور دعاء آمین کی طرح سب سے مطلوب ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص نماز سے باہر ان آیات کی قرأت کرتا ہے تو پھر بھی اس کے لئے یہی حکم ہے۔

شیخ ابن باز

نماز میں ہاتھ باندھنے کی جگہ

سوال کیا نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں پر سینے پر باندھنا نبی کریم ﷺ کا فعل ہے یا نہیں؟

جواب سنت یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کے کچھ حصہ پر، کلائی پر اور کچھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر سینہ پر باندھ لیا جائے اور قیام میں قرأت کے دوران انہیں اسی طرح رکھا جائے۔ رکوع سے سر اٹھانے کے بعد سے لے کر سجدہ میں جانے تک بھی انہیں اسی طرح باندھا جائے، یہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت و عملی سنت ہے۔^① (وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم)

فتویٰ کمیٹی

نمازی کے سترہ کی حدود

سوال کیا مسجدوں میں موجود قالینوں اور دریوں وغیرہ کے کناروں کو نمازی کے لئے سترہ قرار دیا جاسکتا ہے؟

جواب قالینوں اور دریوں وغیرہ کے کناروں کو نمازی کے لئے سترہ قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ سنت یہ ہے کہ سترہ پالان کی کیلی (پچھلی کٹڑی) کے مانند کوئی کھڑی چیز ہو یا اس سے کوئی اونچی چیز مثلاً دیوار، ستون اور کرسی وغیرہ بھی سترہ ہو سکتی ہے۔ اگر اس طرح کی کوئی چیز باس موجود نہ ہو تو امام یا منفرد ہونے کی صورت میں اپنے سامنے عصا وغیرہ کو گاڑ لے۔ مقتدی کے لئے امام کا سترہ ہی کافی ہو گا۔ اور اگر کسی ایسی جگہ نماز پڑھ رہا ہو جہاں سترہ کے لئے کوئی بھی چیز موجود نہ ہو تو پھر زمین پر خط کھینچ لے۔

اس مسئلہ میں اصل نبی ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ:

«إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيُصَلِّ إِلَى سُنْتَرَةٍ وَلْيَدْنُ مِنْهَا» (سنن ابی داود، کتاب الصلاة، باب ما یؤمر

المصلي أن یدرأ عن الممر بین یدیه، ح: 698)

”جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اسے چاہئے کہ سترہ کی طرف نماز پڑھے اور سترہ سے قریب ہو کر کھڑا ہو۔“

① سینے پر ہاتھ باندھنے کی بے شمار احادیث ہیں: صحیح ابن خزیمہ، 1/243، ح: 479۔ اسے امام ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے مسند احمد، 226/5۔ حافظ ابن عبد البر اور علامہ عظیم آبادی نے اسے صحیح کہا ہے۔ نسائی، کتاب الافتتاح، باب فی اللام اذاری الریل، ح: 490۔ اسے ابن حبان اور ابن خزیمہ نے صحیح کہا ہے۔

اس حدیث کو امام ابو داؤد رحمہ اللہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔
آپ کا دوسرا ارشاد یہ ہے کہ:

«يَقْطَعُ صَلَاةَ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ إِذَا لَمْ يَكُنْ بَيْنَ يَدَيْهِ مِثْلُ مُؤَخَّرَةِ الرَّحْلِ: الْمَرْأَةُ وَالْحِمَارُ وَالْكَلْبُ الْأَسْوَدُ» (صحیح مسلم، کتاب الصلوة، باب قدر ما یستر المصلی، ح: ۵۱۰، وسنن ابی داؤد، کتاب الصلوة، باب ما یقطع الصلوة، ح: ۷۰۲، ومسند احمد، ۱/۲۴۷، ۳۴۷)

”عورت، گدھے اور کالے کتے کے (نمازی کے) آگے سے گزرنے سے مسلمان آدمی کی نماز ٹوٹ جاتی ہے“
جب اس کے سامنے پالان کی کیلی کی طرح (سترہ) نہ ہو۔“

اسی طرح آپ کا ایک اور ارشاد گرامی یہ بھی ہے کہ:

«إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَجْعَلْ تَلْقَاءَ وَجْهِهِ شَيْئًا، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيَنْصِبْ عَصًا، فَإِنْ لَمْ يَجِدْ فَلْيَخُطْ خَطًّا ثُمَّ لَا يَضْرِبْهُ مِنْ مَرٍّ بَيْنَ يَدَيْهِ» (سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوات، باب ما یستر المصلی، ح: ۹۴۳، وصحہ ابن حبان)

”جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو وہ اپنے چہرے کے سامنے کوئی چیز رکھ لے، اگر کوئی چیز نہ پائے تو عصا گاڑ لے، اگر عصا بھی نہ ہو تو خط کھینچ لے تو پھر آگے سے گزرنے والی کوئی چیز بھی نقصان نہ دے گی۔“

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ”بلوغ المرام“ میں لکھا ہے کہ اس حدیث کو مضطرب قرار دینے والے کی بات درست نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث حسن ہے۔ واللہ ولی التوفیق

شیخ ابن باز

نماز میں جمائی لینا

سوال جمائی تو اگرچہ نماز میں بھی آسکتی ہے اور غیر نماز میں بھی لیکن یہاں سوال یہ ہے کہ اگر جمائی نماز میں آئے تو کیا اس وقت بھی یہ واجب ہے کہ نمازی ((اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم)) پڑھ کر منہ پر ہاتھ رکھ لے یا اس حالت میں نمازی کیا کرے؟

جواب جب کوئی شخص جمائی لے خواہ وہ حالت نماز میں ہو یا کسی اور حالت میں تو اسے چاہئے کہ مقدور بھر منہ کو بند کر لے۔ اگر جمائی کا غلبہ ہو تو منہ پر ہاتھ رکھ لے کیونکہ جمائی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے اور وہ اس سے ہنستا ہے اور روایت کیا گیا ہے کہ اگر آدمی جمائی کے وقت منہ بند نہ کرے اور اس پر ہاتھ نہ رکھے تو شیطان انسان کے منہ کے اندر داخل ہو جاتا ہے۔^①

شیخ ابن جبرین

① صحیح مسلم، کتاب الزہد، باب تشمیت العاطس و کراہۃ التناؤب، ح: 2995، وسنن ابی داؤد، باب فی التناؤب، ح: 5026، وسنن ترمذی، کتاب الصلوة، باب ماجاء فی کراہیۃ التناؤب فی الصلوة، ح: 370

نماز کے بعد کے اذکار

نماز کے بعد ایک ہی آواز کے ساتھ اجتماعی دعا

سوال ہماری بستی میں دو جماعتیں ہیں، جن میں سے ہر ایک راہ صواب پر ہونے کی مدعی ہے، ان میں سے ایک جماعت نماز ختم ہونے کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی طور پر یوں دعا کرتی ہے کہ:

«اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَيَّ مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَرَسُولِكَ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ وَسَلَّمَ
تَسْلِيمًا»

اور اس طرح ایک اور دعا بھی پڑھتے ہیں، جسے دعا فاتح کہا جاتا ہے جب کہ دوسری جماعت یہ کہتی ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد ہم اس طرح نہیں کریں گے جس طرح پہلی جماعت نے کیا ہے۔ اس سلسلہ میں ہم جب پہلی جماعت سے پوچھتے ہیں تو وہ کہتی ہے کہ یہ اجتماعی دعا کمال نماز ہے اور یہ دعا ہی تو ہے، اس میں سوائے خیر و بھلائی کے اور کچھ نہیں لیکن دوسری جماعت اس کے بارے میں یہ کہتی ہے کہ یہ بدعت ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت نہیں ہے اور یہ جماعت نبی ﷺ کے ارشاد ((مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَهْرُنَا فَهُوَ زِدٌّ)) سے بھی اپنے موقف کی تائید میں استدلال کرتی ہے۔۔۔ ہم نوجوان پریشان ہیں اور ہم نہیں جانتے کہ ان میں سے کون سی جماعت راہ راست پر ہے، لہذا آپ سے اے برادران! مطالبہ یہ ہے کہ واضح فرمائیں کہ ان میں سے کون سی جماعت راہ راست پر ہے؟

جواب امام کے سلام پھیرنے کے بعد ایک ہی آواز میں اجتماعی دعا کے بارے میں ہمیں کوئی ایسی دلیل معلوم نہیں جو اس کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہو۔ اس سلسلہ میں بحوث العلمیہ والافتاء کی فتویٰ کمیٹی کی طرف سے پہلے ایک فتویٰ صادر ہو چکا ہے جو کہ حسب ذیل ہے:

”فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا سنت نہیں ہے خواہ اکیلا امام دعا کرے یا مقتدی یا دونوں مل کر بلکہ یہ بدعت ہے کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے نہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے۔ ہاتھ اٹھائے بغیر دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ بعض احادیث میں اس کا ذکر موجود ہے۔ وباللہ التوفیق۔“ ((وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

فتویٰ کمیٹی

سنن رواتب اور فرائض کے بعد جبری طور پر دعا کرنا

سوال بعض لوگ نماز کے بعد جبری طور پر دعا کرتے ہیں اور اکثر بلند آواز سے بڑے ترنم کے ساتھ دعا کرتے ہیں اور جو اس طرح دعا نہ کرے اسے کافر قرار دیتے ہیں، اسی طرح سنن رواتب کے بعد بھی اسی طرح اجتماعی طور پر ہمیشہ باقاعدگی سے دعا کرتے اور اسے حکم شریعت قرار دیتے ہیں، بعض دفعہ ہاتھ اٹھا کر دعائیہ کلمات کو دو دو، تین تین بار

دوہراتے ہیں اور اس عمل کو اہل سنت کے شعار میں سے قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو اس کی مخالفت کرے، وہ اہل سنت میں سے نہیں ہے، براہ کرم دلیل سے واضح فرمائیں کہ شریعت بیضاء کا اس مسئلہ میں کیا حکم ہے؟

جواب نماز بچکانہ اور سنن رواتب کے بعد اس طرح اجتماعی طور پر باقاعدگی کے ساتھ بلند آواز میں دعاء کرنا بدعت منکرہ ہے کیونکہ اس طرح دعاء نہ تو نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے اور نہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے اور جو شخص فرض نمازوں یا سنن راتبہ کے بعد اجتماعی طور پر دعاء کرے، وہ اہلسنت وجماعت کا مخالف ہے اور اس اجتماعی دعاء کی مخالفت کرنے والے اور اس طرح دعاء نہ کرنے والے کو کافر کہنا یا یہ کہنا کہ یہ اہل سنت وجماعت میں سے نہیں ہے، جہالت، ضلالت اور حقائق کو مسح کرنا ہے۔

فتویٰ کمیٹی

فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا

سوال کیا رسول اللہ ﷺ سے فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا ثابت ہے؟ مجھے علماء نے بتایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرض نمازوں کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء نہیں کیا کرتے تھے؟

جواب نبی کریم ﷺ سے نماز فرض کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا ثابت نہیں ہے اور ہماری معلومات کے مطابق حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بھی کسی سے یہ ثابت نہیں ہے۔ فرض نمازوں کے بعد لوگ جو ہاتھ اٹھا کر دعاء کرتے ہیں تو یہ بدعت ہے کیونکہ اس کا کوئی اصل نہیں اور نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ» (صحیح مسلم، کتاب الاقضیة، باب نقض الاحکام

الباطلة...، ح: ۱۷۱۸)

”جس نے کوئی ایسا عمل کیا کہ جس کے بارے میں ہمارا امر نہیں ہے، تو وہ مردود ہے۔“

اسی طرح نبی ﷺ کا یہ بھی ارشاد گرامی ہے کہ:

«مَنْ أَحَدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ» (صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا علی صلح...، ح: ۲۶۹۷، صحیح مسلم، کتاب الاقضیة، باب نقض الاحکام...،

ح: ۱۷۱۸)

”جس نے ہمارے اس امر (دین) میں کوئی نئی بات ایجاد کر لی جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔“

شیخ ابن باز

دامیں ہاتھ پر تسبیح پڑھنا افضل ہے

سوال کیا تسبیح دامیں ہاتھ پر پڑھنا افضل ہے یا بائیں ہاتھ پر؟

جواب افضل یہ ہے کہ تسبیح دامیں ہاتھ پر پڑھی جائے کیونکہ حدیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ دائیں ہاتھ سے تسبیح پڑھا کرتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی اس حدیث کے عموم سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو

یہ بات پسند تھی کہ جو تا پہننے، کنگھی کرنے، وضو کرنے اور دیگر تمام امور میں دائیں طرف سے شروع کریں۔ اس سلسلہ میں وارد احادیث کے پیش نظر دونوں ہاتھوں پر تسبیح پڑھنا بھی جائز ہے۔

فتویٰ کمیٹی

صرف دائیں ہاتھ پر تسبیح پڑھنا

سوال ایک نوجوان نے ہمیں نماز پڑھائی اور نماز کے بعد اس نے صرف دائیں ہاتھ پر تسبیح کو پڑھنا شروع کیا تو بعض نمازیوں نے اس پر اعتراض کیا اور نوجوان سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ یہ سنت ہے۔ امید ہے آپ رہنمائی فرمائیں گے کیا اس نوجوان کی یہ بات صحیح ہے؟

جواب اس امام نے جو کیا وہ درست ہے کیونکہ حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ دائیں ہاتھ پر تسبیح پڑھتے تھے اور جو شخص دونوں ہاتھوں پر تسبیح پڑھے تو اکثر احادیث کے اطلاق کے پیش نظر اس میں کوئی حرج نہیں لیکن دائیں ہاتھ پر تسبیح پڑھنا افضل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کی سنت سے یہی ثابت ہے۔ واللہ ولی التوفیق

شیخ ابن باز

فرض نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر درست ہے

سوال فرض نمازوں کے بعد تسبیح کے جبری یا سری پڑھنے کے بارے میں ہمارے ہاں بہت جھگڑا ہے لہذا امید ہے کہ اس موضوع کے درج ذیل پہلوؤں کے بارے میں رہنمائی فرمائیں گے:

- ① تسبیح جبری طور پر پڑھنا افضل ہے یا سری طور پر؟
- ② اگر جبری طور پر پڑھنے سے ان لوگوں کی نماز میں خلل پڑتا ہو، جن کی کچھ نماز جماعت سے رہ گئی ہو تو اس کا کیا حل ہے؟
- ③ اس قسم کے مسائل کے بارے میں جھگڑا کرنے والوں کے لئے خصوصاً جو مسجدوں میں جھگڑتے ہوں، آپ کی کیا نصیحت ہے؟

جواب صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث سے ثابت ہے کہ:

«أَنَّ رَعِيَ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ حِينَ يَنْصَرِفُ النَّاسُ مِنَ الْمَكْتُوبَةِ كَانَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا: كُنْتُ أَعْلَمُ إِذَا انْصَرَفُوا بِذَلِكَ إِذَا سَمِعْتَهُ» (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب الذکر بعد الصلوة، ح: ۸۴۱، وصحیح مسلم، کتاب المساجد، باب الذکر بعد الصلوة، ح: ۵۸۳)

”رسول اللہ ﷺ کے عہد میں لوگ جب فرض نماز سے فارغ ہوتے تو بلند آواز سے ذکر کرتے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ لوگوں کی اس بلند آواز کو سن کر ہی مجھے معلوم ہوتا کہ وہ نماز سے فارغ ہو گئے ہیں۔“ یہ حدیث صحیح ہے اور اسی طرح وہ احادیث جو اس کے ہم معنی ہیں اور ابن زبیر، مغیرہ بن شعبہ اور دیگر صحابہ کرام

ﷺ سے مروی ہیں، وہ سب بھی اس بات پر دلالت کناں ہیں کہ فرض نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس قدر بلند آواز سے ذکر مشروع ہے، جسے وہ لوگ بھی سن لیں، جو مسجد کے دروازے کے پاس یا اگر دو پیش ہوں اور انہیں معلوم ہو جائے کہ نماز مکمل ہو گئی ہے اور جس شخص کے پاس کوئی نماز پڑھ رہا ہو، اسے چاہئے کہ وہ نسبتاً ذرا کم آواز سے ذکر کرے تاکہ اس کی نماز میں خلل نہ پڑے، اس کے لئے افضل یہی ہے تاکہ اس سلسلہ کی دیگر احادیث پر بھی عمل ہو جائے۔ فرض نماز سے فراغت کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنے کے بہت فائدے ہیں مثلاً اس میں اللہ تعالیٰ کے لئے ثناء کا اظہار ہے کہ اس نے احسان فرمایا کہ اس عظیم فرض کے ادا کرنے کی توفیق بخشی۔ اس میں جلال کے لئے تعلیم اور بھولنے والے کے لئے تذکرہ کا سامان بھی ہے اور اگر اس طرح بلند آواز سے ذکر نہ کیا جاتا تو یہ سنت بہت سے لوگوں سے مخفی رہ جاتی۔ واللہ دلی التوفیق

— شیخ ابن باز —

نمازوں کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا سنت ہے

سوال نماز کے بعد بلند آواز سے استغفار اور ذکر کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے اور یہ معلوم ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنے میں دوسروں کے لئے دشواری ہے اور ان کے لئے خشوع کے ساتھ تسبیح و ذکر کرنا مشکل ہو جاتا ہے نیز جو شخص نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے لئے خشوع اور خضوع کے ساتھ نماز پڑھنا بھی مشکل ہو جاتا ہے؟

جواب سنت یہ ہے کہ فرض نمازوں کے بعد ذکر کو اس طرح بلند آواز سے کیا جائے، جس طرح رسول اللہ ﷺ اس موقع پر ذکر بلند آواز سے فرمایا کرتے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ:

«كَانَ رَفَعُ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ حِينَ يَنْصَرِفُ النَّاسُ مِنَ الْمَكْتُوبَةِ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ» (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب الذکر بعد الصلاة، ح: ۸۴۱، وصحیح مسلم، کتاب المساجد،

باب الذکر بعد الصلاة، ح: ۵۸۳)

”نبی کریم ﷺ کے عہد میں یہ معمول تھا کہ فرض نماز سے سلام پھیرنے کے بعد لوگ بلند آواز سے ذکر کرتے تھے۔“

اگر سب لوگ اس موقع پر بلند آواز سے ذکر کریں تو اس سے کچھ لوگوں کے ذکر میں خلل نہیں آئے گا بلکہ خلل اس وقت آئے گا جب کچھ لوگ بلند آواز سے ذکر کریں اور کچھ آہستہ آواز سے کیونکہ اس موقع پر آہستہ ذکر کرنے والے کو تشویش ہوگی اور اگر وہ بھی دوسروں کی طرح بلند آواز سے ذکر کرے تو اسے بھی کوئی تشویش نہ ہوگی۔ جو لوگ اپنی باقی نماز کے ادا کرنے میں مصروف ہیں تو ان کے لئے یہ تشویش خود ان کی اپنی وجہ سے ہے۔ اگر وہ بھی نماز کے لئے پہلے آتے، ساری نماز باجماعت ادا کرتے تو انہیں بھی کوئی تشویش میں مبتلا نہ کرتا اور جیسا کہ میں نے کہا اگر تمام آوازیں مخلط ہوں تو اس سے تشویش نہ ہوگی حتیٰ کہ ان لوگوں کو بھی نہ ہوگی جو اپنی نماز پوری کر رہے ہوں جیسا کہ جمعہ کے دن سب لوگ مسجد میں بلند آواز سے قرآن مجید پڑھ رہے ہوتے ہیں اور نمازی آتے ہیں تو وہ اپنی نماز شروع کر دیتے ہیں اور اس طرح انہیں کوئی تشویش نہیں ہوتی۔

— شیخ ابن عثیمین —

فرض نمازوں کے بعد سلام و مصافحہ

سوال ہر فرض نماز کے بعد ہمیشہ امام اور دائیں بائیں بیٹھے ہوئے لوگوں سے سلام اور مصافحہ کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب نماز پجگانہ کے بعد ہمیشہ امام سے اور دائیں بائیں بیٹھے ہوئے لوگوں سے سلام اور مصافحہ کرنا بدعت ہے کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ، خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں ہے، اگر ثابت ہوتا تو یہ منقول ہو کر ہم تک ضرور پہنچا کیونکہ نماز تو روزانہ پانچ وقت ادا ہوتی ہے اور اس طرح نماز پجگانہ کے بعد ہونے والا یہ عمل مسلمانوں سے مخفی نہ رہ سکتا تھا۔ نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«مَنْ أَحَدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ» (صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا علی صلح ...، ح: ۲۶۹۷، وصحیح مسلم، کتاب الاقضیہ، باب نقض الاحکام ...، ح: ۱۷۱۸)

”جو شخص ہمارے اس امر (دین) میں کوئی ایسی نئی بات ایجاد کرے جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔“

نیز فرمایا:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ» (صحیح مسلم، کتاب الاقضیہ، باب نقض الاحکام الباطلة ...، ح: ۱۷۱۸)

”جو کوئی ایسا عمل کرے جو ہمارے امر کے مطابق نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔“

فتویٰ کمیٹی

نماز میں سہو

جب چار رکعتوں والی نماز میں امام کو شک ہو کہ تین رکعات پڑھی ہیں یا چار؟

سوال جب امام کو رباعی (چار رکعتوں والی) نماز میں شک ہو کہ اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار اور سلام پھیر دے، سلام کے بعد بعض مقتدی اسے یہ بتائیں کہ آپ نے تین رکعات پڑھی ہیں تو اس حالت میں جو تھی رکعت کے لئے کیا امام کو تکبیر تحریمہ کہنی ہوگی یا صرف کھڑا ہو کر تکبیر کہے بغیر سورۃ فاتحہ شروع کر دے؟ اس صورت میں سجدہ سہو کب کرے سلام سے پہلے یا بعد میں؟ امید ہے رہنمائی فرمائیں گے۔ وفقکم اللہ

جواب جب امام یا منفرد کو رباعی نماز میں شک ہو کہ اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار تو اسے چاہیے کہ وہ یقین پر رہنا کرے اور یقینی صورت یہ ہے کہ وہ اسے تین رکعات شمار کرے اور پھر جو تھی رکعت پڑھ کر سلام پھیرنے سے پہلے سجدہ سہو کرے جیسا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلَمْ يَذَرْ كَمَّ صَلَّى ثَلَاثًا أَمْ أَرْبَعًا فَلْيَطْرَحِ الشَّكَّ وَنَيْبِنَ عَلَى الْيَقِينِ، ثُمَّ يَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ، فَإِنْ كَانَ صَلَّى خَمْسًا شَفَعْنَ لَهُ صَلَاتَهُ وَإِنْ كَانَ صَلَّى إِتْمَامًا لِأَرْبَعٍ كَانَتْكَ تَرْغِيمًا لِلشَّيْطَانِ» (صحیح مسلم، کتاب المساجد،

باب السهو في الصلاة والسجود له، ح: ۵۷۱)

”جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار تو وہ شک کو دور کر دے اور یقین پر بنا کرے اور پھر سلام سے قبل دو سجدے کرے۔ اگر اس نے پانچ رکعات پڑھ لی ہیں تو یہ سجدے اس کی نماز کو جفت بنا دیں گے اور اگر اس نے نماز پوری پڑھی ہے تو یہ شیطان کے لئے موجب رسوائی ہوں گے۔“

اگر کوئی شخص تین رکعات پڑھ کر سلام پھیر دے اور پھر اسے متنبہ کیا جائے تو وہ تکبیر کے بغیر نماز کی نیت سے کھڑا ہو کر چوتھی رکعت پڑھے، پھر بیٹھ کر تشہد پڑھے، تشہد، نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی پر درود اور دعاء کے بعد سلام پھیر دے، پھر سو کے دو سجدے کرے اور پھر سلام پھیر دے، ہر مسلمان کے حق میں یہی طریقہ افضل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے ظہر یا عصر کی نماز میں دو رکعات کے بعد سلام پھیر دیا اور سلام کے بعد جب ذوالیدین نے اس بارے میں عرض کیا تو آپ نے کھڑے ہو کر نماز کو مکمل کیا پھر سلام پھیر دیا پھر سو کے دو سجدے کئے اور پھر سلام پھیر دیا۔^① اسی طرح حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے ایک بار نماز عصر میں تین رکعات کے بعد سلام پھیر دیا، سلام کے بعد جب آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا تو آپ نے چوتھی رکعت پڑھائی پھر سلام پھیر دیا، پھر سو کے دو سجدے کئے اور پھر سلام پھیر دیا۔^②

شیخ ابن باز

جس نے یہ سمجھتے ہوئے سجدہ کیا کہ امام سجدہ سو کر رہا ہے

﴿سوال﴾ ہم نماز مغرب باجماعت ادا کر رہے تھے کہ تیسری رکعت میں آخری تشہد کے بعد امام نے اللہ اکبر کہا تاکہ ایک رکعت اور پڑھائے لیکن بعض نمازیوں کو یہ علم نہ ہو سکا کہ امام کھڑا ہو رہا ہے اور انہوں نے یہ سمجھتے ہوئے کہ امام نے سجدہ سو کے لئے اللہ اکبر کہا ہے، سجدہ کر لیا لیکن انہوں نے جب سجدہ سے سر اٹھایا تو دیکھا کہ امام سبحان اللہ سننے کی وجہ سے بیٹھ رہا ہے، اس وجہ سے امام نے سو کے دو سجدے بھی کئے بعض مقتدیوں کے تین سجدے ہو گئے تو اس حالت میں نماز کا کیا حکم ہے؟

﴿جواب﴾ جس شخص نے یہ سمجھتے ہوئے سجدہ کر لیا کہ امام سجدہ سو کر رہا ہے، کوئی حرج نہیں، اس کی نماز صحیح ہے کیونکہ اس نے جان بوجھ کر نماز میں اضافہ نہیں کیا بلکہ اس نے اپنے اعتقاد کے مطابق امام کی متابعت ہی میں یہ سجدہ کیا ہے۔

شیخ ابن باز

① صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب السهو في الصلاة والسجود له، ح: 573-

② صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب السهو في الصلاة، ح: 574-

نمازی کو جب سورہ فاتحہ کے پڑھنے کے بارے میں شک ہو

سوال نماز کے دوران میں یہ بھول جاتا ہوں کہ میں نے سورہ فاتحہ پڑھی ہے یا نہیں تو کیا اس وجہ سے سجدہ سہو کرنا ہو گا؟ سجدہ سہو میں کیا پڑھنا چاہئے؟ اور جب ظن غالب یہ ہو کہ سورہ فاتحہ پڑھی ہے تو کیا پھر بھی سجدہ سہو کیا جائے؟

جواب جب نماز پڑھنے والے منفرد یا امام کو سورہ فاتحہ کے پڑھنے کے بارے میں شک ہو تو وہ رکوع کرنے سے قبل سورہ فاتحہ پڑھ لے اور اس کی وجہ سے سجدہ سہو کی ضرورت نہیں ہے اور اگر نماز سے فراغت کے بعد شک پیدا ہو تو یہ ناقابل التفات ہے۔ نماز صحیح ہوگی۔ سجدہ سہو میں بھی وہی پڑھا جاتا ہے جو نماز کے عام سجدوں میں پڑھا جاتا ہے۔ مثلاً ((سبحان ربی الاعلیٰ)) اور اس قسم کے دیگر کلمات!

شیخ ابن باز

نماز میں وسوسے اور شکوک

سوال مجھے نماز کی رکعات کی تعداد میں بہت شک رہتا ہے حالانکہ میں نماز بلند آواز سے پڑھتی ہوں تاکہ جو پڑھا ہے اسے یاد رکھ سکوں لیکن پھر بھی شک رہتا ہے اور جب نماز سے فارغ ہوتی ہوں تو یوں محسوس کرتی ہوں جیسے کوئی رکعت یا سجدہ یا تشہد بھول گئی ہوں حالانکہ میں بہت کوشش کرتی ہوں کہ شک سے بچوں لیکن بے سود۔ امید ہے آپ رہنمائی فرمائیں گے کہ میں شک سے کس طرح بچ سکتی ہوں؟ کیا شک کی وجہ سے نماز کو دوہرانا واجب ہے؟ کیا کوئی ایسی دعاء ہے جسے نماز کے شروع میں ازالہ شک کے لئے پڑھ لیا کروں؟

جواب وسوسوں کے خلاف جنگ کرنا ان سے بچنا اور کثرت سے ((اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم)) پڑھنا واجب ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴿١﴾ مَلِكِ النَّاسِ ﴿٢﴾ إِلَهِ النَّاسِ ﴿٣﴾ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ﴿٤﴾ ﴾ (الناس ۱/۱۱۴-۱۱۵)

”کہہ دیجئے (اے پیغمبر!) کہ میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔ (یعنی) لوگوں کے حقیقی بادشاہ کی۔ لوگوں کے معبود برحق کی۔ وسوسہ ڈالنے والے (شیطان) کی برائی سے جو اللہ کا نام سن کر پیچھے ہٹ جاتا ہے۔“

نیز فرمایا:

﴿ وَإِنَّمَا يَنْزَعَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴾ (الأعراف ۷/۲۰۰)

”اور اگر شیطان کی طرف سے تمہارے دل میں کسی طرح کا وسوسہ پیدا ہو تو اللہ سے پناہ مانگو۔ بے شک وہ سننے والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔“

جب نماز یا وضوء سے فارغ ہونے کے بعد شک پیدا ہو تو اس شک کو جھٹک دیجئے، اس سے اعراض کیجئے، اس کی طرف التفات نہ کیجئے اور اعتماد کیجئے کہ نماز اور وضوء صحیح ہے اور اگر نماز کے اندر یہ شک ہو کہ معلوم نہیں آپ نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار تو انہیں تین قرار دے کر نماز مکمل کر لو اور سلام سے قبل سو کے دو سجدے کر لو کیونکہ جس

شخص کو اس طرح کا شک لاحق ہو اسے نبی کریم ﷺ نے اسی طرح کرنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو شیطان سے محفوظ رکھے۔

شیخ ابن باز

جب مقتدی کو یہ شک ہو کہ اس نے التیمات پڑھا ہے یا نہیں!

سوال امام کے سلام پھیر دینے کے بعد مجھے یہ شک گزرا کہ میں نے التیمات پڑھا ہے یا نہیں تو اس حالت میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟

جواب عبادت کے بعد لاحق ہونے والے شک کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ عام طور پر انسان نماز کے واجبات و ارکان کو ان کے مقام پر ادا کرتا ہی ہے۔ جب نماز کے دوران شک ہو تو یقین پر بنا کرتے ہوئے عبادت کے لئے محتاط طریقہ اختیار کیا جائے گا لیکن فراغت کے بعد لاحق ہونے والا شک ناقابل التفات ہو گا۔

شیخ ابن جبرین

سجدہ سمو کب کیا جائے؟

سوال جب انسان نماز پڑھتے ہوئے یہ بھول جائے کہ اس نے کتنی رکعات پڑھی ہیں تو اس صورت میں اسے کیا کرنا چاہئے؟

جواب اسے چاہئے کہ وہ یقین پر بنا کرے اور ظاہر ہے کہ کم تعداد یقینی ہوگی اور باقی نماز کو پورا کرے اور سلام سے قبل سمو کے دو سجدے کرے کیونکہ صحیح حدیث میں نبی ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ:

«إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاتِهِ فَلَمْ يَدْرَ كَمْ صَلَّى؟ ثَلَاثًا أَمْ أَرْبَعًا فَلْيَطْرَحِ الشَّكَّ وَلْيَبْنِ عَلَيَّ مَا اسْتَيْقَنَ، ثُمَّ يَسْجُدْ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ، فَإِنْ كَانَ صَلَّى خَمْسًا شَفَعْنِي لَهُ صَلَاتُهُ وَإِنْ كَانَ صَلَّى إِتْمَامًا لِأَرْبَعٍ تَمَامًا! كَانَتْ تَرْغِيمًا لِلشَّيْطَانِ» (صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب السهو في الصلاة والسجود له، ح: ۵۷۱)

”جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو کہ معلوم نہیں اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار تو اسے چاہئے کہ شک کو جھٹک دے، یقین پر بنا کرے اور پھر سلام سے قبل سمو کے دو سجدے کرے، اگر اس نے پانچ رکعات پڑھی ہیں تو ان دو سجدوں کی وجہ سے وہ جنت ہو جائیں گی اور اگر اس نے نماز پوری پڑھی ہے تو یہ دو سجدے شیطان کے لئے موجب رسوائی ہوں گے۔“

شیخ ابن باز

سنت یہ ہے کہ امام کو سبحان اللہ کہہ کر یاد دلایا جائے

سوال میں نے امام کے پیچھے نماز عصر پڑھی۔ امام نے آخری تشہد کو ترک کر دیا اور پانچویں رکعت کے لئے اٹھ کھڑا

ہوا۔ انہیں ”الحمد للہ“ کہہ کر متنبہ کیا گیا لیکن وہ بدستور جاری رہے حتیٰ کہ تشہد کے بعد انہوں نے سلام پھیر دیا، لیکن اکثر نمازیوں نے امام کی اقتداء نہ کی اور سلام کا انتظار کیا اور جب امام نے سلام پھیرا تو انہوں نے امام کے ساتھ سلام پھیر دیا، پھر امام کو یاد دلایا گیا تو انہوں نے سجدہ سہو کر لیا۔ سوال یہ ہے کہ امام کے بھولنے پر ہمارے ”الحمد للہ“ کہنے اور ان کے ساتھ نہ اٹھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ امید ہے کہ مستفید فرمائیں گے۔

جواب جب امام زائد رکعت کے لئے کھڑا ہونے لگے یا نہ بیٹھنے کی جگہ بیٹھنے لگ جائے، تو سنت یہ ہے کہ انہیں ”سبحان اللہ“ کہہ کر متنبہ کیا جائے کیونکہ سنت سے یہی ثابت ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا نَابَكُمْ شَيْءٌ فِي صَلَاتِكُمْ فَلْيَسْبِحِ الرَّجَالَ وَلْتَتَصَفَّقِ النِّسَاءُ» (صحیح بخاری، کتاب العمل فی الصلاة، باب رفع الايدي في الصلاة لأمر ينزل به، ۱۲۱۸، ۷۱۹۰ و صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب تقديم الجماعة من يصلي بهم إذا تأخر الامام: ۴۲۱)

”جب تمہیں نماز میں کوئی چیز پیش آئے تو مردوں کو ”سبحان اللہ“ کہنا چاہئے اور عورتوں کو تالی بجانا چاہئے۔“ لوگوں میں بھی یہی بات معروف ہے اور اس موقع پر الحمد للہ کہنا معروف نہیں ہے۔ مقتدی پر واجب ہے کہ وہ کسی بیشی میں امام کی متابعت نہ کرے بلکہ امام اگر نماز میں اضافہ کر رہا ہو تو مقتدی کو چاہئے کہ بیٹھا رہے اور امام جب سجدہ سہو کر کے سلام پھیر دے تو یہ بھی امام کے ساتھ سلام پھیر دے۔ اگر امام کی نماز میں کمی ہو گئی ہو تو مقتدی کھڑا ہو کر نماز کو مکمل کر لے بشرطیکہ اسے یقین ہو کہ امام بھول گیا ہے۔ لہذا اسے چاہئے کہ اپنی نماز کو مکمل کر لے۔ جو شخص زائد رکعت میں امام کے ساتھ ہی کھڑا ہو جائے اور اسے یہ معلوم نہ ہو کہ امام زائد رکعت پڑھ رہا ہے یا اسے حکم شرعی کا علم نہ ہو تو اس کی نماز صحیح ہوگی۔ اسی طرح نماز میں کمی کی صورت میں جو شخص امام کے ساتھ بیٹھ جائے کہ اسے علم نہ ہو کہ امام نے کم نماز پڑھی ہے یا اسے حکم شرعی کا علم نہ ہو تو اس کی نماز صحیح ہوگی۔ اور جب وہ قریبی وقت میں معلوم کرے یا اسے کوئی یاد دلائے کہ اس نے نماز کو مکمل نہیں پڑھا تو اسے چاہئے کہ ساری نماز کو دوہرائے۔ اسی طرح امام جب بھول جائے اور نماز ابھی باقی ہو لیکن اس نے اپنی بات پر اصرار کیا اور پھر سلام کے بعد اسے بتایا گیا کہ اس سے غلطی ہوئی ہے تو وہ اپنی نماز کو مکمل کرے گا۔ اس کی اتباع کرنے والے بھی اس کے ساتھ نماز کو مکمل کر سگے۔ امام اور اس کے مقتدیوں پر اس صورت میں سجدہ سہو لازم ہوگا۔ اور اگر وقت طویل ہو گیا اور امام نے نماز کے متروک حصہ کو ادا نہ کیا تو اس کے لئے لازم ہوگا کہ اس نماز کو دوہرائے اس طرح ان لوگوں کو بھی یہ نماز دوہرانا ہوگی، جنہوں نے اس کی اقتداء میں ادا کی تھی۔ واللہ دلی التوفیق!

شیخ ابن باز

جب نمازی کو رکعات کی تعداد کے بارے میں شک ہو

سوال میں نے بعض دینی کتابوں میں یہ پڑھا ہے کہ جب نماز کھڑی ہو اور نمازی کو رکعات کی تعداد میں شک ہو تو اس کی یہ نماز باطل ہوگی اور بعض کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ جب نمازی کو شک ہو تو وہ نماز ختم ہونے کے بعد دو سجدے کرے۔ ان میں سے صحیح بات کون سی ہے؟

جواب صحیح بات یہ ہے کہ نماز باطل نہ ہوگی کیونکہ اس قسم کا شک اکثر و بیشتر صورتوں میں غیر اختیاری طور پر ہوتا ہے اور جسے نماز میں شک ہو، اس کے بارے میں نبی کریم ﷺ نے حکم بیان فرمایا ہے۔ اور شک کی دو قسمیں ہیں:

① انسان کو رکعات کی تعداد میں شک ہو اور ان میں سے ایک پہلو کو وہ ترجیح دے سکتا ہو تو اس حالت میں وہ قابل ترجیح صورت پر اعتماد کرے گا اور اسی کے مطابق نماز مکمل کر کے سلام کے بعد سجدہ سو کرے گا۔

② انسان کو رکعات کی تعداد میں شک ہو اور ان میں سے کوئی ایک پہلو بھی قابل ترجیح نہ ہو، تو وہ کم تعداد پر بنا کرے گا کیونکہ کم تعداد یقینی اور زائد مشکوک ہے لہذا کم کو بنیاد بناتے ہوئے نماز کو مکمل کر کے سلام سے پہلے سو کے دو سجدے کرے گا اور اس سے اس کی نماز باطل نہ ہوگی، یہ تو ہے رکعات کی تعداد کے بارے میں شک کا حکم۔

اسی طرح اگر اسے یہ شک ہو کہ اس نے دو سراجہ کیا ہے یا نہیں، رکوع کیا ہے یا نہیں؟ تو اس صورت میں بھی جو پہلو اس کے نزدیک قابل ترجیح ہو، اس کے مطابق عمل کرے، نماز کو مکمل کر لے اور سلام کے بعد سجدہ سو کر لے۔ اور اگر کوئی پہلو قابل ترجیح ہو تو اس کے مطابق عمل کرے، جس میں زیادہ احتیاط ہو یعنی اس رکوع یا سجدہ کو کرے، جس کے بارے میں شک ہو اور پھر باقی نماز کو پورا کر کے سلام سے پہلے سجدہ سو کرے ہاں البتہ جب وہ اس رکن کی جگہ تک پہنچ جائے جس کے ترک میں شک ہو، تو دوسری رکعت اس رکعت کے قائم مقام ہو جائے گی جس کے کسی رکن کو اس نے ترک کیا ہے۔

شیخ ابن عثیمین

جب نمازی کو یہ شک ہو کہ اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار؟

سوال ایک دینی بھائی نے یہ پوچھا ہے کہ جب کسی کو نماز میں شک ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار تو کیا اسے نماز دوہرا نا چاہئے؟ امید ہے مستفید فرما کر شکر یہ کا موقعہ بخشیں گے!

جواب جب انسان کو اپنی نماز کے بارے میں شک ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار تو اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ اس شک کی بنیاد پر نماز کو توڑ دے، جب کہ فرض نماز ہو کیونکہ فرض نماز کو توڑنا جائز نہیں ہے اور اس سلسلہ میں وہ کرنا چاہئے جو سنت میں آیا ہے اور سنت میں یہ آیا ہے کہ جب انسان کو نماز میں شک ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے کتنی نماز پڑھی ہے، تین رکعت یا چار تو اس کی دو صورتیں ہوں گی۔

ایک تو یہ کہ شک مساوی ہو کہ کسی ایک پہلو کو وہ ترجیح نہ دے سکتا ہو، تو اس صورت میں وہ قلیل تعداد پر بنا کرے یعنی انہیں تین سمجھے اور چوتھی رکعت پڑھے اور سلام سے پہلے سجدہ سو کرے اور دوسری صورت یہ ہے کہ شک تو ہو لیکن ایک پہلو راجح ہو مثلاً یہ کہ رکعات چار ہی پڑھی ہیں تو اس صورت میں چار ہی پر بنا کرے، سلام پھیر دے اور پھر سلام کے بعد سجدہ سو کرے۔

شک کی ان دونوں حالتوں کے بارے میں سنت سے یہی ثابت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حکم دیا ہے کہ پہلی حالت میں یقین پر بنا کی جائے اور دوسری حالت میں صحیح صورت حال کے لئے کوشش کی جائے تو یہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ شک کی وجہ سے نماز کو توڑنا دیا جائے۔ اگر نماز فرض ہو تو اسے توڑنا حرام ہے۔ اگر نفل ہو تو اسے بھی شک کی بنا پر توڑنا نہ

جائے بلکہ وہ کام کیا جائے جس کا نبی کریم ﷺ نے حکم دیا ہے، ہاں البتہ نفل نماز کو اگر توڑنا چاہے تو یہ جائز ہے۔ البتہ علماء فرماتے ہیں کہ کسی صحیح غرض کے بغیر نفل نماز کو توڑنا مکروہ ہے، نفل حج اور عمرہ کو توڑنا بھی جائز نہیں الا یہ کہ راستہ محصور ہو جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأْتَمُوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ (البقرہ ۲/۱۹۶)

اور اللہ (کی خوشنودی) کے لئے حج اور عمرے کو پورا کرو اور اگر (راستے میں) روک لئے جاؤ تو جیسی قربانی میسر ہو (کردو)۔“

یہ آیت حج کی فرضیت سے پہلے حدیبیہ میں نازل ہوئی ہے اور حج ۹ ہجری میں فرض ہوا ہے۔ واللہ اعلم

شیخ ابن باز

جب امام سورہ فاتحہ کی قرأت بھول جائے تو کیا کرے؟

امام آخری رکعت میں سورہ فاتحہ پڑھنا بھول گیا اور اسے دوسرے سجدہ کے بعد یہ یاد آیا تو وہ کیا کرے؟

سوال

امام کو چاہئے کہ اس رکعت کے بجائے جس میں اس نے قرأت فاتحہ کو ترک کر دیا ہے ایک اور رکعت پڑھے اور سلام سے پہلے سمو کے دو سجدے کرے، اور مقتدیوں کو چاہئے کہ وہ امام کی اقتداء کریں۔ وباللہ التوفیق

جواب

شیخ ابن باز

جس نے شک کی حالت میں سجدہ سمونہ کیا

جب مجھے نماز میں شک ہو اور میں سجدہ سمونہ کروں تو کیا اس سے نماز باطل ہوگی یا ناقص؟ یاد رہے میں عمداً سجدہ سمو نہیں کرتا کیونکہ میں بکثرت شک میں مبتلا ہو جاتا ہوں۔

سوال

نماز میں شکوک و شبہات کی کثرت کی طرف التفات کرنا جائز نہیں ہے بلکہ نمازی کو چاہئے کہ اصل کے مطابق نماز کو مکمل کرے۔ سمو اور وسوسہ کی وجہ سے سجدہ سمو نہیں ہے، کہ ہم میں سے کون ہے جو نماز میں سمو میں مبتلا نہیں ہوتا یا جس کے دل میں وسوسہ پیدا نہیں ہوتا؟ ہاں البتہ اگر کسی واجب کو ترک کر دے یا اس فعل واجب میں شک ہو یا نماز میں اضافہ ہو یا کسی واجب کو کم کر دے تو اس صورت میں اسے سجدہ سمو کرنا ہوگا جیسا کہ کتب فقہ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

جواب

شیخ ابن جبرین

جب امام ایک رکعت زیادہ پڑھا دے اور سجدہ سمونہ کرے

ہم نے امام کے پیچھے نماز باجماعت ادا کی۔ امام نے پانچ رکعات پڑھانے کے بعد سلام پھیرا اور جب اس سلسلہ میں بعض مقتدیوں نے امام کو بتایا تو انہوں نے سجدہ سمو بھی نہ کیا، تو کیا ہماری نماز صحیح ہے یا نہیں؟ اس طرح کے حالات میں واجب الاتباع چیز کیا ہے؟

سوال

جواب جب امام ایک رکعت زیادہ پڑھا دے اور اسے اس کا علم بھی ہو تو اسے سجدہ سو کرنا لازم ہے۔ مقتدیوں نے اگر اس اضافے کے عدم علم کی وجہ سے متابعت کی ہے تو ان کی نماز صحیح ہے اور جس نے یہ جانتے ہوئے متابعت کی کہ امام زائد رکعت پڑھا رہا ہے، اس کی نماز باطل ہے۔ جاننے والے کو چاہئے کہ تھا کہ وہ سبحان اللہ کہہ کر امام کو متنبہ کرتا، اگر امام اپنی حالت پر اصرار کرتا اور واپس نہ لوٹتا تو یہ اس کی اتباع نہ کرنا بلکہ بیٹھ کر انتظار کرتا اور جب امام سلام پھیرتا تو یہ بھی اس کے ساتھ سلام پھیرتا۔ مذکورہ لوگوں کو چونکہ شرعی حکم کا علم نہ تھا لہذا ان کی نماز صحیح ہے لیکن جب علم ہو گیا کہ ایک رکعت زائد پڑھی گئی ہے تو پھر انہیں سجدہ سو کرنا چاہئے تھا اور اگر انہوں نے سجدہ سو نہیں کیا تو ان کی یہ نماز باطل ہے اور اب وقت طویل ہونے کی وجہ سے انہیں یہ نماز دوبارہ پڑھنا ہوگی۔

شیخ ابن جبرین

آپ کے لئے سجدہ سو لازم نہیں

سوال میں ہمیشہ نماز پڑھتا ہوں اور ہمیشہ شک میں مبتلا رہتا ہوں کہ معلوم نہیں کتنی نماز پڑھی ہے، کتنی باقی رہ گئی ہے، اس لئے میں سجدہ سو بھی کثرت کے ساتھ کرتا رہتا ہوں تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب پوری توجہ اور حضور قلب کے ساتھ نماز ادا کرنے کی کوشش کیجئے۔ محض وسوسہ کی وجہ سے سجدہ سو لازم نہیں ہے۔ اگر کسی رکعت یا رکن کے ترک میں شک ہو تو اسے ازراہ احتیاط دوبارہ ادا کر لیجئے اور سجدہ سو کر لیجئے۔

شیخ ابن جبرین

جب مقتدی سے سو ہو جائے

سوال میں نے امام کے پیچھے نماز ادا کی اور پہلے سجدہ میں تسبیح پڑھنا بھول گیا، اس صورت میں مجھے کیا کرنا چاہئے؟ کیا میں امام کے سلام کے بعد سجدہ سو کر لوں یا کیا کروں؟

جواب آپ کے لئے اس صورت میں سجدہ سو لازم نہیں ہے، سلام سے پہلے نہ سلام کے بعد۔ امام کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کی صورت میں مقتدی سے اس طرح کا سو ساقط ہو جاتا ہے۔

شیخ ابن جبرین

سجود تلاوت

سجود تلاوت کا حکم

جب میں کوئی آیت سجدہ پڑھوں تو کیا سجدہ کرنا واجب ہے یا نہیں؟

جواب سجدہ تلاوت سنت مؤکدہ ہے، اسے ترک نہیں کرنا چاہئے، لہذا جب انسان آیت سجدہ کی تلاوت کرے، خواہ

قرآن مجید سے دیکھ کر یا زبانی، نماز میں یا نماز سے باہر، تو اسے سجدہ تلاوت ضرور کرنا چاہئے۔ ہاں البتہ یہ سجدہ واجب نہیں ہے۔ انسان اس کے ترک سے گناہ گار نہیں ہو گا کیونکہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ انہوں نے منبر پر سورہ نحل کی آیت سجدہ پڑھی اور منبر سے اتر کر سجدہ کیا اور پھر انہوں نے دوسرے جمعہ میں بھی اس آیت کی تلاوت کی اور سجدہ نہ کیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر سجدہ تلاوت فرض نہیں کیا الا یہ کہ ہم خود سجدہ کرنا چاہیں اور آپ ﷺ نے ایسا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں کیا۔^①

اس طرح ثابت ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کے پاس سورہ النجم کی آیت سجدہ کی تلاوت کی اور سجدہ نہ کیا۔^② اگر سجدہ تلاوت واجب ہوتا تو نبی کریم ﷺ انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیتے۔ سجدہ تلاوت سنت مؤکدہ ہے اور افضل یہ ہے کہ اسے ترک نہ کیا جائے، خواہ فجر کے بعد یا عصر کے بعد کا وقت ہی کیوں نہ ہو، جس میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے کیونکہ اس سجدہ کا ایک خاص سبب ہے اور ہر وہ نماز جس کا خاص سبب ہو اسے اوقات ممانعت میں بھی ادا کیا جاسکتا ہے جیسے سجدہ تلاوت اور تہیۃ المسجد وغیرہ۔

شیخ ابن عثیمین

سری نماز میں آیت سجدہ کی قرأت

سوال امام اگر سری نماز مثلاً ظہر یا عصر میں ایسی آیات یا سورہ کی تلاوت کرے جس میں آیت سجدہ ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب امام کے لئے یہ مکروہ ہے کہ وہ سری نماز میں آیت سجدہ کی تلاوت کرے کیونکہ اگر وہ سجدہ نہ کرے گا تو تارک سنت ہو گا اور اگر سجدہ کرے گا، تو اس سے مقتدیوں کو ابہام اور تشویش لاحق ہوگی۔ لہذا اس کی قرأت کو ترک کرنا افضل ہے اور اگر وہ آیت سجدہ کو پڑھ لے تو سجدہ تلاوت نہ کرے کیونکہ اس سے مقتدیوں کو تشویش لاحق ہوگی۔

فتویٰ کمیٹی

سجدہ تلاوت سنت ہے

سوال جب میں منبر پر بیٹھ کر یا شاگردوں کو پڑھاتے ہوئے یا کسی بھی جگہ آیت سجدہ تلاوت کروں تو کیا سجدہ تلاوت کروں یا نہ کروں؟ کیا سجدہ تلاوت قاری اور سامع دونوں کے لئے ہے؟

جواب سجدہ تلاوت قاری اور سامع کے لئے سنت ہے، واجب نہیں۔ سامع کے لئے قاری کی اتباع کی وجہ سے ہے لہذا جب قاری سجدہ کرے گا، تو سامع بھی کرے گا، جب آپ اپنے دفتر میں یا مدرسے کے وقت آیت سجدہ پڑھیں تو سجدہ کرنا چاہئے اور طلبہ کو بھی چاہئے کہ وہ آپ کے ساتھ سجدہ کریں کیونکہ وہ سامع ہیں اور اگر آپ سجدہ تلاوت نہ بھی کریں تو کوئی حرج نہیں۔

شیخ ابن باز

① صحیح بخاری، کتاب سجود القرآن، باب من رأى ان الله عزوجل لم يوجب السجود، ح: 1077-

② صحیح بخاری، ابواب سجود القرآن وستہا، باب من قرأ السجدة ولم يسجد، ح: 1072، 1073-

اللہ تعالیٰ کے اسماء کے ذکر کے بعد سجدہ کرنا

سوال کیا اللہ کے اسماء کے ذکر یا ان میں سے کسی ایک اسم کے ایک معین اور مخصوص تعداد میں ذکر کے بعد سجدہ کرنا جائز ہے؟
جواب ہمیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے کوئی ایسی دلیل معلوم نہیں، جو اس سجدہ کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہو اور نہ ہمارے پاس کوئی ایسی دلیل ہے، جس سے معلوم ہو کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے ایسا کیا ہو۔ ہاں البتہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان آپ سے ثابت ہے کہ:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ» (صحیح مسلم، کتاب الاقضية، باب نقض الاحکام الباطلة...، ح: ۱۷۱۸)

”جو شخص کوئی ایسا عمل کرے جس کے بارے میں ہمارا امر نہیں ہے تو وہ (عمل) مردود ہے۔“

— شیخ ابن باز —

نماز میں ایسی سورہ کا حکم جس کی آخری آیت سجدہ ہو

سوال جب امام نماز میں کوئی ایسی سورہ پڑھے جس کی آخری آیت سجدہ ہو تو وہ رکوع کے ساتھ کس طرح سجدہ کرے؟
جواب نماز میں ایسی سورت کی قراءت بھی جائز ہے، جس کی آخری آیت سجدہ ہو مثلاً سورۃ العلق اور سورۃ النجم۔ امام قراءت مکمل ہونے پر سجدہ کرے گا، امام جب سجدہ سے اٹھے تو اللہ اکبر کہے، اگر کسی اور سورت کی قراءت کرنا چاہے تو وہ کر سکتا ہے۔ قراءت کے بعد اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں چلا جائے، اگر منفرد ہے تو وہ اللہ اکبر کہہ کر کھڑا ہو جائے اور پھر رکوع میں جائے خواہ وہ مکمل طور پر سیدھا نہ بھی کھڑا ہو۔

— شیخ ابن جریر —

سجدہ تلاوت کی کیفیت

سوال سجدہ تلاوت کی کیا کیفیت ہے؟ اس میں کتنے سلام ہیں؟ اس میں کیا پڑھا جائے؟
جواب سجدہ تلاوت بھی سجدہ نماز کی طرح ہے۔ افضل یہ ہے کہ آدمی سیدھا کھڑا ہو کر پھر سجدہ کے لئے جھکے۔ سات اعضاء پر سجدہ کرے اور تین بار کہے شَبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى اور پھر یہ دعاء پڑھے:

«اللَّهُمَّ إِنِّي لَكَ سَجَدْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَلَكَ أَسْلَمْتُ، وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ . . . سَجَدْتُ وَجْهِي لِلَّذِي خَلَقَهُ وَصَوَّرَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ، بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ تَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ» (صحیح مسلم، کتاب المسافین، باب صلاة النبي ودعائه بالليل، ح: ۷۷۱)

«اللَّهُمَّ اكْتُبْ لِي بِهَا أَجْرًا وَرِزْقًا وَاجْعَلْهَا لِي عِنْدَكَ ذُخْرًا وَتَقَبَّلْهَا مِنِّي كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوُدَ عَلَيْهِ وَعَلَى نَبِيِّنَا أَفْضَلُ الصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ» (سنن ترمذی، کتاب الجمعة، باب ما جاء ما يقول في سجود القرآن، ح: ۵۷۹)

”اے اللہ! میں نے تیرے لئے سجدہ کیا ہے اور تیری ہی ذات کے ساتھ میں ایمان لایا ہوں اور تیرا ہی میں فرمانبردار ہوں اور تجھ ہی پر میں نے بھروسہ کیا ہے.... میری پیشانی نے اس (پروردگار) کو سجدہ کیا ہے، جس نے اس کو پیدا کیا اور صورت دی، تو بہت ہی اچھی صورت دی۔ (سننے کے لئے) کان بنائے، (دیکھنے کے لئے) آنکھیں بنائیں، بڑا ہی برکت والا ہے اللہ، جو بہترین پیدا کرنے والا ہے۔ اے اللہ! تو اس سجدہ کا ثواب اپنے ہاں لکھ لے اور اس کے سبب سے تو (گناہوں کا) بوجھ مجھ سے دور کر دے اور اس (سجدہ) کو تو میرے لئے اپنے پاس ذخیرہ بنا دے اور تو اس (سجدہ تلاوت) کو میری جانب سے ایسے ہی قبول فرما لے جیسے تو نے اپنے بندے داؤد (علیہ السلام) سے قبول فرمایا، ان پر اور ہمارے نبی (ﷺ) پر افضل درود و سلام ہو!“

شیخ ابن جریر

سجدہ تلاوت کے لئے تکبیر

سوال کیا نماز کے اندر یا باہر سجدہ تلاوت کے لئے تکبیر لازم ہے؟ نماز سے باہر سجدہ کی صورت میں سلام لازم ہے؟ امید ہے مستفید فرمائیں گے۔ (ووفقکم اللہ)

جواب سجدہ تلاوت، سجدہ نماز ہی کی طرح ہے لہذا جب انسان نماز میں سجدہ کرے تو سجدہ کو جالتے اور سجدہ سے سر اٹھاتے وقت اللہ اکبر کہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ:

«أَنَّه كَانَ فِي الصَّلَاةِ يَكْبِّرُ فِي كُلِّ خَفْضٍ وَرَفْعٍ، إِذَا سَجَدَ كَبَّرَ، وَإِذَا نَهَضَ كَبَّرَ» (سنن نسائی، کتاب التطبيق، باب التکبیر للسجود، ح: ۱۱۵۰، ۱۱۵۱ نحو المعنى، سنن الدارمی، کتاب الصلاة، باب التکبیر عند کل خفض و رفع، ح: ۱۲۴۹)

”آپ نماز میں ہر خفض و رفع کے لئے (یعنی نیچے جھکتے اور اوپر اٹھتے وقت) اللہ اکبر کہتے تھے، جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو اللہ اکبر کہتے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور کئی دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی احادیث میں اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔ سجدہ تلاوت بھی چونکہ سجدہ نماز ہی ہے اور دلائل سے یہی ظاہر ہوتا ہے لہذا اس کے لئے بھی اللہ اکبر کہا جائے گا لیکن نماز سے باہر سجدہ کی صورت میں صرف سجدہ کے آغاز میں اللہ اکبر کہنا مروی ہے اور یہی معروف طریقہ ہے جیسا کہ امام ابو داؤد اور حاکم نے روایت کیا ہے۔^① نماز سے باہر سجدہ سے سر اٹھاتے وقت اللہ اکبر یا سلام کہنا مروی نہیں ہے۔ بعض اہل علم نے اگرچہ یہ کہا ہے کہ سجدہ کو جالتے وقت اللہ اکبر کہے اور فارغ ہو کر سلام بھی پھیرے لیکن یہ کسی حدیث سے ثابت نہیں ہے لہذا نماز سے باہر سجدہ کی صورت میں صرف تکبیر اولیٰ ہی لازم ہے۔ وباللہ التوفیق

شیخ ابن باز

① سنن ابی داؤد، کتاب سجود القرآن، باب فی الرجل یسمع السجدة وهو راكب--- ح: 1413 و مسند احمد، 2/17-

وہ اوقات جن میں نماز پڑھنا منع ہے

ممانعت کے اوقات میں تحیۃ المسجد

سوال تحیۃ المسجد کے بارے میں ہمارے ہاں کافی بات چیت ہوئی۔ کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ اسے ممانعت کے اوقات مثلاً طلوع و غروب آفتاب کے وقت نہیں پڑھنا چاہیے، جب کہ کچھ دوسرے لوگوں کا کہنا یہ تھا کہ یہ اوقات ممانعت میں بھی جائز ہے کیونکہ اس کا تعلق ان نمازوں سے ہے، جن کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے حتیٰ کہ اگر آدھا سورج غروب ہو گیا ہو تو اس وقت بھی تحیۃ المسجد کو پڑھا جاسکتا ہے۔ امید ہے آپ تفصیل سے اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں گے۔

جواب اس مسئلہ میں اہل علم میں اختلاف ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ تحیۃ المسجد کو تمام اوقات میں حتیٰ کہ فجر اور عصر کے بعد بھی پڑھا جاسکتا ہے کیونکہ نبی ﷺ کے اس ارشاد کے عموم کا یہی تقاضا ہے کہ:

«إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمْ الْمَسْجِدَ فَلَا يَجْلِسُ حَتَّى يُصَلِّيَ رُكْعَتَيْنِ» (صحیح بخاری، کتاب التہجد، باب ما جاء في التطوع مثنى مثنى، ح: ۱۱۶۳ و صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرين، باب استحباب تحية المسجد ركعتين، ح: ۷۱۴)

”جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو وہ اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک دو رکعات نہ پڑھ لے۔“ اس حدیث کے صحیح ہونے پر ائمہ کا اتفاق ہے اور پھر یہ نماز طواف اور نماز خوف کی طرح ان نمازوں میں سے ہے، جنہیں خاص اسباب کی وجہ سے ادا کیا جاتا ہے اور ایسی سب نمازوں کو اوقات ممانعت میں بھی ادا کیا جاسکتا ہے جیسا کہ فوت شدہ فرائض کو ہر وقت ادا کیا جاسکتا ہے۔ نماز طواف کے بارے میں نبی ﷺ کا یہ ارشاد موجود ہے کہ:

«يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ لَا تَمْنَعُوا أَحَدًا طَافَ بِهَذَا الْبَيْتِ وَصَلَّى أَيَّةَ سَاعَةٍ شَاءَ مِنْ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ» (سنن أبي داود، کتاب المناسک، باب الطواف بعد العصر، ح: ۱۸۹۴ و سنن ترمذی، کتاب الحج، باب ما جاء في الصلاة بعد العصر لمن يطوف، ح: ۸۶۸، و مسند احمد، ۸۱/۴)

”اے بنی عبدمناف! جو شخص اس گھر کا طواف کرے، اسے نماز سے نہ روکو، وہ دن یا رات کی جس گھڑی میں چاہے نماز پڑھ لے۔“

اسی طرح نماز کسوف کے بارے میں آپ کا یہ ارشاد ہے کہ:

«إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَاتُ اللَّهِ لَا يَنْكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذَلِكَ فَصَلُّوا وَاذْعُوا حَتَّى يُكْشَفَ مَا بَكُمْ» (صحیح بخاری، کتاب الكسوف، باب الصلاة في كسوف الشمس، ح: ۱۰۴۰، و صحیح مسلم، کتاب الكسوف، باب صلاة الكسوف، ح: ۹۰۱)

”سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، ان کو کسی کی موت و حیات کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا لہذا جب تم ان کو گرہن لگا ہوا دیکھو تو نماز پڑھو اور اس وقت تک دعاء کرتے رہو جب تک گرہن ختم نہ ہو جائے“

اسی طرح آپ کا ارشاد ہے کہ:

«مَنْ نَامَ عَنِ الصَّلَاةِ أَوْ نَسِيَهَا فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا لَا كَفَّارَةَ لَهَا إِلَّا ذَلِكَ» (صحیح بخاری، کتاب مواقیب الصلوة، باب من نسي صلاة...، ح: ۵۹۷، و صحیح مسلم، کتاب الصلوة، باب قضاء الصلوة الفائتة...، ح: ۶۸۴)

”جو شخص نماز سے سو جائے یا بھول جائے تو وہ اسے اس وقت پڑھے جب اسے یاد آئے، اس کا بس یہی کفارہ ہے۔“

یہ احادیث عام ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ نمازوں کو ممانعت اور غیر ممانعت کے تمام اوقات میں ادا کیا جا سکتا ہے۔ اسی قول کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور آپ کے شاگرد رشید علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے پسند فرمایا ہے۔ واللہ ولی التوفیق

شیخ ابن باز

اوقات ممانعت میں تحیۃ المسجد کی اجازت حرمین کی ساتھ مخصوص نہیں ہے

سوال کیا تحیۃ المسجد عصر اور صبح کی نماز کے بعد ہر مسجد میں جائز ہے یا صرف حرمین شریفین میں اس کی اوقات ممانعت میں اجازت ہے حتیٰ کہ حرمین شریفین کی دیگر مساجد میں بھی اجازت نہیں ہے؟

جواب علماء کا صحیح قول یہ ہے کہ آدمی جب بھی مسجد میں داخل ہو تحیۃ المسجد پڑھے خواہ نماز کی ممانعت کا وقت ہی کیوں نہ ہو اور خواہ مسجد کوئی بھی ہو تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے عموم پر عمل ہو جائے کہ:

«إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمْ الْمَسْجِدَ فَلَا يَجْلِسُ حَتَّى يُصَلِّيَ رَكَعَتَيْنِ» (صحیح بخاری، کتاب التہجد، باب ما جاء في التطوع مني مني، ح: ۱۱۶۳ و صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرين، باب استحباب تحية المسجد ركعتين، ح: ۷۱۴)

”جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو وہ اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک دو رکعت نہ پڑھ لے۔“

باقی رہیں وہ احادیث جن میں طلوع و غروب و استواء آفتاب اور بعد از عصر نماز پڑھنے کی ممانعت ہے تو انہیں فرائض اور ذوات اسباب مثلاً تحیۃ المسجد اور طواف کی دو رکعت کے علاوہ مطلق نوافل پر محمول کیا جائے گا لیکن تحیۃ المسجد اور طواف کی دو رکعت کو عصر کے بعد، صبح کے بعد اور دیگر تمام ممنوع اوقات میں بھی ادا کیا جا سکتا ہے۔

فتویٰ کمیٹی

نماز مغرب سے پہلے نفل

سوال ۱ اذان مغرب کے بعد اور نماز سے پہلے۔۔ جب کہ اذان و اقامت کے درمیان وقت بہت کم ہوتا ہے۔۔ تحیۃ المسجد اور نفل پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

سوال ۲ جو شخص نماز فجر کے بعد سے لے کر طلوع آفتاب تک مسجد میں رہے، کیا اس کے لئے طلوع آفتاب کے وقت

ضحیٰ کی دو رکعات پڑھنا جائز ہے؟ نیز یہ فرمائیے کہ نماز ضحیٰ کا مسنون وقت کون سا ہے؟

جواب ۱ تحیۃ المسجد سنت مؤکدہ ہے، جسے تمام اوقات حتیٰ کہ ممانعت کے اوقات میں بھی علماء کے صحیح قول کے مطابق ادا کیا جاسکتا ہے کیونکہ نبی ﷺ کے اس ارشاد کے عموم کا یہی تقاضا ہے کہ:

«إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمْ الْمَسْجِدَ فَلَا يَجْلِسُ حَتَّى يُصَلِّيَ رَكَعَتَيْنِ» (صحیح بخاری، کتاب التہجد، باب .. جاء في التطوع مثنى مثنى، ح: ۱۱۶۳ و صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب استحباب تحیۃ المسجد.. رکتین، ح: ۷۱۴)

”ب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو وہ اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک دو رکعات نہ پڑھ لے۔“

اذانِ مغرب کے بعد اور اقامت سے پہلے نماز سنت ہے کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

«صَلُّوا قَبْلَ الْمَغْرِبِ صَلُّوا قَبْلَ الْمَغْرِبِ، ثُمَّ قَالَ فِي الثَّلَاثَةِ لِمَنْ شَاءَ» (صحیح بخاری، کتاب التہجد، باب الصلاۃ قبل المغرب، ح: ۱۱۸۳، ۷۳۶۸)

”مغرب سے پہلے نماز پڑھو، مغرب سے پہلے نماز پڑھو اور تیسری بار آپ نے فرمایا کہ جو چاہے وہ پڑھے۔“

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول یہ تھا کہ جب اذانِ مغرب ہو جاتی، تو وہ اقامت سے پہلے جلدی سے دو رکعات پڑھ لیتے تھے، نبی کریم ﷺ انہیں دیکھتے اور منع نہ فرماتے بلکہ آپ نے تو اس کا حکم بھی دیا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث سے ثابت ہے۔

جواب ۲ ضحیٰ کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے، جب سورج ایک نیزہ کے برابر بلند ہو جائے اور اس وقت تک رہتا ہے جب سورج ظہر سے پہلے کھڑا ہو جائے۔ (یعنی نصف النہار کے وقت جب ابھی زوال شروع نہیں ہوا ہوتا) اور افضل وقت وہ ہے، جب دھوپ گرم ہو جائے کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«صَلَاةُ الْأَوَّابِينَ حِينَ تَرْمَضُ الْفُصَالُ» (صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب الأوابین حین ترمض الفصال، ح: ۷۴۸)

”اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والوں کی نماز اس وقت ہوتی ہے جب اونٹ کے بچوں کے پاؤں جلتے ہیں۔“

شیخ ابن باز

وہ اوقات جن میں نماز پڑھنا منع ہے

وہ کون کون سے اوقات ہیں، جن میں نماز پڑھنا مکروہ ہے؟

وہ اوقات جن میں نماز پڑھنے کی ممانعت ہے، یہ ہیں:

- ① طلوع آفتاب کے بعد سے لے کر سورج کے ایک نیزہ کے بقدر بلند ہونے تک۔
- ② سورج کے آسمان کے وسط میں کھڑا ہو جانے کے بعد سے لے کر جت مغرب زوال پذیر ہونے تک۔
- ③ نماز عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک۔

یہ ہیں وہ اوقات جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے یہ ثابت ہے کہ ان اوقات میں نماز پڑھنا منع

ہے لیکن علماء کے صحیح قول کے مطابق وہ نمازیں مستثنیٰ ہیں، جو مخصوص اسباب کی وجہ سے ادا کی جا رہی ہوں مثلاً نماز طواف اور نماز کسوف کو عصر صبح کے بعد بھی ادا کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح تحیۃ المسجد کو بھی اوقات ممانعت میں ادا کیا جاسکتا ہے جس طرح سنت فجر کو طلوع فجر کے بعد ادا کرنا مستثنیٰ ہے اور یہ جائز نہیں کہ دو رکعات سے زیادہ پڑھے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا معمول یہ تھا کہ طلوع فجر کے بعد آپ صرف دو ہلکی پھلکی رکعات سنت فجر کے طور پر ادا فرماتے اور اگر وقت کی تنگی یا دیگر اسباب کی وجہ سے نماز فجر سے پہلے سنتوں کو نہ پڑھ سکے تو علماء کے صحیح قول کے مطابق نماز فجر کے بعد انہیں پڑھ سکتا ہے اور اگر انہیں سورج طلوع ہونے کے بعد پڑھے تو یہ افضل ہے۔ واللہ ولی التوفیق

شیخ ابن باز

ممانعت کے وقت نماز

سوال

کیا مغرب سے پہلے نماز مکروہ ہے، خواہ وہ تحیۃ المسجد ہی ہو؟

جواب

یہ سوال مبہم ہے، بہت وقت اور نوعیت نماز کے اعتبار سے تفصیل کا محتاج ہے۔ نماز عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک کا وقت ممانعت کا وقت ہے لہذا اس وقت عام نماز نہیں پڑھی جاسکتی کیونکہ احادیث میں اس کی ممانعت وارد ہے مثلاً نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«لَا صَلَاةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ، وَلَا صَلَاةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ» (صحیح بخاری، کتاب مواقیب الصلاة، باب لا تتحرى صلاة قبل غروب الشمس، ح: ۵۸۶،

وصحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرين، باب الاوقات التي نهى عن الصلاة فيها، ح: ۸۲۷)

”صبح کے بعد سے لے کر سورج کے بلند ہونے تک نماز نہیں ہے اور عصر کے بعد سے لے کر غروب آفتاب تک نماز نہیں ہے۔“

لیکن اگر کسی فوت شدہ نماز کی قضاء دینا مقصود ہو تو اہل علم کا اجماع ہے کہ وہ اس ممانعت میں داخل نہیں ہے، اسی طرح وہ نمازیں جو مخصوص اسباب کی وجہ سے ادا کی جاتی ہیں مثلاً نماز کسوف، نماز جنازہ اور تحیۃ المسجد کی دو رکعات، تو اہل علم کے راجح قول کے مطابق یہ اوقات ممانعت میں بھی جائز ہیں کیونکہ مخصوص اسباب والی نمازوں کے بارے میں احادیث عام ہیں، انہیں اوقات ممانعت وغیر ممانعت سبھی میں ادا کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمْ الْمَسْجِدَ فَلَا يَجْلِسُ حَتَّى يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ» (صحیح بخاری، کتاب التہجد، باب ما جاء في التطوع منى منى، ح: ۱۱۶۳، وصحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرين، باب استحباب تحية المسجد ركعتين، ح: ۷۱۴)

”تم میں سے کوئی جب بھی مسجد میں داخل ہو تو دو رکعات پڑھے بغیر نہ بیٹھے۔“

اور اوقات ممنوعہ میں جن نمازوں کے پڑھنے کی ممانعت آئی ہے تو انہیں فوت شدہ نمازوں اور مخصوص اسباب والی نمازوں کے علاوہ دیگر پر محمول کیا جائے گا۔

شیخ ابن باز

عصر کے بعد غروب آفتاب تک نماز نہیں

نماز عصر کے بعد سنتوں یا دیگر نماز کو کیوں ادا نہیں کیا جاتا؟

سوال

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

جواب

«لَا صَلَاةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ، وَلَا بَعْدَ الْفَجْرِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ» (صحیح

بخاری، کتاب مواقیب الصلوة، باب لا تنحرى صلاة قبل غروب الشمس، ح: ۵۸۶، وصحیح مسلم،

کتاب صلاة المسافرين، باب الاوقات التي نهى عن الصلاة فيها، ح: ۸۲۷)

”عصر کے بعد غروب آفتاب تک اور فجر کے بعد طلوع آفتاب تک نماز نہیں ہے۔“

علماء نے فرمایا اس کا سبب شاید ان مشرکین کی مشابہت سے ممانعت ہے جو ان اوقات میں سورج کو سجدہ کرتے ہیں لہذا بلا سبب ان اوقات میں نماز نفل سے منع کر دیا تاکہ یہ وہم پیدا نہ ہو کہ سورج کو سجدہ کیا جا رہا ہے یعنی احتیاط اور شرک کے اسباب و وسائل سے دوری اختیار کرنے کے پیش نظر ان اوقات میں نماز سے منع کر دیا گیا ہے۔

شیخ ابن جبرین

مؤذن کی متابعت اور پھر تحیۃ المسجد

جب انسان مسجد میں داخل ہو اور مؤذن اذان کہہ رہا ہو تو کیا اذان ختم ہونے سے پہلے نماز پڑھی جاسکتی ہے؟

سوال

افضل یہ ہے کہ مؤذن کی اذان کا جواب دے، پھر مسنون دعاء پڑھے اور پھر تحیۃ المسجد شروع کرے مگر بعض

جواب

علماء نے اس شخص کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، جو جمعہ کے دن مسجد میں اس وقت آئے، جب مؤذن اذان کہہ رہا ہو، تو وہ خطبہ سننے کی وجہ سے تحیۃ المسجد پڑھ سکتا ہے اور اس کا سبب علماء نے یہ بتایا کہ خطبہ سننا واجب ہے اور مؤذن کا جواب دینا واجب نہیں ہے۔

شیخ ابن عثیمین

اوقات ممنوعہ

میں نے سنا ہے کہ کچھ اوقات ایسے ہیں جن میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ یہ اوقات کون سے ہیں اور ان میں نماز کی

سوال

کراہت کا سبب کیا ہے؟

اوقات ممنوعہ یہ ہیں نماز فجر کے بعد سے لے کر سورج کے ایک نیزہ یعنی تقریباً ایک میٹر بلندی ہونے تک۔ اور

جواب

سورج طلوع ہونے کے قریباً پندرہ منٹ بعد ایک میٹر بلندی ہو جاتا ہے۔ (۲) دوسرا وقت سورج کے سر پر کھڑا ہونے کے وقت سے لے کر زوال شروع ہونے تک ہے یعنی جب سورج زوال سے قبل نصف النہار پر ہو اور یہ قریباً پانچ منٹ تک کا وقت ہوتا ہے۔ نماز عصر کے بعد سے لے کر غروب آفتاب تک ہے۔ فجر و عصر میں ہر انسان کی اپنی نماز معتبر ہوگی، جب انسان نماز عصر ادا کرے تو غروب آفتاب تک نماز حرام ہے لیکن اس سے وہ فرض نماز مستثنیٰ ہے جو فوت ہوگئی ہو اور آدمی کو ان مکروہ اوقات میں یاد آئے تو وہ اسے پڑھ سکتا ہے کیونکہ نبی ﷺ کے اس ارشاد کے عموم کا یہی تقاضا ہے کہ:

«مَنْ نَامَ عَنِ الصَّلَاةِ أَوْ نَسِيَهَا فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا» (صحیح بخاری، کتاب مواقیب، باب من

نسی صلاۃ ...، ح: ۵۹۷، و صحیح مسلم، کتاب الصلاۃ، باب قضاء الصلاۃ الفاتتۃ ...، ح: ۶۸۴)

”جو شخص نماز سے سو جائے یا بھول جائے تو اسے جب بھی یاد آئے پڑھ لے۔“

اسی طرح ہر وہ نفل نماز بھی اس سے مستثنیٰ ہے جس کا کوئی خاص سبب ہو کیونکہ یہ نماز اپنے سبب کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور اس صورت میں حکمت ختم ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے ان اوقات میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے مثلاً اگر آپ عصر کے بعد مسجد میں داخل ہوں، تو دو رکعات پڑھ سکتے ہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمْ الْمَسْجِدَ فَلَا يَجْلِسُ حَتَّى يُصَلِّيَ رُكْعَتَيْنِ» (صحیح بخاری، کتاب التہجد،

باب ما جاء في التطوع مثنى مثنى، ح: ۱۱۶۳، و صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب استحباب تحية

المسجد ركعتين، ح: ۷۱۴)

”تم میں سے کوئی جب بھی مسجد میں داخل ہو تو وہ اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک دو رکعات نہ پڑھ لے۔“

اسی طرح اگر نماز عصر کے بعد سورج کو گرہن لگے، تو اس وقت نماز کسوف ادا کی جاسکتی ہے کیونکہ ان نمازوں کا ایک خاص سبب موجود ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص ان اوقات میں آیت سجدہ تلاوت کرے تو وہ سجدہ تلاوت کر سکتا ہے۔

ان اوقات میں نماز کی ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ ان کفار کے ساتھ مشابہت سے روکنا مقصود ہے، جو طلوع آفتاب کے وقت اس کے طلوع کی خوشی میں اسے خوش آمدید کہتے ہوئے اسے سجدہ کرتے ہیں اور غروب کے وقت اسے الوداع کہتے ہوئے سجدہ کرتے ہیں اور نبی ﷺ اس بات کے شدید خواہش مند تھے کہ ہر اس دروازے کو بند کر دیں جو شرک تک پہنچاتا ہو یا جس میں مشرکین کی مشابہت ہو۔ آفتاب کے نصف النہار پر ہونے کے وقت نماز کی ممانعت کا سبب یہ ہے کہ اس وقت جہنم کی آگ کو بھڑکایا جاتا ہے جیسا کہ نبی ﷺ سے یہ ثابت ہے لہذا اس وقت نماز سے رک جانا چاہئے۔

— شیخ ابن عثیمین —

نفل نماز

میں فجر کی سنتیں ادا کر رہا تھا کہ مؤذن نے اذان شروع کر دی

سوال میں صبح کی نماز کے لئے مسجد میں داخل ہوا اور میں نے دو رکعات پڑھنا شروع کر دیں، جب میں دو سری رکعت کے لئے اٹھ رہا تھا تو مؤذن نے صبح کی اذان کہنی شروع کر دی۔ میں نے جو دو رکعات شروع کیں تو وہ صبح کی سنتوں کی نیت سے شروع کی تھیں کیونکہ میں جب گھر سے نکلا تو بعض مسجدوں میں اذان ہو رہی تھی۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو میں نے قرآن مجید پڑھنا شروع کر دیا، تو میرے پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ اٹھو صبح کی سنتیں پڑھ لو، میں نے کہا کہ میں نے انہیں پڑھ لیا ہے، تو اس نے کہا آپ نے چونکہ اس وقت پڑھی تھیں، جب مؤذن اذان کہ رہا تھا اور یہ جائز نہیں لہذا ضروری ہے کہ آپ انہیں دوبارہ پڑھیں۔ امید ہے آپ اس سلسلہ میں مستفید فرمائیں گے؟

جواب اگر مؤذن نے اذان دیر سے دی ہے اور آپ نے سنتیں طلوع فجر کے بعد پڑھی ہیں تو آپ کی طرف سے سنت پر عمل ہو گیا اور یہ سنتیں جو آپ نے پڑھی ہیں کافی ہوں گی اور ان کے دوہرانے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر آپ کو شک ہو اور یہ علم نہ ہو کہ اس مؤذن کی اذان جسے سن کر آپ نے نماز شروع کی تھی، اس کی اذان صبح کے بعد ہے یا طلوع فجر کے وقت ہے تو پھر افضل یہ ہے اور زیادہ احتیاط بھی اسی میں ہے کہ آپ ان دو رکعات کو دوبارہ پڑھ لیں تاکہ یقین ہو جائے کہ آپ نے انہیں طلوع فجر کے بعد ادا کیا ہے۔

شیخ ابن باز

نماز کے بعد فجر کی سنتوں کی قضا

سوال میں ہمیشہ نماز فجر مسجد میں ادا کرتا ہوں۔ اگر میں یہ دیکھوں کہ جماعت کھڑی ہو گئی ہے اور میں نے فجر کی سنتیں نہیں پڑھیں تو کیا اس بات کی اجازت ہے کہ میں انہیں سلام پھیرنے کے بعد ادا کر لوں؟ اگر میں طلوع آفتاب تک انتظار کروں تو کیا اس سے اجر و ثواب میں کمی ہوگی؟ میں جانتا ہوں کہ صبح کی سنتیں دنیا و ما فیہا سے بہتر ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے؟

جواب اگر مسلمان آدمی نماز سے پہلے فجر کی سنتوں کو ادا نہ کر سکے، تو اسے اختیار ہے کہ اگر چاہے تو نماز کے فوراً بعد ادا کر لے یا سورج نکلنے کے بعد ادا کر لے کیونکہ سنت سے دونوں طرح ثابت ہے۔ نماز کے فوراً بعد ادا کرنا سنت تقریری سے ثابت ہے یعنی ایک شخص نے نماز کے فوراً بعد ان سنتوں کو ادا کیا، نبی ﷺ نے اسے دیکھا تو اس پر سکوت فرمایا اور اسے کچھ نہیں کہا۔^①

شیخ ابن باز

سنن رواتب کا حکم

سوال نماز کے بعد ادا کی جانے والی دو سنتوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں اور نبی کریم ﷺ نے امت کو حکم دیا ہے کہ وہ فرضوں سے پہلے اور بعد اور اوقات ممنوعہ کے سوا دیگر تمام اوقات میں نماز ادا کرے، اسی نفل نماز میں سے سنن رواتب بھی ہیں یعنی ظہر سے پہلے دو رکعات اور ظہر کے بعد دو رکعات، فجر سے پہلے دو رکعات، مغرب کے بعد دو رکعات اور عشا کے بعد دو رکعات۔ یہ تمام رکعات واجب نہیں بلکہ سنت ہیں، انہیں ادا کرنے والے کو ثواب اور نہ ادا کرنے والے کو گناہ نہ ہوگا۔ ان کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے نفس عبادت کا عادی بنتا اور نماز کی محبت پیدا ہوتی ہے، ان سے فرائض میں رہ جانے والی کمی کی بھی تلافی ہوگی لہذا جو شخص کبھی کبھی انہیں چھوڑ دیتا ہے، اسے گناہ نہیں ہوتا لیکن ہمیشہ چھوڑ دینا عبادت کے عدم اہتمام کی دلیل ہے اور اس سے اس شخص کی عدالت بھی مجروح ہوتی ہے کہ وہ ترک سنن اور نفل خیر کے استخفاف میں رغبت رکھتا ہے۔

① دار قطنی 1/383، 384- بہیقی 2/283- ابن خزیمہ 1116- اسے ابن حبان اور ذہبی نے صحیح کہا ہے۔

شیخ ابن جریر

سنتیں پڑھنے کے لئے تکبیر کی تھی کہ جماعت کھڑی ہو گئی

سوال ایک شخص ظہر کی سنتیں ادا کرنے کے لئے مسجد میں داخل ہوا لیکن جب اس نے اللہ اکبر کہا تو جماعت کھڑی ہو گئی، تو کیا یہ شخص اپنی نماز کو توڑ دے یا اسے مکمل کرے؟ امید ہے اس مسئلہ کی وضاحت فرمادیں گے۔

جواب جب جماعت کھڑی ہو جائے اور کچھ لوگ تہیۃ المسجد یا سنت راخہ پڑھ رہے ہوں، تو اس صورت میں ان کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ اپنی نماز کو توڑ کر فرض نماز میں شامل ہو جائیں کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«إِذَا أُقِيِمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةُ» (صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرين، باب کراهة الشروع فی نافلة بعد شروع...، ح: ۷۱۰)

”جب جماعت کھڑی ہو جائے تو پھر فرض نماز کے سوا اور کوئی نماز نہیں ہوتی۔“

بعض اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ وہ جلدی سے اپنی نماز کو پورا کر لیں اور توڑیں نہیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾ (محمد ۴۷/۳۳)

”مومنو! اللہ کی فرمانبرداری کرو اور رسول اللہ ﷺ کی فرمانبرداری کرو اور اپنے عملوں کو ضائع نہ ہونے

دو۔“

اور مذکورہ حدیث کو انہوں نے اس شخص پر محمول کیا ہے، جو جماعت کھڑی ہونے کے بعد سنتیں وغیرہ شروع کرے لیکن پہلا قول ہی صحیح ہے کیونکہ حدیث مذکور دونوں حالتوں کے لئے عام ہے اور پھر کچھ اور احادیث بھی وارد ہیں، جو عموم پر دلالت کناں ہیں۔ اور حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات اس وقت ارشاد فرمائی جب آپ نے ایک شخص کو اس وقت نماز ادا کرتے ہوئے دیکھا جب مؤذن نماز کے لئے اقامت کہہ رہا تھا۔ رہی آیت کریمہ تو وہ عام ہے اور یہ حدیث خاص ہے۔ خاص سے عام کا حکم ختم ہو جاتا ہے اور یہ اس کے مخالف نہیں ہوتا جیسا کہ اصول فقہ اور اصول حدیث کی کتابوں سے اس کی تفصیل معلوم کی جاسکتی ہے۔ لیکن اگر جماعت کھڑی ہو گئی ہے اور آدمی نے دوسری رکعت کا رکوع بھی کر لیا ہے تو پھر نماز مکمل کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ نماز قریب الاختتام ہے اور اس کا رکعت سے بھی کم حصہ باقی ہے۔ واللہ ولی التوفیق

شیخ ابن باز

ایک رات میں دو بار وتر نہیں

سوال کیا ایک رات میں دو بار وتر پڑھنا جائز ہے؟

جواب کسی کے لئے ایک رات میں دو بار وتر پڑھنا جائز نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«لَا وَتْرَانِ فِي لَيْلَةٍ» (سنن أبي داود، کتاب الوتر، باب فی نقض الوتر، ۱۴۳۹، وسنن ترمذی، ابواب

الوتر، ما جاء لا وتران فی لیلۃ، ۴۷۰)

”ایک رات میں دو وتر نہیں ہیں۔“

اسی طرح نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«اجْعَلُوا آخِرَ صَلَاتِكُمْ بِاللَّيْلِ وَتَرًا» (صحیح بخاری، کتاب الوتر، باب لیجعل آخر صلاتہ وترًا،

ح: ۹۹۸، و صحیح مسلم صلاة المسافرين، باب صلاة الليل منى منى ...، ح: ۷۵۱، ۱۵۱)

”رات کی نماز کے آخری حصہ کو وتر بنا لو۔“

نیز آپ نے فرمایا:

«مَنْ خَافَ أَنْ لَا يَقُومَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ فَلْيُوتِرْ أَوَّلَهُ، وَمَنْ طَمَعَ أَنْ يَقُومَ آخِرَهُ فَلْيُوتِرْ آخِرَ اللَّيْلِ، فَإِنَّ صَلَاةَ آخِرِ اللَّيْلِ مَشْهُودَةٌ، وَذَلِكَ أَفْضَلُ» (صحیح مسلم، صلاة المسافرين،

باب من خاف ان لا يقوم من آخر الليل فليوتر اوله، ح: ۷۵۵)

”جس کو یہ ڈر ہو کہ وہ رات کے آخری حصہ میں نہیں اٹھ سکے گا تو وہ ابتدائی حصہ ہی میں وتر پڑھ لے اور جسے یہ امید ہو کہ وہ آخری حصہ میں اٹھ سکے گا تو اسے رات کے آخری حصہ میں وتر پڑھنے چاہئیں کیونکہ رات کے آخری حصہ کی نماز کے وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور یہ وقت افضل ہے۔“

جب مسلمان کو رات کے آخری حصہ میں تہجد پڑھنے کی توفیق میسر ہو تو وہ اپنی نماز کے آخر میں ایک رکعت پڑھ لے، اس سے اس کی ساری نماز وتر ہو جائے گی اور اگر آدمی آخری رات نہ اٹھ سکے تو وہ رات کے ابتدائی حصہ میں وتر پڑھ لے اور اگر اس کے بعد اللہ تعالیٰ اسے اٹھنے کی توفیق عطا فرما دے، تو وہ جس قدر نماز پڑھ سکتا ہو، دو دو رکعات پڑھے۔ وتر کو دوبارہ نہ پڑھے، رات کے پہلے حصہ میں پڑھے ہوئے وتر ہی کافی ہوں گے کیونکہ مذکورہ بالا حدیث میں یہ گزر چکا ہے کہ:

«لَا وَتْرَانَ فِي لَيْلَةٍ» (سنن أبي داود، کتاب الوتر، باب في نقض الوتر، ۱۴۳۹، وسنن ترمذی، ابواب

الوتر، ما جاء لا وتران في ليلة، ۴۷۰)

”ایک رات میں دو بار وتر نہیں ہیں۔“

شیخ ابن باز

جس انسان نے رات کے ابتدائی حصہ میں وتر پڑھ لیے ہوں اور پھر وہ ...

سوال اگر میں نے رات کے ابتدائی حصہ میں وتر پڑھ لیے ہوں اور پھر آخری حصہ میں بھی اٹھ کھڑا ہوں تو کس طرح نماز پڑھوں؟

جواب جب آپ نے رات کے ابتدائی حصہ میں وتر پڑھے اور پھر اللہ تعالیٰ آخری حصہ میں بھی اٹھنے کی توفیق عطا فرما دے تو جتنی اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے، دو دو رکعات کر کے پڑھ لیجئے۔ وتر دوبارہ نہ پڑھے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«لَا وَتِرَانٍ فِي لَيْلَةٍ» (سنن أبي داود، كتاب الوتر، باب في نقض الوتر، ١٤٣٩، وسنن ترمذی، ابواب الوتر، ما جاء لا وتران في ليلة، ٤٧٠)
 ”ایک رات میں دو بار وتر نہیں ہیں۔“

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ وتر کے بعد بیٹھ کر دو رکعت نماز پڑھا کرتے تھے اور اس میں حکمت یہی ہے کہ لوگوں کو یہ بتایا جائے کہ وتر کے بعد بھی نماز جائز ہے۔ واللہ اعلم
 شیخ ابن باز

نماز میں قنوت

سوال نماز فجر میں ہمیشہ دعاء قنوت پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ قنوت وتر کا کیا حکم ہے؟ نماز مغرب کی طرح وتر کی تین رکعات پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب اس سوال میں دو مسئلے پوچھے گئے ہیں، ان میں سے پہلا مسئلہ نماز فجر میں قنوت کا ہے۔ اس مسئلہ میں اہل علم میں اختلاف ہے اور یہ اس بات پر مبنی ہے کہ نبی ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے قنوت فرمایا، جس میں کچھ لوگوں کے لئے دعاء فرمائی یا کچھ لوگوں کے لئے آپ نے بددعاء فرمائی مکہ میں رہنے والے کمزور مومنوں کے لئے آپ نے دعاء فرمائی اور ان لوگوں کے لئے بددعاء فرمائی جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے قراء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو (دھوکے سے) شہید کر دیا تھا۔ چنانچہ آپ ان کے لئے ایک ماہ تک بددعاء فرماتے رہے^① تو جو شخص رسول اللہ ﷺ کی اس سنت پر غور کرے گا، اس کے سامنے یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ اس مسئلہ میں صحیح صورت حال یہ ہے کہ فرائض میں قنوت نہیں الا یہ کہ مسلمان کسی افتاد میں مبتلا ہوں یا کسی حادثہ سے دوچار ہوں، جس کی وجہ سے ضرورت اس امر کی ہو کہ تمام مسلمان الخلج و زاری کے ساتھ اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قدس میں دعاء کریں تو اس صورت میں قنوت کیا جائے۔ دلائل کے ظاہر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قنوت نازلہ صرف نماز فجر ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اسے تمام نمازوں میں اختیار کیا جاسکتا ہے۔ جبری نمازوں میں قنوت جبری اور سری نمازوں میں سری طور پر کیا جائے گا۔

ہماری رائے یہ ہے کہ اہم حوادث کے وقت قنوت کیا جائے پھر جب حالات معمول پر آجائیں تو قنوت نہ کیا جائے! باقی رہی سوال کی دوسری شق یعنی قنوت وتر، تو وتر میں قنوت کرنا سنت ہے لیکن دوام و استمرار سنت نہیں ہے لہذا اگر بعض اوقات قنوت کر لے تو بہتر ہے اور اگر بعض اوقات ترک کر دے تو یہ بھی بہتر ہے، نبی ﷺ نے اپنے نواسہ حضرت حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کو قنوت سکھایا تھا^② لیکن مجھے یہ معلوم نہیں کہ آپ خود بھی قنوت فرماتے تھے یا نہیں؟

① صحیح بخاری، کتاب الوتر، باب القنوت قبل الركوع و بعده، ح: 1002۔ و صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب استحباب

القنوت فی جمیع الصلوات۔۔۔ ح: 677۔

② سنن ابی داود، ابواب الوتر، باب القنوت فی الوتر، ح: 1425 - 1426، سنن ترمذی، باب ماجاء فی القنوت فی الوتر، ح: 464۔

سائل نے جو یہ پوچھا ہے کہ وتر کو نماز مغرب کی طرح ادا کرنے کا کیا حکم ہے تو یہ جائز نہیں کیونکہ جب انسان تین رکعت وتر پڑھے تو اسے اختیار ہے کہ اگر چاہے تو انہیں دو سلام کے ساتھ ادا کرے یعنی دو رکعات پڑھ کر سلام پھیر دے اور پھر تیسری رکعت اکیلی پڑھ لے یا تینوں رکعات کو ایک تشدد کے ساتھ پڑھ کر سلام پھیر دے۔ وتر کی تین رکعات کو دو تشدد کے ساتھ نماز مغرب کی طرح ادا کرنے کی حدیث میں ممانعت آئی ہے۔

— شیخ ابن باز —

انفرادی طور پر پڑھنے والے کو جہری قرأت کی ضرورت نہیں

سوال میں وتر کی تین رکعات پڑھتا اور آخری رکعت میں تشدد کے لئے بیٹھتا ہوں۔ پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد کوئی چھوٹی سورۃ، دوسری میں ﴿قل یا ایہا الکفرون﴾ اور تیسری میں ﴿قل هو اللہ احد﴾ اور ﴿معوذتین﴾ پڑھ لیتا ہوں۔ کبھی کبھی وتر کی گیارہ رکعات پڑھتا اور آخری رکعت میں تشدد کے لئے بیٹھتا ہوں اور پہلی تین رکعات میں مذکورہ بالا سورتوں کو پڑھتا اور باقی رکعات میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھتا ہوں کیا میری یہ نماز صحیح ہے اور اگر وتر کی تیرہ رکعات پڑھنا چاہوں تو کس طرح پڑھوں؟

جب مغرب یا عشاء یا صبح کی نماز جماعت سے نہ پڑھ سکوں تو انفرادی طور پر پڑھ لیتا اور آیات کی قرأت سری طور پر کرتا ہوں لیکن میرے چچا جان نے مجھے بتایا ہے کہ جہری نماز میں انفرادی طور پر پڑھنے کی صورت میں بھی قرأت جہری کرنا واجب ہے تو کیا میری سابقہ نمازیں صحیح ہیں؟ اس سلسلہ میں مجھ پر کوئی کفارہ وغیرہ تو لازم نہیں؟

جواب وتر کی تیرہ یا گیارہ رکعات کو اس طرح پڑھنا مستحب ہے کہ آپ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیں اور فاتحہ کے بعد جن سورتوں کی چاہیں قرأت کر لیں۔ نو رکعات پڑھنا بھی جائز ہے کہ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیر دے یا آٹھ رکعات پر تشدد بیٹھیں اور پھر نویں رکعت پڑھ کر تشدد کریں اور سلام پھیر دیں۔ ایک سلام کے ساتھ سات اور پانچ رکعات پڑھنا بھی جائز ہے۔ مستحب یہ ہے کہ وتر کی رکعات تین سے کم نہ ہوں اور تیسری رکعت میں سورۃ الاخلاص پڑھی جائے۔ اگر ان کے علاوہ دیگر سورتیں پڑھ لے تو پھر بھی کوئی حرج نہیں۔ افضل یہ ہے کہ وتر کی تین رکعات دو سلام کے ساتھ پڑھی جائیں اور اگر ایک سلام کے ساتھ پڑھ لے تو پھر بھی (ان شاء اللہ) جائز ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ انفرادی طور پر نماز پڑھنے میں قرأت کے جہری کرنے کی ضرورت نہیں ہے، جہری قرأت تو امام رات کی نمازوں میں اس لئے کرتا ہے تاکہ مقتدیوں کو وہ اپنی قرأت سنا سکے اور مقتدیوں کو اس سے مستفید ہونے کا موقع ملے لیکن جو شخص انفرادی طور پر نماز پڑھتا ہے، وہ تو اپنے آپ کو سنا رہا ہے، خواہ قراءت سری کرے یا جہری اس سے مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔

— شیخ ابن جبرین —

تین رکعات وتر پڑھنے کی نیت کی پھر! --!

سوال ایک شخص نے تین رکعات وتر پڑھنے کی نیت کی، لیکن نماز کے دوران ہی اس نے رکعات کی تعداد میں اضافہ کا

ارادہ کر لیا تو کیا یہ جائز ہے؟ کیا اذان کے بعد بھی تحیۃ المسجد جائز ہے؟

جواب سنت یہ ہے کہ تین وتر دو سلام کے ساتھ پڑھے جائیں، اگر تین سے زیادہ پڑھے تو افضل ہے۔ وتر گیارہ رکعات تک پڑھے جاسکتے ہیں۔ ہر دو رکعات کے بعد سلام پھیر دے۔ اگر تین رکعات پڑھنے کی نیت کی اور تکبیر کے بعد زیادہ رکعات پڑھنے کا ارادہ کیا تو یہ جائز ہے۔ تیسری رکعت کے بعد چوتھی رکعت کے اضافہ پھر اس کے بعد ایک رکعت پڑھنے کا ارادہ کیا تو (ان شاء اللہ) اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ تحیۃ المسجد اذان کے بعد بھی جائز ہے اور نماز سے پہلے کی سنت راتبہ کے طور پر بھی یہ کافی ہے۔

شیخ ابن جریر

نماز تراویح میں قرآن مجید سے دیکھ کر پڑھنا

سوال نماز تراویح میں امام کے قرآن مجید سے دیکھ کر پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس کی کتاب و سنت سے کیا دلیل ہے؟

جواب قیام رمضان میں قرآن مجید سے دیکھ کر پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اس طرح مقتدیوں کو سارا قرآن مجید سنایا جاسکے گا کتاب و سنت کے شرعی دلائل سے یہ ثابت ہے کہ نماز میں قرآن مجید کی قرأت کی جائے اور یہ حکم عام ہے قرآن مجید سے دیکھ کر اور زبانی قرأت سبھی کو شامل ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے کہ انہوں نے اپنے غلام ذکوان کو حکم دیا کہ وہ قیام رمضان میں ان کی امامت کروائیں اور ذکوان قرآن مجید سے دیکھ کر پڑھتے تھے، امام بخاری رضی اللہ عنہ نے اس روایت کو اپنی ”صحیح“ میں^① معلقاً مگر صحت کے پورے وثوق کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

شیخ ابن باز

سوال ہم نے رمضان المبارک میں نماز تراویح امریکی شہر فرزنو میں ادا کی اور قرآن مجید سے دیکھ کر قرأت کے بارے میں ہمارے ہاں اختلاف پیدا ہو گیا۔ بعض بھائیوں کی یہ رائے تھی کہ نماز تراویح میں قرآن مجید سے دیکھ کر قرأت کرنا جائز نہیں اور بعض کی رائے یہ تھی کہ یہ جائز ہے۔ اس وقت یہ صورت حال اس لئے پیش آئی کہ ہم میں کوئی ایسا بھائی نہ تھا جسے مکمل قرآن مجید یاد ہو؟

جواب جب امر واقعہ اس طرح ہے جیسے آپ نے ذکر کیا تو آپ کے امام کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ نماز تراویح میں قرآن مجید سے دیکھ کر قرأت کر لے بلکہ اس طرح کی حالت میں اس طرح کرنا شرعاً مستحب ہے کیونکہ نماز تراویح میں طویل قرأت کی ترغیب دی گئی ہے اور تمہارے لئے یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ تمہارا امام دیکھ کر قرأت کرے۔ امام ابن ابی داؤد نے ”کتب المصاحف“ میں ”ابوب عن ابن ابی ملیکہ کی سند سے“ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ آپ کا غلام ذکوان قرآن مجید سے دیکھ کر آپ کی امامت کروایا کرتا تھا۔ امام ابن ابی شیبہ فرماتے ہیں کہ ہم سے وکیع نے بیان کیا ہشام بن عروہ سے، انہوں نے ابن ابی ملیکہ سے اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ آپ کا ایک مدبر غلام تھا جو رمضان میں قرآن مجید سے دیکھ کر آپ کو نماز پڑھایا کرتا تھا۔

① صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب امامة العبد والمولى، قبل حدیث: 692۔

فتویٰ کمیٹی

وتر کا آخری وقت

وتر کی نماز کے لئے آخری وقت کون سا ہے؟

سوال

وتر کی نماز کے لئے آخری وقت طلوع فجر سے پہلے رات کا آخری حصہ ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

جواب

«صَلَاةُ اللَّيْلِ مَثْنِي مَثْنِي ... فَإِذَا خَشِيَ أَحَدُكُمْ الصُّبْحَ صَلَّى رُكْعَةً وَاحِدَةً تُؤَيِّرُهُ لَهُ مَا قَدْ صَلَّى» (صحیح بخاری، کتاب الوتر، باب ما جاء في الوتر، ح: ۹۹۰، وصحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرين، باب صلاة الليل مثنى مثنى والوتر ركعة من آخر الليل، ح: ۷۴۹)

”رات کی نماز دو دو رکعت ہے، جب تم میں سے کسی کو صبح کے طلوع ہونے کا خدشہ ہو تو وہ ایک رکعت پڑھ لے، اس سے اس کی ساری نماز وتر ہو جائے گی۔“

شیخ ابن باز

قنوت کی دعائیں

میں ایک مسجد میں امام ہوں۔ امید ہے آپ میرے لئے کچھ ایسی مستحب دعائیں ارسال فرما دیں گے، جنہیں

سوال

رمضان المبارک میں نماز وتر میں پڑھا جا سکے؟

نبی کریم ﷺ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو قنوت وتر میں پڑھنے کے لئے کچھ کلمات سکھائے تھے جیسا کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قنوت وتر میں پڑھنے کے لئے مجھے یہ کلمات سکھائے:

جواب

«اللَّهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ، وَعَافِنِي فِيمَنْ عَافَيْتَ، وَتَوَلَّنِي فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ، وَبَارِكْ لِي فِيمَا أَعْطَيْتَ، وَقَبِّضْ شَرَّ مَا قَضَيْتَ، فَإِنَّكَ تَقْضِي عَلَيَّ، وَإِنَّهُ لَا يَدْرِكُ مَنْ وَالَيْتَ، [وَلَا يَعْرِضُ مَنْ عَادَيْتَ]، تَبَارَكَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ» (سنن أبي داود، ابواب الوتر، باب القنوت في الوتر، ح: ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، و سنن ترمذی، باب ما جاء في القنوت في الوتر، ح: ۴۶۴، مسند احمد، ۱/۱۹۹، ۲۰۰ (ولا يعرض من عاديت) رواه البيهقي، ۲/۲۰۹)

”اے اللہ! جن لوگوں کو تو نے ہدایت دی ہے، ان (کے زمرہ) میں تو مجھے بھی ہدایت دے اور مجھے ان لوگوں (کے زمرہ) میں عافیت دے، جن کو تو نے عافیت دی ہے اور جن لوگوں کا تو کارساز بنا ہے ان (کے زمرہ) میں تو میرا بھی کارساز بن جا اور جو کچھ تو نے مجھے عطا فرمایا ہے، اس میں برکت عطا فرما اور جو تو نے میرے لئے مقدر کیا ہے اس کے شر سے مجھے بچا، اس لئے کہ تیرا حکم بے شک، سب پر چلتا ہے مگر تیرے اوپر کسی کا حکم نہیں چلتا جس کا تو والی (مددگار) بن گیا وہ کبھی ذلیل نہیں ہوتا۔ تو ہی بابرکت ہے۔ اے ہمارے پروردگار تو ہی سب سے بلند و برتر ہے۔“

علاوہ ازیں آپ مسنون دعاؤں میں سے جو چاہیں پڑھ سکتے ہیں۔

فتویٰ کمیٹی

وتر میں سورۃ اخلاص پڑھنا واجب نہیں ہے

کیا وتر میں سورۃ اخلاص کا پڑھنا شرط ہے یا کوئی بھی سورت پڑھ لی جائے تو یہ جائز ہے؟
سوال وتر میں سورۃ اخلاص کا پڑھنا لازمی شرط نہیں ہے بلکہ یہ سنت ہے جیسا کہ حضرت ابی بن کعب اور ابن عباس
جواب سے روایت کیا ہے کہ:

«أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ، كَانَ يُؤْتِرُ بِسَبِّحِ اسْمِ رَبِّكَ الْأَعْلَى وَقُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ وَقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ» (سنن نسائی، کتاب قیام اللیل، باب ذکر اختلاف الفاظ الناقلین ...، ح: ۱۷۰۰، ۱۷۰۱، ۱۷۰۲، و سنن ابی داؤد، کتاب الوتر، باب ما یقرأ فی الوتر، ح: ۱۴۲۳)

”رسول اللہ ﷺ وتر میں ﴿سَبِّحِ اسْمِ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ اور ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ﴾ اور ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ پڑھا کرتے تھے۔“

اگر کوئی شخص اس کے علاوہ کوئی اور سورت پڑھنا چاہے تو جائز ہے لیکن وہ اس سورت کی قرأت کی فضیلت سے محروم رہے گا۔

فتویٰ کمیٹی

خسوف و کسوف سے متعلق مسائل

سہ ماہہ الشیخ! ہم نے اخبارات میں ایک خبر پڑھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عنقریب غروب آفتاب کے تھوڑی دیر بعد چاند کو مکمل طور پر گرہن لگے گا اور اس سے تین دن پہلے سورج کو بھی گرہن لگے گا۔ اس مقالہ میں مضمون نگار نے اسباب خسوف اور اس کی ابتداء و انتہاء کے بارے میں نہایت شرح و بسط سے لکھا ہے جس سے درج حقائق کے بعد ذہن میں کئی سوالات پیدا ہوتے ہیں:

- ① سورج اور چاند کو گرہن لگانا ایک طبعی بات ہے کیونکہ فلکی رصد گاہوں کے ماہرین اس کے وقوع پذیر ہونے سے بھی کئی دن پہلے بتا دیتے ہیں اور یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ کس وقت گرہن شروع ہو کر کس وقت تک رہے گا اور نہایت تحقیق و تدقیق کے ساتھ یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ سورج یا چاند کا کتنا حصہ گرہن کی زد میں آئے گا؟
- ② رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہ حکم دیا ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ہم حالت خسوف میں نماز پڑھیں اور فرمایا کہ اس حالت میں نماز پڑھو حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ گرہن کو صاف کر دے۔
- ③ صحیح بخاری میں حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ خسوف کے وقت ہمیں غلاموں کو آزاد کرنے کا حکم دیا جاتا تھا۔

④ ”فتح الباری“ میں حدیث ہے کہ ”سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔“ تو سوال یہ ہے کہ سورج اور چاند گرہن سے لوگ کیوں ڈریں کیونکہ یہ تو ایک طبعی

چیز ہے، جو رد نما ہونے سے بھی پہلے معلوم کی جاسکتی ہے؟

جواب پہلی بات تو یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ سورج اور چاند کو گرہن اس لئے لگتا ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈرانا چاہتے ہیں اور یہ ترغیب دینا چاہتے ہیں کہ اس کے بندے ان نشانیوں کو دیکھ کر اس سے ڈریں اور اس کے ذکرواطعت کی طرف لگیں، نبی ﷺ نے ہمیں یہ بھی خبر دی ہے کہ سورج اور چاند کو گرہن کسی انسان کی موت و حیات کی وجہ سے نہیں لگتا بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

«إِذَا رَأَيْتُمُ الْخُسُوفَ فَافْرِعُوا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَدُعَائِهِ» (صحیح بخاری، کتاب الکسوف، باب الذکر فی الکسوف، ح: ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، و صحیح مسلم، کتاب الکسوف، باب ذکر النداء بصلاة الکسوف، ح: ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۵، و سنن أبي داود، کتاب صلاة الکسوف، باب الصدقة فيها، ۱۱۹۱، و سنن نسائي، کتاب الکسوف، باب الأمر بالاستغفار فی الکسوف، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴ رواه کلهم نحو المعنى)

”جب تم گرہن دیکھو تو اللہ تعالیٰ کے ذکر اور دعاء کی طرف لپکو۔“

آپ نے یہ بھی فرمایا ہے:

«إِذَا رَأَيْتُمْ ذَلِكَ فَصَلُّوا وَادْعُوا حَتَّىٰ يُكْشَفَ مَا بِيَكُمْ» (صحیح بخاری، کتاب الکسوف، باب الذکر فی الکسوف، ح: ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، و صحیح مسلم، کتاب الکسوف، باب ذکر النداء بصلاة الکسوف، ح: ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۵، و سنن أبي داود، کتاب صلاة الکسوف، باب الصدقة فيها، ۱۱۹۱، و سنن نسائي، کتاب الکسوف، باب الأمر بالاستغفار فی الکسوف، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴ رواه کلهم نحو المعنى)

”جب تم یہ دیکھو تو نماز پڑھو اور دعاء کرو حتیٰ کہ گرہن صاف ہو جائے۔“

اس موقع پر آپ نے اللہ تعالیٰ کی کبریائی بیان کرنے، غلاموں کو آزاد کرنے اور صدقہ کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔ شریعت کا حکم ہے کہ اس موقع پر نماز، ذکر، استغفار، صدقہ، غلاموں کو آزاد کرنے، خوف الہی اور اس کے عذاب سے ڈرنے کو اختیار کیا جائے۔ گرہن کا حساب سے معلوم ہو جانا اس امر سے مانع نہیں ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی نشانی ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈرانے کے لئے دکھاتا ہے کیونکہ اس نے ان نشانیوں کو پیدا کیا اور اسی نے ان کے لئے اسباب کو ترتیب دیا ہے جیسا کہ سورج، چاند اور ستارے مخصوص اوقات میں طلوع اور غروب ہوتے ہیں اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے بھی ہیں اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسباب کو بھی مقرر فرمایا ہے، جن کے پیش نظر ماہرین فلکیات گرہن کو معلوم کر لیتے ہیں تو ان کا ان اسباب سے گرہن کو معلوم کر لینا اس امر سے مانع نہیں ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ایسی نشانیاں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈرانے کے لئے دکھاتا ہے، جس طرح سورج، چاند، ستارے گرمی اور سردی یہ سب بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔ ان میں بھی تخویف و تذہیر کا پہلو ہے۔ ان سے بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے ڈرایا گیا ہے۔ ان نشانیوں کو بھی اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ بندے اپنے اللہ سے ڈریں، اپنے دل میں اس کا خوف پیدا کریں، اس کے حکم کے مطابق زندگی بسر کریں اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، ان کو چھوڑ دیں۔

ہمسماں میں خسوف اور کسوف وغیرہ کی جو نشانیاں ہیں، ماہرین فلکیات اور حساب دانوں کا انہیں معلوم کر لینا اور

اکثر و بیشتر وہ ان کے اسباب ہی سے انہیں معلوم کرتے ہیں، اس امر سے مانع نہیں ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔ حساب تو غلط بھی ہو سکتا ہے، ماہر فلکیات کو بھی غلطی لگ سکتی ہے، کبھی اس کا حساب درست بھی ہو سکتا ہے، لیکن اگر اسے حساب و فلکیات میں مہارت حاصل ہو تو اکثر و بیشتر صورتوں میں اس کا اندازہ درست ہوتا ہے، تو اسے علم غیب نہیں کہا جائے گا کیونکہ خسوف اور کسوف کے اسباب معلوم ہیں، جنہیں ماہرین فلکیات سورج اور چاند کی حرکت اور ان کی منازل سے معلوم کر لیتے ہیں اور اس منزل کو بھی معلوم کر لیتے ہیں، جس میں خسوف و کسوف رونما ہونا ہو، تو یہ اس بات سے مانع نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی زبانی حکم دیا ہے کہ اسے دیکھ کر اللہ تعالیٰ سے ڈرا جائے، صدقہ و خیرات کیا جائے یا اس طرح کے دیگر امور بجالائے جائیں کہ ان سب امور میں بندگان الہی کی مصلحت ہے کہ وہ اس سے ڈریں، اس کے خوف کو اپنے دلوں میں جگہ دیں اور صراطِ مستقیم پر گامزن رہیں اور حساب سے اس کا معلوم ہو جانا ان امور سے مانع نہیں ہے۔

سوال کیا اس طرح کی خبروں کو نشر کرنا گرجھن کی اہمیت کو کم نہیں کرتا؟

جواب اگر ان خبروں کی اشاعت کو ترک کر دیا جائے، تو یہ احسن و افضل ہے تاکہ لوگ جب اچانک گرہن کو دیکھیں تو ان پر خوف اور گھبراہٹ کی کیفیت طاری ہو اور وہ یہ دیکھ کر اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی اطاعت و بندگی کے لئے خوب کوشش کریں لیکن بعض ماہرین کی یہ رائے ہے کہ لوگوں کو پہلے سے مطلع کر دینے سے یہ فائدہ ہے کہ اس طرح غفلت میں مبتلا ہو جانے کی بجائے، وہ اطاعت اور عبادت الہی کے لئے باقاعدہ تیاری کر لیتے ہیں کیونکہ بسا اوقات لوگ گرہن کے بارے میں جب غافل ہوتے ہیں، تو انہیں شعور اور آگاہی حاصل نہیں ہوتی اور وہ اطاعت و عبادت کے لئے تیار نہیں ہوتے لہذا اگر اخبارات میں پہلے سے خبر شائع کر دی جائے، تو وہ خردوار ہو کر اس کے لئے مناسب تیاری کر لیتے ہیں اور ان خبروں کے شائع کرنے سے اکثر و بیشتر یہی مقصود ہونا چاہئے۔

سوال کیا چاند اور سورج کے گرہن کے بارے میں پہلے سے پیش گوئی کر دینا ادلہ شرعیہ سے تصادم تو نہیں ہے؟ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت و گمداشت فرمائے!

جواب نہیں! اس میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ اہل علم فرماتے ہیں کہ ان باتوں کا تعلق فیہی امور سے نہیں ہے بلکہ انہیں حساب سے معلوم کیا جاسکتا ہے، جس طرح پہلے لوگوں میں سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ ماہرین فلکیات و حساب، چاند اور سورج کی منزلوں سے اس کا حساب لگا لیتے ہیں اور ان طریقوں سے اسے معلوم کر لیتے ہیں، جنہیں انہوں نے علم فلکیات میں پڑھا اور معلوم کیا ہوتا ہے۔ علم غیب سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

شیخ ابن باز

جمعہ کے دو خطبوں کے درمیان دو رکعات پڑھنا

سوال میں نے نماز جمعہ میں یہ دیکھا ہے کہ جب امام دو خطبوں کے درمیان بیٹھا تو بعض نمازیوں نے کھڑے ہو کر دو رکعات پڑھیں اور پھر بیٹھ گئے۔ اس نماز کا کیا حکم ہے؟ کیا یہ جائز ہے کہ آدمی مسجد میں آکر بیٹھنے کے بعد پھر نماز کے لئے کھڑا ہو؟

جواب یہ نماز غیر مشروع ہے کیونکہ مشروع یہ ہے کہ جب امام خطبہ شروع کر دے تو لوگ اس کا خطبہ سنیں۔ دو خطبوں کے درمیان امام کے دوسرے خطبہ کا انتظار کریں اور اگر دو خطبوں کے درمیان دعاء کریں تو یہ بھی بہتر ہے کیونکہ یہ قبولیت دعاء کا وقت ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

«فَإِنَّ فِي يَوْمِ الْجُمُعَةِ سَاعَةً لَا يُؤَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي يَسْأَلُ اللَّهَ شَيْئًا إِلَّا أَعْطَاهُ اللَّهُ تَعَالَى مَا دَعَا بِهِ» (صحیح بخاری، کتاب الجمعة، باب الساعة التي في يوم الجمعة،

ح: ۹۳۵، وصحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب في الساعة التي في يوم الجمعة، ح: ۸۵۲)

”جمعہ کے دن ایک ایسی گھڑی آتی ہے جس میں مسلمان آدمی کھڑے ہو کر نماز پڑھے اور اپنے اللہ تعالیٰ سے جو کچھ بھی مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعاء کو قبول فرماتے ہوئے وہ عطا فرمادیتا ہے۔“

ہاں آدمی مسجد میں بیٹھنے کے بعد تھیجۃ المسجد ادا کرنے کے لئے کھڑا ہو سکتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ایک آدمی جمعہ کے دن مسجد نبوی میں اس وقت آیا جب نبی کریم ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے تو آپ نے اس سے فرمایا:

«أَصَلَّيْتَ: قَالَ لَا قَالَ فَمُ فَصَلُّ رَكَعَتَيْنِ» (صحیح بخاری، کتاب الجمعة، باب إذا رأى الإمام رجلاً جاء وهو يخطب، وباب من جاء والامام يخطب صلى ركعتين خفيفتين ح: ۹۳۰، ۹۳۱، وصحیح

مسلم، کتاب الجمعة، باب التحية والامام يخطب ح: ۸۷۵)

”کیا تم نے نماز پڑھی ہے؟“ اس نے عرض کیا۔ ”نہیں“ تو آپ نے فرمایا۔ ”کھڑے ہو جاؤ اور دو رکعات پڑھو۔“

ہاں اگر آدمی کو بیٹھے ہوئے کافی وقت ہو جائے تو پھر تھیجۃ المسجد نہ پڑھے کیونکہ سنت یہ ہے کہ جب کسی عمل کا مقام ختم ہو جائے تو مطالبہ ساقط ہو جاتا ہے۔

شیخ ابن عثیمین

اذان اول کے بعد نماز فجر

سوال کیا اذان اول کے بعد نماز فجر ادا کرنا صحیح ہے؟ دونوں اذانوں کے مابین کے وقت کو نماز فجر کا وقت قرار دیا جاسکتا ہے؟ یا اذان ثانی کے بعد کا وقت ہی نماز فجر کے لئے صحیح ہے؟

جواب نماز وقت شروع ہونے کے بعد ہی صبح ہوگی اور فجر کا وقت طلوع صبح کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔ اور صبح سے مراد مشرق میں پھیلنے والی سفیدی ہے لہذا جو شخص طلوع صبح سے پہلے نماز پڑھے لے، اس کی نماز صحیح نہ ہوگی۔ اذان اس کے لئے شرط نہیں ہے بلکہ صحت نماز کے لئے وقت کا شروع ہونا شرط ہے۔ اگر وقت ہو جائے اور اذان نہ بھی ہو تو نماز صحیح ہوگی۔ ہاں البتہ نماز فجر کے لئے بعض علماء نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ اس کے لئے رات کے آخری حصہ میں وقت شروع ہونے سے پہلے بھی اذان دی جاسکتی ہے لیکن وقت شروع ہونے سے پہلے نماز نہیں پڑھی جاسکتی اور بعض علماء کی یہ رائے ہے کہ قبل از وقت صرف رمضان میں صبح کی اذان دی جاسکتی ہے تاکہ سونے والا شخص سحری کے لئے بیدار ہو جائے اور نمازی کو یہ معلوم ہو جائے کہ سحری کا وقت قریب ہے لیکن نماز، دوسری اذان کے بعد جو صبح وقت پر

ہوتی ہے، ادا کی جائے گی۔ واللہ اعلم

شیخ ابن جبرین

کیا کوئی نماز فائدہ بھی ہے؟

سوال لوگ بیان کرتے ہیں کہ ایک نماز فائدہ ہے، جس کی سو رکعات ہیں۔ بعض لوگ اس کی صرف چار رکعات

بتاتے ہیں اور اسے رمضان کے آخری جمعہ میں ادا کیا جاتا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے یا بدعت؟

جواب یہ بات صحیح نہیں ہے۔ نماز فائدہ نامی کوئی نماز نہیں کیونکہ تمام نمازیں ہی مبنی بر فوائد ہیں۔ فرض نماز فائدہ کے اعتبار سے سب سے بڑھ کر ہے کیونکہ عبادت جب فرض ہو تو وہ نفل عبادت سے بہر حال افضل ہے، چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ:

«مَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُهُ عَلَيْهِ» (صحیح بخاری، کتاب الرقاق،

باب التواضع، ح: ۶۵۰۲)

”میرے بندے نے کسی ایسی چیز کے ساتھ میرا تقرب حاصل نہیں کیا جو مجھے اس سے زیادہ پسند ہو جسے میں

نے اپنے بندے پر فرض قرار دیا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے جس عبادت کو واجب قرار دیا ہے تو یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس سے محبت ہے اور یہ بندے کے لئے نفل سے زیادہ منفعت بخش ہے، یہی وجہ ہے کہ اسے لازم بھی قرار دیا گیا اور اس میں اجر و ثواب بھی زیادہ رکھا گیا تو تمام نمازیں ہی مبنی بر فوائد ہیں۔ نماز فائدہ نامی کوئی خاص نماز نہیں ہے بلکہ یہ بدعت اور بے اصل ہے۔ آدمی کو ایسے اذکار اور نمازوں سے پرہیز کرنا چاہئے جو لوگوں میں عام رواج پا چکی ہیں، لیکن سنت سے ان کا کوئی ثبوت نہیں۔ یاد رہے عبادت میں اصل ممانعت ہے لہذا کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے کوئی ایسا طریقہ اختیار کرے، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یا رسول اللہ ﷺ نے اپنی سنت میں نہ بتایا ہو۔ جب انسان کو کسی چیز کے بارے میں یہ شک ہو کہ یہ اعمال عبادت سے ہے یا نہیں؟ تو اصل بات یہ ہے کہ وہ عبادت نہیں ہے حتیٰ کہ دلیل سے ثابت ہو جائے کہ وہ عبادت ہے۔ واللہ اعلم

شیخ ابن عثیمین

نماز حاجت اور حفظ القرآن غیر شرعی ہیں

میں نے نماز حاجت اور نماز حفظ القرآن کے بارے میں سن رکھا ہے تو کیا یہ صحیح ہیں یا نہیں؟

سوال یہ دونوں نمازیں صحیح نہیں ہیں۔ نماز حاجت درست ہے اور نہ نماز حفظ القرآن، کیونکہ اس طرح کی عبادت کا

جواب اثبات کسی ایسی شرعی دلیل ہی سے ممکن ہے جو حجت ہو اور یہ نمازیں کسی ایسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں ہیں، جو حجت ہو لہذا یہ غیر شرعی ہیں۔

شیخ ابن عثیمین

جب وتر پڑھتے ہوئے اذان فجر ہو جائے

سوال ایک آدمی نماز وتر پڑھ رہا تھا کہ صبح کی اذان شروع ہو گئی تو اس صورت میں کیا حکم ہے؟ کیا وہ اپنی نماز کو پورا کرے یا کیا کرے؟

جواب ہاں جب وتر پڑھتے ہوئے اذان شروع ہو جائے تو نماز مکمل کر لینی چاہئے اس میں کوئی حرج نہیں۔
 شیخ ابن عثیمین

سنتوں کے لئے جگہ تبدیل کرنا

سوال کیا فرض ادا کرنے کے بعد سنتوں کی جگہ کی تبدیلی کے بارے میں کوئی دلیل دارو ہے؟
جواب ہاں! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، أَمَرَنَا أَنْ لَا نُؤْصِلَ صَلَاةَ بِصَلَاةٍ حَتَّى نَخْرُجَ أَوْ نَتَكَلَّمَ» (صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب الصلاة بعد الجمعة، ح: ۸۸۳، وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب الصلاة بعد الجمعة، ح: ۱۱۲۹)

”ہم ایک نماز کو دوسری کے ساتھ نہ ملائیں حتیٰ کہ ہم الگ ہو جائیں یا کلام کریں۔“
 تو اس حدیث سے اہل علم نے یہ اخذ کیا ہے کہ فرض اور سنتوں میں فاصلہ ہونا چاہئے کلام کے ذریعہ یا جگہ کی تبدیلی کے ذریعہ۔
 شیخ ابن عثیمین

وتر کی قضاء

سوال جب میں سو جاؤں اور رات کو نماز وتر ادا نہ کر سکوں تو کیا اس کی قضاء دوں اور کس وقت دوں؟
جواب سنت یہ ہے کہ اس کی قضاء نفل کے وقت، سورج بلند ہونے کے بعد اور استواء سے پہلے جنت تعداد میں نہ کہ طاق تعداد میں دی جائے۔ اگر آپ کی عادت رات کو تین وتر پڑھنے کی ہے اور آپ سو گئے یا بھول گئے تو پھر دن کو تین یا بجائے دو دو کر کے چار رکعتیں پڑھی جائیں اور اگر آپ کی عادت رات کو پانچ رکعات وتر پڑھنے کی ہے اور آپ سو گئے یا بھول گئے تو پھر دن کو پانچ کے بجائے دو دو کر کے چھ رکعات پڑھی جائیں اور اگر آپ کا معمول اس سے زیادہ رکعات پڑھنے کا ہے تو ان کے بارے میں بھی اسی طرح حکم ہو گا۔ کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

«كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ، إِذَا شُغِلَ عَنِ صَلَاتِهِ بِاللَّيْلِ بِنَوْمٍ أَوْ مَرَضٍ صَلَّى مِنَ النَّهَارِ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً» مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب جامع صلاة الليل ومن نام عنه أو مرض، ح: ۷۴۶)

”رسول اللہ ﷺ جب نیند یا مرض کی وجہ سے رات کو نماز نہ پڑھ سکتے تو آپ دن کو بارہ رکعات پڑھتے۔“
 آپ ﷺ کی وتر کی نماز چونکہ اکثر و بیشتر گیارہ رکعت ہوتی تھی اس لئے آپ قضاء کے طور پر بارہ رکعت ادا فرماتے اور سنت یہ ہے کہ انہیں دو دو رکعات پڑھا جائے جیسا کہ اس حدیث شریف سے ثابت ہے۔ نیز آپ کا ارشاد ہے:

«صَلَاةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنِي مَثْنِي» سنن أبي داود، كتاب الطلوع، باب صلاة النهار، ح: ۱۲۹۵، واصله في

الصحيحين من حديث ابن عمر رضي الله عنهما لكن بدون ذكر النهار
”دن اور رات کی نماز دو رکعت ہے۔“

اس حدیث کو امام احمد اور اہل سنن نے باسناد صحیح روایت کیا ہے۔ اصل میں یہ حدیث صحیحین میں بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہما موجود ہے لیکن اس میں دن کا ذکر نہیں ہے، لیکن امام احمد اور اہل سنن کی روایتوں میں ”دن“ کا لفظ بھی ثابت ہے۔

شیخ ابن باز

اس وقت نماز کا حکم جب خطیب منبر پر خطبہ دے رہا ہو

سوال جب جمعہ کے دن مسجد میں آؤں اور امام خطبہ دے رہا ہو تو کیا اس وقت دو رکعت پڑھنا جائز ہے؟
جواب جو شخص مسجد میں آئے اس کے لئے مسنون یہ ہے اور اس کی بہت تاکید آئی ہے کہ وہ تہیۃ المسجد کے طور پر دو رکعت پڑھے بغیر نہ بیٹھے خواہ امام جمعہ کا خطبہ ہی کیوں نہ دے رہا ہو۔

شیخ ابن جریر

وترکو دوبارہ پڑھنا جائز نہیں

سوال بعض ائمہ رمضان کے آخری عشرہ میں رات کے پہلے حصہ میں بھی وتر پڑھتے ہیں اور پھر رات کے آخری حصہ میں بھی۔ اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟
جواب وترکو دوبارہ پڑھنا جائز نہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ:

«لَا وَتْرَانِ فِي لَيْلَةِ» (سنن أبي داود، كتاب الوتر، باب في نقض الوتر، ١٤٣٩، وسنن ترمذي، ابواب الوتر، ما جاء لا وتران في ليلة، ٤٧٠)
”ایک رات میں دو بار وتر نہیں۔“

اس لئے کہ رات کی نماز کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ وتر ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی طاق ہے اور وہ طاق کو پسند فرماتا ہے۔ لہذا رات کو تین یا پانچ یا سات یا نو وغیرہ کی تعداد میں وترکو پڑھا جائے۔ اگر کوئی شخص حرم میں امام کے ساتھ تراویح پڑھے تو اسے اجازت ہے کہ امام کے ساتھ پڑھے ہوئے وترکو اس طرح شفیع (جنت) بنالے کہ امام کے ساتھ سلام پھیرنے کے بعد کھڑا ہو کر ایک رکعت اور پڑھ لے اور پھر رات کے آخری حصہ میں نماز تہجد کے بعد وتر پڑھے تو یہ افضل ہے تاکہ آخری نماز وتر ہو اور اگر تراویح کے بعد امام اول کے ساتھ اس نے وتر پڑھ لئے ہوں تو پھر آخری نماز شفیع (جنت) ہوئی چاہئے تاکہ ایک رات میں دو دفعہ وتر نہ ہوں۔ واللہ اعلم

شیخ ابن جریر

نماز عشاء کے فوراً بعد وتر پڑھنا

سوال مجھے قرآن مجید کی تلاوت، اذکار اور مستحب نمازوں مثلاً وتر وغیرہ کا بہت شوق ہے لیکن اکثر نماز وتر بوجھل

محسوس ہونے لگتی ہے خصوصاً جب کہ نماز عشاء کے فوراً بعد اسے ادا نہ کروں، تو کیا یہ جائز ہے کہ میں اسے نماز عشاء کے فوراً بعد ادا کر لیا کروں یا ضروری ہے کہ اسے مؤخر کیا جائے اور سونے سے پہلے پڑھا جائے؟

جواب سونے تک اسے مؤخر کرنا افضل نہیں ہے، جب کہ یہ نسیان یا گرائی یا غفلت کا ذریعہ بنے بلکہ اس صورت میں اسے نماز عشاء کے فوراً بعد ادا کرنا افضل ہے۔ ہاں البتہ اگر رات کے آخری حصہ میں اٹھنے کا وثوق ہو تو پھر اسے مؤخر کرنا افضل ہے اور اگر نیند یا غفلت کا اندیشہ ہو تو احتیاط اس میں ہے کہ اسے رات کے پہلے حصہ ہی میں پڑھ لیا جائے۔

— شیخ ابن جبرین —

سونے سے پہلے وتر پڑھنا

سوال میں ایک عورت ہوں۔ جب سونے لگتی ہوں تو بہت تھکی ہوتی ہوں، تو کیا میرے لئے یہ جائز ہے کہ میں سونے سے پہلے ہی وتر پڑھ لوں کیونکہ میں نماز فجر کے وقت بیدار ہوتی ہوں، کیا مجھے قیام اللیل کا ثواب مل جائے گا؟

جواب جب تمہاری عادت اذان فجر کے وقت اٹھنے کی ہے، تو پھر جو نماز پڑھنے کا ارادہ رکھتی ہو تو افضل یہ ہے کہ اسے سونے سے پہلے ادا کر لو کیونکہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کو یہ وصیت فرمائی تھی کہ:

«أَنْ يُؤْتِرَ قَبْلَ أَنْ يَنَامَ» (مسند ابی داؤد، کتاب الوتر، باب فی الوتر قبل النوم، ح: ۱۴۳۲، ۱۴۳۳،

ومستند احمد، ۲/۲۲۹)

”وہ سونے سے پہلے وتر پڑھ لیں۔“

لہذا اللہ تعالیٰ جتنی توفیق عطا فرمائے نماز پڑھ لو اور سونے سے پہلے وتر پڑھ لو اور اگر اذان فجر سے پہلے بیدار ہو جاؤ اور نفل پڑھنا چاہو تو کوئی حرج نہیں۔ دو دو رکعات کر کے نفل پڑھ لو اور وتر دوبارہ نہ پڑھو۔

— شیخ ابن عثیمین —

تحیۃ المسجد یا مؤذن کا جواب

سوال مؤذن اذان دے رہا ہو تو تحیۃ المسجد پڑھنا افضل ہے یا مؤذن کا جواب دینا اور اس کے بعد نماز پڑھنا افضل ہے؟

جواب جو شخص مسجد میں اس وقت داخل ہو جب اذان ہو رہی ہو تو افضل یہ ہے کہ مؤذن کی اذان کا جواب دیا جائے اور اس کے فارغ ہونے کے بعد تحیۃ المسجد کو ادا کیا جائے لیکن جمعہ کی اذان ثانی کے وقت افضل یہ ہے کہ اذان کے وقت تحیۃ المسجد کو پڑھا جائے تاکہ خطبہ شروع ہونے سے پہلے آدمی نماز سے فارغ ہو جائے اور پھر خاموش بیٹھ کر خطبہ سن سکے۔

— شیخ ابن جبرین —

دعاء وتر میں رفع الیدین

سوال وتر میں رفع الیدین کا کیا حکم ہے؟

جواب شریعت کا حکم ہے کہ قنوت وتر میں بھی رفع الیدین کیا جائے کیونکہ یہ قنوت بھی قنوت نازلہ ہی کے جنس میں

سے ہے اور یہ نبی ﷺ سے ثابت ہے کہ:

«أَنَّهُ رَفَعَ يَدَيْهِ حِينَ دُعَايِهِ فِي قُنُوتِ النُّوْزِلِ» (السنن الكبرى للبيهقي كتاب الصلاة، باب رفع اليدين

في القنوت، ح: ۳۲۲۹)

”آپ نے قنوت نازلہ میں دعاء کیلئے ہاتھ اٹھائے تھے۔“ (امام بیہقی نے اس حدیث کو صحیح سند کیساتھ بیان فرمایا ہے)

— شیخ ابن باز —

نماز ضحیٰ، وقت اور تعداد رکعات؟

نماز ضحیٰ کی رکعات کی تعداد کتنی ہے اور اس کے ادا کرنے کا مناسب وقت کون سا ہے؟

سوال

نماز ضحیٰ سنت مستحب ہے۔ اس کی کم از کم دو رکعات اور زیادہ سے زیادہ بارہ رکعات ہیں۔ افضل وقت وہ ہے

جواب

جب سورج کی حرارت میں شدت آنا شروع ہو جاتی ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ:

«صَلَاةُ الْأَوَّابِينَ حِينَ تَرَمَضُ الْفِصَالُ» (صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرين، باب صلاة الأوابين

حين ترمض الفصا، ح: ۷۸۴)

”اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والوں کی نماز کا وقت وہ ہے جب اونٹ کے بچوں کے پاؤں جلنے لگتے ہیں۔“

لیکن یہ نماز اس وقت بھی جائز ہے جب ممانعت کا وقت گزرنے کے بعد سورج ایک نیزہ کے برابر بلند ہو جائے اور

اذان ظہر سے پہلے زوال شروع ہونے سے تھوڑی دیر پہلے یعنی قریباً نصف گھنٹہ پہلے تک اس نماز کا وقت رہتا ہے۔

— شیخ ابن جبرین —

نماز ضحیٰ اور شفع و وتر کا وقت؟

۱ نماز ضحیٰ کا وقت کب شروع ہوتا ہے؟

سوال

۲ نماز شفع و وتر کا وقت کب شروع ہوتا ہے؟

سوال

۱ نماز ضحیٰ کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے، جب سورج ایک نیزہ کے برابر بلند ہو جائے اور ظہر سے قبل زوال

سے تھوڑی دیر پہلے یعنی قریباً نصف گھنٹہ تک رہتا ہے اور افضل وقت ضحیٰ کا نصف وقت ہے، جس وقت اونٹ کے بچوں

جواب

کے پاؤں جلنا شروع ہو جاتے ہیں یعنی گرمی کی شدت میں اضافہ شروع ہو جاتا ہے۔

۲ وتر کا وقت عشاء کے بعد سے لے کر طلوع صبح سے پہلے تک ہے۔ اس کا افضل وقت رات کا آخری حصہ ہے اس کیلئے جسے

جواب

اس وقت اٹھنے کا اعتماد ہو۔ اور اگر اسے خدشہ ہو کہ وہ نیند کے غلبہ کی وجہ سے نہیں اٹھ سکے گا تو وہ سونے سے پہلے پڑھ لے۔

— شیخ ابن جبرین —

عشاء کے بعد نماز قیام اللیل ہے

کیا جو شخص عشاء کی نماز کے فوراً بعد گیارہ رکعت وتر پڑھ لیتا ہے، اسے بھی قیام اللیل شمار کیا جائے گا؟

سوال

قیام اللیل وہ ہے، جسے رات کے دو تین گھنٹے گزرنے کے بعد ادا کیا جائے خواہ رکعات کی تعداد زیادہ ہو یا کم خواہ

جواب

اسے عشاء سے پہلے رات کے ابتدائی حصہ میں ادا کیا جائے یا فجر سے پہلے رات کے آخری حصہ میں لیکن افضل یہ ہے کہ سو کر اٹھنے کے بعد رات کی آخری تہائی میں اسے ادا کیا جائے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ رات کے ابتدائی حصہ میں انسان جلدی سو جائے!

— شیخ ابن جریر —

جس شخص کا نماز کسوف میں دوسرا رکوع فوت ہو جائے؟

سوال کیا یہ صحیح ہے کہ نماز کسوف کا دوسرا رکوع سنت ہے لہذا جس کا پہلا رکوع رہ گیا اسے امام کے سلام پھیر دینے کے بعد دو رکوع کیساتھ ایک مکمل رکعت ادا کرنا ہوگی یا یہ دوسرا رکوع پہلے رکوع کے قائم مقام ہو سکتا ہے؟

جواب صحیح بات یہ ہے کہ جس شخص کا نماز کسوف میں پہلا رکوع فوت ہو گیا، وہ اسے رکعت شمار نہ کرے اور اس کے بجائے وہ دو رکوعوں کے ساتھ ایک رکعت ادا کر لے۔ نماز کسوف چونکہ عبادت ہے اور عبادات تو قیسی ہیں یعنی عبادات کے بارے میں صرف اسی کیفیت پر اکتفاء کیا جائے گا جو صحیح نصوص سے ثابت ہو۔

— فتویٰ کمیٹی —

مطلق نفل نماز

سوال کیا یہ جائز ہے کہ میں مطلق نیت کے ساتھ نفل نماز ادا کروں؟ مثلاً ایک شخص نے نفل نماز شروع کی اور رکعات کی تعداد کی تحدید نہ کی اور وہ چاہتا ہے کہ جس قدر اللہ تعالیٰ توفیق دے رکعات پڑھے۔ کیا یہ جائز ہے؟ براہ کرم دلیل کے ساتھ جواب دیجئے۔ اور سلام پھرنے کے بعد جب اسے یہ معلوم ہی نہ ہو کہ اس نے طاق رکعات پڑھی ہیں یا جفت اور نہ یہ معلوم ہو کہ کتنی رکعات پڑھی ہیں تو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب اس کا حکم یہ ہے کہ انسان کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ جتنی رکعات چاہے بیک وقت شروع کر لے بلکہ وہ شریعت کے حکم کا پابند ہے اور حکم شریعت یہ ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«صَلَاةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنِي مَثْنِي» (سنن أبي داود، کتاب التطوع، باب صلاة النهار، ح: ۱۲۹۵،

واصله في الصحيحين من حديث ابن عمر رضي الله عنهما لكن بدون ذكر النهار)

”رات اور دن کی نماز دو دو رکعت ہے۔“

لہذا آدمی کو چاہئے کہ وہ دن ہو یا رات نفل نماز دو دو رکعات کر کے پڑھے، چار یا چھ یا آٹھ وغیرہ اکٹھی نہ پڑھے ہاں البتہ وتر کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ تین یا پانچ یا سات ایک تشہد اور ایک سلام کے ساتھ پڑھے جائیں، اسی طرح نو رکعات وتر ایک سلام اور دو تشہد کے ساتھ ادا کی جائیں، ایک تشہد آٹھویں رکعت کے بعد کیا جائے اور دوسرا تشہد نویں رکعت کے بعد اور پھر اس کے بعد سلام پھیر دیا جائے۔ الغرض انسان کو یہ اختیار نہیں کہ وہ بیک وقت جتنی تعداد میں چاہے رکعات شروع کر لے بلکہ ضروری ہے کہ دو دو کر کے رکعات پڑھے ہاں اس طرح جتنی رکعات چاہے پڑھ سکتا ہے، اگرچہ افضل یہ ہے کہ رات کی نماز تیرہ یا گیارہ رکعت سے زیادہ نہ ہو کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا یہی معمول تھا۔

شیخ ابن عثیمین

نفل نماز یا طواف؟

سوال کعبہ کے پاس طواف افضل ہے یا نفل نماز؟

جواب بے شک نماز عبادت اور تقرب الہی کے حصول کا افضل ترین ذریعہ ہے، اسی طرح بیت الحرام کا طواف بھی نماز اور دعاء ہے اور اس کی بھی بہت فضیلت ہے لیکن رائج بات یہ ہے کہ جو شخص باہر سے مکہ میں آیا اور اسے یہاں سے جلد چلے جانا ہے تو اس کے حق میں مطلق نفل نماز کی نسبت طواف بہتر ہے کیونکہ طواف اسے ہر جگہ میسر نہ ہو گا لیکن وہ یہاں نماز بھی نہ چھوڑے بلکہ سنن راتبہ، طواف کی دو رکعات اور جس قدر ممکن ہو نماز بھی پڑھتا رہے۔ مکہ میں مقیم انسان کے لئے نفل نماز افضل ہے لیکن وہ بیت اللہ کا طواف بھی نہ چھوڑے، یہ کہتے ہوئے کہ وہ جب چاہے گا طواف کر لے گا۔

شیخ ابن جبرین

نماز باجماعت اور تارک نماز کا حکم

منافقوں کے لئے سب سے دشوار عشاء اور صبح کی نماز ہے

سوال کیا یہ جائز ہے کہ صبح کی نماز کے وقت آدمی سویا رہے اور جب بیدار ہو، اس وقت پڑھ لے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ”جو شخص نماز سے سویا رہے یا بھول جائے تو اسے جس وقت یاد آئے اسی وقت پڑھ لے، اس کا وہی وقت ہے۔“ میں صبح کے وقت اٹھ تو سکتا ہوں لیکن بے حد مشکل کے ساتھ اور اگر اس وقت نماز پڑھوں، تو ذہن بھی حاضر نہیں ہوتا۔ (یعنی منتشر ذہن سے نماز پڑھتا ہوں) امید ہے صبح کی نماز کی فضیلت خصوصاً نہایت وضاحت کے ساتھ اس کے تارک کی سزا بھی بیان فرمائیں گے؟

جواب ہر مسلمان کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ تمام نمازوں کو باجماعت مسجد میں ادا کرے، اس کا خاص اہتمام کرے اور ہر اس بات سے دور رہے، جو اللہ تعالیٰ کے فرائض کی بجا آوری میں رکاوٹ بنے۔ ان فرائض میں سے اہم ترین نماز فجر ہے۔ صحیح حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد موجود ہے کہ:

«أَثْقَلُ الصَّلَاةِ عَلَى الْمُنَافِقِينَ صَلَاةُ الْعِشَاءِ وَصَلَاةُ الْفَجْرِ، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِيهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبَوًّا» (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب فضل صلاة العشاء في الجماعة، ح: ۶۵۷،

وصحیح مسلم، کتاب المساجد، باب فضل صلاة الجماعة وبيان التشديد ...، ح: ۶۵۱)

”منافقوں کے لئے سب سے زیادہ دشوار نماز عشاء اور صبح کی نماز ہے اور اگر انہیں معلوم ہوتا کہ ان نمازوں

میں کس قدر اجر و ثواب ہے تو وہ گھٹنوں کے بل بھی چل کر آتے“

اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَقَرَأَ الْفَجْرَ لَنْ قَرَأَ الْفَجْرَ كَانَتْ مَشْهُودًا ﴾ (الإسراء: ۷۸)

”اور صبح کو قرآن پڑھا کرو کیونکہ صبح کے وقت قرآن پڑھنا موجب حضور (ﷺ) ہے۔“

حدیث میں بھی ہے کہ صبح کی نماز میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں یعنی اس وقت دن اور رات کے فرشتے جمع ہوتے ہیں۔ امام شافعی کا مذہب ہے کہ نماز فجر ہی نماز وسطیٰ ہے اور آپ کا استدلال:

﴿ وَقَوْمُوا لِلَّهِ قَسْبَتَيْنِ ﴾ (البقرة: ۲۳۸)

”اور اللہ کے آگے ادب سے کھڑے رہا کرو۔“

کے جملہ سے ہے کہ طول قیام تو نماز فجر میں ہوتا ہے، بہر حال یہ واجب ہے کہ نماز صبح کے لئے خاص اہتمام کیا جائے لہذا ایسے اسباب اختیار کیجئے، جن کی وجہ سے آپ کے لئے نماز صبح کا باجماعت ادا کرنا ممکن ہو مثلاً رات کو جلد سو جائیے اور دیر تک بیدار نہ رہئے کیونکہ اس سے رات کے آخری حصہ میں نیند کا غلبہ ہو جاتا ہے اور آدمی صبح کی نماز بروقت ادا نہیں کر سکتا۔ آپ پوری پوری کوشش کریں کہ اذان کے قریب یا اذان سنتے ہی بیدار ہو جائیں یا کسی کے ذمے لگائیں جو آپ کو بیدار کر دے، یا نماز کے وقت آپ کے دروازہ پر دستک دے دے، یا الارم والی گھڑی استعمال کیجئے کہ اذان سن کر یا اذان کے قریب آپ الارم سن کر بیدار ہو جائیں اور جب انسان اٹھنے کا عادی ہو جائے تو وہ سستی اور صعوبت پر قابو پا ہی لیتا ہے، اس کے لئے اٹھنا آسان ہو جاتا ہے، نماز سے اسے محبت ہو جاتی ہے اور نماز میں جو وہ کوتاہی سنتا ہے، اس کے لئے اسے دل کی حضوری بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم

شیخ ابن جبرین

حالت رکوع میں امام کا مقتدیوں کے لئے انتظار کرنا

سوال امام جب حالت رکوع یا آخری تشهد میں مقتدیوں کے آنے کی آواز کو سنے، تو کیا اس کے لئے لازم ہے کہ ان کا انتظار کرے؟

جواب افضل یہ ہے کہ عجلت نہ کی جائے اور اسی طرح یہ بھی افضل ہے کہ امام اتنی تاخیر کرے، جو مومنوں کے لئے گراں نہ گزرے کیونکہ پہلے آنے والے مومنوں کی رعایت کرنا زیادہ اہم ہے لیکن امام اگر تھوڑی سی تاخیر کرے، کہ آنے والے لوگ امام کے ساتھ رکوع یا سجدہ یا تشهد کو پالیں تو یہ امام کے لئے افضل اور اولیٰ ہے۔

شیخ ابن باز

نماز کے ساتھ ملنے کے لئے جلد بازی کا مظاہرہ کرنا

سوال بہت سے مسلمانوں کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ان کی نماز باجماعت کا کوئی حصہ بھی فوت نہ ہو لہذا جب وہ مسجد کی طرف آتے اور یہ دیکھتے ہیں کہ امام نے نماز شروع کر دی ہے، تو وہ جماعت میں شامل ہونے کے لئے دوڑ پڑتے ہیں، تو اس طرز عمل کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب نماز کے لئے دوڑ کر نہیں آنا چاہیے، یہ ایک مکروہ عمل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِذَا أُنِيتُمُ النَّمْلَةَ فَاْمَشُوا وَعَلَيْكُمْ السَّكِينَةُ وَالْوَقَارُ، فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَاتِمُوا» (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب قول الرجل فاتتنا الصلوة، ح: ۶۳۵، ۶۳۶ و صحیح مسلم،

کتاب المساجد، باب استحباب اتیان الصلاة بوقار وسکينة...، ح: ۶۰۲)

”جب تم نماز کے لئے آؤ تو بڑے سکون اور وقار کے ساتھ چل کر آؤ، نماز کا جو حصہ پالو اسے پڑھو اور جو حصہ فوت ہو جائے اسے مکمل کر لو۔“

دوسری حدیث میں الفاظ یہ ہیں:

«فَلَا تَأْتُوهَا وَأَنْتُمْ تَسْعَوْنَ وَأَتُوهَا وَعَلَيْكُمْ السَّكِينَةُ وَالْوَقَارُ، فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا وَمَا فَاتَكُمْ فَاتِمُوا» (صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب استحباب اتیان الصلاة بوقار وسکينة...،

ح: ۶۰۲)

”نماز کے لئے دوڑتے ہوئے نہ آؤ بلکہ سکون اور وقار کے ساتھ آؤ، جو حصہ پالو اسے پڑھ لو اور جو فوت ہو جائے اسے مکمل کر لو۔“

سنت یہ ہے کہ آدمی نماز کے لئے چلتے ہوئے عاجزانہ انداز میں اور جلد بازی کا مظاہرہ نہ کرتے ہوئے آئے، بڑے اطمینان و سکون کے ساتھ اپنی معمول کی چال میں آئے اور صف کے ساتھ مل جائے سنت یہی ہے۔

شیخ ابن باز

بچوں کو صف میں کہاں کھڑا کیا جائے

جب آدمی دو یا دو سے زیادہ نابالغ بچوں کی امامت کروائے تو بچے کہاں کھڑے ہوں گے اس کے پیچھے یا دائیں

سوال

جانب؟

سنت یہ ہے کہ بچے جب سات سال یا اس سے زیادہ عمر کے ہو جائیں تو وہ بالغوں کی طرح امام کے پیچھے ہی

جواب

کھڑے ہوں اور اگر بچہ ایک ہو تو اسے امام اپنی دائیں جانب کھڑا کر لے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں نماز پڑھی اور حضرت انس رضی اللہ عنہ اور ایک یتیم کو اپنے پیچھے کھڑا کر لیا اور (حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ) ام سلیم رضی اللہ عنہا کو ان دونوں کے پیچھے کھڑا کر لیا^① اور ایک دوسری روایت میں آپ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ نماز پڑھی اور انہیں اپنی دائیں جانب کھڑا کر لیا، اسی طرح ایک مرتبہ نماز میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ تھے، تو انہیں بھی آپ نے اپنی دائیں جانب کھڑا کر لیا۔^②

فتویٰ کمیٹی

① صحیح بخاری، کتاب الجماعة والامامة، باب المرأة وحدها تكون صفا، ح: 380، 727۔ و صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب

جواز الجماعة فی المأفلة، ح: 658۔

② صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب اذا قام الرجل عن يسار الامام فحول الامام...، ح: 698۔

محکموں، اداروں اور کمپنیوں میں نماز

سوال ہمارے شہر میں ”امریا المعروف اور نہی عن المنکر“ کے محکمہ کے سربراہ نے یہ حکم دیا ہے کہ بینک کا ہر ملازم نماز ظہر قریبی مسجد میں باجماعت ادا کرے، جب کہ بینک کے مدیر کی یہ رائے ہے کہ بینک کے تمام ملازمین کو بینک کے اندر ہی باجماعت نماز ادا کرنی چاہئے آپ کا اس بارے میں کیا فتویٰ ہے؟

جواب رسول اللہ ﷺ کی قولی و فعلی سنت یہ ہے کہ نماز کو مسجد میں باجماعت ادا کیا جائے۔ آپ نے ان لوگوں کے گھروں کو آگ سے جلا دینے کا ارادہ فرمایا، جو مسجدوں میں نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے کے لئے نہیں آتے۔ حضرات خلفاء راشدین، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کا بھی یہی معمول تھا کہ وہ نماز کو مسجدوں میں جماعت کے ساتھ ادا فرماتے تھے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ سَمِعَ النَّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِ فَلَا صَلَاةَ لَهُ إِلَّا مِنْ عُدْرٍ» (سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد والجماعات، باب التغلیظ فی التخلّف عن الجماعة، ح: ۷۹۳، والدارقطنی ۱/ ۴۲۰ والحاکم ۱/ ۲۴۵ من هذا طریق وسندہ صحیح)

”جو شخص اذان کی آواز سنے اور پھر مسجد میں نہ آئے تو اس کی نماز ہی نہیں ہوتی، الا یہ کہ کوئی (معمول شرعی) عذر ہو۔“

اسی طرح یہ بھی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ایک (ناہینا) آدمی نے عرض کیا:

«إِنِّي يَارَسُولَ اللَّهِ لَيْسَ لِي قَائِدٌ بِلَاؤُمِنِي إِلَى الْمَسْجِدِ، فَهَلْ لِي مِنْ رُخْصَةٍ أَنْ أُصَلِّيَ فِي بَيْتِي؟ فَقَالَ لَهُ الرَّسُولُ ﷺ: تَسْمَعُ النَّدَاءَ بِالصَّلَاةِ؟ فَقَالَ: نَعَمْ قَالَ: فَاجِبٌ» (صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب يجب إتيان المسجد على من سمع النداء، ح: ۶۵۳)

”یا رسول اللہ! میرا کوئی معاون نہیں، جو مجھے مسجد میں لاسکے تو کیا میرے لئے رخصت ہے کہ میں گھر میں نماز ادا کر لوں؟“ تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا ”کیا تم نماز کے لیے اذان سنتے ہو؟“ اس نے عرض کیا ”جی ہاں“ آپ ﷺ نے فرمایا ”تو اس پر لیک کہو۔“

ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا أَجِدُ لَكَ رُخْصَةً» (سنن أبي داود، کتاب الصلاة، باب التشديد في ترك الجماعة، ح: ۵۵۲،

ومسند أحمد، ۳/ ۴۲۳)

”میں میں تمہارے لئے کوئی رخصت نہیں پاتا۔“

ان احادیث مبارکہ سے واضح ہوا کہ بینک کے ملازمین کو چاہئے کہ وہ قریبی مسجد میں نماز باجماعت ادا کریں تاکہ سنت پر عمل ہو، فرض کی ادائیگی ہو، مسجدوں میں باجماعت نماز ادا کرنے سے پیچھے رہ جانے کے لئے اختیار کئے جانے والے جیلوں، بہانوں کا سدباب ہو اور منافقوں کی مشابہت سے اجتناب ہو۔ وباللہ التوفیق ((وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

دوسری جماعت کا حکم

سوال جو لوگ جماعت سے پیچھے رہ جائیں اور مسجد میں آئیں اور دیکھیں کہ لوگ نماز پڑھ چکے ہیں، تو کیا وہ اسی مسجد میں دوسری جماعت کروا سکتے ہیں؟ کیا اس حدیث کہ «من يتصدق على هذا» ”کون ہے جو اس پر صدقہ کرے؟“ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما یا کسی دوسرے صحابی کا جو یہ قول ہے کہ ”جب ہماری جماعت رہ جاتی تو ہم الگ الگ نماز پڑھتے“ میں تعارض ہے؟

جواب جو شخص مسجد میں آئے اور دیکھے کہ لوگ امام راتب یا غیر راتب کی اقتداء میں جماعت سے فارغ ہو چکے ہیں تو وہ ان لوگوں کے ساتھ شامل ہو کر جن کی جماعت رہ گئی ہے، نماز باجماعت ادا کر لے یا ان میں سے کوئی اس پر صدقہ کرتے ہوئے اسے جماعت سے نماز پڑھاوے، جو پہلے اپنی نماز جماعت کے ساتھ ادا کر چکے ہوں کیونکہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:

«أَلَا رَجُلٌ يَتَصَدَّقُ عَلَىٰ هَذَا فَيُصَلِّي مَعَهُ» (سنن ابی داود، کتاب الصلوٰۃ، باب فی الجمع فی

المسجد مرتین، ح: ۵۷۴)

”کیا کوئی ہے جو اس شخص پر صدقہ کرے اور اسے نماز جماعت کے ساتھ پڑھاوے۔“

تو ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے اسے نماز پڑھا دی۔ ترمذی نے بھی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی اس وقت آیا جب رسول اللہ ﷺ نماز پڑھا چکے تھے، تو آپ نے فرمایا:

«أَيُّكُمْ يَتَجَرَّ عَلَىٰ هَذَا» (سنن ترمذی، کتاب الصلوٰۃ، باب ما جاء فی الجماعة فی مسجد قد صلِّي فيه

مرة، ح: ۲۲۰)

”کون ہے جو اس سے تجارت کرے؟“

ایک آدمی کھڑا ہوا اور اس نے اسے جماعت سے نماز پڑھا دی۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔ امام حاکم نے بھی اسے روایت کیا اور صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے آپ کی موافقت کی ہے۔ امام ابن حزم رضی اللہ عنہ نے بھی ”المجلد“ میں اسے ذکر کر کے اس کی صحت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ”کئی ایک صحابہ و تابعین کا یہی قول ہے کہ اس مسجد میں دوبارہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، جس میں پہلے جماعت ہو چکی ہو۔“ امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔

کچھ دوسرے لوگوں کا قول یہ ہے کہ ان لوگوں کو نماز الگ الگ پڑھنی چاہئے۔ چنانچہ سفیان، ابن مبارک، مالک اور امام شافعی کا قول یہی ہے کہ ان لوگوں کو نماز الگ الگ پڑھنی چاہئے۔ اور ان کے ہم نوا لوگوں نے دوسری جماعت کو اس لئے مکروہ قرار دیا ہے کہ اس سے افتراق اور انتشار پیدا ہو گا، خواہش نفس کے پجاری جماعت سے پیچھے رہ جانے کا اسے ایک ذریعہ بنالیں گے اور اس طرح دوسری نماز اس امام کی اقتداء میں ادا کریں گے، جو ان کی جماعت اور ان کی بدعت میں ان کی موافقت کرے گا لیکن مذکورہ بالا حدیث کے پیش نظر ان میں سے پہلا قول ہی صحیح ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن ۱۶/۶۴)

”سو جہاں تک ہو سکے۔ تم اللہ سے ڈرو۔“

کے عموم کا بھی یہی تقاضا ہے، نیز نبی ﷺ کے اس ارشاد کہ:

«إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأَتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ» (صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فرض الحج مرة في

العمر، ح: ۱۳۳۷، ومسند احمد، ۲/۲، ۵۰۸)

”جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو مقدور بھراں کی اطاعت بجالاؤ“

کے عموم کا تقاضا بھی یہی ہے۔ بلاشک و شبہ نماز باجماعت ادا کرنا ہی تقویٰ ہے اور شریعت نے اس کا حکم دیا ہے لہذا مقدور بھر کوشش کے ساتھ اسے ادا کرنا چاہئے اور یہ بھی صحیح نہیں کہ صحیح احادیث کے معارضہ میں اہل علم کی ان بیان کردہ علل کو پیش کیا جائے، جن کی وجہ سے انہوں نے مسجد میں دوسری جماعت کو مکروہ قرار دیا ہے بلکہ اس کے مطابق عمل کرنا واجب ہے، جس پر صحیح نقول دلالت کناں ہوں اور اگر کسی شخص یا کسی جماعت کے بارے میں یہ بات معلوم ہو جائے کہ وہ نماز باجماعت کو اہمیت نہ دینے کی وجہ سے دانستہ پیچھے رہتے ہیں اور ان سے بار بار اس بات کا صدور ہوا ہے یا ان کے طرز عمل اور ان کی جماعت کی روش سے یہ ظاہر ہو کہ وہ محض اس لئے جماعت سے پیچھے رہتے ہیں تاکہ اپنے ہم نوا لوگوں کے ساتھ نماز ادا کریں، تو انہیں تیزی سزا دی جائے گی اور اس بات سے انہیں روکا جائے گا، مسلمان حاکم انہیں اور ان جیسے اپنی خواہش کے بچاریوں کو جو چاہے مناسب سزا دے سکتا ہے اور اس طرح انتشار و خلفشار اور خواہشات کے بچاریوں کی اغراض کا سدباب کیا جاسکتا ہے لہذا ان دلائل کو ترک کرنے کی ضرورت نہیں، جن سے ان لوگوں کے لئے دوسری جماعت کے جواز کا ثبوت ملتا ہے، جو پہلی جماعت سے محروم ہو گئے ہوں۔

فتویٰ کمیٹی

نماز باجماعت واجب ہے

سوال بعض لوگ --- اللہ تعالیٰ ہمیں اور انہیں ہدایت عطاء فرمائے۔۔ کسی شرعی عذر کے بغیر نماز باجماعت ادا نہیں کرتے۔ کچھ لوگ اس سلسلہ میں دنیوی کاموں کے عذر پیش کرتے ہیں اور جب ان کو نصیحت کی جاتی ہے، تو وہ ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نماز تو اللہ تعالیٰ کے لئے پڑھی جاتی ہے، کسی کو اس میں دخل دینے کا حق نہیں ہے، آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟

جواب مسلمانوں کی ہمدردی و خیر خواہی اور منکر کا انکار کرنا تو اہم واجبات میں سے ہے جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾

(التوبة/۹/۷۱)

”اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں، وہ (ایک دوسرے کو) اچھے کام کرنے کو کہتے اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔“

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُعْزِرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ» (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون النہی عن المنکر من الایمان ...، ج: ۴۹)

”تم میں سے جو شخص کوئی بری بات دیکھے، تو اسے ہاتھ سے روکے، اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے منع کرے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے برا جانے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے“

نیز آپ نے فرمایا:

«وَقَالَ ﷺ: الدِّينُ النَّصِيحَةُ قُلْنَا لِمَنْ يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: لِلَّهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأُمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ» (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان أن الدين النصيحة، ح: ۵۵)

”دین ہمدردی و خیر خواہی کا نام ہے“ عرض کیا گیا ”یا رسول اللہ! کس کے لئے ہمدردی و خیر خواہی؟ تو آپ نے فرمایا اللہ کے لئے، اس کے رسول کے لئے، مسلمان حکمرانوں کے لئے اور عام مسلمانوں کے لئے!“

ان دونوں حدیثوں کو امام مسلم نے اپنی ”صحیح“ میں بیان فرمایا ہے۔

بلاشک و شبہ بغیر کسی عذر کے نماز باجماعت ترک کرنا، ان منکرات میں سے ہے، جن سے منع کرنا ضروری ہے کیونکہ مردوں کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ پانچوں نمازیں مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کریں اور یہ بہت سے دلائل سے ثابت ہے مثلاً نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

«مَنْ سَمِعَ النَّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِ فَلَا صَلَاةَ لَهُ إِلَّا مِنْ عَذْرٍ» (سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد والجماعات، باب التغلیظ فی التخلف عن الجماعة، ح: ۷۹۳، والدارقطنی ۱/ ۴۲۰، والحاکم، ۱/ ۲۴۵)

”جو شخص اذان سے اور پھر مسجد میں نہ آئے تو اس کی نماز ہی نہیں ہوتی الا یہ کہ کوئی (معقول شرعی) عذر ہو۔“

امام حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے، اور اس کی سند جید ہے۔ اسی طرح حدیث سے ثابت ہے کہ ایک نابینا آدمی نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا ”یا رسول اللہ! میرے پاس کوئی معاون نہیں جو مجھے مسجد میں لے جائے تو کیا میرے لئے گھر میں نماز ادا کرنے کی رخصت ہے؟“ تو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

«هَلْ تَسْمَعُ النَّدَاءَ بِالصَّلَاةِ؟ قَالَ نَعَمْ: قَالَ فَأَجِبْ» (صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب یجب اتیان المسجد علی من سمع النداء، ح: ۶۵۳)

”کیا تم نماز کے لئے اذان سنتے ہو؟“ تو اس نے کہا ”جی ہاں“ آپ نے فرمایا ”پھر اذان کی آواز پر لبیک کہو۔“ (اس مضموم کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔)

مسلمان کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا کوئی دوسرا مسلمان بھائی جب کسی برائی سے روکے تو ناراض نہ ہو بلکہ اچھے طریقہ سے جواب دے بلکہ اس کا شکریہ ادا کرے اور اسے دعاء دے کیونکہ اس نے اسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی دعوت دی اور اس کا حق اسے یاد دلایا ہے۔ اور اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ داعی حق کے جواب میں تکبر کا اظہار کرے کیونکہ ایسا کرنے والے کی اللہ تعالیٰ نے مذمت کی اور اسے جہنم کے عذاب کی وعید سنائی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُ جَهَنَّمَ وَلَيْسَ الْإِمَهَادُ ﴾
(البقرة ۲/۲۰۶)

”اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر تو غرور اس کو گناہ میں پھنساتا ہے، سوائے شخص کو جہنم سزا وار ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔“
ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہم سب مسلمانوں کو ہدایت عطا فرمائے۔

— شیخ ابن باز —

جو شخص آخری تشہد میں ملے اس کی جماعت فوت ہو گئی

کیا نمازی جب آخری تشہد میں ملے تو اسے نماز باجماعت کا ثواب ملے گا یا نہیں؟

سوال

جماعت کا ثواب اسی صورت میں ملتا ہے کہ آدمی ایک رکعت ضرور پالے کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

جواب

«مَنْ أَدْرَكَ رُكْعَةً مِنَ الصَّلَاةِ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ» (بخاری، مواقیب الصلاة، باب من ادرك من الصلاة ركعة، ح: ۵۸۰، ومسلم، المساجد، باب من ادرك ركعة من الصلاة فقد ...، ح: ۶۰۷)

”جس نے ایک رکعت پالی اس نے نماز پالی۔“

لیکن اگر کوئی شخص کسی عذر مثلاً بیماری وغیرہ کی وجہ سے لیٹ ہو تو اسے اللہ تعالیٰ جماعت کا ثواب عطا فرمادیتا ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«إِذَا مَرَّ الرَّجُلُ أَوْ سَافَرَ كَتَبَ اللَّهُ لَهُ مَا كَانَ يَعْمَلُ وَهُوَ صَاحِبُ مُقِيمٍ» (صحیح بخاری، کتاب الجهاد والسير، باب يكتب للمسافر مثل ما كان يعمل في الإقامة، ح: ۲۹۹۶، ومسنند احمد،

(۴/۴۱۰)

”جب کوئی آدمی بیمار ہو یا مسافر ہو تو اللہ تعالیٰ اسے اس عمل کے مطابق اجر و ثواب عطا فرمادیتا ہے جو وہ اس وقت کرتا تھا جب وہ صحیح اور مقیم تھا۔“

— شیخ ابن باز —

وہ صرف نماز جمعہ ہی باجماعت ادا کرتا ہے

ایک مسلمان اپنے گھر میں نماز ادا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کا ایمان بہت قوی ہے اور وہ صرف نماز جمعہ ہی باجماعت ادا کرتا ہے تو کیا جب وہ فوت ہو جائے تو اہل مسجد اس کی نماز جنازہ ادا کریں یا نہ کریں؟

سوال

علماء کا صحیح قول یہ ہے کہ نماز پجگانہ کو باجماعت ادا کرنا ان مردوں کے لئے واجب ہے، جو اسے باجماعت ادا کرنے کی قدرت رکھتے ہوں لہذا جو آدمی بغیر کسی عذر کے مسجد میں باجماعت نماز ادا نہیں کرتا، وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا گناہ گار اور نافرمان ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نماز کو باجماعت ادا کرنا تو اللہ نے جہاد فی سبیل اللہ کے وقت بھی واجب قرار دیا ہے حالانکہ یہ بہت مشکل وقت ہوتا ہے اور اگرچہ اس میں صحت نماز کی بعض شرطوں پر عمل نہیں ہو سکتا

جواب

جیسا کہ نماز خوف کی بعض صورتوں میں ہوتا ہے لیکن باجماعت ادا کرنا ضروری ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلَنْتُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ وَيَأْخُذُوا بِرِجْلِكَ وَأَيُّهَا سَجِدُوا فَلَيْكُمْ كُونُوا مِنْ وَرَائِكُمْ وَلَسَاتُ طَائِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ وَذَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ مَيْلَةً وَاحِدَةً﴾ (النساء/۴، ۱۰۲)

”اور (اے پیغمبر) جب تم ان (مجاہدین کے لشکر) میں ہو اور ان کو نماز پڑھانے لگو، تو چاہئے کہ ان کی ایک جماعت تمہارے ساتھ مسلح ہو کر کھڑی رہے۔ جب وہ سجدہ کر چکیں تو پرے ہو جائیں اور دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی (ان کی جگہ) آئے اور ہوشیار اور مسلح ہو کر تمہارے ساتھ نماز ادا کرے، کافر اس گھات میں ہیں کہ تم ذرا اپنے ہتھیاروں اور سامان سے غافل ہو جاؤ کہ تم پر یکبارگی حملہ کر دیں۔“

سنت سے دلیل یہ حدیث ہے جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَمُرَّ بِحَطَبٍ فَيُحْتَطَبُ، ثُمَّ أَمُرَّ بِالصَّلَاةِ فَيُؤَدَّنَ لَهَا، ثُمَّ أَمُرَّ رَجُلًا فَيُؤَمَّمُ النَّاسَ، ثُمَّ أُخَالَفَ إِلَى رَجَالٍ لَا يَشْهَدُونَ الصَّلَاةَ فَأُخْرَقَ عَلَيْهِمْ بِيُوتَهُمْ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ يَعْلَمُ أَحَدُهُمْ أَنَّهُ يَجِدُ عَرَقًا سَمِيمًا أَوْ مِرْمَاتِينَ حَسَّتَيْنِ لَشَهِدَ الْعِشَاءَ» (صحيح بخاري، كتاب الاذان، باب وجوب صلاة الجماعة، ح: ۶۴۴، وصحيح مسلم،

كتاب المساجد، باب فضل صلاة الجماعة وبيان التشديد في التخلف عنها وانها فرض كفاية، ح: ۶۵۱)

”اس ذات اقدس کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میرا ارادہ ہے کہ میں حکم دوں کہ ایندھن اکٹھا کیا جائے پھر حکم دوں کہ نماز کے لئے اذان دی جائے، پھر کسی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے اور میں ان لوگوں کے پاس جا کر ان کے گھروں کو اس آگ سے جلا دوں جو مسجد میں نماز کے لئے حاضر نہیں ہوئے۔ اس ذات اقدس کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر انہیں معلوم ہو کہ انہیں ایک موٹی بڈی یا دو اچھے پائے ملیں گے، تو وہ نماز عشاء میں ضرور حاضر ہوں۔“

اس سے معلوم ہوا کہ مردوں کے لئے نماز باجماعت ادا کرنا واجب ہے لیکن جو شخص کسی عذر کے بغیر جماعت ترک کر دے تو وہ کافر نہیں ہے بلکہ مومن ہے ہاں البتہ نماز جماعت کے فریضہ کے ترک کی وجہ سے وہ گناہگار ضرور ہے لہذا جب وہ فوت ہو جائے تو دیگر گناہ گاروں کی طرح اس کا بھی مسجد میں یا کسی اور جگہ جنازہ ضرور پڑھا جائے گا۔

_____ فتویٰ کمیٹی _____

صف کے دائیں طرف نمازیوں کی تعداد زیادہ ہونے میں کوئی حرج نہیں

عشاء کی جماعت کھڑی ہوئی تو صف کی دائیں جانب مکمل ہو گئی لیکن بائیں جانب تھوڑے لوگ تھے تو ہم نے کماصف کو بائیں جانب سے بھی مکمل کر لو تو ایک نمازی نے کہا دائیں جانب افضل ہے تو دوسرے نے اس کے جواب میں

سوال

کما کہ حدیث میں آیا ہے کہ ”جو شخص صفوں کے بائیں حصہ کو آباد کرتا ہے، اسے دوگنا ثواب ملتا ہے۔“ براہ کرم فتویٰ دیجئے کہ اس مسئلہ میں صحیح بات کیا ہے؟

جواب نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ ہر صف کا دایاں حصہ اس کے بائیں حصہ سے افضل ہے لیکن لوگوں سے یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ صف کو دونوں طرف سے برابر کر لو کیونکہ اگر دائیں طرف زیادہ لوگ ہوں تو اس میں کوئی حرج نہیں تاکہ وہ دائیں طرف کی فضیلت کو حاصل کر سکیں۔

بعض نمازیوں نے جو یہ ذکر کیا کہ ”جو شخص صفوں کے بائیں حصہ کو آباد کرتا ہے، اسے دوگنا ثواب ملتا ہے۔“ تو مجھے اس حدیث کا کوئی اصل معلوم نہیں۔ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث موضوع ہے، اسے بعض ان سست لوگوں نے وضع کیا ہے، جو دائیں طرف کا شوق نہیں رکھتے اور اس کے لئے سبقت لے جانے کی کوشش نہیں کرتے۔ واللہ الہادی الی سواء السبیل

شیخ ابن باز

صف کہاں سے شروع کیا جائے؟

سوال نماز کی صف کو کہاں سے شروع کیا جائے؟ کیا صف کو امام کے پیچھے سے شروع کیا جائے یا دائیں جانب کے کنارے سے شروع کیا جائے؟

جواب پہلی صف کو امام کے پیچھے سے شروع کر کے دائیں بائیں پھیلا دیا جائے اور اسے دائیں جانب کے کنارے سے شروع نہ کیا جائے جیسا کہ سوال میں پوچھا گیا ہے اور پھر اس کے بعد دوسری صف کو بھی امام کے پیچھے سے شروع کر کے دائیں بائیں جانب پھیلا دیا جائے۔

فتویٰ کمیٹی

جو شخص لسن، پیاز یا گندنا کھائے

رسول اللہ ﷺ کی حدیث ہے کہ:

«مَنْ أَكَلَ بَصَلًا أَوْ ثُومًا أَوْ كُرْثَانًا فَلَا يَغْتَرِبَنَّ مَسَاجِدَنَا ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَسْأَلُ مِمَّا يَتَأَذَى مِنْهُ بَنُو آدَمَ» (صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب نہی من اکل ثوما أو بصلا أو کراثا أو نحوھا. . . . ح: ۵۶۴ اما التحذیر بثلاثة ايام فلا اعلم له اصلا)

”جو شخص لسن، پیاز یا گندنا کھائے تو وہ تین دن تک ہماری مسجدوں میں نہ آئے کیونکہ فرشتے بھی اس چیز سے تکلیف محسوس کرتے ہیں، جس سے انسان کو تکلیف محسوس ہوتی ہے۔“ (او کما قال علیہ افضل الصلوٰۃ

والسلام)

تو کیا اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ ان چیزوں میں سے کسی ایک کو کھانے کے بعد مسجد میں نماز جائز نہیں حتیٰ کہ یہ مذکورہ مدت گزر جائے یا اس کے معنی یہ ہیں کہ جس کے لئے نماز باجماعت لازم ہو اس کے لئے ان چیزوں کا کھانا جائز نہیں ہے؟

جواب اس حدیث اور اس کے ہم معنی دیگر صحیح احادیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مسلمان کے لئے اس وقت تک نماز باجماعت کے لئے مسجد میں حاضری مکروہ ہے جب تک اس سے ایسی بدلو آتی رہے جس سے اس کے گرد و پیش کے نمازیوں کو تکلیف ہو، خواہ یہ بولسن، پیاز اور گندنا کھانے کی وجہ سے ہو یا مکروہ بدلو والی دیگر اشیاء مثلاً سگریٹ نوشی وغیرہ کی وجہ سے ہو حتیٰ کہ اس کی بو زائل ہو جائے اور جہاں تک تین دن کی حد بندی کا مسئلہ ہے تو مجھے اس کے بارے میں کوئی اصل معلوم نہیں۔

شیخ ابن باز

فجر اور عشاء کی نمازوں میں نمازیوں کی پڑتال

سوال ہم فجر اور عشاء کی نمازوں میں نمازیوں کو بلا تے اور جماعت سے پیچھے رہ جانے والوں کی جانچ پڑتال کرتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے؟ امید ہے دلیل کے ساتھ اس مسئلہ کی وضاحت فرمائیں گے۔

جواب مسلمانوں کے لئے یہ واجب ہے کہ آپس میں ایک دوسرے سے ہمدردی و خیر خواہی کریں اور نیکی، تقویٰ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں ایک دوسرے سے تعاون کریں اور اس کے لئے کبھی اس بات کی بھی ضرورت ہوتی ہے کہ اپنے بھائی کے بارے میں معلوم کیا جائے اور یہ جاسوسی کے لئے نہیں بلکہ اس لئے کہ اگر وہ بیمار ہے تو اس کی پیار پرسی کی جائے، اسے مفید مشورے دیئے جائیں، کوئی پریشانی ہے تو اسے دور کیا جائے، حصول منفعت یا دفع ضرر و مشقت کے سلسلہ میں اس سے تعاون کیا جائے یا اسے نیکی کا حکم دیا جائے اور برائی سے منع کیا جائے، چنانچہ اسی مقصد کی خاطر مسجد کے نمازیوں کی بھی جانچ پڑتال کی جاسکتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے بھی نماز فجر میں نمازیوں کی پڑتال کی اور فرمایا:

«أَشَاهِدُ فُلَانًا، أَشَاهِدُ فُلَانًا» (سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب فی فضل صلاة الجماعة،

ح: ۵۵۴، وسنن نسائی، کتاب الامامة، باب الجماعة إذا كانوا الثنین، ح: ۸۴۴، ومسنند احمد، ۵/ ۱۴۰)

”کیا فلاں شخص حاضر ہے؟ کیا فلاں شخص حاضر ہے؟“

فتویٰ کمیٹی

صبح کی نماز کے وقت سویا رہنا

سوال میں بعض اوقات بہت تھکا ہوتا ہوں اور رات کو سوتا بھی دیر سے ہوں، جس کی وجہ سے نماز صبح گھر ہی میں پڑھ سکتا ہوں تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب ہر بالغ مسلمان مرد کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ پانچوں نمازیں، اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ مل کر مسجد میں باجماعت ادا کرے اور اس سلسلہ میں سستی و کاہلی ہرگز جائز نہیں، صبح یا دیگر نمازوں میں جماعت سے پیچھے رہ جانا نفاق کی نشانی ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَدِيدُهُمْ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كَسَالًا﴾ (النساء/۱۴۲)

”منافق اللہ کو دھوکا دیتے ہیں (یہ اس کو کیا دھوکا دیں گے) وہ انہیں کو دھوکے میں ڈالنے والا ہے اور جب یہ

نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سست اور کمال ہو کر۔“

اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«أَنْقَلِ الصَّلَاةَ عَلَى الْمُنَافِقِينَ صَلَاةَ الْعِشَاءِ وَصَلَاةَ الْفَجْرِ، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِيهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا» (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب فضل صلاة العشاء في الجماعة، ح: ۶۵۷،

وصحیح مسلم، کتاب المساجد، باب فضل صلاة الجماعة وبيان التشديد . . . ح: ۶۵۱)

”منافقوں کے لئے سب سے بھاری نماز عشاء اور صبح کی نماز ہے اور اگر انہیں معلوم ہوتا کہ ان میں کس قدر اجر و ثواب ہے تو وہ ان نمازوں میں گھٹنوں کے بل آکر بھی شریک ہوتے۔“

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ سَمِعَ النَّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِ فَلَا صَلَاةَ لَهُ إِلَّا مِنْ عُدْرٍ» (سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد والجماعات، باب التغليظ في التخلف عن الجماعة، ح: ۷۹۳، والدارقطني ۱/ ۴۲۰، والحاكم ۱/ ۲۴۵)

”جو شخص اذان سنے اور پھر مسجد میں نہ آئے تو اس کی نماز ہی نہیں ہوتی الا یہ کہ کوئی معقول شرعی عذر ہو۔“

ایک نابینا آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے پاس کوئی معاون نہیں ہے، جو مجھے مسجد میں لے جائے تو کیا مجھے گھر میں نماز پڑھنے کی رخصت ہے؟ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«أَهْلٌ تَسْمَعُ النَّدَاءَ بِالصَّلَاةِ؟ قَالَ نَعَمْ: قَالَ فَاجِبٌ» (صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب يجب

اتبان المسجد على من سمع النداء، ح: ۶۵۳)

”کیا تم نماز کے لئے اذان سنتے ہو؟“ عرض کیا ”جی ہاں“ تو آپ نے فرمایا ”پھر مؤذن کی آواز پر لبیک کہو۔“

جب ایسے نابینا شخص کو جس کے پاس کوئی معاون بھی نہ ہو، جماعت میں شرکت سے معذور نہیں سمجھا گیا تو کوئی دوسرا انسان تو بالاولیٰ معذور نہیں ہو سکتا لہذا اسے سائل! آپ پر واجب ہے کہ اللہ سے ڈریں، فجر اور دیگر نمازوں کے باجماعت ادا کرنے کا اہتمام کریں، (رات کو) جلد سو جائیں تاکہ صبح کی نماز کے لئے اٹھ سکیں اور بیماری یا خوف وغیرہ کے شرعی عذر کے بغیر گھر میں نماز ادا کرنا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق کے اختیار کرنے اور اس پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

شیخ ابن باز

فرض نمازوں کے بعد اجتماعی دعاء

کیا یہ جائز ہے کہ فرض نمازوں کے بعد امام اور مقتدی مل کر اجتماعی طور پر دعاء کریں؟

بحوث العلمیہ والافتاء کی فتویٰ کمیٹی کی طرف سے اس سوال کا پہلے بھی جواب دیا جا چکا ہے، جو کہ حسب ذیل ہے:

سوال

جواب

”عبادات تو قیضی ہیں لہذا عبادات کے اصل، عدد، کیفیت اور جگہ کے بارے میں کسی شرعی دلیل کی بنیاد پر ہی یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ مشروع ہے، تو اس ضابطہ کی بنیاد پر جب ہم اس اجتماعی دعاء کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کی سنت سے ثابت نہیں ہے۔ یہ آپ کے قول یا فعل یا تقریر سے قطعاً ثابت

نہیں ہے اور ساری خیر و برکت آپ کی سنت کے اتباع میں ہے اور اس مسئلہ میں قطعی دلائل سے ثابت جو آپ کی سنت ہے اور جس کے مطابق آپ کے خلفاء راشدین حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم نے عمل کیا وہ اجتماعی طور پر دعاء کا نہ کرنا ہے اور جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت کے خلاف عمل کرتا ہے، تو وہ مردود (عمل) ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ» (صحیح مسلم، کتاب الاقصیٰ، باب نقض الاحکام الباطلة...، ح: ۱۷۱۸)

”جو کوئی ایسا عمل کرے جو ہمارے امر کے مطابق نہ ہو تو وہ (عمل) مردود ہے۔“

لہذا جو امام سلام کے بعد دعاء کرتا ہے، مقتدی اس کی دعاء پر آمین کہتے ہیں اور سب نے دعاء کے لئے ہاتھ اٹھا رکھے ہوتے ہیں، ان سے ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ اپنے اس عمل کے اثبات میں کوئی دلیل پیش کریں ورنہ یہ عمل مردود قرار پائے گا۔ اس اصولی بات کی وضاحت کے بعد اب ہم یہ ذکر کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کیا تھی؟ چنانچہ آپ کی سنت یہ تھی کہ آپ سلام کے بعد تین بار پڑھتے «أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ» اور پھر پڑھتے:

«اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ، تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ» (صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ و بیان صفتہ، ح: ۵۹۱)

”اے اللہ! تو ہی سلامتی (دینے والا ہے اور تیری ہی جانب سے سلامتی (نصیب ہوتی) ہے، بڑا برکت والا ہے تو اے عظمت و جلال کے مالک اور اکرام و احسان (کرنے والے)“

امام اوزاعی سے پوچھا گیا کہ استغفار کیسے کیا جائے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ بندہ یہ کہے:

«أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ، أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ» (صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ و بیان صفتہ، ح: ۵۹۱)

”میں اللہ سے مغفرت مانگتا ہوں، میں اللہ سے بخشش مانگتا ہوں۔“

یہ مسلم، ترمذی اور نسائی کی روایت ہے۔ نسائی کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ:

«أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ إِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلَاتِهِ» (سنن نسائی، کتاب السہو، باب الاستغفار بعد التسليم، ح: ۱۳۳۸)

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہوتے تو یہ کہتے....“

ابوداؤد کی روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ:

«أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَنْصَرِفَ مِنْ صَلَاتِهِ اسْتَغْفِرُ اللَّهَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَالَ: اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ» (سنن ابی داؤد، کتاب الوتر، باب ما یقول الرجل إذا سلم، ح: ۱۵۱۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے پھرتے تو تین بار «استغفر اللہ» پڑھتے اور پھر یہ پڑھتے «اللہم انت السلام»

ابوداؤد اور نسائی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سلام پھیرتے تو یہ پڑھتے:

«اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ، تَبَارَكْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ» (سنن ابی داؤد، کتاب

الوتر باب ما يقول الرجل إذا سلم، ح: ۱۵۱۲، سنن نسائي، كتاب السهو، باب الذكر بعد الاستغفار، ح: ۱۳۳۹)

مسلم میں وارد مولیٰ مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام ایک خط میں یہ بھی لکھوایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد یہ پڑھا کرتے تھے:

«لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، اللَّهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ، وَلَا مُعْطِيٍّ لِمَا مَنَعْتَ، وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ» (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب الذكر بعد الصلاة، ح: ۸۴۴، و صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب استحباب الذكر بعد الصلاة، و بیان صفة، ح: ۵۹۳)

”اللہ کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں ہے، وہ اکیلا ہے، کوئی اس کا ساتھی نہیں، اسی کا (سارا) ملک ہے اور اسی کی سب تعریف ہے، اور وہی ہر چیز پر قادر ہے اے اللہ! جو چیز تو عطا فرمائے، اس کو کوئی روکنے والا نہیں اور جو تو نہ دے اس کا کوئی دینے والا نہیں اور کسی دولت مند کو اس کی دولت (تیری پکڑ سے) نہیں بچا سکتی۔“

مسلم ہی کی ایک اور روایت میں ہے، جو حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز سے سلام پھیرنے کے بعد یہ پڑھا کرتے تھے:

«لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، وَلَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ، لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ، وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ» (صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب استحباب الذكر بعد الصلاة و بیان صفة، ح: ۵۹۴)

”اللہ کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں ہے، وہ اکیلا ہے، کوئی اس کا ساتھی نہیں، اس کا (سارا) ملک ہے اور اسی کی (سب) تعریف ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ (کسی کام کی بھی) طاقت و قوت اللہ (کی مدد) کے بغیر میسر نہیں۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہم بجز اس کے اور کسی کی عبادت نہیں کرتے، اسی کی (دی ہوئی) سب نعمتیں ہیں اور اسی کا (ہم پر) فضل و احسان ہے اور اسی کی (سب) اچھی تعریفیں ہیں۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں (ہم تو) پورے اخلاص کے ساتھ صرف اسی کے دین کے پیرو ہیں اگرچہ کافروں کو برا لگے۔“

اور صحیح مسلم میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ سَبَّحَ اللَّهَ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، وَحَمِدَ اللَّهَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ وَكَبَّرَ اللَّهَ ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، فَتِلْكَ نِسْعَةٌ وَيَسْعُونَ، وَقَالَ تَمَامَ الْمِائَةِ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، غُفِرَ لَهُ خَطَايَاهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَيْدِ الْبَحْرِ» (صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب استحباب الذكر و بیان صفة، ح: ۵۹۷)

”جو شخص ہر نماز کے بعد تینتیس (۳۳) مرتبہ سبحان اللہ، تینتیس (۳۳) مرتبہ الحمد للہ، تینتیس (۳۳) مرتبہ اللہ اکبر پڑھے تو یہ ننانوے (۹۹) کلمات ہو گئے اور یہ پڑھ کر کلمات کی تعداد ایک سو (۱۰۰) کر دے کہ: لا الہ الا

اللہ وحده لا شریک له، له الملک وله الحمد، وهو علی کل شیء قَدِیر تو اس کے گناہوں کو معاف کر دیا جائے گا، خواہ وہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہوں۔“

اور جو شخص اس سلسلہ میں مزید دعائیں معلوم کرنا چاہے تو اسے جامع کتابوں کے ”کتاب الادعیہ“ کی طرف رجوع کرنا چاہئے مثلاً ((جامع الاصول، مجمع الزوائد اور المطالب العالیۃ بزوائد المسانید الثمانیۃ)) وغیرہا۔ ((وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

فتویٰ کمیٹی

پبلک پارکوں میں نماز کا حکم

سوال پبلک پارکوں میں نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے، جب کہ ان پارکوں کو ایسے پانی سے سیراب کیا جاتا ہے، جن سے گندی بو آتی ہے؟ میں سمجھتا ہوں کہ جس پانی سے انہیں سیراب کیا جاتا ہے، وہ نالیوں کا یا ایسے کنوؤں کا صاف شدہ پانی ہوتا ہے، جن میں ناپاک گھروں کا پانی شامل ہوتا ہے، تو کیا محکمہ کی طرف سے ان پارکوں میں نماز ادا کرنے سے منع کیا جاسکتا ہے؟ امید ہے اس مسئلہ میں صحیح صورت حال کی وضاحت فرما کر شکر یہ کا موقعہ بخشیں گے۔

جواب جب تک ان پارکوں اور باغوں سے گندی بو آتی ہے، ان میں نماز ادا کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ صحت نماز کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ جگہ بھی پاک ہو جہاں مسلمان نے نماز پڑھنی ہو لہذا اگر کوئی پاک صاف کپڑا وغیرہ زمین پر بچھا لیا جائے تو نماز صحیح ہوگی!

لیکن یاد رہے ان پارکوں اور باغوں وغیرہ میں مسلمان کے لئے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، خواہ وہ کوئی پاک صاف کپڑا ہی زمین پر کیوں نہ بچھالے بلکہ اس کے لئے ضروری یہ ہے کہ اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کے ان گھروں یعنی مسجدوں میں نماز ادا کرے، جن کے بارے میں اس نے یہ فرمایا ہے:

﴿ فِي مَوْتٍ أَدْنَىٰ اللَّهُ أَنْ تَرْفَعَ وَيَذْكُرَ فِيهَا أَسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهَا بِهَا بِالْعُدْوِ وَالْأَصَالِ ﴿٢٤﴾ رِجَالٌ لَا لُتْهِمِهِمْ تَحْرَةً وَلَا يَبِيعُ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَقَامِرِ الصَّلَاةِ وَإِبْتِئَهُ الرِّكْوَةَ يَخَافُونَ يَوْمًا نَنْقَلِبَ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ﴿٢٥﴾ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢٦﴾﴾
(النور ٢٤/٢٨، ٢٦)

”ان گھروں میں جن کے بارے میں اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بلند کئے جائیں اور وہاں اللہ کا نام ذکر کیا جائے۔ (اور) ان میں صبح و شام اس کی تسبیح کرتے ہیں (یعنی ایسے) لوگ جن کو اللہ کے ذکر اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ سوداگری غافل کرتی ہے نہ خرید و فروخت۔ وہ اس دن سے جب دل (خوف اور گھبراہٹ کے سبب) الٹ جائیں گے اور آنکھیں (اوپر چڑھ جائیں گی) ڈرتے ہیں تاکہ اللہ ان کو ان کے عملوں کا بہت اچھا بدلہ دے اور اپنے فضل سے زیادہ بھی عطا کرے اور اللہ جس کو چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے۔“

اور نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«مَنْ سَمِعَ التَّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِ فَلَا صَلَاةَ لَهُ إِلَّا مِنْ عُدْرٍ» (سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد

والجماعات، باب التغلیظ فی التخلف عن الجماعة، ح: ۷۹۳، والدارقطنی ۱/ ۴۲۰، والحاکم، ۱/ ۲۴۵
واسنادہ علی شرط مسلم)

”جو شخص اذان سنے اور مسجد میں نہ آئے تو اس کی نماز نہیں ہوتی الا یہ کہ کوئی (معتول شرعی) عذر ہو۔“
اور نبی ﷺ سے ایک نابینا آدمی نے سوال کرتے ہوئے عرض کیا تھا یا رسول اللہ! میرے پاس کوئی معاون نہیں جو مجھے مسجد میں لے جائے تو کیا میرے لئے رخصت ہے کہ میں اپنے گھر میں نماز پڑھ لوں؟ تو نبی نے ﷺ فرمایا:
«هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ بِالصَّلَاةِ؟ قَالَ نَعَمْ: قَالَ فَأَجِبْ» (صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب یجب
ایتان المسجد علی من سمع النداء، ح: ۶۵۳)
”کیا تم نماز کے لئے اذان کی آواز سنتے ہو؟ اس نے عرض کیا جی ہاں تو آپ نے فرمایا پھر اس آواز پر لبیک
کو۔“

اس مفہوم کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔

”امر بالمعروف اور نہی عن المنکر“ کے محکمہ پر واجب ہے کہ وہ لوگوں کو باغوں اور پارکوں میں نماز پڑھنے سے منع
کرے اور مسجدوں میں نماز پڑھنے کا حکم دے تاکہ: ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى﴾ اور ﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ
أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (التوبة 81/9) پر عمل ہو سکے۔
اسی طرح نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

«مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ
أَضْعَفُ الْإِيمَانِ» (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون النهی عن المنکر من الایمان، ...
ح: ۴۹)

”تم میں سے جو کوئی کسی برائی کو دیکھے تو اسے ہاتھ سے روکے، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے روکے
اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے برا سمجھے اور یہ ایمان کا انتہائی کمزور درجہ ہے۔“

— شیخ ابن باز —

دوسری جماعت کا حکم

سوال بعض نمازی نماز کے لئے دیر سے آتے ہیں تو امام راتب کی اقتداء میں پہلی جماعت کے فوت ہونے کی وجہ سے
دوسری جماعت کھڑی کر لیتے ہیں، اس کے بارے میں اسلام میں کیا حکم ہے؟
جواب جب کچھ لوگ مسجد میں اس وقت آئیں جب امام نے سلام پھیر دیا ہو اور وہ باجماعت نماز ادا کر لیں تو اس میں
کوئی حرج نہیں کیونکہ جب ایک شخص اس وقت مسجد میں آیا جب نبی کریم ﷺ نے نماز سے سلام پھیر دیا تھا تو آپ نے
فرمایا:

«مَنْ يَتَصَدَّقُ عَلَيَّ هَذَا فَيُصَلِّيَ مَعَهُ» (رواه احمد في المسند ۳/ ۴۵)

”کون ہے جو اس پر صدقہ کرے اور اسے نماز باجماعت پڑھا دے؟“

فتویٰ کمیٹی

کیا امام کو دیکھنا واجب ہے؟

سوال ہماری مسجد کے شمالی جانب ایک قطعہ زمین ہے، جو مسجد سے ملحق ہے اور اس کی چار دیواری بنی ہوئی ہے۔ ہم اس زمین کو عورتوں کے لئے مخصوص کر دینا چاہتے ہیں تاکہ وہ رمضان میں یہاں نماز ادا کر سکیں، تو کیا یہ جائز ہے جب کہ وہ یہاں نماز پڑھتے ہوئے امام کو نہ دیکھ سکیں گی بلکہ صرف لاؤڈ سپیکر ہی سے امام کی متابعت کر سکیں گی؟

جواب اس مذکورہ زمین میں ان کی نماز کی صحت کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے، جہاں سے وہ نہ امام کو دیکھ سکیں اور نہ مقتدیوں کو بلکہ صرف تکبیر کی آواز سن سکیں۔ ان کے لئے زیادہ احتیاط اس میں ہے کہ مذکورہ جگہ نماز ادا نہ کریں بلکہ اپنے گھر میں نماز ادا کریں الایہ کہ مسجد میں انہیں نمازیوں کے پیچھے کوئی جگہ مل جائے یا کوئی ایسی جگہ ہو جہاں سے وہ امام یا کچھ مقتدیوں کو دیکھ سکیں تو وہاں نماز ادا کر لیں۔

شیخ ابن باز

کیا عورتیں باجماعت نماز ادا کر سکتی ہیں؟

سوال کیا عورتیں بھی مردوں کی طرح باجماعت نماز ادا کر سکتی ہیں یا ان کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ الگ الگ نماز ادا کریں؟ اور اگر ان کے لئے نماز باجماعت ادا کرنا لازم ہے تو کیا میرے لئے یہ جائز ہے کہ میں اپنے اہل خانہ کو باجماعت نماز پڑھاؤں تاکہ انہیں نماز باجماعت کا اجر و ثواب مل جائے؟

جواب مسجدوں میں نماز باجماعت ادا کرنا صرف مردوں کے لئے واجب ہے لیکن جب کوئی عورت مسجد میں نماز ادا کرنے کے لئے اجازت مانگے تو اسے منع کرنا مکروہ ہے، جب کہ اس کے لئے گھر میں نماز ادا کرنا بہتر ہے اور گھر میں باجماعت ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں لیکن ان کی امام ان کی صف کے درمیان ہی میں کھڑی ہوگی لیکن عورتوں کے لئے باجماعت نماز ادا کرنے کی فضیلت اس طرح نہیں ہے، جس طرح مردوں کے لئے ہے۔ کسی مرد کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ مسجد کو چھوڑ کر گھر میں اپنے اہل خانہ یا عورتوں کو جماعت سے نماز پڑھائے کیونکہ فرض نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں جانا مردوں کے لئے فرض ہے۔

شیخ ابن جبرین

ایک موضوع حدیث جو کہ صحیح نہیں ہے

سوال لوگوں میں ایک ورقہ تقسیم کیا گیا جس پر نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب یہ حدیث لکھی ہوئی تھی کہ ”جو شخص نماز میں سستی کرے اللہ تعالیٰ اسے پندرہ سزائیں دے گا۔“ کیا یہ حدیث صحیح ہے؟

جواب یہ ایک جھوٹی حدیث ہے جسے نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے اور نہ اس کی کوئی بنیاد ہے جیسا کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ”میزان“ میں اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ”لسان المیزان“ میں بیان فرمایا ہے لہذا جو

شخص اس کاغذ کو پائے اسے جلادے اور اسے تقسیم کرنے والے کو تنبیہ کرے تاکہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے دفاع کیا جاسکے اور آپ کی سنت صحیحہ میں نماز کی جو عظمت اور اس کے بارے میں سستی کے لئے وعید آئی ہے، وہ کافی، شافی اور کذاب لوگوں کے کذب سے بے نیاز کر دینے والی ہے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الَّتِي تَلْتَمِذُونَ وَقَوْمُوا لِلَّهِ قَنِينِينَ﴾ (البقرة ۲/۲۳۸)

”مسلمانو! سب نمازیں خصوصاً بیچ کی نماز (یعنی نماز عصر) پورے التزام کے ساتھ ادا کرتے رہو اور اللہ کے آگے ادب سے کھڑے رہا کرو۔“

اور فرمایا:

﴿خَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهْوَةَ فَسُوفَ يَلْقَوْنَ عَذَابًا﴾ (مریم ۱۹/۵۹)

”پھر ان کے بعد چند ناخلف ان کے جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو (چھوڑ دیا گویا اسے) کھو دیا اور خواہشات نفسانی کے پیچھے لگ گئے، سو عقرب ان کو گمراہی (کی سزا) ملے گی۔“

اور فرمایا:

﴿فَوَيْلٌ لِلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ﴾ (الماعون ۱۰۷/۴-۵)

”تو ایسے نمازیوں کی خرابی ہے، جو نماز کی طرف سے غافل رہتے ہیں۔“

اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں اور نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

«الْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ» (سنن ترمذی، کتاب الایمان، باب ما جاء فی ترک الصلوة، ح: ۲۶۲۱، سنن نسائی، کتاب الصلوة، باب الحکم فی تارک الصلوة، ح: ۴۶۴، ومسند احمد ۳۴۶/۵، ۳۵۵)

”ہمارے اور کافروں کے درمیان جو عہد ہے، وہ نماز کا ہے جو شخص نماز کو ترک کر دے، وہ کافر ہے۔“

اور اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

«بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ تَرْكُ الصَّلَاةِ» (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان اطلاق

اسم الكفر علی من ترك الصلوة، ح: ۸۱)

”آدمی اور کفر و شرک کے درمیان فرق ترک نماز سے ہے“

اسی طرح ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں نماز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

«مَنْ حَافِظٌ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهُ نُورًا وَبُرْهَانًا وَنَجَاةٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ لَمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ يَكُنْ لَهُ نُورٌ وَلَا بُرْهَانٌ وَلَا نَجَاةٌ وَخُسْرٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَقَارُونَ وَأَبِييْ»

ابنِ خَلْفٍ» (رواہ احمد فی المسند، ۱۶۹/۲، ومجمع الزوائد، کتاب الصلوة، باب فرض الصلوة،

ح: ۱۶۱۱)

”جو شخص نماز کی حفاظت کرے گا تو نماز اس کے لئے قیامت کے دن نور، برہان اور ذریعہ نجات ہوگی اور جو

شخص نماز کی حفاظت نہیں کرے گا تو اس کے لئے نہ نور ہوگا، نہ برہان اور نہ ذریعہ نجات اور اسے روز

قیامت فرعون، ہامان، قارون اور ابی بن خلف کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔“

بعض علماء نے اس حدیث کی شرح میں یہ لکھا ہے کہ جس نے نماز کو ضائع کر دیا اسے قیامت کے دن ان کافروں کے ساتھ اٹھایا جائے گا کیونکہ اگر اس نے حکومت و ریاست کی وجہ سے اسے ضائع کیا ہے، تو وہ فرعون کے مشابہ ہے۔ اگر اس نے وزارت اور دیگر اونچے عہدوں کی وجہ سے ضائع کیا ہے، تو وہ ہامان کے مشابہ ہے جو کہ فرعون کا وزیر تھا اور اس کے ساتھ ہی روز قیامت جہنم رسید ہو گا۔ جس نے اسے مال و خواہشات نفسانی کے باعث ضائع کیا ہے تو وہ اس قارون کے مشابہ ہو گا، جسے اللہ تعالیٰ نے اس کے گھر سمیت زندہ زمین میں دھنسا دیا تھا کیونکہ اس نے اپنے بے حد حساب مال و دولت اور خواہشات نفسانی کی پیروی کی وجہ سے اتباع حق سے اعراض کر لیا تھا تو مال و دولت کی بنا پر نماز ضائع کرنے والے کو روز قیامت قارون کے ساتھ جہنم رسید کیا جائے گا اور اگر اس نے اپنی تجارت اور دیگر امور و معاملات کی وجہ سے ضائع کیا، تو وہ ابی بن خلف کے مشابہ ہے جو کفار مکہ میں سے ایک بڑا تاجر تھا اور اس کے ساتھ مشابہت رکھنے والے بے نمازیوں کو روز قیامت اسی کے ساتھ جہنم رسید کیا جائے گا۔ ہم ان اور ان جیسے لوگوں کے حالات سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔

شیخ ابن باز

وہ طلوع آفتاب کے بعد نماز فجر ادا کرتا ہے

سوال میرا ایک دوست ہے جو میرے قریب ہی رہتا ہے اور مسجد بھی ہمارے گھر سے بہت ہی قریب ہے اور میرا یہ دوست رات بھر ٹیلی ویژن دیکھنے اور تاش کھیلنے میں مشغول رہتا ہے لیکن نماز فجر طلوع آفتاب کے بعد پڑھتا ہے۔ میں نے اسے کئی دفعہ سمجھایا ہے لیکن وہ عذر یہ پیش کرتا ہے کہ مجھے صبح کی اذان سنائی نہیں دیتی حالانکہ مسجد ہم سے بہت ہی قریب ہے۔ میں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں اسے نماز کے لئے بیدار کر دیا کروں گا اور فی الواقع میں نے اس کے پاس جانا اور اسے بیدار کرنا شروع بھی کر دیا لیکن اس کے باوجود میں اسے مسجد میں نہیں دیکھتا، پھر میں نماز کے بعد واپس اس کے پاس آتا ہوں تو اسے بدستور سویا ہوا پاتا ہوں۔ میں اسے سرزنش کرتا ہوں تو فضول حیلے بہانے کرتا ہے اور بسا اوقات کہتا ہے کہ ہاں عند اللہ روز قیامت میرے بارے میں تم جواب دہ ہو گے کیونکہ میں تمہارا پڑوسی ہوں۔ آپ سے درخواست یہ ہے کہ براہ کرم مطلع فرمائیے کیا واقعی مجھ پر یہ لازم ہے کہ میں اسے نماز کے لئے بیدار کروں؟

جواب کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ رات بھر اس قدر بیدار رہے کہ نماز فجر باجماعت یا بروقت ادا نہ کر سکے خواہ رات کی یہ بیداری قرآن مجید کی تلاوت یا طلب علم ہی کی وجہ سے کیوں نہ ہو، تو اس سے اندازہ لگائیے کہ اس بات کی کس طرح اجازت ہو سکتی ہے کہ آدمی شب بھر ٹیلی ویژن دیکھنے یا تاش کھیلنے میں مشغول رہے اور نماز فجر ضائع کر دے؟

اپنے اس طرز عمل کی وجہ سے یہ شخص گناہ گار اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا کا مستحق ہے، حکمرانوں کی طرف سے بھی یہ سزا کا مستحق ہے، حکمرانوں پر بھی فرض ہے کہ وہ اسے اور اس جیسے لوگوں کو سزا دے کر نماز ضائع کرنے سے روکیں۔ اہل علم کی ایک جماعت کے نزدیک عداً نماز فجر کو طلوع آفتاب کے بعد تک مؤخر کرنا کفر اکبر ہے کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے

کہ:

«بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ وَالشُّرْكِ تَرْكُ الصَّلَاةِ» (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان اطلاق اسم الکفر علی من ترک الصلاۃ، ح: ۸۱)

”آدمی اور کفر و شرک کے درمیان فرق ترک نماز سے ہے“

نیز نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

«الْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ» (سنن ترمذی، کتاب الایمان، باب ما جاء فی ترک الصلاۃ، ح: ۲۶۲۱ و سنن نسائی، کتاب الصلاۃ، باب الحکم فی تارک الصلاۃ، ح: ۴۶۴، و مسند احمد ۳۴۶/۵، ۳۵۵)

”ہمارے اور ان کے مابین جو عہد ہے، وہ نماز ہے جس نے اسے ترک کر دیا وہ کافر ہو گیا۔“

اس حدیث کو امام احمد اور اہل سنن نے حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

اس باب میں اور بھی بہت سی احادیث اور آثار ایسے ہیں، جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ جو شخص عمداً اور بغیر شرعی عذر کے نماز کو اس کے وقت سے مؤخر کرتا ہے وہ کافر ہے۔

شیخ ابن باز

تارک نماز اور تارک جماعت

تارک نماز کے بارے میں کیا حکم ہے؟ نیز نماز باجماعت ادا کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

سوال

کمیٹی نے اس استفتاء کے مطالعہ کے بعد اس کا درج ذیل جواب لکھا:

جواب

نماز شہادتین کے بعد اسلام کے ارکان خمسہ میں سے سب سے اہم رکن ہے۔ جو شخص اس کے وجوب کا انکار کرتے ہوئے اسے ترک کر دے تو تمام مسلمانوں کے اجماع کے مطابق وہ کافر ہے اور جو شخص محض غفلت اور سستی کی بنا پر ترک کرے علماء کے صحیح قول کے مطابق وہ بھی کافر ہے اور اس قول کی اصل بنیاد وہ حدیث ہے جسے امام مسلم نے اپنی ”صحیح“ میں ان الفاظ میں روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ وَالشُّرْكِ تَرْكُ الصَّلَاةِ» (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان اطلاق اسم الکفر علی من ترک الصلاۃ، ح: ۸۱)

”بندے اور کفر و شرک کے درمیان فرق ترک نماز سے ہے۔“

نیز وہ روایت جسے امام احمد نے ”مسند“ میں اور ترمذی نے ”جامع“ میں روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«الْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ» (سنن ترمذی، کتاب الایمان، باب ما جاء فی ترک الصلاۃ، ح: ۲۶۲۱ و سنن نسائی، کتاب الصلاۃ، باب الحکم فی تارک الصلاۃ، ح: ۴۶۴، و مسند

احمد ۳۴۶/۵، ۳۵۵)

”ہمارے اور ان کے درمیان عہد نماز کا ہے، جو شخص اسے ترک کر دے وہ کافر ہے۔“

باقی رہا نماز باجماعت ادا کرنا تو یہ بھی واجب عین ہے جیسا کہ کتاب و سنت کے دلائل سے ثابت ہے، مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلَنْتُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا آسَلِيحتهم﴾

(النساء/۱۰۲)

”اور (اے پیغمبر) جب تم ان (مجاہدین کے لشکر) میں ہو اور ان کو نماز پڑھانے لگو تو چاہئے کہ ان کی ایک جماعت تمہارے ساتھ مسلح ہو کر کھڑی رہے۔“

اس آیت کریمہ میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے نبی کریم حضرت محمد ﷺ کو یہ حکم دیا کہ آپ حالت خوف میں بھی نماز باجماعت ادا فرمائیں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حالت امن میں نماز باجماعت ادا کرنا تو بلاوئی فرض ہے۔ سنت سے اس کی دلیل یہ ہے کہ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک نابینا آدمی حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! میرے پاس کوئی معاون نہیں جو مجھے مسجد میں لے جاسکے تو کیا میرے لئے گھر میں نماز ادا کرنے کی رخصت ہے؟“ آپ نے اسے رخصت دے دی اور جب وہ جانے لگا تو آپ نے اسے بلایا اور فرمایا:

«هَلْ تَسْمَعُ النَّدَاءَ؟ قَالَ نَعَمْ: قَالَ فَأَجِبْ» (صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب يجب اتیان

المسجد علی من سمع النداء، ح: ۶۵۳)

”کیا تم اذان کی آواز سنتے ہو؟“ اس نے عرض کیا ”جی ہاں“ تو آپ نے فرمایا ”پھر مؤذن کی آواز پر بلیک کرو۔“

مسند احمد کی ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ:

«لَا أَجِدُ لَكَ رُخْصَةً» (سنن ابی داود، کتاب الصلوة، باب التشدید فی ترک الجماعة، ح: ۵۵۲، ومسند

احمد، ۳/۴۲۳)

”پھر میں تمہارے لئے کوئی رخصت نہیں پاتا۔“

تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب ایک نابینا آدمی کے لئے ترک جماعت کی رخصت نہیں تو بیٹا کے لئے تو بلاوئی یہ رخصت نہیں اور اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان لوگوں کے گھروں کو آگ لگا دینے کا ارادہ فرمایا تھا جو مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے نہیں آتے اور ظاہر ہے کہ جو شخص کسی امر مستحب یا فرض کفایہ سے پیچھے رہے تو اسے تو اس طرح کی سرزنش نہیں کی جاسکتی۔ (اوصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم)

فتویٰ کمیٹی

کیا تارک نماز کے بارے میں لوگوں کو بیٹانا جائز ہے؟

سوال

جب بعض لوگوں کے بارے میں مجھے یہ علم ہو کہ وہ نماز پڑھتے ہیں اور نہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں بلکہ اس کے بجائے وہ ایسے برے اعمال کرتے ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ناراض ہوتے ہیں تو کیا یہ جائز ہے کہ میں انہیں سرزنش کروں تاکہ لوگوں کو بھی ان کے بارے میں معلوم ہو جائے یا یہ جائز نہیں ہے؟

جواب سب سے پہلے تو آپ پر یہ واجب ہے کہ اسے نصیحت کریں کہ وہ ان کاموں کو کرے، جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور ان کاموں کو چھوڑ دے، جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ اگر وہ بات مانے خواہ آہستہ آہستہ ہی سہی تو اس کے ساتھ مقدور بھر نصیحت کا یہ سلسلہ جاری رکھو، وگرنہ مقدور بھر اس سے اجتناب کرو تا کہ فتنہ سے بچ سکو اور منکر سے کنارہ کشی کر سکو اور پھر اس کے بعد وہ شخص واجبات میں جو کو تاہی کرتا اور منکرات کو بجالاتا ہو، اس کے بارے میں لوگوں کو بوقت ضرورت بتا سکتے ہو تا کہ لوگوں کو اس کے بارے میں صحیح صورت حال کا علم ہو اور لوگ اس کے شر سے محفوظ رہ سکیں۔ اور اگر کوئی شخص اس کے ساتھ پڑوس اختیار کرنے، یا کاروبار میں شراکت کرنے یا مثلاً ایسے شخص کو کسی خدمت وغیرہ کے لئے رکھنے کی وجہ سے آپ سے مشورہ کرے یا آپ کو کسی کے بارے میں یہ خدشہ ہو کہ وہ اس کے جال میں پھنس جائے گا یا اس کے شر میں مبتلا ہو جائے گا تو ان تمام صورتوں میں لوگوں کو اس کے حال سے آگاہ کرنا واجب ہے تا کہ اچھے لوگوں کو اس کے شر سے بچایا جاسکے اور اس کے بارے میں یہ توقع ہو کہ جب اچھے لوگ اس سے کنارہ کشی کریں گے تو شاید یہ بھی اپنی اصلاح کر سکے۔ یہ جائز نہیں کہ آپ اس کے برے سیرت و کردار کو اپنے لئے یا لوگوں کے لئے مثال قرار دیں یا مجلسوں اور محفلوں میں اس کا مذاق اڑاتے پھریں کیونکہ اس طرح بھی شر پھیلتا ہے، لوگ بے حس ہو جاتے ہیں اور بری باتیں سنتے سنتے برائی کا احساس ختم ہو جاتا ہے۔ اور یہ بھی جائز نہیں کہ اسے بہت ہی برا ثابت کرنے کے لئے آپ اس کی طرف ایسی ایسی برائیاں اور ایسے ایسے بدترین اعمال منسوب کریں، جو اس نے کئے ہی نہ ہوں کیونکہ یہ کذب اور بہتان ہے اور اس سے ہمارے نبی کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

شیخ ابن باز

ایسا دوست جو نماز روزہ ادا نہیں کرتا، اس سے صلہ رحمی کی جائے یا نہیں؟

سوال میرا ایک بہت گرا دوست علی ہے، لیکن یہ دوست فرض نماز پڑھتا ہے، نہ رمضان کے روزے رکھتا ہے، میں نے اسے سمجھایا تو وہ میری بات نہیں مانتا تو کیا میں اس سے صلہ رحمی کروں یا نہ کروں؟

جواب اس طرح کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ کی خاطر بغض اور دشمنی رکھنا ضروری ہے حتیٰ کہ وہ توبہ کر لیں کیونکہ علماء کے صحیح قول کے مطابق ترک نماز کفر اکبر ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ وَالشُّرْكِ تَرْكُ الصَّلَاةِ» (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان اطلاق

اسم الكفر على من ترك الصلاة، ح: ۸۱)

”آدمی اور کفر و شرک کے درمیان فرق نماز کا ترک ہے۔“

اور نبی ﷺ کا ایک اور ارشاد گرامی یہ ہے کہ:

«الْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ» (سنن ترمذی، کتاب الایمان، باب ما جاء في

ترك الصلاة، ح: ۲۶۲۱، و سنن نسائی، کتاب الصلاة، باب الحكم في تارك الصلاة، ح: ۶۶۴، و مسند

احمد ۳۴۶/۵، ۳۵۵)

”ہمارے اور ان کے درمیان عہد نماز ہے، جس نے نماز کو ترک کر دیا وہ کافر ہو گیا۔“ (اس حدیث کو امام احمد

اور اہل سنن نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس معنی و مفہوم کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔) شرعی عذر کے بغیر رمضان کا روزہ چھوڑ دینا بھی بہت بڑا اور کبیرہ جرم ہے۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ بیماری یا سفر وغیرہ کے شرعی عذر کے بغیر رمضان کا روزہ چھوڑنا بھی کفر ہے لہذا آپ کے لئے واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اس شخص سے بغض رکھیں اور اس کو چھوڑ دیں حتیٰ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرے۔ حکمرانوں پر بھی واجب ہے کہ جن لوگوں کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ تارک نماز ہیں، ان سے توبہ کرائیں اگر وہ توبہ کر لیں تو درست ورنہ انہیں قتل کر دیں کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ﴾ (التوبة: ۵/۹)

”پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کی راہ چھوڑ دو۔“

تو اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جو شخص نماز نہ پڑھے، اس کے راستہ کو نہ چھوڑا جائے اور نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

﴿إِنِّي نَهَيْتُ عَنْ قَتْلِ الْمُصَلِّينَ﴾ (سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب الحكم في المختين، ح: ۴۹۲۸)

”مجھے نمازیوں کے قتل سے منع کیا گیا ہے۔“

تو اس سے بھی معلوم ہوا کہ جو شخص نماز نہ پڑھے، اس کے قتل سے آپ کو منع نہیں کیا گیا۔ الغرض اولہ شرعیہ اور آیات و احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان حکمران پر یہ واجب ہے کہ بے نماز اگر توبہ نہ کرے تو اسے قتل کر دے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعاء کرتے ہیں کہ وہ آپ کے ساتھی کو توبہ کی توفیق عطا فرمائے اور اسے صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق سے نوازے۔

شیخ ابن باز

تارک نماز کا فرہے

سوال بہت سے باپ اپنے بچوں کی تربیت خصوصاً دینی تربیت کا اہتمام نہیں کرتے۔ بچوں کی تعلیم میں کو تاہی کا وہ عذر یہ پیش کرتے ہیں کہ کام کی وجہ سے وہ بہت تھک گئے ہیں، تو ان لوگوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو دعویٰ تو اسلام کا کرتے ہیں لیکن وہ رمضان کے روزے کم ہی رکھتے ہیں یا نماز بھی وہ بہت کم ہی پڑھتے ہیں؟

جواب ایک مرد مومن کے لئے یہ ضروری ہے کہ اپنی اولاد کی تربیت کا وہ پورا پورا اہتمام کرے تاکہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ پر عمل ہو سکے:

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴾ (التحریم: ۶/۶۶)

”مومنو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آتش (جہنم) سے بچاؤ، جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور جس پر تند خو اور سخت مزاج فرشتے (مقرر) ہیں جو حکم اللہ ان کو فرماتا ہے، اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم ان کو ملتا ہے اسے بجالاتے ہیں۔“

مرد مومن کو چاہئے کہ اپنی اس ذمہ داری کو پورا کرے، جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں اس کے کندھوں پر

ڈالی ہے کہ:

«الرَّجُلُ رَاعٍ فِي أَهْلِهِ، وَمَسْتُوُلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ» (صحیح بخاری، کتاب الجمعة في القرى والمدن، ح: ۸۹۳، ۲۴۰۹، ۲۵۵۴، ۲۵۵۸)

”مرد اپنے اہل خانہ کے بارے میں نگہبان ہے اور اپنی اس رعیت کے بارے میں اس سے پوچھا جائے گا۔“
لہذا اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ اپنی اولاد کی طرف توجہ نہ دے بلکہ اس پر واجب ہے کہ حسب حالات اور حسب جرائم انہیں ادب سکھائے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«مُرُوا أَبْنَاءَكُمْ بِالصَّلَاةِ لَسَبْعٍ وَأَضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا لِعَشْرِ» (سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب منی یومر الغلام بالصلاة، ح: ۴۹۴، ۴۹۵)

”اپنے بیٹوں (یعنی اولاد) کو نماز کا حکم دو جب کہ وہ سات سال کے ہوں اور نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے انہیں مارو جب کہ وہ دس سال کے ہوں۔“

یاد رہے کہ مرد کے کندھوں پر یہ جو امانت ڈالی گئی ہے، روز قیامت اس کے بارے میں اس سے باز پرس بھی ہوگی لہذا اسے چاہئے کہ صحیح جواب تیار کر رکھے تاکہ اس ذمہ داری سے عمدہ برا ہو سکے اور اپنے عمل کے پھل کو پاسکے کہ اگر عمل اچھا کیا تو پھل بھی اچھا اور اگر عمل برا کیا تو پھل بھی برا ہو گا اور بسا اوقات تو برے عمل کی سزا دنیا میں بھی اس طرح مل جاتی ہے کہ اولاد اس سے برا سلوک کرتی ہے، نافرمان ہو جاتی ہے اور اپنے باپ کے حق کو ادا نہیں کرتی۔

جو لوگ اسلام کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن نماز اور روزہ کی پابندی کم ہی کرتے ہیں، تو ان کے بارے میں ہماری رائے یہ ہے کہ اگر یہ لوگ رمضان کے روزے اس لئے نہیں رکھتے کہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ روزہ واجب نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک بدنی ریاضت ہے اور انسان کو اختیار ہے کہ چاہے روزہ رکھے یا نہ رکھے تو یہ لوگ کافر ہیں کیونکہ انہوں نے فرائض اسلام میں سے ایک فرض کا انکار کیا ہے اور جمالت کی وجہ سے انہیں معذور بھی قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ یہ ایک اسلامی معاشرہ میں رہ رہے ہیں۔

اگر یہ روزہ کی فرضیت اور وجوب کا عقیدہ تو رکھتے ہیں لیکن عملاً روزہ نہیں رکھتے تو یہ نافرمان ہیں اور اہل علم کے راجح قول کے مطابق انہیں کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔

اگر یہ نماز بالکل نہیں پڑھتے تو یہ کافر ہیں خواہ نماز کے وجوب کا اقرار کریں یا انکار کیونکہ اس صورت میں ان کا کفر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، چنانچہ قرآن مجید کی سورہ توبہ میں ارشاد ہے:

﴿فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخِذُوا مِنْكُمْ فِي الدِّينِ﴾ (التوبة ۱۱/۹)

”پھر اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے لگیں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں۔“

اور سورہ مریم میں ارشاد ہے:

﴿خَلَفَ مِنْ بَدِينِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهْوَةَ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غِيَاً ﴿٥٩﴾ إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يظْلَمُونَ شَيْئًا ﴿٦٠﴾﴾ (مریم ۱۹/۵۹-۶۰)

”پھر ان کے بعد چند ناخلف ان کے جائشیں ہوئے، جنہوں نے نماز کو (چھوڑ دیا گویا کہ اسے) کھو دیا اور

خواہشات نفسانی کے پیچھے لگ گئے سو عنقریب ان کو گمراہی (کی سزا) ملے گی۔ ہاں! جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور عمل نیک کئے تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے اور ان کا ذرا نقصان نہ کیا جائے گا۔“

یہاں استدلال سورہ مریم کی اس دوسری آیت کریمہ سے ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے نماز ضائع کرنے والوں اور خواہشات نفسانی کی پیروی کرنے والوں میں سے ان لوگوں کو مستثنیٰ قرار دیا، جو توبہ کریں اور ایمان لے آئیں، تو اس سے معلوم ہوا کہ نماز ضائع اور خواہشات نفسانی کی پیروی کرتے وقت وہ مسلمان نہیں ہیں اور یہ استدلال پہلی آیت سے ہے جو سورہ توبہ کی آیت ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے اور مشرکین کے درمیان ثبوت اخوت کے لئے تین شرطیں قرار دی ہیں اور وہ یہ ہیں: ① وہ شرک سے توبہ کریں ② نماز قائم کریں اور ③ زکوٰۃ ادا کریں۔ اگر وہ شرک سے توبہ کر لیں لیکن نماز اور زکوٰۃ کو ادا نہ کریں تو وہ ہمارے بھائی نہیں ہیں۔ اور یاد رہے دینی اخوت کی نفی صرف اسی وقت ہوتی ہے جب کوئی مومن مکمل طور پر دائرہ دین سے خارج ہو جائے، فسق کے ساتھ اس اخوت کی نفی نہیں ہوتی جیسا کہ آیت قصاص:

﴿فَمَنْ عَنِيَ لَكُمْ مِنَ آخِيهِ شَيْءٌ فَأَبْتَعْ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءُ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ﴾ (البقرة ۲/۱۷۸)

”اور اگر قاتل کو اس کے (مقتول) بھائی (کے قصاص میں) سے کچھ معاف کر دیا جائے تو (وارث مقتول کو) پسندیدہ طریق سے (قرارداد کی) پیروی (یعنی مطالبہ خون بہا) کرنا اور (قاتل کو) خوش خوئی کے ساتھ ادا کرنا چاہئے۔“

اس آیت میں عداً قتل کرنے والے کو بھی اللہ تعالیٰ نے مقتول کا بھائی قرار دیا ہے حالانکہ قتل عم بھی اکبر الکبائر میں سے ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ سے ثابت ہے:

﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَعَصَبُ اللَّهِ عَلَيْهِ
وَلَعْنَتُهُ وَأَعْدَاؤُهُ أَبَا عَدُوِّكُمْ عَظِيمًا﴾ (النساء ۴/۹۳)

”اور جو شخص مسلمان کو جان بوجھ کر مار ڈالے گا تو اس کی سزا دوزخ ہے، جس میں وہ ہمیشہ (جلتا) رہے گا۔ اللہ اس پر غضب ناک ہو گا اور اس پر لعنت کرے گا اور ایسے شخص کے لئے اس نے بڑا (سخت) عذاب تیار کر رکھا ہے۔“

یہ آیت کریمہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ایمانی اخوت کی نفی کفر سے کم تر درجہ کے کسی جرم کی وجہ سے نہیں ہوتی۔

ترک نماز سے جب دینی اخوت کی نفی ہو جاتی ہے جیسا کہ سورہ توبہ کی آیت سے واضح ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ ترک نماز کفر و کفریہ فسق نہیں ہے ورنہ اس سے دینی اخوت کی نفی نہ ہوتی، جس طرح قتل مومن سے نفی نہیں ہوتی۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ کیا تم تارک زکوٰۃ کو بھی کافر قرار دو گے جیسا کہ سورہ توبہ کی اس آیت کے مفہوم سے معلوم ہوتا ہے، تو ہم کہیں گے کہ ہاں بعض اہل علم نے تارک زکوٰۃ کو بھی کافر قرار دیا ہے۔ امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک راجح بات یہ ہے کہ تارک زکوٰۃ کافر نہیں ہے ہاں البتہ اس کے لئے سزا بہت سخت ہوگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور نبی کریم ﷺ نے اپنی سنت میں بیان فرمایا ہے مثلاً حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں ہے

جس میں نبی ﷺ نے مانعین زکوٰۃ کی سزا کو بیان کرتے ہوئے آخر میں فرمایا:

«ثُمَّ يَرْكَبُ سَبِيلَهُ إِيمَانًا إِلَى الْجَنَّةِ وَإِمَانًا إِلَى النَّارِ» (صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب إثم مانع الزکاۃ، ح: ۹۸۷)

”پھر وہ اپنے راستے کو جنت کی طرف دیکھے گا یا جہنم کی طرف۔“

تو یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مانع زکوٰۃ کافر نہیں ہے کیونکہ اگر وہ کافر ہوتا تو پھر اس کا راستہ جنت کی طرف نہ ہوتا تو اس حدیث کا منطوق آیت توبہ کے مفہوم سے مقدم ہے کیونکہ منطوق مفہوم سے مقدم ہوا کرتا ہے جیسا کہ اصول فقہ میں معروف ہے۔

سنت سے تارک نماز کے کفر کی دلیل نبی ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ:

«إِنَّ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشُّرْكِ تَرْكُ الصَّلَاةِ» (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان اطلاق اسم الکفر علی من ترک الصلاة، ح: ۸۲)

”بندے اور شرک و کفر کے درمیان فرق ترک نماز سے ہے۔“

اور بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ:

«الْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ» (سنن ترمذی، کتاب الایمان، باب ما جاء فی ترک الصلاة، ح: ۲۶۲۱ و سنن نسائی، کتاب الصلاة، باب الحکم فی تارک الصلاة، ح: ۶۶۴، ومسند احمد ۳۴۶/۵، ۳۵۵)

”ہمارے اور ان کے درمیان جو عہد ہے وہ نماز ہے، جس نے نماز کو ترک کر دیا وہ کافر ہو گیا۔“

یہاں کفر سے مراد وہ کفر ہے، جو ملت اسلامیہ سے خارج کر دیتا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے نماز کو مومنوں اور کافروں کے درمیان حد فاصل قرار دیا ہے اور ظاہر ہے ملت کفر اور ملت اسلام دو الگ الگ ملتیں ہیں تو جو شخص عہد نماز کی پابندی نہ کرے تو وہ کافروں میں سے ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«سَتَكُونُ أَمْرَاءُ فَتَعْرِفُونَ وَتُنْكِرُونَ، فَمَنْ عَرَفَ بَرِيءًا وَمَنْ أَنْكَرَ سَلِيمًا، وَلَكِنْ مَنْ رَضِيَ وَتَابَعَ قَالُوا: أَفَلَا نُنْقَاتِلُهُمْ؟ قَالَ: لَا، مَا صَلَّوْا» (صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب وجوب الانكار علی الامراء فيما يخالف الشرع...، ح: ۱۸۵۴)

”عنقریب کچھ ایسے امراء ہوں گے کہ جن کو تم پہچانو گے بھی اور انکار بھی کرو گے، جس نے پہچان لیا وہ بری ہو گیا اور جس نے انکار کر دیا وہ سلامت رہا لیکن جو شخص ان سے راضی ہو گیا اور جس نے ان کی پیروی کی (وہ ہلاک ہو گیا)۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ”کیا ہم ان سے لڑائی نہ کریں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”نہیں“

جب تک یہ نماز پڑھتے رہیں (تم ان سے لڑائی نہ کرو)“

اور حدیث عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«خِيَارُ أُمَّتِكُمْ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ وَيُحِبُّونَكُمْ، وَيُصَلُّونَ عَلَيْكُمْ وَتُصَلُّونَ عَلَيْهِمْ وَشِرَارُ

أَيَّتِكُمْ الَّذِينَ تَبْغِضُونَهُمْ وَيَبْغِضُونَكُمْ، وَتَلْعَنُونَهُمْ وَيَلْعَنُونَكُمْ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ :
أَفَلَا نُنَابِذُهُمْ بِالسَّيْفِ؟ قَالَ: لَا، مَا أَقَامُوا فِيكُمْ الصَّلَاةَ (صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب
خيار الاثمة وشرارهم، ح: ۱۸۵۵)

”تمہارے بہترین حکمران وہ ہیں جن سے تم محبت کرو، وہ تم سے محبت کریں، وہ تمہارے لئے دعائیں کریں اور
تم ان کے لئے دعائیں کرو اور تمہارے بدترین حکمران وہ ہیں کہ تم ان سے بغض رکھو، وہ تم سے بغض
رکھیں، تم ان پر لعنت بھیجو اور وہ تم پر لعنت بھیجیں۔“ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ”کیا ہم تلوار کے ساتھ
انہیں ختم نہ کر دیں؟“ آپ نے فرمایا ”نہیں جب تک وہ نماز کو قائم رکھیں (ان کے خلاف تلوار نہ اٹھاؤ)۔“

یہ دونوں حدیثیں اس بات کی دلیل ہیں کہ اگر حکمران نماز قائم نہ کریں تو ان کے خلاف تلوار استعمال کر کے ان کا
خاتمہ کر دیا جائے اور یاد رہے کہ حکمرانوں سے لڑائی بھگڑا اور قتال صرف اسی صورت میں جائز ہے، جب وہ کفر صریح کا
ارتکاب کریں اور ہمارے پاس اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح برہان ہو جیسا کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ
سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بلایا تو ہم نے آپ کی بیعت کی۔ ہم نے یہ بیعت کی کہ ہم پسندیدگی اور
ناپسندگی میں، مشکل اور آسانی میں اور اپنے اوپر ترجیح دینے جانے کی صورت میں بھی سماع و طاعت کا مظاہرہ کریں گے اور
اہل لوگوں سے حکومت نہیں چھینیں گے۔ اسی سلسلہ میں فرمایا:

«إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِنَ اللَّهِ فِيهِ بُرْهَانٌ» (صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب سترون
بعدي امورا تكثرونها، ح: ۷۰۵۶، ۷۰۷۶)

”ہاں الا یہ کہ تم حکمرانوں کی طرف سے صریح کفر کا ارتکاب دیکھو اور تمہارے پاس اس بارے میں اللہ تعالیٰ
کی طرف سے برہان ہو۔“

تو اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حکمرانوں کا نماز ترک کرنا جس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے حکمرانوں کے
ساتھ تلوار سے لڑنے کو بھی جائز قرار دیا یہ کفر صریح ہے اور ترک نماز کے کفر صریح ہونے کی ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی
طرف سے برہان موجود ہے۔

کتاب و سنت میں ایسی کوئی دلیل موجود نہیں ہے، جس سے یہ معلوم ہو کہ تارک نماز کافر نہیں ہے یا یہ معلوم ہو
کہ وہ مومن ہے یا یہ معلوم ہو کہ وہ جنت میں داخل ہو گا یا یہ معلوم ہو کہ وہ جہنم میں داخل نہیں ہو گا، زیادہ سے زیادہ
اس سلسلہ میں جو وارد ہے، وہ ایسی نصوص ہیں جو توحید اور لالہ اللہ محمد رسول اللہ کی شہادت کی فضیلت پر دلالت کرتی
اور اس کا ثواب بیان کرتی ہیں اور یہ نصوص یا تو کسی ایسے وصف کے ساتھ مقید ہیں، جس کے ساتھ ترک نماز ممکن ہی
نہیں یا یہ معین حالات کے بارے میں وارد ہیں، جن میں انسان ترک نماز کے لئے معذور ہوتا ہے یا یہ عام ہیں اور انہیں
تارک نماز کے کفر کے دلائل پر محمول کیا جائے گا کیونکہ تارک نماز کے کفر کے دلائل خاص ہیں اور خاص عام سے مقدم
ہوتا ہے جیسا کہ اصول حدیث اور اصول فقہ میں یہ ایک معروف اصول ہے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے، کیا یہ جائز نہیں کہ تارک نماز کے کفر پر دلالت کرنے والے نصوص کو اس بات پر محمول کیا
جائے کہ ان سے مراد وہ شخص ہے جو نماز کے وجوب کا انکار کرتے ہوئے اس کا ترک کرے؟ ہم عرض کریں گے کہ نہیں

یہ تاویل جائز نہیں کیونکہ اس میں دو رکاوٹیں ہیں اس وصف کا ابطال لازم آتا ہے جسے شریعت نے معتبر قرار دیا اور جس کے مطابق حکم عائد کیا ہے۔ یعنی شریعت نے ترک نماز پر کفر کا حکم لگایا ہے اور یہاں یہ نہیں کہا کہ جو کوئی نماز کے وجوب کا انکار کرتے ہوئے ترک کرے، وہ کافر ہے اور پھر شخص اقامت نماز کی بنیاد پر دینی اخوت کو قائم کیا ہے اور یہ نہیں کہا کہ دینی بھائی وہ ہیں جو نماز کے وجوب کا اقرار کریں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی نہیں فرمایا کہ اگر وہ توبہ کر لیں اور وجوب نماز کا اقرار کر لیں تو..... اور نہ ہی نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ آدمی اور شرک و کفر کے درمیان فرق وجوب نماز کے اقرار کی وجہ سے ہے کہ جو اس کے وجوب کا انکار کرے، وہ کافر ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی یہ مراد ہوتی تو اس سے روگردانی اس بیان کے خلاف ہوتی جسے قرآن نے پیش کیا ہے، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ (النحل ۱۶/۸۹)

”اور ہم نے آپ پر (ایسی) کتاب نازل کی ہے کہ (اس میں) ہر چیز کا بیان (مفصل) ہے۔“

اور جس کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا:

﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ (النحل ۱۶/۴۴)

”اور ہم نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے تاکہ جو (ارشادات) لوگوں پر نازل ہوئے ہیں، وہ ان پر ظاہر کر دو۔“

اس میں دو سری رکاوٹ یہ ہے کہ اس سے ایک ایسے وصف کا اعتبار لازم آتا ہے، جسے شریعت نے مناسبات حکم قرار نہیں دیا۔ نماز پچگانہ کے وجوب کا انکار موجب کفر ہے، اس شخص کے لئے جو جہالت کی وجہ سے معذور ہو خواہ نماز پڑھے یا نہ پڑھے مثلاً ایک شخص اگر پانچوں نمازوں کو تمام شروط، ارکان، واجبات اور مستحبات سمیت ادا کرے لیکن وہ کسی عذر کے بغیر ان نمازوں کے وجوب کا منکر ہو تو وہ کافر ہو گا حالانکہ اس نے نماز کو ترک نہیں کیا، تو اس سے معلوم ہوا کہ نصوص کو اس بات پر محمول کرنا کہ ان سے مراد وہ شخص ہے جو وجوب نماز کا انکار کرتے ہوئے ترک کرے صحیح نہیں ہے جب کہ صحیح اور حق بات یہ ہے کہ تارک نماز کافر ہے اور وہ اپنے اس کفر کے باعث ملت سے خارج ہو جاتا ہے جیسا کہ ابن ابی حاتم کی اس روایت میں اس کی صراحت ہے، جو حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

«أَوْصَانَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: لَا تُشْرِكُوا بِاللَّهِ شَيْئًا، وَلَا تَتْرَكُوا الصَّلَاةَ عَمْدًا، فَمَنْ تَرَكَهَا

عَمْدًا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْمِلَّةِ» (انظر مجمع الزوائد: ۷۱۴ وأخرجه ابن ماجه مختصراً وحسنه الألباني: ۴۰۳۴)

”رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہ وصیت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، قصد و ارادہ سے نماز

ترک نہ کرو کیونکہ جو شخص قصد و ارادہ سے جان بوجھ کر نماز ترک کر دیتا ہے، تو وہ ملت سے خارج ہو جاتا

ہے۔“

نیز اگر ہم اسے ترک انکار پر محمول کریں تو پھر نصوص میں نماز کے بطور خاص ذکر کا کوئی فائدہ نہ ہو گا کیونکہ یہ حکم تو نماز، زکوٰۃ، حج اور ان تمام امور کے لئے عام ہے جو دین کے واجبات و فرائض میں شمار ہوتے ہیں کیونکہ ان میں سے کسی ایک کا اس کے وجوب کے انکار کی وجہ سے ترک موجب کفر ہے بشرطیکہ انکار کرنے والا جہالت کی وجہ سے معذور نہ ہو۔

جس طرح سہمی اثری دلیل کا تقاضا ہے کہ تارک نماز کو کافر قرار دیا جائے، اسی طرح عقلی نظری دلیل کا بھی تقاضا ہے

اور وہ اس طرح کہ جو شخص دین کے ستون نماز ہی کو ترک کر دے تو اس کے پاس پھر ایمان کیسے باقی رہا؟ نماز کے بارے

میں اس قدر ترغیب آئی ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر عاقل مومن اس کے ادا کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھے اور اس کے ترک کے بارے میں اس قدر وعید آئی ہے، جس کا ہر عاقل مومن سے تقاضا یہ ہے کہ وہ اس کے ترک سے اور اسے ضائع کرنے سے مکمل احتیاط برتے کیونکہ اگر اسے ترک اور ضائع کر دیا گیا تو اس کا تقاضا یہ ہو گا کہ پھر ایمان بھی باقی نہ رہے! جہاں تک اس مسئلہ میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قول کا تعلق ہے تو جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے یہ ہے بلکہ کئی ایک علماء نے کہا ہے کہ اس پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے کہ تارک نماز کافر ہے۔ عبداللہ بن شقیق بیان کرتے ہیں کہ:

«كَانَ أَصْحَابُ النَّبِيِّ ﷺ، لَا يَرَوْنَ شَيْئًا مِنَ الْأَعْمَالِ تَرَكُهُ كُفْرًا غَيْرَ الصَّلَاةِ» (سنن

ترمذی، کتاب الایمان، باب ما جاء فی ترك الصلاة، ح: ۲۶۲۲)

”حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اعمال میں سے ترک نماز کے سوا اور کسی عمل کو کفر نہیں سمجھتے تھے۔“ (ترمذی۔

امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح اور شیخین کی شرط کے مطابق قرار دیا ہے)

مشہور امام اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے کہ تارک نماز کافر ہے اور نبی کریم ﷺ کے دور سے لے کر آج تک اہل علم کی یہی رائے ہے کہ جو شخص قصد و ارادہ سے بغیر کسی عذر کے نماز چھوڑ دے حتیٰ کہ اس کا وقت ختم ہو جائے تو وہ کافر ہے۔

امام ابن حزم نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر، عبدالرحمن بن عوف، معاذ بن جبل، ابو ہریرہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی ثابت ہے کہ تارک نماز کافر ہے۔ حضرات صحابہ کرام میں سے کسی نے اس مسئلہ میں ان کی مخالفت بھی نہیں کی۔ علامہ منذری نے ”الترغیب والترہیب“ میں امام ابن حزم کا یہ قول نقل کیا ہے اور انہوں نے اس سلسلہ میں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کچھ مزید نام بھی شمار کروائے ہیں مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، جابر بن عبداللہ اور ابو الدرداء رضی اللہ عنہم اور غیر صحابہ کرام میں سے امام احمد بن حنبل، اسحاق بن راہویہ، عبداللہ بن مبارک، نخعی، حکم بن عتیبہ، ایوب سختیانی، ابو داؤد طیالسی، ابو بکر بن ابی شیبہ، زہیر بن حرب رضی اللہ عنہم اور بہت سے دیگر علماء کا بھی یہی مذہب ہے۔ میں کہتا ہوں کہ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کا ایک قول بھی یہی ہے جیسا کہ حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے آیت کریمہ: فحلف من بعدہم خلف... کی تفسیر میں ذکر فرمایا ہے۔ حافظ ابن قیم رضی اللہ عنہ نے بھی ”کتاب الصلوٰۃ“ میں لکھا ہے کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ کے مذہب میں ایک قول یہی ہے اور اسے امام طحاوی نے خود امام شافعی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

اگر کہا جائے کہ اس کا کیا جواب ہے، جس سے تارک نماز کو کافر نہ سمجھنے والوں نے استدلال کیا ہے؟ اس کے جواب میں ہم کہیں گے کہ جن دلائل سے انہوں نے استدلال کیا ہے، ان کی اس موضوع پر اصلاً دلالت ہی نہیں ہے کیونکہ یا تو یہ ایسے وصف سے مقید ہیں کہ اس کے ساتھ ترک نماز ہے ہی نہیں یا یہ ایسی حالت کے ساتھ مقید ہیں، جس میں تارک نماز معذور سمجھا جاتا ہے یا وہ دلائل عام ہیں، تارک نماز کی تکفیر کے دلائل کے ساتھ ان کی تخصیص کر دی جائے گی۔ تارک نماز کو کافر قرار نہ دینے والوں نے جن دلائل سے استدلال کیا ہے، وہ ان مذکورہ بالا چار حالتوں سے جالی نہیں ہیں۔

یہ مسئلہ بہت اہم اور عظیم مسئلہ ہے۔ انسان پر واجب ہے کہ وہ اپنی ذات کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور نماز کی حفاظت کرے تاکہ اس کا شمار بھی ان لوگوں میں سے ہو، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١﴾ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ﴿٢﴾ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ﴿٣﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزُّكُوفِ فَاعِلُونَ ﴿٤﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ﴿٥﴾ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿٦﴾﴾ (المؤمنون ٢٣/٦١)

”بلاشبہ ایمان والے رستگار (کامیاب) ہو گئے، جو نماز میں عجز و نیاز کرتے ہیں اور جو بے ہودہ باتوں سے منہ موڑے رہتے ہیں اور جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں سے (یا کنیزوں سے) جو ان کی ملک ہوتی ہیں کہ (ان سے مباشرت کرنے سے) انہیں ملامت نہیں۔“

شیخ ابن عثیمین

جو نماز نہیں پڑھتا وہ کافر ہے

سوال میری مشکلات کا خلاصہ یہ ہے کہ میرا شوہر شرابی ہے، وہ نماز بھی نہیں پڑھتا اور رمضان کے روزے بھی نہیں رکھتا، ایک سال سے بے کار ہے اور کوئی کام بھی نہیں کرتا، میرے اس سے دو نابالغ بچے ہیں اور اب میں اپنے ماں باپ کے گھر میں ہوں، جب کہ میرا شوہر مختلف جیلوں بہانوں سے مجھے اپنے گھر لے جانا چاہتا ہے، میں بچوں کی وجہ سے پریشان ہوں، تو کیا اس کے پاس چلی جاؤں؟ یا اس سے طلاق کا مطالبہ کروں کیونکہ میں نے سنا ہے کہ بے نماز اور شرابی کے ساتھ زندگی بسر کرنا جائز نہیں لہذا براہ کرم رہنمائی فرمائیے کہ میں کیا کروں؟ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر سے نوازے!

جواب وہ شوہر جو نماز نہیں پڑھتا وہ کافر ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«الْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ» (سنن ترمذی، کتاب الایمان، باب ما جاء فی ترک الصلاة، ح: ٢٦٢١، وسنن نسائی، کتاب الصلاة، باب الحکم فی تارک الصلاة، ح: ٤٦٤، ومسند احمد ٣٤٦/٥، ٣٥٥)

”ہمارے اور ان کے درمیان عہد نماز کا ہے جو اسے چھوڑ دے وہ کافر ہے۔“

اسے امام احمد اور اہل سنن نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ نیز نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ تَرْكُ الصَّلَاةِ» (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان اطلاق اسم الکفر علی من ترک الصلاة، ح: ٨٢)

”آدمی اور کفر و شرک کے درمیان فرق ترک نماز کی وجہ سے ہے۔“

اسے امام مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے لہذا تارک نماز کافر ہے خواہ وہ نماز کے وجوب کا انکار کرے یا نہ کرے ہاں اگر وہ نماز کے وجوب کا منکر ہے تو اس پر تمام مسلمانوں کا ایجماع ہے کہ وہ کافر ہے اور اگر وہ سستی اور کاہلی کی وجہ سے نماز ترک کرتا اور اس کے وجوب کا انکار نہیں کرتا ہے تو مذکورہ بالا دو اور ان کے ہم معنی دیگر احادیث کے پیش نظر علماء کے صحیح قول کے مطابق وہ بھی کافر ہے!

اے سوال کرنے والی خاتون! تیرے لئے اس وقت تک اپنے مذکورہ شوہر کی طرف واپس جانا جائز نہیں، جب تک وہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کر کے نماز کی حفاظت نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت بخشے اور خالص توبہ کی توفیق عطا

فرمائے۔ واللہ ولی التوفیق

شیخ ابن باز

نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے میں نے اپنے بھائی کو کافر کہا

سوال میرا اپنے بھائی سے جھگڑا ہو گیا تو غصے کی حالت میں میں نے اسے یہ کہہ دیا کہ ”اے کافر! مجھ سے دور ہو جا“ اور یہ میں نے اس لئے کہا کہ وہ خاص خاص موقعوں مثلاً رشتہ داروں کی آمد وغیرہ کے موقع پر ہی نماز پڑھتا ہے اور عام حالات میں نہیں پڑھتا، تو اس بارے میں کیا حکم ہے، کیا وہ واقعی کافر ہے؟

جواب صحیح حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ تَرْكُ الصَّلَاةِ» (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان اطلاق

اسم الکفر علی من ترک الصلاة، ح: ۸۲)

”آدمی اور کفر و شرک کے درمیان فرق ترک نماز کی وجہ سے ہے۔“

اسی طرح امام احمد اور اہل سنن نے جید سند کے ساتھ حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«الْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ» (سنن ترمذی، کتاب الایمان، باب ما جاء فی ترك الصلاة، ح: ۲۶۲۱ و سنن نسائی، کتاب الصلاة، باب الحکم فی تارک الصلاة، ح: ۶۶۴،

ومستند احمد ۳۴۶/۵، ۳۵۵)

”وہ عہد جو ہمارے اور ان کے مابین ہے، وہ نماز ہے، جس نے اسے ترک کر دیا وہ کافر ہو گیا۔“

اس مقوم کی اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔ لیکن آپ کو چاہئے کہ ان حالات میں اس لفظ کے استعمال میں جلدی نہ کریں، پہلے اسے سمجھائیں اور یہ بتائیں کہ ترک نماز کفر اور گمراہی ہے لہذا واجب ہے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرو، ہو سکتا ہے وہ تمہاری بات مان لے اور نصیحت کو قبول کر لے۔

شیخ ابن باز

بے نمازوں کے ساتھ سکونت

سوال ہمارے بہت سے ساتھی ہیں جو نماز نہیں پڑھتے، جب کبھی وہ اپنے اہل خانہ کے ساتھ رہتے تھے تو نماز پڑھتے تھے لیکن امریکی زندگی کو دیکھنے کے بعد انہوں نے نماز اور روزہ ترک کر کے اپنے قدیم دین کو بھلا دیا ہے۔ میں نے اور میرے بعض دیگر ساتھیوں نے انہیں سمجھایا اور نماز پڑھنے کی دعوت دی لیکن انہوں نے ہماری بات کو قبول نہیں کیا، تو کیا اس طرح سمجھانے سے ہم بری الذمہ ہیں جب کہ ہماری رہائش ایک ہی جگہ ہے؟

جواب اگر صورت حال اسی طرح ہے جس طرح آپ نے ذکر کی ہے تو آپ بری الذمہ ہیں اور ضرورت کی وجہ سے ان لوگوں کے ساتھ سکونت اختیار کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ آپ انہیں مسلسل نصیحت کرتے رہئے اور حکمت، عمدہ نصائح

اور پسندیدہ طریق کے ساتھ بحث کر کے انہیں دین سے وابستگی اختیار کرنے کی دعوت دیتے رہئے، ہو سکتا ہے آپ کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرمادے اور اس طرح آپ کو بھی اور انہیں بھی ان شاء اللہ خیر کثیر اور بے پناہ اجر و ثواب حاصل ہو گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہایت قدم رکھے، تمہاری مدد فرمائے اور تمہیں صبر و ثواب سے بہرہ ور فرمائے۔ ﴿انہ سمیع مجیب﴾ وہ آپ کے باقی ساتھیوں کو بھی صراط مستقیم کی ہدایت عطا فرمائے!

فتویٰ کمیٹی

تارک نماز کی مجلس اختیار کرنے کے بارے میں حکم

سوال کیا تارک نماز کی مجلس اختیار کرنا جائز ہے؟

جواب جو شخص قصد اورادہ سے نماز کے وجوب کا انکار کرتے ہوئے نماز ترک کر دے وہ باقائے علماء کافر ہے اور جو شخص سستی و کاہلی کی وجہ سے نماز ترک کرے، اہل علم کے صحیح قول کے مطابق وہ بھی کافر ہے، لہذا بے نمازوں کی مجلس اختیار کرنا جائز نہیں بلکہ ضروری ہے کہ انہیں چھوڑ دیا جائے اور ان سے قطع تعلق کر لیا جائے لیکن ضروری ہے کہ اس سے پہلے انہیں یہ سمجھایا جائے کہ نماز کا ترک کرنا کفر ہے، جب کہ یہ لوگ جاہل ہوں۔ صحیح حدیث میں سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«الْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ» (سنن ترمذی، کتاب الایمان، باب ما جاء في ترك الصلاة، ح: ۲۶۲۱ و سنن نسائی، کتاب الصلاة، باب الحكم في تارك الصلاة، ح: ۴۶۴، ومسند احمد ۳۴۶/۵، ۳۵۵)

”ہمارے اور ان کے درمیان جو عہد ہے، وہ نماز ہے، جس نے اسے چھوڑ دیا وہ کافر ہے۔“

اور یہ حکم عام ہے جو شخص نماز کے وجوب کا منکر ہو یا محض کوتاہی و سستی کی وجہ سے نماز ترک کرے، سب کو شامل ہے۔ (وباللہ التوفیق و صلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ)

فتویٰ کمیٹی

• جو کبھی نماز پڑھتا اور کبھی چھوڑ دیتا ہے، کیا وہ بھی کافر ہے؟ • کیا اس کی مسلمان بیوی اس کے لئے حلال ہے؟ • کیا اسے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟

سوال ایک آدمی دو یا تین فرض نمازیں پڑھتا اور پھر چار پانچ دن تک نماز چھوڑ دیتا ہے اور یہی اس کا معمول ہے اور محض کاہلی، سستی اور عدم اہتمام کے سوا اس کے پاس کوئی عذر بھی نہیں، تو کیا اسے کافر قرار دیا جائے گا؟ کیا اس کی بیوی اس کے نکاح میں رہ سکتی ہے؟ کیا تارک نماز کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟

جواب جو شخص ہمیشہ کے لئے نماز ترک کر دے یا محض سستی و کوتاہی اور عدم اہتمام کی وجہ سے چند دنوں کے لئے نماز ترک کر دے تو وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ والعیاذ باللہ! اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اگر یہ توبہ کر لے اور نماز پجگانہ کو بروقت ادا کر لے تو الحمد للہ ورنہ اس کے مرتد ہونے کی وجہ سے اسے قتل کر دیا جائے گا اور جب یہ ترک نماز

کی وجہ سے کافر ہو گیا تو اس کی بیوی بھی اس کے لئے حلال نہ رہی بلکہ اس کا ارتداد بیوی کے لئے طلاق یا فسخ عقد کا موجب ہو گا، اگر بیوی کی عدت کے اندر اندر یہ توبہ کر لے تو نئے عقد کے بغیر بیوی اس کے نکاح میں آجائے گی، تارک نماز کو فرض مال زکوٰۃ بھی نہیں دیا جاسکتا کیونکہ یہ اس کا اہل نہیں ہے۔

فتویٰ کمیٹی

تارک نماز کو سلام کہنا

سوال کیا ظالم حکمرانوں کو ﷺ کہنا اور تارک نماز کو سلام کہنا جائز ہے؟

جواب ان ظالم حکمرانوں کو ﷺ کہنا جائز ہے جو ملت اسلامیہ سے خارج نہیں ہوئے۔ جو شخص نماز کا انکار کرتے ہوئے اسے ترک کرتا ہے وہ کافر ہے اور اس پر تمام امت کا اجماع ہے۔ اور جو شخص انکار کی وجہ سے تو نہیں بلکہ محض سستی و کاہلی کی وجہ سے نماز ترک کرتا ہے تو علماء کے صحیح قول کے مطابق وہ بھی کافر ہے لہذا اسے سلام کرنا یا اس کے سلام کا جواب دینا جائز نہیں کیونکہ اسے مرتد شمار کیا جائے گا۔ و باللہ التوفیق! ((وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

فتویٰ کمیٹی

مفقود العقل کی بعض نمازوں کا ترک ہو جانا

سوال ایک شخص فوت ہو گیا جس کے ذمہ کچھ ایسی فرض نمازیں تھیں جنہیں وہ اپنی بیماری کے ان دنوں میں نہیں پڑھ سکا تھا جب اس کی عقل جواب دے گئی تھی، تو کیا اس کی وفات کے بعد اس کے زندہ قریبی رشتہ دار مردوں یا عورتوں پر ان نمازوں کی قضاء لازم ہے یا فقہان عقل کی وجہ سے اس سے یہ نمازیں ساقط اور اس کے ورثاء پر ان کی قضاء لازم نہ ہوگی؟

جواب جب انسان عقل کے ختم ہو جانے کی وجہ سے فرض نمازوں کو چھوڑ دے تو فقہان عقل کی وجہ سے یہ اس سے ساقط ہو جائیں گی لہذا اس کے ورثاء پر ان کی قضاء بھی نہ ہوگی اور جب آدمی فرض نماز کو ترک کرے جب کہ اس کی عقل سلیم ہو اور خواہ جسم مریض ہو یا نہ ہو تو وہ ترک نماز کی وجہ سے گناہ گار ہو گا اور اس کا معاملہ اس کے رب کے سپرد ہے، وارث اس کی طرف سے قضاء نہیں دیں گے۔

فتویٰ کمیٹی

میں نے چار سال پہلے ایک نماز چھوڑ دی تھی

سوال چار سال قبل ہم ایک تفریحی سفر میں تھے اور سفر میں میری ایک نماز (ظہر یا عصر) ترک ہو گئی تھی۔ اب مجھے یاد نہیں کہ وہ کون سی نماز تھی؟ ہاں یہ ضرور یاد ہے کہ میں نے محض کاہلی اور سستی کی وجہ سے اس نماز کو ترک کیا تھا اور اب اس گناہ پر نادم ہوں اور اللہ تعالیٰ سے ہر گناہ اور غلطی سے معافی کا طلب گار ہوں۔ سوال یہ ہے کہ اس مذکورہ نماز کے

حوالہ سے مجھ پر کیا واجب ہے؟ کیا اس کا کوئی کفارہ ہے؟
جواب آپ پر فرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سچی سچی توبہ کریں، قضاء آپ کے ذمہ نہیں ہے کیونکہ نبی ﷺ کے اس ارشاد کے پیش نظر کہ:

«الْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ» (سنن ترمذی، کتاب الایمان، باب ما جاء في ترك الصلاة، ح: ۲۶۲۱ و سنن نسائی، کتاب الصلاة، باب المحکم في تارك الصلاة، ح: ۴۶۴، مسند احمد ۳۴۶/۵، ۳۵۵)

”ہمارے اور ان کے مابین جو عہد ہے، وہ نماز ہے۔ جس نے اسے ترک کر دیا اس نے کفر کیا۔“
 عہداً تصدوارادہ سے نماز ترک کرنا کفر ہے۔ نیز آپ ﷺ کے اس ارشاد سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ:
 «بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ وَالشُّرْكِ تَرْكُ الصَّلَاةِ» (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان اطلاق اسم الکفر علی من ترک الصلاة، ح: ۸۲)
 ”آدمی اور کفر و شرک کے مابین فرق نماز سے ہے۔“
 خالص اور سچی توبہ کے سوا اس کا اور کوئی کفارہ نہیں۔

فتویٰ کمیٹی

تارک نماز کو نصیحت کرنا واجب ہے

سوال میں ایک ہسپتال میں کچھ عرصہ پہلے داخل ہوا۔ میرے ساتھ ہسپتال کے کمرہ میں دو اور آدمی بھی تھے۔ ہم اس کمرہ میں تین دن رہے۔ اس عرصہ میں میں تو وہاں نمازیں پڑھتا رہا لیکن ان دونوں آدمیوں نے نماز نہیں پڑھی حالانکہ وہ بھی مسلمان تھے اور میرے ہی شہر کے رہنے والے تھے لیکن میں نے ان سے اس سلسلہ میں کوئی بات نہ کی، تو انہیں نماز کا حکم نہ دینے کی وجہ سے کیا میں گناہ گار تو نہ ہوں گا اور اگر یہ گناہ ہے تو اس کا کفارہ کیا ہے؟ جزاکم اللہ خیراً۔

جواب آپ پر یہ واجب تھا کہ ان دونوں کو نصیحت کرتے اور اس منکر عظیم یعنی ترک نماز کا وہ جو ارتکاب کر رہے تھے تو اس پر انہیں سمجھاتے تاکہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تعمیل ہو جاتی کہ:

﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (آل عمران ۱۰۴/۳)

”اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے، جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے، یہی لوگ ہیں جو نجات پانے والے ہیں۔“
 نیز اس مفہوم کی دیگر آیات اور نبی ﷺ کے اس ارشاد پر بھی عمل ہو جاتا کہ:

«مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ» (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان کون النهی عن المنکر من الایمان ...، ح: ۴۹)

”تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے مٹا دے، اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے (سجھا دے) اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے (برا سمجھے) اور یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔“

اور جب آپ نے اس فرض کو انجام نہیں دیا تو اس معصیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سچی پکی توبہ کرنی چاہئے اور توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ جو کوتاہی ہوئی اس پر ندامت کا اظہار کیا جائے اور اس کو تباہی کو چھوڑ دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے لئے اخلاص، اس کی تعظیم، اس کے ثواب کی امید اور اس کے عذاب کے ڈر کی وجہ سے آئندہ اس کے نہ کرنے کا عزم کیا جائے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی جناب میں توبہ کرے، اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول کرتے ہوئے اسے معاف فرما دیتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنِّي لَنَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَءَامَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ﴾ (طہ ۲۰/۸۲)

”اور جو شخص توبہ کرے اور ایمان لائے اور عمل نیک کرے پھر سیدھے راستے پر چلے اس کو میں ضرور بخش دینے والا ہوں۔“

شیخ ابن باز

یونیورسٹی کے ایام تعلیم میں نماز ترک کر دینا

سوال ایک مسلمان عاقل نوجوان یونیورسٹی میں داخلہ سے پہلے نماز پڑھتا تھا لیکن جب تک وہ یونیورسٹی میں زیر تعلیم رہا اس نے نماز ترک کر دی اور یہ مدت چار سال پر محیط ہے۔ یونیورسٹی سے سند فراغت حاصل کرنے کے بعد اس نے نماز پھر شروع کر دی۔ ان چار سالوں میں نماز نہ پڑھنے کے بارے میں اب کیا حکم ہے؟ یاد رہے کہ اس عرصہ میں بھی وہ نماز کی فرضیت کا منکر نہیں ہوا، لہذا سوال یہ ہے کیا وہ ان چار سالوں کی فوت شدہ نمازوں کی قضاء دے گا یا اس کے لئے توبہ ہی کافی ہے؟

جواب جہاں تک ہمیں معلوم ہے، علماء کے اقوال میں سے صحیح قول یہ ہے کہ جو شخص عمداً نماز ترک کرے، وہ فوت شدہ نماز کی قضاء نہ دے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا﴾ (النساء ۴/۱۰۳)

”بے شک نماز کا مومنوں پر اوقات (مقررہ) میں ادا کرنا فرض ہے۔“

اس آیت میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ فرض نمازوں کے اوقات متعین ہیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ سے شب معراج کی صبح ان اوقات کو بیان کر دیا تھا اور نبی کریم ﷺ نے اپنے عمل اور قول سے امت کے لئے ان اوقات کی حد بندی کر دی ہے۔ لہذا ان اوقات میں تقدیم و تاخیر جائز اور صحیح نہیں ہے اور اس لئے بھی کہ ہمارے علم کے مطابق علماء کے اقوال میں سے صحیح قول یہ ہے کہ تارک نماز کافر ہے، لہذا جب وہ توبہ کر لے تو اسے ایام کفر کی ان عبادات کی قضاء لازم نہیں ہے جن کے اوقات مقرر ہیں۔ اگر وہ سچی توبہ کر رہا ہے تو اس کے لئے خیر کی امید ہے لہذا اسے زیادہ سے زیادہ نیک اعمال کرنا اور زیادہ سے زیادہ نوافل ادا کرنے چاہئیں، نبی ﷺ کے اس ارشاد کے مفہوم

خطاب سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ:

«مَنْ نَامَ عَنِ الصَّلَاةِ أَوْ نَسِيَهَا فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا» (صحیح بخاری، کتاب مواقیب الصلوة، باب

من نسي صلاة...، ح: ۶۸۴، و صحیح مسلم، کتاب الصلوة، باب قضاء الصلوة الفائتة...، ح: ۶۸۴)

”جو شخص نماز سے سو گیا یا بھول گیا تو وہ اسی وقت پڑھ لے جب اسے یاد آئے۔“

تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص قصد و ارادہ سے نماز ترک کرے، اس کے لئے یہ حکم نہیں ہے۔ قصد و ارادہ کے ساتھ عمدتاً نماز ترک کرنے والے کو سونے یا بھولے ہوئے پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ قصد و ارادہ کے ساتھ ترک کرنے والا معذور نہیں ہے، اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے کوئی اور وقت مقرر نہیں کیا، جس میں وہ فوت شدہ نماز کو ادا کر سکے جب کہ سویا اور بھولا ہوا دونوں معذور ہیں لہذا ان کے لئے ایک وقت مقرر کر دیا ہے جس میں وہ فوت شدہ نماز کو پڑھ سکتے ہیں۔ وبالله التوفیق ((وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

فتویٰ کمیٹی

جو شخص نماز نہیں پڑھتا اس کے روزہ کا حکم

سوال میں نے بعض مسلمان نوجوانوں کو دیکھا ہے کہ وہ روزہ تو رکھتے ہیں لیکن نماز نہیں پڑھتے تو کیا اس شخص کا روزہ قبول ہو جاتا ہے جو نماز نہ پڑھے؟ میں نے بعض واعظوں سے یہ سنا ہے کہ وہ ایسے نوجوانوں سے کہتے ہیں کہ انظار کرو اور روزہ نہ رکھو کیونکہ جو نماز نہ پڑھے اس کا روزہ بھی نہیں ہوتا تو مہربانی کر کے رہنمائی فرمائیے کیا یہ برابر ہے کہ یہ روزہ رکھیں یا نہ رکھیں؟ اور کیا ہمیں انہیں یہ بات کہنے کا حق پہنچتا ہے کہ اگر تم نماز نہیں پڑھتے تو روزہ بھی چھوڑ دو؟

جواب جس شخص پر نماز واجب ہو اور وہ اپنے قصد و ارادہ سے وجوب نماز کا انکار کرتے ہوئے اسے ترک کر دے تو اس بات پر علماء کا اجماع ہے کہ وہ کافر ہے اور جو شخص شخص سستی و کالی کی وجہ سے نماز ترک کر دے تو علماء کے صحیح قول کے مطابق وہ بھی کافر ہے اور جب وہ کافر ہے تو اس کا روزہ اور اس کی دیگر عبادات رائیگاں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحِطَّ عَلَيْهِمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (الأنعام/۸۹)

”اور اگر وہ لوگ شرک کرتے تو جو عمل وہ کرتے تھے، سب ضائع ہو جاتے۔“

لیکن نماز نہ پڑھنے والے کو ہم یہ حکم نہیں دیں گے کہ وہ روزہ بھی ترک کر دے کیونکہ روزہ اسے خیر اور دین کے قریب ہونے میں مدد دے گا اور اس کے دل کے اس خوف کی وجہ سے جو اسے روزہ رکھنے پر مجبور کرتا ہے، امید ہے کہ وہ نماز پڑھنا بھی شروع کر دے گا اور آئندہ کے لئے ترک نماز سے توبہ کر لے گا۔ وبالله التوفیق ((وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

فتویٰ کمیٹی

نماز ترک کرنے اور دین کا مذاق اڑانے والے کی صحبت

سوال کیا مسلمان آدمی کے لئے ایسے شخص کی صحبت اختیار کرنا جائز ہے، جو اکثر اوقات نماز نہیں پڑھتا؟

سوال ۲ میں بہت سارے نوجوانوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ جب کسی ایسے نوجوان کو دیکھتے ہیں، جو نماز اور دین کی حفاظت کرتا ہو تو یہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور بعض ایسے نوجوانوں کو بھی دیکھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت عطا فرمائے۔۔ جو دین کے بارے میں بہت لاپرواہی کے ساتھ نامناسب انداز میں بات کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ کیا ان کے ساتھ صحبت و رفاقت جائز ہے؟ اور ایسے اوقات میں خوش طبعی جائز ہے، جو نماز کے اوقات نہ ہوں؟

جواب ۱ مسلمان کے لئے کسی ایسے شخص کی صحبت و رفاقت جائز نہیں، جو بعض اوقات نماز ترک کر دیتا ہو بلکہ واجب ہے کہ اسے نصیحت کی جائے اور اس کے اس برے عمل کا انکار کیا جائے۔ اگر وہ توبہ کر لے تو ٹھیک و گرنہ اسے چھوڑ دے اور اسے اپنا دوست نہ بنائے بلکہ اللہ تعالیٰ کی خاطر اس سے بغض رکھے حتیٰ کہ وہ اپنے اس برے عمل سے تائب ہو جائے کیونکہ نماز کو چھوڑنا کفر اکبر ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«الْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ» (سنن ترمذی، کتاب الایمان، باب ما جاء في ترك الصلاة، ح: ۲۶۲۱، و سنن نسائی، کتاب الصلاة، باب الحكم في ترك الصلاة، ح: ۴۶۴، و مسند احمد ۳۴۶/۵، ۳۵۵)

”ہمارے اور ان کے مابین جو عہد ہے وہ نماز ہے، جس نے اسے چھوڑ دیا وہ کافر ہو گیا۔“
اس حدیث کو امام احمد اور اہل سنن نے صحیح سند کے ساتھ حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور امام مسلم نے صحیح میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان فرمایا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ وَالشِّرْكِ تَرْكُ الصَّلَاةِ» (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان اطلاق اسم الکفر علی من ترك الصلاة، ح: ۸۲)

”آدمی اور کفر و شرک کے درمیان فرق ترک نماز سے ہے۔“

ہر مسلمان کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے محبت رکھے اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے بغض رکھے۔ اللہ تعالیٰ ہی کی خاطر کسی سے دوستی رکھے اور اسی کی خاطر دشمنی جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لَقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرءُؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كُفْرًا بِكُرْبَانَا يَكْفُرْنَا بِكُفْرَانَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحَدُّهُ﴾ (الممتحنة ۶۰/۴)

”تمہیں ابراہیم اور ان کے رفقاء کی نیک چال چلتی (ضرور) ہے جب انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ ہم تم سے اور ان (بتوں) سے جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، بے تعلق ہیں (اور) تمہارے (معبودوں کے کبھی) قائل نہیں (ہو سکتے) اور جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ ہمارے اور تمہارے درمیان، ہمیشہ کھلم کھلا عداوت اور دشمنی رہے گی!“

اس طرح کے آدمی کے معاملہ کو حکمرانوں تک بھی پہنچانا چاہئے بشرطیکہ تمہارے ملک میں اسلامی شریعت کی حکمرانی ہو تاکہ اس سے توبہ کروائی جائے۔ اگر توبہ کر لے تو ٹھیک ورنہ اسے قتل کر دیا جائے کیونکہ جو شخص نماز چھوڑ دے اور توبہ نہ کرے تو اس کی حد قتل ہے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ﴾ (التوبة ۵/۹)

”پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کی راہ چھوڑ دو۔“

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جو شخص نماز ترک کر دے اور توبہ نہ کرے تو اس کی راہ کو نہ چھوڑا جائے بلکہ اسے قتل کر دیا جائے اور سابقہ دونوں حدیثوں اور ان کے ہم معنی دیگر حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اس شخص کو کافر ہونے کی وجہ سے قتل کیا جائے گا اور نبی ﷺ کا یہ بھی ارشاد گرامی ہے کہ:

«إِنِّي نُهَيْتُ عَنْ قَتْلِ الْمُصَلِّينَ» (سنن أبي داود، كتاب الادب، باب الحكم في المختين، ح: ٤٩٢٨)

”مجھے نمازیوں کے قتل سے منع کیا گیا ہے۔“

تو اس سے بھی معلوم ہوا کہ جو شخص نماز نہ پڑھے اس کے قتل سے منع نہیں کیا گیا بلکہ اس کا قتل واجب ہے بشرطیکہ وہ توبہ نہ کر لے اور پھر ظاہر ہے کہ اس سزا کی صورت میں ہی وہ اس عظیم جرم کے ارتکاب سے باز رہ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ مسلمانوں کے حالات کی اصلاح فرمادے، ہمیں اور ان سب کو دین پر ثابت قدم رکھے۔ انہ سب قریب!

﴿چوہا﴾ ۲۔ اسلام یا اسلام کی کسی بات کا مذاق اڑانا کفر اکبر ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ أَيُّلَٰلِهٖ وَاَيۡنِيۡهٖ وَاَسۡمُوۡاہٖ كُنۡتُمۡ تَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿٦٥﴾ لَا تَعۡزِدُوۡا فَاۡدَ كُفۡرِيۡمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمْ ؕ﴾

(التوبة/٩٦٦٥)

”اے پیغمبر! کہہ دیجئے کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے نہیں کرتے تھے؟ بہانے مت بناؤ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔“

جو شخص اہل دین اور نمازیوں کا ان کے دین اور اس کی حفاظت کرنے کی وجہ سے مذاق اڑائے تو اس کے بارے میں یہ سمجھا جائے گا کہ وہ دین کا مذاق اڑا رہا ہے لہذا اس شخص کی صحبت و ہم نشینی جائز نہیں بلکہ اس کی ان خرافات کا انکار کرنا اور اس سے کنارہ کشی اختیار کرنا واجب ہے۔ نیز واجب ہے کہ اسے سچی توبہ کی ترغیب دی جائے اگر وہ توبہ کرے تو الحمد للہ ورنہ اس کے ان برے اعمال کے بارے میں عادل گواہوں کی شہادت کے بعد حکمرانوں کو شکایت کی جائے گی تاکہ شرعی عدالت کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اس کا فیصلہ کیا جائے۔ بہر حال یہ بہت اہم مسائل ہیں۔ ہر طالب علم اور اس مسلمان کے لئے جو اپنے دین کو جانتا ہو، ضروری ہے کہ وہ اس سے اجتناب کرے اور دوسروں کو بھی دین کا مذاق اڑانے کی اجازت نہ دے تاکہ عقیدہ خراب نہ ہو اور وہ سزا بھی نہ ملے، جو حق اور اہل حق کا مذاق اڑانے کی صورت میں ملتی ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعاء کرتے ہیں کہ وہ ہم سب مسلمانوں کو اس کام سے محفوظ رکھے جو اس کی شریعت کے مخالف ہو۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کے کافر و منافق دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھے اور تمام حالات میں کتاب و سنت کے دامن سے وابستگی کی توفیق عطا فرمائے۔ انہ جو اکریم۔

شیخ ابن باز

کام میں مشغولیت تاخیر نماز کے لئے عذر نہیں ہے

سوال میں ایک مساجد ہوں، مجھے شام کے سات بجے سے صبح کے سات بجے تک کام کرنا پڑتا ہے لہذا کیا میرے لئے یہ جائز ہے کہ میں تمام فرض نمازوں کو جمع کر کے ادا کر لیا کروں؟

جواب مقررہ وقت سے پہلے کسی نماز کو ادا کرنا جائز نہیں خواہ کام کی مشغولیت یا کوئی اور عذر ہو، اسی طرح کسی نماز کو بغیر عذر کے اس قدر مؤخر کرنا بھی جائز نہیں کہ اس کا وقت ہی ختم ہو جائے، معمول کا کام نماز کو مؤخر کرنے کے لئے عذر یا جمع کرنے کے لئے جواز نہیں بن سکتا۔ کام کی جگہ پر بھی نماز کو ادا کیا جاسکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کام کی جگہ کو بند کر کے مسجد میں جا کر نماز ادا کر لی جائے۔ علماء نے کام کروانے والوں کے لئے یہ شرط مقرر کی ہے کہ انہیں کارکنوں کو نماز پچگانہ ان کے اوقات میں، شرائط کے مطابق ادا کرنے کی سہولت دینا ہوگی۔ یاد رہے بعض نمازوں کو ستر یا بارش یا بیماری وغیرہ کے عذر کی وجہ سے جمع کر کے پڑھنے کی اجازت ہے۔

شیخ ابن جریر

عذر کے بغیر ترک جماعت جائز نہیں

سوال میں نماز تو ہمیشہ بروقت ادا کرتا ہوں لیکن مسجد میں نہیں بلکہ اپنے بچوں کے ساتھ گھر میں ہی ادا کر لیتا ہوں۔ کیا یہ جائز ہے؟ اور کیا گھر میں ادا کی جانے والی نماز اجر و ثواب کے اعتبار سے مسجد میں ادا کی جانے والی نماز کے برابر ہے؟

جواب آپ کے لئے جماعت اور مسجد کو ترک کرنا جائز نہیں، خواہ اپنے گھر میں بچوں کے ساتھ نماز باجماعت ہی کیوں نہ ادا کریں کیونکہ مسجدیں بنائی ہی اس لئے جاتی ہیں کہ انہیں نماز باجماعت کے اہتمام کے ساتھ آپاؤ کیا جائے اور مؤذن جو اذان میں یہ کلمہ کہتا ہے کہ «حَتَّىٰ عَلَي الصَّلَاةِ» تو اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ مسجد میں آکر نماز باجماعت ادا کرو تا کہ فلاح پاسکو لہذا ہم جب اذان کی آواز سنیں تو ہم پر واجب ہو جاتا ہے کہ ہم مسجد میں جا کر نماز ادا کریں، جہاں تمام مسلمان ایک امام کی اقتداء میں نماز ادا کرتے ہیں، نماز ادا کرنے کے طریقوں کو سیکھتے ہیں، نمازی باہم دگر ملاقات کر کے تحفہ سلام کا تبادلہ کرتے اور اجتماعیت، محبت اور ہمدردی وغیرہ خواہی سے شاد کام ہوتے ہیں۔ وجوب جماعت پر ارشاد باری تعالیٰ ﴿وَازْكُمُوا مَعَ الرَّكَّاعِينَ﴾ اور ﴿وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ﴾ سے بھی استدلال کیا گیا ہے لہذا جو شخص اذان سننے سے اس پر فرض عائد ہوتا ہے کہ اس پر لبیک کہے اور اسی وجہ سے یہ وعید بھی آئی ہے کہ جو شخص باجماعت نماز ادا نہ کرے، اس کی نماز قبول ہی نہیں ہوتی جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

«مَنْ سَمِعَ النِّدَاءَ فَلَمْ يَجِبْ فَلَا صَلَاةَ لَهُ إِلَّا مِنْ عُدْرٍ» (سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد والجماعات، باب التغلیظ فی التخلف عن الجماعة، ح: ۷۹۳، والدارقطنی ۴۲۰/۱، والحاکم، ۲۴۵/۱)

واسنادہ علی شرط مسلم)

”جو شخص اذان سننے اور اس پر لبیک نہ کہے تو اس کی نماز ہی نہیں ہوتی الا یہ کہ کوئی (معتول شرعی) عذر ہو۔“

اگر اس سلسلہ میں کسی کے لئے رخصت ہوتی تو نبی کریم ﷺ اس نابینا آدمی کو ضرور رخصت عطا فرمادیتے، جس کا

گھر بھی مسجد سے دور تھا، جس کے گھر اور مسجد کے درمیان دادی اور کھجور کے درخت تھے اور جس کے پاس مسجد لے جانے کے لئے کوئی معاون بھی نہ تھا۔ اسی طرح نبی ﷺ نے مسجد میں آکر باجماعت نماز ادا نہ کرنے والوں کو یہ دھمکی بھی دی کہ اگر عورتیں اور بچے نہ ہوں تو آپ ان کے گھروں کو آگ سے جلا دیں گے۔ نماز باجماعت ادا کرنا ان مسجدوں کی آبادی ہے، جو بیوت طاعت ہیں، جو اسلامی ملکوں کے شعائر ہیں اور جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کے پاک نام کا ذکر کیا جائے اور جن میں وہ بندگان الہی صبح و شام اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید کے ترانے گاتے ہیں، جنہیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہیں کر سکتی۔

— شیخ ابن جریر —

نماز فجر میں نیند کا غلبہ

سوال ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكَرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ﴾ (النساء ۴/۴۳)
 ”مومنو! جب تم نشے کی حالت میں ہو تو، جب تک (ان الفاظ کو) جو منہ سے کو سمجھنے (نہ) لگو، نماز کے پاس نہ جاؤ۔“

کیا اس آیت میں ہمارے وہ بھائی بھی داخل ہیں، جو نماز فجر کے لئے اس حال میں آتے ہیں کہ ان پر نیند کا غلبہ ہوتا ہے؟ آپ اپنے ان بھائیوں کو کیا نصیحت کریں گے؟

جواب میں اپنے ان بھائیوں کو جو نماز فجر کے لئے نیند کے شدید غلبہ کی حالت میں آتے ہیں، یہ نصیحت کروں گا کہ وہ رات کو جلد سو جایا کریں کیونکہ اگر وہ رات کو جلدی سو جایا کریں گے تو ان کی نیند پوری ہو جائے گی اور نیند کا یہ شدید غلبہ ختم ہو جائے گا جس کی وجہ سے انہیں یہ معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ اپنی نماز میں کیا کہہ رہے ہیں۔ اس مسئلہ کا بس یہی حل ہے کہ وہ رات کو جلد سو جایا کریں۔

— شیخ ابن عثیمین —

مسجد میں دو جماعتیں

سوال میں مسجد میں آیا تو امام آخری تشہد میں تھا تو کیا اس کے ساتھ شامل ہو جاؤں یا انتظار کروں کہ وہ سلام پھیر دے اور ہم دوسری جماعت کے ساتھ نماز پڑھ لیں؟ اگر یہ بات یقینی ہو کہ امام آخری رکعت میں ہے اور ہم بہت سے لوگ ہوں تو پھر اس بات کی کیا دلیل ہے کہ ہم امام کے سلام کا انتظار کریں؟ کیا آخری تشہد مکمل پڑھنا واجب ہے یا جس قدر ممکن ہو پڑھ لیا جائے؟

جواب افضل یہ ہے کہ آپ کسی دوسری مسجد میں جا کر نماز پڑھ لیں، جہاں امید ہو کہ آپ کو جماعت مل جائے گی یا پھر انتظار کریں اور امام کے سلام کے بعد اسی مسجد میں دوسری جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں۔ افضل یہی ہے کہ آپ پہلے امام کے سلام کا انتظار کریں تاکہ پہلی جماعت کی نماز میں کوئی خلل پیدا نہ ہو۔ پہلے امام کے سلام سے قبل دوسری جماعت کے

لئے تکبیر کہنا جائز ہے اور اگر دوسری جماعت کی امید نہ ہو تو پھر پہلی جماعت کے ساتھ تشدد میں شامل ہو جائیے اور تشدد کا سارا یا جتنا حصہ پڑھنا ممکن ہو پڑھ لیں۔

شیخ ابن جریر

مسجدوں کی بجائے سرکاری دفاتر ہی میں نماز پڑھ لینا

سوال کیا ملازمین کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے دفاتروں ہی میں نماز ادا کر لیں حالانکہ مسجدیں بھی ان کے پڑوس میں ہوتی ہیں یا ان کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ مسجد ہی میں نماز ادا کریں؟

جواب رسول اللہ ﷺ کی فعلی اور قوی سنت یہ رہی ہے کہ نماز کو مسجد میں باجماعت ادا کیا جائے اور آپ نے ان لوگوں کے گھروں کو آگ سے جلادینے کا ارادہ فرمایا جو نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے مسجد میں نہیں آتے۔ آپ کے بعد خلفاء راشدین، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رضی اللہ عنہم کا معمول بھی مسجد میں نماز ادا کرنا تھا۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ سَمِعَ النَّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِ فَلَا صَلَاةَ لَهُ إِلَّا مِنْ عُدْرٍ» (سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد والجماعات، باب التغلیظ فی التخلف عن الجماعة، ح: ۷۹۳، والدارقطنی ۱/۴۲۰، والحاکم، ۱/۲۴۵، واسبغہ علی شرط مسلم)

”جو شخص اذان سنے اور مسجد میں نہ آئے تو اس کی نماز نہیں الّا یہ کہ کوئی عذر ہو۔“

اور یہ بھی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ایک نابینا آدمی نے عرض کیا ”یا رسول اللہ! میرے پاس کوئی معاون نہیں، جو مجھے مسجد میں لے جاسکے تو کیا مجھے گھر میں نماز ادا کرنے کی اجازت ہے؟“ آپ نے فرمایا:

«هَلْ تَسْمَعُ النَّدَاءَ بِالصَّلَاةِ؟ فَقَالَ نَعَمْ: قَالَ فَأَجِبْ» (صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب یجب اتیان المسجد علی من سمع النداء، ح: ۶۵۳)

”کیا تو نماز کے لئے اذان کی آواز سنتا ہے؟“ اس نے عرض کیا ”جی ہاں“ آپ نے فرمایا ”پھر اس کی آواز پر لبیک کہو۔“

ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ آپ نے فرمایا:

«لَا أَحَدٌ لَكَ رُخْصَةٌ» (سنن ابی داؤد، کتاب الصلوة، باب التشدید فی ترک الجماعة، ح: ۵۵۲، ومسنند احمد، ۳/۴۲۳)

”نہیں تمہیں کوئی اجازت نہیں ہے۔“

اس سے یہ واضح ہوا کہ تمام دفاتروں وغیرہ کے ملازمین کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ نماز ظہر کسی قریبی مسجد میں ادا کریں تاکہ سنت کے مطابق عمل ہو، واجب ادا ہو، مسجدوں میں نماز کی ادائیگی سے پیچھے رہنے کے جیلوں بہانوں کا سدباب ہو اور اہل نفاق کی مشابہت سے اجتناب ہو۔ ((وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

فتویٰ کمیٹی

جس نے عرصہ دراز تک نماز کو چھوڑے رکھا، وہ اب کیسے قضاء دے؟

سوال نماز کی قضاء کے حوالے سے یہ سوال پوچھنا ہے کہ جب انسان کئی سالوں تک نماز کو ترک کئے رکھے تو کیا اس کے لئے قضاء دینا جائز ہے؟ اور قضاء دیتے ہوئے کیا ہر وقت کی نماز کے ساتھ اس وقت کی نماز کی قضاء دے یا کس طرح قضاء دے؟

جواب جب آدمی کئی سال تک نمازوں کو ترک کرنے کے بعد توبہ کر لے اور نماز کو (باقاعدگی کے ساتھ) پابندی سے پڑھنا شروع کر دے تو اس پر متروکہ (چھوڑی ہوئی) نمازوں کی قضاء لازم نہیں ہے کیونکہ اگر متروکہ تمام نمازوں کی قضاء بھی لازم ہوتی تو اس سے بہت سے توبہ کرنے والے بدلے ہو جاتے لہذا توبہ کرنے والے کو شریعت کا صرف یہ حکم ہے کہ وہ مستقبل میں نماز کی پابندی کرے اور کثرت کے ساتھ نوافل پڑھے، صدقہ و خیرات کرے اور دیگر نیکی کے کام کرے، اس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ کو قبول فرمالتا ہے۔

شیخ ابن جریر

جو شخص خود تو نماز کے لئے مسجد میں چلا جاتا ہے لیکن بچوں....

سوال مسجدوں کے بہت سے پڑوسی..... اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت فرمائے..... خود تو نماز کے لئے آجاتے ہیں اور اپنے بالغ بیٹوں کو جن میں سے کئی شادی شدہ بھی ہوتے ہیں گھر چھوڑ آتے ہیں اور انہیں نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیتے تاکہ ان میں سے بعض لوگوں کے بقول وہ نماز سے متفرغ ہو جائیں خصوصاً وہ نماز فجر میں شریک نہیں ہوتے، تو جس گھر کے سربراہ کا یہ عمل ہو اس پر کیا واجب ہے؟ کیا اس کی اپنی نماز صحیح ہوگی اور وہ بری الذمہ ہو جائے گا؟ جب کہ اس کے بچے گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ نماز باجماعت ادا نہیں کرتے؟

جواب یہ شخص جو خود تو نماز کے لئے مسجد میں آجاتا ہے اور اپنے بیٹوں کو گھر میں چھوڑ آتا ہے، اگر یہ اس کی کوتاہی ہے کہ یہ انہیں نماز کا حکم نہیں دیتا اور نہ کوتاہی کرنے سے روکتا ہے تو یہ ان کی صحیح تربیت اور رہنمائی نہ کرنے کی وجہ سے گناہ گار ہے لیکن اس کی اپنی نماز صحیح ہوگی اور اگر یہ شخص خود عاجز و قاصر ہے، انہیں نماز کا حکم دیتا ہے اور کوتاہی کرنے سے منع کرتا ہے لیکن بچے اس کی بات نہیں مانتے تو اس پر واجب ہے کہ ان کی حکمرانوں کے پاس شکایت کرے اور اللہ تعالیٰ کے دین کے بارے میں کسی کی ملامت سے نہ ڈرے۔ حکمرانوں کو جب ایسے لوگوں کی شکایت کی جائے تو ان پر فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو سمجھانے کے لئے مناسب کارروائی عمل میں لائیں۔

شیخ ابن جریر

تارک نماز گھر میں نماز پڑھنے والے اور نماز کو لیٹ کر کے پڑھنے والے کے لئے حکم

سوال تارک نماز کے لئے کیا حکم ہے؟ جو شخص باجماعت نماز ادا کرنے میں کوتاہی کر کے گھر میں نماز پڑھتا ہے، اس

کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور جو شخص نماز کو وقت سے مؤخر کر کے پڑھتا ہے اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب یہ تین الگ الگ مسئلے ہیں ان میں سے پہلے مسئلہ کا جواب یہ ہے کہ ترک نماز کفر ہے، جس سے انسان دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ یعنی جو شخص نماز نہیں پڑھتا وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے اور اگر شادی شدہ ہو تو ترک نماز سے اس کی بیوی کا نکاح ٹوٹ جائے گا، اس شخص کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا بھی حلال نہیں اور نہ اس کا روزہ اور صدقہ قبول ہوتا ہے۔ بے نماز کا مکہ کرمہ میں جانا اور حرم میں داخل ہونا بھی جائز نہیں اور جب وہ فوت ہو جائے تو اسے غسل دینا، کفن پہنانا، جنازہ پڑھنا اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا بھی جائز نہیں بلکہ جنگل میں گڑھا کھود کر اسے دبا دیا جائے۔ جس شخص کا کوئی ایسا قریبی رشتہ دار فوت ہو جائے جو بے نماز ہو تو اس کے لئے یہ حلال نہیں کہ لوگوں کو دھوکا دے کر اس کی نماز جنازہ پڑھنے کی دعوت دے کیونکہ کافر کی نماز جنازہ پڑھنا حرام ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ ۗ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۗ ﴾ (التوبة / ۹ / ۸۴)

”اور (اے پیغمبر!) ان میں سے کوئی مر جائے تو کبھی اس (کے جنازے) پر نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر (جا کر) کھڑے ہونا، یہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کرتے رہے۔“

نیز فرمایا:

﴿ مَا كَانَتْ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولَىٰ قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا نَبَّأَتْ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۗ ﴾ (التوبة / ۹ / ۱۱۳)

”پیغمبر اور مسلمانوں کو لائق نہیں کہ جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ مشرک اہل دوزخ ہیں تو ان کے لئے بخشش مانگیں گو وہ ان کے قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں۔“

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جو شخص مسجد میں نماز باجماعت ادا نہیں کرتا بلکہ اپنے گھر میں ادا کرتا ہے تو وہ کافر نہیں بلکہ فاسق ہے اور اگر وہ اس پر اصرار کرے تو وہ اہل فسق کے ساتھ شامل ہو جائے گا اور وہ گواہی کے لئے عادل نہ رہے گا تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ نماز میں اس قدر دیر کر دینا کہ وقت ہی ختم ہو جائے تو اس شخص کا گناہ اس سے زیادہ ہے جو جماعت کے ساتھ تو نماز ادا نہیں کرتا لیکن وقت پر پڑھتا ہے لیکن اس شخص سے یہ بہر حال بہتر ہے جو بالکل ہی نہیں پڑھتا۔ بہر حال نماز کا مسئلہ ان انتہائی اہم امور میں سے ہے، جن کا اہتمام کرنا ایک مرد مومن کے لئے ضروری ہے کیونکہ نماز اسلام کی عمارت کا ستون ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اور ظاہر ہے کہ جس عمارت کا ستون ہی نہ ہو وہ عمارت مضبوط و مستحکم نہ ہوگی۔ مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے کی ہمدردی و خیر خواہی کرتے رہنا، نماز کا حکم دیتے رہنا اور خود بھی بہت ذوق و شوق اور اہتمام کے ساتھ نماز ادا کرتے رہنا چاہئے۔

شیخ ابن عثیمین

فجالت و شرمندگی کی وجہ سے گھر میں نماز پڑھنا

سوال میں گھر میں نماز پڑھتا ہوں اور اس کا سبب یہ ہے کہ میری طبیعت میں شرمیلان بہت زیادہ ہے۔ میں نوافل، دعاء اور تسبیح بھی کثرت سے پڑھتا ہوں، تو کیا گھر میں پڑھی جانے والی نماز قبول نہیں ہوتی؟

جواب آپ پر فرض یہ ہے کہ نماز مسجد میں باجماعت ادا کریں۔ وہ خجالت اور شرمیلا پن جو کسی شرعی واجب کے ترک کا سبب بنے، وہ بزدلی ہے لہذا اس خجالت کی وجہ سے واجب کو ترک کرنا جائز نہیں لہذا اپنے آپ کو مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کا عادی بنانا چاہئے۔ ایک دن اگر خجالت محسوس ہوگی تو دوسرے دن یہ خود بخود ختم ہو جائے گی لیکن اگر نوبت یہاں تک پہنچ جائے کہ آپ کے لئے مسجد میں جانا مطلقاً ممکن نہ ہو اور آپ گھر میں نماز پڑھ لیں تو آپ کو گناہ نہ ہو گا کیونکہ یہ خجالت وغیرہ بھی ایک عذر ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن ۱۶/۶۴)

”سو جہاں تک ہو سکے تم اللہ سے ڈرو۔“

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ:

«إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأَتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ» (صحیح مسلم، کتاب الحج، باب فرض الحج مرة في

العمر، ح: ۱۳۳۷، ومسند احمد، ۲/۲، ۵۰۸)

”جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو مقدور بھر اس کی اطاعت بجالاؤ۔“

شیخ ابن عثیمین

نماز باجماعت ادا کرو خواہ امام تمہیں ناپسند ہو

سوال میں مسجد میں نماز ادا کرنے کے لئے گیا تو دیکھا کہ وہاں ایک شخص امام ہے، جس کے پیچھے نماز پڑھنا مجھے پسند

نہیں، تو اس صورت میں مجھے کیا کرنا چاہئے تاکہ میں جماعت کے اجر و ثواب کو حاصل کر سکوں؟

جواب جب آپ مسجد میں نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے جائیں اور لوگوں کو نماز پڑھتا ہوئے پائیں تو ان کے ساتھ مل

کر نماز ادا کریں خواہ امام ایسا شخص ہو جس کو آپ ناپسند کرتے ہوں کیونکہ نماز باجماعت ادا کرنا واجب ہے اور آپ کو جب اس کا موقع مل گیا ہے تو اب اس میں کو تاہی کرنا جائز نہیں ہے۔

اب رہ گئی یہ بات کہ اس شخص کو آپ کے ناپسند کرنے کا سبب کیا ہے؟ کیا اس کا سبب اس کے دین میں خلل ہے یا آپ دونوں کے درمیان کوئی ذاتی دشمنی ہے؟ اگر ذاتی دشمنی ہے تو مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اپنے اور اپنے مسلمان بھائی کے درمیان کینہ و بغض کو ختم کر کے اسے الفت و محبت سے بدل دے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ ﴾ (الحجرات ۱۰/۴۹)

”مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں۔“

اور اگر ناپسندیدگی کا سبب دین میں خرابی ہے، تو آپ پر واجب ہے کہ اسے سمجھائیں اور اس کے سامنے اس خرابی کو واضح کریں تاکہ وہ اپنی اصلاح کر کے دین پر صحیح طور پر چلے۔ دین کی خرابی کو دیکھ کر لوگوں کا ایک دوسرے کو چھوڑ دینا اور دلوں میں بغض و عداوت کو چھپانا ان مومنوں کی شان کے خلاف ہے، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ﴾

(آل عمران ۱۱۰/۳)

” (مومنو!) جتنی امتیں (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں، تم ان سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔“

شیخ ابن عثیمین

منفرد کے لئے نماز توڑ کر جماعت میں شامل ہونا جائز ہے

سوال ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا کہ اسی اثناء میں ایک جماعت مسجد میں داخل ہوئی اور اس نے نماز باجماعت شروع کر دی تو کیا یہ شخص اپنی نماز کو توڑ دے یا نفل کی نیت کر لے تاکہ ان کے ساتھ مل کر باجماعت نماز ادا کر سکے؟

جواب افضل یہ ہے کہ اسے نفل نماز میں بدل دے اور پھر باجماعت نماز ادا کرنے والوں کے ساتھ شامل ہو جائے تاکہ نماز باجماعت کا اجر و ثواب حاصل کر سکے اور اگر نماز کو توڑ کر باجماعت ادا کرے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں کیونکہ اس نے نماز ہی سے متعلق ایک شرعی مصلحت کی وجہ سے نماز کو توڑا ہے۔ واللہ ولی التوفیق

شیخ ابن باز

جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو

سوال میں الحمد للہ ایک مسلمان آدمی ہوں، پانچوں نمازیں باقاعدگی سے مسجد میں ادا کرتا ہوں لیکن اکثر و بیشتر نیند کے غلبہ کی وجہ سے صبح کی نماز میں پیچھے رہ جاتا ہوں۔ نیند کے غلبہ کی وجہ سے اٹھنا بہت مشکل ہوتا ہے حالانکہ میں الارم بھی لگاتا ہوں۔ اس وجہ سے میں بہت پریشان رہتا ہوں اور ڈرتا ہوں کہ کہیں یہ نفاق ہی نہ ہو، تو کیا اس مذکورہ صورت حال میں میں منافق تو نہیں؟ آپ اس سلسلہ میں مجھے کیا نصیحت فرمائیں گے؟

جواب آپ کے لئے واجب یہ ہے کہ مقدور بھر کوشش کیجئے کہ نماز باجماعت ادا کر سکیں، اس کے لئے الارم سے فائدہ اٹھائیے، جلد سو جائیے اور اہل خانہ سے بھی کہہ دیجئے کہ وہ آپ کو بیدار کر دیں تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نیند کی وجہ سے آپ الارم کی آواز کو سن ہی نہ سکیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَنْتَهِیْ أَلْفَهُ يَجْعَلْ لَّهُ مِنْ أَمْرِهِ إِسْرًا﴾ (الطلاق ۶۵/۴)

”اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا، اللہ اس کے کام میں سہولت پیدا کر دے گا۔“

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (النبا ۱۶/۶۴)

”سو جہاں تک ہو سکے تم اللہ سے ڈرو۔“

اللہ تعالیٰ آپ کے لئے معاملہ میں آسانی پیدا فرمائے اور فرض ادا کرنے میں آپ کی مدد فرمائے۔

شیخ ابن باز

مترکہ نمازوں کی قضاء لازم نہیں

سوال پہلے میں نماز نہیں پڑھتا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت عطا فرمادی اور مجھے نماز پڑھنے کا شوق پیدا ہو گیا تو اب سوال یہ ہے کیا گزشتہ سالوں کی نمازوں کی قضاء مجھ پر لازم ہے یا نہیں؟

جواب جب انسان کئی سال تک نمازیں چھوڑے رکھے اور پھر توبہ کر کے انہیں باقاعدگی کے ساتھ پڑھنا شروع کر دے تو اس پر چھوڑی ہوئی نمازوں کی قضاء لازم نہیں ہے کیونکہ ایسی شرط کی صورت میں بہت سے لوگ توبہ ہی سے بدل ہو جائیں گے ہاں البتہ توبہ کرنے والے کے لئے حکم یہ ہے کہ وہ اب آئندہ نماز کی پوری پوری حفاظت کرے اور کثرت کے ساتھ نوافل پڑھے، طاعت الہی بجالائے، نیکی کے کام کرے، تقرب الہی کے حصول کے لئے کوشش کرے اور اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف کو اپنے دل میں جگہ دے۔

— شیخ ابن باز —

کپڑوں کے میلا ہونے کے بہانے نماز ترک کرنا

سوال میرا ایک دوست موٹر ورکشاپ میں کام کرتا ہے۔ میں اسے نماز پڑھنے کی دعوت دیتا ہوں تو وہ یہ کہہ کر میری دعوت کو مسترد کر دیتا ہے کہ اس کے کپڑے صاف نہیں ہیں، اس کے لئے کپڑوں کو بدلنا مشکل ہے لہذا وہ گھر واپس جا کر نماز پڑھ لے گا تو اس کے اس عمل کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب آپ کے مذکورہ دوست کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ نماز باجماعت ادا کرے، اس کے لئے گھر واپس لوٹنے تک نماز کو مؤخر کرنا جائز نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«مَنْ سَمِعَ النَّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِ فَلَا صَلَاةَ لَهُ إِلَّا مِنْ عُدْرٍ» (سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد والجماعات، باب التغلیظ فی التخلّف عن الجماعة، ح: ۷۹۳، والدائر قطنی ۱/ ۴۲۰، والحاکم، ۱/ ۲۴۵، واستنادہ علی شرط مسلم)

”جو شخص اذان سے اور پھر مسجد میں نہ آئے تو اس کی نماز نہیں ہوتی الا یہ کہ کوئی (شرعی) عذر ہو۔“

ہاں البتہ کپڑے اگر ناپاک ہوں تو انہیں دھونا یا تبدیل کر کے پاک کپڑے پہننا واجب ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے یہ دعاء کرتے ہیں کہ وہ ہم سب کو ہدایت سے بہرہ مند فرمائے۔

— شیخ ابن باز —

امامت کا بیان

بدعتی اور کپڑے کو نیچے لٹکانے والے کی امامت

سوال کیا اس شخص کے پیچھے نماز صحیح ہے جو بدعتی اور کپڑے کو نیچے لٹکانے والا ہو؟

جواب علماء کے صحیح قول کے مطابق بدعتی، کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والے اور دیگر گناہ گاروں کے پیچھے نماز صحیح ہے بشرطیکہ بدعت کفر تک پہنچانے والی نہ ہو، اور اگر بدعت کفر تک پہنچانے والی ہو، جیسے جہمیہ وغیرہ بدعتی ہیں جو اپنی کفریہ بدعات کے باعث دائرہ اسلام ہی سے خارج ہیں، تو ان کے پیچھے نماز صحیح نہیں ہے۔ لیکن ذمہ دار اصحاب پر یہ واجب ہے کہ امامت کے لئے ایسے لوگوں کو منتخب کریں جو بدعت اور فسق و فجور سے پاک ہوں اور اچھے سیرت و اخلاق کے مالک ہوں کیونکہ امامت ایک عظیم امامت ہے، امام مسلمانوں کا قائد ہوتا ہے لہذا اگر اچھے لوگوں کو امامت پر فائز کرنا ممکن ہو تو اہل بدعت و فسق کو امام نہیں بنانا چاہئے!

کپڑے کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا بھی گناہ ہے، اس سے اجتناب کرنا واجب ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«مَا أَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ مِنَ الْإِزَارِ فَهُوَ فِي النَّارِ» (صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب ما أسفل من الكعبین فهو فی النار، ح: ۵۷۸۷)

”جو کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکایا گیا وہ جہنم کی آگ میں ہو گا۔“

قیص، شلوار اور پینٹ وغیرہ کا بھی یہی حکم ہے۔ یہ بھی صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ثَلَاثَةٌ لَا يَكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُرَكِّبُهُمْ وَلَا هُمْ عَذَابُ أَلِيمٍ: الْمُسْبِلُ إِزَارَهُ، وَالْمَتَّانُ فِيمَا أُعْطِيَ، وَالْمُنْفِقُ سِلْعَتَهُ بِالْحَلْفِ الْكَاذِبِ» (صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان غلظ تحريم اسبال الازار والمن بالعطية... ح: ۱۰۶)

”تین قسم کے لوگوں کی طرف اللہ تعالیٰ روز قیامت نہیں دیکھے گا، نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہو گا: ① اپنی چادر کو (ٹخنے سے) نیچے لٹکانے والا ② دے کر احسان جتلانے والا اور ③ اپنے سودے کو جھوٹی قسم کھا کر بیچنے والا۔“

اگر کپڑے وغیرہ کو تکبر کی وجہ سے لٹکایا جا رہا ہو تو اس میں گناہ اور بھی زیادہ ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جلد گرفت اور سزا کا بھی خطرہ ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«مَنْ جَرَّ ثَوْبَهُ خِيَلَاءَ لَمْ يَنْظُرِ اللَّهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» (صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب من جر ازاره من غير خيلاء، ح: ۵۷۸۳، ۵۷۸۴، ۵۷۹۱، ۳۶۶۵)

”جس (مرد) نے اپنے کپڑے کو ازراہ تکبر نیچے لٹکایا اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کی طرف دیکھے گا بھی نہیں۔“

لہذا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ کپڑے کے لٹکانے اور ان تمام دیگر گناہوں کے ارتکاب سے اجتناب کرے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، اسی طرح ہر قسم کی بدعت سے اجتناب بھی ضروری ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ» (صحیح مسلم، کتاب الاقضية، باب نقض الاحكام الباطلة... ح: ۱۷۱۸)

”جس نے کوئی ایسا عمل کیا جو ہمارے امر (دین) کے مطابق نہیں ہے تو وہ (عمل) مردود ہے۔“

نیز آپ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ:

«خَيْرُ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ وَخَيْرُ الْهُدْيِ هُدْيُ مُحَمَّدٍ ﷺ، وَسَرُّ الْأُمُورِ مُحَدَّثَاتُهَا وَكُلُّ

بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ» (صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، ح: ۸۷۷)

”سب سے بہترین بات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور سب سے بہترین طریقہ حضرت محمد ﷺ کا طریقہ ہے“

بدترین امور وہ ہیں جو نئے نئے پیدا کئے گئے ہوں اور ہر بدعت (دین میں نیا کام) ضلالت (گمراہی) ہے۔“

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اور سب مسلمانوں کو بدعات اور گناہوں سے محفوظ رکھے۔ فائدہ خیر مسئول۔

شیخ ابن باز

امام کا رکوع میں انتظار کرنا

سوال جب امام حالت رکوع میں ہو اور وہ یہ محسوس کرے کہ کچھ نمازی جلدی سے آرہے ہیں تاکہ رکوع میں مل

جائیں تو کیا امام کے لئے ان کا انتظار کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب اس حالت میں امام کے لئے افضل یہ ہے کہ رکوع سے سر اٹھانے میں جلدی نہ کرے تاکہ جو لوگ رکعت پا

لینے کے شوق میں امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہونا چاہتے ہیں، وہ شامل ہو جائیں لیکن امام کو اس قدر تاخیر بھی نہیں کرنی

چاہئے جس سے امام کے ساتھ شریک مقتدیوں کو تکلیف ہو، اس حالت میں نبی کریم ﷺ سے بھی ثابت ہے جس سے

معلوم ہوتا ہے کہ قدرے انتظار کر لینا مستحب ہے۔

شیخ ابن باز

سگریٹ نوش امام کی امامت

سوال کیا ایسے امام کی اقتداء میں نماز جائز ہے جو سگریٹ نوشی کرتا ہو؟

جواب سگریٹ نوشی حرام ہے کیونکہ اب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ یہ مضر صحت ہے، یہ خبیث چیز ہے، اس

میں اسراف اور فضول خرچی بھی ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَيَحْرِمُ عَلَيْهِمُ الْخَبِيثَاتِ﴾ (الأعراف/۱۵۷)

”اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں۔“

جہاں تک سگریٹ نوشی کرنے والے امام کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کا تعلق ہے تو اگر اس کی اقتداء میں نماز ترک

کرنے سے نماز جمعہ یا نماز باجماعت فوت ہوتی ہو یا کوئی فتنہ رونما ہوتا ہو تو اخف الضررین (بڑی خرابی کی نسبت چھوٹی خرابی

کو اختیار کرنا) کے اصول پر عمل کرنے کی وجہ سے اس امام کے پیچھے نماز ادا کرنا واجب ہو گا اور اگر بعض لوگ اس کے

پیچھے نماز چھوڑ دیں اور اس سے ترک جمعہ یا ترک جماعت لازم نہ آئے، کوئی اور بھی نقصان نہ ہو اور امام کے پیچھے نماز نہ

پڑھنے سے اسے تنبیہ بھی ہو اور وہ اس طرح سگریٹ نوشی سے باز آ جائے تو اس صورت میں اس کے پیچھے نماز چھوڑ دینا

جائز ہو گا تاکہ اسے سرزنش ہو اور وہ اس حرام امر کے ارتکاب سے باز آ جائے اور یہ عمل انکار منکر کے قبیل سے ہو گا

اور اگر اس امام کے پیچھے نماز ترک کرنے سے کوئی نقصان بھی نہ ہو، ترک جمعہ و جماعت بھی لازم نہ آئے اور نہ امام ہی

اس سے کوئی سبق سیکھے تو پھر کوشش کی جائے کہ کسی ایسے امام کی اقتداء میں نماز پڑھی جائے جو اس کی طرح فسق و معصیت میں مبتلا نہ ہو، اس سے نماز زیادہ مکمل بھی ہوگی اور دین کی زیادہ حفاظت بھی۔ وباللہ التوفیق

فتویٰ کمیٹی

عمامہ (پگڑی) کے بغیر امامت

سوال ہمارے علاقے میں بعض لوگ اس امام کے پیچھے نماز جائز نہیں سمجھتے، جس نے عمامہ نہ پہنا ہو بلکہ عمامہ کے بغیر امامت کو وہ سنت کے خلاف سمجھتے ہیں، اسی لئے بعض لوگ اپنی مسجدوں کے محرابوں میں عماموں کو تیار رکھتے ہیں تاکہ بوقت امامت امام عمامہ کو اپنے سر پر رکھ لے تو اس مسئلہ میں شرعی حکم کیا ہے؟

کیا شرعی نقطہ نگاہ سے اس میں کوئی فرق ہے کہ بوقت امامت سر پر عمامہ ہو یا ٹوپی؟ نیز بوقت امامت لوگ مختلف قسم کی ٹوپیاں جو استعمال کرتے ہیں تو ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب جعفر بن عمرو بن حرث نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر دیکھا ہے کہ:

«رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ، عَلَى الْمِنْبَرِ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ قَدْ أَرْخَى طَرَفَهَا بَيْنَ كَتِفَيْهِ» (صحیح مسلم، کتاب الحج، باب جواز دخول مكة بغیر احرام، ح: ۱۳۵۹، وسنن أبي داود، کتاب اللباس، باب فی العمام، ح: ۴۰۷۷ واللفظ له)

”آپ نے سیاہ عمامہ پہنا ہوا تھا اور اس کے کنارے کو آپ نے اپنے دونوں کندھوں کے درمیان لٹکا رکھا تھا۔“

امام ترمذی نے نافع از ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب عمامہ باندھتے تو عمامہ کو اپنے دونوں کندھوں کے درمیان لٹکا لیتے تھے،^① ان روایات کے پیش نظر بہت سے علماء نے امام ہو یا مقتدی سب کے لئے عمامہ پہننا اور اس کے کچھ حصہ کو لٹکانا مستحب قرار دیا ہے۔ حافظ ابن قیم رضی اللہ عنہ نے ذکر فرمایا ہے کہ نبی کریم ﷺ کبھی ٹوپی پر عمامہ باندھتے اور کبھی ٹوپی کے بغیر اور کبھی آپ ٹوپی ہی پہن لیتے اور عمامہ استعمال نہ فرماتے۔ اس مسئلہ میں گنجائش ہے کیونکہ یہ ثابت نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے عمامہ استعمال کرنے کا حکم دیا ہو یا آپ نے خود اس کی ہمیشہ پابندی فرمائی ہو اور اس پر بھی تمام امت کا اجماع ہے کہ عمامہ نماز یا جماعت کی صحت کے لئے شرط بھی نہیں ہے تو اس کو لازم قرار دینا بھی دین میں تکلف اور تشدد ہے اور جو شخص دین میں تکلف اور تشدد کو اختیار کرے گا، دین اس پر غالب آجائے گا۔ وباللہ التوفیق ((وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

فتویٰ کمیٹی

① سنن ترمذی، کتاب اللباس، باب فی سدل العمامة بین الکفتین، ح: ۱۷۳۶۔

جس امام کی قرأت کمزور ہو کیا وہ استغفیٰ دے دے؟
ایک ہی ہفتہ میں بعض سورتوں کے بار بار پڑھنے کا حکم؟

سوال ۱ میں ریاض کے مضافات میں ایک مسجد میں امام ہوں۔ میری مشکل یہ ہے کہ میں تجوید و قرأت میں کمزور ہوں اور پڑھنے میں غلطیاں بہت کرتا ہوں۔ مجھے قرآن مجید کے تین پارے اور بعض سورتوں کی بعض آیات یاد ہیں لیکن میں اس ذمہ داری کے بارے میں بہت ڈرتا ہوں۔ لہذا براہ کرم رہنمائی فرمائیے کیا میں امامت کا سلسلہ جاری رکھوں یا مستغفیٰ ہو جاؤں؟

سوال ۲ ہماری مسجد کے بعض لوگ نماز فجر کے باجماعت ادا کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں، میں نے انہیں بار بار سمجھایا ہے لیکن بے سود، تو کیا میں ان کی محکمہ میں شکایت کر دوں یا نصیحت کرتا رہوں؟

سوال ۳ کیا یہ جائز ہے کہ قرآن مجید کی ایک ہی سورہ کو ہفتہ میں دو بار یا تین یا اس سے بھی زیادہ دفعہ پڑھا جائے؟ براہ کرم رہنمائی فرمائیں۔ (جزاکم اللہ خیرا)

جواب ۱ آپ کو جس قدر قرآن مجید یاد ہے اس کے حفظ و تجوید میں خوب محنت کریں اور اگر آپ کی نیت نیک ہوئی اور آپ نے خوب مقدور بھر کوشش کی تو پھر آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر و برکت کی بشارت ہو! کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ۝﴾ (الطلاق ۶۵/۴)

”اور جو اللہ سے ڈرے گا، اللہ اس کے کام میں سولت پیدا کر دے گا۔“

اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«الْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَّةِ، وَالَّذِي يقرأ الْقُرْآنَ وَيَتَتَعَعُ فِيهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهُ أَجْرَانِ» (صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرين، باب فضل الماهر بالقرآن والذي يتتبع فيه ح: ۷۹۸، وسنن ابن ماجه، کتاب الادب، باب ثواب القرآن، ح: ۳۷۷۹، ومسند احمد، ۹۸/۶، ۱۷۰،

(۲۶۶)

”قرآن مجید کے ماہر کو معزز اور نیکوکار فرشتوں کا ساتھ نصیب ہو گا اور جو قرآن پڑھتا اور اس میں اکتلا ہے اور قرآن پڑھنا اس کے لئے بہت مشکل ہے تو اسے دو گنا ثواب ملے گا۔“

ہم آپ کو یہ مشورہ نہیں دیں گے کہ استغفیٰ دے دو بلکہ یہ مشورہ دیں گے کہ مسلسل محنت اور صبر و کوشش سے کام لو حتیٰ کہ کتاب اللہ کے مکمل حفظ و تجوید میں کامیاب ہو جاؤ یا قرآن مجید کا جتنا حصہ اللہ تعالیٰ حفظ کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اتنا حفظ کر لو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق بخشے اور آسانی فرمائے۔

جواب ۲ ہم آپ کو یہ مشورہ دیں گے کہ ان لوگوں کو مسلسل سمجھاتے رہو اور جماعت کے خاص خاص احباب کو ساتھ لے کر ان کے پاس بھی جاؤ اور بتاؤ کہ نماز باجماعت ادا نہ کرنے کے کس قدر نقصانات ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ نفاق کی نشانی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ لوگوں کی بات کو قبول کر کے یہ لوگ راہ راست پر آجائیں۔ صحیح حدیث سے

ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَثْقَلُ الصَّلَاةِ عَلَى الْمُتَأَفِّفِينَ صَلَاةُ الْعِشَاءِ وَصَلَاةُ الْفَجْرِ، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِيهِمَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبَوًّا» (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب فضل صلاة العشاء في الجماعة، ح: ۶۵۷،

وصحیح مسلم، کتاب المساجد، باب فضل صلاة الجماعة وبيان التشديد . . . ، ح: ۶۵۱)

”منافقوں پر سب سے بھاری نماز عشاء اور صبح کی نماز ہے اور اگر انہیں معلوم ہو کہ ان نمازوں میں کس قدر اجر و ثواب ہے، تو وہ ضرور آئیں گے خواہ گھٹنوں کے بل چل کر۔“

اسی طرح نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«مَنْ سَمِعَ النَّدَاءَ فَلَمْ يَأْتِ فَلَا صَلَاةَ لَهُ إِلَّا مِنْ عَذْرٍ» (سنن ابن ماجہ، کتاب المساجد والجماعات، باب التغلیط في التخلف عن الجماعة، ح: ۷۹۳، والدارقطنی ۱/ ۴۲۰، والحاکم ۱/ ۲۴۵، واسنادہ علی شرط مسلم)

”جو شخص اذان سے اور مسجد میں نماز کے لئے نہ آئے تو اس کی نماز نہیں الایہ کہ کوئی (معقول شرعی) عذر ہو۔“

ایک نابینا آدمی نے آپ ﷺ سے اجازت طلب کی کہ اس کے پاس کوئی معاذن نہیں جو اسے مسجد میں لے جاسکے تو کیا اس کے لئے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت ہے؟ تو آپ نے فرمایا:

«هَلْ تَسْمَعُ النَّدَاءَ بِالصَّلَاةِ؟ قَالَ نَعَمْ: قَالَ فَأَجِبْ» (صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب يجب اتيان المسجد على من سمع النداء، ح: ۶۵۳)

”کیا تم اذان کی آواز سنتے ہو؟“ اس نے جواب دیا ”ہاں“ تو آپ نے فرمایا ”پھر اس کی آواز پر لبیک کہو۔“

ایک دوسری حدیث میں الفاظ یہ ہیں کہ:

«لَا أَجِدُ لَكَ رُخْصَةً» (سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب التشديد في ترك الجماعة، ح: ۵۵۲، ومسند احمد، ۳/ ۴۲۳)

”میں تمہارے لئے کوئی اجازت نہیں پاتا۔“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما جو کبار صحابہ کرام میں شمار ہوتے ہیں، فرماتے ہیں:

«لَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنْهَا إِلَّا مُتَأَفِّفٌ مَعْلُومٌ النَّفَاقِ» (سنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب التشديد في ترك الجماعة، ح: ۵۵۰، وسنن ابن ماجہ، کتاب المساجد والجماعات، باب المشي إلى الصلاة، ح: ۷۷۷، واللفظ له)

”ہم نے دیکھا ہے کہ نماز باجماعت سے صرف وہی شخص پیچھے رہتا تھا جو واضح طور پر منافق ہوتا تھا۔“

ہر مسلمان کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ نماز باجماعت کی حفاظت کرے اور جماعت سے پیچھے رہنے میں احتیاط کرے، ائمہ مساجد پر بھی واجب ہے کہ نماز باجماعت سے پیچھے رہنے والوں کو سمجھاتے رہیں، انہیں نصیحت کرتے رہیں اور اللہ کے غضب و عقاب سے ڈراتے رہیں اور اگر وہ وعظ و نصیحت سے بھی باز نہ آئیں تو واجب ہے کہ نماز باجماعت سے پیچھے

رہنے والوں کے معاملہ کو محکمہ کے اس دفتر میں پیش کیا جائے جو محلہ کی مسجد میں ہے تاکہ محکمہ ان کے بارے میں قانونی کارروائی کر سکے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ تمام مسلمانوں کو نیکی و تقویٰ کے اختیار کرنے اور اللہ تعالیٰ کے غضب و عقاب سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

جواب ۳ اس بات کی اجازت ہے کہ ایک سورہ کو ہفتہ میں یا ایک ہی دن میں بار بار پڑھ لیا جائے، اس کے لئے کوئی پابندی نہیں بلکہ یہ بھی جائز ہے کہ ایک ہی نماز میں سورہ فاتحہ کے بعد دونوں رکعتوں میں ایک ہی سورہ کو پڑھ لیا جائے جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ:

«أَنَّهُ قَرَأَ سُورَةَ ﴿إِذَا زُلْزِلَتْ﴾ فِي الرَّكَعَتَيْنِ الْأُولَى وَالثَّانِيَةِ» (سنن أبي داود، باب الرجل يعيد سورة واحدة في الركعتين، ح: ۸۱۶)

”نبی کریم ﷺ نے پہلی اور دوسری رکعتوں میں سورہ اذا زلزلت کی تلاوت فرمائی۔“

— شیخ ابن باز —

اس شخص کی امامت کا حکم، جسے ہوا خارج ہونے کا شک ہو

سوال میں قولوں (بڑی آنت کے درد) کا دائمی مریض ہوں اور اس مرض کی وجہ سے ہوا خارج ہوتی رہتی ہے، خاص طور پر نماز میں اور ہوا کے کثرت سے خروج کے باعث مجھے نماز میں بھی بدبو محسوس ہوتی ہے حتیٰ کہ بدبو اگر کسی اور چیز سے آ رہی ہو تو پھر بھی مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ میری ہوا خارج ہونے کی وجہ سے ہے تو میں نماز کے دوران کیا کروں؟ کیا شک کی صورت میں وضوء واجب ہے؟ اور جب مقتدی اچھی طرح قرأت نہ کر سکتے ہوں تو کیا میرے لئے ان کی امامت کرانا جائز ہے؟

جواب اصل بقاء طہارت ہے لہذا آپ کے لئے یہ واجب ہے کہ اپنی نماز کو مکمل کرو اور وسوسہ کی طرف توجہ نہ دو والا یہ کہ آواز سننے یا بدبو محسوس کرنے کی وجہ سے آپ کو یہ معلوم ہو جائے کہ آپ کی ہوا خارج ہوئی ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ سے جب یہ سوال کیا گیا کہ آدمی اپنی نماز میں کچھ محسوس کرتا ہے تو آپ نے فرمایا:

«لَا يَتَصَرَّفُ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا» (صحیح بخاری، کتاب الوضوء، باب لا يتوضأ من الشك حتى يستيقن، ح: ۱۳۷، و صحیح مسلم، کتاب الطہارة، باب اللیل علی ان من یقن الطہارة...،

ح: ۳۶۱)

”وہ اس وقت تک نماز کو نہ چھوڑے جب تک آواز نہ سن لے یا بدبو نہ محسوس کر لے۔“

جب تمام حاضرین کی نہت آپ قرآن مجید زیادہ پڑھنے والے ہوں، تو امامت کرانے میں ممانعت نہیں بشرطیکہ حدیث کی کیفیت مسلسل نہ ہو اور یہ عارضہ کبھی کبھی لاحق ہوتا ہو اور جب وضوء ٹوٹ جائے تو نماز باطل ہو جاتی ہے خواہ آپ امام ہوں، مقتدی ہوں یا اکیلے نماز پڑھ رہے ہوں، اگر آپ امام ہوں اور وضوء ٹوٹ جائے تو اپنے پیچھے کھڑے ہوئے جماعت کے لوگوں میں سے کسی کو اپنی جگہ کھڑا کر دیں جو باقی نماز پڑھائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو عافیت عطا فرمائے!

— شیخ ابن باز —

ننگے سر امام کی امامت کا حکم

سوال کیا یہ جائز ہے کہ امام ننگے سر نماز پڑھائے؟

جواب سر، نماز اور غیر نماز میں مردوں کے لئے خواہ وہ بالغ ہوں یا نابالغ ستر نہیں ہے لہذا اسے نماز اور غیر نماز حالت میں ڈھانپنا واجب نہیں ہے لیکن حسب عادت مناسب لباس کے ساتھ سر کو ڈھانپنا جب کہ اس میں شریعت کی مخالفت نہ ہو زینت کے قبیل میں سے ہے لہذا حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق نماز میں سر کو ڈھانپنا مستحسن ہو گا:

﴿يَبْسُجِيءَ اَدَمَ خَدَّوْا زَيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (الأعراف ۷/ ۳۱)

”اے بنی آدم! ہر نماز کے وقت اپنے تئیں مزین کیا کرو۔“

امام کو نسبتاً اس کا کچھ زیادہ ہی خیال رکھنا چاہئے۔

فتویٰ کمیٹی

داڑھی منڈے کی امامت کا حکم

سوال کیا کوئی ایسی صحیح حدیث ہے، جس سے یہ معلوم ہو کہ داڑھی منڈے ہوئے امام کے پیچھے نماز باطل ہے؟

جواب ہمارے علم کی حد تک ایسی کوئی صحیح دلیل نہیں ہے، جس سے یہ معلوم ہو کہ داڑھی منڈے امام کی امامت میں نماز ادا کرنا باطل ہے۔

فتویٰ کمیٹی

پاؤں کٹے ہوئے امام کی امامت کا حکم

سوال میں ایک ایسا آدمی ہوں، جس کا پاؤں ٹخنے کے نیچے سے کٹا ہوا ہے، تو کیا میرے لئے یہ جائز ہے کہ امام کی عدم

موجودگی میں نمازیوں کو نماز پڑھا دوں؟ اور کیا نماز کے لئے وضوء کرتے ہوئے کٹے ہوئے پاؤں پر مسح کرنا جائز ہے؟

جواب اگر پاؤں کا کٹنا ہونا کھڑے ہو کر نماز ادا کرنے میں مانع نہیں ہے تو پھر لوگوں کی امامت کروانے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ آپ میں امامت کی باقی شرطیں موجود ہوں، اگر پاؤں کا کچھ حصہ باقی رہ گیا ہو تو اس پر مسح کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں، جب آپ نے بحالت طہارت اس پر موزہ یا جراب کو پہن رکھا ہو اور اس طرح حالت قیام میں ایک دن رات اور حالت سفر میں تین دن رات کی نمازیں آپ مسح کر کے ادا کر سکتے ہیں جیسا کہ نبی ﷺ کی سنت صحیحہ سے یہ ثابت ہے۔^① اگر پاؤں ٹخنے کے اوپر سے کٹا ہو تو اسے نہ مسح کی ضرورت ہے اور نہ دھونے کی کیونکہ ٹخنوں کے اوپر کی جگہ دھونے یا مسح کرنے کا مقام نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اچھا بدلہ دے، آپ کی مصیبت کا صلہ دے اور آپ کو صبر اور طلب ثواب کی توفیق عطاء فرمائے!

شیخ ابن باز

① صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب التوقيت فی المسح علی الخفین، ح: 276۔

فاسق، جاہل اور بیوقوف وغیرہ کی امامت

سوال جو شخص داڑھی منڈاتا ہو یا سگریٹ نوشی کرتا ہو یا جاہل اور بے وقوف ہو اور قرآن پڑھنا نہ جانتا ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب سگریٹ نوشی کرنے والا اور داڑھی منڈانے والا اگر مستقل یا غیر مستقل امام ہو اور اس کے علاوہ کسی دوسرے امام کے پیچھے نماز پڑھنا ممکن ہو تو پھر کسی دوسرے امام ہی کے پیچھے نماز ادا کی جائے اور اگر کسی دوسرے کے پیچھے ممکن نہ ہو تو پھر جماعت کے ثواب کے حصول کے لئے اس کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے، اگر ایسا امام مستقل ہو اور اسے بدل کر اس سے بہتر امام مقرر کرنا ممکن ہو تو یہ واجب ہو گا اور اگر امام کو بدلنا ممکن نہ ہو کہ اس سے بہتر کوئی دوسرا امام موجود نہ ہو یا اسے امامت سے معزول کرنے میں زبردست خرابیوں کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر اسے برقرار رکھا جائے تاکہ اعلیٰ مصلحت کے حصول کی خاطر ادنیٰ مصلحت کو قربان کر دیا جائے اور بڑی خرابی کی نسبت چھوٹی خرابی کو اختیار کر لیا جائے۔

باقی رہی جاہل و بیوقوف کی امامت تو صحیح مسلم میں ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَوْمُ الْقَوْمِ أَقْرَبُهُمْ لِكِتَابِ اللَّهِ، فَإِنْ كَانُوا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً فَأَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ، فَإِنْ كَانُوا فِي السُّنَّةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ هِجْرَةَ، فَإِنْ كَانُوا فِي الْهِجْرَةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ سِنًا» (صحیح مسلم،

کتاب المساجد، باب من احق بالامامة، ح: ۶۷۳)

”قوم کی امامت وہ کرائے جو ان میں کتاب اللہ کو زیادہ پڑھنے والا ہو، اگر وہ قرأت میں برابر ہوں تو پھر وہ امامت کرائے جو سنت کو زیادہ جاننے والا ہو، اگر وہ سنت کے علم میں بھی برابر ہوں تو پھر وہ جو ہجرت کرنے میں مقدم ہو اور اگر وہ ہجرت میں بھی برابر ہوں تو پھر وہ امامت کرائے جو عمر میں ان سے بڑا ہو۔“

ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ:

«سَلْمًا، وَلَا يُؤْمِنُ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِي سُلْطَانِهِ وَلَا يَقْعُدُ فِي بَيْتِهِ عَلَى تَكْرِمَتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ» (صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب من احق بالامامة، ح: ۶۷۳ وقال الأشج في روايته مكان سَلْمًا: سِنًا)

”جو اسلام قبول کرنے میں مقدم ہو، کوئی آدمی کسی دوسرے آدمی کی جگہ امامت نہ کرائے اور نہ اجازت کے بغیر کسی کی عزت کی جگہ پر بیٹھے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ جاہل جو سورہ فاتحہ کی قرأت بھی اچھی طرح نہ کر سکتا ہو، اس کی امامت جائز نہیں ہاں اگر کوئی اور امامت کے لائق شخص موجود نہ ہو تو پھر اسی طرح کا جاہل اپنے جیسے جاہلوں کی امامت کرا سکتا ہے۔

شیخ ابن جریر

قرأت میں لحن کرنے والے امام کے پیچھے نماز

سوال ایسا امام جو قرأت میں لحن کرتا ہے اور کبھی آیات قرآنیہ کے حروف میں کمی بیشی بھی کر دیتا ہے اس کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب اگر رُحْن سے معنی میں تبدیلی نہ آئے تو اس کے پیچھے نماز میں کوئی حرج نہیں مثلاً ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ میں رب کو منصوب یا مرفوع پڑھ دینا یا بسم اللہ میں رُحْن کو منصوب یا مرفوع پڑھ دینا وغیرہ^① اور اگر رُحْن سے معنی میں تبدیلی پیدا ہو جائے تو پھر اس کے پیچھے نماز جائز نہیں جب کہ تعلیم دینے اور لقمہ دینے سے بھی اسے کوئی فائدہ نہ پہنچتا ہو مثلاً ﴿إِنَّا لَكَ نَعْبُدُ﴾ میں وہ کاف کو مکسور یا ﴿انْعَمْتَ﴾ میں تا کو مکسور یا مرفوع پڑھ لے۔ اگر وہ تعلیم کو قبول کر لے اور بتا دینے سے قرأت کو صحیح کر لے تو اس کی نماز اور قرأت صحیح ہوگی اور شرعی حکم بھی یہی ہے کہ مسلمان تمام حالات میں نماز کے اندر بھی اور نماز سے باہر بھی اپنے بھائی کو سکھاتا رہے کیونکہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، جب وہ غلطی کرے تو اس کی رہنمائی کرے، جاہل ہو تو اسے سکھائے اور اگر قرآن مجید پڑھتے ہوئے بھول جائے تو اس کی اصلاح کر دے۔

شیخ ابن باز

نماز کے بعد امام کا مقتدیوں کی طرف منہ کرنا

سوال میں نے ایک مسجد میں نماز پڑھی، میں جماعت میں شامل نہ ہو سکا تھا لہذا میں نے دوسری جماعت کے ساتھ نماز پڑھی، ہمارا امام غیر سعودی تھا، نماز کے بعد وہ کچھ دیر تک بیٹھا رہا اور اس نے مقتدیوں کی طرف منہ نہ کیا بلکہ وہ سلام کے بعد قبلہ رخ ہی بیٹھا رہا، میں بھی جلدی میں تھا تو کیا میرے لئے یہ صحیح تھا کہ امام کے ہماری طرف منہ کرنے سے پہلے میں چلا جاتا یا ضروری تھا کہ میں انتظار کرتا؟

جواب امام کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ سلام پھیرنے کے بعد مقتدیوں کی طرف منہ کرے اور یہ جائز نہیں کہ سلام پھیرنے کے بعد مقتدیوں کی طرف منہ کرنے سے پہلے زیادہ دیر تک بیٹھا رہے۔ مقتدیوں کو بھی چاہئے کہ وہ انتظار کریں اور جب تک امام ان کی طرف منہ نہ کرے اپنی جگہ سے نہ ہٹیں۔ اس امام نے غلطی کی ہے جو سلام کے بعد زیادہ دیر بیٹھا رہا ہے اور اس نے مقتدیوں کی طرف منہ نہیں کیا لہذا جب مقتدی کے لئے زیادہ انتظار کرنا گراں ہو تو وہ امام کے منہ پھیرنے سے پہلے اٹھ سکتا ہے۔

شیخ ابن جبرین

سگریٹ نوش کی امامت

سوال کیا سگریٹ نوش کو امامت کا حق ہے، جب کہ وہ دوسرے نمازیوں کی نسبت قرأت اچھی کرتا ہو؟

جواب ہاں اس کے لئے امامت کروانا جائز ہے جب کہ غیر فاسقوں میں سے کوئی شخص ایسا موجود نہ ہو جو قرأت اچھی کر سکتا اور نماز کے احکام جانتا ہو۔ اگر مذکورہ قسم کا شخص کسی مسجد میں مستقل امام ہو تو اسے بدلنے کی کوشش کرنی چاہئے جب وہ سگریٹ نوشی پر اصرار کرتا ہو۔ اس مسئلہ میں مستقل کمیٹی کی طرف سے پہلے بھی ایک فتویٰ صادر ہو چکا ہے جو کہ حسب ذیل ہے:

① "منصوب" سے مراد وہ حرف جس پر زہر ہو۔ "مرفوع" سے مراد وہ حرف جس پر پیش ہو۔ "مکسور" سے مراد وہ حرف جس کے نیچے

”جو شخص جمعہ و جماعت کا امام ہو اور وہ سگریٹ نوشی کرتا یا داڑھی منڈاتا یا کسی بھی اور گناہ کے کام میں ملوث ہو تو ضروری ہے کہ اسے نصیحت کی جائے اور اسے گناہ کے ان کاموں سے باز رہنے کی تلقین کی جائے، اگر وہ باز نہ آئے اور اسے معزول کرنا ممکن ہو تو اسے معزول کر دیا جائے بشرطیکہ اس سے کسی فتنہ کے پیدا ہونے کا اندیشہ نہ ہو اور اگر اندیشہ ہو تو پھر اس کی بجائے کسی اور نیک امام کی اقتداء میں نماز ادا کی جائے تاکہ اس کو اس سے نصیحت و عبرت حاصل ہو اور اگر اسے معزول کرنے میں کسی فتنہ کا بھی اندیشہ نہ ہو اور کسی دوسرے کے پیچھے نماز ادا کرنا بھی ممکن نہ ہو تو پھر جماعت کے اجروثواب کی خاطر اسی کی امامت میں نماز پڑھ لی جائے اور اگر کسی دوسرے کی اقتداء میں نماز پڑھنے کی صورت میں فتنہ کا اندیشہ ہو تو فتنہ سے بچنے کے لئے بھی اس کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے تاکہ اخف الضررین (بڑی خرابی کے مقابلہ میں چھوٹی خرابی اختیار کرنے) کا ارتکاب کر لیا جائے جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر سلف صالح رحمہم اللہ حجاج بن یوسف کی اقتداء میں نماز پڑھتے رہے حالانکہ وہ سب سے بڑا ظالم تھا لیکن یہ سلف صالح مسلمانوں کے اتفاق و اتحاد کی خاطر اور انہیں فتنہ و اختلاف سے محفوظ رکھنے کے لئے اس کی اقتداء میں نماز پڑھتے رہے۔“ وبالله التوفیق (وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم)

فتویٰ کمیٹی

فاتحہ کے بعد سکتہ

سوال فاتحہ کے بعد امام کے وقوف کا کیا حکم ہے تاکہ مقتدی فاتحہ پڑھ لے اور اگر امام یہ وقفہ نہ کرے تو پھر مقتدی کس وقت سورہ فاتحہ پڑھے؟

جواب اس بات کی کوئی صحیح دلیل نہیں ہے، جس سے معلوم ہو کہ جبری نماز میں امام کو سکتہ کرنا چاہئے تاکہ مقتدی فاتحہ پڑھ سکے۔ مقتدی کو چاہئے کہ امام کی قرأت کے سکتات میں فاتحہ کو پڑھ لے اور اگر امام سکتہ کرتا ہی نہ ہو تو مقتدی کو چاہئے کہ وہ سری طور پر فاتحہ پڑھ لے، خواہ امام قرأت کر رہا ہو اور پھر فاتحہ پڑھنے کے بعد امام کی قرأت کو سننے کے لئے خاموش ہو جائے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

«لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ» (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب وجوب القراءة للإمام والمأموم فی الصلوات ...، ح: ۷۵۶، و صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب وجوب قراءة الفاتحة فی کل رکعة ...، ح: ۳۹۴)

”جو شخص سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔“

نیز آپ نے فرمایا تھا کہ شاید تم امام کے پیچھے پڑھتے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا جی ہاں آپ نے فرمایا:

«لَا تَفْعَلُوا إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَإِنَّهُ لَا صَلَوةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِهَا» (سنن ابی داؤد، کتاب

الصلاة، باب من ترك القراءة في صلاته بفاتحة الكتاب، ح: ۸۲۳)

”سورہ فاتحہ کے سوا اور کچھ نہ پڑھو کیونکہ جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔“

یہ دونوں حدیثیں حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ:

﴿وِإِذَا قُرِئَتْ آيَاتُ الْقُرْآنِ فَاسْتَمِعُوا لَهُمْ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ (الاعراف/ ۷/ ۲۰۴)

”اور جب قرآن پڑھا جائے تو توجہ سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“

اور نبی ﷺ کے اس ارشاد کی تخصیص کر رہی ہیں کہ:

«إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَلَا تَخْتَلِفُوا عَلَيْهِ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَإِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوا» (صحیح

مسلم، کتاب الصلاة، باب الشہد فی الصلاة، ح: ۴۰۴، ۴۱۱)

”امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے لہذا امام سے اختلاف نہ کرو، جب امام اللہ اکبر کے تو تم

بھی اللہ اکبر کہو اور جب وہ قرأت کرے تو تم خاموش رہو۔“

شیخ ابن باز

داڑھی منڈے کی امامت کا حکم

سوال ہمیں ایک داڑھی منڈے امام نے نماز پڑھائی تو کیا اس کے پیچھے ہماری نماز جائز ہے یا نہیں؟

جواب اگر یہ داڑھی منڈا شخص تمہاری مسجد میں مستقل امام ہے تو کوشش کرو کہ اسے بدل کر اس سے بہتر امام مقرر کرو، امید ہے تم اہل صلاح و خیر میں سے یقیناً کوئی ایسا آدمی پا لو گے، جو اس گناہ سے پاک ہو اور اگر یہ امام کسی ادارہ یا مدرسہ میں عارضی طور پر کام کے وقت ظہر کی نماز پڑھاتا ہے تو اولاً اسے نصیحت کرو، اس برے فعل کے انجام سے ڈراؤ اور اگر وہ داڑھی منڈانے پر اصرار کرے اور توبہ نہ کرے تو کسی ایسے امام کو تلاش کرو، جو اس گناہ سے پاک ہو خواہ اس سے قرأت میں کم مرتبہ ہو اور اگر اس نے محض وقتی طور پر ایک نماز پڑھائی ہے، تو اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں جب کہ یہ نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھ گیا ہو اور اس سے بہتر قرأت والا اور کوئی شخص نہ ہو، مختصر یہ کہ اس امام کی اقتداء میں ان شاء اللہ نماز صحیح ہو گی جب کہ اسے بھی اور ہر اس مسلمان کو بھی نصیحت کرنا واجب ہے جس سے یہ یا اس طرح کا اور کوئی گناہ سرزد ہوتا ہو۔ واللہ اعلم

شیخ ابن جبرین

جب امام غلط قرأت کرتا ہو

سوال جب امام سورہ فاتحہ کے پڑھنے میں بھی غلطی کرتا ہو، تو کیا اس کے پیچھے پڑھنے والے مقتدیوں کی نماز باطل ہو

جائے گی؟

جواب جب امام فاتحہ کی قرأت میں کوئی ایسی غلطی کرے، جس سے معنی بدل جاتے ہوں تو اسے متنبہ کرنا اور غلطی کی تصحیح کرنا ضروری ہے، اگر وہ قرأت کو صحیح کر لے تو الحمد للہ وگرنہ اس کی اقتداء میں نماز جائز نہ ہو گی اور انتظامیہ پر واجب ہو گا کہ ایسے امام کو معزول کر دیا جائے۔ وہ غلطی جس سے معنی میں تبدیلی آ جاتی ہو، کی مثال یہ ہے کہ جیسے ﴿أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ میں تا پر کسرہ یا ضمہ پڑھ لیا جائے یا ﴿إِنَّا لَكَ نَاعِبُونَ وَإِنَّا لَكَ نَسْتَعِينُ﴾ میں کس پر کسرہ پڑھ لیا جائے اور قرأت کی وہ غلطی جس سے معنی میں کوئی تبدیلی نہیں آتی اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے ”رب العالمین“ یا ”الرحمن“ کو فتح یا ضمہ کے ساتھ پڑھ لیا

جائے تو اس سے نماز میں کوئی خلل نہیں پڑتا۔^①

شیخ ابن باز

سگریٹ نوشی وغیرہ کرنے والے کی امامت

سوال بحث العلمیہ والا فناء کی فتویٰ کمیٹی کے سامنے وہ سوال آیا جو کہ عزت مآب جناب ڈائریکٹر جنرل کی خدمت میں کبار العلماء کمیٹی کے سیکرٹری کی طرف سے (حوالہ نمبر ۱۵۱/۲) پیش کیا گیا تھا اور جس کی عبارت یہ ہے:

”نماز کا وقت ہو گیا تھا اور میں نے باجماعت نماز پالی لیکن جب میں آگے بڑھا تو معلوم ہوا کہ امام ان لوگوں میں سے ہے، جو سگریٹ نوشی کرتے یا سوکھہ استعمال کرتے ہیں، جسے منطقہ جنوب میں ”شمہ“ کہا جاتا ہے یا درخت قات کے پتوں کو یا ان سب چیزوں کو استعمال کرتے ہیں۔ جب مجھے یہ معلوم ہوا تو میں نے اس امام کے ساتھ نماز ادا کرنے کی بجائے، انفرادی طور پر نماز پڑھ لی اور بعض نمازیوں نے مجھے کہا کہ تم نے یہ غلط کام کیا ہے۔ کیا یہ واقعی میری غلطی تھی اور یہ جائز تھا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ مل کر نماز ادا کرتا یا میرا الگ نماز پڑھنا درست تھا؟ اور یہ میں نے اجتہاد کی بنیاد پر ایسا کیا اور میں نے الحمد للہ، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے آج تک ان چیزوں میں سے کبھی بھی کوئی چیز استعمال نہیں کی تو کیا جو شخص ان چیزوں کے استعمال کا عادی ہے وہ لوگوں کا امام بن کر نماز پڑھا سکتا ہے؟“

جواب کمیٹی نے اس سوال کا حسب ذیل جواب دیا:

سگریٹ نوشی حرام ہے اور اس کے پینے پر اصرار اور دوام و ہمیشگی کرنا حرمت میں اور بھی اضافہ کر دیتا ہے کیونکہ یہ خبیث چیزوں میں سے ہے اور خبیث چیزوں کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبِيثَ﴾ (الأعراف/۷/۱۵۷)

”اور وہ ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں۔“

سگریٹ اور تمباکو نوشی مضر صحت ہے اور نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ» (سنن ابن ماجہ، کتاب الاحکام، باب من بنی فی حقہ ما یضر بجارہ، ج: ۲۳۴۰، ۲۳۴۱، ومسند احمد، ۱/۳۱۳، البیہقی، ۶/۶۹، ۷۰، ۴۵۷، ۱۰/۱۳)

یعنی ”کسی سے نقصان اٹھانے کسی کو نقصان پہنچانے۔“

جو شخص تمباکو نوشی میں مبتلا ہو، اسے امام بن کر نماز نہیں پڑھانی چاہئے الایہ کہ مقتدی بھی اسی کی طرح یا اس سے بڑھ کر تمباکو نوشی کرنے والے ہوں لیکن یہ واقعی تمہاری غلطی تھی، جو تم نے ان کے ساتھ نماز باجماعت ادا کرنے کی بجائے الگ نماز پڑھی کیونکہ پانچوں نمازوں کو باجماعت ادا کرنا فرض ہے جیسا کہ کتاب و سنت کے دلائل سے یہ ثابت ہے اور پھر جب تم نے امام کے تمباکو نوشی کی وجہ سے جماعت ترک کر دی، تو واجب تھا کہ کسی دوسری جماعت کے ساتھ شامل ہو کر نماز ادا کرتے اور اگر حالات ایسے تھے کہ کسی دوسری جماعت کے ملنے کی امید نہ تھی تو پھر اسی جماعت کے ساتھ نماز

① کمرہ سے مراد زیر ہے اور ضمہ سے مراد پیش ہے اور فتح سے مراد زیر ہے۔

ادا کر لیتے تاکہ فرض نماز باجماعت ادا ہوتی اور اولہ شرعیہ سے یہ ثابت ہے کہ گناہ گاروں کے پیچھے بھی نماز ہو جاتی ہے۔
 فتویٰ کمیٹی

ایسے امام کے پیچھے نماز جو قرأت اچھی نہ کرتا ہو

سوال فضیلۃ الشیخ کی اس امام کے بارے میں کیا رائے ہے، جو قرأت اچھی نہیں کرتا؟ کیا اس کے پیچھے نماز جائز ہے؟ یاد رہے ہماری بستی میں اس سے اچھی قرأت کرنے والا اور کوئی نہیں ہے ہاں البتہ ایام تعطیلات میں طلبہ جب اپنے گھروں میں واپس آتے ہیں، تو وہ یقیناً اس سے اچھی قرأت کرتے ہیں لیکن یہ اس مسجد کے مستقل امام ہیں۔ یہاں قریب ہی تحفیظ القرآن کا ایک مدرسہ بھی ہے لہذا میں نے کئی دفعہ ان سے کہا ہے کہ اس مدرسہ میں قرأت سیکھ لو لیکن انہوں نے میری بات پر عمل نہیں کیا، تو امید ہے اس مسئلہ میں رہنمائی فرمائیں گے؟

جواب اگر یہ امام قرأت میں ایسی غلطی نہیں کرتے کہ جس سے معنی میں تبدیلی آ جاتی ہو تو پھر ان کے پیچھے نماز ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں مثلاً اگر یہ ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ میں رب کی باء کو منصوب پڑھ لیں یا الرحمن الرحیم میں ن کو منصوب پڑھ لیں یا اسے مضموم پڑھ لیں، تو یہ غلطی نقصان دہ نہیں ہے لیکن اگر یہ قرأت میں ایسی غلطی کرے جس سے معنی میں تبدیلی آ جائے تو اس غلطی کو اس کے سامنے واضح کیا جائے، اسے سکھایا جائے اور پوری پوری توجہ دلائی جائے تاکہ اس کی قرأت صحیح ہو جائے اور اگر پڑھتے ہوئے اس طرح کی غلطی کر بیٹھے تو دوران نماز ہی اس کی تصحیح کر دی جائے، نیز مدرسہ تحفیظ القرآن میں داخلہ کی ترغیب دی جائے شاید اس سے ہی انہیں قرآن مجید صحیح طور پر پڑھنا آ جائے۔ واللہ المستعان۔

شیخ ابن باز

رباعی نماز کی تین رکعات پڑھ لیں

سوال جب چار رکعتوں والی نماز میں امام کو یہ شک ہو کہ معلوم نہیں اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار اور پھر وہ سلام پھیر دے اور سلام کے بعد بعض مقتدی بتائیں کہ انہوں نے تین رکعات پڑھی ہیں، تو اس حالت میں امام کیا چوتھی رکعت کے لئے تکبیر تحریمہ کہے گا یا فقط تکبیر تحریمہ کہے بغیر کھڑا ہو کر سورہ فاتحہ پڑھنی شروع کر دے گا؟ اس حالت میں سجدہ سو سلام سے پہلے ہو گا یا بعد میں؟

جواب جب امام یا منفرد کو چار رکعتوں والی نماز میں یہ شک ہو کہ اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار تو اس کے لئے واجب یہ ہے کہ یقین پر بنا کرے اور ظاہر ہے کہ وہ کم تعداد ہوگی لہذا اسے تین قرار دے کر چوتھی رکعت پڑھ لے اور پھر سلام سے پہلے سجدہ سو کرے جیسا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا شَكَّ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ فَلَمْ يَذَرْكُمْ صَلَّى ثَلَاثًا أَمْ أَرْبَعًا فَلْيَطْرَحِ الشَّكَّ وَلْيَبْنِ عَلَى الْيَقِينِ، ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يُسَلِّمَ، فَإِنْ كَانَ صَلَّى خَمْسًا شَفَعْنَ لَهُ صَلَاتَهُ وَإِنْ كَانَ صَلَّى إِتْمَامًا لِأَرْبَعٍ كَانَتْكَ تَرْغِيمًا لِلشَّيْطَانِ» (صحیح مسلم، کتاب المساجد فی

الصلوة والسجود له، ح: (۵۷۱)

”جب تم میں سے کسی کو نماز میں شک ہو اور معلوم نہ ہو کہ اس نے تین رکعات پڑھی ہیں یا چار تو وہ شک کو جھٹک دے اور یقین پر بنیاد رکھ لے اور پھر سلام سے پہلے دو سجدے کر لے، اگر اس نے پانچ رکعات پڑھ لی ہیں تو یہ سجدے اس کی نماز کو بھت بنا دیں گے اور اگر اس نے نماز پوری پڑھی ہے تو یہ شیطان کے لئے موجب رسوائی ہوں گے۔“

اگر امام تین رکعتوں کے بعد سلام پھیر دے اور سلام پھیرنے کے بعد امام کو متنبہ کیا جائے تو وہ نماز کی نیت کی تکبیر کہے بغیر اٹھ کھڑا ہو، چوتھی رکعت پڑھے، پھر تشہد کے لئے بیٹھ جائے، تشہد، رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر درود اور دعاء کے بعد سلام پھیر دے، پھر دو سجدے کر لے اور پھر سلام پھیر دے، ہر اس مسلمان کے حق میں یہی افضل صورت ہے جو بھولنے کی وجہ سے نماز میں کمی کر بیٹھے جیسا کہ نبی کریم ﷺ کے بارے میں بھی یہ ثابت ہے کہ آپ نے ظہر یا عصر کی نماز کی دو رکعات کے بعد سلام پھیر دیا اور جب زوالیدین نے اس سلسلہ میں عرض کیا تو آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر نماز کو مکمل فرمایا، پھر سلام پھیر دیا، پھر سجدہ سو کیا اور پھر سلام پھیر دیا۔^① اسی طرح نبی کریم ﷺ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ایک بار نماز عصر کی تین رکعات پڑھ کر سلام پھیر دیا، جب آپ کی توجہ اس جانب مبذول کروائی گئی تو آپ ﷺ نے چوتھی رکعت ادا فرمائی اور سلام پھیر دیا، پھر سجدہ سو کیا اور پھر سلام پھیر دیا۔^②

فتویٰ کمیٹی

جو شخص لوگوں کو بے وضو نماز پڑھاوے

سوال ایک شخص نے لوگوں کی ایک فرض نماز میں امامت کی اور جب وہ نماز سے فارغ ہو گیا اور نمازی بھی منتشر ہو گئے تو اسے یاد آیا کہ اس نے تو وضوء نہیں کیا ہوا تھا تو اس نے وضوء کے بعد اپنی نماز کو دوہرا لیا، تو کیا اس حالت میں مقتدیوں کی نماز صحیح ہوگی یا امام کے لئے لازم ہے کہ وہ سب مقتدیوں کو صحیح صورت حال سے آگاہ کرے؟ اور اگر اسے تمام مقتدیوں کی پہچان بھی نہ ہو تو پھر کیا کرے؟

جواب مقتدیوں کی نماز صحیح ہوگی البتہ امام کے لئے لازم ہو گا کہ وضوء کر کے نماز کو دوبارہ پڑھے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«لَا تُقْبَلُ صَلَاةٌ بِغَيْرِ طَهْوَرٍ» (صحیح مسلم، کتاب الطہارۃ، باب وجوب الطہارۃ للصلوة، ح: ۲۲۴)

”طہارت کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی۔“

شیخ ابن باز

① صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب السہو فی الصلوة والسجود له، ح: 573۔

② صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب السہو فی الصلوة، ح: 574۔

جب امام قرأت میں غلطی کرے

سوال جب امام جہری نماز میں قرأت کرتے ہوئے غلطی کرے مثلاً یہ کہ ایک آیت یا کسی آیت کا کوئی جز نہ پڑھے یا غلطی سے آیت کے کسی لفظ کو تبدیل کر دے تو کیا مقتدی امام کی اس نوعیت کی غلطی کی تصحیح کرے؟

جواب جب امام قرأت میں غلطی کرتے ہوئے ایک آیت کو چھوڑ دے یا الفاظ غلط پڑھے تو مقتدیوں کے لئے لازم ہے کہ امام کی تصحیح کریں اور اگر غلطی کا تعلق سورہ فاتحہ سے ہو تو پھر اس کی تصحیح کرنا مقتدیوں پر واجب ہے کیونکہ سورہ فاتحہ پڑھنا نماز کا رکن ہے ہاں البتہ اگر غلطی اس قسم کی ہو کہ اس سے معنی میں کوئی تبدیلی نہ آتی ہو مثلاً الرحمن یا الرحیم کو منسوب پڑھ لیا جائے تو اس صورت میں مقتدیوں کے لئے لقمہ دینا واجب نہیں ہے۔

شیخ ابن باز

جب امام قرأت میں غلطی کرے اور کوئی تصحیح کرنے والا بھی نہ ہو

سوال جب امام نماز میں قرآن مجید کی قرأت کر رہا ہو اور پھر وہ آیت کا آخری حصہ بھول جائے اور نمازیوں میں سے بھی کوئی رہنمائی کرنے والا نہ ہو تو کیا وہ تکبیر کہہ کر رکوع میں چلا جائے یا کوئی دوسری سورہ پڑھنی شروع کر دے؟

جواب اس صورت میں اسے اختیار ہے کہ اگر چاہے تو اللہ اکبر کہہ کر قرأت کو ختم کر دے اور اگر چاہے تو کسی دوسری سورہ کی ایک یا چند آیات پڑھ لے جیسا کہ اس نماز سے متعلق سنت مطہرہ کا تقاضا ہو بشرطیکہ اس بھول کا تعلق سورہ فاتحہ سے نہ ہو اور اگر اس کا تعلق سورہ فاتحہ سے ہو تو مکمل سورہ فاتحہ کی قرأت واجب ہے کیونکہ سورہ فاتحہ کی قرأت نماز کا رکن ہے۔ واللہ ولی التوفیق

شیخ ابن باز

سلسلہ البول کے مریض کی امامت

سوال کیا سلسلہ البول کے مریض کے لئے نماز کی امامت کروانا جائز ہے؟ کیا اس کے لئے جرابوں پر مسح کرنا جائز ہے اور وہ مدت مسح کو کس طرح مکمل کرے گا؟

جواب سلسلہ البول کے مریض کے لئے امامت کروانا جائز نہیں، خواہ مقتدی بھی اسی کی طرح کے مریض ہوں کیونکہ اس مرض میں طہارت کاملہ مفقود ہوتی ہے۔ سلسلہ البول کا مریض مسجد میں نماز باجماعت پڑھ سکتا ہے بشرطیکہ یہ اندیشہ نہ ہو کہ وہ مسجد کو ناپاک کر دے گا، اسے موزوں اور جرابوں پر مسح کرنے کی اجازت ہے!

شیخ ابن جبرین

مسافر کی نماز

مسافر امام کا مقیم لوگوں کو نماز پڑھانا

سوال کیا مسافر امام کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ مقیم لوگوں کو نماز پڑھائے؟ اور امام کے نماز کو قصر کرنے اور جمع کر کے پڑھنے کی صورت میں مقتدی کس طرح کریں گے؟

جواب اگر مسافر امامت کا اہل ہو تو وہ مقیم لوگوں کو نماز پڑھا سکتا ہے۔ جب نماز ایسی ہو جس میں مسافر کو قصر کی رخصت ہو اور امام اس رخصت سے فائدہ اٹھائے تو مقتدی امام کے فارغ ہونے کے بعد اپنی نماز کو پورا کر لیں اور وہ نماز جس میں مسافر کو جمع کی اجازت ہو تو وہ جمع کر لے گا، مقتدی اپنی نمازوں کو جمع نہیں کریں گے کیونکہ جمع کرنے کی رخصت تو صرف مسافر کے لئے ہے، مقیم مقتدیوں کے لئے نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ آپ جب مکہ مکرمہ میں تشریف لاتے تو دو رکعات پڑھاتے اور پھر فرماتے:

«يَا أَهْلَ مَكَّةَ اَتَمُّوْا صَلَاتِكُمْ فَاِنَّا قَوْمٌ سَفَرٌ» (رواه مالك في الموطأ، كتاب الحج، باب صلاة منى، ح: ۲۰۲، ۲۰۳)

”اے مکہ والو! تم اپنی نماز کو مکمل کر لو، ہم تو مسافر لوگ ہیں۔“

فتویٰ کمیٹی

قصر کے بغیر جمع کرنا

سوال کیا مسافر کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ نمازوں میں قصر تو کرے لیکن جمع کر کے نہ پڑھے یا جمع تو کرے لیکن قصر نہ کرے؟

جواب ہاں یہ جائز ہے البتہ مسافر کے لئے قصر کرنا پوری نماز پڑھنے سے افضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرماتا ہے کہ اس کی عطا کردہ رخصتوں کو قبول کر لیا جائے، جس طرح وہ اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کے مقرر کردہ واجبات و فرائض پر عمل کیا جائے، اسی طرح مذکورہ بالا سبب کے پیش نظر مسافر کے لئے حالت سفر میں نمازوں کو جمع کرنا افضل ہے۔

فتویٰ کمیٹی

مقیم کی امامت میں مسافر کی نماز

سوال کیا مسافر کے لئے مقیم امام کی اقتداء جائز ہے؟ کیا اس کے لئے یہ جائز ہے کہ مقیم امام کے ساتھ نماز سے فراغت کے بعد اس نماز کو جمع بھی کرے، جس کا جمع کرنا اس کے الگ پڑھنے یا اپنے جیسے مسافروں کے ساتھ مل کر پڑھنے کی صورت میں جائز ہو؟

جواب مسافر کے لئے مقیم امام کی اقتداء میں نماز پڑھنا جائز ہے اور اس صورت میں اس کے لئے امام کے سلام پھیرنے تک متابعت لازم ہوگی یعنی اگر امام چار رکعتوں والی نماز پڑھا رہا ہو تو اس صورت میں مسافر مقتدی کے لئے قصر جائز نہ ہو گی بلکہ اسے امام کی اقتداء کرتے ہوئے چار رکعتیں ہی پڑھنا ہوں گی کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آپ سے پوچھا گیا:

«مَا بَالُ الْمَسَافِرِ يُصَلُّونَ رَكَعَتَيْنِ إِذَا انْفَرَدَ وَأَرْبَعًا إِذَا أَنْتَمَّ بِمَقِيمٍ؟ فَقَالَ: تِلْكَ السُّنَّةُ»

”کیا بات ہے کہ مسافر جب الگ پڑھتا ہے تو دو رکعات لیکن جب وہ مقیم امام کی اقتداء میں پڑھتا ہے تو چار رکعتیں پڑھتا ہے؟“ آپ نے فرمایا ”سنت یہی ہے“

اور ایک دوسری روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ:

«تِلْكَ سُنَّةُ أَبِي الْقَاسِمِ»

”یہ ابوالقاسم رضی اللہ عنہ کی سنت ہے۔“

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ”تلیخ الحیمر“ میں ذکر فرمایا اور اس پر کوئی کلام نہیں کیا بلکہ فرمایا ہے کہ اس حدیث کا اصل مسلم اور نسائی میں ہے۔ نماز سے فراغت کے بعد مسافر اس نماز کو جمع کر سکتا ہے جس کا جمع کرنا جائز ہو خواہ وہ انفرادی طور پر جمع کرے یا مسافروں کی جماعت کے ساتھ!

فتویٰ کمیٹی

مسافروں کی مستقل امام کے پیچھے نماز

سوال کیا افضل یہ ہے کہ مسافر مستقل امام کی اقتداء میں نماز ظہر مسجد میں ادا کریں اور پھر اپنی عصر کی نماز جمع کر لیں یا افضل یہ ہے کہ وہ امام کا انتظار نہ کریں اور مسافر اپنی ظہر اور عصر کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھ لیں؟

جواب اگر مستقل امام کا انتظار ان کے لئے گراں نہ ہو تو افضل یہ ہے کہ مستقل امام کے ساتھ مسجد میں نماز ادا کریں کیونکہ اس طرح کثرت اجتماع اور انتظار جو کہ نماز ہی کی ایک قسم ہے، کی وجہ سے انہیں زیادہ اجر و ثواب ملے گا اور اگر امام راتب کا انتظار گراں ہو تو مسافروں کو اجازت ہے کہ وہ اپنی نمازوں کو قصر و جمع کی رخصتوں کے ساتھ ادا کر لیں۔

فتویٰ کمیٹی

دوسرے ملکوں میں مقیم فوجیوں کے لئے قصر و جمع کا حکم

سوال مسلح افواج کے وہ سپاہی جو اپنے وطن کے علاوہ کسی دوسرے ملک میں مقیم ہوں کیا ان کے لئے بھی قصر و جمع جائز ہے؟ جو شخص کسی ملک کے دار الحکومت سے اپنے کام کی جگہ پر جانے کے لئے روزانہ ایک سو تیس کلومیٹر سفر کرتا ہو، تو کیا وہ روزانہ اس سفر پر آتے جاتے جمع و قصر کر سکتا ہے؟

جواب اگر ان کی اقامت کی نیت چار دنوں سے زیادہ کی ہو تو پھر انہیں نماز پوری پڑھنی ہوگی اور جمع بھی نہیں کر سکتے کیونکہ سفر کی رخصتیں اس شرط کے ساتھ مشروط ہیں کہ مدت اقامت چار دن سے زیادہ نہ ہو اور اگر وہاں اقامت نہ ہو یا

اقامت تو ہو لیکن وہ چار دن یا اس سے کم مدت کے لئے ہو تو پھر مشہور مذہب کے مطابق وہ قصر اور جمع کر سکتے ہیں۔ اس سوال کی دوسری شق کا جواب یہ ہے کہ جب تک ان کی رہائش گاہ اس ملک کے دارالحکومت میں سے ہے تو ان کے لئے دارالحکومت میں قصر اور جمع کرنا جائز نہیں اور جب وہ دارالحکومت کو چھوڑ کر اپنے کام کی جگہ یا کسی اور ایسی جگہ جائیں کہ مسافت اسی کلو میٹر سے زیادہ ہو تو وہ سفر کی رخصتوں کو اختیار کر سکتے ہیں حتیٰ کہ اپنی رہائش گاہ پر واپس آجائیں۔ جمع و قصر کا تعلق بھی سفر کی رخصتوں میں سے ہے، ہاں یہ اس صورت میں ہے، جب وہاں چار دن سے زیادہ اقامت کی نیت نہ ہو اور اگر ایسی نیت ہو تو پھر جمع و قصر جائز نہیں۔

فقہی کمیٹی

اندرون شہر مسافر کے لئے جمع و قصر کا حکم

سوال جب میں مسافر ہوں اور اس شہر میں سکونت پذیر جس کی طرف تین یا چار یا اس سے کم و پیش دن رہنے کے لئے سفر کر کے گیا ہوں اور میں ظہر کے وقت مسجد میں گیا اور جماعت کے ساتھ ظہر کی چار رکعتیں ادا کیں، پھر میں نے اکیلے کھڑے ہو کر نماز عصر قصر کی صورت میں ادا کر لی تو کیا میرا یہ عمل جائز ہے؟ کیا میرے لئے یہ جائز ہے کہ میں اپنی رہائش گاہ پر نمازوں کو جمع اور قصر کے ساتھ ادا کرتا رہوں جبکہ میرا قیام اندرون شہر ہو جہاں مسجدیں بھی بہت ہوں، میں اذان کی آواز بھی سنوں لیکن مسافر ہونے کی بنیاد پر رہائش گاہ پر ہی نمازوں کو ادا کرتا رہوں؟

جواب جس مسافر کا کسی شہر میں چار دن سے زیادہ اقامت کا ارادہ ہو تو جمہور اہل علم کے نزدیک اس کے لئے پوری نماز پڑھنا واجب ہے اور اگر اس سے کم مدت کی اقامت کا ارادہ ہو تو پھر قصر افضل ہے اور اگر پوری نماز بھی پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں اور اگر مسافر اکیلا ہو تو اسے اکیلے ہی نماز قصر نہیں پڑھنی چاہئے بلکہ اس کے لئے واجب یہ ہے کہ باجماعت پوری نماز ادا کرے جیسا کہ ان احادیث سے ثابت ہے جو جماعت کے وجوب پر دلالت کنال ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مسافر کے لئے سنت یہ ہے کہ جب وہ امام مقیم کے ساتھ نماز ادا کرے تو چار رکعتیں پڑھے ^① کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے عموم کا بھی یہی تقاضا ہے کہ:

«إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَلَا تَخْتَلِفُوا عَلَيْهِ» (صحیح بخاری، کتاب الاذان باب إقامة الصف من

تمام الصلاة، ح: ۷۲۲، صحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب التشهد في الصلاة، ح: ۴۰۴، ۴۱۱)

”امام اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے لہذا امام سے اختلاف نہ کرو۔“

شیخ ابن باز

سفر میں نماز جمع کرنا

سوال بعض لوگ جب ریاض سے حرج کا سفر کرتے ہیں جو اسی کلو میٹر کے قریب فاصلہ بنتا ہے، تو وہ راستے میں نماز جمع کر کے پڑھتے ہیں، کیا ان کا یہ فعل صحیح ہے؟

① صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرين، باب صلاة المسافرين و قصرها، ح: 687-

جواب ہاں مسافر کو اجازت ہے، وہ نماز جمع کر کے بھی پڑھ سکتا ہے اور ہر نماز کو اپنے وقت پر بھی لیکن مسافر جب اقامت اختیار کرے تو پھر ہر نماز کو اس کے وقت پر ادا کرنا افضل ہے جس طرح نبی کریم ﷺ حجۃ الوداع کے موقع پر ہر نماز کو منیٰ میں اس کے وقت پر ادا فرماتے رہے۔

شیخ ابن باز

سو کلو میٹر کی مسافت کا سفر

سوال جب انسان ایک سو کلو میٹر تک کا سفر کر کے کسی دوسرے شہر میں جائے تو کیا وہ نماز کو جمع اور قصر کے ساتھ ادا کر سکتا ہے؟

جواب جب انسان اپنے شہر سے سفر کر کے ایک سو کلو میٹر یا اس کے قریب قریب مسافت طے کرے تو وہ احکام سفر مثلاً قصر، انظار، جمع بین الصلاتین اور موزوں پر تین دن تک مسح پر عمل کر سکتا ہے کیونکہ یہ مسافت سفر شمار ہوتی ہے، اسی طرح اگر اس نے اسی کلو میٹر کے قریب سفر کیا تو جمہور اہل علم کے نزدیک یہ بھی مسافت قصر شمار ہوتی ہے۔

شیخ ابن باز

کیا دو سال کی مدت تک قیام کرنے والا مسافر قصر کرے؟

سوال میرے اور ایک عرب دوست کے درمیان نماز قصر کرنے کے بارے میں جھگڑا ہوا صورت حال یہ ہے کہ ہم آج کل امریکہ میں قیام پذیر ہیں اور ممکن ہے کہ دو سال تک یہ قیام رہے میں تو نماز پوری پڑھتا ہوں گویا اب اپنے ہی ملک میں ہوں جب کہ میرا دوست نماز قصر پڑھتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تو مسافر ہوں خواہ سفر کی مدت دو سال تک طویل کیوں نہ ہو۔ امید ہے آپ ہمارے اس قصر نماز کے مسئلہ میں دلیل کے ساتھ رہنمائی فرمائیں گے؟

جواب اصل یہ ہے کہ مسافر وہ ہے جسے رہائی نماز قصر کرنے کی رخصت ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ﴾ (النساء/ ۱۰۱)

”اور جب تم سفر کو جاؤ تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ نماز کو کم کر کے پڑھو۔“

اور یعلیٰ بن امیہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ ارشاد باری تعالیٰ تو یہ ہے کہ:

﴿فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ (النساء/ ۱۰۱)

”تم پر کچھ گناہ نہیں کہ نماز کو کم کر کے پڑھو بشرطیکہ تم کو خوف ہو کہ کافر لوگ تم کو ایذا دیں گے۔“

تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے بھی اس سے تعجب ہوا جس سے آپ کو تعجب ہوا ہے تو میں نے اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا تو آپ نے فرمایا:

«هِيَ صَدَقَةٌ تَصَدَّقُ اللَّهُ بِهَا عَلَيْكُمْ فَأَقْبَلُوا صَدَقَتَهُ» (صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرين

وقصرها، باب صلاة المسافرين وقصرها، ح: ۶۸۶)

”یہ اللہ تعالیٰ نے تم پر صدقہ فرمایا ہے لہذا اللہ تعالیٰ کے اس صدقہ کو قبول کر لو۔“

اور بالفعل اسے مسافر کے حکم میں شمار کیا جائے گا جو چار دن راتیں یا اس سے کم مدت کے لئے قیام کرے جیسا کہ حدیث جابر و ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چار ذوالحجہ کی صبح کو مکہ مکرمہ میں تشریف لائے اور آپ نے ذوالحجہ کی چار پانچ چھ اور سات تاریخ کو مکہ ہی میں قیام فرمایا اور پھر آٹھ تاریخ کو صبح کی نماز اہل بیت میں ادا فرمائی، ان تمام دنوں میں آپ نے نماز قصر پڑھی اور یہاں آپ کی اقامت کی نیت تھی جیسا کہ معلوم ہے لہذا ہر وہ شخص جو مسافر ہو اور اس کی اتنی مدت اقامت کی نیت ہو جتنی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی یا اس سے کم مدت کی نیت ہو تو وہ نماز قصر پڑھ سکتا ہے اور اگر نیت اس سے زیادہ اقامت کی ہو تو وہ پوری نماز پڑھے گا کیونکہ وہ مسافر کے حکم میں نہ ہوگا۔

جو شخص اپنے سفر میں چار دن سے زیادہ اقامت تو اختیار کر لے لیکن اس کی اقامت کی نیت نہ ہو بلکہ ارادہ یہ ہو کہ جوں ہی اس کی ضرورت پوری ہو گئی وہ واپس لوٹ جائے گا مثلاً کوئی شخص دشمن سے جہاد کے لئے کسی جگہ مقیم ہو یا کسی کو بادشاہ نے روک لیا ہو یا کوئی کسی مرض کی وجہ سے رکنے پر مجبور ہو گیا ہو اور نیت یہ ہو کہ جو نبی جہاد کا مرحلہ فتح و نصرت یا صلح کی شکل میں مکمل ہو گیا یا جوں ہی اس نے مرض یا دشمن یا بادشاہ یا اپنے سامان تجارت کی فروخت سے فراغت پالی تو وہ واپس لوٹ جائے گا تو اس صورت میں اسے مسافر سمجھا جائے گا اور اسے رباعی نماز کے قصر کی اجازت ہوگی خواہ یہ مدت کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو جائے کیونکہ حدیث سے یہ ثابت ہے کہ فتح مکہ کے سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں انیس دن قیام فرمایا اور ان دنوں میں آپ نماز قصر ادا فرماتے رہے۔ اسی طرح عیسائیوں سے جہاد کے لئے آپ نے تبوک میں بیس دن قیام فرمایا اور ان دنوں میں بھی آپ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز قصر ادا فرمائی کیونکہ آپ کی اقامت کی باقاعدہ نیت نہ تھی بلکہ نیت یہ تھی کہ جوں ہی ضرورت پوری ہو گئی، آپ سفر شروع فرمادیں گے!

فتویٰ کمیٹی

مقیم طالب علم کے لئے تعلیمی پیریڈ کی وجہ سے نمازوں کو جمع کرنا

سوال کیا ہمارے لئے دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا جائز ہے جب کہ ہم شہر میں مقیم ہیں اور تعلیمی ادارے میں زیر تعلیم ہونے کی وجہ سے پیریڈ کو چھوڑ کر جانا ممکن نہیں؟ اور کیا یہ جائز ہے کہ ہم اس حدیث کو دلیل بنالیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں سفر، بارش اور بیماری وغیرہ کے عذر کے بغیر بھی نماز جمع کر کے پڑھی ہے یا ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ پیریڈ کو چھوڑ کر نماز کے لئے مسجد میں چلے جائیں؟

جواب آپ کے لئے ضروری یہ ہے کہ پانچوں فرض نمازوں کو ان کے اوقات میں ادا کریں۔ پڑھائی کو ایسا عذر قرار نہیں دیا جاسکتا کہ جس کی وجہ سے نماز مؤخر کر کے پڑھنے کی اجازت ہو۔ جس حدیث کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متواتر اور مسلسل عمل کے خلاف ہے لہذا ضروری ہے کہ تعلیمی اوقات کو اس طرح ترتیب دو کہ نماز کو ان کے اوقات میں ادا کرنا ممکن ہو۔

فتویٰ کمیٹی

حاجی کے لئے نماز قصر کرنے کا حکم

حاجی کے لئے نماز قصر کرنے کا کیا حکم ہے جب مکہ مکرمہ میں چار دن سے زیادہ اقامت ہو؟

سوال

جب حاجی کی مکہ مکرمہ میں اقامت چار دن یا اس سے کم مدت کے لئے ہو تو اس کے لئے سنت یہ ہے کہ چار رکعتوں والی نماز کی دو رکعت پڑھے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا حجۃ الوداع میں یہی عمل تھا اور اگر ارادہ چار دن سے زیادہ قیام کا ہو تو احتیاط یہ ہے کہ وہ نماز قصر کرنے کی بجائے پوری پڑھے اکثر اہل علم کا یہی قول ہے۔

جواب

شیخ ابن باز

جنگل میں نماز قصر کرنا

ہم لوگ جماعت کی صورت میں جنگل میں گئے تو کیا ہمارے لئے نماز کو قصر اور جمع کی صورت میں ادا کرنا جائز تھا؟

سوال

جب آپ لوگ جنگل میں اس قدر دور چلے جائیں کہ وہ سفر شمار ہو تو جمع اور قصر کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے بلکہ قصر کرنا پوری نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ قصر کے معنی یہ ہیں کہ ظہر، عصر اور عشاء کی نمازوں کی دو دو رکعت پڑھی جائیں، باقی رہی جمع تو اس کی رخصت ہے کہ جو چاہے ظہر و عصر کو اور مغرب و عشاء کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھ لے اور جو چاہے ان نمازوں کو الگ الگ پڑھے۔ اور اگر مسافر نے اقامت اختیار کر رکھی ہو اور وہ ہشاش بشاش بھی ہو تو افضل یہ ہے کہ جمع کو ترک کر دیا جائے کیونکہ نبی ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ میں مدت اقامت کے دوران نمازوں کو قصر تو کیا لیکن جمع نہیں کیا ہاں البتہ ضرورت کے پیش نظر عرفہ اور مزدلفہ میں جمع کر کے بھی نمازوں کو پڑھا ہے اور جب مسافر کسی جگہ چار دن سے زیادہ اقامت کا ارادہ کرے تو پھر احتیاط اس میں ہے کہ وہ قصر نہ کرے بلکہ رباعی نمازوں کی چار چار رکعت ہی پڑھے، اکثر اہل علم کا یہی قول ہے لیکن اگر اقامت چار دن یا اس سے کم مدت کے لئے ہو تو پھر قصر کرنا افضل ہے۔ (واللہ ولی التوفیق)

جواب

شیخ ابن باز

متروکہ نمازوں کی جلد قضاء دو

میں نے سعودیہ سے باہر کا سفر کیا اور ایک ایسے ملک میں گیا جو اسلامی ملک نہیں ہے لیکن میری خواہش تھی کہ میں وہاں بھی نماز ادا کرتا رہوں البتہ سعودیہ سے وقت مختلف ہونے کی وجہ سے اور قبلہ رخ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے میری کئی نمازیں رہ گئیں تو کیا میں ان فوت شدہ نمازوں کو پڑھوں؟

سوال

ہاں ان فوت شدہ نمازوں کی جلد قضاء دو کیونکہ جو سبب آپ نے بیان کیا ہے یہ ترک نماز کے لئے جواز نہیں بن سکتا، آپ کے لئے ممکن تھا کہ قبلہ رخ کا اندازے سے یا قبلہ نما سے تعین کر لیتے، وقت کا آپ تقویم سے حساب معلوم کر سکتے تھے، رات دن سے یا گھڑی سے دونوں وقتوں کے فرق کو بھی معلوم کر سکتے تھے اور جب آپ نے ایسا نہیں کیا تو ان متروکہ نمازوں کی فوراً اور مسلسل قضاء دے لیں خواہ تمام نمازوں کو اکٹھا ایک یا دو گھنٹوں میں ادا کر لیں۔ واللہ اعلم۔

جواب

شیخ ابن جبرین

جب مقیم، مسافر کے پیچھے نماز پڑھے

سوال جب کوئی انسان سفر میں ہو اور وہ نماز ظہر یا جماعت ادا کرنا چاہے اور ایک ایسے شخص کو پائے جس نے نماز ظہر پڑھ لی ہے اور وہ مقیم ہے تو کیا یہ مقیم مسافر کے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے؟ نیز کیا یہ مسافر کے ساتھ قصر کرے گا یا پوری نماز پڑھے گا؟

جواب جب مقیم مسافر کے پیچھے جماعت کے ثواب کے حصول کی خاطر نماز پڑھے اور وہ اپنی فرض نماز پہلے پڑھ چکا ہو تو وہ مسافر کے ساتھ دو رکعات ہی پڑھے گا کیونکہ مقیم کے لئے یہ نماز نفل ہوگی۔ اور اگر مقیم، مسافر امام کے پیچھے ظہر، عصر یا عشاء کے فرض پڑھے تو پھر اسے چار رکعتیں پڑھنا ہوں گی لہذا مسافر امام جب دو رکعات کے بعد سلام پھیر دے تو اسے دو رکعات اور پڑھ کر اپنی نماز کو مکمل کرنا ہو گا اور اگر مسافر مقیم امام کے پیچھے فرض نماز ادا کرے تو علماء کے صحیح قول کے مطابق اس صورت میں مسافر کو بھی پوری نماز پڑھنا ہوگی کیونکہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایت بیان کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ مسافر مقیم امام کے ساتھ چار رکعتیں پڑھیں لیکن اپنے مسافر ساتھیوں کے ساتھ دو رکعات پڑھتا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ سنت یہی ہے۔^① اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے عموم کا تقاضا بھی یہی ہے کہ:

«إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَلَا تَخْتَلَفُوا عَلَيْهِ» (صحیح بخاری، کتاب الاذان باب إقامة الصف من

تمام الصلاة، ح: ۷۲۲، وصحیح مسلم، کتاب الصلاة، باب التثنية في الصلاة، ح: ۴۰۴، ۴۱۱)

”امام تو اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے لہذا امام سے اختلاف نہ کرو۔“

فتویٰ کمیٹی

سفر میں سنن مؤکدہ

سوال کیا سفر میں سنن مؤکدہ ساقط ہو جاتی ہیں، اس کی دلیل کیا ہے؟

جواب حکم شریعت یہ ہے کہ سفر میں وتر اور صبح کی سنتوں کے سوا دیگر تمام سنن مؤکدہ کو ترک کر دیا جائے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ سے مروی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں وتر اور صبح کی سنتوں کے سوا دیگر سنن مؤکدہ کو ترک فرما دیا کرتے تھے ہاں البتہ نوافل، سفر ہو یا حضر پڑھے جاسکتے ہیں، اسی طرح وہ نمازیں جن کے مخصوص اسباب ہیں، انہیں بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ مثلاً سنت وضو، سنت طواف، نماز تہنّیٰ اور رات کی نماز تہجد کیونکہ ان نمازوں کا سفر میں بھی پڑھنا احادیث سے ثابت ہے۔ (واللہ ولی التوفیق)

شیخ ابن باز

ہوائی جہاز میں نماز

سوال جب میں ہوائی جہاز میں محو پرواز ہوں اور نماز کا وقت ہو جائے تو کیا طیارہ میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب جب نماز کا وقت ہو جائے اور طیارہ محو پرواز ہو اور کسی ایئر پورٹ پر طیارہ کے اترنے سے قبل نماز کے وقت کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہو تو اہل علم کا اجماع ہے کہ نماز کو وقت پر بقدر استطاعت رکوع، سجود اور استقبال قبلہ کے ساتھ ادا کرنا واجب ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَأَنْقُضُوا لِلَّهِ مَا أَسْطَعْتُمْ﴾ (التغابن ۱۶/۶۴)

”سو جہاں تک ہو سکے تم اللہ سے ڈرو۔“

اور نبی ﷺ نے بھی فرمایا ہے کہ:

«إِذَا أَمَرَ نَفْسُكَ بِأَمْرٍ فَأَتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ» (صحیح مسلم، کتاب الحج، باب الحج مرة في العمر،

ح: ۱۳۳۷، ومسند احمد، ۲/۲، ۵۰۸)

”جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو مقدور بھر اس کی اطاعت بجالاؤ۔“

اگر یہ معلوم ہو کہ طیارہ نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے ایئر پورٹ پر اتر جائے گا یا نماز ایسی ہو کہ اسے جمع کر کے پڑھا جاسکتا ہو مثلاً ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو یکجا کر کے پڑھا جاسکتا ہے اور معلوم ہو کہ طیارہ ان میں سے دوسری نماز کے وقت کے ختم ہونے سے پہلے ایئر پورٹ پر اتر جائے گا اور دونوں نمازوں کے پڑھنے کے لئے کافی وقت مل جائے گا تو پھر بھی جمہور اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ انہیں طیارے میں ادا کرنا جائز ہے کہ حکم یہ ہے کہ جو نبی نماز کا وقت شروع ہو جائے، مقدور بھر کوشش کے مطابق اسے ادا کیا جائے جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے اور اس مسئلہ میں یہی قول درست ہے۔ (وباللہ التوفیق)

فتویٰ کمیٹی

سفر میں چار قسم کی رخصت ہے

سفر میں کیا کیا رخصت ہے؟

سوال

سفر میں چار قسم کی رخصت ہے:

جواب

• چار رکعتوں والی نماز کی صرف دو رکعات ہیں۔

• رمضان کا روزہ نہ رکھا جائے اور پھر ایام سفر کی گنتی کے مطابق روزے بعد میں رکھ لئے جائیں۔

• موزوں پر صبح شروع کرنے کے وقت سے لے کر تین دن اور تین راتوں تک صبح کر لیا جائے۔

• ظہر، مغرب اور عشاء کی سنن مؤکدہ ساقط ہو جاتی ہیں البتہ صبح کی سنتوں اور دیگر نفلوں کا پڑھنا مستحب ہے۔

یعنی مسافر رات کی نماز، سنت، فجر، صبح کی دو رکعات، سنت وضو، مسجد میں داخل ہونے کے وقت کی دو رکعات اور سفر سے واپسی کے موقعہ کی دو رکعات پڑھ سکتا ہے۔ سنت یہ ہے کہ آدمی جب سفر سے واپس آئے تو گھر میں آنے سے پہلے مسجد میں آئے اور اللہ کے گھر میں دو رکعات پڑھے۔ نماز کے ساتھ مسافر دیگر نوافل تو ادا کر سکتا ہے لیکن جیسا کہ میں نے کہا اس نے ظہر، مغرب اور عشاء کی سنن مؤکدہ کو ادا نہیں کرنا کیونکہ نبی ﷺ ان تینوں نمازوں کی سنن مؤکدہ کو ادا نہیں فرمایا کرتے تھے۔

شیخ ابن عثیمین

ہوائی جہاز میں نماز

سوال

جب طیارہ فضا میں ہو اور نماز کا وقت ہو جائے تو کیا طیارہ میں نماز جائز ہے؟

جواب

جب نماز کے وقت کے ختم ہو جانے کا اندیشہ ہو مثلاً یہ کہ صبح کی نماز پڑھنے سے پہلے سورج کے طلوع اور نماز عصر پڑھنے سے پہلے سورج کے غروب ہونے کا اندیشہ ہو تو طیارہ میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ اگر طیارہ میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی جگہ ہو تو کھڑا ہو کر پڑھے اور رکوع و سجود بھی اسی طرح کرے گویا وہ زمین پر کھڑا ہو کر نماز پڑھ رہا ہے اور اگر ایسی کوئی جگہ نہ ہو تو اپنی نشست پر بیٹھے بیٹھے اشارہ سے نماز پڑھ لے اور سجدہ میں رکوع کی نسبت زیادہ سر جھکائے اور اگر نماز ایسی ہو جسے جمع کر کے پڑھا جاسکتا ہو تو اسے دوسری نماز کے ساتھ جمع کر کے طیارہ سے اترنے کے بعد پڑھ لے لیکن اگر یہ خدشہ ہو کہ طیارہ کے اترنے سے پہلے دونوں نمازوں کا وقت ختم ہو جائے گا مثلاً ظہر اور عصر کی نماز کے پڑھنے سے پہلے سورج غروب ہو جائے یا مغرب اور عشاء کی نمازوں کے پڑھنے سے پہلے فجر طلوع ہو جائے گی تو پھر ان نمازوں کو مؤخر کرنا جائز نہیں بلکہ ان کو طیارہ کے اندر ہی، خواہ اشارہ کے ساتھ، وقت پر ادا کرنا چاہئے۔

شیخ ابن جبرین

کیا ریاض سے خرچ جانا سفر شمار ہو گا؟

سوال

کیا ریاض سے خرچ تک کے سفر میں مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا جائز ہے جب کہ ان دونوں شہروں کے مابین قریباً اسی (۸۰) کلومیٹر کا فاصلہ ہے؟

جواب

ریاض سے خرچ جانا بلاشک و شبہ سفر ہے کیونکہ ان دونوں شہروں کے مابین طویل مسافت ہے اور پھر یہ دونوں شہر الگ اور مستقل ہیں، ان میں سے ایک دوسرے کی طرف منسوب بھی نہیں ہے لیکن اگر یہ آمد و رفت صرف اس قدر ہو کہ ضرورت کو پورا کیا اور پھر اسی دن واپسی ہو گئی تو ظاہر ہے کہ اسے سفر شمار نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس کے لئے سامان سفر تیار ہی نہیں کیا گیا جیسا کہ بہت سے لوگ شادی کی تقریب یا کسی دعوت وغیرہ میں شرکت کے لئے جاتے اور اسی دن واپس لوٹ آتے ہیں تو لوگ اسے سفر شمار نہیں کرتے لیکن جو لوگ سفر کا اندازہ مسافت کے ساتھ کرتے ہیں، ان کے نزدیک اگر سفر تراسی (۸۳) کلومیٹر سے زیادہ ہو تو وہ سفر ہے خواہ آدی اسی دن واپس لوٹ آئے۔

شیخ ابن عثیمین

وہ مسافت جس میں نماز قصر کی جاسکتی ہے!

سوال

کتنی مسافت ہو تو مسافر کے لئے فرض نماز قصر کرنا جائز ہے؟

جواب

وہ مسافت جس میں نماز قصر کرنا جائز ہے حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ:

﴿وَلِذَا صَرَيْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلْيَسَّ عَلَيْكُمْ جُنَاحُ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنَّ خِفَتِكُمْ أَنْ يَفِيئَكُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾

(النساء/۴/۱۰۱)

”اور جب تم سفر کو جاؤ تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ نماز کو کم کر کے پڑھو بشرطیکہ تم کو خوف ہو کہ کافر لوگ تم کو

ایذاء دیں گے۔“

مطلق ہے اور اس کی کوئی تعیین نہیں کی گئی ہے کہ یہ مسافت طویل ہو یا قصیر لہذا بعض اہل علم کا یہ قول ہے کہ ہر وہ مسافت جسے عرف میں سفر کہا جاسکتا ہو اس میں نماز قصر کی جاسکتی ہے کیونکہ کتاب و سنت میں لفظ ضرب (زمین میں سفر کرنا) مطلقاً استعمال ہوا ہے جب کہ اہل علم کی ایک جماعت نے اس کی اس طرح حد بندی بھی کی ہے کہ جب مسافت درمیانے درجہ کے دو دن کی ہو یعنی قریباً اسی (۸۰) کلو میٹر ہو تو پھر قصر کرنی چاہئے لیکن زیادہ صحیح پہلا قول ہے کہ معین مسافت کی حد بندی مقرر نہیں بلکہ جسے عرفاً سفر کہا جائے، اس میں نماز قصر کرنا جائز ہے۔

فتویٰ کمیٹی

سفر سے پہلے اپنے ہی شہر میں قصر اور جمع کرنا

کیا مسافر کے لئے یہ جائز ہے کہ اپنے شہر کو چھوڑنے سے پہلے دو نمازوں کو قصر اور جمع کے ساتھ ادا کرے؟

سوال

مسافر کے لئے اپنے شہر میں نماز قصر کرنا حلال نہیں ہے بلکہ قصر کے لئے سفر شرط ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

جواب

”اور جب تم سفر کو جاؤ تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ نماز کو کم کر کے پڑھو۔“

اور آدمی زمین میں سفر کرنے والا اسی وقت کمائے گا جب وہ اپنے شہر سے باہر نکل پڑے گا ہاں البتہ اگر یہ خدشہ ہو کہ سفر میں دوسری نماز کا پڑھنا ممکن نہ ہو گا تو وہ جمع تقدیم کی صورت میں پہلی نماز کے ساتھ پڑھ سکتا ہے، خواہ اپنے شہر ہی میں ہو اور اگر ایسا خدشہ نہ ہو تو پھر جمع کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ ابھی تک وہ اپنے شہر میں ہے اور اس نے سفر کا آغاز نہیں کیا۔

شیخ ابن عثیمین

تعلیم کی وجہ سے نمازوں کو جمع کرنا

میں اکثر اوقات عصر اور مغرب کی نمازوں کو جمع کر کے پڑھتا ہوں اور اس کا سبب یہ ہے کہ میں برطانیہ میں زیر تعلیم ہوں اور جس یونیورسٹی میں پڑھتا ہوں وہاں وضو اور نماز کے لئے جگہ کا انتظام نہیں ہے، تو کیا میرے لئے یہ جائز ہے کہ عصر کو مغرب کے ساتھ پڑھ لوں یا عصر کو کم از کم ڈیڑھ گھنٹہ مؤخر ادا کروں؟

سوال

دو نمازوں کو کسی عذر کی وجہ سے ہی جمع کر کے ادا کیا جاسکتا ہے مثلاً یہ کہ موسلا دھار بارش ہو، مسلسل سفر ہو یا شدید مرض ہو لیکن کسی عذر کے بغیر جمع کرنا جائز نہیں اور پھر ظہر و عصر کو ان میں سے کسی ایک کے وقت میں اور مغرب و عشاء کو ان میں سے کسی ایک کے وقت میں جمع تقدیم و تاخیر کی صورت میں ادا کیا جاسکتا ہے، بغیر عذر کے نماز کو اس کے وقت مقررہ سے مؤخر کرنا بھی جائز نہیں اور خصوصاً نماز عصر کو تو اس کے مقررہ وقت پر ادا کرنے کا بطور خاص حکم ہے کہ حدیث میں ہے جس کی نماز عصر فوت ہو گئی، اس کا گویا اہل و مال تباہ ہو گیا۔^۱ ساکل نے چونکہ ذکر کیا ہے کہ یونیورسٹی میں چونکہ وضو اور نماز کے لئے جگہ کا انتظام نہیں ہے لہذا وہ جو نمونی اپنی کلاس سے فارغ ہو اور عذر ختم ہو جائے، اسے غروب آفتاب سے پہلے فوراً نماز ادا کرنی چاہئے۔ واللہ الموفق!

جواب

شیخ ابن جبرین

مسافر جب کسی شہر میں پہنچ جائے تو کیا پھر بھی جمع اور قصر کرے؟

سوال کیا مسافر جب کسی شہر میں پہنچ جائے اور وہاں کے مستقل باشندوں میں سے تو نہ ہو لیکن وہ علاج وغیرہ کی غرض سے وہاں دو یا تین دن کے لئے مقیم ہو تو اس کے لئے یہ جائز ہے یا نہیں کہ نماز کو جمع اور قصر کے ساتھ ادا کرے؟

جواب جب مسافر کسی شہر میں پہنچ جائے اور وہاں کسی مقصد کی خاطر اس کا قیام ہو کہ مقصد پورا ہونے کی بعد اس نے واپس لوٹنا ہو تو وہ مسافر ہی ہے۔ عورت نماز کو قصر تو کرے گی لیکن جمع نہیں کرے گی، جمع کر بھی لے تو کوئی حرج نہیں، مرد کو جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا اور پوری نماز پڑھنا لازم ہو گا ہاں البتہ اگر جماعت فوت ہو جائے تو پھر وہ دو رکعت پڑھ سکتا ہے خواہ اس کی مدت قیام طویل ہو یا قصیر خواہ وہ ایک ماہ یا دو ماہ یا پانچ ماہ یا اس سے بھی زیادہ مدت کے لئے قیام کرے بشرطیکہ اس کی اقامت اس طرح کی شرط کے ساتھ مشروط ہو کہ جو نہی اس کی غرض پوری ہو گئی، وہ اپنے وطن واپس لوٹ جائے گا۔

شیخ ابن عثیمین

کیا مدت تعلیم کے دوران قصر اور جمع کیا جاسکتا ہے

سوال میں برطانیہ میں تعلیم حاصل کرنے آیا ہوں تو کیا مدت تعلیم کے دوران نمازوں کو قصر اور جمع کر کے ادا کر سکتا ہوں؟ اور کیا اس حالت میں رمضان میں بھی قصر اور جمع کر سکتا ہوں یا نہیں؟

جواب مسافر کے لئے نماز کو اس صورت میں جمع کرنا جائز ہے جب وہ راستے پر چل رہا ہو اور ہر نماز کے لئے سواری سے اترنا اور پڑاؤ ڈالنا مشکل ہو تو اس کے لئے یہ جائز ہے کہ دو نمازوں میں سے کسی ایک کے وقت میں دونوں کو پڑھ لے لیکن اگر مسافر باقاعدہ اقامت پذیر ہو تو وہ جمع نہیں کرے گا بلکہ اسے ہر نماز وقت پر ادا کرنا پڑے گی خواہ وہ پوری نماز پڑھے یا قصر بشرطیکہ قصر اس کے لئے جائز ہو اور قصر اس مسافر کے لئے جائز ہے جس نے رخت سفر باندھ رکھا ہو خواہ جنگل میں کسی ضرورت کے پیش نظر پڑاؤ ہی کیوں نہ ڈال دیا ہو یا شہر کے ایک کنارہ پر قبہ یا خیمہ لگا کر انتظار میں ہو کہ جوں ہی اس کا کام پورا ہو جائے گا وہ یہاں سے چل پڑے گا لیکن اگر وہ اندرون شہر مقیم ہو گیا ہو اور طویل مدت تک اقامت کا ارادہ کر لیا ہو اور اگرچہ وہ یہاں کا مستقل باشندہ تو نہیں لیکن اس نے سکونت کے لئے یہاں ایک کمرہ یا ایک کشادہ مکان حاصل کر لیا ہو اور اس کے پاس حسب ضرورت ہر طرح کا سامان زینت بھی ہو تو اس حال میں اس کے لئے نماز قصر کرنا جائز نہیں اور نہ رمضان میں افطار کرنا جائز ہے کیونکہ اس حالت پر سفر کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اس حالت میں اس کے اور شہر کے مستقل باشندوں کے درمیان کوئی فرق نہیں اور نماز پوری پڑھنے اور روزہ رکھنے میں اسے کسی مشقت کا بھی سامنا نہیں۔

شیخ ابن جبرین

مریض کی نماز

مریض کس طرح نماز ادا کرے؟

مریض کس طرح نماز ادا کرے؟

سوال

مریض کے لئے واجب ہے کہ:

جواب

- ① فرض نماز کو کھڑا ہو کر ادا کرے خواہ اس کے لئے اسے جھکنا پڑے یا بوقت ضرورت کسی دیوار یا عصا وغیرہ کا سہارا لینا پڑے۔
- ② اگر مریض کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو تو بیٹھ کر پڑھ لے اور افضل یہ ہے کہ قیام اور رکوع کی حالت میں چوکڑی مار کر بیٹھے۔
- ③ اگر اسے بیٹھ کر نماز ادا کرنے کی بھی طاقت نہ ہو تو قبلہ رخ لیٹ کر پڑھ لے، دائیں جانب لیٹ کر پڑھنا افضل ہے، اگر قبلہ رخ متوجہ ہونا ممکن نہ ہو تو جس طرف منہ کرنا ممکن ہو، نماز پڑھ لے، اس کی نماز صحیح ہوگی اور اعادہ بھی لازم نہ ہوگا۔
- ④ اگر پہنوں کے بل لیٹنا ممکن نہ ہو تو چیت لیٹ کر پڑھ لے، دونوں پاؤں قبلہ رخ کرے اور افضل یہ ہے کہ سر تھوڑا سا اونچا کر لے تاکہ وہ قبلہ رخ ہو اور اگر پاؤں کو قبلہ رخ کرنا ممکن نہ ہو تو جیسے ممکن ہو اس طرح پڑھ لے، اس صورت میں اعادہ بھی لازم نہ ہوگا۔
- ⑤ مریض کے لئے بھی نماز میں رکوع و سجدہ واجب ہے اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو سر کے اشارہ کے ساتھ رکوع و سجدہ کرے، سجدہ میں رکوع کی نسبت سر کو زیادہ جھکائے، اگر رکوع ممکن ہو تو رکوع کرے اور سجدہ اشارہ کے ساتھ کرے اور اگر سجدہ ممکن ہو تو سجدہ کرے اور رکوع اشارہ سے کر لے۔
- ⑥ اگر رکوع و سجدہ سر کے اشارے سے ممکن نہ ہو تو دونوں آنکھوں سے اشارہ کر لے، رکوع کے لئے آنکھوں کو تھوڑا لیکن سجدہ کے لئے زیادہ بند کر لے۔ بعض مریض جو انگلی سے اشارہ کرتے ہیں تو یہ صحیح نہیں ہے، کتاب و سنت اور اہل علم کے اقوال سے اس کی کوئی اصل معلوم نہیں ہو سکی۔
- ⑦ اگر سر یا آنکھ کے ساتھ اشارہ کی بھی طاقت نہ ہو تو دل میں نماز پڑھ لے، تکبیر کے اور پڑھے اور رکوع، سجدہ، قیام اور قعود کی دل میں نیت کر لے۔ «لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى»
- ⑧ مریض کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ نماز کو وقت پر ادا کرے اور مقدور بھر کوشش کر کے تمام واجبات کو پورا کرے۔ اگر ہر نماز کو وقت پر ادا کرنا اس کے لئے مشکل ہو تو پھر ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو جمع کر کے پڑھ لے اور جس طرح اس کے لئے آسانی ہو جمع تقدیم یا جمع تاخیر دونوں طرح جائز ہے لیکن فجر کی نماز تہا پڑھی جائے گی، اسے کسی اٹلی یا پچھلی نماز کے ساتھ جمع کرنا جائز نہیں۔

شیخ ابن عثیمین

قیام کی طاقت نہ ہونے کی صورت میں بیٹھ کر نماز پڑھنا

سوال ہمارے ہاں ایک مریض ہے جس کی کمر ٹوٹی ہوئی ہے اور اس پر پلستر لگایا گیا ہے یہ کھڑی ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتی، ایک مہینے سے یہ بیٹھ کر نماز پڑھ رہی ہے تو کیا اس کی نماز صحیح ہے یا نہیں؟

جواب ہاں اس کی نماز صحیح ہے کیونکہ اسے قیام کی استطاعت ہی نہیں ہے۔ قیام اس کیلئے فرض ہے جسے کھڑا ہونے کی طاقت ہو اور اگر کمر کے ٹوٹنے کی وجہ سے یہ کھڑی نہیں ہو سکتی تو یہ بیٹھ کر نماز پڑھ سکتی ہے اور اگر یہ لاشعری یا دیوار وغیرہ کے سہارے کھڑی ہو سکتی ہے تو پھر اسے سہارا لے کر کھڑی ہو کر نماز پڑھنی چاہئے۔ ماضی کی وہ تمام نمازیں جو کھڑا نہ ہو سکتے کی وجہ سے اس نے بیٹھ کر پڑھی ہیں، صحیح ہیں، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ:

«صَلِّ قَائِمًا فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا فَإِنْ لَمْ تَسْتَطِعْ فَعَلَى جَنْبٍ» (صحیح بخاری، کتاب التقصیر، باب إذا لم يطق قاعدا صلى على جنب، ح: ۱۱۱۷، ومسند احمد، ۴/۴۲۶)

”کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اگر استطاعت نہ ہو تو بیٹھ کر پڑھو اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو پہلو کے بل لیٹ کر پڑھو۔“

شیخ ابن عثیمین

مریض کی جب کئی نمازیں فوت ہو جائیں تو کس طرح قضاء دے؟

سوال ایک مریض کا آپریشن ہوا جس کی وجہ سے اس کی کئی نمازیں فوت ہو گئیں تو کیا شفیایاب ہونے کے بعد وہ ان سب نمازوں کو اکٹھا پڑھ لے یا صبح کی نماز کو صبح کے ساتھ اور ظہر کی نماز کو ظہر کے ساتھ ادا کر لے؟

جواب یہ شخص فوت شدہ تمام نمازوں کو ایک ہی وقت میں ادا کر سکتا ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ کی غزوة خندق کے موقع پر جب نماز عصر فوت ہو گئی تو آپ نے اسے مغرب سے پہلے پڑھا تھا^۱ لہذا جب کسی انسان کی کچھ فرض نمازیں فوت ہو جائیں تو وہ ان سب کو اکٹھا پڑھے اور مزید مؤخر نہ کرے۔

شیخ ابن عثیمین

نماز جمعہ و عیدین

خطبہ جمعہ میں دعاء

سوال ہماری جامع مسجد کا خطیب ہمیشہ آخری خطبہ «أَسْتَغْفِرُ اللَّهَ لِيْ وَلِكُمْ وَكَافَّةً الْمُسْلِمِيْنَ» یا کبھی «أَسْأَلُ اللَّهَ لِيْ

وَلَكُمْ الْفَزْدُوسُ الْأَخْلَى» کے الفاظ پر ختم کرتا ہے۔ یہ بہت اچھی دعاء ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا ہماری دعائیں بھی اسی کے گرد گھومتی ہیں لیکن بعض مقتدی یہ کہتے ہیں کہ جمعہ کا دن بہت عظیم دن ہے اور یہ قبولیت دعاء کا وقت ہے لہذا حسب حال دعاء لمبی ہونی چاہئے مثلاً بوقت ضرورت بارش کے لئے دعاء، مسلمانوں کے لئے فح و نصرت اور حکمرانوں کے لئے اتباع حق کی دعاء، دشمنوں کے شیرازہ کے منتشر ہونے کی دعاء، الغرض اس طرح کی مناسب حال دعائیں ہونا چاہیں لیکن خطیب صاحب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر کسی بھی دعاء کا التزام نہیں فرمایا، اسی طرح خلفاء راشدین اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی اس موقع پر دعاء ثابت نہیں لہذا میں انہیں کے نقش قدم پر چلتا ہوں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ بعض مقتدیوں نے اس مسجد کو چھوڑ کر اپنے گھروں سے دور ایک دوسری مسجد میں جا کر جمعہ پڑھنا شروع کر دیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اس مسجد کا امام خطبہ کے اختتام پر بہت سی دعائیں مانگتا ہے اور یہ لوگ اس کی دعاء پر آمین کہتے ہیں۔ گھروں کے قریب اس مسجد کو چھوڑنے کی اس کے سوا اور کوئی وجہ نہیں کہ امام دعاء کا التزام نہیں کرتا۔ اس مسئلہ میں دین کا حکم کیا ہے؟ آپ کی نصیحت کیا ہے؟ اور ان دونوں میں سے کس کا موقف مبنی برحق ہے؟

جواب امام کا خطبہ میں مسلمانوں کے لئے دعاء کرنا حکم شریعت ہے، نبی کریم ﷺ بھی دعاء فرمایا کرتے تھے لیکن امام کو چاہئے کہ کسی ایک معین دعاء ہی کا التزام نہ کرے بلکہ حسب حالات مختلف دعائیں مانگے، دعاؤں کی کثرت و قلت کا تعلق حاجت و ضرورت سے ہے۔ نبی کریم ﷺ دعاء کو کبھی دوبار یا تین بار بھی دوہراتے تھے لہذا خطیب کو چاہئے کہ اپنے خطبہ میں اور اپنی دعاؤں میں نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق عمل کرے۔ وباللہ التوفیق ((وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم))

فتویٰ کمیٹی

کیا یہ شرط ہے کہ خطیب ہی نماز پڑھائے؟

سوال کیا یہ شرط ہے کہ جو شخص جمعہ کا خطبہ دے، نماز بھی وہی پڑھائے؟

جواب جمہور اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ یہ شرط نہیں ہے کہ خطیب ہی جمعہ کی نماز پڑھائے کیونکہ اس سلسلہ میں کوئی ایسی دلیل وارد نہیں ہے کہ جس کی پابندی کی جائے ہاں البتہ مالکیہ نے اس کی مخالفت کرتے ہوئے یہ شرط قرار دی ہے کہ خطیب ہی نماز جمعہ کی امامت بھی کروائے، ان کی دلیل یہ ہے کہ خطبہ نماز ہی کے ساتھ منسلک ہے لہذا کسی عذر کے بغیر، قصداً و ارادہ سے اسے دو اماموں میں تقسیم نہیں کرنا چاہئے۔ وباللہ التوفیق

فتویٰ کمیٹی

خطیب خطبہ جمعہ کے دوران بیمار ہو گیا اور وہ نماز نہ پڑھ سکا

سوال امام صاحب نے جمعہ کے دن خطبہ دیا لیکن پھر وہ دوسرے خطبہ کے دوران بیمار پڑ گئے، خطبہ مکمل کرنے کے بعد منبر سے نیچے اتر آئے اور شدت مرض کے باعث کھڑے نہ ہو سکے، پھر نماز کے پورا ہونے کے بعد انہیں اس مرض سے افادہ ہوا تو کیا وہ قضاء کے طور پر نماز ظہر پڑھیں گے یا نماز جمعہ جبکہ انہیں افادہ ہوا تو ابھی جمعہ کا وقت ختم نہیں ہوا تھا؟

جواب جو شخص امام کے ساتھ نماز جمعہ کی ایک رکعت نہ پاسکے، اسے نماز طہر پڑھنا ہوگی کیونکہ نبی ﷺ کے اس ارشاد کا یہی مفہوم ہے کہ:

«مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْجُمُعَةِ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ» (سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلوات، باب ما جاء فیمن أدرك من الجمعة رکعة، ح: ۱۱۲۳)

”جو شخص جمعہ کی ایک رکعت پالے اس نے نماز جمعہ کو پالیا“
اور یہ شخص تو امام کے ساتھ نماز جمعہ میں بالکل شریک ہی نہ ہو سکا تھا لہذا اسے طہر کی نماز ادا کرنا ہوگی۔
— شیخ ابن باز —

خطبہ کے دوران چھینک کا جواب

سوال جب امام جمعہ کا خطبہ دے رہا ہو تو چھینک کا جواب دینا چاہئے یا نہیں؟
جواب اس حالت میں چھینک کا جواب نہیں دینا چاہئے کیونکہ خطبہ سننے کے لئے خاموش رہنا واجب ہے، جس طرح دوران نماز چھینک کا جواب نہیں دیا جاتا اسی طرح خطبہ کے دوران بھی نہیں دیا جاتا۔ واللہ ولی التوفیق۔
— شیخ ابن باز —

جمعہ کے دن کی بعض بدعات

بحث العلمیۃ والا لقاء کی فتویٰ کمیٹی کے پاس وہ رسالہ آیا، جو جناب عزت مآب ڈائریکٹر جنرل کی خدمت میں بھیجا گیا تھا اور جس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾ (النساء ۶۵/۴)

”تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں آپ کو منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ آپ کریں اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے۔“

خالد: جمعہ کے دن اذان طہر سے پہلے جمعہ کے لئے شوق دلانا اور اشعار پڑھنا واجب ہے۔
عمر: مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ لاؤڈ سپیکر پر قرآن مجید کی تلاوت کی جائے۔
خالد: خطبہ شروع ہونے سے پہلے صمدیہ کی قرأت اور دینی ترتیل واجب و مستحب ہے۔
عمر: اس کا اللہ نے حکم دیا ہے نہ اس کے رسول نے لہذا یہ واجب نہیں ہے بلکہ واجب یہ ہے کہ سکوت اختیار کیا جائے اور جب خطیب منبر پر چڑھ جائے تو پھر اذان دی جائے۔
خالد: نماز جمعہ سے فراغت کے بعد دینی درس ایک مستحب چیز ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔
عمر: رسول اللہ ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ عبادت نہیں اور انہوں نے ساری زندگی ایسا نہیں کیا۔
خالد: نماز جمعہ سے پہلے دو رکعت واجب ہیں، انہیں سنت تلبیہ کہتے ہیں۔
عمر: رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں نہیں پڑھا۔

خالد: اذان کے بعد مؤذن کا نبی ﷺ کی ذات گرامی پر درود پڑھنا مستحب ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں۔

عمر: نہیں یہ جائز نہیں، اسے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مسنون قرار نہیں دیا۔

امید ہے آپ صحیح جواب سے تحریری طور پر مطلع فرمائیں گے کہ حکم شریعت کیا ہے؟ (بزاکم اللہ خیر الجزاء)

جواب اولاً: نماز جمعہ کی اذان سے پہلے اشعار پڑھنا شریعت سے ثابت نہیں ہے بلکہ یہ بدعت ہے۔ لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ قرآن مجید کی تلاوت کے لئے جمعہ کے دن کو مخصوص نہ کیا جائے اور یہ تلاوت نہ اذان سے پہلے کی جائے اور نہ نماز کے بعد، صرف جمعہ کے دن تلاوت اسلامی شعار نہیں ہے بلکہ حکم شریعت تو یہ ہے کہ روزانہ تلاوت کی جائے لہذا صرف جمعہ کے دن کی تخصیص بدعت ہے اور سنت سے ثابت یہ ہے کہ صرف اذان پر اکتفاء کیا جائے۔

ثانیاً: قرآن مجید سے صدیہ وغیرہ کی قرأت یا خطبہ شروع ہونے سے پہلے دیگر اذکار وغیرہ کا پڑھنا واجب یا مستحب نہیں بلکہ یہ بدعت ہے اور نبی کریم ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ:

«مَنْ أَحَدَثَ فِيهِ أَمْرًا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ، فَهُوَ رَدٌّ» (صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب إذا اصطلموا علی صلح ...، ح: ۲۶۹۷ و صحیح مسلم، کتاب الاقضیہ، باب نقض الاحکام ...،

ح: ۱۷۱۸)

”جو کوئی ہمارے اس دین میں کوئی ایسی بات ایجاد کرے جو اس میں سے نہ ہو تو وہ مردود ہے۔“

ثالثاً: جمعہ کے دن نماز ادا کرنے کے بعد علمی مجلس میں درس دینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس کی کوئی ممانعت نہیں ہے۔

رابعاً: نماز جمعہ سے پہلے سنتیں نہیں ہیں کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے بھی ثابت نہیں ہیں ہاں البتہ جو شخص جمعہ ادا کرنے کے لئے آئے تو اسے اجازت ہے کہ خطیب کے منبر پر چڑھنے سے پہلے وہ جس قدر چاہے نوافل پڑھ سکتا ہے لیکن خطیب کے منبر پر بیٹھنے کے بعد صرف دو رکعت تحیۃ المسجد ادا کرنے کی اجازت ہے۔

خامساً: نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی پر درود شریف پڑھنے کی شریعت نے بہت ترغیب دی ہے، اس کا اجر و ثواب بھی بہت زیادہ ہے لیکن سنت یہ ہے کہ اسے مؤذن اذان سے فارغ ہونے کے بعد اپنے دل میں آہستہ سے پڑھے، بلند آواز سے نہ پڑھے کیونکہ مؤذن کا اس کو اذان سے فراغت کے بعد بلند آواز سے پڑھنا بدعت ہے۔ جو شخص اذان سننے کے لئے مسنون یہ ہے کہ وہ بھی مؤذن کے ساتھ اذان کے کلمات کہتا جائے، جب مؤذن اذان سے فارغ ہو تو سننے والا بھی نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی پر درود بھیجے اور اللہ تعالیٰ سے نبی کریم ﷺ کے لئے وسیلہ کا سوال کرتے ہوئے یہ دعاء پڑھے:

«اللَّهُمَّ رَبِّ هَذِهِ الدَّعْوَةِ الشَّامَةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ أِنِّتَ مُحَمَّدًا الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَهُ» (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب الدعاء عند النداء، ح: ۶۱۴،

(۴۷۱۹)

”اے اللہ! اس دعوتِ کامل اور کھڑی ہونے والی نماز کے مالک! محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرمادے اور انہیں اس مقامِ محمود پر پہنچادے جس کا آپ نے ان سے وعدہ فرمایا ہے!“

فتویٰ کمیٹی

کیا عورت کے لئے نماز جمعہ میں حاضر ہونا جائز ہے؟

سوال عورت کے نماز جمعہ ادا کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ عورت مردوں سے پہلے یا بعد میں یا مردوں کے ساتھ

ہی نماز جمعہ ادا کرے؟

جواب عورت کے لئے نماز جمعہ واجب نہیں ہے لیکن اگر عورت امام کے ساتھ نماز جمعہ ادا کرے تو اس کی نماز صحیح اور

نماز ظہر سے کفایت کرے گی اور اگر عورت گھر میں نماز ادا کرے تو اسے ظہر کی نماز کے چار فرض ادا کرنا ہوں گے اور وہ نماز وقت شروع ہونے یعنی زوال آفتاب کے بعد ادا کرے گی۔ وباللہ التوفیق ((وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ

وصحبہ وسلم))

فتویٰ کمیٹی

جس شخص کا جمعہ فوت ہو جائے وہ نماز ظہر ادا کرے

سوال جب میں مسجد میں باجماعت نماز جمعہ ادا نہ کر سکوں تو کیا جمعہ کی نیت سے گھر میں دو رکعتیں پڑھوں یا ظہر کی نیت

سے چار رکعات؟

جواب جو شخص کسی شرعی عذر مثلاً بیماری وغیرہ یا دیگر اسباب کی وجہ سے مسلمانوں کے ساتھ مل کر نماز جمعہ ادا نہ کر

سکے تو اسے نماز ظہر پڑھنی چاہئے۔ اسی طرح عورت، مسافر اور بادیہ نشین لوگ بھی نماز ظہر ادا کریں گے جیسا کہ سنت سے ثابت ہے، اکثر اہل علم کا بھی یہی قول ہے اور ان سے الگ راہ اختیار کرنے والے کا کوئی اعتبار نہیں۔

شیخ ابن باز

جب ایک آدمی خطبہ دے اور دوسرا نماز پڑھائے

سوال کیا یہ جائز ہے کہ امام اور ہو اور خطیب اور جب کہ امام تو قاری اور قرآن کو ترتیل سے پڑھنے والا ہو لیکن

خطیب امام کی طرح قاری نہ ہو؟

جواب سنت یہ ہے کہ لوگوں کو نماز جمعہ بھی وہی پڑھائے، جس نے خطبہ دیا ہو کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ہمیشہ یہی معمول

رہا ہے اور آپ کے بعد حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے بھی اسی کی پابندی کی کہ اپنے عہد میں ان میں سے جب کوئی خطبہ دیتا تو نماز بھی خود ہی پڑھاتا تھا اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ:

«صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي» (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب للمسافرین...، ح: ۶۳۱)

”تم اس طرح نماز پڑھو، جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔“

نیز آپ نے فرمایا:

«عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ مِنْ بَعْدِي» (مسند احمد، ۴/۱۲۶، ۱۲۷)

”میری اور میرے بعد آنے والے خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرو۔“

لیکن اگر ایک شخص خطبہ دے اور عذر کی وجہ سے کوئی دوسرا شخص نماز پڑھا دے تو یہ جائز ہے اور نماز صحیح ہوگی

اور اگر کوئی بغیر عذر کے ایسا کرے تو اگرچہ یہ عمل خلاف سنت ہو گا لیکن نماز صحیح ہوگی۔

فتویٰ کئیی

جمعہ کے دن پہلی اذان بدعت نہیں ہے

سوال کیا جمعہ کے دن پہلی اذان بدعت ہے؟

جواب رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا:

«عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ مِنْ بَعْدِي، تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ» (مسند احمد، ۱۲۶/۴، ۱۲۷)

”تم میری اور میرے بعد ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت پر عمل کرو، اس سے وابستہ ہو جاؤ اور اسے نہایت مضبوطی سے تھام لو۔“

نبی کریم ﷺ اور حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے عہد میں جمعہ کی اذان اس وقت ہوتی تھی، جب امام منبر پر بیٹھتا تھا لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب مدینہ کی آبادی میں اضافہ ہو گیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن اذان اول کا حکم دیا لہذا یہ بدعت نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ کی اس حدیث میں جو ہم نے ابھی بیان کی ہے، ہمیں خلفاء راشدین کی سنت کے اتباع کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ اس مسئلہ میں اصل حدیث وہ ہے جسے امام بخاری، نسائی، ترمذی، ابن ماجہ اور ابوداؤد۔۔۔۔ اور یہ الفاظ ابوداؤد ہی کی روایت میں ہیں۔۔۔۔ نے ابن شہاب سے روایت کیا ہے کہ:

«أَخْبَرَنِي السَّائِبُ بْنُ يَزِيدَ أَنَّ الْإِذَانَ كَانَ أَوَّلُهُ حِينَ يَجْلِسُ الْإِمَامُ عَلَى الْمِنْبَرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِي عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ، وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، فَلَمَّا كَانَتْ خِلَافَةُ عُثْمَانَ وَكَثُرَ النَّاسُ أَمَرَ عُثْمَانُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بِالْإِذَانِ الثَّلَاثِ فَأَذَّنَ بِهِ عَلَى الزُّورَاءِ، فَثَبَّتَ الْأَمْرُ عَلَى ذَلِكَ» (صحيح بخاري، كتاب الجمعة، باب الاذان يوم الجمعة، ح: ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۵،

۹۱۶، وسنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب النداء يوم الجمعة، ح: ۱۰۸۷)

”مجھے سائب بن یزید نے خبر دی کہ نبی کریم ﷺ اور حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے عہد میں اذان اول اس وقت ہوتی تھی، جب امام جمعہ کے دن منبر پر بیٹھتا۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا اور مدینہ کی آبادی زیادہ ہو گئی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تیسری اذان کا حکم دیا جو زوراء میں کہی جاتی تھی، تو اس وقت سے یہی معمول چلا آتا ہے۔“

علامہ قسطلانی رضی اللہ عنہ نے شرح بخاری میں اس حدیث کے ذیل میں لکھا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جس اذان کا اضافہ کیا، اس سے مراد وہ ہے جو نماز جمعہ کا وقت شروع ہونے پر کہی جاتی ہے، اسے تیسری اذان اس لئے کہا کہ یہ اذان و اقامت سے زائد ایک تیسری اذان تھی اور اس حدیث میں اقامت کو (تعلیماً) اذان کہا گیا ہے، جب مسلمانوں کی آبادی میں اضافہ ہو گیا (تو جمعہ کے وقت کے قریب ہونے کی اطلاع کے پیش نظر) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اجتمار سے اس اذان کا اضافہ فرمایا اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب اس پر سکوت فرمایا اور انکار نہ کیا تو یہ گویا اجماع سکوتی ہوا۔ وباللہ التوفیق

فتویٰ کمیٹی

کیا شہر سے باہر کام کرنے والے مزارعین پر بھی جمعہ واجب ہے؟

سوال کچھ لوگ اپنے زراعت کے کام کے لئے شہر سے نکل کر اپنے کھیتوں میں چلے جاتے ہیں اور کام کی غرض سے ہر سال دو سے چار ماہ تک اپنے کھیتوں ہی میں گزارتے ہیں۔ کام کی اس مدت کے دوران نماز جمعہ کے لئے شہر میں واپس آنا انہیں بہت مشکل ہوتا ہے، تو کیا ان کے لئے جمعہ واجب ہے یا جائز یا ان کے لئے کام کی جگہ پر اقامت جائز نہیں اور ان کے لئے لازم ہے کہ شہر میں جائیں خواہ اس میں تکلیف ہی ہو یا مسافر کی طرح ان سے جمعہ ساقط ہو جائے گا؟ کام کی جگہ اقامت کے دوران کتنی مدت تک ان سے جمعہ ساقط رہے گا؟

جواب اگر ان کھیتوں میں لوگوں کی ایک جماعت مقیم ہو تو ان مقیم لوگوں کی متابعت میں ان پر بھی جمعہ واجب ہو گا اور انہیں چاہئے کہ ان کے ساتھ یا کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ جن کے ساتھ آسانی سے ممکن ہو مل کر نماز جمعہ ادا کریں کیونکہ جمعہ کے وجوب اور اس کے لئے سعی و کوشش کے وجوب کے دلائل کے عموم کا یہی تقاضا ہے۔

ان کھیتوں میں کام کرنے والے اگر اپنی بستی یا کسی دوسرے گاؤں کی جو ان کے کھیتوں کے قریب ہو، اذان کی آواز کو سنتے ہوں تو پھر وہاں مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ مل کر نماز جمعہ ادا کرنا واجب ہے کیونکہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے عموم کا یہی تقاضا ہے کہ:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ بَيْتِكُمْ فَأَسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ﴾ (الجمعة ۹/۶۲)

”مومنو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کی یاد (یعنی نماز) کے لئے جلدی کرو۔“

اور اگر ان کھیتوں میں مقیم لوگ نہ ہوں اور نہ وہ کھیتوں میں بستیوں سے اذان جمعہ کی آواز سنیں تو ان پر جمعہ واجب نہ ہو گا لہذا وہ نماز ظہر یا جماعت ادا کر لیں۔

نبی کریم ﷺ کے عہد میں مدینہ کے گرد قبائل بھی تھے اور نواح میں کھیت بھی لیکر آپ نے انہیں حکم نہیں دیا کہ وہ نماز جمعہ کے لئے سعی و کوشش کریں، اگر آپ نے انہیں کوئی ایسا حکم دیا ہوتا تو یقیناً منقول ہوتا تو اس سے معلوم ہوا کہ مشقت کی وجہ سے ایسے لوگوں پر جمعہ واجب نہیں ہے۔

فتویٰ کمیٹی

عید، جمعہ کے دن میں

سوال ایک ہی دن میں دو عیدیں یعنی جمعہ اور عید الاضحیٰ یکجا ہو گئیں تو اس صورت میں صحیح بات کیا ہے کہ جب ہم جمعہ نہ پڑھیں تو کیا ظہر پڑھیں یا جمعہ نہ پڑھنے سے نماز ظہر ساقط ہو جائے گی؟

جواب جو شخص جمعہ کے دن نماز عید پڑھ لے تو اسے رخصت ہے کہ جمعہ نہ پڑھے البتہ امام کے لئے جمعہ کے لئے حاضر ہونا ضروری ہے تاکہ مسجد میں آنے والوں اور عید نہ پڑھ سکنے والوں کو وہ جمعہ پڑھا دے اور اگر جمعہ پڑھنے کے لئے کوئی بھی نہ آئے تو جمعہ کا وجوب ساقط ہو جائے گا اور امام کو نماز ظہر پڑھنی ہو گی۔ استدلال سنن ابی داؤد کی اس روایت

سے ہے جو ایسا بن ابی رملہ شامی سے مروی ہے کہ میں معاویہ بن ابی سفیان کے پاس موجود تھا کہ انہوں نے زید بن ارقم سے پوچھا ”کیا تمہیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کا کبھی ایسا موقع ملا کہ ایک ہی دن میں دو عیدیں جمع ہو گئی ہوں؟“ تو انہوں نے کہا ”جی ہاں“ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا ”تو پھر آپ ﷺ نے اس دن کس طرح عمل کیا؟“ انہوں نے کہا کہ:

«صَلَّى الْعِيدَ ثُمَّ رَخَّصَ فِي الْجُمُعَةِ، فَقَالَ: مَنْ شَاءَ أَنْ يُصَلِّيَ فَلْيُصَلِّ» (سنن ابی داؤد، کتاب الصلوة، باب إذا وافق يوم الجمعة يوم عيد، ح: ۱۰۷۰)

”آپ ﷺ نے نماز عید پڑھائی اور جمعہ کے لئے رخصت دے دی اور فرمایا کہ جو شخص پڑھنا چاہے وہ پڑھ لے۔“

ابوداؤد نے سنن ہی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بھی بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«قَدْ اجْتَمَعَ فِي يَوْمِكُمْ هَذَا عِيدَانِ، فَمَنْ شَاءَ أَجْزَأُهُ مِنَ الْجُمُعَةِ، وَإِنَّا مُجْمَعُونَ» (سنن ابی داؤد، کتاب الصلوة، باب إذا وافق يوم الجمعة يوم عيد، ح: ۱۰۷۳)

”آج کے دن دو عیدیں جمع ہو گئیں ہیں، جو شخص چاہے تو اس کے لئے عید ہی جمعہ سے کافی ہو گی لیکن ہم جمعہ بھی پڑھیں گے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس شخص نے نماز عید پڑھ لی ہو، اس کے لئے جمعہ پڑھنے کی رخصت ہے لیکن امام کے لئے رخصت نہیں ہے کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ:

«وَإِنَّا مُجْمَعُونَ»

”ہم جمعہ بھی پڑھیں گے۔“

اور حضرت لغمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَقْرَأُ فِي صَلَاةِ الْجُمُعَةِ وَالْعِيدِ بِسَبْحِ وَالْعَاشِيَةِ، وَرَبَّمَا اجْتَمَعَ فِي يَوْمٍ فَقَرَأَ بِهِمَا فِيهِمَا» (صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب ما يقرأ في صلاة الجمعة، ح: ۸۷۸)

نبی کریم ﷺ نماز جمعہ و عید میں ((الاعلیٰ)) اور ((غاشیہ)) کی تلاوت فرمایا کرتے تھے اور جب کبھی جمعہ اور عید ایک ہی دن میں جمع ہو جائے تو پھر آپ ﷺ دونوں نمازوں ہی میں ان دونوں سورتوں کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔“

جو شخص نماز عید تو پڑھے لیکن جمعہ نہ پڑھے تو اسے نماز ظہر پڑھنا ہوگی جیسا کہ ان دلائل کے عموم سے ثابت ہے جن میں یہ ہے کہ جو شخص نماز جمعہ نہ پڑھے وہ نماز ظہر پڑھے۔ (وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم)

فتویٰ کمیٹی

جس شخص کا جمعہ فوت ہو جائے وہ ظہر کی چار رکعتیں پڑھے

جب جمعہ فوت ہو جائے تو کیا انسان دو رکعتیں پڑھے؟

سوال

جواب جمہور فقہاء کا قول یہ ہے کہ جس شخص کی نماز جمعہ فوت ہو جائے تو وہ جماعت کے ساتھ -- اگر ممکن ہو -- ظہر کی چار رکعات ادا کر لے اور اگر جماعت ممکن نہ ہو تو انفرادی طور پر نماز ظہر پڑھ لے، یہی بات صحیح ہے کیونکہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا خَطَبَ النَّاسَ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ بَعَرَفَاتٍ وَكَانَ وَقُوفُهُ يَوْمَ جُمُعَةٍ - أَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ ثُمَّ أَقَامَ فَصَلَّى النَّبِيُّ، ﷺ الظُّهْرَ بِأَصْحَابِهِ، ثُمَّ أَقَامَ الْمُؤَذِّنُ فَصَلَّى النَّبِيُّ ﷺ، بِهِمُ الْعَصْرَ وَلَمْ يُصَلِّ بَيْنَهُمَا شَيْئًا»

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات میں خطبہ ارشاد فرمایا -- آپ کا وقوف جمعہ کے دن تھا -- تو مؤذن نے اذان دی، پھر اقامت کہی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ نماز ظہر ادا فرمائی، پھر مؤذن نے اقامت کہی اور آپ نے نماز عصر پڑھائی اور ان دونوں نمازوں کے درمیان نوافل وغیرہ نہیں پڑھے تھے۔“

اس مسئلہ سے متعلق دیگر دلائل سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ (اوصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم) فتویٰ کمیٹی

مسافر کے لئے جمعہ واجب نہیں ہے

سوال جب سفر میں نماز جمعہ فوت ہو جائے تو کیا مسافر جمعہ کی دو رکعات پڑھے یا ظہر کی چار رکعتیں پڑھے؟

جواب جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ جو شخص نماز جمعہ باجماعت ادا نہ کر سکے، تو وہ ظہر کی نماز پڑھے اور اگر ایسا مسافر ہو کہ اس کے لئے قصر کی رخصت ہو تو وہ ظہر کی نیت سے دو رکعتیں پڑھے اور قرأت سری کرے گا اور اگر مقیم ہو تو ظہر کی نیت کے ساتھ چار رکعات سری قرأت کے ساتھ پڑھے گا۔ بعض اہل علم کی رائے اس کے مخالف ہے لیکن صحیح قول جمہور ہی کا ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حجۃ الوداع کے موقع پر جمعہ کے دن عرفہ میں وقوف فرمایا تو لوگوں کو ظہر کی نماز پڑھائی اور جمعہ نہیں پڑھایا تھا اور آپ نے بادیہ نشین لوگوں کو بھی جمعہ کا حکم نہیں دیا۔ (اوصلی اللہ علی نبینا محمد و آلہ وصحبہ وسلم)

فتویٰ کمیٹی

بیرون ملک مقیم شخص دو سال سے جمعہ نہیں پڑھ رہا

سوال ایک شخص کہتا ہے کہ وہ دو سال سے ریاست ہائے متحدہ میں تعلیم کے لئے مقیم ہے، وہاں مسجدیں نہیں ہیں لہذا وہ دو سال سے نماز جمعہ نہیں پڑھ رہا تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب جو تعلیم کے لئے کسی ملک میں بھیجا گیا ہو، وہ مقیم ہی کے حکم میں ہے اور اگر وہاں مسلمانوں کی ایک جماعت مقیم ہو تو ان کے ساتھ مل کر جمعہ ادا کرنا اس کے لئے لازم ہے لہذا اگر تمہاری تعداد تین یا اس سے زیادہ ہو تو کسی گھر یا باغیچے وغیرہ میں جمعہ پڑھ لو، تم میں سے کوئی شخص اذان دے اور جو قرآن مجید زیادہ جانتا ہو وہ خطبہ و امامت کے فرائض انجام

دے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ﴾ (الجمعة ۶۲/۹)

”مومنو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کی یاد (یعنی نماز) کے لئے جلدی کرو۔“

نبی کریم ﷺ نے تو نماز جمعہ کے لئے کسی عدد معین کی شرط بیان نہیں فرمائی لیکن آپ کی سنت اور اہل علم کے اجماع سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ کے لئے ایک جماعت کا ہونا ضروری ہے (اور تعداد دو سے زیادہ ہو تو اسے جماعت کہتے ہیں) اور پھر اقامت جمعہ میں مقیم لوگوں اور عام مسلمانوں کے لئے بہت سی مصلحتیں بھی ہیں۔

فتویٰ کمیٹی

جمعہ کے دن سیروسیاحت

سوال بعض لوگ جنگل یا سمندر کی طرف جمعہ کے دن جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں سیروسیاحت کے لئے جمعہ کے دن ہی وقت ملتا ہے؟

جواب اس سیروسیاحت میں اگر وہ نماز جمعہ بھی ادا کر لیں تو پھر تو کوئی حرج نہیں اور اگر اس سیروسیاحت کی وجہ سے نماز جمعہ ضائع ہوتی ہو تو پھر یہ سیروسیاحت جائز نہیں کیونکہ اس سے فرض کا ضیاع لازم آتا ہے۔

فتویٰ کمیٹی

نماز جمعہ کے بعد کی سنتیں

سوال رسول اللہ ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیا نماز جمعہ کے بعد بھی کچھ رکعتیں پڑھتے تھے یا نہیں؟ جمعہ کے بعد نفل پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب اس سے پہلے بھی فتویٰ کمیٹی کو اسی طرح کا ایک سوال موصول ہوا تھا جس کا کمیٹی نے حسب ذیل جواب دیا تھا:

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ الْجُمُعَةَ فَلْيُصَلِّ بَعْدَهَا أَرْبَعًا» (مسلم، الجمعة، باب الصلاة ح: ۸۸۱)

”جب تم میں سے کوئی جمعہ پڑھے تو وہ جمعہ کے بعد چار رکعتیں بھی پڑھے۔“

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ:

«أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ، كَانَ لَا يُصَلِّي بَعْدَ الْجُمُعَةِ حَتَّىٰ يُصَرِّفَ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ فِي بَيْتِهِ»

(صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب الصلاة بعد الجمعة، ح: ۸۸۲)

”نبی کریم ﷺ جمعہ کے بعد اپنے گھر میں دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔“

ان دونوں حدیثوں میں تطبیق اس طرح ہے کہ نمازی مسجد میں پڑھے تو چار رکعت اور اگر گھر میں پڑھے تو دو رکعتیں پڑھ لے اور ایک دوسری تطبیق اس طرح دی گئی ہے کہ جمعہ کے بعد کم از کم دو رکعتیں اور زیادہ سے زیادہ چار ہیں، خواہ گھر میں پڑھے یا مسجد میں۔

فتویٰ کمیٹی

جمعہ کی نماز فجر میں سورۃ سجدہ اور انسان کی تلاوت

سوال کیا یہ جائز ہے کہ جمعہ کے دن کی نماز فجر میں ہمیشہ سورۃ سجدہ اور سورۃ انسان (سورۃ دہر) کی تلاوت کی جائے؟

جواب جمعہ کے دن نماز فجر میں سورۃ سجدہ اور انسان (دہر) کی تلاوت ثابت ہے اور ان سورتوں کو ہمیشہ پڑھنے میں بھی کوئی حرج نہیں لیکن اگر یہ خدشہ ہو کہ لوگ سمجھیں گے کہ ان سورتوں کو پڑھنا واجب ہے تو پھر ان کو کبھی کبھی چھوڑ دیا جائے۔

فتویٰ کمیٹی

نماز جمعہ ہر نیک و بد کے ساتھ واجب ہے

سوال ان لوگوں کے بارے میں کیا حکم ہے، جو جمعہ نہیں پڑھتے اور کہتے ہیں کہ جمعہ کے لئے ضروری ہے کہ اسے کسی امام عادل ہی کے پیچھے ادا کیا جائے؟

جواب اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے مسلمانوں پر نماز جمعہ ادا کرنا واجب قرار دیا ہے، جب کہ وہ ایک جگہ سکونت پذیر ہوں، خواہ ان کی یہ سکونت بڑے شہروں میں ہو یا چھوٹے دیہاتوں میں، لیکن اہل علم کا اس تعداد کے بارے میں اختلاف ہے، جو نماز جمعہ کے لئے شرط ہے اور اس کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں اور ان میں سے سب سے راجح قول یہ ہے کہ جب نمازیوں کی تعداد تین یا اس سے زیادہ ہو تو جمعہ ادا کیا جائے، نمازیوں کی تعداد کے اس سے زیادہ ہونے کے بارے میں کوئی شرط نہیں ہے اور اس پر بھی اجماع ہے کہ یہ بھی جمعہ کے لئے شرط نہیں ہے کہ امام عادل اور معصوم کی اقتداء میں ادا کیا جائے بلکہ واجب یہ ہے کہ ہر نیک و بد کے ساتھ ادا کیا جائے بشرطیکہ وہ مسلمان ہو اور اس کا گناہ ایسا نہ ہو جو اسے دائرہ اسلام ہی سے خارج کر دینے والا ہو، تو اس سے معلوم ہوا کہ کچھ لوگوں کا نماز جمعہ اس لئے ادا نہ کرنا کہ امام عادل و معصوم نہیں ہے، یہ بدعت ہے اور ایک ایسی شرط ہے کہ شریعت مطہرہ میں جس کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اسی طرح بعض اہل علم جو یہ کہتے ہیں کہ نماز جمعہ کو صرف بڑے بڑے شہروں میں ادا کیا جائے اور چھوٹے دیہاتوں میں ادا نہ کیا جائے تو یہ قول بھی سخت ضعیف ہے اور شریعت مطہرہ میں اس کی بھی قطعاً کوئی دلیل نہیں ہے۔ اسے امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے لیکن آپ سے بھی یہ قول صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں ہے۔ مدینہ منورہ میں سب سے پہلے ہجرت کر کے آنے والے مسلمانوں نے یہاں نماز جمعہ ادا کرنے کا اہتمام کیا حالانکہ ان دنوں مدینہ ایک بڑا شہر نہیں بلکہ ایک بستی شمار ہوتا تھا اور پھر جب رسول اللہ ﷺ یہاں تشریف لے آئے تو آپ نے بھی جمعہ کا اہتمام فرمایا اور تاحیات یہاں باقاعدگی سے نماز جمعہ ادا فرماتے رہے۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں بحرین کی ایک بستی جو انجانی میں بھی جمعہ ادا کیا جاتا تھا اور آپ نے کبھی اس سے منع نہیں فرمایا تھا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ شہروں یا دیہات نماز جمعہ ادا کرنا واجب ہے تا کہ کتاب و سنت کے شرعی دلائل پر عمل ہو سکے، وہ عظیم مصلحتیں حاصل ہو سکیں جو نماز جمعہ ادا کرنے سے مقصود ہیں، جن میں سے ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ لوگوں کو خیر و بھلائی کے لئے جمع کیا جائے اور وہ وعظ و نصیحت کی جائے اور تعلیم دی

جائے، جو ان کے لئے منفعت بخش ہو، آپس میں یاہمی تعارف ہو اور نیکی و تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون بھی ہو، علاوہ ازیں اس عبادت کے ادا کرنے میں اور بھی بہت بڑی بڑی مصلحتیں ہیں۔

شیخ ابن باز

جس نے نماز جمعہ کی ایک رکعت سے بھی کم پایا تو اس کا جمعہ فوت ہو گیا

سوال میں نماز جمعہ کے لئے مسجد میں بہت دیر سے گیا اور میں نے فقط التحیات کو پایا اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد میں نے فوت شدہ نماز کی تکمیل کرنی تو کیا میری یہ نماز کامل اور صحیح ہے؟

جواب جس نے نماز جمعہ میں ایک رکعت سے کم حصہ پایا، اس کا جمعہ فوت ہو گیا لہذا اسے ظہر کی چار رکعتیں پڑھنی چاہئیں۔ اگر کوئی شخص دوسری رکعت میں رکوع کے بعد شامل ہو تو اسے نماز ظہر کی نیت کے ساتھ شامل ہونا چاہئے اور اگر وہ جمعہ سمجھ کر شامل ہوا اور اس نے صرف دو رکعتیں پڑھیں تو اس کی نماز نہیں ہوگی لہذا اسے ظہر کی نماز دوبارہ پڑھنی ہوگی۔ واللہ اعلم

شیخ ابن جریر

جمعہ کے دن قبولیت دعاء کی گھڑی اور سورہ کھف کی تلاوت

سوال کیا جمعہ کے دن سورہ کھف پڑھنے کی کوئی خاص فضیلت ہے؟ کیا یہ صحیح ہے کہ جمعہ کے دن قبولیت دعاء کی گھڑی اذان اول اور اقامت کے درمیان ہوتی ہے؟

جواب جمعہ کے دن سورہ کھف پڑھنے کی فضیلت کے بارے میں ایک حدیث آئی ہے جسے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر کے آغاز میں ذکر فرمایا ہے، لیکن حدیث میں ضعف ہے۔ بہت سے فقہاء نے اس سورت کے پڑھنے کو مستحب قرار دیا اور اپنی کتابوں میں اسے ذکر فرمایا ہے۔

جمعہ کے دن قبولیت دعاء والی گھڑی کے بارے میں یہ احادیث سے ثابت ہے کہ یہ گھڑی عصر کے بعد آخری گھڑی ہے اور یہ بھی احادیث میں وارد ہے کہ یہ گھڑی منبر پر امام کے بیٹھنے سے لے کر نماز کے ختم ہونے تک ہے۔ اس کے علاوہ اس گھڑی کے بارے میں اور بھی کئی اقوال ہیں، اس لئے مسلمان کو چاہئے کہ جمعہ کا سارا دن خوب کوشش کر کے دعاء میں بسر کرے تاکہ اس گھڑی کو حاصل کرنے میں کامیابی سے ہمکنار ہو سکے۔

شیخ ابن جریر

جمعہ کے دن غسل سنت مؤکدہ ہے

سوال کیا جمعہ کے دن غسل واجب ہے یا مستحب؟

جواب جمعہ کے دن غسل کرنا سنت مؤکدہ ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے مثلاً نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

«غَسَلُ يَوْمِ الْجُمُعَةِ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ وَأَنْ يَسْتَاكَ وَيَسْتَلَيْبَ» (صحیح بخاری، کتاب

الجمعة، باب الطيب للجمعة، ح: ۸۸۰ وصحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب الطيب والسواك يوم الجمعة، ح: ۸۴۶)

”جمعہ کے دن غسل کرنا ہر بالغ پر واجب ہے نیز یہ کہ وہ مسواک کرے اور خوشبو استعمال کرے۔“

اسی طرح آپ نے فرمایا:

«مَنْ اغْتَسَلَ ثُمَّ أَتَى الْجُمُعَةَ فَصَلَّى مَا قُدِّرَ لَهُ ثُمَّ أَنْصَتَ حَتَّى يَفْرُغَ الْإِمَامُ مِنْ خُطْبَتِهِ ثُمَّ يُصَلِّي مَعَهُ غُفْرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ الْأُخْرَى وَفَضْلِ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ» (صحيح مسلم،

كتاب الجمعة، باب فضل من استمع وانصت في الخطبة، ح: ۸۵۷)

”جس نے غسل کیا اور پھر جمعہ پڑھنے آیا، توفیق کے مطابق نماز پڑھی، پھر خاموش رہا حتیٰ کہ امام خطبہ سے فارغ ہو جائے، پھر امام کے ساتھ نماز پڑھے تو اس کے لئے (اس) جمعہ سے لے کر (آنے والے) جمعہ تک بلکہ تین دن مزید تک کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔“

مسلم ہی کی ایک اور روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ:

«مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ ثُمَّ أَتَى الْجُمُعَةَ فَاسْتَمَعَ وَأَنْصَتَ غُفْرَ لَهُ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجُمُعَةِ وَزِيَادَةُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ، وَمَنْ مَسَّ الْحَصَى فَقَدْ لَعَا» (صحيح مسلم، كتاب الجمعة، باب

فضل من استمع وانصت في الخطبة، ح: ۸۵۷)

”جس نے وضوء کیا اور خوب اچھی طرح وضوء کیا، پھر جمعہ پڑھنے آیا اور خاموش ہو کر خطبہ سنا تو اس کے لئے جمعہ سے جمعہ تک اور تین دن زیادہ کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور جس نے (جمعہ کے دوران) کنگری کو بھی چھوا اس نے لغو کام کیا۔“ (اس باب میں اور بھی بہت سی احادیث ہیں)

حدیث میں جو یہ الفاظ ہیں کہ:

«وَأَجِبْ عَلَى كُلِّ مُحْتَلِمٍ»

”جمعہ کے دن کا غسل ہر بالغ پر واجب ہے۔“

تو اس کے معنی اکثر اہل علم کے نزدیک یہ ہیں کہ اس کی بہت تاکید ہے۔ ایسے ہی ہے جیسے عرب کہتے ہیں کہ:

”وعدہ قرض ہے اور آپ کا حق مجھ پر واجب ہے۔“

اور اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وضوء بھی کافی ہے، اسی طرح جمعہ کے دن خوشبو لگانا، مسواک کرنا، اچھے کپڑے پہننا اور جمعہ کے لئے جلدی جانا ان امور میں سے ہے، جن کی ترغیب دی گئی ہے لیکن ان میں سے کوئی چیز بھی واجب نہیں ہے۔

شیخ ابن باز

اس شخص کی نماز جمعہ جو مسافر کے حکم میں ہو

سوال کیا ہمارے لئے یہاں ہسپانیہ میں نماز جمعہ فرض ہے جبکہ یہاں کوئی مسجد نہیں ہے اور ہم لوگ یہاں علم حاصل کرنے کے لئے آئے ہیں؟

جواب اہل علم نے صراحت کی ہے کہ آپ جیسے لوگوں کے لئے جمعہ واجب نہیں ہے بلکہ اگر آپ لوگ جمعہ پڑھ بھی لیں تو اس کی صحت محل نظر ہے۔ آپ کے لئے نماز ظہر واجب ہے کیونکہ آپ کی مسافروں اور بادیہ نشین لوگوں سے مشابہت ہے اور جمعہ تو ان لوگوں پر واجب ہے جو کسی علاقے کے مستقل رہنے والے ہوں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مسافروں اور بادیہ نشین لوگوں کو جمعہ کا حکم نہیں دیا اور نبی ﷺ نے اپنے سفروں میں خود بھی جمعہ کا اہتمام نہیں فرمایا، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی حالت سفر میں جمعہ پڑھنا ثابت نہیں۔ احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر عرفہ میں جمعہ نہیں پڑھا تھا بلکہ جمعہ کے دن نماز ظہر ادا فرمائی تھی۔ آپ نے حاجیوں کو بھی جمعہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا کیونکہ وہ مسافروں کے حکم میں تھے۔ الحمد للہ! اہل اسلام میں اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے ہاں البتہ بعض تابعین سے جو اختلاف منقول ہے تو وہ شاذ اور ناقابل التفات ہے۔ ہاں البتہ آپ وہاں کے مسلمان مقیم لوگوں کو جمعہ پڑھتے ہوئے دیکھیں تو پھر آپ جیسے لوگوں کو جو اس ملک میں عارضی طور پر تعلیم یا تجارت وغیرہ کی غرض سے مقیم ہیں، چاہئے کہ جمعہ پڑھنے کے اجر و ثواب کے حصول کے لئے ان کے ساتھ مل کر نماز جمعہ ادا کر لیں۔

— شیخ ابن باز —

جمعہ کے دن خطبہ کے وقت خاموش رہنا واجب ہے

سوال اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو جمعہ کے دن اس وقت غیر شعوری طور پر بات کرے، جب خطیب خطبہ دے رہا ہو؟ مثلاً کسی دوست نے سلام کہا تو جواب میں سلام علیک کہہ دیا، دیکھا کہ قریب ہی بچے باتیں کر رہے ہیں تو ان سے کہہ دیا کہ خاموش ہو جاؤ؟

جواب جمعہ کے دن جب خطیب خطبہ دے رہا ہو، خطیب کو سننے اور خطبہ کی طرف متوجہ ہونے کی وجہ سے خاموش ہونا ضروری اور اس وقت کلام کرنا حرام ہے خواہ یہ کلام امر بالمعروف ہی کے لئے کیوں نہ ہو، نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِذَا قُلْتَ لِصَاحِبِكَ أَنْصِتْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَقَدْ لَعْنَتْ» (صحیح بخاری، کتاب الجمعة، باب الانصات يوم الجمعة والامام يخطب، ح: ۹۳۴، و صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب في الانصات يوم الجمعة في الخطبة، ح: ۸۵۱)

”جب خطیب خطبہ دے رہا ہو اور تم اپنے ساتھی سے یہ کہو کہ خاموش ہو جاؤ تو یہ بھی تم نے لغو کام کیا۔“

فضول کام کرنا، زمین یا درری اور چٹائی وغیرہ کو اس وقت درست کرنا بھی حرام ہے، حدیث میں آیا ہے:

«وَمَنْ مَسَّ الْحَصَى فَقَدْ لَعْنَا» (صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب فضل من استمع وانصت في الخطبة، ح: ۸۵۷)

”جس نے کنگری کو چھوا اس نے بھی لغو کام کیا۔“

لیکن امام متثنیٰ ہے، اس کے لئے یہ جائز ہے کہ جمعہ کے لئے آنے والوں سے بات کرے یا جمعہ پڑھنے والوں میں سے کوئی بوقت ضرورت امام سے بات کرے۔ امام کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے بات کرنا یا کسی دوسرے سے مخاطب ہونا جائز نہیں۔ اگر کوئی تمہیں سلام کرے تو اس کے سلام کا اشارہ سے جواب دو، اسی طرح بچوں کو بھی اشارہ سے خاموش کراؤ، بات نہ کرو۔ اگر کوئی شخص ازراہ جہالت بات کرے، تو وہ معذور ہے اور اگر کوئی مذکورہ وعید کو جانتے ہوئے دانستہ بات کرے، تو وہ خطاکار ہے لیکن اسے یہ حکم نہیں کہ وہ نماز کو دوہرائے۔ واللہ اعلم۔

شیخ ابن جبرین

جمعہ کے دن پیلیکریپر قرآن مجید کی تلاوت

سوال بہت سے اسلامی ممالک میں جمعہ کی نماز سے پہلے بعض مسجدوں میں لاؤڈ سپیکر پر قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی ہے، اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب ہمیں کتاب و سنت اور صحابہ کرام و سلف صالح رضی اللہ عنہم کے عمل سے اس کا ثبوت نہیں ملتا لہذا اس طریقہ کو بدعت ہی قرار دیا جائے گا اور پھر اس سے مسجدوں میں نماز پڑھنے والوں اور تلاوت کرنے والوں کی عبادت میں بھی خلل پڑتا ہے۔ واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ

شیخ ابن باز

تشہد میں امام کے ساتھ ملنا

سوال جب میں مسجد میں جاؤں اور امام نماز جمعہ میں حالت تشہد میں ہو تو کیا میں جمعہ کی نماز پڑھوں یا ظہر کی؟

جواب جب کوئی شخص نماز جمعہ میں سجدہ یا تشہد میں آکر ملے تو اسے جمعہ کے بجائے نماز ظہر پڑھنا ہوگی کیونکہ جمعہ کے لئے ضروری ہے کہ کم از کم ایک رکعت ضرور پالے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ أَدْرَكَ رُكْعَةً مِنَ الصَّلَاةِ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلَاةَ» (صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب متى يقوم الناس للصلاة، ح: ۶۰۷)

”جس نے نماز کی ایک رکعت پالی، اس نے نماز کو پالیا۔“

اور اسی طرح آپ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ:

«مَنْ أَدْرَكَ رُكْعَةً مِنَ الْجُمُعَةِ فَلْيُضِفْ إِلَيْهَا أُخْرَى وَقَدْ تَمَّتْ صَلَاتُهُ» (سنن الدارقطني، ۱۰/۲، ۱۱، ۱۳)

”جس نے جمعہ کی ایک رکعت پالی وہ اس کے ساتھ دوسری رکعت بھی ملا لے، اس کی نماز ہو گئی۔“

ان دونوں حدیثوں سے یہ معلوم ہوا کہ جو شخص جمعہ کی ایک رکعت بھی نہ پاسکے اس کا جمعہ فوت ہو گیا لہذا اسے ظہر

کی نماز پڑھنی چاہئے۔ واللہ ولی التوفیق

شیخ ابن باز

خطبہ جمعہ کا غیر عربی زبان میں ترجمہ

سوال ہمارے ہاں اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ خطبہ جمعہ کا ہماری ملکی زبان میں ترجمہ جائز ہے یا نہیں؟ کچھ لوگ اسے جائز بتاتے ہیں اور کچھ ناجائز تو سوال یہ ہے کہ اس مسئلہ میں شرعی حکم کیا ہے؟ افیدونا افادکم اللہ

جواب علماء کرام رضی اللہ عنہم کا جمعہ و عیدین کے خطبوں کے عجمی زبانوں میں ترجموں کے بارے میں اختلاف ہے، اہل علم کی ایک جماعت کے نزدیک یہ ممنوع ہے اور انہوں نے اسے ممنوع اس لئے قرار دیا ہے تاکہ عربی زبان باقی رہے، اس کی حفاظت ہو سکے اور رسول اللہ ﷺ اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقہ کے مطابق خطبے عربی میں دیئے جائیں خواہ عجمی ممالک ہوں یا غیر عجمی اور پھر عربی زبان میں خطبہ دینے سے لوگوں میں عربی زبان سیکھنے کا شوق بھی پیدا ہو گا۔

دیگر اہل علم کا نقطہ نظر یہ ہے کہ خطبوں کا عربی زبان میں ترجمہ بھی جائز ہے جب کہ سامعین یا ان کی اکثریت عربی زبان نہ جانتی ہو تاکہ وہ مقصود حاصل ہو سکے جس کے لئے جمعہ کا حکم ہے اور وہ یہ کہ لوگوں تک اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ شریعت کے ادا اور نواہی کو پہنچا دیا جائے، اخلاق کریمہ اور صفات حمیدہ کی تلقین کی جائے اور ان کی خلاف ورزی سے بچنے کی تنبیہ کی جائے اور اس میں قطعاً کوئی شک نہیں کہ الفاظ و رسوم کی پابندی کی بجائے معانی و مقاصد کی پابندی زیادہ افضل اور زیادہ واجب ہے خصوصاً جب کہ سامعین عربی زبان کا اہتمام کرنے والے نہ ہوں اور خطیب کا عربی میں خطبہ بھی ان میں عربی زبان کے سیکھنے کا شوق پیدا نہ کرے تو اس سے مقصود حاصل نہ ہو گا اور عربی زبان میں خطبہ کے بقاء کا مطلوب حاصل نہ ہو گا تو اس سے غور کرنے والے کے سامنے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ سامعین میں مروج ان زبانوں میں خطبہ جن کو وہ جانتے ہوں اور جن سے وہ معنی و مراد کو سمجھ جاتے ہوں، زیادہ موزوں اور لائق اتباع ہے خصوصاً جب کہ ترجمہ نہ کرنے سے نزاع اور جھگڑے کے پیدا ہونے کا بھی اندیشہ ہو تو اس سے معلوم ہوا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان حالات میں حصول مصلحت اور دفع مفدت کے لئے ترجمہ ضروری ہے۔

اگر سامعین میں کچھ لوگ عربی جانتے والے بھی ہوں تو پھر خطیب کے لئے موزوں یہ ہے کہ وہ دونوں زبانوں کو استعمال کرے، خطبہ عربی زبان میں دے اور پھر دوسری زبان میں جسے سامعین سمجھتے ہوں دوہرائے، اس سے دونوں مصلحتیں جمع ہو جائیں گی، ہر طرح کی مضرت کی نفی ہو جائے گی اور سامعین میں ہر طرح کا نزاع بھی ختم ہو جائے گا۔ شریعت مطہرہ کے بہت سے دلائل سے یہی ثابت ہوتا ہے، ان میں سے ایک دلیل تو یہی ہے جو بیان کی جا چکی ہے کہ خطبہ سے مقصود سامعین کو نفع پہنچانا، اللہ تعالیٰ کے حقوق یاد دلانا، اس کی طرف دعوت دینا اور انہیں ان امور کے ارتکاب سے ڈرانا ہے، جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے اور یہ مقصد اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ خطبہ میں ایسی زبان استعمال کی جائے جسے سامعین سمجھتے ہوں۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں کو ان کی قوموں کی زبانوں کے ساتھ مبعوث فرمایا تاکہ وہ ان کی زبانوں میں ان تک اللہ تعالیٰ کی مراد کو پہنچا دیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُبَلِّغَ قَوْمَهُ لِيُذَكِّرَهُمْ﴾ (ابراہیم ۱۷/۴)

”اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر (وہ) اپنی قوم کی زبان بولتا تھا تاکہ انہیں (احکام الہی) کھول کھول کر بتا

دے۔“

نیز فرمایا:

﴿كَتَبْنَا أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلَى صِرَاطٍ الْعَزِيزِ
الْحَسِيدِ ﴿۱﴾﴾ (ابراہیم ۱/۱۴)

” (یہ) ایک (پرنور) کتاب (ہے) اس کو ہم نے آپ پر اس لئے نازل کیا ہے کہ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائیں (یعنی) ان کے پروردگار کے حکم سے غالب اور قابل تعریف (اللہ) کے راستے کی طرف۔“

اور جب وہ اللہ تعالیٰ کی مراد کو جانیں گے ہی نہیں تو انہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جانا کس طرح ممکن ہو گا؟ اس سے معلوم ہوا کہ اس کے بغیر اور کوئی چارہ نہیں کہ مراد الہی کو سمجھانے کے لئے اس کا لوگوں کی ان زبانوں میں ترجمہ کیا جائے جنہیں وہ سمجھتے ہوں اور اگر ان کے لئے اصل زبان شریعت کو سمجھنا آسان نہ ہو تو ضروری ہے کہ ان کے سامنے ان کی اپنی زبان میں یہ وضاحت کر دی جائے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ان پر کیا کیا حق ہے؟ چنانچہ اس سلسلہ میں ایک دلیل یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زید بن ثابت کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ یہودیوں کی زبان سیکھ لیں تاکہ آپ ان کی زبان میں ان سے خط و کتابت کر کے ان پر حجت تمام کر دیں اور اگر ان کی طرف سے خطوط آئیں تو وہ انہیں پڑھ کر آپ کو سنا سکیں اور ان کے مقصود کو آپ کی خدمت میں پہنچا سکیں۔ ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب بلاد عجم فارس و روم سے جہاد کیا تو اس وقت تک لڑائی نہ کی جب تک مترجمین کے واسطے سے انہیں اسلام کی دعوت نہ دے لی اور جب انہوں نے عجمی ملکوں کو فتح کر لیا تو انہوں نے لوگوں کو عربی زبان میں دعوت الی اللہ دی، لوگوں کو عربی زبان سیکھنے کا حکم دیا، جو عربی زبان نہ سیکھ سکا، اسے اسی کی زبان میں دعوت دی اور اس تک اس زبان میں دین کے پیغام کو پہنچا دیا جسے وہ سمجھتا تھا، اس سے حجت تمام ہو گئی اور معذرت ختم ہو گئی تو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس ترجمہ کی راہ کو اختیار کئے بغیر چارہ نہیں خصوصاً اس آخری دور میں، اس غربت اسلام کے عہد میں، جب کہ ہر قوم نے اپنی ہی زبان کو مضبوطی سے تھام رکھا ہے تو آج ترجمہ کی ضرورت اور اہمیت بہت بڑھ چکی ہے اور اس کے بغیر داعی دعوت کے کام کو پایہ تکمیل تک پہنچا ہی نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ وہ مسلمانوں کو..... خواہ وہ کہیں بھی ہوں..... یہ توفیق بخشے کہ وہ اپنے دین میں سمجھ بوجھ حاصل کریں، شریعت کو مضبوطی سے تھام کر استقامت کا مظاہرہ کریں۔ مسلمانوں کے حکمرانوں کی بھی اللہ تعالیٰ اصلاح فرمائے، اپنے دین کو فتح و نصرت سے نوازے اور اپنے دشمنوں کو ذلت و رسوائی سے دوچار کرے۔ انہ جو اذکریم۔

شیخ ابن باز

خطبہ کے دوران تحیۃ المسجد

سوال

میرے اور بعض نمازی بھائیوں کے درمیان اس مسئلہ میں جھگڑا پیدا ہو گیا کہ جب انسان مسجد میں داخل ہو اور امام خطبہ دے رہا ہو تو کیا تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں پڑھنی چاہئیں یا نہیں۔ لہذا آپ سے درخواست ہے کہ براہ کرم فتویٰ

دیں کیا اس حالت میں دو رکعتیں پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ یاد رہے مذکورہ نمازی جنہوں نے مجھ سے اختلاف کیا وہ مالکی یعنی امام مالک کے مذہب کے مقلد ہیں۔

جواب سنت یہ ہے کہ آدمی جب مسجد میں داخل ہو تو تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں پڑھے، خواہ امام خطبہ ہی کیوں نہ دے رہا ہو، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلَا يَجْلِسُ حَتَّى يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ» (صحیح بخاری، کتاب التہجد، باب ما جاء في التطوع مني مني، ح: ۱۱۶۳، وصحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرين، باب استحباب تحية المسجد بركعتين ۰۰۰، ح: ۷۱۴)

”جب تم میں سے کوئی مسجد میں داخل ہو تو وہ اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک دو رکعتیں نہ پڑھ لے۔“

نیز صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَلْيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ وَلْيَتَجَوَّزْ فِيهِمَا» (صحیح مسلم، کتاب الجمعة، باب التحية، والامام يخطب، ح: ۸۷۵)

”جب تم میں سے کوئی جمعہ کے دن اس وقت آئے جب امام خطبہ دے رہا ہو تو وہ بھی دو رکعتیں پڑھے اور انہیں مختصر طور پر پڑھے۔“

یہ حدیث اس مسئلہ میں نص صریح ہے اور کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ اس کی مخالفت کرے۔ شاید امام مالک رضی اللہ عنہ تک یہ سنت نہ پہنچی ہو، اگر ان سے یہ ثابت ہے کہ انہوں نے بوقت خطبہ ان دو رکعتوں سے منع فرمایا ہے، لیکن جب صحیح سند سے یہ ثابت ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے تو پھر کسی بھی شخص کے قول کی وجہ سے خواہ وہ کوئی بھی ہو، اس سنت کی مخالفت کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِن تَنَزَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿۵۹﴾﴾ (النساء/۵۹)

”مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں، ان کی بھی اور اگر کسی بات میں تمہارے درمیان اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں اللہ اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے۔“

نیز فرمایا:

﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ﴾ (الشوریٰ/۴۲/۱۰)

”اور تم جس بات میں اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف (سے ہو گا)“

اور یہ بات معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا حکم اللہ عزوجل ہی کا حکم ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ (النساء/۴/۸۰)

”جو شخص رسول کی فرماں برداری کرے گا تو بے شک اس نے اللہ کی فرماں برداری کی۔“

شیخ ابن باز

کیا جمعہ کے لئے چالیس آدمیوں کا ہونا شرط ہے؟

سوال میں نے بعض کتابوں میں یہ پڑھا ہے کہ اقامت جمعہ کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ چالیس ایسے آدمی ہوں جن پر نماز واجب ہو لیکن ”الدعوة“ میں ساحتہ الشیخ کا یہ فتویٰ شائع ہوا ہے کہ امام کے ساتھ اگر دو آدمی بھی ہوں تو جمعہ قائم کیا جائے گا، تو ان دونوں باتوں میں تطبیق کس طرح ہوگی؟

جواب اہل علم کی ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ اقامت جمعہ کے لئے چالیس آدمیوں کا ہونا شرط ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے لیکن راجح قول یہ ہے کہ چالیس آدمیوں سے کم کے ساتھ بھی جمعہ پڑھنا جائز ہے اور کم از کم تعداد تین ہے جس طرح کہ اس فتویٰ میں بیان کیا گیا ہے جس کی طرف سوال میں اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ چالیس کے عدد کے بارے میں کوئی دلیل نہیں ہے اور وہ حدیث جس میں چالیس آدمیوں کی شرط کا ذکر ہے، وہ ضعیف ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے ”بلوغ المرام“ میں ذکر فرمایا ہے۔

شیخ ابن باز

جمعہ کے لئے نمازیوں کی تعداد

سوال نماز جمعہ اور اقامت خطبہ کے لئے نمازیوں کی کم از کم کتنی تعداد شرط ہے؟

جواب اس مسئلہ میں اہل علم میں بہت اختلاف ہے اور اس مسئلہ میں سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اگر امام اور اس کے ساتھ دو مقتدی یعنی کل تین نمازی ہوں تو جمعہ ہو سکتا ہے۔ یعنی اگر کسی بستی میں تین مکلف، آزاد اور مقیم مرد ہوں تو وہ جمعہ قائم کریں اور نماز ظہر نہ پڑھیں کیونکہ نماز جمعہ کی مشروعیت اور فرضیت کے دلائل کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ تین یا اس سے زیادہ آدمی ہوں تو ان کے لئے نماز جمعہ ادا کرنا فرض ہے۔

شیخ ابن باز

عید کے دو خطبے اور ان کے درمیان بیٹھنا سنت ہے

سوال کیا عید کے دو خطبوں کے درمیان بیٹھنا سنت ہے؟

جواب نماز عید کے بعد دو خطبے سنت ہیں کیونکہ نسائی، ابن ماجہ اور ابوداؤد نے عطاء سے اور انہوں نے عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز عید میں حاضر تھا، جب آپ نے نماز ادا فرمائی تو فرمایا:

«إِنَّا نَحْطُبُ فَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَجْلِسَ لِلْخُطْبَةِ فَلْيَجْلِسْ وَمَنْ أَحَبَّ أَنْ يَدْهَبَ فَلْيَدْهَبْ»

(سنن أبي داود، کتاب الصلوة، باب الجلوس للخطبة، ح: ۱۱۵۵)

”اب، ہم خطبہ دیں گے، جو خطبہ سننے کے لئے بیٹھنا پسند کرے وہ بیٹھ جائے اور جو جانا پسند کرے وہ چلا جائے۔“

امام شوکانی رحمہ اللہ نے ”نیل“ میں لکھا ہے کہ مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ”اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خطبہ سنت ہے، اگر خطبہ واجب ہوتا تو اس کے لئے بیٹھنا بھی واجب ہوتا۔“

جو شخص عید میں دو خطبے دینا چاہے تو اس کے لئے طریقہ یہ ہے کہ جمعہ کے خطبہ پر قیاس کی بنیاد پر وہ دونوں خطبوں کے درمیان تھوڑا سا بیٹھ کیونکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے عبید اللہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ سنت یہ ہے کہ امام عید میں دو خطبے دے اور دونوں کے درمیان بیٹھ کر فرق کرے۔ بعض اہل علم کا یہ مذہب ہے کہ نماز عید کے لئے صرف ایک ہی خطبہ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی صحیح احادیث میں صرف ایک ہی خطبہ کا ذکر ہے۔ واللہ اعلم۔ (وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم)

فتویٰ کمیٹی

جنگلوں میں اور سفر میں نماز عید

سوال ایک دفعہ مجھے دیہاتی علاقے میں جانے کا اتفاق ہوا۔ اتفاق سے یہ عید الاضحیٰ کا دن تھا تو میں نے دیکھا کہ مرد اور عورتیں قبروں کی زیارت کے لئے قبرستان گئے، مجھے اس بات سے بہت تعجب ہوا کہ عید کی صبح ہر وہ شخص جس نے نماز پڑھی، وہ قبرستان میں بھی ضرور گیا! ان کے آگے جوانی اور بڑھاپے کی عمر کے درمیان کا ایک آدمی تھا جس نے سب کو نماز پڑھائی اور میں حیرت و تعجب سے یہ سارا منظر دیکھتا رہا اور میں نے ان کے ساتھ یہ نماز نہ پڑھی، جسے وہ نماز عید کے نام سے موسوم کر رہے تھے۔ میرا سوال یہ ہے کہ اس نماز کے بارے میں حکم اسلام کیا ہے؟ یہ دیہاتی لوگ جن کا میں تذکرہ کر رہا ہوں، ان کے ہاں کوئی جامع یا غیر جامع مسجد بھی نہ تھی کیونکہ یہ تو خیموں میں رہتے ہیں، جو ایک دوسرے سے الگ الگ ہوتے ہیں۔ (میرے یہ کہنے کا مقصد کہ انہوں نے قبرستان میں نماز پڑھی یہ ہے کہ انہوں نے قبرستان کے قریب نماز پڑھی لیکن قبروں سے وہ لوگ بہت دور تھے۔)

جواب نماز عید شہروں اور بستوں میں تو ادا کی جاتی ہے لیکن جنگلوں اور سفر میں اسے قائم کرنے کا حکم نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے یہی ثابت ہے اور یہ ہرگز ثابت نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کبھی سفر میں یا جنگل میں نماز عید ادا کی ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر عرفہ میں نماز جمعہ نہیں پڑھی، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں نماز عید بھی نہیں پڑھی اور ہر طرح کی خیر و سعادت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اتباع ہی میں مضمر ہے۔ واللہ ولی التوفیق!

شیخ ابن باز

خوف کی وجہ سے جمعہ ساقط ہو جائے گا

سوال ایک شخص کی نماز جمعہ کے وقت ایک ادارے کے سامان کی حفاظت کے لئے بطور چوکیدار ڈیوٹی ہے اور وہ اس بات سے ڈرتا ہے کہ اگر وہ نماز کے لئے گیا تو سامان چوری ہو جائے گا، تو کیا اس سے نماز جمعہ ساقط ہو جائے گی؟

جواب بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے جمعہ ساقط ہو جائے گا بشرطیکہ سامان کی چوری کا خوف یقینی ہو اور یہ ممکن نہ ہو کہ سامان کو مضبوط عمارت کے اندر رکھ کر حفاظت کے لئے تالا لگا دیا جائے اور اس علاقے میں ایسے چور اور اچکے موجود

ہوں جو نماز جمعہ پڑھنے کی بجائے لوگوں کی غفلت سے فائدہ اٹھا کر سامان اٹھا لیتے اور غیر محفوظ جگہ پر پڑے ہوئے سازوسامان کو چرا لیتے ہوں اور اگر چوری کا اندیشہ حقیقی نہ ہو بلکہ یہ صرف وہم کی کرشمہ سازی ہو تو اس سے کسی سے بھی جمعہ ساقط نہ ہو گا اور جب خوف کا اندیشہ یقینی ہو تو اس صورت میں سامان کے پاس ایک آدمی یا اتنے آدمی رہ جائیں جو بقدر ضرورت ہوں اور پھر دیگر چوکیداروں وغیرہ کی آمد کے بعد یہ نماز ظہر پڑھ لیں۔ واللہ اعلم

شیخ ابن باز

یہ ترک جمعہ کے لئے عذر نہیں

سوال ایک حادثہ کی وجہ سے میرے پاؤں میں چوٹ لگ گئی تھی، جس کی وجہ سے نماز پڑھتے ہوئے میں اپنے پاؤں کو سیدھا کھڑا نہیں کر سکتا اور میں محسوس کرتا ہوں کہ اس وجہ سے نمازیوں کو تکلیف اٹھانا پڑتی ہے، تو کیا میرے لئے یہ جائز ہے کہ میں جمعہ کی نماز گھر میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ ادا کر لوں؟

جواب شرعاً منصوص علیہ مسئلہ یہ ہے کہ ہر اس مسلمان کے لئے مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنا فرض عین ہے، جس میں جمعہ کی شرطیں موجود ہوں لہذا جمعہ صرف اسی صورت میں ساقط ہو گا، جب ان شرطوں میں سے کوئی شرط مفقود ہوگی۔ سائل جب اقرار کر رہا ہے کہ وہ بالفعل نماز جمعہ جماعت کے ساتھ ادا کر رہا ہے اور اب صرف اس وجہ سے ترک کرنا چاہتا ہے کہ بعض نمازی اس کے پاؤں کھڑانہ کر سکتے اور مجبوراً اسے پھیلا دینے کی وجہ سے تنگی محسوس کرتے ہیں، تو یہ کوئی ایسا عذر نہیں، جس کی وجہ سے وہ نماز جمعہ کو ترک کر دے، جب کہ بالفعل اسے نماز جمعہ ادا کرنے کی قدرت حاصل ہے اور مذکورہ بالا معذوری کی وجہ سے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ صفوں کے پیچھے تنہا ایک مستقل صف میں یا کسی صف کے آخری کنارہ پر کسی بھی دوسری ایسی صورت کو اختیار کر کے کھڑا ہو جائے، جس سے ساتھ والے نمازیوں کو تکلیف نہ ہو۔ واللہ اعلم

شیخ ابن عثیمین

خطبہ جمعہ کے دوران بوقت دعاء ہاتھوں کو اٹھانا

سوال خطبہ جمعہ کے دوران امام کی دعاء پر مقتدیوں کے آئین کے موقع پر ہاتھوں کو اٹھانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ نیز اس موقع پر بلند آواز سے آئین کہنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب خطبہ جمعہ میں دعاء کے لئے ہاتھ اٹھانے کی امام یا مقتدیوں کو شرعاً اجازت نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خلفاء راشدین سے اس طرح ثابت نہیں ہے، ہاں البتہ اگر خطبہ جمعہ میں بارش کے لئے دعاء کی جارہی ہو تو پھر امام اور مقتدیوں دونوں کے لئے ہاتھ اٹھا کر دعاء کرنا جائز ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے جب خطبہ جمعہ میں بارش کی دعاء مانگی تو آپ نے خود بھی دونوں ہاتھوں کو اٹھایا اور لوگوں نے بھی دعاء کے لئے اپنے ہاتھوں کو اٹھایا تھا اور فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الأحزاب ۲۱/۳۳)

(مسلمانو!) تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات میں بہترین اور عمدہ نمونہ موجود ہے“
اگر آواز بلند کئے بغیر مقتدی آہستہ سے امام کی دعاء پر آمین کہتے جائیں تو میرے علم کے مطابق اس میں کوئی حرج نہیں۔ وباللہ التوفیق

شیخ ابن باز

جمعہ کے دن سورہ کف کی تلاوت

سوال جمعہ کی رات اور دن میں سورہ کف کی تلاوت کے بارے میں کیا حکم ہے؟
جواب جمعہ کے دن سورہ کف کی تلاوت ایک مستحب عمل ہے اور اس کی بہت فضیلت ہے اور اس اعتبار سے کوئی فرق نہیں کہ انسان قرآن مجید سے دیکھ کر تلاوت کرے یا زبانی اور یاد رہے کہ شرعی دن کا آغاز طلوع فجر سے ہوتا ہے اور اختتام غروب آفتاب پر لہذا اگر کوئی شخص نماز جمعہ کے بعد اس سورت کی تلاوت کرے تو اسے بھی اجر و ثواب ملے گا۔

شیخ ابن عثیمین

جمعہ کے دن امام کی دعاء پر آمین کہنا

سوال کیا خطبہ کے بعد نماز جمعہ میں مقتدیوں کا امام کی دعاء پر آمین کہنا بدعت ہے؟ یعنی جب امام دعاء کرے اور ہم اس پر آمین کہیں تو کیا یہ بدعت ہے؟
جواب خطبہ میں امام کی دعاء پر مقتدیوں کا آمین کہنا جب کہ وہ مسلمانوں کے لئے دعاء کر رہا ہو، بدعت نہیں ہے بلکہ مستحب ہے کہ امام کی دعاء پر آمین کہی جائے لیکن اجتماعی طور پر بلند آواز کے ساتھ نہ کہی جائے بلکہ ہر شخص انفرادی طور پر آہستہ سے آمین کہے تاکہ تشویش پیدا نہ ہو اور مسجد میں آوازیں بلند نہ ہوں لہذا ہر نمازی کو چاہئے کہ وہ دوسروں سے الگ اپنے طور پر اور آہستہ سے خطیب کی دعاء پر آمین کہے!

شیخ ابن عثیمین

حلقہ کی مسجد میں نماز ادا کرنا افضل ہے

سوال کیا نمازی کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ جمعہ کے دن اپنے علاقہ میں موجود مسجد کو چھوڑ کر کسی دوسری مسجد میں اس لئے جائے کہ وہاں کے خطیب کی معلومات بھی زیادہ ہیں اور وہ خطیب بھی بہت اچھا ہے؟
جواب زیادہ اچھی بات یہ ہے کہ اہل محلہ اپنی مسجد میں نماز ادا کریں تاکہ آپس میں تعارف اور الفت پیدا ہو اور ایک دوسرے کی حوصلہ افزائی بھی ہو۔ اگر کوئی شخص کسی دینی مصلحت مثلاً تحصیل علم یا زیادہ علمی اور پر تاثیر خطبہ کی سماعت کے لئے کسی دوسری مسجد میں جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، چنانچہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ، امام اور مسجد کی فضیلت کے پیش نظر آپ کی مسجد میں نماز ادا کیا کرتے تھے اور پھر اپنے محلہ کی مسجد میں جا کر بھی نماز ادا کر لیتے جس طرح کہ رسول اللہ کے عہد مبارک میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا معمول تھا، رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا علم بھی تھا مگر

آپ نے اس سے منع نہیں فرمایا۔

شیخ ابن عثیمین

عید کے دن کے مستحب افعال

عید الفطر کے دن ہمارے لئے کون سے اعمال و افعال مستحب ہیں؟

سوال

عید کے دن مسلمان فرحت و مسرت کا اظہار کرتے ہیں کہ انہوں نے صیام و قیام کی تکمیل کی اور دیگر عبادات کو سرانجام دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی وہ عظیم نعمتیں ہیں، جن کی اس نے اپنے بندوں کو توفیق عطا فرمائی۔ لہذا سب سے پہلے تو وہ عید کی رات اور دن میں نماز عید سے پہلے تکبیریں شروع کر دیتے ہیں، پھر دن کے ابتدائی حصہ میں اس مخصوص عبادت یعنی نماز عید کے ادا کرنے کے لئے ایک مخصوص انداز میں اپنے گھروں سے باہر کھلے میدان میں جاتے ہیں اور اس میں مرد بھی شریک ہوتے ہیں اور عورتیں بھی حتیٰ کہ پردہ نشین دو شیزگان بھی اس عبادت میں شریک ہوتی ہیں تاکہ وہ بھی خیر و بھلائی اور مسلمانوں کی دعاء کے اس مقدس موقعہ پر حاضر ہوں جیسا کہ حدیث میں اس کا ذکر ہے۔ نماز عید ادا کرنے کے بعد مسلمان اس نعمت پر خوشی و مسرت کا اظہار کرتے ہوئے عید گاہ سے واپس لوٹتے ہیں، ایک دوسرے کو سلام اور مبارکباد کہتے ہیں، ایک دوسرے کی ملاقات کے لئے آتے جاتے ہیں اور عبادت روزہ کے اختتام پذیر ہونے کی علامت کے طور پر اس دن انواع و اقسام کی چیزیں کھاتے پیتے ہیں۔

شیخ ابن جبرین





فتاویٰ اسلامیہ (جلد اول)

فتاویٰ علوم اسلامیہ میں ایک ممتاز اور مفید علم اور فن کا درجہ رکھتا ہے۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خود اللہ تعالیٰ نے مسائل کے جواب میں فتویٰ کے اسلوب کو قرآن میں بیان کیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی تمام احادیث صحیحہ عملاً فتاویٰ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ آپ ﷺ کی اتباع میں خلفائے راشدین کے علاوہ ایک سو تیس سے زائد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فتاویٰ بھی محفوظ ہیں۔ فتویٰ نویسی سے قرآن مجید کے عمدہ تفسیری نکات اور احادیث کی شرح میں تعبیر نصوص کا علم حاصل ہوتا ہے۔ فتاویٰ کے ذریعے ہر عہد کے مسائل و مشکلات میں دینی رہنمائی کا التزام ملتا ہے۔ اسی باعث ہم اس شعبہ علم کو اسلام کی حیات مستقبلہ کی ضمانت تصور کرتے ہیں۔ فتویٰ نویسی کے بہت سے آداب اور تقاضے ہیں۔ جہاں ان سے دینی رہنمائی کے لیے روشنی میسر آتی ہے وہاں بعض علمائے سوء نے گمراہی اور ضلالت کا سامان بھی پیدا کیا ہے۔

پیش نظر فتاویٰ عصر حاضر کے تین ممتاز سعودی علماء اور مفتیان کرام ساحتہ الشیخ عبدالعزیز ابن باز، فضیلۃ الشیخ محمد بن صالح بن العثیمین رحمہما اللہ تعالیٰ اور فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن عبدالرحمن الجبرین حفظہم اللہ تعالیٰ اور ”اللجنة الدائمة للإفتاء والإرشاد“ کی علمی مساعی کا نتیجہ ہیں جن کا بنیادی استدلال کتاب و سنت اور آثار صحابہ پر مبنی ہے۔ اپنے اسی منہج اور طرز استدلال کے باعث یہ فتاویٰ سلفی فکر کی نمائندگی کرتا ہے۔ عقائد و عبادات سے لے کر معاملات تک کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں کتاب و سنت کے مطابق رہنمائی فراہم نہ کی گئی ہو۔ یوں ہم اسے عہد حاضر میں مسائل دینی اور امور دنیوی کی اصلاح کا دائرۃ المعارف قرار دے سکتے ہیں۔ دارالسلام نے اس عظیم فتاویٰ کا ترجمہ اور اس کی طباعت کے امور کو اپنے روایتی اور مثالی اسلوب کے مطابق پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے مطالعہ کو ہمارے لیے نافع اور آخرت میں موجب فلاح بنائے۔ آمین

پروفیسر عبدالجبار شاہ

دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور
لندن • ہیوسٹن • نیویارک